

ترتیباً علی الکتابتین فی القرآن  
انہما آیت پروردگار کتاب کو مثال کیا جو ہر چیز کا وزن یا پیمانہ

# بیان القرآن

جلد چہارم

الاعراف . الأنفال

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فریدی بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل  
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زوحیب حسن عطاری



Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کا پانی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرا، ٹائٹل یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



ISBN 969-563-013-8



مصحح : حافظ محمد ابراہیم فیضی قاری تلپور احمد فیضی  
مطبع : رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور  
الطبع الاول : شوال 1420ھ / فروری 2000ء  
الطبع السابغ : شوال 1430ھ / اگست 2009ء

**Farid Book Stall**

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No: 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

فون نمبر: ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵

فکس نمبر: ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹

ای میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۲	ایک اشکل کا جواب	۴۳	سورۃ الاعراف	
۴۳	نزول عذاب کے وقت معذبین کا اعتراف جرم	۴۴	سورۃ الاعراف کا معنی اور مصداق	۱
	قیامت کے دن رسولوں اور ان کی امتوں سے	۴۵	سورۃ الاعراف کی آیتوں کی تعداد اور ان کی	۲
۴۴	سوالات	۴۶	صفات	۳
	قیامت کے دن مجرموں سے سوال کرنے اور نہ	۴۷	سورۃ الاعراف کا زمانہ نزول	۴
۴۵	کرنے کے محال	۴۸	سورۃ الاعراف کے مضامین اور مقاصد	۵
	مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے	۴۹	سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کا باہمی تناسب	۶
۴۶	مناسبت	۵۰	المص O کتب انزل الیک (۱۰)	۷
۴۷	امل کے وزن کے متعلق مذہب علماء	۵۱	المص کی تحقیق	۸
۴۸	قرآن مجید سے میزان کے ثبوت پر دلائل	۵۲	قرآن مجید کی تبلیغ میں نبی ﷺ کے حرج یا	۹
۴۹	احادیث اور آثار سے میزان کے ثبوت پر دلائل	۵۳	شک کی تحقیق	۱۰
	آیا میزان میں صرف مسلمانوں کو وزن ہو گا یا	۵۴	قرآن مجید سے ڈرانے اور فصاحت کرنے کے	۱۱
۵۰	کافروں کا بھی وزن ہو گا؟	۵۵	الک الک عمل	۱۲
	ان مسلمانوں کی مغفرت کی صورتیں جن کی	۵۶	احادیث کے حجت ہونے کے دلائل اور ان کی	
۵۰	نیکیاں گناہوں کے برابر یا گناہوں سے کم ہو گی	۵۷	حجت کی وضاحت	
	مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے	۵۸	مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے	
۵۱	مناسبت	۵۹		
۵۲	معایش کی تفصیل	۶۰		
۵۳	شکر کا لغوی اور اصطلاحی معانی	۶۱		



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۶	شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۳	حضرت آدم کا ہاروں علتوں کی وجہ سے ابلیس سے افضل ہونا	۴۷
۲۷	شکر اور اکر نے کے طریقوں کے متعلق احادیث	۵۴	ابلیس کے باطل قیاس کی بناء پر منکرین قیاس کے دلائل اور ان کا تجزیہ	۴۸
۲۸	شکر کی فضیلت کے متعلق احادیث	۵۶	مخوزین قیاس کا احادیث سے استدلال	۴۹
۲۹	ولقد خلقناکم ثم صورناکم (۱۱۸)	۵۸	مخوزین قیاس کا آثار صحابہ اور اقول علماء سے استدلال	۵۰
۳۰	آیات سابقہ سے مناسبت	۵۸	شیطان کے ساتھ طویل مکالمہ اس کی فضیلت کا موجب نہیں	۵۱
۳۱	ایک افضل کتاب	۵۸	ابلیس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا یا آسمان سے ا	۵۲
۳۲	حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح کے بعض اہم واقعات	۵۹	تواضع کرنے والے کے لیے سر بلندی اور تکبر کرنے والے کے لیے ذلت اور پستی	۵۳
۳۳	حضرت آدم علیہ السلام کی مرحلہ وار تخلیق	۶۰	اس بات کی تحقیق کہ ابلیس لعین کو کتنی زندگی کی مسلت دی ہے	۵۴
۳۴	حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کا مشاہدہ کرنا	۶۱	افواء کا معنی	۵۵
۳۵	حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش	۶۲	ابلیس لعین کا جبر اور قدر میں حیران ہو جانا اور جبر اور قدر میں گمراہی	۵۶
۳۶	حضرت آدم علیہ السلام کا سیدنا محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور اس حدیث کی تحقیق	۶۳	ابلیس لعین کا مراد مستقیم سے بگاڑنے کی سعی کرنا	۵۷
۳۷	حضرت آدم کے سکون کے لیے حضرت حوا کو پیدا کرنا	۶۴	ابلیس لعین کا چار جہات سے حملہ آور ہو جانا اور اس سے تدارک کی دعا	۵۸
۳۸	حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں تشریف لانا	۶۵	ابلیس لعین کے اس دعویٰ کا سبب کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوں گے	۵۹
۳۹	حضرت آدم علیہ السلام کی وفات	۶۶	کیا تمام اہل بدعت اور گمراہ فرقہ روزی ہیں یا دام اسکن انت وزوجک	۶۰
۴۰	حضرت آدم علیہ السلام کا میندغ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مبارک	۶۷	الحجنہ (۱۹۲۵)	۶۱
۴۱	سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی	۶۸	ابلیس کی دوسرے اندازی معجرت آدم کا زمین پر	۶۲
۴۲	قرآن مجید میں سجدہ کے اطلاقات	۶۹		
۴۳	ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟	۷۰		
۴۴	امر کا جواب کے لیے ہونا	۷۱		
۴۵	حضرت آدم سے افضل ہونے پر ابلیس کا یہ استدلال کہ آگ مٹی سے افضل ہے	۷۲		
۴۶	آگ سے مٹی کے افضل ہونے کی دس وجوہات	۷۳		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۳	آٹا اور توبہ کرنا	۷۳	حضرت آدم کے فرشتہ اور داغی بننے کی طرح پر اعتراضات اور ان کے جوابات
۸۵	آپا شجر ممنوع سے کھانا کھانا تھا؟ اگر نہ نہیں تھا تو سزا کیوں ملی؟ اور آدم و ابلیس کے معرکہ میں کون کامیاب رہا؟	۷۴	یسنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا (۲۱-۳۱)
۸۶	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۷۵	آیات سابقہ سے مناسبت
۸۸	لباس کی نعمت پر شکر ادا کرنا	۷۶	لباس کی نعمت پر شکر ادا کرنا
۸۸	مرد اور عورت کی شرم گاہوں کے مصلوبیت میں مذہب فقہاء	۷۷	حضرت آدم کے جنت سے باہر آنے کا سبب ان کا ظیفہ بنانا تھا شجر ممنوع سے کھانا
۸۹	حضرت آدم کے جنت سے باہر آنے کا سبب ان کا ظیفہ بنانا تھا شجر ممنوع سے کھانا	۷۸	جنت کے انسانوں کو دیکھنے اور انسانوں کے جنت کو نہ دیکھنے کی تحقیق
۸۹	جنت کے انسانوں پر تصرف کرنے کا بطلان	۷۹	جنت کے انسانوں پر تصرف کرنے کا بطلان
۹۰	فاحشہ کا معنی اور مراد غمور کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فاحشہ کا حکم دیا ہے	۸۰	فاحشہ کا معنی اور مراد غمور کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فاحشہ کا حکم دیا ہے
۹۱	قسط اور عدل کے معانی	۸۱	قسط اور عدل کے معانی
۹۲	اخلاص کا معنی	۸۲	قرآن مجید میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم
۹۳	عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث	۸۳	عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث
۹۴	عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث	۸۴	عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث
۹۵	اخلاص ہونے پر فائدہ اور اخلاص نہ ہونے کے نقصان کے حقائق ایک اسرائیلی روایت	۸۵	اخلاص سے کیا ہوا کم عمل بغیر اخلاص کے زیادہ اعمال سے افضل ہے
۹۶	انسانوں کے حشر کی کیفیت	۸۶	ابتداء فطرت میں ہر انسان مکمل ایمان یافتہ ہوتا
۹۷	برہنہ طوائف کی ممانعت کا شلن نزول اور لوگوں کے سامنے برہنہ ہونے کی ممانعت	۸۷	تعمیر کعبہ کے وقت تہنہ اتار کر کدھے پر رکھنے کی روایت پر عجب و نظر
۹۸	کھانے پینے میں وسعت کی گنجائش اور اعتدال کا حکم اور بسیار خوری کا سرفا ہونا	۸۸	کھانے پینے میں وسعت کی گنجائش اور اعتدال کا حکم اور بسیار خوری کا سرفا ہونا
۹۹	بسیار خوری کی مذمت میں احادیث	۸۹	پرہیز کی اہمیت کے متعلق احادیث
۱۰۰	کھانے پینے کے آداب کے متعلق احادیث	۹۰	کھانے پینے کے آداب کے متعلق احادیث
۱۰۱	کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث	۹۱	کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث
۱۰۲	کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث	۹۲	کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث
۱۰۳	کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اور جواز کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	۹۳	وضو کے بچے ہوئے پانی اور زم زم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا استحباب
۱۰۴	قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبۃ من الرزق (۳۲-۳۹)	۹۴	لباس پہننے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث
۱۰۵	لباس پہننے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث	۹۵	لباس پہننے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۵	لباس کی انواع اور اقسام کے متعلق احادیث	۱۰۱	اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق	۱۳۱	کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولنے کے متعدد محال
۹۶	لباس کے رنگوں کے متعلق احادیث	۱۰۲	معمولات اہل سنت کا جواز اور استحسان	۱۳۲	کافروں کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھولنے کے متعلق حدیث
۹۷	اجلے صاف اور عمدہ لباس پہننے کے متعلق احادیث	۱۰۳	ان گناہوں کا بیان جو تمام گناہوں کی اصل ہیں	۱۳۸	اہل رخت کے دلوں سے دنیا کی رنجشوں اور شکستوں کا محو ہو جانا
۹۸	قیمتی اور معمولی لباس پہننے کی احادیث میں تطبیق	۱۰۴	ربط آیات	۱۳۹	کفار کی جنتوں کا مسلمانوں کو ورثہ میں ملنا
۹۹	لباس پہننے کے شرعی اور فقہی احکام	۱۰۵	رسول کا ان لوگوں کی جنس سے ہو جانے کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا	۱۴۰	جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے نہ کہ نیک اعمال
۱۰۰	زینت اور تجمل کے متعلق مفسرین مذاہب اربعہ کی تحقیق	۱۰۶	عقار کل کی وضاحت	۱۴۱	دخول جنت کے لیے اعمال کو سبب قرار دینے کے محال
۱۰۱	اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق	۱۰۷	نیک مسلمان حشر کے دن آیا گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے یا نہیں	۱۴۲	حشر کے دن کفار کی توبہ کارگر نہیں ہوگی
۱۰۲	معمولات اہل سنت کا جواز اور استحسان	۱۰۸	گناہ کار مسلمانوں کے لیے دائمی عذاب کا نہ ہونا	۱۴۳	الاعراف کا معنی اور مصداق
۱۰۳	ان گناہوں کا بیان جو تمام گناہوں کی اصل ہیں	۱۰۹	اللہ پر برکتن باندھنے اور اس کی آیتوں کو بھٹکانے کی تفصیل	۱۴۴	وفادی اصحاب الاعراف رجالا
۱۰۴	ربط آیات	۱۱۰	کتاب یا لوح محفوظ میں اللہ پر برکتن باندھنے والوں کی سزا	۱۴۵	اصحاب الاعراف کو دخول جنت کا ذوق
۱۰۵	رسول کا ان لوگوں کی جنس سے ہو جانے کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا	۱۱۱	کتاب کی تفسیر میں دیگر اقوال	۱۴۶	کافروں کو دوزخ میں کھانے پینے سے محروم رکھنے کی سزا دینا
۱۰۶	عقار کل کی وضاحت	۱۱۲	دوزخ میں کفار کے احوال	۱۴۷	اللہ کی راہ میں پانی خرچ کرنے کی اہمیت اور اجر و ثواب
۱۰۷	نیک مسلمان حشر کے دن آیا گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے یا نہیں	۱۱۳	ضعف کا معنی	۱۴۸	قرآن مجید کی خصوصیات
۱۰۸	گناہ کار مسلمانوں کے لیے دائمی عذاب کا نہ ہونا	۱۱۴	دو گئے عذاب پر ایک سوال کا جواب	۱۴۹	کفار کے اخروی خسارہ کا بیان
۱۰۹	اللہ پر برکتن باندھنے اور اس کی آیتوں کو بھٹکانے کی تفصیل	۱۱۵	ان الذین کذبوا بآیتنا واستکبروا عنہا (۳۰-۴۷)	۱۵۰	ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام (۵۴-۵۸)
۱۱۰	کتاب یا لوح محفوظ میں اللہ پر برکتن باندھنے والوں کی سزا			۱۵۱	اہم اور مشکل الفاظ کے معانی
۱۱۱	کتاب کی تفسیر میں دیگر اقوال			۱۵۲	اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل
۱۱۲	دوزخ میں کفار کے احوال			۱۵۳	زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی
۱۱۳	ضعف کا معنی				
۱۱۴	دو گئے عذاب پر ایک سوال کا جواب				
۱۱۵	ان الذین کذبوا بآیتنا واستکبروا عنہا (۳۰-۴۷)				

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۳	ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر	۱۵۵	حکمت	۱۳۲	چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا مضرب اور مستبر حدیث کی ہمیں
۱۸۳	چالیس حدیثوں کی تبلیغ کرنے والے کے متعلق نوید اور شارت	۱۵۵	عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا موقف	۱۳۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین
۱۸۳	چالیس حدیثوں کی تبلیغ پر شارت کی نفی حیثیت	۱۵۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین	۱۳۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۵	حدیث ضعیفہ پر عمل کرنے کے قواعد اور شرائط	۱۵۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۳۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۶	دعائیں حد سے بڑھنے کا ممنوع ہونا	۱۵۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۳۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۷	محسن کا معنی	۱۶۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۷	اس کائنات میں حشر کے دن مردوں کو زندہ کرنے کی نشانی	۱۶۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۷	اچھی اور خراب زمینوں میں مسلمانوں اور کافروں کی مثال	۱۶۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۲	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۸	لقد ارسلنا نوحا والی قومہ فقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ (۵۴-۷۳)	۱۵۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۸۹	حضرت نوح کا نام و نسب اور ان کی تاریخ ولادت	۱۵۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۰	بت پرستی کی ابتدا کیسے ہوئی؟	۱۶۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۱	حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا	۱۶۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۶	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۱	حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان	۱۶۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۲	حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب	۱۶۲	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۳	طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفصیلات	۱۶۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۴۹	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۴	حضرت نوح علیہ السلام کی عمر	۱۶۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۰	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۵	قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد	۱۶۵	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۱	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۵	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل	۱۶۶	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۲	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۶	اہم اور مشکل الفاظ کے معانی	۱۶۷	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۳	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف
۱۹۶	حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات	۱۶۸	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف	۱۵۴	استواء اور صفات کے مسئلہ میں حنفی اختلاف کا موقف



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۷۰	قوم نوح کے استہلو اور کعب کا زلہ	۱۸۷	قوم ثمود کے قصہ کے متعلق احادیث اور آثار
۱۷۱	والی عباد اخاہم ہود (۷۳-۷۴)	۱۸۸	ولو طوا اذ قال لقومہ اتاتون
۱۷۲	حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب	۱۸۹	الفاحشۃ ما سبقکم بہا من
۱۷۳	حضرت ہود علیہ السلام کی قوم علو کی طرف بعثت	۱۹۰	احد من العلمین (۸۴-۸۵)
۱۷۴	علو کی قوت اور سلطنت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۱۹۱	حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب
۱۷۵	قوم علو کے وطن کی تاریخی حیثیت	۱۹۲	حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت
۱۷۶	صالحین کے عرس کی تحقیق	۱۹۳	حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور خوش لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا
۱۷۷	حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق	۱۹۴	قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء
۱۷۸	حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد ﷺ کی زیادہ عزت اور وجاہت	۱۹۵	حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادات
۱۷۹	اللہ تعالیٰ توحید اور استحقاق عبادت پر دلیل	۱۹۶	عمل قوم لوط کی عقلی قباحتیں
۱۸۰	والی ثمود اخاہم صالحا (۷۳-۷۴)	۱۹۷	قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت
۱۸۱	قوم ثمود کی اجمالی تاریخ	۱۹۸	احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان
۱۸۲	حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت	۱۹۹	عمل قوم لوط کی سزائیں مذہب فقہاء
۱۸۳	قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور ان پر عذاب کا نازل ہونا	۲۰۰	قوم لوط پر عذاب کی کیفیت
۱۸۴	قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۲۰۱	والی مدین اخاہم شعیب (۸۵-۸۶)
۱۸۵	اونٹنی کا قتل ایک شخص قلیا پوری قوم ثمود	۲۰۲	حضرت شعیب کا نام اور نسب
۱۸۶	اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات	۲۰۳	مدین اور اصحاب لایکہ ایک قوم ہیں یا الگ الگ
۱۸۷	قوم ثمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق	۲۰۴	حضرت شعیب کا مقام بعثت
		۲۰۵	حضرت شعیب کی قوم پر عذاب کا نزول
		۲۰۶	حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر
		۲۰۷	ڈار اوہما کا کرنا جائز رقم خوردہ والے
		۲۰۸	قوم شعیب کو ترغیب و ترہیب
		۲۰۹	قال الملا الذین استکبروا من قومہ (۸۸-۸۹)
		۲۱۰	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۷	مہجرات سے امتیاز	۲۳۹	حضرت شعیب علیہ السلام کے کفر میں لوٹنے کے
۲۳۸	مہجروں کی تعزیرات	۲۴۱	اعتراض کے جوابات
۲۳۸	مہجروں کی شرائط	۲۴۷	توکل کا لغوی اور اصطلاحی معنی
۲۳۹	افضل فیہ علیہ کی دیگر اقسام	۲۴۸	لوہ سے داغنے اور دم کرانے پر توکل سے بری
۲۳۹	مہجرات انبیاء کے اختیار میں ہونے پر محمد شین	۲۴۷	ہونے کا شکل
۲۳۹	نعماء اور مشکمین کے دلائل	۲۴۸	دوا کرنے اور علاج کرانے کے متعلق احادیث
۲۴۲	مہجرات پر انبیاء کے اختیار کے ثبوت میں	۲۴۸	دوا اور دم سے نبی ﷺ کا علاج کرانا
۲۴۱	احادیث	۲۴۹	افضل مذکور کا جواب
۲۴۳	انبیاء کے اختیار میں مہجرات ہونے پر ایک شکل کا جواب	۲۴۹	توکل کی تعریف پر ایک اور شکل کا جواب
۲۴۳	مہجرات کے صدور میں علماء و پوئے کا موقف	۲۴۰	نزول عذاب سے حضرت شعیب علیہ السلام کی
۲۴۳	مہجرات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف	۲۴۰	نبوت کی صداقت
۲۴۶	پہلے کذب کرنے کی وجہ سے بعد میں ایمان نہ لانے کی وجوہات	۲۴۱	وما ارسلنا فی قرینۃ من نبی الا
۲۴۶	دعائوں سے مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو فراموش کرنا	۲۴۱	اخذنا اہلہا (۹۹-۹۷)
۲۴۸	حضرت آدم سے حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ سے ہمارے نبی ﷺ تک کا زمانہ	۲۴۲	مشکل الفاظ کے معانی
۲۴۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پرورش	۲۴۷	رج اور راحت کے نزول میں کافروں اور
۲۴۸	نکاح نبوت اور فرعون کو تبلیغ	۲۴۲	مسلمانوں کے احوال اور افضل کافروں
۲۵۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات	۲۴۸	نیک اعمال نزول رحمت کا سبب ہیں اور بد اعمال
۲۵۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر	۲۴۳	نزول عذاب کا باعث ہیں
۲۵۳	فرعون کے دعویٰ خدا الی کا رد	۲۴۹	اولم یہد للذین یرثون الارض
۲۵۳	قبیلوں کا بنو اسرائیل کو غلام بنانا	۲۴۴	من بعد اہلہا (۱۰۰-۹۸)
۲۵۳	قال السلام من قوم فرعون ان هذا	۲۴۵	کفار مکہ پر عذاب نہ بھیجنے کی وجہ
۲۵۵	لسحر علیہم (۱۰۹-۱۰۷)	۲۴۶	کفار مکہ کے دلوں پر مہر لگانے کی وجہ
۲۵۵	ہر نبی کا مہجروں کی چیز کی چیز سے ہو تا ہے جس چیز	۲۴۷	سابقہ امتوں کے عذاب سے کفار مکہ کا سبق
۲۵۷	کاس زمانہ میں چرچا ہو	۲۴۶	حاصل نہ کرنا
		۲۴۵	سیدنا محمد ﷺ کا علم غیب اور آپ کی رسالت
		۲۴۶	پر دلیل
		۲۴۷	تمام نبی مائل مہجروں ہیں
		۲۴۷	نبی ﷺ کے مہجروں کو دیگر انبیاء علیہم السلام کے



صفحہ	تہر شمار	عنوان	صفحہ	تہر شمار	عنوان
۲۷۸	۲۵۷	سحر اور سحر کا شرعی حکم	۲۷۸	۲۵۷	سحر کی تعریف اور سحر اور معجزہ میں فرق
۲۷۹	۲۵۸	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم	۲۷۹	۲۵۸	سحر اور سحر کا شرعی حکم
۲۸۲	۲۵۹	حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادو گروں کا مقابلہ	۲۸۰	۲۵۹	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۲	۲۶۰	جادو گروں کے ایمان لانے میں علم کی فضیلت	۲۸۱	۲۶۰	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۲	۲۶۱	رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ	۲۸۱	۲۶۱	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۳	۲۶۲	فرعون کا عوام کو شہادت میں ڈالنا	۲۸۱	۲۶۲	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۳	۲۶۳	آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکا نہیں؟	۲۸۱	۲۶۳	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۵	۲۶۴	رہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا	۲۸۱	۲۶۴	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۶	۲۶۵	وقال الملا من قوم فرعون اتذر	۲۸۱	۲۶۵	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۶	۲۶۶	موسیٰ (۳۷-۴۹)	۲۸۱	۲۶۶	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۶	۲۶۷	فرعون کے معبود کی تعمیر میں اقبال	۲۸۱	۲۶۷	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۶	۲۶۸	اللہ پر ایمان کمال کی وجہ سے مصائب کا آسان ہونا	۲۸۱	۲۶۸	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۶	۲۶۹	چلتا	۲۸۱	۲۶۹	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۰	کسی بات کو گھسنے کے لیے سوال کرنے کا حوالہ	۲۸۱	۲۷۰	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۱	ولقد اخذنا ال فرعون	۲۸۱	۲۷۱	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۲	بالسنین (۳۰-۴۱)	۲۸۱	۲۷۲	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۳	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۲۸۱	۲۷۳	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۴	قوم فرعون پر پے در پے بلائیں اور سختی نازل کرنے کی حکمت	۲۸۱	۲۷۴	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۵	نیل اور شگون ٹکانے کی تحقیق	۲۸۱	۲۷۵	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۶	بد شگون کی ممانعت کا جب	۲۸۱	۲۷۶	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۷	نیک ظن کے جواز کا سبب اور بد ظن کو شرک قرار دینے کی توجیہ	۲۸۱	۲۷۷	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۸	عورت مکان اور گھوڑے میں بد شگون کی توجیہ	۲۸۱	۲۷۸	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۷۹	بد شگون لینا کفار کا طریقہ ہے	۲۸۱	۲۷۹	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۸۰	کسی چیز سے بد شگون لینے یا کسی دن کو منحوس قرار دینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۲۸۱	۲۸۰	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم
۲۸۷	۲۸۱	حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا اور ان کو نصیحت فرمانا ان کی شان میں کی کاموجب نہیں	۲۸۱	۲۸۱	سحر کے سینے اور سکھانے کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۸۷	حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لیے	۲۸۳	گیارہویں جواب کے ضمن میں نبی ﷺ کی	۲۸۳
۲۸۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ بنزلہ ہارون ہیں	۲۸۴	شہن میں غلو کرنے کی ممانعت	۲۸۴
۲۸۹	حدیث مذکور سے رد انفس کا حضرت علی کی	۲۸۵	۳۰۵ معتد کا معنی	۲۸۵
۲۹۰	خلافت بلا فصل پر استدلال	۲۸۶	انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلائل	۲۸۶
۲۹۱	رد انفس کے استدلال مذکور کا جواب	۲۸۷	۳۰۷ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبی ﷺ پر	۲۸۷
۲۹۲	حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں غلیظہ بنا	۲۸۸	تفضیلت جزی کی تحقیق	۲۸۸
۲۹۳	حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی	۲۸۹	۳۰۸ بیدار نہ کرانے کی طغانی میں کلام سے شرف فرمان	۲۸۹
۲۹۴	کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارضہ	۲۹۰	۳۰۹ تورات کی تختیوں کا لہو تعدد اور نزول کی تاریخ	۲۹۰
۲۹۵	اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام	۲۹۱	۳۱۰ تورات میں ہر چیز کی فصاحت اور ہر چیز کی تفصیل	۲۹۱
۲۹۶	اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث	۲۹۲	۳۱۱ مذکور ہونے کی توجیہ	۲۹۲
۲۹۷	اور آثار	۲۹۳	۳۱۲ تورات کے احکام کا درجہ درجہ ہونا	۲۹۳
۲۹۸	اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے	۲۹۴	۳۱۳ انواع تورات میں نبی ﷺ اور آپ کی امت	۲۹۴
۲۹۹	کلام کی بعض تفصیلات	۲۹۵	۳۱۴ کی خصوصیات	۲۹۵
۳۰۰	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ	۲۹۶	۳۱۵ اللہ کی آیات سے کفار کے دلوں کو پھرنے کی	۲۹۶
۳۰۱	کے مذاہب	۲۹۷	۳۱۶ توجیہ	۲۹۷
۳۰۲	منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۹۸	۳۱۷ تکبر کا لغوی اور شرعی معنی	۲۹۸
۳۰۳	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل ملت کے قرآن	۲۹۹	۳۱۸ تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن	۲۹۹
۳۰۴	مجید سے دلائل	۳۰۰	۳۱۹ مجید کی آیات	۳۰۰
۳۰۵	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث	۳۰۱	۳۲۰ تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق	۳۰۱
۳۰۶	اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک	۳۰۲	۳۲۱ احادیث	۳۰۲
۳۰۷	اور دلیل	۳۰۳	۳۲۲ تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا مکروہ	۳۰۳
۳۰۸	منکرین رویت کے ایک اور اعتراض کا جواب	۳۰۴	۳۲۳ تحریمی ہو گا اور تکبر کے بغیر مکروہ تحریمی نہ ہو گا	۳۰۴
۳۰۹	انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ	۳۰۵	۳۲۴ تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے	۳۰۵
۳۱۰	دینے کے متعلق حدیث	۳۰۶	۳۲۵ متعلق فقہاء احناف کی تصریحات	۳۰۶
۳۱۱	”مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دے“ اس	۳۰۷	۳۲۶ تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس رکھنے کے جواز	۳۰۷
۳۱۲	حدیث کے جوابات	۳۰۸	۳۲۷ پر شافعی مالکی اور حنبلی فقہاء کی تصریحات	۳۰۸
۳۱۳	۳۰۳ دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی	۳۰۹	۳۲۸ ٹخنوں سے نیچے پانچ لٹکانے میں علماء دیوبند کا	۳۰۹
۳۱۴	ﷺ کی فضیلت کے متعلق احادیث	۳۱۰	۳۲۹ موقف	۳۱۰



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۱	مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی توجہ	۳۳۵	۳۳۹ حالت غضب میں طلاق دینے کا شرعی حکم
۳۳۲	شیخ قاضی کے دلائل پر بحث و نظر	۳۳۶	۳۴۰ شہادت کا معنی اور اس کا شرعی حکم
۳۳۳	شیخ کشمیری اور شیخ میر غمی کے دلائل	۳۳۸	۳۴۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء مغفرت کی توجہ
۳۳۴	شیخ کشمیری، شیخ میر غمی اور جیش عثمانی کے دلائل پر بحث و نظر	۳۳۹	۳۴۲ ان الذین اتبعوا والمحلل
۳۳۵	گنہگاروں سے بچنے کے لیے لباس لٹکانے کے حلقہ مصنف کی تحقیق	۳۴۰	۳۴۳ توبہ قبول کرنے کے لیے جو روئے اسرائیل پر عذاب کی توجہ کی توجہ
۳۳۶	گنہگاروں سے بچنے کے لیے لباس رکھنے کے حلقہ حرف آخر	۳۴۱	۳۴۴ بدعت میں کی تعریف
۳۳۷	کفار کی نیکیوں کا نسلخ ہو جانا	۳۴۲	۳۴۵ توبہ کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مہم
۳۳۸	فرائض اور واجبات کے ترک پر مواخذہ کی دلیل	۳۴۳	۳۴۶ اور شمول
۳۳۹	وانتخذ قوم موسیٰ من بعدہ	۳۴۴	۳۴۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے غصہ کی طمانی کرنا
۳۴۰	نوا اسرائیل کے پھڑپھڑانے اور اس کی پرستش کرنے کے حلقہ روایات	۳۴۵	۳۴۸ ستر اسرائیلیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں
۳۴۱	کلام کرنے اور ہدایت دینے پر ہر اوریت کی توجہ	۳۴۶	۳۴۹ سورۃ البقرہ میں الصافہ اور سورۃ الاعراف میں
۳۴۲	لہما سقط فی ایدہم کا معنی	۳۴۷	۳۵۰ الرعد فرمانے کی توجہ
۳۴۳	قوم کی گمراہی پر حضرت موسیٰ آیا طور سے واپسی پر مطلع ہونے کا پہلے	۳۴۸	۳۵۱ کیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ
۳۴۴	غضب کا معنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کا معنی	۳۴۹	۳۵۲ گنہگاروں کا کہہ ستر اسرائیلیوں کی وجہ سے ان کو
۳۴۵	غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۵۰	۳۵۳ ہلاکت میں جلا کرے گا؟
۳۴۶	غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق احادیث	۳۵۱	۳۵۴ اللہ کے معاف کرنے اور مخلوق کے معاف کرنے
۳۴۷	تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کی توجہ	۳۵۲	۳۵۵ میں فرق
۳۴۸	حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے بکڑ کر کچنے کی توجہ اور دیگر فوائد	۳۵۳	۳۵۶ حضرت موسیٰ نے دنیا اور آخرت کی جس بھلائی کا
		۳۵۴	۳۵۷ سوال کیا تھوہ کیا چیز تھی؟
		۳۵۵	۳۵۸ نبی اور رسول کے معنی
		۳۵۶	۳۵۹ قرآن اور سنت میں نبی ﷺ پر امی کا طلاق
		۳۵۷	۳۶۰ امی کا نفی معنی
		۳۵۸	۳۶۱ رسول اللہ ﷺ کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن
		۳۵۹	۳۶۲ مجید سے دلائل

صفحہ نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر شمار	عنوان
۳۵۷	رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر سید موسیٰ کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۵۷	رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ادب اور احترام
۳۵۸	رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے ثبوت میں احادیث	۳۶۰	رسول اللہ ﷺ کا ادب قرآن مجید کے عمل پر مقدم ہے
۳۵۹	نبی ﷺ کے لکھنے کے متعلق محدثین کی تحقیق	۳۶۰	قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ (۱۵۸-۱۶۳)
۳۶۰	تورات اور انجیل میں نبی ﷺ کی بشارتوں کے متعلق احادیث	۳۶۳	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر قرآن مجید کی آیات
۳۶۱	موجودہ تورات کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں	۳۶۸	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث
۳۶۲	موجودہ انجیل کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں	۳۶۸	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث
۳۶۳	امراہیروں اور نبی عن ہلکوں میں نبی ﷺ کی خصوصیات	۳۶۹	سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث
۳۶۴	اشیاء کو حلال اور حرام کرنا نبی ﷺ کا منصب ہے	۳۷۱	میں ہیں اور جو آپ سے صادر ہوئے
۳۶۵	الیسیات اور انجیل کی تفسیر میں مذہب باربہ	۳۷۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک لوگوں کا صدق
۳۶۶	بنو اسرائیل کے بوجھ اور ان کے طرق کا تذکرہ	۳۷۱	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی نافرمانیاں
۳۶۷	نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۷۱	و سئلہم عن القریۃ (۱۷۳-۱۷۴)
۳۶۸	رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے شرعی حکم کی تحقیق	۳۷۱	نافرمانی پر اصرار کرنے والے اسرائیلیوں کو بندر بنانے کی قصیل
۳۶۹	احادیث اور آثار میں غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کی تصریحات	۳۷۱	تبلیغ کافر ض کظیہ ہوا
۳۷۰	غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء مذہب باربہ کی تصریحات	۳۷۱	بعض احکام کا استنباط
۳۷۱	نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام کا عمل و افعال کے بعد بھی نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم	۳۷۱	فلسطین میں اسرائیل کا قیام قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے
۳۷۲		۳۷۱	یودیوں میں نیکو کار اور بدکار
		۳۷۱	خلف اور خلف کا معنوی فرق
		۳۷۱	گناہوں پر اصرار کے ساتھ اجر و ثواب کی طبع کی مذمت
		۳۷۱	واذا اخذ ربک من بنی آدم (۱۷۴-۱۷۵)
		۳۷۱	بنو آدم سے پیشین گوئی کے متعلق احادیث

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۶	اللہ تعالیٰ کے اسماء کے تو قیمنی ہونے کی تحقیق	۴۱	میشق لینے کا مقام	۴۹۱	میشق لینے کا مقام
۴۲۸	اللہ تعالیٰ کے ناموں سے (۹۹) اسماء کی تفصیل	۴۲	میشق حضرت آدم کی پشت سے ذرعت نکل کر لیا	۴۹۲	میشق حضرت آدم کی پشت سے ذرعت نکل کر لیا
۴۲۹	اسم اعظم کی تحقیق	۴۱	میشق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکل کا جواب	۴۹۳	میشق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکل کا جواب
۴۳۰	الحلو کا معنی	۴۲	کیلیہ میشق کسی کو یاد ہے؟	۴۹۴	کیلیہ میشق کسی کو یاد ہے؟
۴۳۰	اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحلو کی تفصیل	۴۳	نمی میشق کا اصل کا خلعت ہوتا	۴۹۵	نمی میشق کا اصل کا خلعت ہوتا
	اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیمنی ہونے پر مذہب اربعہ	۴۴	واتل علیہم نبا الذی کے شکر	۴۹۶	واتل علیہم نبا الذی کے شکر
۴۳۱	کے مفسرین کی تصریحات		نزول میں مختلف روایات	۴۹۷	نزول میں مختلف روایات
	اس امت میں بھی حق کی ہدایت دینے والے اور	۴۳	بد عمل اور رشوت خور عالم کی مذمت	۴۹۸	بد عمل اور رشوت خور عالم کی مذمت
۴۳۲	حق کے ساتھ بدل کرنے والے ہیں	۴۴	بد عمل اور رشوت خور عالم کی کتے کے ساتھ	۴۹۹	بد عمل اور رشوت خور عالم کی کتے کے ساتھ
۴۳۲	اجماع کے حجت ہونے پر احادیث	۴۵	مماثلت کا بیان	۵۰۰	مماثلت کا بیان
۴۳۳	والذین کذبوا بآیتنا (۱۸۸-۱۸۲)	۴۶	بانیچے والے کتے کی مثل کا تمام گمراہوں اور	۵۰۱	بانیچے والے کتے کی مثل کا تمام گمراہوں اور
۴۳۵	مشکل الفاظ کے معانی	۴۷	کافروں کو شامل ہوتا	۵۰۲	کافروں کو شامل ہوتا
۴۳۶	نظر کا معنی	۴۸	آیات مذکورہ سے مستنبط شدہ احکام شریعہ	۵۰۳	آیات مذکورہ سے مستنبط شدہ احکام شریعہ
	جہل کفار نبی ﷺ کو کیوں بخون کہتے تھے اور	۴۹	ہدایت اور گمراہی کا اللہ کی جانب سے ہونے کا	۵۰۴	ہدایت اور گمراہی کا اللہ کی جانب سے ہونے کا
۴۳۷	اس کا جواب		معنی	۵۰۵	معنی
۴۳۷	اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل	۵۰	بست سے جنت اور انسانوں کو دوزخ کے لیے	۵۰۶	بست سے جنت اور انسانوں کو دوزخ کے لیے
۴۳۹	آیا بغیر دلیل کے ایمان لانا صحیح ہے یا نہیں؟	۵۱	پیدا کرنے کی توجیہ	۵۰۷	پیدا کرنے کی توجیہ
۴۴۰	کافروں کو گمراہی پر پیدا کرنے کا معنی	۵۲	عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟	۵۰۸	عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟
۴۴۰	آیات سابقہ سے ارتباط	۵۳	دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل	۵۰۹	دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل
۴۴۱	مشکل الفاظ کے معانی	۵۴	قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور	۵۱۰	قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور
۴۴۱	وقت وقوع قیامت کو عقلی رکھنے کی حکمت	۵۵	اور اک کی نسبت کرنے کی توجیہ	۵۱۱	اور اک کی نسبت کرنے کی توجیہ
	علم قیامت کے متعلق لوگوں کے سوالات اور نبی	۵۶	عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال	۵۱۲	عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال
۴۴۲	ﷺ کے جوابات	۵۷	عقل کے بارے میں ائمہ مذہب کے اقوال	۵۱۳	عقل کے بارے میں ائمہ مذہب کے اقوال
۴۴۳	نبی ﷺ کا علم قیامت کی خبر دینا	۵۸	کفار کا جانوروں سے زیادہ گمراہ ہونا	۵۱۴	کفار کا جانوروں سے زیادہ گمراہ ہونا
	رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح	۵۹	آیت سابقہ سے ارتباط	۵۱۵	آیت سابقہ سے ارتباط
	وغیرہ دسیے جانے کے متعلق علماء اسلام کے	۶۰	اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کا معنی	۵۱۶	اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کا معنی
۴۴۷	نظریات	۶۱	اسم مسی کا معنی ہے یا غیر	۵۱۷	اسم مسی کا معنی ہے یا غیر
	رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح	۶۲			



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۴۷	رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے متعلق احادیث	۲۴۸	و غیرہ دیے جانے کے متعلق جسور علماء اسلام کی تصریحات	
۲۴۸	رسول اللہ ﷺ سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ	۲۴۹	اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کی انحصار کی خصوصیت کا باعث	
۲۴۹	اگر میں غیب کو جاننا تو غیر کثیر جمع کر لیتا	۲۵۰	اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے علم میں فرق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ	
۲۵۰	رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں علماء دیوبند کا نظریہ	۲۵۱	علم کی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات	
۲۵۱	رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں اعلیٰ حضرت کا نظریہ	۲۵۲	قرآن اور سنت میں نبی ﷺ کے علم کے عموم اور علم ماسکات و ماسکون کی تصریحات	
۲۵۲	رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں اعلیٰ حضرت کا نظریہ	۲۵۳	نبی ﷺ کے علم کے عموم اور علم ماسکات و ماسکون کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات	
۲۵۳	ہو الذی یخلقکم من نفس واحدۃ (۱۸۴-۱۸۵)	۲۵۴	شیخ اسماعیل دہلوی کا رسول اللہ ﷺ کی آخرت میں نفع رسائی پر انکار	
۲۵۴	من روایات کی تحقیق جن میں مذکور ہے کہ حضرت آدم اور حوا نے اپنے بیٹے کلام عبدالحارث رکھا	۲۵۵	شیخ اسماعیل دہلوی کی تقریر کا رد اور بطلان	
۲۵۵	جعل لہ شرکاء (السنن نے اللہ کے شریک بنانے کی توجیہات)	۲۵۶	اہل بیت اور دیگر قرابت دہروں کو رسول اللہ ﷺ کا آخرت میں نفع پہنچانا	
۲۵۶	غلط طریقہ سے نام لینے اور نام پگازنے کی مذمت	۲۵۷	نفع رسائی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ	
۲۵۷	بچوں کلام رکھنے کی تحقیق	۲۵۸	اس پر دلیل کہ رسول اللہ ﷺ سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے	
۲۵۸	پسندیدہ اور پسندیدہ ناموں کے متعلق احادیث	۲۵۹	رسول اللہ ﷺ کی نفع رسائی میں افراط و تفریط اور اعتدال پر جتنی نظریات	
۲۵۹	عبدالنبی نام رکھنے کا شرعی حکم	۲۶۰	علم غیب کی تحقیق	
۲۶۰	قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا یا ماں کے نام کی طرف؟	۲۶۱	غیب کا لغوی معنی	
۲۶۱	بچوں کلام محمد رکھنے کی فضیلت	۲۶۲	غیب کا اصطلاحی معنی	
۲۶۲	جنوں کی بے جا سنگی اور بے چارگی	۲۶۳	رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	
۲۶۳	ان ولی علی اللہ الذی (۱۹۶-۲۰۶)	۲۶۴		
۲۶۴	اللہ تعالیٰ اور رسول کے مقرب نیک لوگ ہیں	۲۶۵		

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۶۵	آیات سجدہ سے ار جلا	۵۰۳	۴۸۳	نقصاء اختلاف کے نزدیک نماز سری ہو یا جری امام	۵۰۳
۳۶۶	سجود کرنے کی کاسمہ دینے اور جلاوں سے		۴۸۴	کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے	۵۰۹
	اعراض کرنے کے الگ الگ محال		۴۸۵	امام کے پیچھے قرائت کرنے کے متعلق احادیث	۵۱۹
۳۶۷	غلو اور درگزر کرنے کے متعلق قرآن مجید کی		۴۸۶	ذکر خفی کی فضیلت	۵۲۰
	آیات		۴۸۷	مستقل گواہ کے ساتھ جہاد کر ممنوع نہیں ہے	۵۲۱
۳۶۸	غلو اور درگزر کرنے کے متعلق احادیث		۴۸۸	ذکر کے لیے صبح اور شام کے اوقات کی تخصیص	۵۲۱
۳۶۹	رسول اللہ ﷺ کے درگزر کرنے کے متعلق			کی حکمت	۵۲۱
	احادیث		۴۸۹	فرشتوں کی کثرت عبادت سے انسان کو عبادت پر	
۴۷۰	نزع شیطان کا معنی	۵۰۶		ابھارنا	۵۲۱
۴۷۱	وسوسہ شیطان سے نجات کا طریقہ	۵۰۶	۴۹۰	فرشتوں کی کثرت عبادت ان کی افضلیت کو	
۴۷۲	وسوسہ شیطان کی وجہ سے صحت انبیاء پر			مستلزم نہیں	۵۲۲
	اعتراض اور اس کے جوابات		۴۹۱	حضرت آدم کو جہد کرنے سے ولہ	۵۰۷
۴۷۳	طوائف من الشیطان کا معنی	۵۰۸		بے سجدوں کا تعارض اور اس کا جواب	۵۲۲
۴۷۴	انسان کس طرح غور و فکر کر کے انتقام لینے کو		۴۹۲	جہد تلاوت کی تحقیق	۵۲۳
	ترک کرے		۴۹۳	جہد تلاوت کے حکم میں مذہب فقہاء	۵۲۳
۴۷۵	انسان کس طرح غور و فکر کر کے گناہوں کو ترک		۴۹۴	جہد تلاوت کی تعداد میں مذہب فقہاء	۵۲۳
	کرے		۴۹۵	حزب آخر	۵۲۶
۴۷۶	خوف خدا سے مرلے والے نوجوان کو دو جہتیں				
	مطا فرما		۵۰		
۴۷۷	کفار کے فراموشی معجزات نہ دکھانے کی توجیہ	۵۲			
۴۷۸	قرآن مجید پڑھنے کے آداب	۵۳			
۴۷۹	قرآن مجید سننے کا حکم آیا نماز کے ساتھ مخصوص				
	ہے یا خارج از نماز کو بھی شامل ہے				
۴۸۰	آیا قرآن مجید متنافر ض عین ہے یا فرض کلیہ				
۴۸۱	قرآن مجید سننے کے حکم میں مذہب فقہاء				
۴۸۲	امام کے پیچھے قرآن سننے میں مذہب اربعہ				
۴۸۳	نقصاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں مختلف اور متضاد				
	اقوال ہیں				
<b>سورة الانفال</b>					
۵۳۱	انفال کا معنی	۱			
۵۳۲	سورة الانفال کی وجہ تسمیہ	۲			
۵۳۲	سورة الانفال کا زمانہ نزول	۳			
	ترتیب نزول کے لحاظ سے سورة الانفال کا مقام	۴			
۵۳۳	اس کی آیتوں کی تعداد اور سبب نزول				
۵۳۳	غزوہ بدر کا خلاصہ	۵			
۵۳۴	غزوہ بدر کے متعلق احادیث	۶			
۵۳۸	سورة الانفال کے مضامین کا خلاصہ	۷			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۹	جنگ بدر میں قتل ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار	۲۸	سورۃ الانفال کے مقاصد	۸	
۵۴۰	جنگ بدر میں قتل ملائکہ کے متعلق مفسرین	۲۹	مسئلہ نیک عن الانفال (۱۰۰)	۹	
۵۴۱	اسلام کی آراء	۳۰	انفال کا معنی اور اس کے صدق میں مفسرین کے نظریات	۱۰	
۵۴۲	غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتل کے متعلق امام	۳۱	مل غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف	۱۱	
۵۴۳	رازی کا تبدیل شدہ نظریہ	۳۲	تفیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۱۲	
۵۴۴	غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتل کے متعلق مصنف کی تحقیق	۳۳	تفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۱۳	
۵۴۵	اذ یحییٰکم الناس امنۃ منہ و	۳۴	تفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۱۴	
۵۴۶	یسنزل علیکم (۱۰۰)	۳۵	تفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ	۱۵	
۵۴۷	غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی چھ انواع	۳۶	وجہ کا معنی	۱۶	
۵۴۸	جس دن کی جنگ ہوئی تھی اس رات مسلمانوں پر غنیمت کا طاری ہونا	۳۷	اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۱۷	
۵۴۹	مسلمانوں پر اس رات غنیمت کی طاری کرنے میں	۳۸	اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار	۱۸	
۵۵۰	اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشاں	۳۹	ایمان میں کمی اور زیادتی کی تحقیق	۱۹	
۵۵۱	بدر میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ اور بارش کا نزول	۴۰	مل حرام سے نجات کے طریقے	۲۰	
۵۵۲	بدر کے دن بارش کے نزول میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۴۱	میں یقیناً مومن ہوں یا میں انشاء اللہ مومن ہوں	۲۱	
۵۵۳	بقیہ چار نعمتوں کی تفصیل	۴۲	کہنے میں فقہاء اور متکلمین کا اختلاف	۲۲	
۵۵۴	رسول اللہ ﷺ کا مقتولین بدر سے خطاب	۴۳	مبحث مذکور میں فریقین کے درمیان محاکمہ	۲۳	
۵۵۵	فرمان اور سلام موتی کی بحث	۴۴	"میں یقیناً مومن ہوں" کہنے کے دلائل	۲۴	
۵۵۶	سلام موتی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ	۴۵	"میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنے کے دلائل کا تجزیہ	۲۵	
۵۵۷	سلام موتی کے ثبوت میں بعض دیگر احادیث اور آثار	۴۶	بعض صحابہ کے نزدیک لشکر کفار سے مقابلہ کا ناگوار ہونا اس کا پس منظر اور پیش منظر	۲۶	
۵۵۸	زحف کا معنی	۴۷	ابو سفیان کے قافلہ تجارت پر حملہ کو بعض صحابہ کے ترجیح دینے کا بیان	۲۷	
۵۵۹	میدان جنگ سے پہلی کی دو جائز صورتیں	۴۸	غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ کا گڑا کر دینا	۲۸	



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۴	اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں سے دو گنی یا اس سے کم ہو تو پھر مسلمانوں کا میدان سے بھاگنا جائز نہیں	۵۹۰	۳۶	میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت قیامت تک کیلئے عام ہے یا پھر پھر کے ساتھ مخصوص ہے	۵۹۱
۳۵	مسلمانوں سے کفار بدر کے قتل کی نفی کے محال	۵۹۲	۳۷	و سار میت اذرمیت کے شہن نزول میں مختلف اقوال	۵۹۳
۳۶	نئی مٹی پھر سے خاک کی مٹی بھیجنے کی نفی اور اثبات کے محال	۵۹۴	۳۸	سجرات کا مقدور ہونا	۵۹۵
۳۷	سجرات کا مقدور ہونا	۵۹۵	۳۹	اچھی آن بٹل کا معنی	۵۹۵
۳۸	اللہ نیک مسلمانوں کی نصرت اور حمایت فرماتا ہے پد کاروں کی نہیں	۵۹۶	۴۰	یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ (۲۰-۲۸)	۵۹۸
۳۹	رسول اللہ کے حکم پر عمل کو واجب ہونا	۵۹۸	۴۱	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو واجب ہونا	۵۹۸
۴۰	اللہ تعالیٰ کی معلومات و اتحیہ اور اس کی معلومات فرضیہ	۶۰۰	۴۲	فرض نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بلائے پر حاضر ہو کر نماز میں مل کے بلائے پر	۶۰۱
۴۱	مسلمانوں کے حق میں کیا چیز حیات آفریں ہے	۶۰۲	۴۳	انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حامل ہونے کے محال	۶۰۳
۴۲	بنو آدم کے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کا معنی	۶۰۴	۴۴	رجحان کے دو انگلیوں سے کیا مراد ہے	۶۰۵
۴۳	رجحان کے دو انگلیوں سے کیا مراد ہے	۶۰۵	۴۵	کفار قریش کا نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کرنا	۶۰۶
۴۴	کفاروں کے گناہوں کی وجہ سے نیکو کاروں کو عذاب کیوں ہو گا؟	۶۰۸	۴۶	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور شکر گزاری کرے	۶۰۹
۴۵	اللہ اور رسول سے خیانت کی ممانعت کے شان نزول میں متعدد روایات	۶۱۰	۴۷	حضرت ابولبابہ انصاری کی توبہ	۶۱۱
۴۶	اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے محال	۶۱۲	۴۸	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۱۳
۴۷	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۱۴	۴۹	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۱۵
۴۸	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۱۶	۵۰	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۱۷
۴۹	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۱۸	۵۱	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۱۹
۵۰	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۰	۵۲	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۱
۵۱	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۲	۵۳	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۳
۵۲	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۴	۵۴	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۵
۵۳	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۶	۵۵	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۷
۵۴	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۸	۵۶	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۲۹
۵۵	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۰	۵۷	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۱
۵۶	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۲	۵۸	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۳
۵۷	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۴	۵۹	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۵
۵۸	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۶	۶۰	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۷
۵۹	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۸	۶۱	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۳۹
۶۰	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۴۰	۶۲	امانت لو اکرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۴۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۸	اللہ تعالیٰ کا کفار کی سازش کو ناکام کر کے آپ کو ان کے نرغہ سے نکل لانا	۳۳	۹۱	واعلموا انما عنتم من شئی	۳۸
۷۹	خبر بن الحارث کے جھوٹے دعوے	۳۴	۹۲	ربط مضمون	۳۸
۸۰	کسی قوم میں حساب کا فی موجود ہو تو اس قوم پر عذاب نہیں آتا	۳۶	۹۸	نقل حنفیہ اور سلب کی مختصر تشریح	۳۸
۸۱	کفار کے استغفار کی متعدد تفسیر	۳۶	۹۹	نئے کا معنی	۳۸
۸۲	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۳۷	۱۰۰	اہل غیبت کی تعریف	۳۹
۸۳	جلیل صوفیاء کے رقص و سرود پر علامہ قرطبی کا تبصرہ	۳۷	۱۰۱	فہم کی تقسیم میں فقہاء شافعیہ کا موقف	۳۹
۸۴	قل للذین کفروا (۳۸-۴۰)	۳۹	۱۰۲	فہم کی تقسیم میں فقہاء حنبلیہ کا موقف	۴۰
۸۵	سابقہ آیات سے ارتباط اور مشن نزول	۳۹	۱۰۳	فہم کی تقسیم میں فقہاء مالکیہ کا موقف	۴۱
۸۶	ایمان لانے سے سابقہ گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل	۴۰	۱۰۴	فہم کی تقسیم میں فقہاء احناف کا موقف	۴۱
۸۷	کافر کے سابقہ گناہوں کے بخشے میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم	۴۲	۱۰۵	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۴۲
۸۸	زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۴۲	۱۰۶	شیخ بدیع میں سید عالم علیہ السلام کی دلیل نبوت	۴۲
۸۹	زندیق کا معنی اور مضمون	۴۳	۱۰۷	کفار کی تعداد کو کم کھانے کی حکمت	۴۴
۹۰	زندیق منافق دھری اور گمراہ کی تعریفوں کا بھی فرق	۴۳	۱۰۸	مسلمانوں کی تعداد کو کم کھانے کی حکمت	۴۵
۹۱	زندیق کی توبہ اور اس کو قتل کرنے کے شرعی احکام	۴۴	۱۰۹	یا ایہا الذین امنوا اذ القیتہم	۴۵
۹۲	زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کے الگ الگ محمل	۴۴	۱۱۰	فتنہ (۴۵-۴۸)	۴۵
۹۳	زندیق کی توبہ قبول ہونے پر اہم رازی کے دلائل اور تحقیق مقام	۴۵	۱۱۱	آیات سابقہ سے ارتباط	۴۶
۹۴	فتنہ کا معنی	۴۶	۱۱۲	دشمن سے مقابلہ کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث	۴۶
۹۵	صرف جریرہ عرب سے کفر کا لقب منہم کرنا مقصود ہے یا پوری دنیا سے	۴۶	۱۱۳	دشمن اسلام کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی فضیلت اور اجر و ثواب	۴۷
			۱۱۴	دوران قتل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق احادیث	۴۷
			۱۱۵	دوران قتل ذکر کے متعلق علماء کے اقوال	۴۸
			۱۱۶	اختلاف رائے کی بناء پر مخالفت نہ کی جائے	۴۹
			۱۱۷	مسلمانوں کے ذوال کا جب جمعہ تہی کو پار پیارہ کرتا ہے	۵۰
			۱۱۸	مشکل الفاظ کے معانی	۵۱
			۱۱۹	خبر اور ریا کی مذمت	۵۱

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۶۶۵	۳۹ ہے	۶۵۲	۱۹ ایلیس کا سراقہ کی شکل میں آکر کفار کو سکاتا	
۶۶۷	۳۹ جملہ کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی فضیلت	۶۵۲	۲۰ ایلیس کو سراقہ کی شکل میں مشکل ہونے کی	
۶۶۸	۳۰ اور اس دور میں ابن کاہنہ	۶۵۳	قدرت دینے کی حکمت	
۶۶۹	۳۰ مظلوم دشمنوں کا صدق	۶۵۵	۲۱ اذ یقول المنفقون (۴۹-۵۸)	
۶۷۰	۳۱ دشمن اسلام کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کی	۶۵۶	۲۲ متولین بدر کی بوقت موت کیفیت	
۶۷۱	۳۲ جملہ کی فضیلت کے متعلق آیات	۶۵۶	۲۳ عذاب کے مستحق کو عذاب نہ دینا بھی جائز ہے	
۶۷۲	۳۳ جملہ کی فضیلت کے متعلق احادیث	۶۵۷	۲۴ اللہ کسی زندہ پر کوئی قلم نہیں کرتا	
۶۷۳	۳۴ جملہ کی حکمت اور اس سوال کا جواب کہ کافروں کو	۶۵۸	۲۵ کفار بدر کا متبعین فرعون کے مماثل ہوتا	
۶۷۴	۳۵ جملہ کے فرض میں ہونے کی صورتیں	۶۵۹	۲۶ اہل مکہ پر اللہ کی ان نعمتوں کا بیان جن کی انہوں	
۶۷۵	۳۶ جملہ کے فرض کفایہ ہونے کی صورتیں	۶۶۰	نے ناشکری کی	
۶۷۶	۳۷ جملہ کے مباح ہونے کی شرائط	۶۶۱	۲۷ جو قوم خود کو کسی نعمت کا مالک سمجھتی ہے اللہ	
۶۷۷	۳۸ جملہ کے وجوب کی شرائط	۶۶۲	اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے	
۶۷۸	۳۹ اہل قیمت کی تقسیم کی تفصیل اور جنگی قیدیوں کو	۶۶۳	۲۸ اس آیت کا پہلی آیت کی تفصیل ہوتا	
۶۷۹	۴۰ جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے	۶۶۴	۲۹ بنو قریظہ کی عہد شکنی	
۶۸۰	۴۱ جنگی قیدیوں کے فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے	۶۶۵	۳۰ مشکل الفاظ کے معانی	
۶۸۱	۴۲ صاحب بدایہ کے اعتراض کا جواب	۶۶۶	۳۱ فریق ثانی کی عہد شکنی کی وجہ سے معاہدہ ختم	
۶۸۲	۴۳ کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور	۶۶۷	کرنے کی صورتیں	
۶۸۳	۴۴ غلام بنانا جائز ہے؟	۶۶۸	۳۲ مسلمانوں کے سربراہ کی عہد شکنی زیادہ مذموم اور	
۶۸۴	۴۵ دشمن سے صلح کرنے کا حکم آیا منسوخ ہے یا نہیں	۶۶۹	زیادہ برا گناہ ہے	
۶۸۵	۴۶ دشمن سے صلح کرنے یا صلح نہ کرنے کے الگ	۶۷۰	۳۳ ولا یحبس الذین کفروا	
۶۸۶	۴۷ الگ عمل	۶۷۱	سبقوا (۵۹-۶۳)	
۶۸۷	۴۸ دشمن کی نیت فاسد ہونے کے بلوجود صلح کا جواز	۶۷۲	۳۴ ربط آیات اور شان نزول	
۶۸۸	۴۹ اسلام کی نعمت سے عرب کے مخالفہ حضروں کا	۶۷۳	۳۵ ربط آیات	
		۶۷۴	۳۶ تیر اندازی کے فضائل	
		۶۷۵	۳۷ اس دور میں تیر اندازی کے صدقہ ایچی	
		۶۷۶	میزائل ہیں	
		۶۷۷	۳۸ ایچی ہتھیار بنانے کے لیے تیار کرنا اور اس کے	
		۶۷۸	لیے سائنسی علوم حاصل کرنا افضل ترین عبادت	



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۵۷	باہم شہر و شکر ہو جانا	۶۸۶	۷۸۱	سے متاثر ہو کر حضرت عباس کا مسلمان ہونا	۷۰۲
۱۵۸	عمار رضی اور نفلی محبت اور دائمی اور باقی محبت کے	۶۸۷	۷۸۲	بدر کے قیدیوں سے جو مل غنیمت لیا گیا تھا	۷۰۳
۱۵۹	مباہی اور اسباب	۶۸۸	۷۸۳	مسلمان ہونے کے بعد ان کو اس سے زیادہ مل	۷۰۴
۱۶۰	صحابہ کرام کی باہمی محبت کا سبب	۶۸۹	۷۸۴	مل جانا	۷۰۵
۱۶۱	حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو مسلمانوں کی کتنی	۶۹۰	۷۸۵	اللہ تعالیٰ کا علم ہاضی 'حل اور مستقبل تمام زمانوں	۷۰۶
۱۶۲	تعداد تھی؟	۶۹۱	۷۸۶	کو محیط ہے	۷۰۷
۱۶۳	یابہا النبی حرص البعۃ منین	۶۹۲	۷۸۷	اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ ﷺ سے کفار کی	۷۰۸
۱۶۴	علی القتال (۶۵-۶۶)	۶۹۳	۷۸۸	خیانت کا بیان	۷۰۹
۱۶۵	مسلمانوں پر تخفیف کر کے مشکل حکم کو منسوخ	۶۹۴	۷۸۹	عمر و رسالت میں مومنین کی چار قسمیں	۷۱۰
۱۶۶	کرنا	۶۹۵	۷۹۰	مہاجرین اولین کی دیگر مہاجرین اور انصار پر	۷۱۱
۱۶۷	کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی	۶۹۶	۷۹۱	فضیلت	۷۱۲
۱۶۸	وجوہات	۶۹۷	۷۹۲	مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے وراثت کا	۷۱۳
۱۶۹	مشکل الفاظ کے معانی	۶۹۸	۷۹۳	شروع پھر منسوخ ہونا	۷۱۴
۱۷۰	بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا	۶۹۹	۷۹۴	ولایت کا معنی	۷۱۵
۱۷۱	صحابہ کرام سے مشورہ کرنا	۷۰۰	۷۹۵	کفار سے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے	۷۱۶
۱۷۲	مل دنیا کی طرح کی وجہ سے بعض صحابہ پر عتاب	۷۰۱	۷۹۶	دار الحرب کے مسلمانوں کی مدد نہ کرنا	۷۱۷
۱۷۳	نازل ہونا کہ رسول اللہ ﷺ پر فدیہ کو ترجیح	۷۰۲	۷۹۷	دو مختلف باتوں کے سامنے والوں کے مابین دوستی	۷۱۸
۱۷۴	دینے کی وجہ سے	۷۰۳	۷۹۸	اور وراثت جائز نہیں	۷۱۹
۱۷۵	عتاب کی دوسری وجہ بلا اجازت مل غنیمت لینا	۷۰۴	۷۹۹	مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف	۷۲۰
۱۷۶	ہے	۷۰۵	۸۰۰	ہجرت کی تعریف اور ہجرت کے متعلق مختلف	۷۲۱
۱۷۷	بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کے وجوہات	۷۰۶	۸۰۱	النوع اعلیٰ	۷۲۲
۱۷۸	مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی	۷۰۷	۸۰۲	ہجرت کے مختلف معانی	۷۲۳
۱۷۹	قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل	۷۰۸	۸۰۳	ہجرت کے مختلف النوع اعلیٰ میں تطبیق	۷۲۴
۱۸۰	بدر میں بلا اذن مل غنیمت لینے کے باوجود عذاب	۷۰۹	۸۰۴	فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی	۷۲۵
۱۸۱	نہ آنے کا سبب کیا تھا؟	۷۱۰	۸۰۵	وجوہات	۷۲۶
۱۸۲	یابہا النبی قل لیس فی	۷۱۱	۸۰۶	دار الکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم	۷۲۷
۱۸۳	اہل بکرم من الاسری (۷۵-۷۶)	۷۱۲	۸۰۷	ہجرت کی اقسام	۷۲۸
۱۸۴	بدر میں رسول اللہ ﷺ کے غیب کی خبر دینے	۷۱۳	۸۰۸	ہجرت الی اللہ کی توضیح	۷۲۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸۹	ذوالارحام کی تعریف ان کے مصلوٰیق اور ان کی				
	وراحت کے ثبوت میں احادیث	۷۱۸			
۱۹۰	انتہائی کلمات اور دعا	۷۱۸			
۱۹۱	ماخذ و مراجع	۷۲۱			

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حقه عن المحامدين وانزل القرآن تبياناً لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والاخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتنسيص المغفرة له في كتاب مبين وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماؤه ملتزمين اجمعين - امشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمد عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقاً وارزقني اتبعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلنى في تبيان القرآن على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واحص منى عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزين المعاندين في تقرير اللهم الحق فى قلبى اسرار القرآن واشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن - رب زدنى علماً رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطاناً نصيراً - اللهم اجعله خالصاً لوجهك ومقبولاً عندك وعند رسولك واجعله شائعاً مستفيضاً ومفيضاً مرغوباً فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبي صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الآخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت امين يا رب العالمين -



اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستثنیٰ ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجے والے کی صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں۔ اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے۔ اور ان کی پاکیزہ آل ان کے کال اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اہل بیت اور بن کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراطِ مستقیم پر قرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القا کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے لغزش سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنادے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاعت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو فعلیات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

# سُورَةُ الْأَعْرَافِ

(۷)



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

### سورة الاعراف

#### سورت کا نام

زیادہ مشہور اور محقق یہ ہے کہ اس سورت کا نام "الاعراف" ہے۔ علامہ سید محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۳۰۵ھ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ عرف سے ملتا ہے اس کا معنی بلندی ہے اور اس کا معنی جہان اور پہچاننا بھی ہے۔ الاعراف جنت اور دوزخ کی درمیانی سرحد کا نام ہے۔ اصحاب الاعراف کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں وہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے دوزخ کے مستوجب نہ ہوں اور برائیوں کی وجہ سے جنت کے مستحق نہ ہوں پس وہ جنت اور دوزخ کے درمیان حجاب میں ہوں گے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچاننے والے ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الاعراف انبیاء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الاعراف ملائکہ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَسَادَىٰ اصْحَابِ الْأَعْرَافِ (الاعراف: ۳۸)

اصحاب الاعراف نے ندا کی۔

(تاج العروس ج ۶ ص ۱۹۳ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

اس سورت کا نام الاعراف اس لیے ہے کہ اس سورت میں الاعراف کا ذکر ہے:

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ  
يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَتِهِمْ هُمْ سَادُوا وَاصْحَابُ  
الْجَنَّةِ أَنْ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ تَقْتُلُكُمْ بِذُخْلِهِمْ هَا هُمْ  
يَنْظُرُونَ (الاعراف: ۳۶)

اور جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک حجاب ہے اور  
الاعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو جنتیوں اور دوزخیوں میں سے  
ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور وہ جنتیوں کو پکار  
کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو وہ (اصحاب الاعراف) جنت میں  
داخل نہیں ہوں گے اور وہ اس کے امیدوار ہوں گے۔

حدیث میں بھی اس سورت کو سورت الاعراف سے تعبیر فرمایا ہے۔

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تم مغرب کی نماز میں قصار  
مفصل (سورہ البقرہ: ۱۸۰) سے لے کر آخر قرآن تک چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو اعلانہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی



نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مروان نے کہا میں نے پوچھا بڑی بڑی سورتیں کون سی ہیں؟ حضرت زید نے کہا: الاعراف اور دوسری الانعام ہے۔ حدیث کے راوی ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں میں نے ان سے خود پوچھا تو انہوں نے فرمایا المائدہ اور الاعراف۔

(سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث ۸۱۲، صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث ۷۶۳، سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث ۹۸۹) سورہ فاتحہ کے بعد پہلی سورتیں جن میں ایک سویا اس سے زیادہ آیتیں ہیں ان کو السبع الطوال کہا جاتا ہے وہ یہ ہیں البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور الاصل اور جن سورتوں میں ایک سو آیتیں ہوں ان کو ذوات المنین کہتے ہیں اور جن میں اس سے کم آیات ہوں ان کو مثنی کہتے ہیں اور ان کے بعد منسل ہیں۔ سورہ الحجرات سے البروج تک طوال منسل ہیں اور البروج سے الین تک اوساط منسل ہیں اور الین سے آخر قرآن تک قصار منسل ہیں۔

(در مختار رد المحتار ج ۱، ص ۳۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سورت کا نام المص ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے: عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مروان سے فرمایا: اے عبدالملک کیا تم (بیش) مغرب میں قل هو اللہ احد اور انا اعطینک الکونین پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ المص۔

(سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث ۹۸۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) لیکن مشہور اور محقق قول یہی ہے کہ اس سورت کا نام الاعراف ہی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الاعراف کو پڑھا اور اس کو دو رکعتوں میں تقسیم کیا۔ (سنن النسائی ج ۲، رقم الحدیث ۹۸۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) الاعراف کا معنی اور مضائق

علامہ قرطبی متوفی ۴۶۸ھ نے لکھا ہے کہ الاعراف العرف کی جمع ہے اور اس کا معنی بلند جگہ ہے۔ البتہ یحییٰ بن آدم نے کہا: کہ میں نے کسائی سے اس کے واحد کے متعلق پوچھا تو وہ خاموش رہے۔

(الجامع ۵ حکام القرآن ج ۸، ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عامریان کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بھی ہوں اور گناہ بھی ہوں۔ ان کے گناہ ان کو جنت سے روک دیں اور ان کی نیکیاں ان کو دوزخ سے روک لیں۔ وہ اسی حالت میں رہیں گے حتیٰ کہ اللہ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرماوے گا۔ پھر ان کے درمیان اپنا حکم جاری فرمائے گا۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔ اللہ فرمائے گا میرے فضل اور میری بخشش سے جنت میں داخل ہو جائو تم پر آج نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ تم منہم ہو گے۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کا ایک گناہ بھی نیکیوں سے زیادہ ہو وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا اور جس شخص کی ایک نیکی بھی اس کے گناہوں سے زیادہ ہوگی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ مِمَّنْ تَقْلَتِ مَوَازِينُهُ  
قَالُوا لَيْسَ لَهُمُ التَّمْلِيحُونَ ۝ وَمَنْ حَقَّتْ  
مَوَازِينُهُ قَالُوا لَيْسَ لَهُمُ الْوِزْنُ حَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ  
يَتَسَاءَلُونَ يَا بَنِي آدَمَ لِمَ لَكُمْ هَٰذَا ۝ (الاعراف: ۷-۸)

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے پس جن کی  
نکیوں کے پلڑے ہماری ہوئے تو وہی کامیاب ہونے والے  
ہیں ۝ اور جن کی نکیوں کے پلڑے جگے ہوئے تو یہ وہ لوگ  
ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا کہ وہ ہماری  
آنکھوں کے ساتھ قلم کرتے تھے۔

پھر فرمایا: ایک رائی کے دانہ کے برابر وزن سے بھی میزان کا پلڑا جھک جاتا ہے اور فرمایا: جس شخص کی نیکیاں اور گناہ برابر  
ہوں وہ اصحاب الاعراف میں سے ہو گا۔ ان کو پل صراط پر ٹھہرا دیا جائے گا پھر وہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو پہچان لیں گے۔ جب وہ  
اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے سلام علیکم اور جب ان کی نظریاتیں جانب کی طرف پھیری جائے گی تو وہ اہل دوزخ کو  
دیکھیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا اور دوزخیوں کے ٹھکانوں سے اللہ کی پناہ چاہیں  
گے اور جو نکیوں والے ہوں گے ان کو ان کی نکیوں کا نور دیا جائے گا وہ اس نور کی روشنی میں اپنے سامنے اور اپنے آگے چلیں  
گے اس دن ہر بندے اور ہر بندی کو نور دیا جائے گا اور جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو اللہ ہر منافق اور ہر منافقہ کا نور سلب فرما  
لے گا اور جب اہل جنت منافقوں کا حال دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارا نور کھل کر دے۔ اور رہے اصحاب  
الاعراف تو ان کا نور بھی ان کے سامنے ہو گا اور ان سے چھینا نہیں جائے گا اور اس موقع کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول  
نقل فرمایا ہے: وہ (اصحاب الاعراف) جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ اس کے امیدوار ہیں۔ (الاعراف: ۴۶) حضرت ابن سعد نے  
فرمایا: جب بندہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب وہ ایک برائی کرتا ہے تو اس کی صرف ایک برائی  
لکھی جاتی ہے پھر فرمایا: جس کی دس نکیوں پر ایک گناہ غالب آگیا وہ ہلاک ہو گیا (یعنی جس کی نکیوں کو دس سے ضرب دینے کے  
باوجود اس کے گناہ زیادہ ہوئے) عبد اللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ الاعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے اور  
اصحاب الاعراف اس جگہ ہوں گے حتیٰ کہ جب اللہ ان کو عافیت میں لینا چاہے گا تو ان کو ایک دریا کی طرف لے جائے گا جس کو  
حیات کہا جاتا ہے اس کے دونوں کنارے سونے کے سرکنڈے ہیں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان کی مٹی مشک ہے ان  
کو اس دریا میں ڈالا جائے گا حتیٰ کہ ان کا رنگ سفید چمک دار ہو جائے گا پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمائے گا تم جو چاہو تمنا  
کو پھر وہ تمنا کریں گے اور جب ان کی تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ ان سے فرمائے گا تم نے جو تمنائیں کی ہیں تم کو وہ بھی  
ملیں گی اور ان کا ستر گنا اضافہ بھی لے لے گا۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے در آنحالیکہ ان کے سینوں پر سفید قل ہوں گے جن سے وہ  
پہچانے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا یہ جنت کے مساکین ہیں۔

(جامع البیان ۸: ۲۵۱-۲۵۹، ملتقطاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۷۷۸ھ نے لکھا ہے کہ تعلبی نے ذکر کیا ہے: الاعراف پل صراط پر ایک بلند جگہ ہے۔ اس پر حضرت  
عباسؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت جعفرؓ و ابی بکرؓ رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ وہ اپنے محبت کرنے والوں کو  
پہچان لیں گے جن کے چہرے سفید ہوں گے اور ان سے بغض رکھنے والوں کو بھی پہچان لیں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور  
زہراوی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہر امت کے نیک لوگ ہوں گے جو لوگوں کے اہل پر گواہ ہوں گے۔ نحاس نے اسی قول کو اختیار  
کیا ہے۔ یہ لوگ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار پر ہوں گے نہ جانے نے کہا یہ انبیاء ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ  
ہیں جن کے صغیرہ گناہوں کا دنیا میں تکلیفوں اور مصیبتوں سے کٹا رہا انہیں ہو اور ان کے کبیرہ گناہ نہیں ہوں گے۔ ان کو جنت

میں جانے سے روک لیا جائے گا تاکہ ان کو غم ہو جو ان کے صفحہ کے مقابلہ میں ہو۔ حضرت ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے یہ تمنا کی تھی کہ وہ اصحاب الاعراف میں سے ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ طائفہ ہیں جو لوگوں کو جنت اور دوزخ میں داخل کرنے سے پہلے مومنوں اور کافروں کو ممتاز کریں گے یہ ابو جہل کا قول ہے۔ ابن پر اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاعراف کو رجل کہا ہے اور فرشتوں کو رجل نہیں کہا جاتا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا کہ فرشتے مذکر ہیں مونث نہیں ہیں اس لیے ان پر رجل کا اطلاق بعید نہیں ہے۔ علامہ قرطبی مالکی نے اور بھی کئی اقوال لکھے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

### سورۃ الاعراف کی آیتوں کی تعداد اور ان کی صفات

یہ سورت بلا تعلق مکی ہے اور اس کی دو سو چھ آیتیں ہیں۔ امام رازی 'علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی آٹھ آیتیں مدنی ہیں۔ آیت ۱۳۳ سے لے کر آیت ۱۴۰ تک جو سلسلہم عن الفریۃ سے شروع ہوتی ہیں نیز امام رازی نے لکھا ہے یہ سورت 'سورت م' کے بعد نازل ہوئی ہے۔

حضرت جابر بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے ابراہیموس سورت ہے۔ اور سورہ م کے بعد اور سورہ جن سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ متعدد رجل نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس سے کوئی آیت مستثنیٰ نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۸۲)

اس سورت کی تمام آیات حکم ہیں۔ البتہ ابن زید کے نزدیک اس سورت کی حسب ذیل دو آیتیں منسوخ ہیں:

وَأْمِلْ يَوْمَ الْكَلْبِ الْأَوَّلِ فِي مِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنَ الْوِزْنِ  
 وَأْمِلْ يَوْمَ الْكَلْبِ الْأَوَّلِ فِي مِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنَ الْوِزْنِ  
 اور میں انہیں صلت دیتا ہوں 'بے شک میری خفیہ تدبیر  
 بہت بڑی ہے۔

اس آیت کو منسوخ قرار دیتا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں خبر ہے اور فتح انتقام (احکام) میں ہوتا ہے۔ خبر کو منسوخ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ظلم خبر دی تھی اور اب صحیح خبر دی ہے۔ (العیاذ باللہ) اور احکام میں فتح کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک آیت میں ایک حکم مطلق بیان فرمایا تھا اور اب دوسری آیت میں اس حکم کی مدت یا استثناء کو بیان فرمادیا اور فتح کا معنی اس حکم کی مدت یا استثناء کا بیان ہے۔ اس لیے احکام میں فتح جائز ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

خُلُوْا الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ  
 الْمُنْكَرِ (الاعراف: ۱۴۹)  
 معاف کرنا اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے  
 منہ پھیر لیجئے۔

اس آیت کے متعلق سعدی اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت 'آیت جملہ سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کفار سے قتل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت میں نبی ﷺ کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ نبی ﷺ کفار اور مشرکین اور دیگر فاسق اور فجار کی باطل باتوں اور فحش حرکتوں سے طول خاطر نہ ہوں۔ آپ ان کی سختیوں کے باوجود ان کے ساتھ نرم سلوک کرتے تھے۔ ان کی بدی کا جواب نیکی سے اور ان کی برائیوں کا جواب اچھائیوں سے دیتے تھے اور اسی پاکیزہ سیرت پر برقرار رہنے کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ سورۃ الاعراف کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

الاعراف' الانعام سے زیادہ طویل ہے کیونکہ الانعام ایک پارہ کی ہے اس میں ۲۰ رکوع اور ۲۵ آیتیں ہیں۔ اور الاعراف سو پارہ کی ہے اس میں چوبیس رکوع اور ۲۰۶ آیتیں ہیں۔  
سورۃ الاعراف کا زمانہ نزول

علامہ ابن عاشور نے لکھا ہے کہ میں اس پر مطلع نہیں ہو سکا کہ سورۃ الاعراف کے نزول کی صحیح تاریخ کیا ہے۔ جابر بن زید سے مروی ہے کہ یہ سورت سورۃ جن سے پہلے اور سورۃ ص کے بعد نازل ہوئی ہے اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورۃ جن ابتدا اسلام میں نازل ہوئی ہے جب سیدنا محمد ﷺ کی دعوت کا ظہور ہوا تھا اور یہ ایام حج کا موقع تھا اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جارہے تھے اور یہ عکابا بخت کا دور سراسل تھا۔ اور میں یہ ممکن نہیں کرتا کہ سورۃ اعراف اس مدت میں نازل ہوئی تھی کیونکہ سات طویل سورتیں بخت کے ابتدائی دور میں نازل نہیں ہوئیں۔ (التحریر والاشوہ ج ۸ ص ۲۰۷)

اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہے جس زمانہ میں سورۃ الانعام نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ہم اب سورت کے مضامین اور مقاصد کو بیان کر رہے ہیں جن پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سورت کی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔  
سورۃ الاعراف کے مضامین اور مقاصد

کئی سورتوں میں سورۃ الاعراف سب سے لمبی سورت ہے۔ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں اور اس میں صحیحہ اور تمدنیہ کا رنگ نمایاں ہے۔ اس کے مضامین اور مقاصد کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس سورت کو اس عنوان سے شروع کیا گیا ہے کتب اسرل الہیک (الآیہ) یہ عظیم کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ لہذا آپ کے دل میں اس سے تکلیف نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الاعراف: ۲) یہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی مجروحہ ہے اور قیامت تک کے لیے آپ کی نبوت پر دلیل ہے۔ کیونکہ چیلنج کے باوجود کوئی شخص اس کی کسی سورت یا آیت کی نظیر نہیں لاسکا۔ سو پہلے آپ کی رسالت پر دلیل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد پیغام رسالت کا ذکر فرمایا اور توحید اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔

۲۔ اس سورت کی آیت ۱ سے آیت ۲۷ تک حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس میں حضرت آدم کی پیدائش کا ذکر ہے اور فرشتوں کے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے اور شیطان کے تکبر کرنے اور حضرت آدم کے ساتھ اس کی دشمنی اور اس کے رائدہ و رنگہ ہونے کا بیان ہے۔ حضرت آدم کی جنت سے ہجرت اور ابن کا زمین پر نزول ذکر فرمایا ہے۔

۳۔ اس سورت کی آیت ۳۵ میں وحی رسالت کا بیان ہے۔ اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور تم سے میری آیتوں کا بیان کریں تو جس نے تقویٰ اور نکی کو اختیار کیا تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۴۔ اس سورت کی آیت ۳۶ سے آیت ۴۱ تک مشرکین اور مکذبین کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا۔ کفار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان نہ لانے کے جو باطل عذر بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا جو جواب دیا جائے گا اس کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے عذاب کا بیان فرمایا ہے۔

۵۔ اس سورت کی آیت ۴۲ سے آیت ۴۵ تک آخرت میں خصوصاً حشر کے دن سونین کے حالات اور ان کا اہل دوزخ سے مکالمہ بیان فرمایا ہے اور آیت ۴۶ سے آیت ۴۹ تک اہل اعراف کا ان سے مکالمہ بیان فرمایا ہے اور آیت ۵۰ سے آیت ۵۴ تک



اہل دوزخ کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔

۶۔ اس سورت کی آیت ۵۳ سے آیت ۵۸ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی وحدانیت پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور اس ضمن میں اپنی عطا کردہ نعمتوں سے استدلال فرمایا ہے۔ مثلاً آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج چاند اور ستاروں کا سفر ہونا اور زمین سے پھلوں کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو نعمتیں پیدا فرمائی ہیں اور انسانوں کو اس کائنات سے فوائد حاصل کرنے کا جو اختیار عطا فرمایا ہے اور اس کو دیگر مخلوقات پر جو فضیلت عطا فرمائی ہے یہ تمام نعمتیں انسانوں کو یاد دلائی ہیں۔

۷۔ اس سورت کی آیت ۵۹ سے آیت ۱۷۱ تک انبیاء سابقین علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آیت ۵۹ سے آیت ۶۴ تک حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کا پیغام دیا ان کی قوم نے اس کا کیا جواب دیا اور پھر ان پر جو عذاب کا عذاب آیا آیت ۶۵ سے آیت ۷۷ تک حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان کے پیغام کو مسترد کرنے پر ان کی قوم کے اوپر عذاب بھیجنے کا ذکر ہے۔ آیت ۷۸ سے آیت ۸۹ تک حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کیا اور ان کی اونٹنی کی کوٹھیں کٹ ڈالیں اور پھر ان پر عذاب آیا۔ آیت ۹۰ سے آیت ۹۴ تک حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی قوم ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے منع فرمانے کے باوجود باز نہ آئی اور عذاب کا شکار ہوئی۔ آیت ۹۵ سے آیت ۱۰۲ تک حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی قوم ٹاپ تول میں کمی کرنے میں مبتلا تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود باز نہ آئی اور عذاب کا شکار ہوئی۔ اس قصہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اطوار سے مشرکوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آیت ۱۰۳ سے آیت ۱۷۱ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طویل قصہ بیان فرمایا ہے۔ ان کے معجزات فرعون کے دربار میں ان کا جانا فرعون کے ساحلوں پر غالب آنا بنو اسرائیل کی فرعون سے نجات اور ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے مقابلہ میں ان کی سرکشی ان تمام امور کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ان آیتوں کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے بھی خطاب ہے اور سابقہ قوموں کی سرکشی کی وجہ سے ان پر جو عذاب آیا اس سے اہل مکہ کو ڈرایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت دی ہے اور آپ کے دین اور آپ کی امت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۸۔ آیت ۱۷۲ سے آیت ۲۰۶ تک اہم امور یہ ہیں: آیت ۱۷۲ سے آیت ۱۷۴ تک اولاد آدم سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔ آیت ۱۷۵ سے آیت ۱۷۷ تک اہم امور کا ذکر ہے۔ آیت ۱۷۸ سے آیت ۱۸۶ تک گزشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ آیت ۱۸۷ سے آیت ۱۸۸ تک وقوع قیامت کا علم اور علم غیب کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۱۸۹ سے دوبارہ انسان کی پیدائش اور حضرت آدم اور حضرت حواء کا ذکر ہے۔ آیت ۱۸۸ سے آیت ۱۹۰ تک شرک کا تفصیل سے رد فرمایا ہے۔ آیت ۱۹۱ سے آیت ۲۰۶ تک مکارم اخلاق شیطان کے اغواء سے بچنے کا بیان اور رجوع الی اللہ کا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کی باہمی مناسبت

۱۔ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ جو امور سورۃ الانعام میں اجملہ بیان کیے گئے ان کو اس سورت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً انبیاء سابقین علیہم السلام کا الانعام میں اجملہ ذکر تھا اس سورت میں ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے گویا کہ سورۃ الانعام بہ منزلہ متقن ہے اور سورۃ الاعراف بہ منزلہ شرح ہے۔

۲۔ سورۃ الانعام میں اجمالاً فرمایا تھا ہوالذی علفکم من طین (الانعام: ۴) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس سورت میں بت تفصیل سے بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کس طرح پیدا ہوئے اور اولاد آدم سے میثاق لینے کا ذکر فرمایا ہے۔

۳۔ سورۃ الانعام میں فرمایا تھا کتب علی نفسه الرحمة (الانعام: ۴) اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم کر لی ہے اور اس سورت میں اس رحمت کو تفصیل سے بیان فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ مَّا كُنْتُمْ لَازِقِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ (الاعراف: ۵۶)

اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے سو میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

۴۔ الانعام کے آخر میں فرمایا تھا:

وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ (الانعام: ۵۴)

اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے لہذا اس پر چلو۔

اور اس سورت کے لول میں اس سیدھے راستہ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيهِ ضَرْبٌ مِّنْ فَتْنَةٍ يَلْعَنُ لَهَا لَعُنَ رَبُّهَا وَتَذَكَّرُ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝  
اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (الاعراف: ۳-۴)

یہ عظیم کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے سو آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے غلی نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے ۝ (اے لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (اپنے) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔

۵۔ الانعام میں فرمایا تھا:

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (الانعام: ۱۱۳)

پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے تو وہ تمہیں اس چیز کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اور اس سورت کے شروع میں اس دن کے احوال کی تفصیل بیان فرمائی:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَلَنَقْصُصَنَّ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ فِيهَا مَشْغُولُونَ (الاعراف: ۶-۷)

تو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور بے شک ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے اور ہم ان پر ان کے احوال اپنے علم سے ضرور بیان کریں گے اور ہم (ان سے) عتاب نہ کریں گے۔

۶۔ سورۃ الانعام میں فرمایا تھا:

مَنْ حَاةٍ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ هَا وَمَنْ حَاةٍ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُخَفِّرُ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (الانعام: ۱۲۳)

جو شخص ایک نیک لے کر آئے تو اس کے لیے اس کی مثل دس نیکیاں ہیں اور جو شخص برائی لے کر آئے تو اسے صرف اسی ایک برائی کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔



فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا

جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ جب ہم ہی ظالم

ظالمین ۵ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ

تھے ۵ ہمیں ہم ان لوگوں سے منہ باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم

الْمُرْسَلِينَ ۶ فَلَنَقْصُصَ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۷

دروازوں کی منہ باز پرس کریں گے ۷ پھر ہم خود کامل علم کے ساتھ ان کے تمام احوال بیان کریں گے ہم غائب تو نہیں سنئے ۷

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور اس دن اوزان کا وزن کرنا برحق ہے، پس جن کی نیکیوں کے پڑے بھاری ہوئے تو وہی

الْمُقْلِحُونَ ۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

کامیاب ہیں ۸ اور جن کی نیکیوں کے پڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے

أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۹ وَلَقَدْ مَكَّنَّا فِي الْأَرْضِ

دلے ہیں کیوں کہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے ۹ اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کر دیا

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ ۱۰ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۱۱

اور تمہارے لیے اس (زمین) میں ابوابِ زلیات فراہم کیے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ۱۰

الْمُصَّصِ كِي تَحْقِيقِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم صاد ۱۱ (الاعراف ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو بھی ان حروفِ مقطعات سے شروع فرمایا کہ ایک بار پھر یہ عجیب ہو کہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور اس  
چینچ کی طرف پھر اشارہ ہو کہ کوئی جن لوگ انسان قرآن مجید کی پھوٹی سے پھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لاسکتا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام  
ہے کیونکہ یہ قرآن عربوں کی لفظ اور ان کے حروفِ محلی مثلاً الف لام میم صاد وغیرہ سے مرکب ہے۔ اگر مفسرین کے زعم کے مطابق  
یہ کسی انسان کا کلام ہے تو ان ہی حروف سے مرکب کر کے وہ بھی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی مثل کلام بنا کر لے آئیں کیونکہ یہ کلام  
ان حروفِ محلیہ سے مرکب ہے جن سے تمام اہل عرب اپنے کلام کو مرکب کرتے ہیں اور جب بلوغت شدہ عقلیت اور علوم و معارف کی  
روز افزائی ترقی کے چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی کوئی منکر اس کلام کی نظیر نہ لاسکا تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ قرآن کسی  
انسان کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

امام محمد بن محمد بن زیاد الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ الیمص کا معنی ہے انا اللہ افصل (میں اللہ، تفصیل کرتا ہوں) امام رازی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان حروف کی رعایت سے اس کا معنی انا اللہ اصلح (میں اللہ اصلح کرتا ہوں) بھی ہو سکتا ہے اور اول الذکر کی ثانی الذکر پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یم کی رعایت سے انا اللہ الملک (میں اللہ بادشاہ ہوں) بھی ہو سکتا ہے اس لیے ان حروف کو اول الذکر معنی پر محمول کرنا ترجیح بلا مرجع اور بلا دلیل ہے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ الیمص اللہ تعالیٰ کا اسم ہے، لیکن یہ بھی بلا دلیل ہے کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الیمص کسی نبی کا نام ہو یا کسی فرشتے کا نام ہو بلکہ تحقیق یہ ہے کہ الیمص اس سورت کا اسم لقب ہے اور یہ اس سورت کا اسم بھی ہو سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۱۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

زیادہ صحیح یہ ہے کہ حروف مقطعات لو اکل سور کے اسرار ہیں اللہ تعالیٰ نے اس راز سے صرف نبی ﷺ کو مطلع فرمایا ہے اور نبی ﷺ کے وسیلہ سے اور نبیض سے اللہ تعالیٰ نے یولیاہ عارلین اور علماء کالمین میں سے جن کو چاہا ان اسرار سے مطلع فرمایا ان حروف کی زیادہ تحقیق اور وضاحت ہم نے البقرہ ۱ میں کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ عظیم کتب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، سو آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے تنگی نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے (۱۱۰ اعراف ۲)

قرآن مجید کی تبلیغ میں نبی ﷺ کے حرج یا شک کی تحقیق

حرج کا معنی ہے تنگی (المفردات ص ۱۳۱ حدیث میں ہے بنو اسرائیل سے اعلیٰ بیان کرو اس میں حرج نہیں ہے یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں ہے یا اس پر پابندی نہیں ہے۔) (تفسیر، ج ۳، ص ۳۸۸، مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۳۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی تبلیغ میں اس خوف سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کفار آپ کی تکذیب کریں گے، اس آیت میں آپ کو قرآن مجید سے ڈرانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اس سے پہلے یہ فرمایا کہ آپ کے دل میں اس کی تبلیغ سے تنگی نہ ہو کیونکہ قرآن مجید کی تبلیغ کرنا اور اس سے ڈرنا اسی وقت کامل ہو گا جب آپ کے دل میں اس کی تبلیغ سے تنگی نہ ہو۔ اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ یہ کتب اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے، اس لیے آپ کو یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت آپ کے ساتھ ہے لہذا آپ کے دل میں اس کی تبلیغ سے تنگی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ جس کا اللہ حافظ اور ناصر ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا سو آپ قرآن مجید کی تبلیغ کرنے اس سے ڈرانے اور اس کے ساتھ نصیحت کرنے میں مشغول رہیں اور کفار اور مشرکین کی مخالفت کی مطلق پروا نہ کریں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عیاض بن حمار ہاشمی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: سو میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دوں جو تم کو معلوم نہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مجھے آج تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو جو کچھ مل عطا کیا ہے وہ حلال ہے (جب تک اللہ تعالیٰ اس کو حرام نہ فرمائے۔ اس کا مقصد ان مشرکوں کا رد کرنا ہے جنہوں نے از خود بخیرو اور سائبہ وغیرہ کو حرام کر لیا تھا) میں نے اپنے تمام بندوں کو اس حل میں پیدا کیا کہ وہ (فطریاً) باطل سے دور رہنے والے تھے اور بے شک ان کے پاس شیطان آئے اور انہوں نے ان کو دین (برحق) سے پھیر دیا اور جو چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں وہ انہوں نے ان پر حرام کر دیں اور ان کو میرے ساتھ

تبیان القرآن



شرک کرنے کا حکم دیا جس (شرک) پر میں نے کوئی دلیل نہیں قائم کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور اہل کتاب کے چند باقی لوگوں کے سوا تمام عرب اور عجم کے لوگوں سے ناراض ہو اور اللہ نے فرمایا میں نے تم کو آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور تمہارے سبب سے (دوسروں کی) آزمائش کے لیے میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا۔ تم اس کو نیند اور بیداری میں پڑھو گے اور بے شک اللہ نے مجھے قریش کو جلائے کا حکم دیا ہے میں نے کہا اے میرے رب! وہ تو میرا سر پہاڑ دیں گے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑ دیں گے اللہ نے فرمایا ان کو اس طرح نکل دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا ہے تم ان سے جھگڑو ہم تمہاری مدد کریں گے تم خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے تم ایک لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے۔ اپنے فراتر داروں کے ساتھ اپنے بافرمانوں کے خلاف جنگ کرو۔ (الحديث)

(صحیح مسلم، صفحہ: ۶۳، (۲۸۶۵) ۷: ۱۰، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۵، رقم الحديث: ۸۰۷۰)

یہ حدیث اس آیت کی بہ منزلہ تفسیر ہے اور اس میں یہ بیان ہے کہ نبی ﷺ کو کفار اور مشرکین کی مخالفت اور ان کی ضرر رسانی کا خدشہ تھا اور آپ کو اس سے پریشانی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں اور قرآن کریم کی تبلیغ اور اشاعت سے آپ کا دل تنگ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت آپ کے ساتھ ہے لہذا آپ ان کی مخالفت کی بالکل پروا نہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا عمل یہ ہے کہ باوجود بسیار کوشش اور پر زور تبلیغ کے مشرکین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے اور کفر، عناد اور سرکشی پر اصرار کرتے تھے۔ اس سے نبی ﷺ کو بے حد قلق اور رنج ہو تا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کے دل میں رنج اور غمی نہ ہو تاکہ آپ کشلہ دلی اور پوری گلن کے ساتھ ان کو اس قرآن کے ذریعہ اخروی عذاب سے ڈراتے رہیں اس معنی کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے:

فَلَمَّا جَاءَ نَفْسَكَ تَبَايَعْتَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِئُوا بِهَذَا الْغَدِيرِ ۚ  
اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو کہیں فرط غم سے آپ جان دے دیں گے۔

(الکہف: ۶)

لَمَّا جَاءَ نَفْسَكَ تَبَايَعْتَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِئُوا بِهَذَا الْغَدِيرِ ۚ  
(لکھا ہے) اگر وہ ایمان نہ لائے تو شاید آپ (فرط غم سے) جان دے دیں گے۔ (الشعراء: ۳)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور سدی سے اپنی اسانید کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت میں حرج تنگ کے معنی میں ہے یعنی آپ کے دل میں قرآن مجید کے متعلق تنگ نہ ہو۔

(جامع البیان، ۸: ۷، ص ۱۵۳-۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی حرج کی تفسیر میں اس معنی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تنگ کو حرج اس لیے کہتے ہیں کہ تنگ کرنے والے کے دل میں غمی ہوتی ہے اس کے برخلاف یقین کرنے والے کو شرح صدر ہوتا ہے پھر اس کی تائید میں یہ آیت پیش کی ہے:

فَبِأَن كُنْتَ فِيْ نَفْسِكَ قِتْمًا آتَرَلْنَا إِلَيْكَ  
اگر آپ (بہ فرض کمال) اس چیز کے متعلق تنگ میں ہوں  
فَسَتَلِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ  
جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ  
(یوسس: ۹۳) لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک نبی ﷺ کی طرف قرآن مجید میں شک کرنے کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔ شک ایمان کے متعلق ہے اس لیے یہ محل ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک کریں۔ علاوہ ازیں نصیحت کی کسی کتاب میں حرج کا معنی شک نہیں ہے اور مجاز پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس کے خلاف قرآن میں اور قرآن مجید کی اس آیت سے استشاد کرنا باطل ہے۔ اور اس لیے کہ اس میں لفظ "اگر" کے ساتھ کلام ہے جس سے شک کا وقوع ثابت نہیں اور ثانیاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں نبی ﷺ مخاطب نہ ہوں بلکہ عام سننے والا مخاطب ہو۔ ہمارے استاذ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے اس آیت کو اسی پر محمول کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام بطور تعریض ہو یہ ظاہر شک کا سننا آپ کی طرف ہو اور مراد آپ کی امت ہو۔

قرآن مجید سے ڈرانے اور نصیحت کرنے کے الگ الگ محل

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ اس (قرآن) کے ساتھ ذرائع اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

ہر چند کہ قرآن کریم تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے لیکن چونکہ اس سے قاصد صرف مومنین حاصل کرتے ہیں اور وہی اس کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں اس لیے فرمایا کہ یہ مومنین کے لیے نصیحت ہے۔ اس آیت میں قرآن مجید سے ڈرانے کا بھی ذکر ہے اور قرآن مجید سے نصیحت کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومنین دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ضعیف اور سرکش ہوتے ہیں اور لذات جسمانیہ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو انبیاء علیہم السلام اخروی عذاب سے ڈراتے ہیں اور بعض انسان نیک اور شریف ہوتے ہیں اور حق بات کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی صرف تنبیہ اور نصیحت ہی کافی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱۔ لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو (۲۔ الاعراف: ۳) احادیث کے حجت ہونے کے دلائل اور ان کی محبت کی وضاحت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ذکر فرمایا تھا اور اس بات کا ذکر فرمایا تھا کہ امت کو ڈرانے اور نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور اب اس آیت میں امت کو یہ سکھایا ہے کہ نبی ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ اس کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں اور اس آیت میں احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر دلیل ہے کیونکہ جس طرح نبی ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اسی طرح آپ پر احادیث مبارکہ بھی نازل کی گئی ہیں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دونوں نازل ہوئے ہیں اور احادیث کے نبی ﷺ پر صرف معانی نازل ہوئے اور ان معانی کو نبی ﷺ نے اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس آیت کے علاوہ اور بھی متعدد آیات میں احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر دلیل ہے جن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۵) رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔

اگر رسول اللہ ﷺ صرف قرآن مجید کے احکام پر عمل کرانے اور فقط قرآن مجید کی آیات پہنچانے پر مامور ہوتے اور قرآن مجید کے علاوہ احکام دینے کے مجاز نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل نہ فرماتا۔ نیز فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران: ۳۱) آپ کہئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب بنائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

(آل عمران: ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور مغفرت کے حصول کو آپ کی اتباع پر موقوف کر دیا ہے، کیونکہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو قرآن مجید پر عمل کرو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔

وَإِن تَرَىٰٓ إِلَيْكَ الْمَالَ خَيْرَ لِّنَفْسِكَ مِنَّيْهِ ۖ فَارْزُقْهُ ۚ إِنَّكَ إِلَىٰ رُزْقِكَ عَلِيمٌ (النحل: ۳۳) اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو تعلیم دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی تعلیم اور تمہیں کے بغیر قرآن مجید کے معنی معلوم نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افضل کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہ راست احکام حاصل کیے اور آپ کو دیکھ کر آپ کی سنت کی پیروی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو آپ کے احکام اور آپ کے افضل کا کس ذریعہ سے علم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے افضل کو ہمارے اعمال کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ لہذا جب تک آپ کے افضل ہمارے افضل کے سامنے نہ ہوں ہم اپنے اعمال رسول اللہ ﷺ کے افضل کے مطابق کیسے کر سکیں گے اور آپ کے احکام کی اطاعت کیسے کر سکیں گے اور جب کہ آپ کے احکام اور آپ کے افضل کی اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ اللہ کی حجت تھی اسی طرح ہمارے حق میں آپ کی احادیث مبارکہ اللہ کی حجت ہیں۔ اور اگر ان احادیث کو مستحکم نہ بنا جائے تو بعدوں پر اللہ کی حجت ختم رہے گی۔

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نہ نکلتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ صلوٰۃ سے مراد یہ معروف نماز ہے۔ اذان کے ان مخصوص الفاظ کا کیسے پتہ چلتا، تکبیر تحریم سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کے تمام ارکان، واجبات، سنن اور آداب کا ہمیں کیسے علم ہوتا۔ زکوٰۃ کے نصاب اور ادائیگی کی مقدار کا اور اس کی تمام شرائط اور موافق کا ہمیں کیسے علم ہوتا، اسی طرح روزہ کی تمام تفصیلات، اس کی فضا اور کفارہ کا بیان ہمیں کیسے معلوم ہوتا۔ حج اور عمرہ کے ارکان، واجبات، مستحبات اور مفادات کیسے معلوم ہوتے۔ ان میں سے کسی چیز کا بھی قرآن مجید میں بیان نہیں ہے۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام کو یہ تمام تفصیلات براہ راست آپ سے سن کر اور آپ کو دیکھ کر حاصل ہوئیں اور بعد کے مسلمانوں کو ان احادیث سے معلوم ہوئیں جو متعدد اسانید سے صحابہ کرام سے مروی ہیں اور بعد میں ان احادیث کی باقاعدہ تدوین کی گئی اور آج ان سے استفادہ کے لیے صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کا مست یوازہ موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن مجید کے معانی کے مبین اور معلم ہیں، اسی طرح آپ بعض احکام کے شارع بھی ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْفَاحِشَاتِ (الاعراف: ۳۱) (اور رسول پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔)

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں، کلام ابو داؤد متوفی ۴۰۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدم بن سعدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی، سنو! عنقریب ایک حکم میرے شخص اپنے تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا تم (صرف) اس قرآن کو لازم پکڑو اس میں جو چیزیں تم حلال پاؤ ان کو حلال قرار دو، اور اس میں جن چیزوں کو تم حرام پاؤ ان کو حرام قرار دو، سنو! تمہارے لیے پالتو گدھے

کا گوشت حلال نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے ہر کھیلوں والا اور نہ حلال ہے اور نہ ذی کی راستہ میں پڑی ہوئی چیز، سوا اس صورت کے کہ اس چیز کا مالک اس سے مستثنی ہو اور جو شخص کسی قوم کے پاس جائے اس قوم پر اس کی میزبانی کرنا لازم ہے۔ اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اس مہمان کے لیے ان لوگوں سے بہ قدر ضیافت مل چھین لینا جائز ہے۔

حدیث کا یہ آخری جملہ اس صورت پر محمول ہے جب مہمان حالت اضطراب میں ہو اور اس کے پاس اپنا پیٹ بھرے کے لیے میزبان کا مل لینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ قرآن مجید اور دیگر احادیث میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مل مانجا کر طریقہ سے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۴۳، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۶۴۳-۳۶۴۴، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۰۱۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳۰۰، طبع قدیم، مکتبہ دارالکتاب، سنن دارمی ج ۱، رقم الحدیث: ۵۸۶)

نیز امام عبد اللہ بن عبد الرحمن وازی سرقدی متوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نبی ﷺ پر اسی طرح سنت نازل کرتے تھے جس طرح قرآن مجید نازل کرتے تھے۔ (سنن دارمی، رقم الحدیث: ۵۸۸، مطبوعہ دارالکتب العربی، بیروت)

مکمل بیان کرتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے اور اس کو (بہ طور انکار یا اہانت) ترک کرنا کفر ہے۔ اور دوسری قسم وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا باعث فضیلت ہے اور جس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن دارمی، رقم الحدیث: ۵۸۸)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کتاب اللہ میں اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا میں تم کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھوں کہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں اور تم اس حدیث کا کتاب اللہ سے معارفہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے۔

(سنن دارمی، رقم الحدیث: ۵۹۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو حدیث بہ ظاہر قرآن مجید کے خلاف ہو لیکن کسی باریک اور خفی وجہ سے اس کی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت ہو سکتی ہو تو اس کو قرآن مجید کے معارض اور خلاف قرار نہیں دیا جائے بلکہ مثلاً قرآن مجید میں نماز میں مطلقاً قرآن کریم پڑھنے کا حکم ہے اور کسی خاص سورت کو پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ فرمایا ہے:

قَائِرَةٌ وَأَمَّا تَسْتَرِمِينَ الْقُرْآنَ (المزمل: ۳۰) تمہیں جتنا قرآن پڑھنا آسان لگے اتنا پڑھ لیا کرو۔

اس کے برخلاف حدیث میں ہے:

حضرت عباد بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۷۵۷، صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ: ۳۳، (۳۴۳) ۸۵۵، سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحدیث: ۸۴۲، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحدیث: ۲۳، سنن النسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۵۳، سنن ابن ماجہ ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳، سنن کبریٰ للنسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۸۰۰۹)

لیکن اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کمال نہیں ہوگی۔ مطلقاً قرآن مجید نماز میں پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور اگر کسی نے نماز میں سورہ فاتحہ کو نسیا کرنا ترک کر دیا تو سجدہ سوا واجب ہو گا اور اگر اس کو عمدہ ترک





نے کہا کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابو حاتم رازی اور امام ابو داؤد نے کہا کہ وہ حشوک الحدیث ہے اور امام ابن حبان نے کہا کہ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک من گھڑت مجموعہ روایت کیا ہے جس کا ذکر جائز نہیں ہے۔  
 ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۹۳۵ھ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(موضوعات کبیرہ ص ۸۸ مطبوعہ مطبعہ مجاہد، دہلی)

امام علی بن عمر الدار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس عنقریب میری عقیقت احادیث آئیں گی پس تمہارے پاس میری جو حدیث کتب اللہ اور میری سنت (معروفہ) کے موافق پہنچے وہ میری حدیث ہے اور تمہارے پاس میری جو حدیث کتب اللہ اور میری سنت (معروفہ) کے خلاف پہنچے وہ میری حدیث نہیں ہے۔  
 امام دار قطنی نے اس حدیث کو چار مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۳۰-۴۴۲۹-۴۴۲۸-۴۴۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ھ)  
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے کئی عیبتیوں کو ہلاک کر دیا پس ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی میٹھی دھپکڑھی کہ ہم ظالم تھے (الاعراف: ۵-۴)  
 مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

”ہائس“ علامہ محمد طاہر ثانی متوفی ۱۲۸۶ھ نے لکھا ہے کہ ہائس کا معنی ہے خوف شدید اور جنگ میں شدت۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۳۵-۳۴ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۴۱۵ھ) اور سب سے زیادہ خوف نزول عذاب کے وقت ہو گا اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۶ھ نے لکھا ہے کہ ہائس کا معنی عذاب بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:  
 وَاللَّهُ أَشَدُّ بَاسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا  
 اور اللہ کی گرفت بہت مضبوط ہے اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ (النساء: ۸۳)

(المفردات ص ۶۶ مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ۱۳۶۴ھ)  
 بیاننا اوہم قائلون بیت کے معنی ہیں رات کا وقت اور قیلولہ کا معنی ہے دوپہر کا وقت۔ حدیث میں ہے کہ ابہ کان لا یبیت صلا ولا یقبلہ یعنی جب آپ کے پاس مل آتا تو آپ اس کو رات تک روکتے نہ دوپہر تک۔ اگر صبح مل آتا تو دوپہر سے پہلے اس کو تقسیم کر دیتے اور اگر دوپہر کے بعد مل آتا تو اس کو رات آنے سے پہلے تقسیم کر دیتے۔  
 (الفاقی ج ۱ ص ۱۲۷ مطبوعہ بیروت، المصابیہ ج ۱ ص ۱۷۰ مطبعہ ایران، مجمع بحار الانوار، طبع مدینہ منورہ)  
 اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو احکام شریعہ کی تبلیغ کرنے اور عذاب الہی سے ڈرانے کا حکم دیا تھا اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے احکام کو قبول کرنے اور آپ کی پیروی کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کو وعید سنائی ہے کہ پچھلی امتوں میں سے جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے پیغام کو قبول نہیں کیا ان پر اچانک اللہ کا عذاب آیا بعض پر رات کے وقت اور بعض پر دوپہر کو آرام کے وقت میں۔  
 ایک اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے کئی عیبتیوں کو ہلاک کر دیا پس ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا اور پھر

ان پر عذاب آیا۔ ملائکہ ان پر عذاب نازل کرنا ہی ان کی ہلاکت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت میں ایک لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا یا ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ پس ان پر ہمارا عذاب آیا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ  
الآية (المائدة: ۶)

اے ایمان والو جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو  
اور اپنے ہاتھوں کو کنٹیوں سمیت دھو۔

ملائکہ چہروں اور ہاتھوں کو نماز کے لیے قیام کے وقت نہیں اس سے پہلے دھویا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی ایک لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو اور کنٹیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھو۔

### نزول عذاب کے وقت معذبین کا اعتراف جرم

آیت ۵ میں فرمایا ہے 'جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ ہم ظالم تھے اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کفار پر عذاب نازل ہوتا ہے تو اس وقت وہ اعتراف کر لیتے ہیں کہ درحقیقت وہی ظالم اور مجرم تھے اور اس عذاب کے مستحق تھے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی قوم اس وقت تک عذاب سے ہلاک نہیں ہوئی جب تک کہ انہوں نے خود اس عذاب کا ذکر بیان نہیں کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک سے پوچھا یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ (الاعراف: ۵)

(جامع البیان 'جز ۸' ص ۱۵۸، دار الفکر، تفسیر امام ابن ابی حاتم 'ج ۵' ص ۱۳۳۸، مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز)  
ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مافرمائی اور آپ کی مخالفت کرنا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے۔ جب ایسے لوگ غفلت اور لہو لعب میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر اچانک عذاب آجاتا ہے۔ ہر سرکش مجرم پر جب دنیا میں عذاب آتا ہے تو وہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے اور اس پر ملوم ہوتا ہے۔ گزشتہ امتوں کی مافرمائی اور ان پر اچانک عذاب کے نزول کے واقعات کو بیان کر کے اس امت کو بھیجہ کرنا مقصود ہے۔ تاکہ وہ اپنے گناہوں سے باز آجائیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کا عین عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ پھر ہم خود کامل علم کے ساتھ ان کے تمام احوال بیان کریں گے، ہم غائب تو نہیں تھے۔ (الاعراف: ۶۰-۶۱)

### قیامت کے دن رسولوں اور ان کی امتوں سے سوالات

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ رسولوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے دنیا میں اچانک عذاب آجاتا ہے۔ اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان سے ان کی بد اعمالیوں پر مواخذہ ہو گا۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر شخص سے سوال کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اللہ تعالیٰ امتوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کرے گا اور یہ کہ ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے،

انہوں نے ان کو تبلیغ فرمائی تھی یا نہیں اور انہوں نے رسولوں کی تبلیغ کا کیا جواب دیا تھا۔ اور رسولوں سے بھی ان کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور یہ کہ ان کی امتوں نے ان کی تبلیغ کا کیا جواب دیا تھا انجام کار ان کی امت ایمان لائی یا نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُكَاذِبُهُمْ قَبْقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ (القصاص: ۱۵)

اور جس دن اللہ ان کو نہاد فرما کر ارشاد فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟

فَوَرَبِّكَ لَسَسَلْتَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النحل: ۴۳-۴۴)

سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان تمام کاموں کے حلق جو وہ کرتے تھے ۝

ان آیتوں میں امتوں سے سوال کے متعلق ارشاد ہے۔ اور رسولوں سے سوال کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ يَحْشُرُ اللَّهُ الرُّسُلَ كَيْفَ تُولُوا مَاذَا أَجَبْتُمُ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر فرمائے گا تم کو کیا جواب دیا گیا؟ وہ کہیں گے ہم کو کچھ علم نہیں ہے شک تو ہی

(المائدہ: ۶۱) سب غیروں کا جاننے والا ہے۔

اور اس حدیث میں بھی رسولوں سے سوال کے متعلق اشارہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص محافظ اور مصلح ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔ امام محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس کی رعایا (عوام) کے متعلق سوال ہو گا۔ ایک شخص اپنے اہل کا محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس کے اہل کے متعلق سوال ہو گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس گھر کی حفاظت اور اصلاح کے متعلق سوال ہو گا۔ خدام اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہو گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہو گا۔ اور تم میں سے ہر شخص محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اپنے زیر انتظام اور زیر حفاظت چیزوں اور لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحديث: ۸۳۳ ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۸۲-۵۵۸۳ ج ۵، رقم الحديث: ۵۱۸۸-۵۱۸۹ ج ۷، رقم الحديث: ۷۳۸ ج ۸، صحیح مسلم الامارۃ: ۲۰، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۱۷۹۹، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۲۴۲۸، مسند احمد ج ۲، ص ۱۱، طبع قدیم)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (الاعراف: ۱۰۷) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال کرے گا کہ انہوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا اور رسولوں سے ان کی ہوتی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا۔

(جامع البیان ج ۸، ص ۱۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ابن آدم اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے قدم نہیں ہٹا سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کرے۔ اس نے اپنی عمر کن کاموں میں

تاکہ اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گزاری اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کن کاموں میں خرچ کیا اور اس نے جو علم حاصل کیا تھا اس کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی ج ۳، رقم طبع: ۲۳۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

قیامت کے دن مجرموں سے سوال کرنے اور سوال نہ کرنے کے محامل

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کفار سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا لیکن قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

قَبُولٌ مَّيْدٍ لَا يَسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ۝ (الرحمن: ۳۹)

سو اس دن کسی گناہ گار کے گناہوں کے متعلق کسی انسان

اور جن سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا يَسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُحْجَرُونَ ۝ (القصاص: ۷۸)

اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا

جائے گا۔

امام رازی نے اس سوال کے متعدد جوابات دیے ہیں۔

۱۔ لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ کراہات میں نے ان کے تمام اعمال لکھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے مخالف اعمال میں محفوظ ہیں لیکن ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان کے ان اعمال کا داعیہ باطل اور محرک کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اعمال کیے۔

۲۔ کبھی سوال لاعلمی کی بنا پر علم کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں محال ہے اور کبھی سوال زبرد توہین اور ذلت ڈھٹ کے لیے کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کے من نے تم پر اتنے احسان کیے تھے پھر تم نے میرے ساتھ یہ دغا بازی اور فراڈ کیوں کیا؟ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَبَّاسِينَ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَعِينَ ۝

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان

اور دو ہونٹ ۝ اور ہم نے اس کو انکی اور ہدی کے دونوں

واضح راستے دکھادیے ۝ تو وہ (نیک عمل کی) دشوار گھاٹی میں

(البلد: ۸-۱۰)

سے کیوں نہیں گزرا۔

اور ان آیتوں میں سوال کرنے کا یہی معنی مراد ہے۔

۳۔ قیامت کا دن بہت طویل ہو گا اور اس میں بندوں کے مختلف احوال اور معاملات ہوں گے۔ کسی وقت میں اللہ تعالیٰ سوال نہیں فرمائے گا اور کسی دوسرے وقت میں سوال فرمائے گا جیسے کسی وقت میں شفاعت نہیں ہوگی اور کسی وقت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو گا اور کسی وقت میں اس کا دیدار ہو گا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ہم عتاب تو نہ تھے۔ یعنی ہم ان کے کاموں کو دیکھ رہے ہیں ان کی باتوں کو سن رہے ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کیا چھپاتے ہیں اور کیا ظاہر کرتے ہیں اور ہم قیامت کے دن ان کے تمام کاموں کی خبر دیں گے خواہ وہ کام کم ہوں یا زیادہ۔ وہ معمولی ہوں یا غیر معمولی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ زَرْقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ مِنْ

اور کوئی پتہ نہیں گرا کر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ

زمین کی ناریکیوں میں ہوتا ہے اور نہ کوئی خشک دتر مگر وہ

ظلمت الارض ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين ۝ (الانعام: ۵۹)

روشن کتاب میں مرقوم ہے۔

مبین ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن اعمال کا وزن کرنا حق ہے۔ پس جن (کی نیکیوں) کے پڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں O اور جن (کی نیکیوں) کے پڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں، کیونکہ وہ ہماری آفتوں پر ظلم کرتے تھے O (الاعراف: ۸-۹)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیت سابقہ سے مناسبت

”ورن“ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ ورن کا معنی ہے کسی چیز کی مقدار کی معرفت حاصل کرنا۔ اور عرف عام میں ترازو سے کسی چیز کے تولنے کو وزن کرنا کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۵۷۲ مطبوعہ ایران ۱۳۳۳ھ)

علامہ جابر اللہ زمخشری متوفی ۵۸۳ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کجور کے درخت پر لگی ہوئی کجوروں کو فردخت کرنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ اس درخت سے کجوروں کو کھلیا جائے اور ان کا وزن کیا جائے۔ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے پوچھا وزن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کی مقدار کا اندازہ کیا جائے۔

(اللائق ج ۳ ص ۳۵۸ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۷ھ التلخیص ج ۵ ص ۱۸۲ مطبوعہ ایران ۱۳۶۷ھ تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۶۰ مطبوعہ مصر)

”مبیراں“ علامہ زبیری حنفی متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں جس آلہ کے ساتھ چیزوں کا وزن کیا جائے اس کو میزان کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے کہ جو میزان قیامت میں ہوگی اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ تفسیر میں ہے کہ وہ ایک ترازو ہے جس کے دو پڑے ہیں۔ دنیا میں میزان اتاری گئی تاکہ لوگ عدل کے ساتھ باہم معاملہ کریں اور اس کے ساتھ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۳۶۱ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

”سوارس“ یہ میزان کی جمع ہے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میزان تو صرف ایک ہوگی۔ پھر یہاں جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوزن کی جمع ہے اور سوزن متعدد ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل عرب واحد پر بھی تفسیر جمع کا اطلاق کر دیتے ہیں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جو اعمال وزن اور حساب کے لائق ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ افضل قلوب، افضل جوارح (ظاہری اعضاء کے افضل) اور اقوال اور ہو سکتا ہے کہ ان تینوں کے لیے الگ الگ میزان ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ وزن کرنے والوں کی اکثریت کے اعتبار سے میزان کو جمع کر کے دیا گیا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اور جن کی امتوں سے سوال کرنے کا ذکر تھا اور یہ قیامت کے دن کا ایک حل ہے اور دوسرا حل میزان پر اقوال اور اعمال کا وزن کرنا ہو گا۔ سو اس آیت میں قیامت کے دن کا یہ دو سرا حل بیان فرمایا ہے۔

اعمال کے وزن کے متعلق مذاہب علماء

مجاہد، ضحاک، اعمش اور بہ کثرت متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو وزن کرنے سے مراد عدل اور قضاء ہے۔ کیونکہ دنیا میں لین دین میں عدل کا ذریعہ ترازو میں وزن کرنا ہے اور وزن کرنے کو عدل اور قضاء لازم ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے گا تو وہ اللہ کے علول اور حکیم ہونے کا اقرار کرے گا یا نہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علول اور حکیم ہونے کا اقرار کرے گا تو اس کے لیے میزان کی کوئی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور گناہوں کے متعلق جو بھی فیصلہ فرمائے گا وہ اس کو تسلیم ہو گا اور اگر وہ شخص اللہ تعالیٰ کو علول اور مصلوق نہیں مانتا تو پھر وہ نیکیوں اور



گناہوں کے کیے ہوئے وزن کو بھی نہیں ماننے کا تو پھر میزان میں اس کے کیے ہوئے وزن کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی نیک مسلمان کے اہل کا وزن کیا جائے گا اور اس کی نیکیوں کا پلڑہ گناہوں کے پلڑے سے بھاری ہو گا تو اس مسلمان شخص اور اس کے دوستوں کو فرحت اور مسرت حاصل ہوگی اور تمام اہل عشر کے سامنے اس کے جنتی ہونے پر حجت قائم ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں اس کو حقیر سمجھتے تھے ان کے سامنے اس کی عزت و توقیر اور وجاہت ظاہر ہوگی اور وہ اپنے دشمن کے سامنے سرخرو ہو گا اور یہ میزان کامت پر قائم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جسور صحابہ، تابعین اور علماء راہین کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن اہل کا حقیقی وزن کیا جائے گا۔ بائیں کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ اہل از قبیل اعراض ہیں اور وزن اجسام کا کیا جاتا ہے، اعراض کا نہیں کیا جاتا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعراض کے مقابلہ میں اجسام پیدا فرمادے اور ان اجسام کا وزن کیا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیک اہل حسین اجسام میں متحمل کر دیے جائیں گے اور بد اہل فحش اجسام میں متحمل کر دیے جائیں گے اور ان کا وزن کیا جائے گا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نفس اہل کا وزن نہیں کیا جائے گا بلکہ صحائف اہل کا وزن کیا جائے گا۔ موخر الذکر دونوں جوابوں کے متعلق احادیث ہیں جن کا ہم غریب ذکر کر رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۰۳-۲۰۴، مع التفسیر والفتح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

قرآن مجید سے میزان کے ثبوت پر دلائل

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُغْلِبُكَ نَفْسٌ مِّنْهُنَّ وَلَا تَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ  
عَرَدَلِ أَتَيْنَاهُمَا وَكَمْ يَسَاءَ حَاكِمِيَّتُهُنَّ ۝

(الانبیاء: ۴۷)

قَمَرٌ نَقَلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝

(المومنون: ۲۴-۲۵)

فَمَا تَأْمَنُ نَفْلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاحِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَارِيَةٌ ۝

(الفارغ: ۶۹)

احادیث اور آثار سے میزان کے ثبوت پر دلائل

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میزان کو رکھا جائے گا اگر اس میں آسمانوں اور زمینوں کو رکھا جائے تو وہ اس کی بھی گنجائش رکھتی ہے۔ پس فرشتے کہیں گے: اے رب اس میں کس کو وزن کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہوں گا فرشتے کہیں گے تو پاک ہے ہم تیری اس طرح عبودت نہیں کر سکتے جو تیری عبودت کا حق ہے۔ (الحديث) امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (الستدرک، ج ۳، ص ۵۸۶، مطبوعہ دار البیروتیہ)

حافظ زہبی متوفی ۸۴۸ھ نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ (تحفہ المستدرک ج ۳ ص ۵۸۶ مطبوعہ دارالبازکہ مکرمہ) امام عبد اللہ بن المبارک متوفی ۸۸۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کتاب الزہد رقم الحدیث ۳۵۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) امام ابو بکر محمد بن الحسن آجری متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(الشریعہ ص ۳۳۹ مطبوعہ دارالسلام ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نیکیوں اور برائیوں کا میزان میں وزن کیا جائے گا۔ اس میزان کی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے ہیں۔ رہا مومن تو اس کا عمل حسین صورت میں آئے گا اور اس کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے کے مقابلہ میں بھاری ہو گا۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۸۳ الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) عبید اللہ بن خیرار نے کہا قیامت کے دن تمام اس طرح ہوں گے جیسے ترش میں تیر۔ خوش قسمت وہ شخص ہے جسے اپنے قدموں کے لیے جگہ مل جائے اور میزان کے پاس ایک فرشتہ نہ آکرے گا۔ سنو فلاں بن فلاں (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہے اس نے ایسی کامیابی حاصل کی ہے کہ پھر کبھی باہم نہیں ہو گا۔ سنو فلاں بن فلاں (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہے یہ ظالم ہو گیا ہے اس کے بعد کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۴۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ البازکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ رائج ہو قیامت کے دن میزان میں اس (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہو گا اور جس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ رائج ہو قیامت کے دن میزان میں اس (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہو گا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۷۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ البازکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو لفظ زبان پر آسان ہیں۔ اور میزان میں بھاری ہیں اور رخصت کو محبوب ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(صحیح البخاری ج ۷ رقم الحدیث ۳۰۶۶ ج ۸ رقم الحدیث ۷۵۳ صحیح مسلم کذا کر ۳۱ سنن الترمذی ج ۵ رقم الحدیث ۳۴۶۷ ج ۲ رقم الحدیث ۳۸۰۶)

حضرت ابومالک اشجری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو نصف ایمان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر لیتا ہے۔ (صحیح مسلم الامارۃ ۲۲۳ سنن الترمذی ج ۵ رقم الحدیث ۲۵۷۷ سنن الدارمی ج ۵ رقم الحدیث ۶۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تمام آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے اور ان کے درمیان ہے اور ان کے نیچے ہے اگر تم ان کو لے کر آؤ اور اس کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور کلمہ شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو وہ پہلے پلڑے سے بھاری ہو گا۔ (المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۳۰۴۲ مطبوعہ دار ادبیات التراث العربی بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا۔ اس کے (گناہوں کے) نانوے (۹۹) رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ان میں سے ہر رجسٹر حد نظر تک ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! پھر فرمائے گا کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کوئی زیادتی کی ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں میرے پاس تمہاری ایک ننگی ہے اور آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا پھر اس کے لیے ایک پرچی نکال جائے گی جس پر لکھا ہو گا

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبده ورسوله وہ کہے گا اے میرے رب یہ ایک پرچی اتنے بڑے رجسٹروں کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تم پر علم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک پڑے میں یہ پرچی ہوگی اور دوسرے پڑے میں وہ رجسٹروں کے۔ پھر ان رجسٹروں کا پڑا ہوا گالور اس پرچی کا پڑا بھاری ہو گا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی!

(سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۳۸، سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۴۳۰۰، المستدرک 'ج ۱' ص ۵۲۹)  
حضرت امین مررضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میزان کو قائم کیا جائے گا۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کے گناہوں کو ایک پڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ وہ پڑا جھک جائے گا اور اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ جب وہ بیٹھ موڑ کر جائے گا تو رخص کے پاس سے اس کو ایک پڑے والا لائے گا۔ جلدی نہ کرے جلدی نہ کرے اس کی ایک نیکی باقی ہے۔ پھر کھ شہادت کی ایک پرچی لائی جائے گی اور اس آدمی کی نیکیوں کے پڑے میں رکھ دی جائے گی اور اس سے میزان جھک جائے گی۔ (مسند احمد 'رقم الحدیث: ۷۰۳۱، مجمع الزوائد 'ج ۱۰' ص ۸۴)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھے اخلاق سے بڑھ کر میزان میں کوئی چیز بھاری نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۹۹، سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۹، مسند احمد 'ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۵۸، مجمع ابن حبان 'ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۸' ص ۵۶، لااب المنرد 'رقم الحدیث: ۲۷۰، مصنف عبد الرزاق 'رقم الحدیث: ۲۷۵۷، شرح السنہ 'ج ۲' رقم الحدیث: ۷۴۳، حلیہ اللہ لہام 'ج ۵' ص ۲۳۳، الشریعہ 'رقم الحدیث: ۸۷۳)

حضرت ابو حریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی وجہ سے اللہ کی راہ میں گھوڑے کو بترہا، اس گھوڑے کا چارہ، اس کا پانی اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن میزان میں وزن کیا جائے گا۔

(مصحح البخاری 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۵۳، المستدرک 'ج ۲' ص ۵۴، سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۱۰' ص ۲۷، شرح السنہ 'رقم الحدیث: ۲۷۳۸)

امام ابن المبارک متوفی ۷۴۷ھ نے حلوین سلیمان سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا۔ وہ اپنے نیک اعمال کو بہت کم جان رہا ہو گا۔ وہ اسی کیفیت میں ہو گا کہ ہلال کی طرح ایک چیز آئے گی اور اس کی نیکیوں کے پڑے میں جا کرے گی۔ اس سے کہا جائے گا یہ وہ چیز ہے جو تم لوگوں کو نیکیوں کی تعلیم دیتے تھے۔ تمہارے بعد تمہاری تعلیم سے نیکیاں ظہور میں آئیں اور تم کو ان کا اجر دیا گیا۔ (کتب الرحمہ لابن المبارک 'رقم الحدیث: ۳۸۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان شخص بھی ان کی حفاظت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ وہ دونوں آسمان کام ہیں اور کم لوگ ان کو کرتے ہیں۔ (پہلی خصلت یہ ہے کہ) ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ کہے 'دس مرتبہ الحمد للہ کہے 'اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ یہ زبان سے ڈیڑھ سو بار پڑھنا ہے اور میزان میں یہ ڈیڑھ ہزار نیکیاں ہیں (اور دوسری خصلت یہ ہے کہ) اور جب بستر پر جائے تو چوبیس مرتبہ اللہ اکبر کہے 'اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہے اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہے۔ یہ زبان سے ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے اور میزان میں ایک ہزار نیکیاں ہیں تو بتاؤ تم میں سے کون شخص ایک دن رات میں ذہلی ہزار نیکیاں کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج ۳، رقم الحديث: ۵۰۶۵، سنن الترمذی: ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۲۱، سنن ابن ماجہ: ج ۱، رقم الحديث: ۴۶، سنن التیلمی: ج ۳، رقم الحديث: ۳۳، مصنف عبد الرزاق: ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۸۹)

آیا میزان میں صرف مسلمانوں کا وزن ہو گا یا کافروں کا بھی وزن ہو گا؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا صرف مسلمانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا یا کافروں کے اعمال کا بھی وزن کیا جائے گا۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ صرف مسلمانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِمْ  
فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ وَزَنًا (الكهف: ۱۰۵)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

لیکن اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جن کافروں کو اللہ تعالیٰ جلد دوزخ میں ڈالنا چاہے گا ان کو بغیر وزن اعمال کے دوزخ میں ڈال دے گا اور بقیہ کافروں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَمَنْ يَخُفْ مَوَازِينََ الْوَيْدِ  
خَيْرٌ وَأَنفُسُهُمْ فِي حَبْلٍ مِّنْ  
الْمُؤْمِنِينَ (۱۰۳)

اور جن کی میزان کے پلڑے ہلکے ہوئے تو یہ دی ہوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنا وہ بیش دوزخ میں رہیں گے۔

اسی طرح بعض مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بغیر وزن اعمال اور بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کراتے ہوں گے نہ بد شکونی نکالتے ہوں گے اور نہ جسم کو لوہے کے داغ سے جلاتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ایمان: ۳۶، صحیح البخاری: ج ۲، رقم الحديث: ۵۰۹، سنن الترمذی: ج ۳، رقم الحديث: ۲۳۵۳، مسند احمد: ج ۴، ص ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷،

اور آیت ۹ میں فرمایا ہے: اور جن (کی نیکیوں) پکڑے چکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں کیونکہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس آیت سے کافر مراد ہیں۔ کیونکہ وہی اللہ کی آیتوں کا انکار کر کے ان پر ظلم کرتے تھے۔

ان آیتوں میں صلح اور نیک مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی نیکیوں کے پڑے ہماری ہوں گے اور کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کی نیکیوں کے پڑے چکے ہوں گے۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور نہ ان مسلمانوں کا ذکر ہے جن کی نیکیاں برائیاں سے کم ہوں، رہے وہ مسلمان جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو وہ اعراف میں ہوں گے اور بعد میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا اور رہے وہ مسلمان جن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل اور اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے جنت میں داخل فرمادے گا یا کچھ عذاب دے کر یا بغیر عذاب دیے ان کو محض اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات دے گا اور جنت میں داخل فرمادے گا۔

نبی ﷺ کی شفاعت سے نجات کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور ہر نبی نے اپنی اس مقبول دعا کو دنیا میں ہی جلد خرچ کر لیا اور میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کے لیے چھپا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس محل میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔ (صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۳۰۳۳، صحیح مسلم، الامان: ۳۳۸، (۱۹۹) ۲۸۳، سنن الترمذی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۰۷، سوط الامامیہ ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۱۰۳۱۵، صحیح ابن حبان ج ۱، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مصنف عبد الرزاق ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۸۷۳)

محض اپنے فضل سے عذاب دینے کے بعد دوزخ سے نجات دینے کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا جنت میں داخل فرمائے گا اور اہل جہنم میں سے جس کو چاہے گا جہنم میں داخل کر دے گا۔ پھر فرمائے گا دیکھو جس کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو جہنم سے نکل لو، پس وہ لوگ جہنم میں سے اس محل میں نکلے جائیں گے کہ ان کا جسم جل کر کوئلہ ہو چکا ہو گا۔ پھر ان کو آب حیات کی نسر میں ڈالا جائے گا اور وہ اس نسر میں سے اس طرح تروتازہ ہو کر نکلا شروع ہوں گے جیسے دانہ پانی کے بہاؤ والی مٹی میں سے زردی مائل ہو کر آگ پڑتا ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۰۲، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۵۶۰، صحیح مسلم، ایمان: ۳۰۳، (۱۸۳) ۲۳۹)

اور محض اپنی رحمت سے بغیر عذاب دیے ہوئے جنت میں داخل کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اپنے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا تم (اس گناہ کو) پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر سزا کیا تھا (تمہارا پروردگار کھا تھا) اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال شمار دیا جائے گا اور رہے کافر اور منافق تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ہاتھ تھا۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۳۱، صحیح مسلم، التوبہ: ۵۲، (۲۷۸) ۷۸۸، السنن الکبریٰ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۲، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳)

ماہ ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۳



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کر دیا اور تمہارے لیے اس (زمین) میں اسبابِ زیت فراہم کیے (مگر تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔) (الاعراف: ۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

ولقد مکنکم: یعنی اے بنو آدم ہم نے تمہارے لیے زمین کو مستقر بنایا اور زمین میں تمہیں جگہ دی، یا ہم نے تم کو زمین پر قبضہ دیا اور زمین میں تصرف کرنے کی قدرت دی۔

معاش: یہ معیشت کی جمع ہے۔ جن چیزوں سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزیں۔ ان کو معیشت کہتے ہیں۔ علامہ طاہر ثنی متوفی ۱۸۸۶ء نے لکھا ہے کہ جو چیزیں حیات کا آلہ ہیں مثلاً زرعی پیداوار اور دودھ دینے والے جانوروں کے دھن ان کو معیشت کہتے ہیں۔ (مجموع بحار الانوار ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۳۵۳ھ)

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ مطہرین اسلام کی دعوت کو قبول کرنے اور ان کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی بیوی نہ کرنے پر ان کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا۔ اور ہم نے کئی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔ ان پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ (الاعراف: ۱۳) پھر ان کو آخرت کے عذاب اور مواخذہ سے ڈرایا پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے۔ (الاعراف: ۱۶) پھر فرمایا: پس جن (کی نیکیوں) کے پڑے ہماری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں اور جن (کی نیکیوں) کے پڑے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۸-۹) اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا احسان مانیں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت اور ان کے پیغام کو قبول کریں اور ان کی اطاعت اور اتباع کریں کیونکہ نعمتوں کی کثرت زیادہ اطاعت کو واجب کرتی ہے۔

معاش کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو معاش (اسبابِ زیت) بنائے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ بعض معاش کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرتِ کمال سے پیدا کیا۔ مثلاً دریاؤں میں پانی پیدا کیا، آسمان سے بارش نازل فرمائی، پہلوں اور غلوں کو اگلیا، حلال جانور پیدا کیے اور بعض اسبابِ زیت وہ ہیں جن کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اپنے اکتساب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان تمہارت اور محنت مزدوری کر کے رزق حاصل کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان زمین میں رہتا ہے اور اس میں تصرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قسم و دانش اور قوت و توانائی سے ہر دور میں انسان کی فوز و ظلال اس کی بہتری، مسرت اور مصلحت کے لیے نئے ذرائع اور وسائل تلاش کر رہے ہیں۔ پہلے انسان چوں سے بدن ڈھانچا تھا پھر سوت اور ریشم کے لباس کا دور آیا اور اب انسان چٹوئیم سے بھی لباس بنانے لگا ہے۔ پہلے لکڑی اور کوئلہ سے آگ حاصل کرتا تھا پھر قدرتی گیس کا دور آیا۔ برقی توانائی کے بعد ایٹمی توانائی کا دور آیا۔ پہلے برقی سفر، چمروں اور گھوڑوں سے اور پھر سڑکیں، کشتیوں سے کیا جاتا تھا۔ پھر موٹر کاروں، ریل گاڑیوں اور وحشی جہازوں کا دور آیا اور اب ہوائی جہازوں، پہلی کاپیروں اور راکٹوں کا دور ہے۔ بہت سی بیماریوں کا پہلے پتہ نہ تھا لوگ جن میں جلاہو کر مر جاتے تھے اب ان بیماریوں اور ان کے علاج کا پتہ چلا لیا گیا ہے۔ مثلاً زہریلیں، ہائی بلڈ پریشر، دل اور دماغ کے پیچیدہ امراض ہیں۔ فلج ہے دماغ کی رگ کا پھٹ جانا ہے۔ سرجری کا طریقہ ایسا ہو اور طب کی دنیا میں بہت سے ناخوشگوار مسئلے حل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان اسبابِ زیت اور ان سے قائمہ اٹھانے والی قوتوں کو انسان کی بہتری اور اس کی مصلحت کے لیے بتلایا ہے

اور یہ ملوی فوائد اس لیے عطا کیے ہیں کہ ان کی مدد سے انسان روحانی حیات میں تزکیہ اور جلاء کو حاصل کرے اور اپنے باطن کو پاک اور صاف کر کے اپنے آپ کو اخروی نعمتوں کا اہل بنائے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کے نتیجے میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے۔

شکر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی ص ۵۰۵ لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن فیروز آبادی متوفی ۸۹۷ھ نے کاموس میں لکھا ہے کہ شکر کا معنی ہے احسان کو پہچانا اور اس کو بیان کرنا۔ اور علامہ فیروز آبادی نے بصر میں لکھا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں۔ شکر بالقلب یہ نعمت کا تصور کرنا ہے۔ شکر باللسان یہ نعمت دینے والے کی حمد و ثناء کرنا اور زبان سے تعظیم کرنا ہے اور شکر بالجوارح یہ بہ قدر استحقاق نعمت کے بدلہ میں کوئی نعمت دینا ہے۔ (بعض علماء نے اس کی تعریف میں کہا یہ تعظیم کفر ہے ہوتا یا ہاتھوں اور زبان کو بوسہ دینا ہے اور سجدہ کرنا ہے) نیز علامہ فیروز آبادی نے لکھا کہ شکر پانچ بنیادوں پر جاتی ہے:

۱۔ منعم کے سامنے شکر کرنے والے کا مجرد اکسار سے پیش آنا۔

۲۔ منعم سے محبت کرنا۔

۳۔ اس کی نعمت کا اعتراف کرنا۔

۴۔ اس نعمت پر منعم کی تعریف کرنا۔

۵۔ منعم کی نعمت کو اس کی پسندیدہ جگہ استعمال نہ کرنا۔

یہ پانچ امور شکر کی اساس اور بقاء ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک امر بھی نہ ہو تو شکر ادا نہیں ہوگا۔ یہ پانچ امور شکر کا مرجع اور مدار ہیں۔

جنید بغدادی نے کہا شکر یہ ہے کہ تم یہ گلن کرو کہ تم اس نعمت کے اہل نہ تھے۔ ابوحنن نے کہا شکر یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ تم منعم کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو۔ رویم نے کہا شکر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو منعم کی خدمت کے لیے فارغ کر لو۔ شبلی نے کہا شکر یہ ہے کہ تم نعمت کو نہ دیکھو، نعمت دینے والے کو نہ دیکھو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نعمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے تم منعم سے غافل نہ ہو جاؤ۔ اور کل شکر یہ ہے کہ بندہ نعمت اور منعم دونوں کا مشاہدہ کرے۔ کیونکہ بندہ جس قدر زیادہ نعمت کا مشاہدہ کرے گا اس قدر زیادہ شکر ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے کہ اس کا بندہ اس کی نعمت کو دیکھے اور اس کا اعتراف کرے اور اس پر اس کی ثناء اور تعریف کرے اور اس نعمت کی وجہ سے اللہ سے محبت رکھے۔ سو اس کے کہ وہ نعمت فنا ہو جائے یا گم ہو جائے۔

علامہ فیروز آبادی نے کہا علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ شکر اور حمد میں سے کون افضل ہے۔ حدیث میں ہے حمد شکر کی سردار ہے۔ جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اقسام اور اسباب کے اعتبار سے شکر حمد سے عام ہے۔ (کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے اور شکر زبان، دل اور اعضاء اور جوارح سے بھی ہوتا ہے) اور متعلق کے اعتبار سے شکر حمد سے خاص ہے۔ کیونکہ شکر صرف نعمت پر لیا جاتا ہے جبکہ حمد میں یہ قید نہیں ہے۔ (وہ مطلقاً زبان سے کسی کی ثناء کرنے کو کہتے ہیں) مثلاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حیات اس کی سمیع اور بصر اور اس کے علم پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ہم ان لوصف پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی نعمتوں پر ہم دل

میں جو اس کی تعظیم کرتے ہیں یا بھدہ شکر بجالاتے ہیں تو اس کو حمد نہیں کہا جائے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور ہم زبان سے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کی ثناء اور تعریف کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہے اور اس کا شکر بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان میں عموم و خصوص من وجه کی نسبت ہے۔

شکور کا معنی ہے بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ہے انہ کسان عبدًا شکوراً (نہو اسرائیل: ۳) یعنی وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی بہت کوشش سے عبادت کرتے تھے اور شکور اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے واللہ شکور حلیم (التکوین: ۱۷) اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے کم اعمال پر دگنا چو گنا بلکہ بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا شکر کرتا ہے یعنی ان کو بخش دیتا ہے۔ اللہ کی طرف جب شکر کی نسبت ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور ثواب عطا فرمنا۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۰۶ھ لکھتے ہیں:

شکر کا لغوی معنی یہ ہے کسی نعمت پر زبان دل یا دیگر اعضاء سے منعم کی تعظیم و تحکیم کرنا۔

اور شکر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو سمیع، بصر اور دیگر نعمتیں جو عطا کی ہیں ان کو اپنے مقاصد تخلیق کے مطابق خرچ کرنا۔ (کتاب التحریکات ص ۵۵ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

دل کا شکر یہ ہے کہ نعمت کے ساتھ خیر اور نیکی کا قصد کیا جائے اور زبان کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور باقی اعضاء کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف ہونے سے بچایا جائے۔ حتیٰ کہ آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو دیکھے اور اس کی پسندیدہ چیزوں کو دیکھنے سے باز رہے۔ یعنی جن چیزوں کے دیکھنے میں اجر و ثواب ہے ان کو دیکھے اور جن چیزوں کا دیکھنا گناہ ہے ان کو نہ دیکھے۔ علیٰ هذا القیاس۔ تمام اعضاء کا حکم ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۳۳ھ)

شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ: ۱۵۴)  
مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا

(النساء: ۱۴۷)

وَسَنَحْيِي الشُّكْرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۵)  
اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقِيلَ لَهُمْ عَسَىٰ  
الشُّكْرُ (سبا: ۱۳)

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ  
عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم: ۱۷)

شکر ادا کرنے کے طریقوں کے متعلق احادیث

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اس نعمت کا شکر ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث

شیبان القرآن

جلد چہارم

ہے۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی نعمت پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حکم بن عمار بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نے الحمد للہ رب العلمین کہا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ تمہاری نعمت میں زیادتی کرے گا۔

(جامع البیان، ج ۱، ص ۹۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسود بن سریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی شاکر اور تعریف میں الحمد للہ سے زیادہ کوئی کلمہ پسند نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود الحمد للہ سے اپنی شاکر ہے۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۵۸۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نعمت خواہ کتنی پرانی ہو جائے جب بھی بندہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیا ثواب عطا فرماتا ہے اور مصیبت خواہ کتنی پرانی ہو جائے جب بھی بندہ اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیا ثواب اور اجر عطا فرماتا ہے۔ نعمت پر شکر ادا کرنے سے اس نعمت کی مسئولیت کم ہو جاتی ہے اور مصیبت پر صبر کرنے سے اس کے ثمرات کی حفاظت ہوتی ہے۔

(لواء الاصول، ج ۲، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار المجل، بیروت ۱۴۱۳ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کی جائے اور اس کی کسی نعمت کی بے قدری نہ کی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اپنے گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھ لے آپ اس کے پاس چل کر گئے۔ آپ نے اس کو اٹھایا اس پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اے عائشہ اللہ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ جس نعمت کی لوگ بے قدری کرتے ہیں ان کے پاس وہ نعمت بہت کم دوبارہ آتی ہے۔

(لواء الاصول، ج ۳، ص ۱۷۳، مطبوعہ دار المجل، بیروت ۱۴۱۳ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کم چیز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور اللہ کی نعمت کا اظہار کیا جائے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے قلیل چیز کا شکر ادا نہیں کیا اس نے کثیر چیز کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کو ترک کرنا کفر ہے۔ (علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۶، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۴۲۱ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بندوں کا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۴۸۸۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۷۸۸، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۷۵۵، مطبوعہ قاہرہ)

صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۲۰۷۰، الاذکار، رقم الحدیث: ۲۱۸، مسند ابویوسف، رقم الحدیث: ۱۸۲

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی چیز دی گئی تو وہ اس کے بدلہ میں کوئی چیز دے۔ اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس کی تعریف کرے۔ جس نے اس کی تعریف کی اس نے اس کا شکر کیا اور جس نے اس کو چھپایا اس نے کفر کیا۔ (سنن ابوداؤد: ج ۳، رقم الحدیث: ۴۸۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت اسلمہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ کوئی نیکی کی گئی اور اس نے اس نیکی کرنے والے سے کہا جراحۃ اللہ عیبر اس نے اس شخص کی پوری تعریف کر دی۔

(سنن الترمذی: ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۲۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

راحت کے ایام میں مصیبت کے ایام کو یاد کرنا بھی شکر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہو پھر اس کو یاد کرے تو اس نے شکر لیا اور اگر اس نے اس مصیبت کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔

(سنن ابوداؤد: ج ۳، رقم الحدیث: ۴۸۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

### شکر کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے مومن کے دل پر تعجب ہوتا ہے۔ اس کے ہر عمل میں بھلائی ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچے تو وہ شکر لیا کرتا ہے اور یہ اس کی فلاح ہے اور اگر اس کو ضرر پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کی فلاح ہے۔ (صحیح مسلم: ج ۳، ص ۳۲۲-۳۲۳، ج ۵، طبع تہذیب)

حضرت ابو اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ میرے رب نے کہہ کی ولایت کو پیش کیا تاکہ اس کو میرے لیے سونا بنادے۔ میں نے کہا: نہیں مالے میرے رب میں ایک دن سیر ہو کر کھڑوں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھے یاد کروں گا تو تم سے فریاد کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر لیا کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔

(سنن الترمذی: ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۵۳، سند احمد: ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۲۵۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص سے ملاقات کی۔ آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں ٹھیک ہوں، آپ نے پھر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں ٹھیک ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، آپ نے فرمایا میں تم سے یہی سنا چاہتا تھا۔ (کتاب اللہ عام للعباد، رقم الحدیث: ۱۹۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کے دو نصف ہیں، نصف میں صبر ہے اور نصف میں شکر ہے۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۵۷، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۸۶)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ

لَا دَمَ فِيْهِ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ لَمْ یَكُنْ مِنَ السَّاجِدِیْنَ ۝

کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ۝



قَالَ مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدًا إِذْ أَمَرْتُكَ قَالِ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

فرمایا تجھ کو بھد کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں

خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۚ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے ۝ فرمایا تو یہاں سے اتر

فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ۚ

تجھے یہاں گھٹنہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو اٹھ جا بھگ تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے ۝

قَالَ أَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۚ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۚ

اس نے کہا بے اس دن تک کی ہمت سے میں دن سب رگ اٹھائے جاؤں گا ۝ فرمایا ایک تربت پانچ دنوں میں سے ہے ۝

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۚ ثُمَّ

اس نے کہا تم اس بات کی کہ تو نے بے گراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراط مستقیم پر مزہ لوگوں کی گمراہی میں بیٹا رہوں گا ۝ پھر

لَا تَنصَحُهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ

میں لوگوں کو پہکانے کے لیے نہ ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور

وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۚ قَالَ اخْرُجْ

بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا ۝ فرمایا یہاں سے

مِنْهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا لِّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ

ذیل اور دھتکارا ہوا مہر مہر مہر ۝ اب اس جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے

مِنْكُمْ أَجْبَعِينَ ۚ

دو دھک کر بھر دوں گا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو بھد کرو تو ابلیس کے سوا سب نے بھد کیا اور وہ بھد کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

## آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا تھا کہ اس نے انسانوں کو زمین میں بسایا اور ان کو اسباب زیست فراہم کیے اور اس آیت میں ان پر اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں انسان کی تخلیق کی ابتداء کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں مسجود ملائکہ بتلایا اور باپ پر جو انعام کیا جاتا ہے وہ بیٹے پر انعام کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ باپ کا شرف اور اس کا بلند مقام بیٹے کے لیے باعث فخر ہوتا ہے۔ اور اس سے منشا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس قدر نعمت سے نوازا ہے تو پھر ان کا ایمان نہ لانا اور کفر کر ڈالنے دینا اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور اس کی احسان فراموشی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر بھیجہ فرمائی ہے۔ تم اللہ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تم میں جان ڈالی پھر وہ تمہاری جان نکالے پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ (البقرہ: ۲۸)

## ایک اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بتلی۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو پیدا کیا پھر حضرت آدم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ حالانکہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان کو مسجود ملائکہ بتلایا اس کے بعد ان کی نسل سے ہم کو پیدا فرمایا۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ اس آیت میں "ہم نے تم کو پیدا کیا" اس سے مراد ہے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا اور ہم نے تمہارے باپ آدم کی صورت بتلی جیسا کہ ایک اور آیت میں بھی انسان سے مراد آدم ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلْسَلَةٍ مِّنْ طِينٍ  
اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے غلامہ سے پیدا کیا۔  
(المؤمنون: ۴)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ  
ذات سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ وہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔  
مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹)

۲۔ مجاہد نے یہ بیان کیا ہے کہ "ہم کو پیدا کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ آدم کو پیدا کیا اور "پھر تمہاری صورت بتلی" اس سے مراد ہے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد کی صورت بتلی۔

۳۔ اس آیت میں ایک لفظ مقدر ہے۔ "پھر ہم تمہیں خبر دیتے ہیں" اور پوری آیت کا معنی اس طرح ہو گا اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بتلی۔ پھر ہم تمہیں خبر دیتے ہیں کہ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔

حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح کے بعض اہم واقعات

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام اور انہیں احسن کا قصہ سات سورتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ (البقرہ، الاحزاب، الحج، یوسف، اسراء، اٰنعام، ص)

ہم اس قصہ کے مباحث کی تفسیر اور تفصیل سورہ البقرہ میں بیان کر چکے ہیں یہاں پر ہم بعض ان امور کو بیان کریں گے جن کا وہاں ہم نے ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں پر ہم احداث اور آثار کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح بیان کر رہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مرحلہ وار تخلیق

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا اور فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۳۰) پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لیے زمین پر بھیجا۔ زمین نے کہا میں اس بات سے تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔ حضرت جبرئیل لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: یا رب اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔ پھر حضرت میکائیل کو بھیجا اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔ پھر حضرت عزرائیل کو بھیجا اس نے ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کی۔ انہوں نے کہا میں اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ کے حکم پر عمل کرانے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلطہ طور کر دیا۔ اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔ وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گھیلا کر دیا۔ پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّمَّ  
حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (الحجر: ۲۶)

جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تاکہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے برابر عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے نکلے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ  
(الرحمن: ۳۰) بنایا۔

ابلیس کہتا تھا اس کو کس لیے بنایا گیا ہے اس نے فرشتوں سے کہا اس سے مت ڈرو یا یہ اندر سے کھوکھلا ہے۔ اگر مجھ کو اس پر مسلط کیا گیا تو میں اس کو ہلاک کردوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا سَوَّيْنَاهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا  
لَهُ سُجُودًا (الحجر: ۳۰)

سو جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤ۔

جب اس پتے میں روح پھونکی اور وہ ان کے سر میں داخل ہوئی تو ان کو چھینک آئی۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہو الحمد للہ تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اور جب روح ان کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا اور جب روح ان کے پیٹ میں پہنچی تو ان کو طعام کی خواہش ہوئی اور انہوں نے پیروں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھلوں کی طرف چھلانگ لگانی چاہی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَمَلٍ (الانبياء: ۳۰)

انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

پھر ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

فَسَحَّدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَنْجَمُونَ ۝ لَا  
إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ  
يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ  
بِيَدَيَّ لَأَسْكُنَ مِنْهُ آمُ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝  
قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ خَلْقَتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ  
طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝  
فَسَحَّدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَنْجَمُونَ ۝ لَا  
إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ  
يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ  
بِيَدَيَّ لَأَسْكُنَ مِنْهُ آمُ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝  
قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ خَلْقَتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ  
طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝

میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ۝ سو ابلیس کے اس نے  
گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہو گیا ۝ فرمایا اے ابلیس! تجھے  
اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے  
ہاتھوں سے بنایا تو نے اب گھمنڈ کیا یا تو پہلے ہی سے گھمنڈ کرتے  
والوں میں سے تھا ۝ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے  
مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا ۝ فرمایا تو اس (جنت)  
سے نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا ۝ (ص ۷۷-۷۸)

(مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۱۵-۲۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کا مشاہدہ کرانا

اہم ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۹۲۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت  
پر ہاتھ بھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی رو میں ان کی پشت سے جھڑکیں۔ اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں  
آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے  
رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص نور اس کی نور کی  
شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا: تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک  
شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے میرے رب تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ کہا اے میرے رب! میری  
عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ کہا کیا  
میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیا یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیے تھے؟  
حضرت آدم نے انکار کر دیا سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت  
آدم نے (اجتہادی) خطا کی سو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ (سنن الترمذی ج ۵ رقم الحديث ۳۰۸۷)

حافظ ابن عساکر متوفی ۷۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ  
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ قَالُوا  
بِرَبِّكُمُ طَائِفًا بَلَىٰ شَهِدْنَا لَنَقُولُوا يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝

اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی  
اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنا دیا (فرمایا) کیا میں  
تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں اہم نے گواہی دی  
تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

(الاعراف: ۷۷)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے  
دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ فلذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ  
بنانا میں عنقریب تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور ميثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا

بہیمان القرآن

انہوں نے کہا ہم کو ایسی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں ہے۔ حضرت آدم نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بد صورت لوگوں کو دیکھا۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب اگر تو اپنے تمام بندوں کو ایک جیسا کر دینا فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت آدم نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ ان کو رسالت اور نبوت کے میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق یہ آیت ہے:

وَلَاذَّآخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَو  
مِنْ نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ  
أَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا (الاحزاب: ۷)

اور جب ہم نے (تلیخ رسالت پر) نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

(تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۲۰-۲۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

### حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مار اور سفید رنگ کی ان کی اولاد نکلی۔ وہ خود نبی کی مثل تھے۔ اور بائیں کندھے پر مار اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکلی۔ وہ کونوں کی طرح تھے۔ پھر دائیں جانب والوں کے لیے فرمایا یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں ہے اور بائیں جانب والوں کے لیے فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔

ابراہیم مزنی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کعب کی طرح کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عہد کرنے کا حکم دیا۔ جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعب کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

لقد نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو جلا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے۔ جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں جلا کیا تھا۔ ان سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔ (تم السجدة: ۱۱) سو حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھ کر فرمایا کہ جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ اور ایک درخت سے کھانے سے منع فرما دیا۔ یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس ممنوع کار کا کلب کر لیا۔ اس وقت ان کی شرم گھ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! اگر میں توبہ کر لوں اور اصلاح کر لوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا اور تب انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا بِمَا كُنَّا نَعْتَرُكَ لَا وَ  
تَرَحُّمًا لَّنْكَ لَنُكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان (الاعراف: ۳۳) اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اللہ کے دشمن ابلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی۔ لیکن اس نے قیامت تک کی صلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول کر لی۔ حضرت آدم کو معاف کر دیا اور شیطان کو قیامت تک کی صلت دے دی۔

(تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۲۱-۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)



حضرت آدم کا سیدنا محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور اس حدیث کی تحقیق امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتماعی) خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا میں تجھ سے (سیدنا) محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی محمد کیا ہے اور محمد کون ہیں؟ تب انہوں نے کہا تیرا نام برکت والا ہے تو نے جب مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ مرتبہ والا کون شخص ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے آدم وہ تمہاری اولاد میں آخر القیسن ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد میں سے آخری امت ہے اور اے آدم! اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو (بھی) پیدا نہ کرتا۔

(الحکم الصغیر ج ۲ ص ۸۳ مطبوعہ مکتبہ سفینہ منورہ، الحکم الصغیر ج ۲ رقم المحدثہ ۴۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الحکم الاوسط ج ۲ رقم المحدثہ ۳۹۸ مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، الشریعہ جاری ص ۳۷۰-۳۷۱ ریاض، المستدرک ج ۲ ص ۱۱۵ مطبوعہ دار البازکۃ المنکرہ، دلائل النبوة، البیہقی ج ۵ ص ۲۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت، وقایہ الوقایہ لابن الجوزی ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لا کل پور، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، مجمع البحرین ج ۶ ص ۱۵۱ مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، الخصائص الکبریٰ ج ۶ ص ۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لا کل پور، (کتب تاریخ و سیرت) البدایہ والنہایہ، حلیفہ ابن الکثیر ج ۱ ص ۸۱ ج ۲ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، المواہب اللدیہ ج ۱ ص ۳۵ ج ۲ ص ۳۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، شرح المواہب للزرقانی ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، سبل الہدی والرشاد ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سیرت علیہ ج ۱ ص ۳۵۴ مطبوعہ شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ للہبالی الحلبی و اولادہ عصر، قصص الانبیاء لحلیفہ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ، (کتب تفسیر) در مشور ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، تفسیر محلی ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ مؤسسہ لاطینی بیروت، روح البیان ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، (دیگر کتب) التکوئی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۵۱ مطبوعہ السعودیہ العربیہ، شفاء النقام للسیکی ص ۷۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن، علامہ جلال الدین سیوطی نے در مشور ج ۱ ص ۳۲ اور الخصائص ج ۱ ص ۶ میں اور علامہ علی متقی حندی نے کنز العمال ج ۱ ص ۳۵۵ میں اس حدیث کو امام ابو نعیم کی دلائل النبوة کے حوالے سے بھی درج کیا ہے۔ میں نے امام ابو نعیم کی دلائل النبوة کو حوالہ دیکھا ہے۔ اس میں یہ حدیث نہیں اس سلسلہ میں ابن بزرگ محدثین کو تسلیع ہوا ہے)

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے لیکن یہ ابن کاتل ہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے بلکہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (تخفیف المستدرک ج ۱ ص ۱۱۵) علامہ ذہبی کا اس حدیث کو موضوع لکھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں کوئی وضاع راوی نہیں ہے اور ذہبی نے اس کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے دلائل النبوة میں اور حلیفہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ اور قصص الانبیاء میں اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا ایک راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کو ضعیف ہی لکھا ہے۔ وضاع نہیں قرار دیا اور فضائل میں ضعیف احادیث کا اعتبار کیا جاتا ہے اور قوی دلیل یہ ہے کہ حلیفہ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (تکوئی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۵۱ مطبوعہ السعودیہ العربیہ)

ہرچند کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض ائمہ حدیث نے اس کی تعدیل اور تحسین بھی کی ہے۔ حافظ جمال الدین یوسف مزی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔

امام ابوحاتم کا دو سرا قول یہ ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم ابن ابی الرجال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور ابو احمد بن عدی نے کہا اس کی احادیث حسن ہیں لوگوں نے ان کو حاصل کیا ہے۔ اور بعض نے اس کو صلوٰۃ قرار دیا ہے اور یہ ان راویوں میں سے ہے جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(تہذیب الکمال، ج ۹، ص ۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۷۳ھ، تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۷۵ھ)

نیز امام ابن جوزی نے الوفاء میں اس حدیث کو جس سند سے ذکر کیا ہے اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم نہیں ہے، شیخ ابن تیمیہ نے بھی اسی سند کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کیا ہے، لہذا عبدالرحمن بن زید کی وجہ سے جو اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے وہ اعتراض اصلاً ساقط ہو گیا۔

حضرت آدم کے سکون کے لیے حضرت حوا کو پیدا کرنا

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے۔ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایک عورت ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس نے کہا تاکہ آپ مجھ سے سکون حاصل کریں۔ فرشتوں نے پوچھا اے آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا نام حوا ہے۔ فرشتوں نے پوچھا آپ نے اس کا نام حوا کیوں رکھا۔ انہوں نے کہا کیونکہ یہ حی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور ہم نے فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (البقرہ: ۳۵) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے لیے ان کی ان شرم گاہوں کو ظاہر کرادے جو ان سے چھپائی ہوئی تھیں اور کہلا اے آدم و حوا! تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم فرشتہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ! اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں! پھر فریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکایا تو جب انہوں نے اس درخت کو چکھاتو ان کی شرم گاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے بدن پر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے انہیں ندا فرمائی کیا اس درخت سے میں نے تم دونوں کو نہیں روکا تھا؟ اور تم سے (یہ) نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۲۲-۲۱) اس درخت سے کھانے میں حوا نے سبقت کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تم بھی کھاؤ، کیونکہ میں نے کھایا تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ (حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً ممانعت کی ہے، تحرماً منع نہیں فرمایا۔ اس لیے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحرماً تھی۔ یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس معین درخت سے منع فرمایا ہے۔ اگر میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھاؤں تو پھر حرج نہیں ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کی فضا اس درخت کی نوع سے منع کرنا تھا۔ پھر جب

انہوں نے اس درخت سے کھا لیا اور وہ بے لباس ہو گئے اور جنوں سے جسم چھپانے لگے تو انہوں نے کہا: اس نے حیرتی قسم کھائی تھی اور میرا یہ ممکن نہیں تھا کہ حیرتی مخلوق میں سے کوئی شخص حیرتی قسم جھوٹی بھی کھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ فرمایا اترو تمہارے بعض بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت تک قانع اٹھنا ہے۔ (الاعراف: ۲۳-۲۴)

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا

صحابیان کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں فرشتوں کی تسبیح اور من کی آواز سنتے تھے۔ زمین پر آنے کے بعد یہ نعمت ان سے جاتی رہی۔ انہوں نے اپنے رب عزوجل سے اس کی شکایت کی۔ ان سے کہا گیا کہ یہ بھی آپ کی اس (ظاہری) خطا کا ثمر ہے، البتہ میں آپ کے لیے ایک بیت امانوں گا۔ آپ اس کے گرد طواف کریں جس طرح فرشتے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بستیوں اور جنگوں کی مسافت طے کر کے اس بیت کے پاس آئے اس کے گرد طواف کیا اور اس کے پاس نماز پڑھی۔ اسی طرح اس بیت کا طواف کرتے رہے، حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اٹھا لیا اور قوم نوح کو فرق کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان ہی بنیادوں پر حضرت نوح علیہ السلام سے وہ بیت بنوایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حند سے پیدل چل کر چالیس مرتبہ حج کیا۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جب وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اے بیٹو! میں جنت کے پہلوں کی خواہش کر رہا ہوں، وہ جنت کے پھل ڈھونڈنے چلے گئے۔ ان کے سامنے سے فرشتے آئے، ان کے پاس کفن اور خوشبو تھی، اور کہہ الیں اور پھاڑ دے تھے۔ انہوں نے حضرت آدم کے بیٹوں سے کہا: تم کیا تلاش کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارا باپ بیمار ہے ہم اس کے لیے جنت کے پھل ڈھونڈ رہے ہیں۔ فرشتوں نے کہا: واپس جاؤ، تمہارے باپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ فرشتے آئے تو حضرت حواء نے ان کو پہچان لیا۔ وہ حضرت آدم کے پاس گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے دور رہو۔ تمہاری وجہ سے میں قند میں جلا ہوا تھا۔ مجھے اور میرے رب عزوجل کے فرشتوں کو تمہاں بھڑو۔ پھر فرشتوں نے حضرت آدم کی روح قبض کر لی۔ ان کو غسل دیا، ان کو کفن پہنایا اور ان کے جسم پر خوشبو لگائی اور ان کے لیے قبر کھود کر لکھ بٹائی ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ان کی قبر میں اترے اور ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر پر کچی اینٹیں رکھیں۔ پھر ان کی قبر سے نکلے اور ان کی قبر کو مٹی سے پر کر دیا۔ پھر کہا: اے آدم کے بیٹو! یہ تمہارے لیے کفن دفن کا طریقہ ہے۔

عطاء عمر اسانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن تک مخلوق روتی رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا برزخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مباحثہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں! آپ نے ہمیں نامراد کیا اور جنت سے نکل دیا۔ ان سے حضرت آدم نے کہا: اے موسیٰ! تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز کیا اور اپنے دست قدرت سے تمہارے لیے تورات لکھی۔ کیا تم مجھے اس کلام پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر کر دیا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے۔

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۲۷۳، صحیح مسلم، قدر: ۳۷۸ (۳۷۵) سنن ابو داؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۴۷۰۰، السنن الکبریٰ ج ۶، رقم الحدیث: ۸۳۲۹)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں یہ مباحثہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے پاس ہوا ہو یا ہو سکتا ہے کہ دونوں کے وصال کے بعد عالم برزخ میں یہ مباحثہ ہوا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوع کھانے پر تقدیر کا عذر اپنی زندگی میں پیش نہیں کیا بلکہ زندگی میں اپنے اس فعل پر اظہار ندامت اور توبہ اور استغفار ہی کرتے رہے، جبکہ ان کا یہ فعل بھولے سے ہوا تھا اور یہ گناہ نہیں تھا اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی اس مثل کو سانس نہ رکھ کر کوئی شخص اپنے دلستہ گناہوں پر یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ اس کی تقدیر میں پوئی لکھا تھا۔ جب تک انسان دارالظلیف میں ہے، اس پر مظلّمین کے احکام جاری ہوں گے۔ اس کو ملامت کی جائے گی اور اس پر عذاباً تعزیر حسب عمل جاری ہوگی اور اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو عذاب کا مستحق ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا فعل بول تو حقیقتاً معصیت نہیں تھا، مانی انسانوں نے جو کچھ فرمایا وہ دارالظلیف سے جانے کے بعد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تم کو مجبہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے (الاعراف: ۱۳)

مجبہ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

مجبہ کالفت میں معنی ہے سرینچہ کرنا، جملتا عاجزی اور خاکساری کرنا اور اس کا فقی معنی ہے زمین پر چٹائی رکھنا اور اس سے بڑھ کر عاجزی اور تذلل متصور نہیں ہے۔

(التلخیص ج ۲، ص ۳۰۹، ۳۱۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۸ھ، مجمع بحار الانوار ج ۳، ص ۳۷، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں مجبہ کے اطلاقات

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۵۲ھ لکھتے ہیں:

مجبہ کا شرعی معنی ہے: اللہ کے لیے تذلل اور عاجزی کرنا اور اس کی عبادت کرنا اور یہ انسان، حیوانات اور جمادات سب کو شامل ہے اور اس مجبہ کی دو قسمیں ہیں۔ مجبہ بلا اختیار اور مجبہ بالتغیر۔ مجبہ بلا اختیار پر انسان ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَاسْتَجِدْ لِلّٰهِ وَاعْبُدْ (الحج: ۳)

سوائے کے لیے مجبہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

اور مجبہ بالتغیر اور مجبہ بلا اختیار دونوں کی مثل یہ آیت ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الدُّرُجَاتِ

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (الحمل: ۳۹)

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں وہ سب اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں (ہر قسم کے) جاندار اور سب فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

اور صرف سجدہ ہا تسبیح کی مثل یہ آیتیں ہیں:  
وَالشُّجْرُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ (الرحمن: ۶)

اور زمین پر پھیلنے والے پودے اور اپنے جتنے پر کھڑے درخت سجدہ کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَائِفًا طَائِفًا ۝ (الرعد: ۱۵)

مجموعی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے (بھی) صبح اور شام کو۔

قرآن مجید میں سجدہ کا اطلاق سجدہ عیون کی بجائے سجدہ تعظیم پر بھی کیا گیا ہے:  
اَسْجُدْ وَالْاٰدَمَ (البقرہ: ۳۳) وَخَرَّوْا لَهُ سُجَّدًا (یوسف: ۳۰)

آدم کو سجدہ کرو۔ اور ان (پاپ اور بھائی سب) یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے۔

سجدہ کا اطلاق نماز پر بھی کیا گیا ہے:  
وَمِرَّ الْقَبْلِ فَسَبَّحْهُ وَآذِنًا لِلْغُلُوْدِ (فی: ۳۰) بعد (بھی)۔

رات کے کچھ وقت میں اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے

### ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔ ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ (البقرہ: ۳۳) ابلیس کو سجدہ کا حکم اس وقت ہو گا جب وہ فرشتہ ہو کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابلیس جنی تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا۔ اس لیے یہ طور مخلص وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ جنت کو سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ جب اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو اس کی تعظیم کا یہ طریق ادنیٰ حکم ہے۔ ابلیس کے جن ہونے کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ ۝ (الکہف: ۵۰) وہ (ابلیس) جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

اس بحث کی مکمل تفصیل جاننے کے لیے (البقرہ: ۳۳) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔  
امر کا وجوب کے لیے ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا علماء اصول نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ امر کا تقاضا وجوب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی اس پرہیزگاری کی ہے کہ ابلیس نے اللہ کے حکم



کے بعد اس پر عمل نہیں کیا اور بعض علماء نے اس سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ امر کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر فوراً عمل کیا جائے۔  
کیونکہ ابلیس نے جب اس پر علی الفور عمل نہیں کیا تو اس پر گرفت کی گئی۔

حضرت آدم سے افضل ہونے پر ابلیس کا یہ استدلال کہ آگ مٹی سے افضل ہے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جھوٹ کرنے کی یہ وجہ بیان کی: اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ابلیس کے جواب کی وضاحت یہ ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ کیونکہ آگ گرم خشک ہے اور مٹی سرد خشک ہے۔ اور حرارت برودت سے افضل ہے۔ کیونکہ گرمی حیات کے اور جوانی کے مناسب ہے اور ٹھنڈک موت اور پڑھاپے کے مناسب ہے اور حیات اور جوانی موت اور پڑھاپے سے افضل ہے۔ نیز آگ تاثیر اور فعل کرتی ہے اور مٹی اثر قبول کرتی ہے اور انفعال کرتی ہے اور فعل، انفعال سے افضل ہے اور آگ کا خاصہ بلندی کی طرف جانا اور مٹی کا خاصہ پستی کی طرف آنا ہے اور بلندی پستی سے افضل ہے۔ سو ان تین وجوہ سے آگ مٹی سے افضل ہے اور ابلیس آگ سے اور حضرت آدم مٹی سے بنائے گئے لہذا ابلیس حضرت آدم سے افضل ہو اور افضل کا مستقر کو جھوٹ کرنا حکمت کے خلاف ہے۔

آگ سے مٹی کے افضل ہونے کی دس وجوہات

ابلیس کی یہ دلیل متعدد وجوہ سے باطل ہے کسی مرکب کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ طبع مادی، طبع صوری، طبع فاعلی اور طبع غلی۔ ابلیس نے اپنے اور حضرت آدم کے درمیان صرف طبع مادی سے قتل کیا اور باقی تین طبعوں سے صرف نظر کر لی۔  
۱۔ آگ کی طبیعت کا تقاضا چیزوں کو علی الفور جلا دینا اور ان کو تلف کرنا ہے جبکہ مٹی کسی چیز کو تلف یا ضائع نہیں کرتی۔  
۲۔ مٹی میں انسانوں اور حیوانوں کا رزق پیدا ہوتا ہے اور کپاس پیدا ہوتی ہے جس سے انسانوں کا لباس حاصل ہوتا ہے جبکہ آگ میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

۳۔ مٹی میں اگر ایک دانہ ڈالا جائے تو اس کی برکت سے وہ کم و بیش سات سو گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے جبکہ آگ کسی چیز کو بڑھانا تو کجا اصلاً نیست و نمود کر دیتی ہے۔

۴۔ آگ کو اپنے وجود میں مٹی کی احتیاج ہے۔ کیونکہ آگ زمین کے بغیر نہیں متعلق ہوگی۔ جبکہ زمین کو اپنے وجود میں آگ کی احتیاج نہیں ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے بہ کثرت منافع اور فوائد کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا (النساء: ۱۶) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كَفَاتًا ۝ أَحْبَابًا ۝ وَآمِنًا ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِي (البقرہ: ۲۵-۲۷) کیا ہم نے زمین کو میٹھے والی نہ بنایا ۝ زخموں اور مردوں کے لیے ۝ اور ہم نے اس میں بلند مضبوط پہاڑ پیدا کر دیے۔

(المرسلات: ۲۵-۲۷)

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ حَبِيبًا (البقرہ: ۲۹) وہی ہے جس نے تمہارے رخ کے لیے زمین کی سب چیزوں

کو پیدا کیا۔

اس کے برخلاف قرآن مجید کی اکثر اور بیشتر آیتوں میں آگ کو عذاب قرار دیا گیا ہے اور اس سے ڈرایا گیا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو برکت قرار دیا ہے۔

آپ کہتے تم بے شک اس کے ساتھ ضرور کفر کرتے ہو جس نے دودن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک بناتے ہو یہ پروردگار ہے سارے جہانوں کا اور جس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں برکت دی اور اس میں اس کے باشندوں کے لیے چار دنوں میں غذائیں رکھ دیں جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ  
وَيَوْمَنَ وَتَحْمِلُوْنَ لَهُ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ  
الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوٰسِي مِّنْ فَوْقِهَا وَ  
بَرَكَهَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَنْوَارَهَا فَاَنۢبَتُوا۟ اَبۡنَاحًا  
سَوَآءًا لِّلنَّاسِ لِيُبَيِّنَ ۝ (حم السجده ۶۴۰)

وَتَخَسِبُهُۥ وُلُوۡمًا اِلَى الْاَرْضِ اَلَيْسَ بِرُكَّآءٍ فِيْهَا  
لِيُعَلِّمَ ۝ (الانباء: ۷۱)

وَلِيُسَلِّبَنَّ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجۡرِيۡ بِاَمۡرِہٖ  
اِلَى الْاَرْضِ اَلَيْسَ بِرُكَّآءٍ فِيْهَا (الانباء: ۸۷)

اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی ہے۔ اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی۔ اس کے برخلاف آگ کی یہی صفت ہے کہ وہ چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

۷۔ مٹی کے شرف کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا گھر (الیت المحرام) بنایا ہے جس میں ہر وقت طواف کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سجدے کیے جاتے ہیں اس کی عہدیت کی جاتی ہے اور تسبیح، تہلیل اور تہجد کی جاتی ہے۔ علیٰ هذا القیاس۔ مسجد نبوی ہے مسجد اقصیٰ ہے اور بے شمار مساجد ہیں جن میں دن رات اس کی حمد اور عہدیت کی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف آگ میں ایسی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۸۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے نفع کے لیے 'معدنیات'، دریا، سمندر، چشمے، پہلوں کے بلقعات، غلہ سے لدے ہوئے کھیت، سواریوں کے لیے اصناف و اقسام کے جانور اور طرح طرح کے لباس پیدا کیے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آگ کے اندر ایسا کوئی نفع نہیں ہے۔

۹۔ آگ کی زیادہ سے زیادہ فضیلت یہ ہے کہ اس کی حیثیت زمین کے ظلم کی ہے۔ اول تو آگ کا وجود زمین کے وسیلہ سے ہے۔ آگ یا لکڑیوں کو جلا کر حاصل ہوتی ہے یا گور کو جلا کر۔ یا قدرتی گیس سے اور تیل سے حاصل ہوتی ہے اور ان تمام چیزوں کا حصول زمین سے ہوتا ہے۔ مٹا یا آگ سے کھٹا پکایا جاتا ہے یا حرارت حاصل کی جاتی ہے اور کھانے کے اجزاء ترکیبی بھی زمین سے حاصل ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مٹی اصل اور مخدوم ہے اور آگ فرع اور ظلم ہے اور اس کو مٹی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

۱۰۔ الیسیٰ حین کا مادہ خلقت (سارج مس نار) بھڑکنے والی آگ ہے اور بھڑکنے والی آگ اور شعلے فی نفسہ ضعیف ہیں۔ ہوا ان کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور ان کا بھڑکنا ہوا کے تابع ہے۔ اور مٹی فی نفسہ قوی ہے۔ ہوا اس کو اپنے زور سے ادھر ادھر نہیں لے جاسکتی بلکہ مٹی کی دیواریں اور پہاڑ ہوا کے لیے سد راہ بن جاتے ہیں اور قوی 'ضعیف' سے افضل ہوتا ہے اس لیے مٹی آگ سے افضل ہے۔ مٹا یا الیسیٰ حین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی اور پانی کو گوندھ کر دونوں سے بنایا گیا تھا اور پانی بھی آگ سے افضل ہے کیونکہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ نیز پانی کے افضل ہونے کے لیے یہ آیت کافی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔

(الانبیاء: ۳۰)

الغرض حضرت آدم علیہ السلام کاملہ خلقت مٹی اور پانی ہے اور یہ دونوں آگ سے افضل ہیں۔ اس لیے ابلیس لعین کا یہ کہنا غلط تھا کہ ”میں آدم سے بہتر ہوں۔“

حضرت آدم کا چاروں علتوں کی وجہ سے ابلیس سے افضل ہونا

علت ملوی کے بعد دوسری فضیلت کی وجہ علت صوری ہے اور علت صوری کے اعتبار سے بھی حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

بے شک ہم نے انسان کو سب سے حسین تقویم (ساخت)

(التین: ۴) میں بنایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ

(صحیح البخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۶۳۲، صحیح مسلم بر ۱۱۵، (۲۶۱۲) ۶۵۳۲، مسند احمد ج ۲، ص ۳۱۵، ۲۳۳، طبع قدیم)

علت صوری کے بعد تیسری فضیلت کی وجہ علت فاعلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو حرف کس سے پیدا فرمایا اور

حضرت آدم علیہ السلام کو خاص اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا:

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا

فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کے لیے سجدہ کرنے سے کس

نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟

خَلَقْتُ بَدَنِي (ص: ۳۸)

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ

مٹی سے بشر بنانے والا ہوں ۝ تو جب میں اسے درست گروں

طِينٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي

اور اس میں اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں تو تم اس

فَقَعُّوْا لَهُ سُجُودًا ۝ (ص: ۷۴-۷۵)

کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

فضیلت کی چوتھی وجہ علت غائی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی غایت تخلیق اللہ تعالیٰ کی نیابت اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی

خلافت ہے۔ فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک

میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔

الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ: ۳۰)

اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کا نائب اور اس کا خلیفہ ہو۔ اور اس تفصیل سے

واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام علت ملوی، صوری، فاعلیٰ اور غائی ہر اعتبار سے ابلیس لعین سے افضل ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ

نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو ابلیس پر لازم اور واجب تھا کہ وہ آپ کو سجدہ کرے لیکن اس نے اللہ تعالیٰ

کے صریح حکم کے مقابلہ میں ناسد قیاس کیا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ حضرت آدم سے افضل ہے اور افضل کا معنی کو سجدہ

کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء ظاہر نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقاً قیاس اور اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے

ہم یہاں پر قیاس اور اجتہاد کی تحقیق کر رہے ہیں۔

الجیس کے باطل قیاس کی بنا پر منکرین قیاس کے دلائل اور ان کا تجزیہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن سیرین نے کہا سب سے پہلے الجیس نے قیاس کیا تھا اور سوچ لو کہ چاند کی پرستش صرف قیاس کی وجہ سے کی گئی ہے۔  
حسن بھری نے کہا سب سے پہلے جس نے قیاس کیا تھا وہ الجیس ہے۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، سنن داری، ج ۱، رقم المسند ۱۹۱، طبع بیروت، ۱۴۱۰ھ)  
حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ النیسابوری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمر بن یسع بیان کرتے ہیں کہ میں ابن ابی لیلیٰ اور (امام) ابو حنیفہ، حضرت جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور  
عبد اللہ بن شبرمہ نے کہا میں اور (امام) ابو حنیفہ، حضرت جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جعفر بن محمد نے ابن ابی  
لیلیٰ سے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ شخص ہے جس کو امور دین میں بہت مہارت اور بصیرت حاصل ہے۔  
حضرت جعفر نے کہا شاید یہ دین کے معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں! حضرت جعفر نے (امام)  
ابو حنیفہ سے پوچھا تمہارا ایم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نعمان! (ابن قولہ) حضرت جعفر نے امام ابو حنیفہ سے کہا اے نعمان! مجھے  
میرے والد نے میرے دلوائے یہ حدیث روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سب سے پہلے دین کے معاملہ میں  
اپنی رائے سے قیاس کیا وہ الجیس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: (حضرت) آدم کو مجھ کو اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔  
تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے سو جس نے دین میں اپنی رائے سے قیاس لیا اس کو اللہ تعالیٰ  
قیامت کے دن الجیس کے ساتھ اکٹھا کرے گا۔ ابن شبرمہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے پھر حضرت جعفر نے ان سے پوچھا قتل  
نفس اور زنا میں کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا قتل نفس۔ حضرت جعفر نے کہا اللہ تعالیٰ نے قتل نفس کے ثبوت  
کے لیے صرف دو گواہ کافی قرار دیے۔ پھر زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی گواہی کیوں ضروری ہے؟ پھر پوچھا نماز اور روزے  
میں کون سا فرض زیادہ اہم ہے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا نماز! حضرت جعفر نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ حائض عورت صرف روزے کی  
قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا کا حکم نہیں ہے؟ پھر کہا تمہارے قیاس کرنے پر افسوس ہے اللہ سے ڈرو اور دین میں اپنی رائے سے  
قیاس نہ کرو۔

(علیہ السلام، ج ۳، ص ۱۹۹-۱۹۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، لینا، ج ۳، رقم المسند ۳۷۹، دار الکتاب العربی، بیروت،  
۱۴۱۸ھ)

حضرت جعفر بن محمد نے نبی ﷺ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کے متعلق قاضی محمد بن علی بن محمد شاکانی متوفی  
۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں

اس حدیث کی سند میں غور کرنا چاہیے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور یہ حدیث کلام نبوت  
کے مشابہ نہیں ہے۔

(فتح اللہ، ج ۲، ص ۱۹۳، مطبوعہ عالم الکتاب، بیروت، فتح البیان، ج ۳، ص ۲۶۲، مطبوعہ المطبعۃ الکبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۰۹ھ)  
اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے۔ سعید بن عبسہ۔ اس کے متعلق حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ  
لکھتے ہیں:

مجی نے کہا یہ کذاب ہے اور ابو حاتم نے کہا یہ صادق نہیں۔ اس نام کا ایک دوسرا شخص ہے وہ مجہول ہے۔ اس نام کا ایک

تیسرا شخص ہے۔ امام ابن جوزی نے اس پر کوئی طعن نہیں کیا لیکن یہ متعین نہیں ہے کہ اس سند میں کون سا شخص مراد ہے۔  
(میزان الاعتدال 'ج ۳' ص ۲۲۳ 'کتبہ دارالکتب العلمیہ بیروت' 'ج ۳' ص ۱۳۱۶)

اس حدیث کا ایک اور راوی ہے عمرو بن جمیع۔ اس کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں:  
ابن معین نے اس کو کذاب قرار دیا۔ امام دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا یہ حروک ہے۔ ابن عدی نے کہا اس پر حدیث گمڑنے کی تمت ہے۔ امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔

(میزان الاعتدال 'ج ۵' ص ۳۰۴ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۳۱۶ھ)  
نظام معتزلی اور بعض اہل اطاہر قیاس کے منکر ہیں اور صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور ان کے بعد کے جمہور علماء قیاس کے قائل ہیں اور قیاس سے جو احکام مستنبط ہوں ان پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے اور عقلاً واقع ہے۔ بعض شوافع اور ابو الحسن بصری کے نزدیک اس پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ (الجامع لأحكام القرآن 'جزء ۵' ص ۵۵۰ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۳۱۵ھ)  
مجوزین قیاس کا احادیث سے استدلال

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح میں یہ عنوان قائم کیا ہے: جس شخص نے کسی چیز پر مسئلہ کو ایسی حعارف اصل پر قیاس کیا ہو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہو تاکہ سوال کرنے والا اس مسئلہ کو سمجھ سکے اور اس عنوان پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور سوال کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر ملنی تھی۔ پھر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی۔ کیا میں اسکی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے حج کر لو۔ یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہو تا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا پھر اللہ کا قرض ادا کرو۔ وہ ادا کیے جاتے کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث: ۵۳۱۵ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۳۱۲ھ)  
نیز امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق چاندیوں کا اجتناب کرنا اور یہ کہا کہ نبی ﷺ نے صاحب حکمت کی تعریف کی ہے جبکہ وہ حکمت سے فیصلے کرے اور حکمت کی تعلیم دے اور از خود کوئی حکم نہ دے اور خلفاء سے مشورے کرے اور اہل علم سے جدولہ خیال کرے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف دو قسم کے آدمیوں پر حسد (رتشک) کرنا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مل دیا ہو اور اس میں کوئی حق میں خرچ کرنے پر اس کو مسلط کر دیا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہو۔

(صحیح البخاری 'ج ۸' رقم الحدیث: ۵۳۱۶ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۳۱۲ھ)  
نیز امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا جن احکام کی معرفت دلائل سے ہو پھر دلائل کی یہ تفسیر کی کہ نبی ﷺ نے کھوٹوں کے احکام بیان فرمائے اور جب آپ سے گدھوں کے حلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان کا حکم اس آیت سے مستنبط کیا: **مَنْ مَسَّ مَيْمَنًا مِنْكُمْ فَمَا فِيهَا مَلَأَتْ ثَمَرًا فَاتَّخِذْهُ طَعْمًا** (مائدہ: ۷۰) سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کرتا ہوں اور نبی ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی ہے۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا ہے کہ گوہ حرام نہیں ہے اور اس عنوان کے تحت یہ حدیث سند کے ساتھ بیان کی ہے۔



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے تین قسم کے ہیں۔ گھوڑا کسی کے لیے باعث اجر ہوتا ہے اور کسی کی پردہ پوشی کا سبب ہوتا ہے اور کسی کے حق میں گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کے لیے اس کا گھوڑا باعث اجر ہے یہ وہ شخص ہے جس نے گھوڑے کو اللہ کے راستہ میں باندھ دیا۔ وہ چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی دراز کر دیتا ہے۔ وہ اس چراگاہ یا باغ سے جو کچھ کھاتا ہے وہ اس کی نیکیاں ہیں اور اگر وہ اس کی رسی کٹ دے اور وہ کسی ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر جائے تو اس کے چلنے اور اس کی لید کے بدلہ میں اس کی نیکیاں ہیں اور اگر وہ کسی دریا سے پانی پئے خواہ اس کا قصد پانی پلانے کا نہ ہو پھر بھی اس میں اس کی نیکیاں ہیں اور اس گھوڑے میں اس شخص کے لیے اجر ہے۔ اور ایک شخص نے گھوڑے کو اس لیے رکھا کہ وہ اپنی ضروریات میں دوسروں سے مستثنیٰ رہے اور ان سے سوال کرنے سے بچا رہے اور اس پر کسی کو سوار کرنے میں یا اس پر کس کا بوجھ لادنے میں اللہ کے حق کو فراموش نہ کرے تو یہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے گھوڑے کو غر کرنے اور ریاکاری کے لیے رکھا تو یہ اس کے اوپر گناہ ہے اور رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: گدھ پر ان کے متعلق کوئی خصوصی حکم نازل نہیں ہوا مگر یہ آیت جو تمام احکام کو جامع ہے:

فَمَنْ يَمَسَّ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَمَسَّ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ (الر لہلال ۷۸: ۷۹)

جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا۔

(صحیح البخاری ج ۸، رقم الحدیث: ۵۶۷۳، صحیح مسلم ۱۷۰۶: ۲۳، سنن انسائی ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۶۳) اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایک مخصوص اور جزی حکم پر ایک عام اور کلی حکم سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث میں پیش آمد مسائل اور جزئیات پر شرعی کلیات سے استدلال کرنے کی دلیل ہے۔ مجوزین قیاس کا آثار صحابہ اور اقوال علماء سے استدلال

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت سے مسائل کا استنباط کرنا اور اجتہاد کرنا اور امت کا اجماع برحق اور واجب ہے اور اہل علم کے لیے لازماً فرض ہے۔ اس کے ثبوت میں نبی ﷺ کی احادیث اور صحابہ اور تابعین کی روایات موجود ہیں۔ ابو تمام مالکی نے کہا کہ قیاس کے جواز پر امت کا اجماع ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے رہا الفضل میں چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجور) پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا ہے اور ان میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع کو حرام قرار دیا ہے اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیعت لینے سے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ ہمارے دین میں آپ پر راضی ہو گئے تو ہم اپنی دنیا میں آپ پر کیوں راضی نہیں ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت کو نماز پر قیاس کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا اور کہا یہ خدا اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو جمع کیا ہے میں ان میں تفریق نہیں کروں گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے سامنے شراب کی حد کو حد تہذیب پر قیاس کیا اور فرمایا انسان شراب کے نشہ میں ہدیان بکھا ہے اور ہدیان میں لوگوں پر تہمت لگاتا ہے لہذا اس کی حد بھی اسی کوڑے ہوگی اور پھر اس حد پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ جن نئے مسائل میں تم کو تشویش ہو اور کتاب اور سنت میں ان کی تصریح نہ ہو تو ان کے متعلق تم قیاس سے کام لو اور جو چیز حق کے مشابہ ہو اس پر عمل کرو۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ میں گئے۔ حتیٰ کہ جب وہ مقام سرخ میں پہنچے تو ان سے لشکر کے امراء نے ملاقات کی جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور ان کے اصحاب بھی تھے۔ انہوں نے یہ خبر دی کہ شام میں دبا بھل چکی ہے۔ اب ان کا اس میں اختلاف ہوا کہ وہ شام میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔ بعض صحابہ نے کہا ہم ایک کام کے لیے آئے ہیں اور اس کام کو کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے اور بعض نے یہ کہا کہ آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ ان کو دبا میں جھونک دیں۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو مجلس سے اٹھادیا اور انصار کو بلایا انہوں نے بھی صحابہ کی طرح مشورہ دیا اور ان میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا۔ پھر آپ نے ان کو بھی اٹھادیا اور قریش کے عمر رسیدہ لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے بلا تعلق یہ کہا کہ لوگوں کو اس بلا میں نہ ڈالیں اور واپس چلیں۔ پھر حضرت عمر نے اعلان کر دیا کہ ہم صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے کہا کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں یا حضرت عمر نے فرمایا اے ابو عبیدہ! کاش تمہارے علاوہ کوئی اور شخص یہ بات کہتا ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم ایک وادی میں جاؤ جس کے دو کنارے ہوں ایک سرسبز ہو اور ایک بخر ہو۔ اگر تم سرسبز کنارے کی طرف جاؤ پھر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جاؤ گے اور اگر بخر کنارے کی طرف جاؤ پھر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جاؤ گے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف آگے ہو کسی کام سے گئے ہوئے تھے انہوں نے کہا اس کا متعلق میرے پاس ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں کسی علاقہ میں بلا کا علم ہو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں دبا آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔ پھر حضرت عمر نے اللہ کی حمد کی اور وہاں سے واپس لوٹ گئے۔ (صحیح البخاری ج ۲، رقم الحدیث: ۵۷۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

اس مضمون کی احادیث آثار اور اقوال ائمہ بہ کثرت ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ قیاس دین کی ایک اصل امیل ہے۔ مجتہدین اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور علماء اس سے استدلال کرتے ہیں اور احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ اس پر ہر دور کے علماء کا اجماع رہا ہے اور چند شذ لوگوں کی مخالفت سے اس اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جو قیاس ممنوع اور مذموم ہے یہ وہ قیاس ہے جس کی اصل کتب اور سنت میں موجود نہ ہو اور جو نصوص صریحہ سے متصادم ہو جیسے الیس کا قیاس تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے مقابلہ میں قیاس کیا۔ حالانکہ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی مسئلہ میں صریح حکم نہ ہو۔ قرآن میں نہ حدیث میں۔ مخالفین قیاس نے اپنے موقف کی تائید میں جو روایات ضعیفہ اور اقوال رکیکہ پیش کیے ہیں یہ تقدیر ثبوت ان کا عمل اس قسم کا قیاس ممنوع اور مذموم ہے جس کی اصل کتب سنت اور اجماع امت میں موجود نہ ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

قیاس کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (الحشر: ۳)

اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے اور قیاس کی شرائط پر سب سے زیادہ مطلع تھے اور اس آیت میں آپ کو بھی قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ بھی قیاس کرتے تھے۔ (المحصول ج ۳، ص ۵۶-۵۷، مطبوعہ مکتبہ نزلہ مصطفیٰ ریاض ۱۴۳۱ھ)

اور ہم اس سے پہلے اس بحث میں صحیح بخاری کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے قیاس کرنے کے ثبوت میں حدیث پیش

کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تو یہاں سے اتر: تجھے یہاں ٹھہرنا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔ (الاعراف: ۱۵)

شیطان کے ساتھ طویل مکالمہ اس کی فضیلت کا موجب نہیں

یہ اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمہ ہے۔ سورہ میں یہ مکالمہ بہت تفصیل کے ساتھ آیت ۷ سے آیت ۸۴ تک ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے: اے ابلیس تجھ کو اسے بھڑکاتے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا کیا تو نے (لب) تکبر کیا یا تو (بجہاد) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا؟ فرمایا تو اس (جنت) سے نکل جا کیونکہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مسلت دے جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا بے شک تو مسلت پانے والوں میں سے ہے۔ اس دن تک جس کی مسلت ہمیں معلوم ہے۔ اس نے کہا پس تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور بسکوں گا۔ اسوا ان کے جو تیرے پر غلو میں بندے ہیں۔ فرمایا یہ حق ہے اور میں حق ہی فرماتا ہوں۔ اس میں تجھ سے اور تیرے سب پیروکاروں سے جہنم بھر دوں گا۔

قرآن مجید میں اتنے طویل کلام کسی نبی کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ ہم کلام ہونے سے کوئی شرف اور مقام حاصل ہوتا ہے تو از روئے قرآن زیادہ شرف اور مقام تو ابلیس نصیب کو حاصل ہو گیا۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا تھا وہ براہ راست کلام فرمایا تھا اور ابلیس نصیب سے فرشتوں کی وسالت سے کلام فرمایا تھا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ طور انعام اور اکرام کلام فرمایا تھا اور ابلیس نصیب سے یہ طور اہانت کلام فرمایا۔

ابلیس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا یا آسمان سے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہاں سے اتر“۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جنت سے اتر جا۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یہاں نہیں رہتا۔ (جامع البیان، ج ۸، ص ۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابلیس جنت عدن میں رہتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) اور علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت تاریک اور سیاہ بنادی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہو گئی۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ زمین سے سمندروں کے جریروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح داخل ہو سکے گا جس طرح چور داخل ہوتے ہیں۔ تاہم پہلی تفسیر رائج ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۵۶، مطبوعہ دار الفکر، ۱۳۱۵ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۵۲ھ اور مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ

تھانوی نے لکھا ہے تو آئین سے نیچے اتر 'تجہ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے (خاص کر) آئین میں رہ کر۔

(بیان القرآن 'ج ۱' ص ۳۱۵، مطبوعہ تاج کتب خانہ لاہور، 'سارف القرآن' 'ج ۳' ص ۵۲۶، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۹۳ء)  
علامہ قرطبی، شیخ تھانوی اور مفتی محمد شفیع نے جس تفسیر پر اکتفا کیا ہے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے آئین سے اترنے کا حکم دیا  
تھانوی معتزلہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ معتزلہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ جنت بنی ہوئی ہے اور حضرت آدم کا پتلا جنت  
میں تیار کیا گیا اور ابلیس جنت میں رہتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت کا ابھی بنانا عیب ہے۔ جنت کو قیامت کے بعد بنایا جائے گا۔ اس  
لئے امام رازی نے لکھا ہے کہ بعض معتزلہ نے کہا کہ ابلیس کو آئین سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر 'ج ۵' ص ۶۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۵۵ء)  
امام رازی نے بعض معتزلہ فرمایا ہے 'کیونکہ اکثر معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں کہ جنت بنائی جا چکی ہے اور ابلیس کو جنت  
سے نکالا گیا تھا۔ مشہور معتزلہ مفسر بار اللہ زمخشری حنفی ۵۵۲ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو  
آئین سے اترنے کا حکم دیا (کشاف 'ج ۲' ص ۱۰۰) اور ایک دوسرے معتزلہ مفسر قاضی ابو محمد عبدالحق بن غالب بن علیہ اندلسی  
حنفی ۵۳۶ھ نے لکھا ہے اس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (المحرر الوجیز 'ج ۲' ص ۱۸، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ)  
تواضع کرنے والے کے لیے سر بلند کی اور تکبر کرنے والے کے لیے ذلت اور پستی

اس آیت میں مذکور ہے کہ ابلیس نے تکبر کیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم سے بڑا اور اچھا سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو  
جنت سے نکل دیا اور فرمایا تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے اور اس کے بعد کی آیت میں مذکور ہے کہ حضرت آدم نے (بلو جود  
بھولے سے شجر ممنوع سے کھانے کے فعل پر) توبہ اور استغفار سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج کرامت رکھا اور زمین  
کی خلافت انہیں سونپ دی اور ان کو اپنا نائب بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرے اللہ تعالیٰ  
اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اور بڑا بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا اور ذلیل کرتا ہے۔

حضرت عیاض بن حمار جہنمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ  
ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کرو۔ حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔ اور کوئی شخص کسی کے خلاف بغاوت نہ کرے۔  
(صحیح مسلم، مسند ابی داؤد: ۶۳، (۲۸۶۵) ۷۰۷۳، سنن ابی داؤد: 'ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۹۵، سنن ابن ماجہ: 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۱۳)  
حضرت ابو سعید خدری جہنمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ سبحانہ کے لیے ایک درجہ تواضع  
کرتا ہے اللہ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور جو شخص اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ اس کو ایک درجہ پست کر  
دیتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب سے نیچے طبقہ میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: 'ج ۲' رقم الحدیث: ۳۱۷۶، تہذیب تاریخ دمشق: 'ج ۳' ص ۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۰۷ء)  
عائش بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب جہنمی نے منبر پر فرمایا: اے لوگو! تواضع کرو 'کیونکہ میں نے رسول  
اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے اور فرماتا ہے سر بلند ہو اللہ تجھے  
سر بلند کرے۔ وہ خود اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور لوگوں کے نزدیک بہت عظیم ہوتا ہے۔ اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ اس  
کو ہلاک کر دیتا ہے اور فرماتا ہے دفع ہو وہ خود اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

(المعجم الاوسط: 'ج ۹' رقم الحدیث: ۸۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ المعارف، الریاض ۱۳۱۵ھ)  
حضرت ابو ہریرہ جہنمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے لیے تواضع کی

اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے اور جس نے اس پر بڑائی ظاہر کی اللہ اس کو پست کر دیتا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۸، رقم الحدیث ۷۷۰۷، الترغیب والترہیب ج ۲، ص ۵۳۵، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) جس نے میرے لیے اس طرح تواضع کی یہ فرما کر آپ نے اپنی ہتھیلی سے زمین کی طرف اشارہ کیا میں اس کو اس طرح بلند کرتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی ہتھیلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

(المعجم الصغیر، رقم الحدیث ۶۳۵، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۸۲، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۵۷-۱۵۸، طبع جدید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے ○ فرمایا بے

ٹک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے ○ (الاعراف ۱۵-۱۳)

اس بات کی تحقیق کہ ابلیس لعین کو کتنی زندگی کی مہلت دی ہے

جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے وہ حشر کا دن ہے اور اس دن کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی۔ ابلیس لعین نے یہ سواں اس لیے کیا تھا کہ وہ اس عمومی قاعدہ سے بچ جائے کہ "ہر شخص کو موت آتی ہے" اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے "تو مہلت پانے والوں میں سے ہے ○" اور سورۃ الحج میں فرمایا ہے "تجھے وقت معین تک مہلت دی گئی ہے"۔

فَمَالِ فَتَاتِكَ مِنَ الْمُسْطَفِرِّينَ ○ اَللّٰهُ يَبۡتۡؤُكَ  
اَلْوَقۡتَ الْمَعۡلُومَ (الحجر: ۳۸-۳۷ ص ۸۰-۸۱) تک جس کا وقت (مہین) معلوم ہے۔

امام رازی علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے ایک روایت کی بناء پر یہ کہا ہے کہ الوقت المعلوم سے مراد بعضہ اولیٰ ہے۔ یعنی جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور سب لوگوں کو موت آئے گی تو اس کو بھی موت آجائے گی اور ابلیس لعین کو بھی معلوم تھا کہ اس کو بعضہ اولیٰ تک مہلت دی گئی ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کو یوم حشر تک مہلت نہیں دی لیکن اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے اور یہ وہ دن ہے جس دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور آسمان و زمین کی ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔ سورہ بھی مرجائے گا۔ (جامع البیان ج ۸، ص ۷۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اگر وقت معلوم سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ابلیس لعین کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس دن مرے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی منت کے خلاف ہے۔ وہ کسی مخلوق کو اس بات پر مطلع نہیں فرماتا کہ اس نے کس دن مرنے کا دن تمام عمر گزار کر رہا ہے اور مرنے سے صرف ایک دن پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لے تو اس طرح اگر ابلیس لعین کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اس دن مرے گا جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا تو وہ ساری عمر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا اور مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کر لیتا۔ امام رازی متوفی ۷۱۰ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس دن بھی توبہ نہیں کرے گا۔ لہذا صرف موت کے دن کے علم سے اس کا گمراہ کرنے پر دلیر ہو ملازم نہیں آتا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے معصوم ہونے کا علم ہے اور اس کے باوجود وہ کسی گناہ پر دلیر ہوتا تو کہا اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس اعتراض کا زیادہ واضح جواب یہ ہے کہ اگر ابلیس لعین کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کو پہلے صور پھونکنے کے دن تک مہلت دی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو اپنے مرنے کا دن معلوم ہو جائے کیونکہ یہ کسی کو



معلوم نہیں کہ صور کب پھونکا جائے گا اور قیامت کب آئے گی۔ دو سراجواب یہ ہے کہ وقت معلوم سے مراد دفعہ اولیٰ ہے۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ابلیس لعین کو بھی یہ معلوم ہو کہ وقت معلوم سے مراد دفعہ اولیٰ ہے حتیٰ کہ اس کو اپنے مرنے کے دن کا علم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ صرف سدی کا قول ہے کہ وقت معلوم سے مراد دفعہ اولیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے فور نہ کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور سدی غیر معتبر شخص ہے۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس نے ابلیس لعین کو کب تک زندہ رہنے کی مہلت دی ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ اس کو یوم حشر تک کی مہلت نہیں دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اس نے کہا قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیخار ہوں گا۔ (الاعراف: ۴۹)  
اغواء کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کا یہ قول نقل فرمایا کہ اے رب تو نے مجھے اغواء کیا یعنی گمراہ کیا۔ اس لیے ہم اغواء کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں: (اغواء غوی سے بنا ہے اور اجماعت کی وجہ سے کبھی تو انسان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں ہوتا، صحیح نہ فاسد اور کبھی جماعت کی وجہ سے انسان کا فاسد عقیدہ ہوتا ہے اس کو غوی اور غواہت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا صَلَّيْنَا بِكُمْ وَمَا غَوَى (الحجم: ۴) تمہارے پیغمبر نہ گمراہ ہوئے اور نہ ان کا فاسد عقیدہ تھا۔

اس کا معنی عذاب بھی ہے کیونکہ عذاب غواہت کے جب سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَسَوْفَ يُلْقَوْنَ عَذَابًا (مریم: ۵۹) وہ عذاب عذاب میں ڈال دیے جائیں گے۔

اس کا معنی ناکامی، ناکامی اور محرومی بھی آتا ہے۔

وَعَفَسَىٰ اَدْمُ رَثَةً فَعَوَى (طہ: ۷۱) آدم نے اپنے رب کی (یہ ظاہر) نافرمانی کی تو وہ (جنت سے) محروم ہو گئے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اغواء کی نسبت ہو تو اس کا معنی گمراہی کی سزا دینا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور اگر میں تمہاری خیر خواہی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ نے تمہیں تمہاری گمراہی پر عذاب پہنچانے کا ارادہ فرمایا ہو حالانکہ وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(المفردات، ج ۲، ص ۷۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید اور احادیث میں اغواء کا لفظ زیادہ تر گمراہ کرنے کا معنی میں وارد ہے۔ احادیث میں یہ مثالیں ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشِدَ وَمَنْ يَعْصِ مَا قَدْ غَوَى۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم، الجہد، رقم الحدیث: ۴۸، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۵۶، دار الفکر، طبع قدیم)





چونکہ ابلیس لعین انسان پر سامنے پیچھے دائیں اور بائیں سے حملہ آور ہوتا ہے اس لیے نبی ﷺ نے اس کے تذکرہ کے لیے اپنے عمل سے ہمیں اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح اور شام کے وقت ان دعائوں کو بھی ترک نہیں فرماتے تھے:

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں غایت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں اپنے دین اور اپنی دنیا اور اپنے اہل اور اپنے مال میں تجھ سے غنا اور غایت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے محبوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ، اے اللہ! مجھے میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے محفوظ رکھ اور میں اس سے تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد زمین میں دھنسا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحدیث: ۵۰۷۳، سنن نسائی ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۳۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۷۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، ص ۲۳۰، مسند احمد ج ۲، ص ۲۵، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۹۹، المستدرک ج ۱، ص ۵۱۸-۵۱۷، سوار الطحطاوی ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۵۶)

ابلیس لعین کے اس دعویٰ کا سبب کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوں گے

اس کے بعد ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ سے کہا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

ابلیس نے انسانوں کے متعلق جو گمان کیا تھا کہ ان میں سے اکثر انسان ناشکرے اور کافر ہوں گے، سو انسانوں نے بعد میں اس کے گمان کو سچ کر دکھایا اور فی الواقع اکثر انسان ناشکرے اور کافر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ  
إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (سبا: ۴۰)

مومنوں کے ایک گروہ کے سوا سب انسانوں نے اس کی پیروی کی۔

اب یہاں پر ایک یہ بحث ہے کہ ابلیس نے یہ قول یقیناً اور جرم سے کیا تھا یا یہ اس کا محض گمان تھا۔ اگر یہ اس نے یقین سے کہا تھا تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے کسی طرح یہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ یا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سن لیا تھا:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ (سبا: ۴۳)

میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔

یاجب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ خبر دی کہ میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں تو اس نے سن لیا تھا۔ یا اس نے فرشتوں سے یہ بات سن لی تھی یا جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کیا تو اس کو زمین میں بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا تو اس سے اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اکثر انسان شکر گزار نہیں ہوں گے۔

اور یا یہ قول محض ابلیس کا گمان تھا اور گمان کا منشاء یہ تھا کہ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کو بٹکا سکتا ہے تو ان کی اولاد کو بٹکا تو اس کے لیے آسان تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی انیس قوتیں ہیں جن کا تعلق لذات جسمانیہ سے ہے اور ایک قوت عقل ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ابھارتی ہے۔ وہ انیس قوتیں یہ ہیں: پانچ حواس ظاہرہ، پانچ حواس باطنہ، اور شہوت اور غضب، اور سات دیگر قوتیں ہیں: جذبہ محسوس، حاسنہ، دافئہ، محذوفہ، نامیہ اور مولدہ۔ اور ابلیس لعین کے نزدیک یہ آسان تھا کہ وہ انیس

توتوں کے قاضوں کو بھڑکائے اور ایک قوت کے قاضوں کو کم کرے۔ اس لیے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا میں سے ذلیل اور دھتکارا ہوا ہو کر نکل جا، البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے دوزخ کو بھردوں گا۔ (الاعراف: ۸۸)

کیا تمام اہل بدعت اور گمراہ فرقے دوزخی ہیں؟

جب انجیل میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ پیش کیا کہ وہ اصحاب اخلاص کے سوا سب لوگوں کو گمراہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں سے مذہب اور مذہب جو ہو کر نکل جا، علامہ رافضی نے لکھا ہے کہ مذہب کا معنی ہے مذہب جس کی مذمت کی گئی ہو اور مذہب کا معنی ہے دور کیا ہوا۔ (المفردات، ج ۱، ص ۲۳۳، طبع بیروت) وہ کس چیز سے دور کیا ہوا ہے؟ مفسرین نے اس کی متضارب تفسیریں کی ہیں، یعنی اللہ کی رحمت سے دور کیا ہوا، یا جنت سے دور کیا ہوا یا توفیق سے دور کیا ہوا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اصحاب بدعت اور اصحاب ضلالت جہنم میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ سب انجیل کے تابع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے دوزخ کو بھردوں گا۔ (الاعراف: ۸۸)

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۱۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ انجیل کے پیروکاروں سے جہنم کو بھردے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہر پیروکار کو جہنم میں داخل دے گا۔ اس لیے جو اہل بدعت اور اصحاب ضلالت اہل بدعت اور ضلالت سے کفر تک پہنچ گئے ہوں گے وہ دوام اور غلو کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے اور جن کی بدعت اور ضلالت کفر سے کم درجہ کی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں وہ چاہے تو انہیں کچھ سزا دینے کے بعد دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل فرما دے گا اور اگر وہ چاہے تو انہیں ابتداء جنت میں داخل کر دے گا۔ جس طرح فاسق اور گنہ گار کے سرکش بھی انجیل کے پیروکار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تمام فاسق کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ بعض فاسق کو کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کر دے گا اور بعض فاسق کو اپنے فضل سے معاف فرما دے گا اور بعض کو نبی ﷺ کی شفاعت سے معاف فرمائے گا اور ان کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا اور ابتداء جنت میں داخل فرما دے گا۔

وَيَا دَاوُدَ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

اے داؤد! تم اور تمہاری زوجہ (دوڑن) جنت میں رہو، سو چاہاں سے چاہو، تم دوڑن کھاؤ،

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾

اور (قصص) اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ

پھر دوڑن کے دلوں میں شیطان نے دوسرے ڈالا، تاکہ (انہما) ان دوڑن کی پوشیدہ گائیں ان سے چھپائی ہوئی باتیں



سَوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا تَهْكُمَا رُبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا

ان کو ظاہر کر دے اور اس نے کہا تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ

أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝۲۵ وَقَاسَسَهُمَا

کہیں تم فرشتے بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ۝ اور اس نے ان سے

إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝۲۶ فَذَلَّهُمَا بِغُرُورٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

تم کھا کر کہا بیشک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۝ پھر فریبکے انھیں (اپنی طرف) بھکایا پس جب انھوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَا لَهُمَا سَوَاتِهِمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهَا

اس درخت سے بچتا تو ان کی شرمگاہیں ان کے لیے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے

مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ

اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے

تَلْكُمَا الشَّجَرَةَ وَأَقُلُّ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝۲۷

منع نہیں کیا تھا، اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بیشک شیطان تمہارا کھلا برا دشمن ہے ۝

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ

دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان

مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝۲۸ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدَاوٌ وَلَكُمْ فِي

اٹھانے والوں میں سے ہر بائیں کے دُعا فرمایا اور تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں، اور تمہارے لیے

الْأَرْضِ مَسْقَرٌ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝۲۹ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ

زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک قائمہ اٹھانا ہے ۝ فرمایا تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے،

وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝۳۰

اور اسی زمین میں مردے گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسے آدم! تم اور تمہاری زوجہ (دونوں) جنت میں رہو، سو جہاں سے چاہو تم دونوں کھاؤ اور (قصد) اس درخت کے قریب نہ جانا اور نہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ (الاعراف: ۲۵)

ابلیس لعین کو جنت سے نکالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو جنت میں سکونت عطا فرمائی اور ایک معین درخت سے ان کو کھانے سے منع فرمایا اور اس ممانعت کا معنی یہ تھا کہ وہ قصد اور ارادہ سے اس درخت سے نہ کھائیں، اگر وہ بالقرض قصد اور ارادہ سے اس درخت سے کھاتے تو وہ سزا اللہ ظالموں میں سے ہو جاتے لیکن انہوں نے نسیان اور اجتہادی خطا سے اس درخت سے کھایا اس لیے ظالموں سے نہیں تھے اور نہ ان کا یہ فعل مکمل تھا اور ان کا اس پر توبہ اور استغفار کرنا محض ان کی تواضع اور انکسار تھا۔ اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام بلند تھا اور ان کے دل میں خوف خدا کا غلبہ تھا کہ بھولے سے ممنوع کام کیا پھر بھی توبہ اور استغفار کرتے رہے اس کی پوری تفصیل اور تحقیق کے لیے البقرہ: ۳۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ (انجام کار) ان دونوں کی جو شرم گاہیں ان سے چھپائی ہوئی تھیں، ان کو ظاہر کر دے، اور اس نے کہا تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ، یا بیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اس نے ان سے قسم کھا کر کہا بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں، پھر قریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکایا، پس جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لیے ظاہر ہو گئیں، اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟ دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ فرمایا اترو، تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں، اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک قائمہ اٹھنا ہے۔ فرمایا تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے، اور اسی زمین میں سو گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے۔ (الاعراف: ۲۵-۳۰)

ابلیس کی وسوسہ اندازی، حضرت آدم کا زمین پر آنا اور توبہ کرنا

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ابلیس لعین کو جنت سے نکل دیا گیا تھا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے دلوں میں وسوسہ کس طرح ڈالا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے کے لیے دونوں کا ایک جگہ پر ہونا ضروری نہیں ہے۔ ابلیس زمین پر رہتے ہوئے آسمان اور جنت میں رہنے والوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جنت کے دروازے کے قریب کھڑے تھے اور ابلیس لعین جنت کے دروازہ پر کھڑا تھا اور اس نے وہاں سے وسوسہ ڈالا اور تیسرا جواب ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے۔ یہ وہب بن منبہ کی روایت ہے۔ جس کو امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور امام ابن جریر، علامہ قرطبی اور حافظ ابن کثیر نے اس کو اپنی اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے:

امام عبد الرزاق بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا، اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لیے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو درخت لانے کا ارادہ کیا تو ساتپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اونٹ کی طرح ساتپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ کی مخلوق میں بہت حسین جانور تھا۔ ساتپ جنت میں

داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا اور اس کو حضرت حوا کے پاس لے کر آیا اور ان سے کھا دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے۔ اس کی خوشبو کیسی مہربان ہے۔ اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا نے اس درخت سے کھالیا۔ پھر اس کو حضرت آدم کے پاس لے کر گئیں اور کھا دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم نے بھی اس سے کھالیا۔ پھر ان دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ پھر حضرت آدم (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے تو ان کو ان کے رب نے ندا فرمائی اے آدم! تم کہاں ہو؟ انہوں نے کہا اے رب! میں یہاں ہوں۔ فرمایا تم اس سے باہر نہیں آتے؟ عرض کیا اے رب مجھے تجھ سے حیا آتی ہے! پھر حوا سے فرمایا: تم نے میرے بندہ کو دھوکا دیا! تم کو جب بھی حمل ہو گا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آ جائے گا اور سناپ سے فرمایا تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا! اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہوگا! تم جو آدم کے دشمن رہو گے اور جو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاشیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہب سے کسی نے پوچھا کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق 'ج' ص ۳۲۸، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، جامع البیان 'ج' ص ۳۲۸-۳۲۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(جامع الاحکام القرآن 'ج' ص ۴۵۳-۴۵۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ درخت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو منع فرمایا تھا گندم کا تھا۔ جب ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ وہ ان کو جنت کے چروں سے چھپانے لگے۔ وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چنے ہوئے تھے۔ حضرت آدم پینہ موڑ کر جنت کی طرف چل دیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ندا فرمائی: اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! اے رب! لیکن اے رب تیری عزت کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ کوئی شخص میرے نام کی بھوٹی قسم کھا سکتا ہے! فرمایا میں تم کو ضرور زمین کی طرف اتار دوں گا اور تم کو روزی مشقت سے حاصل ہوگی۔ پھر حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین کی طرف اتارا گیا اور انہیں لوہے کی صنعت کی تعلیم دی اور انہیں کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ انہوں نے فصل اگائی اور اس میں پانی دیا۔ پھر فصل پکنے کے بعد دانہ کو کوٹا اور اس کو بھوسے سے الگ کیا! پھر اس کو چوسا! پھر آٹا گوندھا! پھر روٹی پکائی۔ (جامع البیان 'جز ۸' ص ۱۸۸-۱۸۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم نے اس درخت سے کھالیا تو ان سے کہا گیا آپ نے اس درخت سے کیوں کھلایا؟ جس سے میں نے آپ کو منع فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا: مجھ سے حوا نے کھا تھا! فرمایا: میں نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس کو حمل بھی مشقت سے ہو گا اور وضع حمل بھی مشقت سے ہو گا۔ اس وقت حوا رونے لگیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم اور تمہاری اولاد روٹی رہے گی۔ (جامع البیان 'جز ۸' ص ۱۸۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں؟ فرمایا پھر میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مصلحت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرمادی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے ربنا ظلمنا

انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين ○

(جامع البیان ۸/۲۷ ص ۱۹۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت آدم کے فرشتہ اور دائی بننے کی طمع پر اعتراضات اور ان کے جوابات  
ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں فرشتہ بننے کی خواہش کس طرح پیدا کی۔  
جبکہ حضرت آدم علیہ السلام دیکھ چکے تھے کہ فرشتوں نے تو حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اعتراف کیا تھا اور ان کو سجدہ کیا  
تھا۔ نیز کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے نبی سے افضل ہوتے ہیں ورنہ حضرت آدم فرشتے بننے کی طمع میں اس ممنوع  
درخت سے نہ کھاتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات مقبول میں وہ وصف ہوتا ہے جو افضل میں نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم  
فرشتہ اس لیے بننا چاہتے ہوں کہ ان کو بھی فرشتوں کی طرح قدرت اور قوت حاصل ہو جائے یا وہ بھی فرشتوں کی طرح اپنی  
خلقت میں جو ہر نورانی ہو جائیں یا وہ بھی فرشتوں کی طرح عرش اور کرسی کے ساکنین میں سے ہو جائیں!  
دوسرا سوال یہ ہے کہ ابلیس لعین نے یہ کہا تھا کہ آپ اس درخت سے کھا کر ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جائیں گے اور  
حضرت آدم نے اس کی طمع میں اس درخت سے کھالیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے  
والے ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور اس سے موت اور قیامت کا انکار لازم آتا ہے اور یہ کہ دوام اور خلود تو حشر کے بعد  
ہو گا۔ حشر سے پہلے خلود کا عقیدہ رکھنا کفر ہے سو موت سے اور قیامت سے پہلے خلود کی طمع کرنا کفر ہے اور اس سے العیاذ باللہ  
حضرت آدم علیہ السلام کا کفر لازم آتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چند لوگوں کے خلود سے قیامت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:  
وَيُفْضَخُ فِي السُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ  
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ (الرمریہ: ۱۸)  
اور سور پھونکا جائے گا تو سب آسمانوں والے اور زمینوں  
والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے گا۔  
اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ خلود کا معنی طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے یہی معنی مراد لیا  
ہو۔ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے یہ یقین نہیں کیا تھا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے والے  
ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور نہ یہ ان کا کہنا تھا انہوں نے محض وہ فور شوق سے اس شجر ممنوع سے کھالیا۔  
آیا شجر ممنوع سے کھانا گناہ تھا؟ اگر گناہ نہیں تھا تو سزا کیوں ملی؟ اور آدم و ابلیس کے  
معرکہ میں کون کامیاب رہا؟

ایک سوال یہ ہے کہ اس درخت سے کھانے کی ممانعت تزیہا نہیں تھی، تحریم تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم  
دونوں نے (قصداً) اس درخت سے کھالیا تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور جس کام کا ارتکاب ظلم ہو وہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ اور  
گناہ کبیرہ عصمت نبوت کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابلیس لعین سے حضرت آدم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا اور ان  
کے دل میں اس کو کھانے کا شوق پیدا ہوا تو فور شوق میں وہ یہ بھول گئے کہ اس سے کھانے کی ممانعت تحریم تھی اور انہوں نے  
اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تزیہا تھی۔ اس لیے آپ کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور لسان پر جہتی تھا جیسا کہ  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا  
اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے (اس درخت

وَلَمْ يَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طہ: ۸۵)

کے قریب نہ جانے کا) حمد لیا تھا، سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (افرنی) کا قصد نہ پایا۔

اور اجتہادی خطا اور لسیاں مکمل نہیں ہیں۔ لہذا حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آیا اور ان کا توبہ اور استغفار کرنا ان کی تواضع اور انکسار ہے اور ان کی ندامت اور شرمندگی اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس ممانعت کو کیوں بھول گئے اس کو یاد کیوں نہیں رکھتے ہر چند کہ بھول چکے ہیں۔ قدرت اور اختیار میں نہیں ہے لیکن ان کے بلند مقام کے اعتبار سے وہ یہ سمجھے تھے کہ ایک آن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد نہ رکھنا کسی چیز کے شوق سے اس قدر مغلوب ہونا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یاد نہ رہے۔ یہ بھی تقصیر ہے اور وہ اسی بنا پر ندامت اور شرمندگی سے روکتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ تاہم آپ کا یہ فعل مکمل نہیں تھا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ پھر آپ کو سزا کیوں ملی اور کپڑے کیوں اتر گئے اور جنت سے کیوں اتارے گئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت سے کھانے کا لازمی اثر اور نتیجہ تھا اس کی مثل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے زہر کھالے تو ہر چند کہ اس کا یہ فعل مکمل نہیں ہے لیکن زہر کھانے کے بعد لازماً اس کی موت واقع ہو جائے گی کیونکہ زہر کھانے کا لازمی اثر اور نتیجہ موت ہے۔ سو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شجر کو بے لباس ہونے کا سبب بتایا تھا تو خلوہ آپ نے بھولے سے اس شجر کو کھلیا، لیکن بے لباس ہونے کا لازمی اثر اور نتیجہ اس پر مرتب ہو گیا۔ یہ کوئی سزا نہیں تھی۔ اور رہا جنت سے اتر کر زمین پر آنا تو وہ آپ نے ہر عمل زمین پر آنا تھا۔ کیونکہ آپ کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ آپ زمین پر اللہ کے خلیفہ اور نائب بنیں اور یہ نہ کہا جائے کہ اس معرکہ میں انیس کامیاب ہو گیا اور آپ ہار گئے۔ کیونکہ انیس تو جنت میں صرف آپ کا عارضی قیام برداشت نہیں کر رہا تھا اور آپ زمین پر اس لیے آئے کہ زمین پر اپنی اولاد میں سے اپنے پیروکاروں کو قیامت کے دن دائمی طور پر اپنے ساتھ لے کر جنت میں جائیں۔ سو آپ اپنی بے شمار اولاد کے ساتھ دوام اور ہمیشگی کے لیے جنت میں جائیں گے اور انیس اپنے پیروکاروں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا۔ سو اس معرکہ کے نتیجہ میں کامیاب حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ہار گئے انیس ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكَ وَرِيشًا

اے اولاد آدم! چٹک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپا کر ہے اور وہ تمہاری زینت بھی ہے

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ

اور تقویٰ کا لباس وہی بہتر لباس ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت

يَذْكُرُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوَيْكَ

مائل کریں ۝ اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، جس طرح وہ تمہارے باپ کے

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسًا لِّیُرِیَہُمَا سَوْآتِہُمَا اِنَّہٗ

جنت کے اخراج کا سبب بنا تھا (اور) ان کے لباس اترنے کا سبب بنا تھا (اور) ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک



يُرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ

(شیطان اور اس کا قبیلہ ہمیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے ، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان

أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا

لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○ اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

وَجَدْنَا عَلَيْهَا أَبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنْ اللّٰهُ لَا يَأْمُرُ

ہم نے ان ہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا ہے ، آپ کیسے بے شک اللہ

بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ قُلْ أَمَرَ رَبِّي

بے حیائی کا حکم نہیں دیتا ، کیا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا ہمیں علم نہیں ہے ○ آپ کیسے کہ میرے رب نے

بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ

انصاف کا حکم دیا ہے ، اسی طرح ہر نماز کے وقت اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہوئے

لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۚ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا

اسی کی عبادت کرو ، میں طرح اس نے تم کو ابتدا میں پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوٹو گے ○ ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۚ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ

گمراہی پر ڈٹا رہا ، انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنا

دُونِ اللّٰهِ وَيَخْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۚ يٰبَنِي آدَمَ خُذُوا

لیا ، اور ان کا یہ زعم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں ○ اے اولادِ آدم ! سرِ عبادت

زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ

کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو ، اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو ، بیشک اللہ

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۚ

فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت (بھی) ہے اور تقویٰ کا لباس وہی سب سے بہتر لباس ہے 'یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۱۸: الاعراف) مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

لباس: یہ لباس سے بنا ہے۔ لباس کا اصل معنی ہے کسی شے کو چھپالینا۔ ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیز کو چھپا لے اس کو لباس کہتے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی اپنے شوہر کو قبیح چیزوں سے چھپالیتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی محبت کی حفاظت کرتے ہیں اور خلاف محبت چیزوں سے ایک دوسرے کے لیے مانع ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کا لباس فرمایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ  
وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

(البقرہ: ۱۸۷)

لباس سے انسان کی زینت ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے فرمایا ہے لباس اتھری۔ تقویٰ کا معنی ہے برے عقائد اور برے اعمال کو ترک کرنا اور پاکیزہ سیرت کو اپنانا۔ جس طرح کپڑوں کا لباس انسان کو سردی گرمی اور برسات کے موسموں کی شدت سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح تقویٰ کا لباس انسان کو اخروی عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

(المفردات 'ج ۲' ص ۵۷۶ مع توضیح مکتبہ زار مصطفیٰ الباز 'مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ریش: ریش پرندہ کے پر کو کہتے ہیں اور چونکہ پر پرندے کے لیے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیے لباس اس لیے انسان کے لباس کو بھی ریش کہتے ہیں اور ریش سے زینت اور خوبصورتی کا معنی بھی مراد ہوتا ہے۔

(المفردات 'ج ۱' ص ۲۷۱ مطبوعہ مکرمہ)

لا یفتنکم: کہیں تم کو فتنہ میں نہ ڈال دے۔ فتنہ کا معنی ہے اغوا اور اتھان۔ جس طرح ابلیس نے حضرت آدم اور حوا کو شجر ممنوع کی طرف مائل کر کے اس کو کھانے یا نہ کھانے کی آزمائش میں ڈال دیا تھا اسی طرح وہ تم کو بھی ممنوع کاموں کی طرف راغب کر کے آزمائش میں نہ ڈال دے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ جب ان کی شرم گاہ کھل گئی تو وہ اس کو درخت کے چوں سے ڈھانپنے لگے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس سے لوگ اپنی شرم گاہوں کو چھپائیں اور اس پر متغیہ فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور انعام ہے کہ اس نے لباس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی ستر پوشی پر فخور فرمایا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس کو نازل فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ لباس کے بادی اجزاء مثلاً کپاس وغیرہ کو پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین پر اترنے کا حکم دیا اور زمین کو ان کے لیے جائے قرار بنایا۔ اب یہ بتایا ہے کہ زمین پر رہنے کے لیے انسان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے دین اور دنیا کی ضروریات پوری کرنے کے لیے لباس ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرے۔

## لباس کی نعمت پر شکر ادا کرنا

جلد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: قریش بیت اللہ کا بہت طواف کرتے تھے اور کوئی شخص طواف کے وقت کپڑے نہیں پہنتا تھا۔ (جامع البیان، ج ۸، ص ۱۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۳۵۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جملاء عرب کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ شرم گاہ کھلی رکھنا بہت بے شری کی بات ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جب شرم گاہ کھل گئی تو وہ اپنی شرم گاہ کو پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ لباس نازل فرمایا سو اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم کا ایک کپڑا خریدا۔ آپ نے اس کو پٹنے کے بعد کھانہ اللہ کے لیے خریدا جس نے مجھے ایسا لباس عطا کیا جس سے میں لوگوں میں جل حاصل کروں اور اس سے اپنی شرم گاہ کو چھپاتا ہوں پھر کھانہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔

(مسند احمد، ص ۱۵۷، تفسیر ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۳۵، مکتبہ نزار، مصطفیٰ، در مشور، ج ۳، ص ۳۲۵)

مرد اور عورت کی شرم گاہوں کے مصادیق میں مذہب فقہاء

انسان کی شرم گاہ جس کا چھپانا فرض ہے اس کے مصادیق میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ ابن ابی ذئب، داؤد ظاہری، (غیر مقلدین کے امام) ابن ابی جلد اور ابن جریر طبری کا موقف یہ ہے کہ مرد اور عورت کے صرف بول و براز (پیشاب، پاخانہ) کی جگہ شرم گاہ ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے لباسا یواری سوانکم (الاعراف: ۳۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طرہ غیر میں گئے۔ ہم نے وہیں منہ اندھیرے صبح کی نماز پڑھی۔ نبی ﷺ سوار ہوئے اور میں بھی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہوا۔ نبی ﷺ نے خیبر کی گلیوں میں گھوڑے کو دوڑایا۔ اس وقت میرا گھٹنا نبی ﷺ کی ران سے مس کر رہا تھا پھر آپ نے اپنی ران سے چادر مٹائی حتیٰ کہ میں نبی ﷺ کی ران کی سفیدی کی طرف دیکھتا رہا۔ (الحديث)

(صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحديث: ۳۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اس حدیث سے ان علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ ران شرم گاہ نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ بٹ شرم گاہ نہیں ہے اور کوئی شخص اپنی بیوی کے سامنے اپنی ران کو عیاں کرے تو میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔ امام شافعی نے کہا صحیح یہ ہے کہ بٹ اور گھٹنے شرم گاہ نہیں ہیں۔

بٹ کے شرم گاہ نہ ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عمیر بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ ہماری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت حسن سے کہا مجھے اپنی قمیص اتھا کر دکھاؤ میں تمہیں اس جگہ بوسہ دوں گا جہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بٹ پر بوسہ دیا۔

(مسند احمد، ج ۳، ص ۲۵۵، ۲۵۶، دار الفکر، طبع قدیم، شیخ احمد شاکر، متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد)

ج ۷، رقم الحديث: ۷۳۵۵، دار الحديث قاہرہ، امام طبرانی کی روایت میں ہے حضرت حسن نے بیٹ کھولا اور بٹ پر ہاتھ رکھا۔ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، 'مجمع الزوائد' ج ۹، ص ۷۷، المستدرک ج ۲، ص ۳۸۸

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر بٹ شرم گاہ ہوتی تو اس کا چھپانا واجب ہوتا تو حضرت حسن جو بٹ حضرت ابو ہریرہ کو اپنی بٹ دکھاتے نہ حضرت ابو ہریرہ ان کی بٹ کو بوسہ دیتے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کی بٹ سے لے کر گھٹنے تک پورا جسم شرم گاہ ہے اور واجب الستر ہے۔ بٹ شرم گاہ نہیں ہے اور گھٹنا شرم گاہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں۔  
امام دار قطنی متونی ۳۸۵ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب جو بٹ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گھٹنوں کے اوپر کا حصہ شرم گاہ ہے اور بٹ کا پچھلا حصہ شرم گاہ ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحديث: ۸۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۲۹۲)  
حضرت علی جو بٹ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھٹنا شرم گاہ ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحديث: ۸۷۸، بیروت ۱۴۱۷ھ)  
اس سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ فرزد خیر میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے نبی ﷺ نے ران پر سے کپڑا ہٹایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ خیر ارادی طور پر آپ کا ہاتھ لگ گیا ہو اور حضرت انس نے اس سے یہ سمجھا کہ آپ نے دانستہ ران سے کپڑا ہٹایا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس، جرحہ اور محمد بن جہش رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ران شرم گاہ ہے اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا۔ حضرت انس کی حدیث سند کے لحاظ سے راجح ہے اور حضرت جرحہ کی حدیث احتیاط کے لحاظ سے راجح ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲، باب ۳، مایہ کفر فی الضحیٰ)

اور عورت کا پورا جسم شرم گاہ ہے اور واجب الستر ہے ماسوا اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔  
حضرت عبداللہ بن مسعود جو بٹ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت (کامل) واجب الستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو بھانک کر دیکھتا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۱۱۷۸، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)  
زید بن قحظہ کی والدہ نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا: دوپٹے میں اور اتنی لمبی قمیص میں جو اس کے پیروں کی پشت کو چھپائے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱، رقم الحديث: ۶۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)  
امام ابوداؤد نے قتادہ سے مرسلہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے چہرے اور ہاتھوں تک ہاتھوں کے سوا کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱، ص ۲۹۹، حیدر آباد کن، فتح القدیر ج ۱، ص ۲۶۶، دار الفکر بیروت)  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو غتہ میں نہ جلا کر دے، جس طرح وہ تمہارے مل باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا اور ان کے لباس اترنے کا سبب بنا تھا تاکہ انجام کار وہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک وہ

(شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جس سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا درست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الاعراف: ۳۷)

حضرت آدم کے جنت سے باہر آنے کا سبب ان کا خلیفہ بننا تھا یا شجر ممنوع سے کھانا انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بعد کے لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں پر عمل پیرا ہوں اور رلو حق میں ان کی دی ہوئی قربانوں کو اپنے لیے مشعل رلو بنائیں۔ یہاں پر یہ بتانا ہے کہ ابلیس نعیم کی دوسرے اندازیوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو خبردار رہنا چاہیے۔ وہ جنت سے ان کے ماں باپ کے اخراج کا سبب بن چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی اولاد بھی اس کی فریب کاریوں اور کفر و شرک اور گناہوں کو ذہنت دینے اور ان کی طرف مائل کرنے کی وجہ سے کفر و شرک یا حرام کاموں میں مبتلا ہو جائیں اور اس کے نتیجہ میں جنت سے عارضی یا دائمی طور پر محروم ہو جائیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے بکالے پر شجر ممنوع سے کھانے کی وجہ سے حضرت آدم کو جنت سے زمین کی طرف بھیجا گیا اور سورہ بقرہ ۳۰ میں فرمایا ہے: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت کی وجہ سے زمین پر بھیجے گئے اور بظاہر ان دونوں آیتوں میں تضاد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا سبب حقیقی کار خلافت انجلم ہوتا ہے اور سبب ظاہری شجر ممنوع سے کھانا ہے۔

جنات کے انسانوں کو دیکھنے اور انسانوں کے جنات کو نہ دیکھنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان اور اس کا قبیلہ انسانوں کو دیکھتا ہے اور انسان اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور شیاطین میں ایسی قوت اور اک پیدا کی ہے جس کی وجہ سے وہ انسانوں کو دیکھ لیتے ہیں اور عام انسان میں ایسی قوت اور اک پیدا نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنات اور شیاطین کو دیکھ سکیں۔ کیونکہ جنات اور شیاطین کے جسم لطیف ہیں۔ اس لیے ان کی شعاع ہر سمت قوی ہے وہ اجسام لطیفہ اور اجسام کلثہ دونوں کو دیکھ لیتی ہے اور عام انسانوں کے اجسام کلثیف ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی شعاع ہر لطیف اجسام کو نہیں دیکھ سکتی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام بہ طور معجزہ اور لولہاء کرام بہ طور کرامت جنات اور شیاطین کو دیکھ لیتے ہیں۔ اس لیے ہم نے کہا ہے کہ عام انسان جنوں کو نہیں دیکھ سکتے یعنی خاص انسان ان کو دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنات کو مسخر کر دیا تھا اور وہ ان سے سخت مشقت والے اور دشمن کام لیتے تھے۔

اور بعض جنات میں سے سلیمان کے تابع کر دیے تھے جو ان کے سامنے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے اور (انہیں بتا دیا کہ) ان میں سے جو ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا تپاب بکھائیں گے۔ سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ ان کے لیے بناتے تھے، اونچے قلعے اور بستے، حوض کی مثل بڑے بڑے ٹب اور (چولوں پر) گڑی ہوئی بڑی بڑی دھکیں۔

وَمِنَ الْجِنَّةِ مَن يَّمْعَمَلُ بِأَمْرِ رَبِّهِ وَيَذُرُ مَا يَنْشَاءُ وَهُوَ عَذَابُ السَّعِيرِ ۝ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ لَهُ مِنْ فَخْرٍ رَبِّ ۚ وَكَمَا تُمِيطُ الْأَسْفُلُ فَتَوَالٍ ۚ وَكَمَا تَنْفِثُ الْغَائِبَاتِ وَتُفْرِقُ الْوِجْدَانِ ۚ (سبا: ۳۳-۳۴)



اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی شیطان کو دیکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گزشتہ رات ایک بہت بڑا جن مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز فاسد کر دے میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں۔ حتیٰ کہ صبح کو تم سب اس کو دیکھ لیتے۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے: بے شک اللہ کا دشمن ایسے آگ کا ایک شعلہ میرے منہ پر مارنے کے لیے آیا میں نے تین بار کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت تارہ کرتا ہوں وہ پیچھے نہیں ہٹا تو میں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا اور اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے) پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بلا شقی عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لاحق نہ ہو۔ (ص: ۳۵) پھر آپ نے اس کو ناکام واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری 'ج' ۱، رقم الحديث: ۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰ صحیح مسلم 'المصابہ: ۳۹' (۵۳۱) '۱۸۹' (۵۳۲) '۱۹۰' سنن الترمذی 'ج' ۱، رقم الحديث: ۵۳۹)

حضرت ابو ہریرہ نے بھی شیطان کو دیکھا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مجھے مامور فرمایا پھر ایک شخص میرے پاس آیا اور وہ مٹی بھر کر اناج لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا بخدا میں تجھ کو ضرور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا میں محتج ہوں میرے اہل و عیال ہیں اور مجھے سخت ضرورت ہے۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح مجھ سے نبی ﷺ نے پوچھا تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے مجھ سے سخت ضرورت اور عیال کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا وہ پھر آئے گا۔ سو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا وہ پھر آئے گا۔ سو میں گھلت لگا کر بیٹھ گیا اور وہ دوسری رات مٹی بھر کر اناج اٹھا کر لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھ کو ضرور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں محتج ہوں اور مجھ پر عیال کی ذمہ داری ہے۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ تمہارے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور عیال کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں تیسری رات پھر اس کی گھلت لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے آکر اناج اٹھایا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے اس سے کہا تین بار ہو چکی ہے میں تجھ کو پکڑ کر ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ تو کتا ہے میں نہیں آؤں گا اور تو پھر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں چند ایسے کلمات بتاؤں گا جن سے اللہ تعالیٰ تم کو نفع دے گا۔ میں نے کہا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو پوری آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا اس نے کہا میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھائوں گا جن کی وجہ سے اللہ تمہیں نفع دے گا۔ آپ نے فرمایا وہ کلمات کیا ہیں میں نے عرض کیا اس نے مجھ سے کہا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو اول سے آخر تک آیۃ الکرسی پڑھو اور اس نے مجھ سے کہا پھر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان

تمہارے قریب نہیں آئے گا اور صحابہ نیک پر بہت حرص تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا ہر چند کہ وہ جھوٹا ہے لیکن یہ بات اس نے سچ کی ہے۔ اے ابو ہریرہ! کیا تم جانتے ہو کہ تین راتوں تک تم سے کون باتیں کرتا رہا؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۸۴، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۹)

پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے شیطان کو دیکھنے کا ذکر اور دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شیطان کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ نے شیطان کو اس کی اصل صورت میں دیکھا یہ آپ کا معجزہ ہے اور عام انسان اس پر قادر نہیں ہیں اور حضرت ابو ہریرہ نے شیطان کو انسان کی صورت میں دیکھا اور سورۃ اعراف میں جو فرمایا ہے تم اس کو نہیں دیکھ سکتے اس کا معنی یہ ہے کہ عام انسان جنت اور شیطین کو ان کی اصل شکل میں نہیں دیکھ سکتے۔

جنت کے انسانوں پر تصرف کرنے کا بطلان

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ جنت انسانوں پر مسلط ہو کر ان کے اعضاء میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کی زبان سے بولتے ہیں اور ان کے ہاتھوں اور پیروں سے افعال صادر کرتے ہیں۔ پھر کوئی عامل آکر جن اتار تا ہے اور آئے دن اخبارات میں اس کے متعلق اخلاق سوز خبریں چھپی رہتی ہیں۔ ہم نے شرح صحیح مسلم، جلد سابع (۷) میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے اوپر بہت دلائل قائم کیے ہیں۔ ان پر قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ایک شخص کے اعضاء پر کسی جن کا تصرف ہو تو ایک شخص کسی کو قتل کر دے اور کہے کہ یہ قتل میں نے نہیں کیا، جن نے کیا ہے، میرے اعضاء پر اس وقت جن کا تصرف تھا تو کیا شریعت اور قانون میں اس کو اس قتل سے بری قرار دیا جائے گا اور اگر بالفرض شریعت کی رو سے وہ بے قصور ہو تو کیا قرآن اور حدیث میں ایسی ہدایت ہے کہ جو شخص جن کے زیر اثر ہو کر کسی شخص کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام محمد بن علی بن محمد بن عیاض الدین عمر ازلی متوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں:

نیز اگر جنت اور شیطین لوگوں کو مجبوظ کرنے اور ان کی عقل کو ضائع کرنے پر قادر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں تو وہ اکثر انسانوں کی عقلوں کو ضائع کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً علماء، قضائے اور عبادت گزار زاہدوں کی (بلکہ ان علماء کے ساتھ ایسا زیادہ کرنا چاہیے جو جنت پر انسانوں کے تصرف کا انکار کرتے ہیں اور یہ ناکارہ بھی ان میں شامل ہے) کیونکہ جنت کی علماء اور زاہدوں کے ساتھ عداوت بہت زیادہ ہے اور جب کہ ایسا نہیں ہو تو معلوم ہوا کہ جنت اور شیطین کو انسانوں پر کسی وجہ سے قدرت حاصل نہیں ہے اور اس نظریہ کے بطلان پر قرآن مجید کی یہ آیت واضح دلیل ہے۔

شیطان قیامت کے دن دو زنجیروں سے کئے گا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي (ابراہیم: ۳۰) اور مجھے تم پر کوئی غلبہ نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے ان ہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ آپ کہتے کہ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا ہمیں علم نہیں ہے۔ (الاعراف: ۲۸)

فاحشہ کا معنی اور مراد اور کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فاحشہ کا حکم دیا ہے

فاحشہ: علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ جو بات یا جو کام بہت زیادہ برا ہو اس کو فحش، فحشاء اور فاحشہ

کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۲۸۳ بکتہ زار مصطفیٰ کہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۷۴۶ھ نے لکھا ہے کہ ہر وہ گناہ اور مصیبت جس کی برائی زیادہ ہو اس کو فحش، فحشاء اور فاحشہ کہتے ہیں اور فاحشہ زنا کے معنی میں بہ کثرت مستعمل ہے اور ہر برے قول اور فعل کو فاحشہ کہا جاتا ہے۔ کسی کی بات کے سختی اور جارحیت سے جواب دینے کو بھی فحش کہتے ہیں۔ (المصنف ج ۳ ص ۲۷۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

مجاہد نے کہا اس آیت میں فاحشہ سے مراد زناہ جاہلیت میں مشرک مردوں اور عورتوں کا برہنہ طواف کرنا ہے۔

(جامع البیان ج ۸ ص ۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مشرکین برہنہ طواف کرنے کے جواز میں دو دلیلیں پیش کرتے تھے ایک دلیل یہ تھی کہ ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اس دلیل کا اللہ تعالیٰ کئی بار رد فرما چکا ہے کہ جاہلوں اور کافروں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ اس طرح بے حیائی سے طواف کرنے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ دوسرا رد یہ فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے برہنہ طواف کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم کسی کتاب کے معتقد ہو نہ کسی نبی کے اور اللہ کا حکم یا نبی سے معلوم ہوتا ہے اور یا اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اے لوگو! ہر نماز کے وقت اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرو جس طرح اس نے تم کو ابتداء میں پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوگوں کے۔ (الاعراف: ۲۹)

### قَسَطٌ اور عدل کے معانی

قسط کا معنی ہے کسی چیز کے دو برابر حصے کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَقِمْ وَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمن: ۹) اور انصاف کے ساتھ وزن کو درست رکھو۔

قَسَطٌ کا معنی ہے ظلم کرنا اور اَقْسَطُ کا معنی ہے عدل کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن: ۱۵) اور وہ قاسط لوگ تو وہ جہنم کا ایدھن ہیں۔

وَأَقْسَطُوا لَكُمْ إِلَهُ يَحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الحجرات: ۹) اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت

پہنہ فرماتا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

عدل عدالت اور معادلہ۔ ابن کاسمی ہے مساوات۔ عدل اور عدل دونوں کا معنی مساوات ہے۔ لیکن عدل امور معنویہ میں مساوات کو کہتے ہیں اور عدل امور محسوسہ میں مساوات کو کہتے ہیں۔ مثلاً وزن۔ پیمائش اور عدد میں مساوات کو کہتے ہیں اور عدل کی محسوسات میں مساوات اس آیت میں ہے:

وَلَسَّ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ (النساء: ۳۹) اور تم بیویوں کے درمیان ہرگز عدل نہ کر سکو گے۔

(النساء: ۳۹)

اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں کسی ایک طرف میلان نہ ہے۔ اس لیے انسان اپنی بیویوں کے درمیان محبت میں مساوات کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ہے تک اللہ بدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

(النحل: ۹۰)

عدل کا معنی ہے مکافات اور بدلہ میں مساوات۔ خیر کا بدلہ خیر اور شر کا بدلہ اس کے مساوی شر۔ مثلاً:

حَزَّاءٌ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا - (الشوری: ۴۲) برائی کا بدلہ اس جیسی اتنی ہی برائی ہے۔

اور احسان کا معنی ہے نیکی کے بدلہ میں اس سے زیادہ نیکی کی جائے اور برائی کے بدلہ میں اس سے کم برائی کی جائے۔ جتنی رقم کسی سے قرض لی تھی اتنی ہی واپس کر دینا بدل ہے۔ اور اس سے زیادہ رقم واپس کرنا احسان ہے اور کسی نے دس گھونٹے مارے ہوں تو بدلہ میں اس کو دس گھونٹے مارنا بدل ہے اور صرف ایک گھونٹا مارنا احسان ہے۔

(المفردات، ج ۲، ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

### اخلاص کا معنی

اخلاص 'خالص' سے بنا ہے۔ جس چیز میں کسی چیز کی آمیزش کا شبہ ہو، جب وہ اس سے صاف ہو جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں۔ یعنی جو چیز ملاوٹ سے پاک ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس کی رضا جوئی یا اس کے حکم کی فرمانبرداری کی نیت سے کی جائے۔ اس میں کسی کو دکھانے یا ستانے کی نیت نہ ہو اور نہ اس کام پر اپنی تعریف سننے کی خواہش ہو۔ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی پرستش اور اس کی رضا جوئی کے سوا ہر ایک کی پرستش اور اس کی رضا جوئی سے بری ہو جائے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

### قرآن مجید میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم

اس سے پہلے آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فناء (بے حیائی کرنے) کا حکم نہیں دیا۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسط (عدل) کا حکم دیا ہے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔

قسط سے مراد ہے لا الہ الا اللہ کا اعتقاد رکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدِيمُ الْقَائِمُ بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران ۱۸)

اللہ نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے در آنحایکہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہیں یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ بہت عزت والا بڑی حکمت والا۔

اس آیت میں دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور اس کی عبادت

کرنے۔

### عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث

امام ابو یوسفی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان میں یہ تین اوصاف ہوں اس کے دل میں کبھی کھوٹ (کینہ اور فساد) نہیں ہوگا۔ اس کے عمل میں اللہ کے لیے اخلاص ہو، وہ ائمہ مسلمین کے لیے خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے۔ (المحدث، سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث ۲۷۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام احمد بن حنبل سنن ۳۳۰۳ روایت کرتے ہیں:

مصحب بن سعد اپنے والد جوشی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس امت کے ضعیف لوگوں کی دعاؤں میں ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے اس امت کی مدد فرماتا ہے۔

(سنن نسائی ج ۶، رقم الحدیث: ۳۱۷۸، مطبوعہ دار العرف، بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت معاذ جوشی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے دین میں اخلاص رکھو تمہارا قلیل عمل (بھی) کافی ہو گا۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۴، ص ۳۰۹، حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص ۲۳۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۲۹۸، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳۱)

حضرت شہاک بن قیس جوشی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے تمام اعمال اخلاص کے ساتھ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ حافظ سیوطی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۲۹۹، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳۲)

حضرت ابو درداء جوشی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو۔ پانچ (فرض) نمازیں پڑھو اور اپنے اسوئل کی زکوٰۃ خوشی سے ادا کرو۔ اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے بیت (کعبہ) کا حج کرو (اور) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حافظ البیہقی نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۵، ص ۱۲۹، مجمع الرواۃ ج ۱، ص ۳۵، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۰، الجامع الکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۷۳۳)

حضرت عمر بن الخطاب جوشی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا دار صرف نیت پر ہے۔ ہر شخص کے عمل کا وہی ثمرہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، تو جس شخص کی ہمت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہمت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس شخص کی ہمت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے، تو اللہ کے نزدیک اس کی ہمت اسی کی طرف ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔

(صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۵۰، صحیح مسلم، المارۃ ۱۵۵۰، سنن ابو داؤد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۹، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۱۵۳، سنن ابی داؤد ج ۱، رقم الحدیث: ۷۵، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۲۷، سنن احمد ج ۱، ص ۲۵، سنن الحمیدی، رقم الحدیث: ۲۸، صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث: ۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۲۹۸، المستدرک ج ۳، ص ۳۳، سنن ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۸، حلیۃ الاولیاء ج ۸، ص ۸۲، سنن دار قطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۸)

حضرت انس جوشی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے تین گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے خالص اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی ہوگی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے دیکھوے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہوگی۔ اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہوگی۔ تو جس نے دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہوگی، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو نے میری عبادت سے کس چیز کا ارادہ کیا تھا؟ وہ کہے گا دنیا کا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یقیناً جس چیز کو تو نے جمع کیا تھا، اس نے تجھ کو نفع نہیں دیا اس کو دوزخ میں لے جاؤ اور جس نے ریاکاری کے لیے عبادت کی تھی، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری عبادت صرف ریاکاری کے لیے تھی، اس میں سے میری طرف کوئی چیز نہیں پہنچی اور وہ ریا تھے آج نفع نہیں دے گا، اس کو دوزخ میں لے جاؤ اور جس نے خالص اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی تھی، اس سے فرمائے گا تو نے میری عبادت کرنے سے کس چیز کا ارادہ کیا تھا۔ وہ شخص کہے گا تیری عزت اور جلال



کی قسم تو ضرور مجھ سے زیادہ جانتے والا ہے۔ میں تیری رضا کوئی اور جنت کے لیے تیری عبادت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندہ نے سچ کہا اس کو جنت کی طرف لے جاؤ۔ (حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید بن اسحاق کو جسور نے ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم رازی اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی سند کے باقی راوی ثقہ ہیں)

(شعب الایمان ج ۵، رقم الحدیث: ۶۸۰۸، المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث: ۵۱۰۱، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۵۰)

عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن مرزوقہ املا لائیں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اس عیضہ کو قبول کر لو اور اس عیضہ کو چھوڑ دو۔ فرشتے کہیں گے تیری عزت کی قسم! ہم نے دعویٰ لکھا ہے جو اس نے عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے سچ کہا (لیکن) اس کا عمل میری ذات کے لیے نہیں تھا۔ آج میں صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو میری ذات کے لیے کیا گیا ہو گا۔ حافظ البیہقی نے کہا یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے اور اس کی ایک سند صحیح ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۷، رقم الحدیث: ۶۱۲۹، سنن دارقطنی ج ۱، رقم الحدیث: ۱۲۹۰، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۵۰)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی ایک عمل کو بقی رکھنا ایک عمل کرنے سے زیادہ دشوار ہے۔ ایک شخص تعالیٰ میں کوئی ایک عمل کرتا ہے تو اس کا اجر ستر گنا لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر شیطان اس کو بکارتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس عمل کا لوگوں سے ذکر کرتا ہے اور اس کا اعلان کر دیتا ہے۔ پھر اس کی وہ نیکی (خفی نیکیوں کے بجائے) ظاہر نیکیوں میں لکھ دی جاتی ہے اور تعالیٰ میں عمل کرنے کی وجہ سے جو اس کا زیادہ اجر تھا وہ کم کر دیا جاتا ہے اور شیطان اس کو مسلسل درغلطاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی اس نیکی کا ذکر کیا جائے اور اس نیکی پر اس کی تعریف کی جائے۔ پھر اس کے عمل کو ظاہری نیکیوں سے بھی کٹ دیا جاتا ہے اور یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس نے یہ عمل ریاکاری کے طور پر کیا تھا۔ سو جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور بے شک ریاکاری شرک ہے۔

(شعب الایمان ج ۵، رقم الحدیث: ۶۸۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

(ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں لیکن اس کا معنی صحیح ہے اور درج ذیل حدیث میں اس کی تائید ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہو گا۔ اس کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا۔ جن کا وہ اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری رگوں میں قتل کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم بھوٹ کہتے ہو تم نے اس لیے قتل کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ تم بہادر ہو۔ سو وہ کہتا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو لوہے سے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا اور پڑھ لیا اور قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا جس کا وہ اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور پڑھ لیا اور میں نے تیرا قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے بھوٹ بولا تم نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تم کو عالم کہا جائے اور تم نے قرآن پڑھا تاکہ یہ کہا جائے کہ وہ قاری ہے سو کہتا گیا۔ پھر اللہ کے حکم سے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اس شخص کو پیش کیا جائے گا جس کو اللہ نے وسعت دی تھی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے اپنے مال کو نیکی کے ہر اس راستہ میں تیری خاطر خرچ کیا جو تم کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا

تم نے جھوٹ بولا تم نے تو یہ اس لیے کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ بہت سخی ہے۔ سو وہ کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، الامارۃ: ۱۵۴، (۱۹۰۵) سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۹، سنن النسائی، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۱۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۱۹۸)

اخلاص ہونے پر فائدہ اور اخلاص نہ ہونے کے نقصان کے متعلق ایک اسرائیلی روایت  
امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اسرائیلیات میں مذکور ہے کہ ایک عابد بہت بڑے عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا۔ اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایک درخت کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ عابد غضبناک ہوا اور کھانا کاندھے پر رکھ کر اس درخت کو کانٹے کے لیے چل پڑا۔ راستے میں ابلیس اس کو ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں ملا اور پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں اس درخت کو کانٹے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا: تمہارا اس درخت سے کیا تعلق ہے؟ تم بلاوجہ اپنی عبادت کو چھوڑ کر ایک غیر اہم کام کے درپے ہو رہے ہو۔ عابد نے کہا: یہ کام بھی میری عبادت ہے۔ ابلیس نے کہا: میں تم کو وہ درخت کانٹے نہیں دوں گا۔ پھر ان دونوں میں کشتی ہوئی۔ عابد نے اس کو اٹھا کر زمین پر بیٹھ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابلیس نے کہا: مجھے چھوڑ دو۔ میں تم کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا: اے شخص! اللہ نے تم سے یہ کام ساقط کر دیا ہے۔ اور تم پر اس کو فرض نہیں کیا۔ اور تم اس درخت کی عبادت نہیں کرتے اور اگر کوئی اور عبادت کرتا ہے تو اس کا تم سے مواخذہ نہیں ہو گا اور اس زمین میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء بہت ہیں۔ اگر اللہ چاہے گا تو اس درخت کی پرستش کرنے والوں کی طرف اپنا کوئی نبی بھیج دے گا۔ اور اس نبی کو اس درخت کے کانٹے کا حکم دے گا۔ عابد نے کہا: میں اس درخت کو ضرور کانٹوں گا اور ابلیس کو کشتی کے لیے لٹکارا اور عابد ابلیس کو بچھاؤ کر اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ آخر ابلیس عاجز آ گیا اور اس سے کہنے لگا: تمہارا کیا مشورہ ہے؟ میں تم کو درمیانی راہ بتاتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ فائدے مند ہوگی۔

عابد نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابلیس نے کہا: مجھے چھوڑ دو تاکہ میں تم کو تفصیل سے بتاؤں۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا: تم فقیر آدمی ہو۔ تمہارے پاس مال نہیں ہے۔ لوگ تمہاری کلمات کرتے ہیں اور تم ان پر بوجھ ہو۔ اور شاید کہ تمہارے دل میں خواہش ہو کہ تم اپنے بھائیوں کی ملی املاؤ کو اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ غم خواری کرو اور تم میرے کرکھلاؤ اور لوگوں سے مستغنی رہو؟ عابد نے کہا: ہاں ابلیس نے کہا: پھر درخت کانٹے سے باز آ جاؤ اور تمہیں ہر رات اپنے سرہانے دو دینار مل جائیں گے۔ صبح کو تم وہ دو دینار لے لینا اور ان کو اپنے اوپر اور اپنے حیل کے اوپر خرچ کرنا اور اپنے بھائیوں کے اوپر صدقہ کرنا تو یہ تمہارے اور دیگر مسلمانوں کے لیے اس درخت کے کانٹے سے زیادہ سودمند ہو گا۔ اور اس درخت کے بعد وہاں اور درخت آگ سکتا ہے اور اس کے کانٹے سے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور تمہارے مسلمان ضرورت مند بھائیوں کو اس درخت کے کانٹے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عابد ابلیس کی اس چٹکشی پر غور کرنے لگا اور بے ساختہ کہنے لگا: بات تو اس بوڑھے کی سچی ہے۔ میں نبی تو ہوں نہیں جو مجھ پر اس درخت کا کھانا لازم ہو اور نہ اللہ نے مجھے اس درخت کے کانٹے کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس درخت کے نہ کانٹے کی وجہ سے گنہ گار ہو جاؤں اور جو صورت اس نے بتائی ہے اس میں زیادہ نفع ہے۔ سو دونوں نے قسم کھا کر اس بات پر معاہدہ کر لیا۔ عابد لوٹ آیا۔ اس نے اپنے معبد میں رات گزار دی۔ صبح کو اسے اپنے سرہانے دو دینار مل گئے۔ اس نے وہ دینار لے

ہے۔ اسی طرح اگلے دن بھی ہوا۔ تیسری صبح کو عابد کو اپنے سرانے کوئی چیز نہیں ملی۔ وہ غضب ناک ہوا اور کھڑی کندھے پر ڈال کر چل پڑا۔ اس کے سامنے سے ابلیس ایک بوڑھے کی صورت میں آتا ہوا ملا۔ اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ عابد نے کہا میں اس درخت کو کانوں لگ ابلیس نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ خدا کی قسم! تم اس درخت کو کانٹے پر تھوڑ نہیں ہو۔ اور تمہارے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ عابد پہلی بار کی طرح اس سے کشتی کے لیے آگے بڑھا ابلیس نے کہا اب یہ نہیں ہو سکتا۔ اور ایک ہی لمحوں میں اس کو پچھاڑ دیا اور عابد چڑیا کی طرح اس کے پیروں میں گر پڑا اور ابلیس اس کے سینہ پر بیٹھ گیا۔ ابلیس نے کہا باز آ جاؤ ورنہ میں تم کو ذبح کر دوں گا۔ عابد نے غور کیا تو اس کو ابلیس کے مقابلہ میں بالکل طاقت محسوس نہیں ہوئی۔ عابد نے کہا تم مجھ پر غالب آ گئے۔ اب مجھ کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ میں پہلی بار تم پر کس طرح غالب آیا تھا اور اس بار کیوں نہ غالب آ سکا۔ ابلیس نے کہا اس لیے کہ پہلی بار تم اللہ کے لیے غضب ناک ہوئے تھے اور تمہاری نیت آخرت تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اس بار تم اپنے نفس اور دنیا کے لیے غضب ناک ہوئے تو میں نے تم کو پچھاڑ دیا۔

(احیاء العلوم، ج ۳، ص ۲۸۵-۲۸۴، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اخلاص سے کیا ہوا کم عمل بغیر اخلاص کے زیادہ اعمال سے افضل ہے  
علامہ عبدالرزاق السنونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الکفل نے کہا ہے کہ لغت میں اخلاص کا معنی ہے عبادت میں ریا کو ترک کرنا۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے جس چیز کی آمیزش کا شبہ بھی ہو اس سے دل کو خالص کر لینا۔ پس جس شخص کی کسی فعل سے غرض صرف ایک ہو اور وہ غرض اللہ کا تقرب اور اس کی رضا جوئی ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت بالکل نہ ہو حتیٰ کہ اس کا کھانا پینا بھی طبعی تقاضوں کی وجہ سے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے حکم کی اطاعت کے لیے تقویت حاصل کرنے اور اس کے رسول و پیغمبر کی سنت پر عمل کرنے کے لیے ہو تو اس نیت سے اس کا ہر عمل اخلاص سے ہو گا اور جس شخص کی اپنے فعل سے غرض واحد ہو اور وہ غرض ریا اور دکھلوا ہو، ایسا شخص اپنے نفس اور دنیا سے محبت کرتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں ہر وقت اپنے نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دھن سلی رہتی ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کے لیے بالکل جگہ نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کی عبادت ریا سے بالکل محفوظ نہیں رہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر کبھی روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ان کے افعال میں اخلاص ہوتا ہے اور کبھی ان کے افعال میں ریا ہوتا ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے عبادت کم ہو، لیکن اس میں ریا اور تکبر نہ ہو اور اس عبادت کا باعث اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عبادت کی غیر متناہی قیمت ہے اور عبادت بہت زیادہ ہو لیکن اخلاص سے خالی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت اور حیثیت نہیں ہے۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کے تدارک کی کوئی سبیل پیدا فرمادے۔ اس لیے اہل بصیرت زیادہ عمل میں کوشش نہیں کرتے بلکہ اخلاص کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قدر و قیمت صاف شفاف اور صیقل چیز کی ہوتی ہے، کثرت کی نہیں ہوتی۔ ایک سچا موتی ہزار نمیکریوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ جو لوگ بہت زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں اور بہ کثرت روزے رکھتے ہیں اور نمازوں میں اخلاص اور خضوع اور خشوع کے درپے نہیں ہوتے اور نہ روزوں میں طہیت کے جذبہ کی کوشش کرتے ہیں، اپنی نمازوں اور روزوں کی بڑی تعداد سے دھوکا کھاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ بے مغز اخروٹوں کے ڈھیر کی کیا قدر و قیمت ہے۔

(فیض القدر، ج ۱، ص ۳۱۵-۳۱۴، مطبوعہ مکتبہ نزار، صفحہ ۱۸۱ھ)

## انسانوں کے حشر کی کیفیت

اس کے بعد فرمایا: جس طرح اس نے تم کو ابتدا میں پیدا کیا ہے اسی طرح تم لوٹو گے۔

محمد بن کعب نے اس کی تفسیر میں کہا: جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں اہل شقاوت میں سے پیدا کیا ہے وہ قیامت کے دن اہل شقاوت سے اٹھے گا خواہ وہ پہلے نیک کام کرتا ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں اہل سعادت میں سے پیدا کیا وہ قیامت کے دن اہل سعادت سے اٹھے گا خواہ وہ پہلے برے کام کرتا رہا ہو۔ جیسے ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے اہل شقاوت میں سے پیدا کیا تھا وہ پہلے نیک کام کرتا تھا لیکن وہ انجام کار کفر کی طرف لوٹ گیا اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر وہ پہلے فرعون کے تابع تھے لیکن بعد میں فرعون کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ سو ابلیس اپنی ابتدا خلقت کے اعتبار سے شقاوت کی طرف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر اپنی ابتدا خلقت کے اعتبار سے سعادت کی طرف لوٹ گئے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

(جامع البیان ۸/۷۷ ص ۲۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے جس طرح انسان میں کے پیٹ سے ننگے پیر ننگے بدن اور غیر مختون اٹھے گا حشر میں بھی اسی طرح طرح ننگے پیر ننگے بدن اور غیر مختون اٹھے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری صوفی ۵۶۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم حشر میں ننگے پیر ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ ثَوْبًا وَنَعْلًا كَعَادَا عَلَيَاتِنَا  
كَمَا فَعَلْنَا (الانبیاء: ۴۴)

جس طرح ہم نے پہلے پیدائش کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کو دہرائیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے ہم اس کو ضرور (پورا) کرنے والے ہیں۔

اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم ہیں۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے: حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! عورتیں اور مردوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہ دن اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں)

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحديث: ۲۲۳۷، صحیح مسلم، المشرع: ۵۸ (۲۸۵۹) ۷۰۸، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۲۳۳۱، سنن النسائی ج ۳، رقم الحديث: ۲۰۸۷، صحیح ابن حبان ج ۱۶، رقم الحديث: ۳۳۷۷، مسند احمد ج ۱، رقم الحديث: ۲۰۹۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۸، التلخیص الکبیر ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ کو گمراہی پر ڈال دیا، انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنا لیا اور ان کا یہ زعم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الاعراف: ۳۰)

ابتداء فطرت میں ہر انسان کا ہدایت یافتہ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایسی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا کیا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی وحدانیت کی معرفت حاصل کر سکے اور اس کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیے۔ پھر بعض انسانوں نے اس فطری صلاحیت کو ضائع کر دیا اور شیطان نے ان کو دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبوں کے دام میں پھنس لیا، ان کو

ان کے تعمیر نے سرزنش کی نبیوں اور رسولوں اور ہر دور کے علماء حق نے ان کو اللہ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی لیکن وہ شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر ڈٹے رہے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے وہی برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْشًا ۖ وَلَئِنَّا وَشَقْنَاهُ ۖ  
وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البعد: ۸۳)  
کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور وہ زبان اور دو ہونٹ؟ اور ہم نے اسے (انگلی اور پدی کے) دونوں واضح راستے دکھادیے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متونی ص ۳۳۷ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر آپ فرماتے پڑھو! اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی بتائی ہوئی سرشت (فطرت اسلام) کو لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بتائی ہوئی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی میں دین راست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (الروم: ۳۰) دوسری روایت میں ہے: جو شخص بھی پیدا ہوا وہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے باپ اس کو یسودی اور نصرانی بنادیتے ہیں۔ جیسے اونٹ سالم اور کالہ الاغشاء پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ حتیٰ کہ تم اس کے اعضاء کاٹتے ہو۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتائیے! جو شخص بچپن میں فوت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی جانتے والا ہے وہ کیا کرنے والا تھا؟

(صحیح مسلم: قدر ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱



کوئی مجھے ایک کپڑا دے دیتا جس کو میں اپنی شرم گھبر پر ڈال دیتی، آج بعض یا کل کل جائے گا اور جو کل جائے گا میں اس کو بھی حلال نہیں کروں گی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ (الاعراف: ۳۱)

(صحیح مسلم، تفسیر ۲۵، ۳۰۲۸، مکتبہ زار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زینت کا حکم دیا۔ زینت سے مراد وہ لباس ہے جو شرم گاہ چھپائے۔ اس کے علاوہ عمدہ کپڑے اور اچھی چیزیں بھی زینت ہیں اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت اپنی زینت کو پہنیں۔

(جامع البیان ۸ ج ۸ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

زہری بیان کرتے ہیں کہ عرب بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، ماسوا قریش اور ان کے حلیوں کے۔ ان کے علاوہ جو لوگ طواف کرنے کے لیے آتے، وہ اپنے کپڑے اتار دیتے اور قریش کے دیے ہوئے کپڑے پہن لیتے اور اگر ان کو قریش میں سے کوئی عورت کپڑے دینے والا نہ ملتا تو وہ اپنے کپڑے پھینک کر برہنہ طواف کرتا اور اگر وہ ان ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو وہ طواف کے بعد ان کپڑوں کو پھینک دیتا اور ان کپڑوں کو اپنے لوہر حرام کر لیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے پہن لیا کرو۔ (جامع البیان ۸ ج ۸ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس حج میں رسول اللہ ﷺ تہجد نے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر بنایا تھا جو کہ حجت الوداع سے پہلے تھا، اس میں حضرت ابو بکر نے مجھے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ قربانی کے دن یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔

(صحیح مسلم، ج ۲: ۳۲۵، ۳۲۲۹، صحیح البخاری، ج ۲: رقم الحديث ۱۳۲۲، سنن ابوداؤد، ج ۲: رقم الحديث ۱۴۶۰، سنن نسائی، ج ۵: رقم الحديث ۲۹۵۷)

حضرت مسور بن غزوہ جوڑ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بھاری پتھر اٹھا کر لا رہا تھا اور میں نے چھوٹا سا تہبند باندھا ہوا تھا۔ اچانک میرا تہبند کھل گیا، اس وقت میرے کندھے پر وزنی پتھر تھا، اس وجہ سے میں تہبند کو اٹھا نہیں سکا، حتیٰ کہ میں نے پتھر کو اس کی جگہ پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جا کر اپنا تہبند اٹھلا اور اس کو باندھ لو اور ننگے بدن نہ پھرا کرو۔

(صحیح مسلم، بیض ۸، ۷۵۷، ۳۳۱، سنن ابوداؤد، ج ۲: رقم الحديث ۱۴۰۶)

تفسیر کعبہ کے وقت تہبند اتار کر کندھے پر رکھنے کی روایت پر بحث و نظر

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعبہ کو بنایا گیا تو نبی ﷺ اور عباس پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس نے نبی ﷺ سے کہا پتھروں کی وجہ سے اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لیں، آپ نے ایسا کیا پھر آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی دونوں آنکھیں آنکھوں کی طرف لگی ہوئی تھیں، پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میری چادر، میری چادر، پھر آپ پر چادر باندھ دی گئی۔

(صحیح البخاری، ج ۲: رقم الحديث ۱۵۸۴، ج ۳: رقم الحديث ۲۸۲۹، صحیح مسلم، بیض ۸، ۷۵۷، ۳۳۱، مسند احمد، ج ۲: ص ۲۹۵)

ج ۳ ص ۳۸۰، ۳۹۰

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے اپنا تہجد اتار دیا تھا اور آپ معاذ اللہ برہنہ ہو گئے اور اسی کی رہشت سے آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ حدیث آپ کے بلند منصب، آپ کی عظمت اور شان اور آپ کے مقام نبوت کے خلاف ہے۔ علامہ نووی، علامہ عینی اور علامہ عسقلانی میں سے کسی نے بھی اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ علامہ قرطبی نے اس حدیث کو المنعم میں شامل نہیں کیا۔ صرف علامہ محمد بن غلیفہ وشتانی ابی مالک متوفی ۸۸۸ھ نے اپنی شرح میں اس اشکال کو دور کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ کا سر کھل گیا تھا کیونکہ آپ اول امر میں تہجد کھلتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور غالباً اس وقت آپ پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے یہ عزت اور کرامت دی ہے کہ میں بخون پیدا ہوا اور میری شرم گاہ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

۱) المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۳۶، المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳، دلائل النبوة ج ۱، نعیم، ج ۱، رقم الحدیث: ۹۳، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۳۳، کنز العمال ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۰۳۳۳، ۳۳۳۳۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سفیان بن محمد خزازی مقرر ہے۔ ابن جوزی نے اس پر جرح کی ہے۔ اصل التباہ ج ۱، ص ۲۵، حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، البدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۲۵۵

اور بعض روایات میں ہے کہ فرشتے نازل ہوئے اور اس نے میرا تہجد باندھ دیا۔

(اکمال الکمال المصنوع ج ۲، ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۵۵ھ)

ہر چند کہ یہ حدیث جس میں آپ کے تہجد کھولنے کا ذکر ہے، سند صحیح کے ساتھ مروی ہے لیکن اول تو یہ مراسیل صحابہ میں سے ہے جن کا مقبول ہونا ہر حال مختلف فیہ ہے۔ ثانیاً یہ حدیث درایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ قریش نے بعثت سے پانچ سال پہلے کعب بنایا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پینتیس سال تھی اور پینتیس سال کے مرد کے لیے اس کے چچا کا زراہ شفقت یہ کہنا کہ ”تم اپنا تہجد اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لو تاکہ تم کو پھر نہ جھپس“ درایت صحیح نہیں ہے۔ یہ بات کسی کم سن بچے کے حق میں تو کہی جاسکتی ہے، پینتیس سال کے مرد کے لیے صحیح نہیں ہے اور علامہ بدر الدین عینی، علامہ ابن حجر وغیرہ نے امام ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے کہ قریش کے کعب بنانے کا واقعہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق نے اور اسی سند کے ساتھ امام حاکم اور امام طبرانی نے نقل کیا ہے کہ قریش نے وادی کے پتھروں سے کعب کو بنایا اور اس کو آسمان کی جانب میں (۴۰) ہاتھ بلند کیا اور جس وقت نبی ﷺ اجیاد سے پھراٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اس وقت آپ نے ایک دھاری دار چادر کا تہجد باندھا ہوا تھا۔ آپ نے اس چادر کا پلو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اس چادر کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے آپ کی شرم گاہ ظاہر ہو گئی۔ اس وقت ایک آواز آئی اے محمد! ﷺ اپنی شرم گاہ ڈھانپ لیں، اس کے بعد آپ کو مریاں نہیں دیکھا گیا، اس وقت آپ کی بعثت میں پانچ سال تھے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے امام عبد الرزاق کی سند سے لکھا کہ مجاہد نے کہا کہ یہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (اس وقت آپ کی عمر چوبیس سال تھی) امام عبد البر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مفادی میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن مشہور ہذا قول ہے (یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے کا) (فتح الباری ج ۳، ص ۳۳۲-۳۳۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۵۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں:

طبقات ابن سعد میں محمد بن جبر بن مطعم سے روایت ہے جس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کے لیے پھر لارہے تھے اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ لوگوں نے اپنے اپنے تہبند اپنے اپنے کندھوں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ سو رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا کیا پھر آپ گر پڑے اور آپ کو ندا کی گئی "پہلی شرم گاہ کو ڈھکئے" اور یہ آپ کو پہلی ندا کی گئی تھی۔ ابو طالب نے کہا اے بیٹے! اپنا تہبند اپنے سر کے نیچے رکھ لو۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وہ صرف برہنہ ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۸ھ)

امام عبد الملک بن ویشام متونی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کے بنانے پر اتفاق کیا۔

(الغیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ السبیل المتونی ۵۵۸ھ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا۔ دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ہی بنیادوں پر بنایا اور تیسری بار اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا۔ چوتھی بار حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بنایا اور پانچویں بار عبد الملک بن مروان نے بنایا۔ (الروض اللائف ج ۷ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ داروقہ لبنان)

علامہ ابی ہاشم متونی ۸۲۸ھ نے بھی علامہ سبیل کے حوالے سے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ محمد بن یوسف صائغ شامی متونی ۴۳۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مجاہد سے منقول ہے کہ یہ آپ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور امام ابن اسحاق نے جس پر جرم کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور یہی صحیح ہے۔

(سبل اللہ فی الارشاد ج ۲ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

ہم نے متعدد مستند کتب کے حوالہ جات سے یہ بیان کیا ہے کہ قریش نے جس وقت کعبہ کی تعمیر کی تھی اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی اور پینتیس سال کے کسی عام مذہب انسان کے حل سے بھی یہ بہت بعید ہے کہ وہ اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لے۔ چہ جائیکہ وہ شخص ہو جس کی حیا اور وقار تمام دنیا میں سب سے عظیم اور مثالی ہو۔ اس لیے یہ اصولیت ہر چند کہ سند صحیح ہیں لیکن دراصل صحیح نہیں ہیں، جبکہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں اور اس واقعہ کے وقت ابن کی عمر دو سال تھی۔ کیونکہ یہ ۳۳ سال کی عمر گزار کر ۵۷ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (الاستیعاب فی حاشی الاصابہ ج ۱ ص ۲۲۲) اس حساب سے ہجرت کے وقت ابن کی عمر ۲۰ سال تھی۔ اور بعثت کے وقت ابن کی عمر سات سال تھی اور یہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے تو اس وقت ابن کی عمر دو سال تھی اور اس وقت یہ مدینہ میں تھے مگر یہ کہ کا واقعہ ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ واقعہ کسی سے سنا ہو گا جس کے نام کی انہوں نے تصریح نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کی حیا اور وقار پر کوئی حرف آنے کی بہ نسبت ہمیں یہ زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو مسترد کر دیا جائے کیونکہ روایت حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کی جو عظمت اور مقام ہے اس کی بہ نسبت کہیں زیادہ بلکہ سب سے زیادہ عظمت اور شان رسول اللہ ﷺ کی حیا اور وقار کی ہے۔

کھانے پینے میں وسعت کی گنجائش اور اعتدال کا حکم اور بسیار خوری کا اسراف ہونا  
نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور کھلاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھانے اور پینے کو حلال فرمادیا ہے جب تک کہ  
فضول خرچ نہ ہو اور تکبر نہ ہو۔ جتنی مقدار کھانے اور پینے سے رتی حیات باقی رہ سکتی ہے اتنی مقدار کھلاؤ اور پینا فرض ہے۔  
رزق حلال کھانے اور پینے کی عبادت انجام دینے کے لیے جتنی صحت اور توانائی کی ضرورت ہے اس کے لیے جس قدر کھانے کی  
ضرورت ہے اتنا کھانا بھی فرض ہے۔ اپنی صحت کے تحفظ اور اپنے آپ کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پریشی کھانا کھانا  
اور نقصان دہ چیزوں کو ترک کرنا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو وصل کے (پے در پے) روزے رکھنے سے اسی لیے منع  
فرمایا کیونکہ اس سے بدن لاغر اور کمزور ہوتا ہے اور انسان کی توانائی کم ہوتی ہے۔ جتنی مقدار کھانا پین کی جگہ اور توانائی کی حفاظت  
کے لیے ضروری ہے اس سے کم کھانا کوئی نکلے ہے نہ اس میں کوئی زہد و تقویٰ ہے۔ اور بسیار خوری بجاواز اور گناہ ہے اور یہ  
فضول خرچ کی ممانعت میں داخل ہے۔ یہ جان ہماری ملکیت نہیں ہے یہ ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے اس کو ضائع کرنا جائز نہیں  
ہے۔ مرغن اور چٹ پٹی اشیاء کے کھانے سے انجام کار انسان ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس سے تغیر اور تیزابیت بڑھ  
جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں السر ہو جاتا ہے۔ زیادہ چکنائی والی اشیاء کھانے سے خون میں کلیسٹرول بڑھ جاتا ہے جسم بھاری بھر  
کم ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ پھر بھی احتیاط نہ کی جائے تو انجانا ہو جاتا ہے  
اور دل کے دورے پڑتے ہیں اور جسم کے کسی عضو پر قلع کرنے کا فائدہ رہتا ہے۔ بعض اوقات برین ٹیمبرج ہو جاتا ہے اور  
دماغ کی کوئی رگ پھٹ جاتی ہے۔ مسلسل سگریٹ نوشی سے خون کی شریانیں سکڑ جاتی ہیں اور قلع کا خطرہ رہتا ہے۔ کھانسی دمہ  
اور گلے کی خرابی اس کے عام اثرات ہیں بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور جگر سکڑ جاتا ہے الغرض تمباکو کھانے اور پینے کے بہت نقصانات  
ہیں۔ اسی طرح بسیار خوری کے بھی بہت زیادہ نقصانات ہیں جن کا ہم نے اجلا ذکر کیا ہے۔ جدید اور قدیم حکماء نے صحت کی  
حفاظت کے لیے ہمیشہ کم کھانے کی تلقین کی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی کم کھانے کی تاکید کی ہے اور بسیار خوری کی مذمت فرمائی  
ہے۔

### بسیار خوری کی مذمت میں احادیث

امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدم بن سعدی کرب جوینوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے آدمی کے  
پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کو بھرنا برا نہیں ہے۔ بہن آدم کے لیے چھ قلعے کافی ہیں جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے اور اگر اس  
نے لاکھ زیادہ کھانا ہو تو (پیٹ کا) تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے۔  
(سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۲۷۹۸، مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۱۸۶)

حضرت ابو ہریرہ جوینوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص مسلمان ہوا وہ کافر تھا (ثمان بن اثال) رسول  
اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ لانے کا حکم دیا۔ اس نے ایک بکری کا دودھ لایا اور دودھ پی لیا۔ پھر دوسری بکری کا پھر  
تیسری بکری کا حتیٰ کہ وہ سات بکریوں کا دودھ لایا اور دودھ پی گیا۔ صبح اٹھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اس کے  
لیے ایک بکری کا دودھ لانے کا حکم دیا۔ پھر دوسری بکری کا دودھ لایا گیا تو وہ اس کو پورا نہ پی سکا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا  
مومن ایک آنت میں چٹا ہے اور کافر سات آنتوں میں چٹا ہے۔ (امام مسلم کی دیگر روایات میں اس طرح ہے مومن ایک آنت

میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے)

(صحیح مسلم 'اثرہ: ۱۸۶، ۲۰۶۳، ۵۲۸۱، سنن ترمذی 'ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی 'ج ۳، رقم الحدیث: ۶۸۹۳، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے ڈکاری تو آپ نے فرمایا ہمارے سامنے اپنی ڈکار روک کر رکھو کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے ہوں گے۔ (سنن ترمذی 'ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۸۶، سنن ابن ماجہ 'ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۵۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ تم اپنی ہر خواہش کے مطابق چیز کھاؤ۔ (سنن ابن ماجہ 'ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۵۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نبی ﷺ کے ساتھ اسلام لایا ہوں میں نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا میں صرف اتنا کھاتا چلتا ہوں جس سے میری حیات بقی رہ سکے۔

(المعجم الکبیر 'ج ۱۹، رقم الحدیث: ۳۸۷، ص ۲۱۸، مجمع الزوائد 'ج ۵، ص ۱۳۱)

### پرہیز کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بختانی متوفی ۷۷۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المذہب بنت قیس الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیماری سے اٹھ کر کمزور تھے اور ہمارے پاس کھجوروں کا خوشہ لگا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھانے کے لیے کھڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے 'چھوڑ دو' تم کمزور ہو۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رک گئے اور میں نے جو اور چقدر کا کھانا بنایا تھا۔ میں وہ لے کر آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی اس سے کھلو، یہ تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن الترمذی 'ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۳، سنن ابن ماجہ 'ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند احمد 'ج ۶، ص ۳۶۳، مشکوٰۃ 'ج ۲، رقم الحدیث: ۴۲۱۶)

حضرت قلیہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استقامت کے مریض کا پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۳، رقم الحدیث: ۲۰۳۳، صحیح ابن حبان 'ج ۲، رقم الحدیث: ۶۶۵، المستدرک 'ج ۳، ص ۳۰۹، ۳۰۷، ۳۰۵، امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

ایک ماہر سوادہ حکیم نے کہا وہ دوا جس کے ساتھ کوئی بیماری نہ ہو وہ یہ ہے کہ جب تک بھوک نہ ہو مت کھاؤ اور ابھی بھوک بقی ہو تو کھانا چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بسیار خوری بیماری کی جڑ ہے اور پرہیز کرنا دوا کی جڑ ہے اور بدن کو اس کی علوت کے مطابق علوی ہو۔ (احیاء العلوم 'ج ۳، ص ۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی ۷۴۰ھ لکھتے ہیں:

"پرہیز کرنا دوا کا سردار ہے" یہ عرب کے حکیم حارث بن کلدہ کا کلام ہے اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب الصحۃ میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ طب کار نہیں پرہیز ہے اور حکمت کار نہیں غاشی ہے۔

(اتحاف السادة المستقرین 'ج ۷، ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتبہ مصر ۱۳۱۸ھ)



## کھانے پینے کے آداب کے متعلق احادیث

حضرت سلمان بن مرثدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ میں نے اس کا نبی پیچھے سے ذکر کیا اور میں نے بتایا کہ میں نے تورات میں کیا پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا کھانے میں برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۵۳، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷۱، مسند احمد، ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۷۴۳، مسند ابوداؤد، علیا، رقم الحدیث: ۴۱۷۴)

حضرت انس بن مالک بن مرثدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں خیر کی کثرت کرے، وہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے اور کلی کرے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۶۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت حکم بن حمیر بن مرثدہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک طعام (کی دعوت) میں تھے۔ ایک شخص نے گھروالوں کے خلام سے تولیہ طلب کیا، اس نے کپڑا لا کر دیا اس نے اس سے ہاتھ پونچھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کپڑے کو تم نے پہنا ہے اس کا تولیہ نہ بناؤ۔ (غالباً آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس کلام کے لیے پرانے کپڑے استعمال کرو)

(المعجم الکبیر، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن بزاز کدوری حنفی حنفی ۵۸۲ھ نے لکھا ہے کہ کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے اور ہاتھ نہ پونچھے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولے اور ہاتھ پونچھ لے۔

(فتاویٰ بزاز، علی ہاشم الحنفی، ج ۶، ص ۳۵۲، مطبعہ امیر، بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

حضرت عمر بن ابی سلمہ بن مرثدہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس طعام رکھا تھا، آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے قریب آؤ، بسم اللہ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۷۳، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۳۷۶، صحیح مسلم، شرح: ۱۰۸، (۴۰۴۲)، ۵۱۷۱، سنن ابی

داؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷۱، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۶۵، مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھے اگر وہ اس کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو کہے بسم اللہ فی اولہ و آخرہ۔

(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۷۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷۱، صحیح ابن حبان، ج ۴، رقم الحدیث: ۵۴۴۳، مسند

احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۷۳۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۲۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طعام اور مشروب میں پھونک نہیں مارتے تھے اور نہ برتن میں سانس لیتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۲۸۸، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۷۸، سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۹۱، ۱۸۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص دسترخوان اٹھانے سے پہلے کھڑا نہ ہو خواہ اس کا بیٹ بھر گیا ہو وہ اپنا ہاتھ نہ کیچے حتیٰ کہ قوم فارغ ہو جائے اور اپنا ہاتھ نہ بیان کرے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنا ہاتھ کھانے سے کیچ لیتا ہے تو وہ اپنے ہم نشین کو شرمندہ کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ابھی اس کو کھانے



پھر فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو کھڑے کہتے ہیں۔ اور بے شک نبی ﷺ نے اس طرح کیا ہے جس طرح میں نے کیا ہے۔

(صحیح ابوداؤد ج ۶، رقم الحديث: ۵۷۵۰، سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث: ۳۷۷۸، سنن الترمذی ج ۱، رقم الحديث: ۳۰۰، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۷، مسند احمد ج ۱، رقم الحديث: ۷۹۵، مسند ابویوسف ج ۱، رقم الحديث: ۳۰۹، ۳۷۸، شمائل ترمذی، رقم الحديث: ۲۱۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔

(صحیح ابوداؤد ج ۶، رقم الحديث: ۵۷۷۷، صحیح مسلم، اثر: ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۸۹، سنن الترمذی ج ۲، رقم الحديث: ۲۹۷۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۲۲۲، صحیح ابن حبان ج ۴، رقم الحديث: ۵۳۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵، ص ۸۶، مسند احمد ج ۱، ص ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۸، المعجم الصغیر ج ۱، رقم الحديث: ۳۵۷، مسند ابویوسف ج ۲، رقم الحديث: ۳۰۹، مسند حیدری، رقم الحديث: ۲۸، شرح السنہ ج ۶، رقم الحديث: ۲۹۳۰، ۲۹۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدل چلتے ہوئے کھلتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۸۷، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث: ۳۲۲۱، صحیح ابن حبان ج ۴، رقم الحديث: ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، ۵۳۲۷، مسند ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۲۰۵، سنن دارمی ج ۲، رقم الحديث: ۳۷۵، مسند احمد ج ۲، ص ۱۰۸، طبع قدیم، مسند احمد ج ۲، رقم الحديث: ۵۸۷۹، طبع جدید دار الفکر، مسند ابی یاسر، رقم الحديث: ۱۱۰۳، التستی، رقم الحديث: ۸۶۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۲۸۳، مختصر اتفاق السلف، ج ۵، رقم الحديث: ۳۲۲۵)

عماد بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہو کر (شروب) پیتے ہوئے دیکھا۔ امام ابویوسف نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۳، رقم الحديث: ۱۸۹۰، مسند احمد ج ۲، ص ۲۱۵، ۲۰۶، ۱۹۰، ۱۷۹، ۱۷۳، شرح السنہ ج ۶، رقم الحديث: ۲۹۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے (شروب) پیتے ہوئے دیکھا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحديث: ۱۲۳۵، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۵، ص ۸۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے (کوئی شروب) پیتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ امام بزار کی روایت میں ہے آپ نے کھڑے ہو کر دودھ پیا۔

(مسند ابویوسف ج ۶، رقم الحديث: ۳۵۶۰، مسند البراء ج ۳، رقم الحديث: ۲۸۹۹) حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ امام ابویوسف اور امام بزار کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵، ص ۷۹) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ من کے پاس تشریف لائے، من کے گھر میں ایک مشک لگی ہوئی تھی، آپ نے کھڑے ہو کر مشک کے منہ سے پانی پیا۔

(مسند احمد ج ۳، ص ۱۹، ج ۶، ص ۳۳۶، ۳۷۱، المعجم الکبیر ج ۲۵، ص ۵۶۳، المعجم الاوسط ج ۱، رقم الحديث: ۷۵۸، شرح معانی الآثار ج ۲، ص ۳۵۸)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں البراء بن زید ہے۔ اس کو کسی نے ضعیف نہیں کہا۔ (حافظ ابن حجر نے کہا

یہ متحمل ہے۔ تقریباً تہذیب 'ج' ص ۳۳ اور اس حدیث کے باقی تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد 'ج' ۵ ص ۷۹)  
 کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اور جواز کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء  
 علامہ یحییٰ بن شرف نوادی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز اور ممانعت کی دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت کراہت تنزیہی پر  
 محمول ہے اور نہی منہیہ پر کھڑے ہو کر پانی پینے جواز پر محمول ہے۔ اور نہی منہیہ کا فعل مکروہ تنزیہی نہیں ہے کیونکہ آپ پر  
 شریعت کا بیان کرنا واجب ہے آپ کو اس عمل میں واجب کا ثواب ملے گا۔

المجمع مسلم شرح النوادی 'ج' ۹ ص ۵۵۳۵ مطبوعہ مطبوعہ کتبہ زار مصطفیٰ اباز مکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابیہم المالکی القرطبی المتوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس نے نہی منہیہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ علماء میں سے کسی نے  
 بھی اس ممانعت کو تحریم پر محمول نہیں کیا یہ صرف غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ہے۔ جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا  
 جائز ہے اور سلف میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور جمہور فقہاء اور امام مالک  
 اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نہی منہیہ نے زمرہ کا پانی کھڑے ہو کر پیا ہے اور ان کے نزدیک نہی منہیہ کا یہ فعل ممانعت کی  
 احادیث کے بعد ہے کیونکہ یہ حجت الوداع کا واقعہ ہے تو یہ اس ممانعت کا مخالف ہے اور آپ کے بعد خلفاء ثلاثہ نے بھی اس  
 ممانعت کے خلاف عمل کیا اور یہ بات بہت بعید ہے کہ ممانعت کی احادیث ان سے مخفی رہیں جبکہ وہ نہی منہیہ کے ساتھ لازماً  
 رہتے تھے اور دین پر عمل کرنے میں بہت سخت تھے۔ اور اگر صحیح کا قول نہ کیا جائے اور ان احادیث میں تطبیق دی جائے تو یہ کہا  
 جائے گا کہ ممانعت کی احادیث خلاف اولیٰ پر محمول ہیں۔

حضرت انس نے قتلہ کے سوال کے جواب میں یہ فرمایا کہ کھانے کا معاملہ تو اور زیادہ برا ہے۔ اس کا اہل علم میں سے کوئی  
 قائل نہیں ہے اور یہ محض ان کی رائے ہے روایت نہیں ہے اور اصل اباحت ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ کھڑے ہو کر کوئی شخص جلدی سے  
 ڈگڈگا کر پانی پئے گا تو اس کو درد ہو جائے گا یا اس کا گلہاٹھ جائے گا یا اس کے حلق یا معدہ میں درد ہو جائے گا۔ اس لیے اس کو  
 کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیے اور نہی منہیہ نے اس وقت کھڑے ہو کر پانی پیا جب آپ کو یہ خطرہ نہیں تھا۔ یا کسی ضرورت یا  
 حاجت کی بنا پر یا خصوصاً اس لیے کہ آپ زمرہ پر تھے اور وہ لوگوں کے رش کی جگہ ہے یا آپ نے اس لیے کھڑے ہو کر پانی پیا  
 تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ یا اس لیے کہ زمرہ کا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب تھا۔

حضرت ابو ہریرہ جوہر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ  
 پئے۔ سو جس شخص نے بھول کر پیا وہ سزا کے درجے پر ہے۔

اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو شخص بھول کر کھڑے ہو کر پانی پئے اس پر قے کرنا واجب نہیں ہے۔ بعض مشائخ نے کہا  
 زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ جوہر کا قول ہے اور کھڑے ہو کر کھانے کے جواز میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہر چند  
 کہ قتلہ کی رائے اس میں مختلف ہے۔ ۱۔ 'مجموع' ۵ ج ص ۲۸۵-۲۸۶ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ

علامہ محمد بن خلیفہ دمشقی مالکی متوفی ۸۴۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور اکثر فقہاء نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے۔ اور ایک قوم نے ممانعت کی احادیث کی بنا پر کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہا ہے۔ ہمارے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اس شخص کی طرف راجع ہیں جو اپنے اصحاب کے لیے پانی لے کر آیا اور ان کو پانی پلانے سے پہلے خود کھڑے ہو کر پانی پی لیا جبکہ احسن طریقہ یہ ہے کہ قوم کے ساقی کو سب سے آخر میں پانی پینا چاہیے اور ان میں ظاہر تطبیق اس طرح ہے کہ ممانعت کی احادیث تنزیہ پر محمول ہوں اور کھڑے ہو کر پینے کی احادیث جواز پر محمول ہوں یا یہ کہا جائے کہ ممانعت کی احادیث اس پر محمول ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے صحت بدن کو ضرر کا خطرہ ہے۔ اس لیے آپ نے احتیاطاً کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا اور انھیں نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پینے سے ہیٹ کی بیماری ہوتی ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام بخاری نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ممانعت کی یہ احادیث صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف جواز کی احادیث روایت کی ہیں۔ امام مسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی تین حدیثیں روایت کی ہیں اور تینوں معلول ہیں۔ پہلی حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۳) قتادہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ اور یہ معنی ہے اور شعبہ قتادہ کی احادیث سے اجتناب کرتے تھے جب تک کہ وہ حدیثانہ کہیں۔ دوسری حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۵) قتادہ کی ابو یسعی الاسوداری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا یہ عیسیٰ غیر مشہور ہے اور اس سند میں قتادہ کا اضطراب اس کے معلول ہونے کے لیے کافی ہے۔ علاوہ ازیں یہ احادیث اباحت کے خلاف ہیں جس پر سلف اور خلف کا اجماع ہے۔ تیسری حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۶) عمرو بن حمزہ کی ابو خلیفہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے جو بھولے سے پی لے تو وہ قے کر دے۔ عمرو بن حمزہ نے کہا یہ حدیث دیگر احادیث (اباحت) سے کائنات کی گنجائش نہیں رکھتی۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ (مؤخر الذکر جملہ) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے۔ (اکمال اکمال العلم ج ۷ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسین بن محمد الطبری متوفی ۴۳۳ھ نے علامہ نووی کی طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے اور ممانعت کی احادیث کو تنزیہ پر اور اباحت کی احادیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے اور اخیر میں لکھا ہے کہ یہ ممانعت تلویب اور شلو اور اوٹی اور افضل کام کرنے کی ہدایت پر محمول ہے۔ (شرح الطبری ج ۸ ص ۱۸۷-۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر لندن کراچی ۱۴۱۳ھ)

علامہ بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۰۷ھ نے بھی علامہ طیبی کی طرح لکھا ہے۔

(مرقات ج ۸ ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ ادبیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث روایت کی ہیں اور بعض احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی ہیں۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری ج ۶ رقم الحدیث: ۵۷۸۱، ۵۷۸۲ سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحدیث: ۴۷۱۸، سنن النسائی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۰۰۰ شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۵۷) اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدل چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ (سنن الترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۸۸۷) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام طحاوی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر (مشروب) پیتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲



ص ۳۵۸ 'مسند ابراہیم' ج ۳، رقم الحدیث: ۲۸۵۸) نور نام طہلوی نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر مشک کے منہ سے پانی پیا۔ (شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۳۵۸) اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد، ج ۶، ص ۱۹، ج ۷، ص ۳۲۱، ۳۷۶، 'معجم کبیر' ج ۲۵، ص ۷۷-۷۶، 'معجم لوسط' ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۵۸) اس کے بعد علامہ عینی نے علامہ نووی اور علامہ طہلوی کی عبارات کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ علامہ نووی کی عبارات ہم نقل کر چکے ہیں اور علامہ ابو جعفر احمد بن محمد الطہلوی متوفی ۳۳۱ھ کی عبارت یہ ہے:

نیا منہ نے ہر طرف تحریک کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ حکم سے منہ لگا کر کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے تاکہ پانی بدبودار نہ ہو جائے، لہذا یہ منع کثامت پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تھا، یا امت سے کوئی اور ضرر دور کرنے کے لیے منع فرمایا۔ مہلّا انہیں کھڑے ہو کر پانی پینے سے کوئی ضرر لاحق ہو جائے اور جب وہ ضرر دور ہو گیا تو وہ ممانعت بھی اٹھ مٹتی اور جب متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اور صحابہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت اس اٹھ چکی ہے۔ ہمارے نزدیک ان احادیث کی یہی توجیہ ہے۔

(شرح معانی الاکثار، ج ۲، ص ۳۵۹، مطبوعہ کراچی، عمدة القاری، ج ۹، ص ۲۷۹، مطبوعہ ادارہ التبلیغہ الخیریہ، مصر، ۱۳۳۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ نووی شافعی اور علامہ لمبسی کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی چٹا خلاف اولیٰ ہے۔ علامہ قرطبی مالکی اور علامہ ابی مالکی کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں یا پھر آپ نے ضرر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی حنفی کا بھی یہی موقف ہے۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی کا بھی یہی رجحان ہے اور ملا علی قاری حنفی کی رائے یہ ہے کہ آپ نے بہ طور تعویب اور شفقت کے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے اور جمہور فقہاء اختلاف کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے۔

وضو کے نیچے ہوئے پانی اور زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا استحباب  
در مختار شرح غریب الاضمار میں مذکور ہے "وضو کا پینا ہو اپنی نور اسی طرح آب زمزم قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا  
بیٹھ کر پئے اور ان دو پانیوں کے سوا کھڑے ہو کر پینا مکروہ تنزیہی ہے" اس عبارت سے علامہ شاہی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آب  
زمزم اور وضو کا بقیہ پانی بھی کھڑے ہو کر پینا صرف جائز اور مباح ہے۔ مستحب نہیں ہے۔ مستحب بن کو بھی بیٹھ کر پینا ہے چنانچہ وہ  
لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں مواضع پر کھڑے ہو کر اپنے کا مکروہ نہ ہونا بھی محل کلام ہے چہ جائیکہ ان میں مستحب کا قول کیا جائے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان مواضع پر کھڑے ہو کر مینا مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ مستحب بھی نہیں ہے کیونکہ زمزم کے پانی میں شفاء ہے۔ اسی طرح وضو کے بقیہ میں بھی شفاء ہے۔

(اردو المآثر، ج ۱، ص ۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہمیں اس مسئلہ میں علامہ شاہ رحمہ اللہ کی رائے سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک آب زمزم کی تعظیم کے قصہ سے اس کو قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر پینا مستحب اور باعث ثواب ہے کیونکہ آب زمزم شعاۃ اللہ میں سے ہے اور شعاۃ اللہ کی تعظیم کرنا مستحب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى  
الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

اور جس نے اللہ کی نشانوں کی تعظیم کی تو ہے شک یہ دلوں  
کے تقویٰ سے ہے۔

## تبيين القرآن

علامہ شامی سے مقدم اجلہ فقہاء نے بھی زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب لکھا ہے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۳۲ھ لکھتے ہیں:

وضوء کے آداب میں سے یہ ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پئے اور امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پئے اور اسی طرح زمزم کے پاس بھی کھڑے ہو کر پئے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ حسن بن منصور اوزجندی (قاضی خان) متوفی ۳۹۵ھ نے وضوء کی سنتوں میں لکھا ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی کھڑے ہو کر

پئے۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الندوی ج ۱ ص ۳۵)

علامہ عالم بن اعطاء الانصاری الاندلسی المتوفی ۸۶۷ھ لکھتے ہیں:

امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی کھڑے ہو کر پئے اور دو جگہوں کے سوا کھڑے ہو کر پانی نہ پئے۔

ایک اس مقام پر اور ایک زمزم پر۔ (فتاویٰ تاتار خانیہ ج ۱ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ دارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ)

علامہ شیخ حسن بن عمار بن علی الشربلی الحنفی المتوفی ۱۰۶۶ھ لکھتے ہیں:

وضوء کا پچا ہو اپنی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کا پچا ہوا

پانی اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا ہے اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر نہ پئے اور جو بھول جائے وہ تے

کرنے۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے جو کہ طہی بنا پر ہے نہ کہ دینی بنا پر۔

(مراقی الفلاح علی ہاشم الندوی ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ مصر)

عالم گیری میں بھی وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب لکھا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۸ ص ۸، طبع مصر)

نیز علامہ شامی کی اپنی عبارت میں بھی ان کی تحقیق کے ضعیف ہونے کی تصریح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اور سراج میں مذکور ہے کہ ان دو جگہوں کے سوا کھڑے ہو کر پانی پینا مستحب نہیں ہے۔ اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے

کہ شارح (علامہ صکنی صاحب در مختار) کا اعتبار ضعیف ہے جیسا کہ اس پر حموی وغیرہ نے تجبیہ کی ہے۔ (کیونکہ اس عبارت کا

تقصایہ ہے کہ وضوء کا پچا ہو اپنی اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔)

(رد المحتار ج ۱ ص ۸۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ کا رد شلو ہے:

زمزم اور وضوء کا پانی شرع میں کھڑے ہو کر پینے کا حکم ہے اور لوگوں نے وہ اور اپنی طرف سے لگا لے ہیں۔ ایک سبیل کا

اور دو سراج جو پانی اور دونوں جھوٹے۔ (المنہج ج ۲ ص ۶، مطبوعہ مکتبہ بینک کبھی کراچی)

صدر الشریف مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۷ھ لکھتے ہیں:

اور پچا ہو اپنی کھڑے ہو کر تھوڑا پی لے کہ شفاء امراض ہے۔

(بہار شریعت ج ۲ ص ۱۲، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

نیز مولانا امجد علی لکھتے ہیں:

اسی طرح آب زمزم کو بھی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔ یہ دونوں پانی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

قُلْ مَنْ حَزَمَ نَيْتَةَ اللَّهِ الْكَتَىٰ أَخَذَ بِرِيعَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ

(اے نبی) آپ کہیے، اللہ کی نیت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی

مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً

دی ہوئی پاک چیزوں کو، آپ کہیے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو

يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ تَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ قُلْ

غور ملاحظہ فرمائیے کہ یہ آیتیں اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتی ہیں کہ آپ کہیے

إِنَّمَا حَزَمَ رَبِّيُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمُ

کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ اور گناہ کو اور

الْبَغْيِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا

غاصب زیادتی کو، اللہ کے ساتھ شریک بنانا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ

اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے ۰ اور ہر قوم کے لیے ایک عبادت گاہ ہے

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۴﴾

جب وہ عبادت گاہ پر پہنچے گی تو وہ نہ ایک گھنٹی پیچھے ہٹیں گے اور نہ ایک گھنٹی آگے بڑھیں گے ۰

يَبْنِي أَدَمًا مَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي

لے ادا و آدم: اگر تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں،

فَمَنْ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۵﴾ وَ

جو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا، تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمیں ہوں گے ۰ اور

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان (کو ماننے) سے انکار کیا، تو وہی لوگ دوزخ والے

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۱﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۰ پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کے متعلق جھوٹ باتیں کرے

كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمُ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ

کراہد پر بہتان یا جھوٹ یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ ثُمَّ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۖ قَالُوا آئِنَ مَا كُنْتُمْ

حتیٰ کہ جب ان کے پاس پہنچے ہوئے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے اور وہ پوچھیں گے

تَدَّاعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلٰیٰ أَنفُسِهِمْ

بتاؤ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود ہیں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے، وہ کہیں گے وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن

گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ۰ اللہ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے

قَبْلُكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ

پہلے گئے ہوتے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں، جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی

لَعَنَتْ أُخَرَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ذُكِّرُوا فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ

تو وہ اپنی جیسں جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بد ملے پہلوں کے

لأُولَٰئِهِمْ رَبُّنَا هَؤُلَاءِ ۖ أَضَلُّونَا فَأَتِيَهُمْ عَذَابٌ مُّضَاعَفًا ۚ

مستحق کہیں گے، اے ہمارے رب: ہم کراہوں نے گمراہ کیا تھا، سو تو ان کو دہاں آگ کا عذاب دے،

قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَالَتْ أُولَٰئِهِمْ

اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ۰ اور پہلے لوگ بد والوں سے کہیں گے

لَاخْرَابَهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ ۖ فَذُوقُوا الْعَذَابَ

ہمیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے ۰ عذاب ۰ کچھ اس

## بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

بہب سے جو تم کرتے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے نبی!) آپ کہئے: اللہ کی نعمت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو؟ آپ کہئے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خصوصاً ان ہی کے لیے ہیں ہم جانتے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں ۝ (الاعراف: ۳۲) لباس پہنتے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث اس آیت میں نعمت سے مراد لباس ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کھاد اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول خرچی اور تکبر کے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم جو چاہو کھاد اور جو چاہو پیو جب تک فضول خرچ یا تکبر نہ ہو۔

(صحیح البخاری کتاب اللباس باب: ج ۷ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ کعب کا بہت طواف کرتے تھے اور پاک اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان لوگوں سے فرمائیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نعمت پیدا کی ہے تم خوبصورت لباس پہنو اور اللہ کے رزق میں سے حلال چیزیں کھاؤ۔ (جامع البیان ج ۸ ص ۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۵۷ھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے۔ خواہ قیص ہو یا عمامہ ہو پھر یہ دعا کرتے: اے اللہ! حیرے لے لے حیرے لے لے تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا میں تجھ سے اس کپڑے کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس کے لیے یہ پہنایا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کپڑے کے شر سے اور جس کے لیے یہ پہنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

حضرت ام خالدہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے ان میں ایک پھوٹی اونٹنی چادر تھی۔ آپ نے پوچھا تمہاری رائے میں اس کا کون زیادہ مستحق ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس ام خالدہ کو لاؤ۔ ان کو بلایا گیا تو آپ نے وہ چادر ان کو پہنادی آپ نے دوبار فرمایا: تم اس کو پرانا کپڑا اور دوسروں کے لیے پھوڑا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۵)

لباس کی انواع اور اقسام کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو تمام کپڑوں میں قیص سب سے زیادہ پسند تھی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

حضرت مسور بن عزمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شروانیایں تقسیم کیں اور عزمہ کو کچھ نہیں دیا۔ عزمہ نے کہلائے بیٹے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو میں ان کو لے گیا۔ پھر کہلاؤ رسول اللہ ﷺ کو میرے لیے بلاؤ۔ میں



نے آپ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے اور آنحلیک آپ کے پاس ان شرواتیوں میں سے ایک شرواتی تھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے اس کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۷۸، صحیح ابوداؤد: رقم الحدیث: ۵۸۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو تہبند میسر نہ ہو وہ شلوار پہنے اور جس شخص کو جوئے میسر نہ ہوں وہ موزے پہنے۔ (صحیح ابوداؤد: رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت مسمر کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ کی اپنی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔ (صحیح ابوداؤد: رقم الحدیث: ۵۸۰۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (المعجم الاوسط: ج ۷، رقم الحدیث: ۷۷۹، صحیح ابوداؤد: ج ۵، ص ۳۸) حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قضاہ حاجت کے لیے گئے پھر آپ آئے میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا۔ آپ نے وضو کیا اس وقت آپ نے شاہی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آپ نے کلی کی تاک میں پانی ڈالا اور چہرہ دھویا۔ پھر آپ اپنی کلائیوں کو آستینوں سے نکالتے گئے۔ وہ آستینیں تنگ تھیں پھر آپ نے کوٹ کے نیچے سے ہاتھوں کو نکل لیا اور کلائیوں کو دھویا اور سر پر نور موندوں پر مسح کیا۔

(صحیح ابوداؤد: رقم الحدیث: ۵۷۹۸، صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۶۱۶، سنن ابوالقاسم: رقم الحدیث: ۱۱۳۳) جعفر بن عمرو بن خنیس کے والد جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ منبر پر تشریف فرماتے اور آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور عمامہ کی ایک طرف (شمال) کو دو کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۰۷۷، صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۳۵۹، سنن ابوالقاسم: رقم الحدیث: ۵۳۳۵، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۸۷)

### لباس کے رنگوں کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سفید لباس پہنو۔ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے سروں کو کفن (دور بہترین سرور) اٹھ ہے یہ نظر تیز کرتا ہے اور ہل اگاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۰۶۱، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۶۶)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ متوسط کھٹ کے تھے۔ میں نے آپ کو سرخ طہ (ایک قسم کی دو چادریں) ایک بہ طور تہبند باندھی جائے اور ایک ہلائی بدن پر پیٹ لی جائے) میں دیکھا۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (صحیح ابوداؤد: رقم الحدیث: ۵۸۳۳)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرخ طہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کوئی ذی لہ (س کے مال) کالوں کی لوسے تجلوز ہوں) نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۲۳۷، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۷۸۳، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۷۳۰، سنن ابوالقاسم: رقم الحدیث: ۵۳۳۸)

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: ۳۷۶۷)

عبداللہ بن بکر اپنے والد جریج سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیصیں پہنے ہوئے آئے وہ چلتے ہوئے لڑکھڑاہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ (حدیث: ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۵۳۳۵) (جن احادیث میں سرخ لباس کی ممانعت ہے وہ مروج اور ضعیف ہیں یا موقوف ہیں)

(مصنف ابن ابی شیبہ 'رقم الحديث: ۴۷۷۷' سنن ابن ماجہ 'رقم الحديث: ۳۶۳۰' سنن ابوداؤد 'رقم الحديث: ۴۰۹' سنن النسائی 'رقم الحديث: ۱۳۳)

ذید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ سے بھر جاتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ کو اس سے زیادہ لور کوئی رنگ پسند نہیں تھا اور آپ اپنے تمام کپڑوں کو رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی۔ (جن احادیث میں زرد لباس کی ممانعت ہے وہ بھی ضعیف یا مودول ہیں)

(سنن ابوداؤد 'رقم الحديث: ۴۰۷۳' سنن النسائی 'رقم الحديث: ۵۰۸۸' صحیح ابوداؤد 'رقم الحديث: ۵۸۵۱' صحیح مسلم 'رقم الحديث: ۱۸۸۷)

حضرت ابو رث جویہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد جویہ کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا آپ پر دو بزرگ کی چادریں تھیں۔

(سنن ابوداؤد 'رقم الحديث: ۴۰۷۵' سنن النسائی 'رقم الحديث: ۵۳۲۱' سنن الترمذی 'رقم الحديث: ۲۸۲۱' صحیح ابن حبان 'رقم الحديث: ۵۹۹۵' سند احمد 'رقم الحديث: ۵۳۱' المعجم الکبیر 'ج ۲' رقم الحديث: ۷۱' سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۸' ص ۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک صبح کو باہر گئے اور آپ کے اوپر سیاہ رنگ کی اوننی چادر تھی۔

(سنن الترمذی 'رقم الحديث: ۲۸۲۲' صحیح مسلم 'رقم الحديث: ۲۰۸۱' سنن ابوداؤد 'رقم الحديث: ۴۰۳۲' اجلے صاف اور عمدہ لباس پہننے کے متعلق احادیث)

حضرت عبداللہ بن مسعود جویہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ جمیل (حسین) ہے اور جمل سے محبت کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(صحیح مسلم 'رقم الحديث: ۹' سنن الترمذی 'رقم الحديث: ۲۰۰۶' سنن ابوداؤد 'رقم الحديث: ۴۰۹۰' سنن ابن ماجہ 'رقم الحديث: ۵۹' شعب الایمان 'ج ۵' رقم الحديث: ۴۷۳)

امام احمد کی روایت میں ہے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تیل لگا ہوا ہو اور میری جوتی نئی ہو۔ اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتیٰ کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ جمل ہے اور سبے شک اللہ جمیل ہے اور جمل سے محبت کرتا ہے۔ لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

(سند احمد 'ج ۲' رقم الحديث: ۲۷۸۹' طبع جدید 'دار الفکر' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ سند احمد 'ج ۳' رقم الحديث: ۲۷۸۹' طبع دار الحديث 'کاہرہ' ۱۳۲۲ھ)

ابوالاحوص کے والد جویہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھے گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارا پاس مل ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! میرے پاس ہر قسم کا مل ہے۔ (دوسری روایت میں ہے: میرے پاس اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام ہر قسم کا مل ہے) آپ نے فرمایا جب اللہ نے تمہیں مل دیا ہے تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ (سنن النسائی 'رقم الحديث: ۵۳۳۰' سنن ابوداؤد 'رقم الحديث: ۴۰۷۳' شعب الایمان 'ج ۵' رقم الحديث: ۴۷۳)

مردین شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دلوا چڑھنے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۲۸، مسند احمد، ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۹۵۳، دار الفکر، طبع جدید)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاں غبار آلود اور بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کے ساتھ یہ اپنے بالوں کو سنوار سکے؟ ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ نے فرمایا: کیا اس شخص کو پانی میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو سکے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۰۷۳، شعب الایمان، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۷۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام صاف ستھرا ہے سو تم صاف ستھرے رہو کیونکہ جنت میں صرف صاف ستھرے لوگ داخل ہوں گے۔

(المسلم الاوسط، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۸۹۰) (اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے۔ جس وقت ہم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اسائے کی طرف آ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ اس وقت مجھے دسترخوان میں ایک چھوٹی سی گکڑی ملی۔ آپ نے پوچھا یہ تم کو کہاں سے ملی؟ پھر آپ نے کوئی ہلت ذکر کی۔ پھر ایک شخص چلا گیا جس نے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: کیا اس کے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے دو کپڑے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں جو میں نے اس کو پہنائے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ وہ دو کپڑے پہن لے۔ اس نے جا کر وہ کپڑے پہن لیے۔ (الحدیث) امام بزار نے اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک کی سند صحیح ہے۔ (مسند البراء، رقم الحدیث: ۲۹۷۳، ۲۹۷۴، ۲۹۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے ایک کپڑا پس کر نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟ پھر ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو حضرت عمر نے کہا: جب اللہ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔ (الحدیث) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۶۵)

محمد بن سیرین نے کہا: تمیم نے ایک ہزار درہم کی چادر خریدی جس کو پس کر وہ نماز پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، رقم الحدیث: ۴۹۶۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سے ایک شخص کو سات سو درہم کا لباس خرید کر پہنایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، رقم الحدیث: ۴۹۶۱)

قیمتی اور معمولی لباس پہننے کی احادیث میں تطبیق

بعض احادیث میں خوب صورت لباس نہ پہننے اور معمولی کپڑے پہننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہم پہلے وہ احادیث بیان کریں گے اور پھر ان کی توجیہات ذکر کریں گے۔

سل بن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے تواضع کرتے ہوئے (نمائت قیمتی) لباس کو ترک کر دیا، حلالا تک وہ اس پر قادر تھا، اللہ

تعالیٰ قیامت کے دن اس کو لوگوں کے سامنے بلائے گا حتیٰ کہ اس کو اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جس حلہ کو چاہے پہن لے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۳۸۹، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۴۴۳۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۵۳، مسند احمد، ج ۷، رقم الحديث: ۱۹۷۷۹، المستدرک، ج ۱، ص ۱۷۱، ج ۲، ص ۳۳۳، شعب الایمان، ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۸)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قدرت کے بلوجود خوبصورت لباس کو توافضاً ترک کر دیا اللہ اس کو عزت کے ملے پہنائے گا۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)

(سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۷۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس شخص سے محبت کرتا ہے جو روزِ مردہ استعمال کے عام کپڑے پہنتا ہے اور اس کی پردہ نہیں کرتا کہ اس نے کیا پہنا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابویہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (شعب الایمان، رقم الحديث: ۱۹۷۷۹)

ان روایات کا ایک جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں مردہ اور قیمتی کپڑے پہننے کی ترغیب دی گئی ہے وہ صحیح السند ہیں اور یہ احادیث حسن یا ضعیف ہیں۔ اس لیے یہ روایات ان احادیث سے معلوم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام کا فتوا اعتدال اور میانہ روی کی ہدایت دیتا ہے۔ انسان نہ تو ایسا کرے کہ اچھے اور صاف ستھرے لباس پر قدرت کے بلوجود پٹھے پرانے اور میلے کپڑے پہنے اور نہ ایسا کرے کہ نصیبت کا خزانہ اور طعنه لاق والی پوشاک پہنے۔ نہ اس قدر گھٹیا اور معمولی کپڑے پہنے جس سے اس کی خساست اور ذلت کا ظہور ہو اور نہ اپنی حیثیت سے بلند کر قیمتی لباس پہنے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان کی قلبی واردات اور دلی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی اس پر صبر اور زہد کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ روزِ مردہ کے معمولی کپڑے پہنتا ہے اور کبھی اس پر اللہ کی نعمتوں کے اظہار اور شکر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ مردہ اور قیمتی لباس پہنتا ہے۔ ہم جس آیت کی تفسیر کر رہے ہیں اس میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمت کے اظہار کا حکم ہے اس لیے مردہ اور قیمتی لباس کے سلسلے میں مزید چند احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن العنصلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو سو تم اپنی جوتیوں کو ٹھیک کر دو اور حسین لباس پہنو۔ (الحديث: شعب الایمان، ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے وہب بن کیمان نے بتایا۔ میں نے نبی ﷺ کے چھ اصحاب کو دیکھا جو خز (ریشم اور لون کا مخلوط) لباس پہنتے تھے۔ (شعب الایمان، ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۳)

مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے تمام فقہاء کو حسین لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۵، رقم الحديث: ۶۲۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی میلے کپڑوں میں نہیں دیکھا۔ آپ کبھی کبھی تیل لگانا پسند کرتے تھے اور سر میں کنگھی کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میلے کپڑوں اور پرانے بالوں کو پسند کرتا ہے۔ (شعب الایمان، ج ۵، رقم الحديث: ۳۳۷۱)

## لباس پہننے کے شرعی اور فقہی احکام

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی حنفی ۵۲۵ھ لکھتے ہیں:

لباس پہننا بعض صورتوں میں فرض ہے، بعض میں واجب، بعض میں مستحب، بعض میں مباح، بعض میں مکروہ اور بعض صورتوں میں حرام ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فرض: لباس کی جتنی مقدار شرم گھمچانے کے لیے ضروری ہو اتنی مقدار کا لباس پہننا فرض ہے۔ (مو کی شرم گھمچانے سے گھٹنے تک ہے اور عورت کا تمام بدن شرم گھمچانے کے لیے ضروری ہے۔) عورت کے سامنے چہرے، ہاتھ اور پیروں کو ظاہر کرنا جائز ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے بلا ضرورت شرعی ان کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

واجب: سردی اور گرمی کے اثرات سے جسم کو محفوظ کرنے کیلئے جس قدر لباس پہننا ضروری ہو اس کا پہننا واجب ہے۔ مستحب: انکسار زینت کے لیے قدر زائد اور خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کے لوہر اس کی نعمت کے آثار دکھائی دیں۔ اسی طرح سفید، سیاہ اور سبز رنگ کا لباس پہننا مستحب ہے۔

مباح: جمعہ اور عید کے مواقع پر اور تقریبات اور محافل میں قیمتی اور نفیس لباس پہننا مباح ہے۔ اسی طرح رنگنے کے بعد حیوانوں اور درختوں کی کھالوں کا لباس پہننا بھی مباح ہے۔

مکروہ: ہر وقت قیمتی اور نفیس پوشاک پہننا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے ضرورت مندوں کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے اور اس میں اسراف ہے اور تکبر کا خطرہ ہے۔ تکبر یہ ہے کہ وہ قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر معمولی کپڑے پہننے والوں کو کمتر اور حقیر جانے۔

حرام: ریشم کا لباس مردوں کے لیے حرام ہے البتہ اگر کسی کپڑے پر چار انگل کی مقدار ریشم کے تیل بولے بنے ہوئے ہوں تو پھر جائز ہے۔ اسی طرح اگر چار انگل کی مقدار سولے کلام کیا ہوا ہو تو پھر بھی جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: نبی اللہ ﷺ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین چار انگلیوں کی مقدار کے۔

(صحیح مسلم، لباس: ۱۵، (۲۰۶۸) ۵۳۱۸، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۵۲۷، سنن کبریٰ للسلیمان، رقم الحديث: ۹۳۰، صحیح ابن حبان، رقم الحديث: ۵۳۳۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحديث: ۳۱۵)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے۔ انہوں نے ایک طرابلسی کسوتی جبہ لکھا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے کہا: جبہ حضرت عائشہ کی وقت تک بن کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ نبی ﷺ اس جبہ کو پہنتے تھے۔ ہم اس جبہ کو دیکھ کر اس کا پانی پیادوں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفا طلب کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۲۰۵۳، صحیح مسلم، لباس: ۱۰، (۲۰۶۸) ۵۳۱۰، سنن کبریٰ للسلیمان، ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۸۸، رد المحتار، ج ۵، ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ موفیقا، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

زینت اور تجمل کے متعلق مفسرین مذاہب اربعہ کی تحقیق

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ۵۲۱۸ھ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:



یہ آیات عمدہ اور نفیس کپڑوں کے پینے پر دلالت کرتی ہیں۔ عید جمعہ لوگوں سے ملاقات اور رشتہ داروں کی ملاقات کے وقت قیمتی اور خوبصورت لباس پہننا چاہیے۔ امام ابو العالیہ کہتے ہیں کہ مسلمان جب ایک دوسرے کی زیارت کرتے تھے تو خوبصورت لباس پہنتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مسجد کے دروازے پر ایک ریشتی حلقہ فروخت ہوتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ جمعہ اور وفود سے ملاقات کے وقت پینے کے لیے یہ حلقہ خرید لیتے تو اچھا ہوتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کپڑے کو نہ پہننا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ نبی ﷺ نے اس لباس کے خوبصورت ہونے کی بناء پر اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کے ریشتی ہونے کی وجہ سے منع فرمایا تھا۔ حضرت قسیم داری جہیز نے ایک ہزار درہم کا ایک حلقہ خریداجس کو پس کر وہ نماز پڑھتے تھے۔ اور مالک بن دینار عدن کی ایک نہایت قیمتی پوشاک منگا کر پہنتے تھے۔ امام احمد بن حنبل ایک دینار کا لباس خرید کر پہنتے تھے۔ یہ حضرات کب قیمتی کپڑوں سے اعراض کر کے سونے بھونے کپڑوں کو ترجیح دیتے والے تھے؟ اور "لباس التقیوی ذالک خیر" کا معنی معمولی اور گھٹیا کپڑے پہننا نہیں ہے اور نہ یہ نفوس قدسیہ لباس استعمالی کو ترک کرنے والے نہیں تھے بلکہ یہی لوگ اصحاب علم "ارباب معرفت اور اہل تقویٰ تھے اور ثلث اور گاڑھا پینے والے دوسرے لوگ تو فساد اہل دعویٰ ہیں اور ان کے دل تقویٰ سے خلل ہیں۔ خلعین شاذب بیان کرتے ہیں کہ میں حسن بھری کے پاس گیا ان سے فرقہ لٹے کے لیے آئے۔ حسن بھری نے ان کی چادر دیکھ کر کہا اے ام فرقہ کے بیٹیاں انکی اس چادر میں نہیں ہے، انکی سینے میں ہوتی ہے اور اس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے، اسی طرح معمولی کرفی کے نیچے ہو محمدؐ ابو الحسن کے پاس لوئی جبہ پہن کر گئے، ابو الحسن نے ان سے کہا اے ابو محمد آیا تم نے اپنے دل کو صوفی بنایا ہے یا اپنے جسم کو؟ اپنے دل کو صاف رکھو خود لباس کسی قسم کا پہننا علامہ ابو الفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا میں معمولی اور پچند لگا ہوا لباس چار وجہ سے پسند کرتا ہوں:

- ۱۔ یہ سلف صالحین کا لباس نہیں ہے اور سلف صالحین بلا ضرورت لباس میں پیوند نہیں لگاتے تھے۔
  - ۲۔ اس قسم کے لباس سے غربت کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ انسان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے آثار کو ظاہر کرے۔
  - ۳۔ اس قسم کا لباس پینے سے زہد کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ ہمیں زہد کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔
  - ۴۔ اس قسم کا لباس عموماً ان لوگوں کا شعار ہے جو ظاہر شریعت سے خارج ہیں اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے۔
- علامہ طبری نے کہا ہے کہ جس شخص نے بالوں اور اون کے لباس کو سوتی لباس کے حصول کے بوجہ ترجیح دی، اس نے خطا کی، اسی طرح اس شخص نے بھی خطا کی جس نے گوشت ترک کر کے دال اور سبزی کھانا شروع کر دی۔ (یہاں اون کے کپڑوں سے یہ مراد ہے کہ بعض لوگ صوفیت کا اظہار کرنے کے لیے لون والی کھال کا لباس بنا لیتے تھے، جس کی ہیئت کذا اکی آج کل کے گاڑھے اور ٹٹ سے بھی زیادہ بد نما ہوتی تھی۔ آج کل کپڑے کی صنعت بہت ترقی کر چکی ہے اور اون کو متعدد کیمیائی مراحل سے گزار کر اس کا نہایت صاف شفاف اور قیمتی لباس تیار کیا جاتا ہے۔ ایسا لباس اس حکم میں داخل نہیں ہے، سعیدی غفرلہ) بشر بن حارث سے اون پینے کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کو برا لگا اور ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے کہا شہوں میں لوئی کپڑے پینے سے میرے نزدیک زور رنگ کا اور ریٹم اور اون کا قلوب کپڑا پہننا بہتر ہے۔
- علامہ ابو الفرج نے کہا سلف صالحین متوسط کپڑوں کا لباس پہنتے تھے، بہت قیمتی لباس پہنتے تھے نہ بہت گھٹیا کپڑے پہنتے تھے

اور جمعہ، عید اور رشتہ داروں سے ملاقات کے وقت بہت عمدہ لباس پہنتے تھے اور بہت معمولی اور حقیر کپڑے پہنتا تھا اور زہد کے اظہار کو مستحسن ہے اور یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنا ہے اور اس قسم کے لباس سے لباس پہننے والے کی تحقیر ہوتی ہے اور یہ تمام باتیں مکروہ اور ممنوع ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عمدہ لباس پہننا خواہش نفس کی پیروی ہے، اور ہمیں نفسانی خواہشوں سے جلد کرنے کا حکم آیا ہے، نیز اس میں مخلوق کو اپنی زیبائش دکھانا ہے، حالانکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمارے تمام افعال اللہ کے لیے ہوں مخلوق کے لیے نہ ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کی ہر خواہش مذموم نہیں ہے اور نہ مخلوق کے لیے ہر زینت مکروہ ہے۔ اس چیز سے اس وقت ممانعت کی جائے گی جب شریعت نے اس سے منع کیا ہو یا اس کی بنیاد دین اور عبادت میں ریاکاری ہو۔ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خوبصورت دکھائی دے اور اس چیز میں شریعت نے اس پر ملامت نہیں کی۔ اسی وجہ سے ہاؤں میں کنگھی کی جاتی ہے اور آئینہ دیکھا جاتا ہے اور عمامہ درست کیا جاتا ہے اور اندر معمولی کپڑے اور اوپر قیمتی پوشاک پہنی جاتی ہے اور ان میں سے کوئی چیز مکروہ اور مذموم نہیں ہے اور محمول نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ کچھ صحابہ دروازہ کے باہر حضور کے فخر تھے، آپ ان سے ملنے کے لیے جانا چاہتے تھے، گھر میں ایک چھانگل میں پانی تھا آپ پانی میں دیکھ کر اپنی داڑھی اور ہاؤں کو درست کرنے لگے۔

میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں جب کوئی شخص اپنے بھائیوں سے ملنے جائے تو اپنے آپ کو تیار کر کے جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل (خوب روا) ہے اور جمل کو پسند کرتا ہے اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوئے اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمل کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ اس معنی میں بکثرت احادیث ہیں جو صفائی اور حسن و جمل کے حصول پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کنگھی، آئینہ، تیل، مسواک اور سرمہ کو ساتھ لے کر سفر میں جلتے تھے۔ امام ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سر میں بست تل لگاتے تھے اور پانی سے داڑھی کو درست کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اور آپ سونے سے نعل ہر آنکھ میں تین بار سرمہ لگاتے تھے۔

(المجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۷۸-۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں زینت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ زینت سے مراد لباس ہے جس سے انسان اپنی شرم گاہ کو چھپا سکے۔

۲۔ زینت سے مراد عام ہے اور اس میں زینت کی تمام اقسام شامل ہیں۔ اس میں بدن کو صاف کرنا، سواریاں رکھنا اور انواع و اقسام کے زیورات شامل ہیں اور اگر مردوں پر سونے، چاندی اور ریشم کی حرمت کے متعلق نص نہ آئی ہوتی تو وہ بھی اس عموم میں شامل ہوتے اور پاکیزہ رزق سے مراد بھی عام ہے اس میں تمام پسندیدہ اور لذیذ کھانے پینے کی چیزیں داخل ہیں اور اس میں ازواج سے لذت اندوزی اور خوشبو لگانا بھی داخل ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں گوشت نہ کھاؤں! آپ نے فرمایا: نرم روی اختیار کرو، کیونکہ مجھے جب گوشت مل جاتا ہے تو میں گوشت کھاتا ہوں اور اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ مجھے ہر روز گوشت کھلائے تو وہ ایسا کرے گا کہ حضرت عثمان بن عفون نے کہا میرے دل میں آتا ہے کہ میں خوشبو نہ لگائوں! آپ نے فرمایا: سختی نہ کرو۔ کیونکہ جبریل نے مجھے بھی خوشبو لگانے کا حکم پہنچایا ہے اور یہ کہا ہے کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانے کو ترک نہ کریں پھر آپ نے فرمایا: اے عثمان! میری سنت سے اعراض نہ کرو، کیونکہ جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا اور توبہ سے پہلے مر گیا تو فرشتے اس کا چہرے میرے حوض سے پھیر دیں گے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نہنت کی تمام اقسام جائز ہیں اور ان سے متصف ہونے کی اجازت ہے۔ ماسوائے چیزوں کے جن کی کسی دلیل سے ممانعت ہو اسی لیے ہم نے کہا کہ قل من حرم زينة الله من نعمته کی تمام اقسام داخل ہیں۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۳۱-۲۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نہنت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

۱۔ نہنت سے مراد کپڑے ہیں اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(الف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن بصری اور علماء کی ایک جماعت نے کہا اس سے یہ مراد ہے کہ کپڑے پن کر طواف کیا کرو۔

(ب) مجاہد اور زہلج وغیرہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں شرمگاہ کو ڈھانپا جائے۔

(ج) علامہ طبرسی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جمعہ اور عید وغیرہ میں خوبصورت اور دیدہ زیب لباس پہنا جائے۔

۲۔ ابو زین نے کہا نہنت سے کنگھی وغیرہ مراد ہے۔ (زوائد المسیر، ج ۳، ص ۱۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے عذوا زینتکم عند کل مسجد یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں جانے کے لیے نہنت و لالہ لباس پہننا مستحب ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جمعہ اور عید میں اس کو میرے لیے مستحب کیا گیا ہے۔ (احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۳، مطبوعہ سبیل الایضی لاہور ۱۳۰۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے عذوا زینتکم عند کل مسجد بعض مفسرین نے یہاں نہنت سے خوبصورت لباس مراد لیا ہے۔ کیونکہ اس لفظ سے یہی معنی قیام ہے۔ امام باقرؑ چوٹی کی طرف بھی یہی تفسیر منسوب ہے۔ روایت ہے کہ جب امام حسنؑ چوٹی نماز پڑھنے جاتے تو نہنت عمدہ لباس پہنتے۔ ان سے کہا گیا کہ اے ابن رسول اللہ! آپ اس قدر عمدہ لباس کیوں پہنتے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تو میں اپنے رب کے لیے جمال اختیار کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ نہنت سنت ہے واجب نہیں ہے۔ (روح المعانی، ج ۸، ص ۱۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قل من حرم زينة الله (الآیہ) کی تفسیر میں علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جس وقت حضرت حسینؑ شہید ہوئے تو انہوں نے خز (ریشم اور لون کا مخلوط کپڑا) کا جب پہنا ہوا تھا اور حضرت علیؑ چوٹی نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف بھیجا تو انہوں نے سب سے افضل کپڑے

پہننے سے اچھی خوشبو لگتی اور سب سے اچھی سواری پر سوار ہوئے اور جب خوارج نے ان کو دیکھ کر یہ کہا کہ آپ ہم میں سب سے افضل ہیں اور آپ حکمران کا لباس پہن کر اور ان کی سواری پر بیٹھ کر آئے ہیں تو حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده اور حق بات یہ ہے کہ جس زینت کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے اور اس کے استعمال میں کوئی توقف نہیں کیا جائے گا لایہ کہ اس میں تکبر کا دخل ہو۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک ہزار درہم کی چادر لوڑھ کر تشریف لے گئے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چادر سونہار کی چادر اوڑھتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اور امام محمد بھی بہت قیمتی لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے میں اس لیے زیب و زینت کے ساتھ رہتا ہوں کہ میری بیویاں کسی اور کی زیب و زینت کی طرف نہ دیکھیں۔ اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کوئی نعمت دیتا ہے تو وہ یہ پہنتا ہے کہ اس بندے پر اس نعمت کے آثار نظر آئیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیوند لگی ہوئی قمیص نہیں پہنتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل ان کی تبلیغ کرتے تھے اور یہ خدشہ تھا کہ اگر آپ نے قیمتی لباس پہنا تو آپ کے عمل بھی قیمتی لباس پہننے کے لئے لوگ اگر ان کے پاس پیسے نہ ہوئے تو پھر وہ لوگوں سے یا اموال مسلبین سے ناجائز طور پر پیسے حاصل کریں گے۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو مسلمانوں کے لیے زینت اور نفع کے حصول کا باعث ہو وہ حلال ہے۔ ماسوا اس کے کہ اس کی حرمت یا کراہت پر قرآن اور سنت میں کوئی نص موجود ہو اور اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کے حصول میں مسلمانوں کے لیے ضرر ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک کرنے میں ہی مسلمانوں کا نفع ہے اور موجب ضرر اشیاء کی حرمت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

(البقرہ: ۱۹۵)

اس آیت سے یہ قلعہ بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی تمام کاموں کا کرا اصل میں جائز اور مباح تھا پھر جن کاموں کی قرآن اور حدیث میں ممانعت آگئی وہ ممنوع ہو گئے اور باقی تمام کام اپنی اصل پر جائز رہے۔ مثلاً پہلے شراب پینا اور جو اکیلنا مباح تھا اسی طرح پہلے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا مباح اور جائز تھا اور جب ان کاموں کی ممانعت شریعت میں آگئی تو یہ کام ممنوع ہو گئے۔

علامہ سید محمد امین ابن علی بن شامی متوفی ۱۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

تحریر (از علامہ ابن حنبل) میں یہ تصریح ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کا فکرمذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (التحریر مع شرح التیسیر ج ۱ ص ۷۷) مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض اور علامہ ابن حنبل کے شاگرد علامہ قاسم نے بھی ان کی اتباع کی ہے اور ہدایہ کی فصل حداد میں بھی مذکور ہے۔ اباحت اصل ہے۔ (حدایہ تولى ص ۳۲۸ مطبوعہ مکتبہ شرک طبعہ لبنان) اور قاضی خان نے الخلل والاباحہ کے لواکل میں لکھا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیہ الحدیث ج ۳ ص ۳۰۰) مطبوعہ مطبعہ امیر کبری بولاق مصر ۱۳۰۰ھ اور تحریر کی شرح میں مذکور ہے کہ یہ جمہور کے معتزلہ یہ کثرت شافعیہ اور اکثر حنفیہ خصوصاً عراقیوں کا قول ہے اور امام محمد نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ایک شخص کو کسی نے کہا مودار کھلایا

شراب پیو' ورنہ میں تم کو قتل کردوں گا اور اس نے اس شخص کا کمانہ ملا اور اس شخص نے اس کو قتل کر دیا تو مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ گنہ گار ہو گا کیونکہ مردار کھانا اور شراب پینا صرف اللہ کے منع کرنے سے حرام ہوا ہے۔ اس عبارت میں امام محمد نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو ممانعت کے عارض ہونے کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے۔ (تیسیر التحریر 'ج ۲' ص ۴۱۱) مطبوعہ ریاض) اور شیخ اکمل الدین نے اصول بزودی کی شرح میں لکھا ہے کہ استیلاء کفار کے ہاں میں شارح نے جو یہ لکھا ہے کہ اباحت معتزلہ کی رائے ہے (در مختار علی حاشیہ رد المحتار 'ج ۳' ص ۲۲۳) اس پر اعتراض ہے۔

(رد المحتار 'ج ۱' ص ۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

نیز علامہ ابن عابدین شامی حنفی متونی ۴۵۴ھ لکھتے ہیں:

شارح (صاحب در مختار) کا یہ کہنا کہ اباحت معتزلہ کی رائے ہے کتب اصول کے مخالف ہے کیونکہ علامہ ابن عمام نے تحریر میں یہ لکھا ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اصول بزودی کی شرح میں علامہ اکمل الدین نے فرمایا ہے ہمارے اکثر اصحاب اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جن باتوں کے متعلق یہ جائز ہے کہ شریعت ان کے مباح ہونے کا حکم دے یا ان کے حرام ہونے کا حکم دے وہ تمام کام احکام شرع وارد ہونے سے پہلے اپنی اصل پر مباح ہیں۔ حتیٰ کہ جس شخص تک شریعت نہ پہنچی ہو اس کے لیے مباح اور جائز ہے کہ وہ جو چاہے کھائے۔ امام محمد نے کتاب اما کراہ میں اسی طرح اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا مردار کھانا اور شراب پینا صرف شرعی ممانعت کی وجہ سے حرام ہے۔ پس انہوں نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو عارضہ ممانعت کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے۔ جبلی (معتزلی) ابو ہاشم اور غیر مقلدین کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے بعض اصحاب اور بعض اصحاب شافعی اور معتزلہ بغداد کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل ممانعت ہے اور اشاعرہ اور عام محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے۔ حتیٰ کہ جس شخص تک شرعی احکام نہ پہنچے ہوں وہ کسی چیز کو نہ کھائے اگر اس نے کھایا تو اس کے فعل کو نہ حلال کہا جائے گا نہ حرام۔

(رد المحتار 'ج ۳' ص ۲۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بنخلوی شافعی متونی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں اور انواع نعمات میں اصل اباحت ہے۔

(انوار التزیل مع الکازرونی 'ج ۳' ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

قرآن مجید کی ذہر بحث آیت کے علاوہ حسب ذیل حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ حضرت سلمان بن عسیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی بخیر اور پوسٹین کے متعلق سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے کتب میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس چیز کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا وہ حرام ہے۔ اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا وہ مطلق ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۷ المستدرک ج ۲ ص ۱۱۵)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتونی ۱۰۳۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (مرقات 'ج ۸' ص ۴۳ مطبوعہ مکتبہ اہل البیت ملکن ۱۳۹۰ھ)

قاضی ابوبکر ابن العزیزی المالکی المتونی ۱۰۳۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت سلمان کا قول ہے لیکن اس کا معنی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ



تعلیٰ نے نہیں چند چیزوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرو اور چند چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرو۔ اور اس نے اپنی رحمت سے چند چیزوں سے سکوت فرمایا ان کے متعلق سوال نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۳ سنن دار قطنی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۳۳۵۰)

اور جب نبی ﷺ کسی چیز کا حکم دیں تو اس کی تعمیل کرنے پر بھی اتفاق ہے اگرچہ اس کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ امر واجب ہے یا مستحب۔ اور جب کسی چیز سے منع فرمائیں تو اس سے اجتناب پر بھی اتفاق ہے اگرچہ اس کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی اور جس چیز سے رسول اللہ ﷺ سکوت فرمائیں اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصل میں مباح ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اصل میں موقوف ہے۔

(امارۃ الاحوذی ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

### معمولات اہل سنت کا جواز اور استحسان

جب یہ واضح ہو گیا کہ تمام کاموں میں اباحت اصل ہے اور جس چیز کے عدم جواز یا کراہت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اس کام کو کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اس اصول پر اہل سنت کے تمام معمولات جائز ہیں مثلاً بغیر محسن شرعی کی نیت کے صل کے مختلف ایام میں میلاد شریف منعقد کرنا۔ نبی ﷺ کے فضائل اور آپ کی سیرت کا بیان کرنا، خلفاء راشدین اور اہل بیت اطہار کے ایام شہادت اور وفات میں ان کا تذکرہ کرنا اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اور اہل بیت کو قرآن خوانی اور طعام کے صدقہ کا ثواب پہنچانا۔ اسی طرح اولیاء کرام کے ایام وصال میں ان کا تذکرہ کرنا اور ان کو عبادت اور طعام کے صدقہ کا ثواب پہنچانا۔ ہر چند کہ خصوصیت کے ساتھ یہ کام حد و رسالت میں نہیں کیے گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع نہیں فرمایا اور یہ کام اسلام کے کسی حکم سے متصادم نہیں ہیں اس لیے یہ اپنی اصل پر مباح ہیں اور حسن نیت سے موجب ثواب اور باعث خیر و برکت ہیں۔ حد صحابہ اور تابعین میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مہرہ سے حضرت ابو بکر اور دیگر اکابر صحابہ کا قرآن کریم کو ایک صحیفہ میں جمع کرنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زبوح کو جماعت سے پڑھوانے کا اہتمام کرنا اور اس کو بدعت حسنہ قرار دینا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید کی قرأت کو باقی نفلت سے ختم کر کے صرف نفلت قریش پر باقی رکھنا، عبدالملک بن مروان کے حکم سے قرآن مجید کے حروف پر نقطے اور حرکات اور اعراب کا لکھا جانا، عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں مساجد کی عمارتوں میں عراب کا بیٹا جانا اور قرآن مجید کے نسخوں میں سورتوں کے اسماء اور آجوں اور رکوعوں کی تعداد کو لکھنا یہ سب بدعات حسنہ ہیں جس کو تمام امت مسلمہ نے قبول کر لیا ہے۔ سوائے سنت کے معمولات کو بھی ان ہی ظاہر کی روشنی میں جائز سمجھنا چاہیے اور بلا وجہ ان پر یہ بدگمانی نہیں کرنی چاہیے کہ انہوں نے ان معمولات کو فرض اور واجب سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح سوئم، چلم اور عرس کی عینی محبت کو محبت شرعی نہیں قرار دینا چاہیے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جیسے مساجد میں گھڑیوں کے حساب سے نمازوں کے اوقات متعین کر لیے جاتے ہیں اور کسی شخص کو بھی یہ بدگمانی نہیں ہوتی کہ یہ محسن شرعی ہے۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت اپنے عموم پر ہے ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے کہ جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہوئی ہو تو جو لوگ توشہ کیا ہوں، میلاد شریف، بزرگوں کی فاتحہ، عرس، مجالس شہادت وغیرہ کی شیرینی، سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں، وہ اس آیت کے خلاف کر کے گنہگار ہوتے ہیں اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت و مصلحت ہے۔

(حاشیہ خزائن العرفان، ص ۲۳۸ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بنو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۳۲)

ان گناہوں کا بیان جو تمام گناہوں کی اصل ہیں

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نہ جہالت میں کفار نے جن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے بن پر حرام نہیں فرمایا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ سو فرمایا اللہ تعالیٰ نے فواحش کو اثم (گناہ) کو ناحق زیادتی کو شرک کو اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنے کو حرام فرمایا ہے۔ فواحش سے مراد ہے کبیرہ گناہ اور اثم سے مراد مطلق گناہ ہے خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اس کے بعد جن تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی ناحق زیادتی شرک اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنا ہر چند کہ یہ بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ یہ زیادہ سنگین جرم ہیں اس لیے ان کا خصوصیت کے ساتھ ظہور ذکر کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ فواحش سے مراد ہے زنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً

اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے۔

(بنی اسرائیل: ۳۲)

خواہ ظاہر ہو خواہ پوشیدہ۔ ظاہر سے مراد علی الاعلان بدکاری ہے۔ جس طرح لوگ اجرت دے کر پیشہ ور عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں یا جس طرح آج کل کل گر لڑکوں سوسائٹی گر لڑکوں اور بھولوں سے بک کیا جاتا ہے اور پوشیدہ سے مراد ہے کسی لڑکی یا عورت سے عشق و محبت کے نتیجہ میں ظہیر طریقہ سے یہ کام کیا جائے۔

اور اثم سے مراد ہے شراب نوشی اور جو اکیلا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَسْتَقِيلُونَكَ عَيْنَ الثَّمَرِ وَالْثَمِيرِ قُلْ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہنے ان میں بڑا گناہ ہے۔

فِيْهُمْ مَّا لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ (البقرہ: ۲۱۹)

بعض اوقات شراب کے نشہ میں انسان دوسروں کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ان کو گالیاں دیتا ہے اور ان پر تہمت لگاتا ہے۔ اور جوئے کے نتیجہ میں مل حرام کھلایا جاتا ہے اور بعض اوقات لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ بھی ہوتی ہے۔ سو یہ تمام گناہ اس میں داخل ہیں۔

اور ناحق زیادتی سے مراد ہے کسی کا حق میں چھین لینا کسی کو ناحق قتل کرنا اور شرک سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق یا اس کے خلاف کوئی بات کرنا۔ اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کرنے سے مراد یہ ہے کہ بغیر علم اور تحقیق کے کوئی عقیدہ بنالینا۔ اور یہ پانچ گناہ تمام گناہوں کی اصل ہیں اور باقی تمام بد عقیدہ گناہیں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ان پانچ گناہوں میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے جب وہ میعاد پوری ہو جائے گی تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے ہو سکیں گے۔ (الاعراف: ۳۳)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کام حرام کیے ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اس کی زندگی کا ایک وقت معین ہے اور جب وہ وقت آجائے گا تو اس پر لا محالہ موت آجائے گی اور اس کو چونکہ موت کا وقت بتایا

نہيٰٓاِنَّ الْقُرْآنَ

نہیں کیا اس لیے وہ ہر وقت موت کا خطرہ ہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے، لیکن وہ کسی حرام کام میں مشغول ہو اور اس کی موت کا وہی وقت مقرر ہو۔

حضرت ابن عباسؓ حسن اور مقاتل نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو ایک معین وقت تک کے لیے عذاب سے صلت دی ہے سو جو قومیں اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی رہیں ان کو ایک مدت تک صلت دی گئی اور جب وہ مدت پوری ہو گئی تو ان پر عذاب آگیا اور اس کے وقت میں کوئی کی یا بیشی نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں، سو جو شخص اللہ سے ڈرے اور نیک ہو گیا تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان (کو ماننے) سے انکار کیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(الاعراف: ۳۶-۳۵)

### ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں انسانوں کی زندگی کے بعد ان کی موت کا ذکر فرمایا تھا۔ اب بتایا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تھی تو مرنے کے بعد انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا اور اگر انہوں نے اپنی یہ زندگی سرکشی اور انحراف میں گزاری تھی تو پھر مرنے کے بعد انہیں دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ رسول کا ان لوگوں کی جنس سے ہونا جن کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا

اس آیت میں اولاد آدم سے مراد اہل مکہ ہیں اور رسول سے مراد سید الرسلؐ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور آپ کے متعلق جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ میں اپنے رسول کو اسی سنت کے مطابق بھیجا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی امتوں میں اپنے رسول بھیجتا رہا تھا۔ رسولوں کو اس صفت کے ساتھ مقید فرمایا ہے کہ وہ خود تم میں سے ہیں۔ اس قید کے متعلق امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں۔ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(الف) جب رسول لوگوں کی جنس سے ہو گا تو لوگوں پر اللہ کی حجت بہ طریق ادنیٰ پوری ہوگی۔

(ب) لوگوں کو اس رسول کے علاوہ اور اس کا پاک واسن ہونا پہلے سے معلوم ہو گا۔

(ج) لوگوں کو اس کی قوت اور طاقت کا حل پہلے سے معلوم ہو گا اور جب اس سے معجزات کا ظہور ہو گا تو وہ جان جائیں گے کہ یہ افعال اس کی قوت اور طاقت سے باہر ہیں تو یہ معجزات لاکھ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو ضرور اس کو مردی

(الانعام: ۹) بناتے۔

کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جن یا فرشتہ کو اس کی اصل حقیقت کے اعتبار سے رسول بناتا تو یہ گمان کیا جاسکتا تھا کہ یہ معجزات اس کی اپنی غیر معمولی قوت سے ظہور میں آئے ہیں اور جب انسان کو رسول بنایا گیا اور اس نے چاند کو دو ٹکڑے کیا اور ڈوبا ہوا سورج لوٹایا اور درختوں سے ٹکڑے پڑھوایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ افعال انسان کی قوت میں نہیں ہیں تو ضرور اللہ کا فعل ہیں اور یہ شخص ضرور اللہ کا نائندہ اور اس کا رسول ہے جس کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ غیر معمولی افعال پیدا کیے ہیں اور اس کی تائید کے لیے معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔

(د) اگر وہ رسول کی نور جنس سے ہو تا تو لوگ اس کے ساتھ مانوس نہ ہوتے اور اس کے ساتھ ملفت اور محبت نہ ہوتی۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۸۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ رسول لوگوں کی جنس سے ہوں گے تاکہ رسولوں کی دعوت کا قبول کرنا زیادہ قریب ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۸۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ رسول تم میں سے ہوں گے یعنی بنو آدم سے ہوں گے۔ اس میں بنو آدم کو یہ حیرہ ہے کہ وہ یہ توقع نہ کریں کہ ان کے پاس فرشتوں میں سے کوئی رسول آئے گا کیونکہ رسول مرسل اللہ کی جنس سے ہوتا ہے اور اس آیت میں پہلی امتوں کے ان جہلوں پر قریض ہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی رسالت کا اس لیے انکار کیا تھا کہ وہ ان کی جنس سے تھے۔ مثلاً قوم لوح نے کہا:

مَا تَرْكُنَا لِأَبْنَاءِ بَنِي آدَمَ (ہودہ: ۴)

(اے لوح! ہم قسمیں صرف اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

اور مکہ کے مشرکین نے بھی سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا صرف اس لیے انکار کیا کہ آپ بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ  
الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا  
قُلْ لَوْ كُنَّا فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةً يَّمُشُّونَ  
مُطْمَئِنِّينَ لَنَرَيْنَا عَلَيْهِمْ قِنَ السَّمَاءِ  
مَلَكَائِرُ رَسُولًا (ہی اسرائیل: ۴۵-۴۷)

ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ رسول مرسل اللہ کی جنس سے ہوتا ہے۔

(التحریر والتمیز، ج ۸، ص ۱۰۸، مطبوعہ تہ نس)

صدر الافاضل سید محمد فہیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۸۵ھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے ساتھ ملا کر سورہ بنو اسرائیل کی آیت ۴۵-۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا اور رسولوں کو بشری جاننے رہے اور ان کے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے کلمات کے مقرر اور معترف نہ ہوئے۔ یہی ان کے کفر کی اصل تھی۔ اور اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا کیا اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے حبیب ان سے تم فرما اگر زمین میں فرشتے ہوتے چہن سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتار دیتے (کیونکہ وہ ان کی جنس سے ہوتا لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی سہہ جاتا ہے)

نوٹ: ترجمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے اور تو سین میں صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۳۹ھ بنو اسرائیل آیت ۴۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر زمین میں بجائے انسانوں کے فرشتے بستے ہوتے تو نبی بھی فرشتہ ہی آتا۔ کیونکہ نبی تبلیغ کے لیے تشریف لاتے ہیں

اور قوم کو تبلیغ دی کر سکتا ہے جو قوم کی زبان اور اس کے طور طریقوں سے واقف ہو۔ ان کے دکھ دردوں سے خبردار ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ نئی قوم کی جنس سے ہو۔ تعجب ہے کہ کفار فرشتوں کو انسان سے افضل سمجھتے تھے اس لیے کہتے تھے کہ فرشتہ نبی کیوں نہ ہو۔ مگر انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے فرشتوں کو۔

(انور العرقان، ص ۳۶۳، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات)

رسول کا لوگوں کی جنس سے ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر وہ لوگوں کی جنس سے نہ ہو تو اس کے افعال امت کے لیے نمونہ اور واجب الاتباع نہیں ہو سکیں گے کیونکہ لوگ کہہ سکیں گے کہ وہ اور جنس سے ہے اور ہم اور جنس سے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ افعال اس کی جنس سے ممکن اور سل ہوں اور ہماری جنس سے ممکن اور سل نہ ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت بندوں پر پوری نہیں ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسول نوح انسان اور ہماری جنس سے بشر بنائے اور نبی پیغمبر سے فرمایا آپ کہنے میں بشر اور رسول ہوں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ (انبی اسرائیل: ۳۰) آپ کہنے میرا رب پاک ہے میں صرف بشر اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ (الکہف: ۱۱۰) آپ کہنے میں صرف بشر ہوں تمہاری مثل اخذ انہیں (U) میری طرف وحی کی جاتی ہے ہے شک تمہارا اور میرا معبود ایک ہی ہے۔

کفار آپ کو محض بشر کہتے تھے رسول نہیں مانتے تھے اور بشرت کو رسالت کے معنی سمجھتے تھے اور یہی ان کا کفر تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ عام انسان اور عام بشر نہیں ہیں بلکہ انسان کامل اور افضل البشر اور سید البشر ہیں اور کوئی شخص کسی وجودی وصف میں آپ کا مماثل نہیں ہے بلکہ سب عدم الوجودیت میں آپ کے مماثل ہیں یعنی جس طرح ہم خدا نہیں ہیں اسی طرح آپ بھی خدا نہیں۔ بعض لوگ غلو کر کے کہتے ہیں کہ آپ نہ خدا ہیں نہ خدا سے جدا ہیں۔ نہ اللہ کے عین ہیں نہ غیر ہیں۔ یہ باطل نظریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب ہے آپ ممکن ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہے آپ حادث ہیں۔ اللہ تعالیٰ معبود ہے آپ عابد ہیں۔ اور ممکن واجب کا اور حادث قدیم کا اور عابد معبود کا غیر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ آپ کی بیعت اور شراہ اللہ کی بیعت اور شراہ ہے۔ آپ کے ساتھ معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہے اور آپ اللہ کے تابع مطلق ہیں اور اللہ کے اذن اور اس کے حکم سے مختار کل ہیں جس کو چاہیں نواز دیں اور جنت عطا فرمادیں۔ لیکن آپ کا چلنا بھی اللہ کے چلنے کے مخالف نہیں ہوتا۔ آپ اللہ کے تابع اور اللہ کے موافق ہیں۔ علیہذا اللہ۔ اللہ کے مخالف اور باغی نہیں ہیں۔

مختار کل کی وضاحت

ہم نے جو نبی پیغمبر کے متعلق مختار کل لکھا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی پیغمبر کو کل اختیار دے کر خود محفل ہو گیا ہے، معاذ اللہ یہ صریح کفر ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی پیغمبر جو کچھ کرنا چاہیں اس پر آپ قادر اور مختار ہیں کیونکہ یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے کہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ نبی پیغمبر تو چاہتے تھے کہ تمام کافر اسلام لے آئیں خصوصاً ابوطالب کے لیے آپ کی بڑی خواہش اور ہمت کو شش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے مختار کل کا ہمارے نزدیک صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کل مخلوق سے زیادہ اختیار عطا فرمایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور



اس کی مرضی کے تابع ہو کر جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرماتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے بھی دعا فرماتے ہیں اور اپنی وجاہت کی بناء پر بھی دعا فرماتے ہیں اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے براہ راست تصرف بھی فرماتے ہیں۔ ان تمام امور کے ثبوت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

**نیک مسلمان حشر کے دن آیا گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے یا نہیں!**

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو قیامت کے دن نہ مستقبل میں عذاب کا خوف ہو گا اور نہ ماضی میں انہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کا کوئی غم ہو گا۔ کیونکہ دنیا میں انہوں نے سب نیک کام کیے اور اگر اغواء شیطان یا شامت نفس سے کوئی غلط کام ہو گیا تو انہوں نے مرنے سے پہلے اس پر توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نیک مسلمانوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے کوئی خوف اور غم ہو گا یا نہیں۔ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ ان کو قیامت کی ہولناکیوں اور اس دن کی سختیوں سے کوئی غم اور خوف نہیں ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَسَادُ الْأَكْبَرُ (الانباء: ۴۴) سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہیں کرے گی۔

اور بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ نیک مسلمانوں کو بھی اس دن گھبراہٹ ہو گی ان کی دلیل یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَخْرُجُ الْمَرءُ مِنْ أَهْلِهِ وَآيِهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ شِرْءٍ يُنْفِذُ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (عبس: ۳۳-۳۷) جس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا ۝ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ۝ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے ۝ ان میں سے ہر شخص کو اس دن اپنی فکر ہو گی جو اسے (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی۔

اول الذکر علماء اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ وقتی طور پر نیک مسلمانوں کو بھی فکر اور پریشانی ہو گی لیکن مکمل کار انہیں امن اور عافیت اور فرحت اور سرور حاصل ہو گا جیسا کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجُزْءٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفَرٌ ۝ صَاحِبَةٌ مُّتَبَيَّنَةٌ ۝ وَجُزْءٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْفُقُهَا قَفْرَةٌ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ (عبس: ۳۸-۴۲) اس دن بعض چہرے روشن ہوں گے ۝ سکرات ہوئے ۝ شاداب ۝ اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چھائی ہوگی ۝ وہی لوگ کافرہ کار ہوں گے ۝

گنہ گار مسلمانوں کے لیے دائمی عذاب کا نہ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے رسولوں کی پیش کی ہوئی اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے انکسار کیا سو وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہمارے علماء نے اس آیت سے معتزلہ اور خوارج کے خلاف استدلال کیا ہے کہ گنہ گار مسلمانوں کو اگر دوزخ میں ڈالا گیا تو ان کو عذاب کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا کیونکہ دوزخ کے عذاب کا دوام اور خلود صرف کافروں کے لیے ہے جیسا کہ اس آیت میں کافروں کے متعلق یہ طریقہ صہر فرمایا ہے کہ وہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں

گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس شخص سے برا ظالم کون ہو گا جو اللہ کے حلق جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ پر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے! ان لوگوں کو کتب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے تو وہ پوچھیں گے بتاؤ کہیں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے؟ وہ کہیں گے وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (الاعراف: ۳۷)

اللہ پر بہتان باندھنے اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے کی تفصیل

اس سے پہلے آیت میں کافروں کے حلق فرمایا تھا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹایا اور ان کو ماننے سے منکر کیا۔ اب اسی سیاق میں فرمایا: پس اس شخص سے برا کون ظالم ہو گا جو اللہ کے حلق جھوٹی باتیں گھڑ کر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے!

اللہ پر بہتان باندھنے والے وہ کافر ہیں جنہوں نے جنوں کو یا ستاروں کو اللہ کا شریک بنایا یا وہ کافر جنہوں نے خود اقرار دیے ایک یزدان اور ایک اہرمین۔ یا وہ جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹیاں اور بیٹے ٹھہرائے۔ اسی طرح وہ کافر جنہوں نے بحیرہ، سائبہ، حامی اور وسیلہ کو از خود حرام قرار دیا اور پھر اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو از خود کوئی مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور اپنی طرف سے کسی مستحب کلام کو فرض یا واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن اور حدیث کی صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنے پیروں اور مولویوں کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان کافروں کا ذکر کیا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کے دلائل کا انکار کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں، خصوصاً قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں خصوصاً سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

کتاب یا لوح محفوظ میں اللہ پر بہتان باندھنے والوں کی سزا

اس کے بعد فرمایا ان لوگوں کو کتب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا کہ کتاب کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد نوشتہ اللہ ہے۔ اگر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہو تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ان کافروں کے لیے جتنا عذاب لکھ دیا تھا ان کو وہ عذاب مل کر رہے گا۔ یہ تفسیر ابو صالح اور حسن سے مروی ہے۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۲۲۲، دار الفکر)

پھر بعض علماء نے حسب ذیل آیات سے اس عذاب کی تفصیل بیان کی ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ  
وُجُوهَهُمْ مُّسْوَدَّةٌ (الزمر: ۶۰) جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ قیامت کے دن ان کے منہ کالے دیکھیں گے۔

وَنَحْشُرُ الْمُشْكِرِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا (طہ: ۳۲) اور ہم مجرموں کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

يُعْرِفُ السُّحِرُ مَوْتَ سَيِّئِهِمْ فَيُؤْخَذُ  
بِالْثَّوَابِ وَالْآقْدَامِ (الرحمن ۳۸)  
اس دن مجرم اپنی صورتوں سے پہچانے جائیں گے ان کو  
جوشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

إِذَا الْأَعْلَىٰ فِئَةٍ أَعْتَفَتْهُمْ وَالتَّنَزُّلُ  
يُسْحَتُونَ (المؤمن ۷۷)  
جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی ان کو  
اس حال میں گھسیٹا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلی ہوں گی اور ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی وہ اپنے  
چہروں سے پہچانے جائیں گے اور ان کو پیشانی اور پیٹوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں ان کے  
عذاب کی اور بھی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

کتاب کی تفسیر میں دیگر اقوال

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی جنبل متونی ۷۹۷ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

مجلد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے اہل سے جو کچھ ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے وہ  
ان کو ضرور حاصل ہو گا۔ حسن نے کہا ان کے لیے گمراہی یا ہدایت جو بھی مقدر کر دی گئی ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گی۔

حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ ان کے لیے خیر اور شر جو کچھ مقدر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گا۔  
ربیع نے کہا ان کے لیے جس قدر رزق، عمر اور عمل مقدر کر دیا گیا ہے وہ ضرور ان کو حاصل ہو گا۔

عکرمہ اور ابو صلیح نے کہا ان کے لیے جو عذاب مقرر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ملے گا۔

زبلج نے کہا ان کے لیے کتاب میں جو جزائیں بیان کی گئی ہیں وہ ان کو ضرور ملے گی۔ اور کتاب کی پانچ تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) لوح محفوظ (۲) اللہ کی تمام کتابیں (۳) قرآن کریم (۴) ان کے اہل سے (۵) قضا و قدر

(ازاد المسیر، ج ۳، ص ۱۹۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

تقدیر کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم (ج ۷) میں تفصیل سے لکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انزل میں علم تھا کہ  
بندہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کرے گا اور کیا نہیں کرے گا اور وہ اپنے اہل کے نتیجہ میں جنت کا مستحق ہو گا یا جہنم کا۔ اس کے  
اسی علم سابق کا نام تقدیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ہمارے فرشتے ان کی رو میں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے اس سے مراد ملک الموت اور اس  
کے معاون فرشتے ہیں۔ اس آیت سے مراد کفار کو سرزنش کرنا ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید کو ترک کر کے سیدنا محمد ﷺ  
کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک نہ مان لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن  
اور انس داخل ہو چکے ہیں جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی حتیٰ

کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب ہم کو انہوں نے  
گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

اور پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے سو عذاب کو چکھو اس جب سے جو تم کرتے

تھے۔ (الاعراف: ۳۸-۳۹)

## دوزخ میں کفار کے احوال

ان دو آتوں میں کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کی کیفیت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام کفار ایک ہی مرتبہ میں دوزخ میں نہیں داخل ہوں گے۔ بلکہ پہلے ایک جماعت داخل ہوگی اس کے بعد دوسری جماعت داخل ہوگی اور ان میں سابق اور مسبوق ہوں گے اور بعد میں آنے والے پہلوں کے حال کا مشاہدہ کریں گے۔

پھر فرمایا: جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ شرکین شرکین پر لعنت کریں گے۔ اسی طرح یہود یہود پر لعنت کریں گے اور نصاریٰ نصاریٰ پر۔

پھر فرمایا تو بعد والے پہلوں کے حلقہ کیسے گئے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ امت کے آخر امت کے اول سے کیسے گئے آخری زمانہ کے لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں سے کیسے گئے جنہوں نے اس بد عقیدگی کو شروع کیا تھا اور تیسرا قول یہ ہے کہ دوزخ میں آخر میں داخل ہونے والے پہلے داخل ہونے والوں سے کیسے گئے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا۔

پھر فرمایا: وہ کیسے گئے اے ہمارے رہبانم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے۔

ضعف کا معنی

ضعف کا معنی ہم نے دگنا کیا ہے۔ کیونکہ ضعف کا اکثر استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد رافع الصغلی متوفی ۵۵۴ھ نے لکھا ہے ضعف کا معنی شے اور اس کی مثل ہے۔ دس کا ضعف دس

اور سو کا ضعف سو ہے۔ (مفردات ج ۲ ص ۳۸۷ مطبوعہ مکتبہ زکریا مصطفیٰ زریاض)

علامہ محمد قدس بن ابی الخیر الجزری متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے: ضعف کا معنی دگنا ہے۔ کہا جاتا ہے اگر تم مجھے ایک درہم دو گے

تو میں تمہیں اس کا ضعف دوں گا یعنی دو درہم دوں گا ایک قول یہ ہے کہ کسی شے کا ضعف اس کی ایک مثل ہے اور دو ضعف

دو مثلیں ہیں۔ ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں ضعف کا معنی ایک مثل سے لے کر زیادہ امثال تک ہے اور یہ دو مثلوں میں

محصور نہیں ہے۔ پس کم از کم ضعف ایک مثل میں محصور ہے اور اکثر ضعف کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے یہ حدیث ہے

کہ جماعت کے ساتھ نماز تھا نماز پر چکیں درجہ ضعف ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث المساجد: ۲۴) (النهاية ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ)

## دو گنے عذاب پر ایک سوال کا جواب

پھر فرمایا: اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ اس کا یہ ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ جس قدر

عذاب کے مستحق ہوں گے ان کو اس کا دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ عدل کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو ان کے

جرائم کے مطابق ہی عذاب ہو گا۔ لیکن ان کو یہ عذاب مسلسل ہو تا رہے گا مثلاً ان کو درد کی ایک کیفیت لاحق ہوگی اس کے بعد

پھر اس کی مثل لاحق ہوگی۔ اور پھر ایک مثل لاحق ہوگی اور یہ سلسلہ مسلسل جاری رہے گا۔ اس لیے فرمایا ہر ایک کے لیے دگنا

عذاب ہے اور ہم ضعف کا معنی بیان کر چکے ہیں کہ کسی شے کی ایک مثل سے لے کر غیر متعین امثال تک ضعف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّمُ لَهُمْ آبُوبُ

بیکہ جن لوگوں نے ہمارے آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے انکار کیا ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں

السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ

کھڑے جائیں گے اللہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سرنی کے تانکے (سورخ) میں داخل ہو جائے،

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠﴾ لَكُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ

اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں ۰ ان کے لیے دوزخ (کی آگ) کا بھونکا ہوگا اور ان کے اوپر

غَوَاشٍ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اسی کا اور سنا ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ۰ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

عمل کیے، اور ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے، وہی لوگ جنت میں رہیں گے،

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ فَخَرَّ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۰ اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے غلات) رنجش کو نکال دیا ہے

مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا

ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچایا، اور اگر اللہ

كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رَسُولٌ مِّنَّا

ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے، ایک ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول ہی

بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَن تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُوَدُّ بِهَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

سے کہ آئے، اور ان کو یہ ندا کی جانے لگی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو ۰

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا

اور اہل جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ جب تک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو

رَبُّنَا حَقًّا فَمَلَّ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ

سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کے

الجنۃ



مُؤَدِّنُ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصْدَوْنَ

درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ۝ جو (لوگوں کو) اللہ کے راستے

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفِرُونَ ۝ وَ

سے روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکر تھے ۝ اور

بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۖ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمِهِمْ ۖ

ان دونوں (جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک حجاب ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی یا دوزخی) کو

وَكَاذِبًا أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوا هَادِهِمْ

اس کی علامت پہنچائیں گے اور وہ الہی جنت پہنچانے کے لیے سلام ہو، وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

يُطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا مَرِئَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا

اصدہ اس کی امید رکھیں گے ۝ اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھری جائیں گی، تو وہ کہیں گے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے انکار کیا، ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ٹانگے (سوراخ) میں داخل ہو جائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں ۝ ان کے لیے دوزخ (کی آگ) کا چھوٹا ہو گا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہو گا اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ۝

(الاعراف ۴۶-۴۰)

کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولنے کے متعدد محال

اس سے پہلے آیتوں میں بھی کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا یہ آیت بھی اسی سلسلہ سے متعلق ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

۱۔ علی بن طلحہ اور مجاہد وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کفار کے اعمال اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (فاطر: ۱۰) فرماتا ہے۔ اس کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور اللہ نیک عمل کو بلند

كَذَٰلِكَ يَنْزِلُ الْكِتَابُ الْأَمْرُ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

حق یہ ہے کہ بے شک نازل کرنے والوں کا نامہ اعمال ضرور

(المطہفین: ۷۸) (ساتویں آسمان کے اوپر) طین میں ہے۔

۲- امام رازی نے اس آیت سے یہ مستنبط کیا ہے کہ کافروں پر آسمان سے کوئی خیر اور برکت نازل نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا  
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَٰكِن  
كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کو کھول دیتے لیکن انہوں نے (اللہ کی آیتوں کو) بھٹکایا تو ہم نے انہیں ان کے ان کاموں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا جو وہ کرتے تھے۔

(الاعراف: ۹۱)

۳- ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کافروں کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ لونٹ سوئی کے ٹکے میں داخل ہو جائے اور اونٹ کا سوئی کے ٹکے میں داخل ہونا مکمل ہے اور جو مکمل ہو وہ بھی مکمل ہوتا ہے۔ کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائے اور جنت میں ان کے داخل نہ ہو سکتے یہ حسب ذیل حدیث میں دلیل ہے:

کافروں کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھولنے کے متعلق حدیث

امام احمد بن حنبل حنفی ۴۱۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ جب ہم قبر پہنچ کر خاموشی سے بیٹھ گئے تو نبی ﷺ نے دو یا تین بار فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پتہ طلب کرو۔ پھر آپ نے فرمایا جب مسلمان بندہ دنیا سے منتقل ہو کر آخرت کی طرف روانہ ہونے لگتا ہے تو ملک الموت آکر اس کے سر پر ہاتھ پڑھتا ہے اور کہتا ہے: اے پاکیزہ روح اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی خاطر کل۔ پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح پانی کے قطرے ٹپک سے نکلتے ہیں۔ جب فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ وہ اس کا وہ نام بتاتے ہیں جو دنیا میں اس کا اچھا نام تھا جب وہ آسمان دنیا کے سلسلے پہنچ کر اس کا دروازہ کھولتے ہیں تو وہ کھول دیا جاتا ہے اور اسی طرح وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کے بارے میں اعمال کو طین میں لکھ دو۔ پھر اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے اور پوچھتے ہیں یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب میں پڑھا میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔ پھر ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو۔ (الی قولہ) اور جب کافر کی دنیا سے روانگی کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے فرشتے ٹٹ لے کر آتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سر پر ہاتھ پڑھتا ہے اور کہتے ہیں اے خبیث روح اللہ کے غصہ اور غضب کی طرف کل اس کی روح جسم کے اجزاء میں پھیل جاتی ہے اور اس کو اس طرح سمجھ کر نکالا جاتا ہے جس طرح گیلے اون

ایمان القرون



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش کو نکل دیا ہے ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا اور اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو (الاعراف: ۴۳)

اہل جنت کے دلوں سے دنیا کی رنجشوں اور شکایتوں کا محو ہو جانا

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کے سینوں سے ان رنجشوں کو نکل دے گا جو دنیا میں وہ ایک دوسرے کے خلاف رکھتے تھے۔ کیونکہ کینہ کا سبب شیطان کے وسوسے ہیں اور شیطان اس وقت دوزخ میں جل رہا ہو گا۔ اس لیے اہل جنت کے سینے اور ان کے دل ہر قسم کے بغض، کینہ اور کدورت سے صاف ہوں گے۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قلوبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میں 'مٹن' (ظلمہ اور زیران لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش کو نکل دیا ہے۔

(جامع البیان ۸/۲۳۰، دار الفکر، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۸۷، ۱۴، تزار مصطفیٰ بن الحکمر)

ابو نصرہ بیان کرتے ہیں کہ اہل جنت کو جنت کے پاس روک لیا جائے گا اور بعض کا بعض سے حق دلایا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو کسی کا کسی کے خلاف ایک ناخن کے برابر بھی حق یا مطلبہ نہیں رہے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ کے پاس روک لیا جائے گا اور ہر ایک کا حق دلایا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو کسی کو کسی کے خلاف ایک ناخن کے برابر بھی ظلم کی شکایت نہیں ہوگی۔ (جامع البیان ۸/۲۳۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مسلمانوں کی دوزخ سے نجات ہو جائے گی تو ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان پہل پر روک لیا جائے گا۔ پھر ان میں سے جس نے جس کے ساتھ دنیا میں زیادتی کی ہوگی اس کا قصاص لیا جائے گا۔ پس جب ان کو پاک اور صاف کر دیا جائے گا (اور کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی) تب ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد کی جان ہے ان میں سے ہر ایک شخص کو جنت میں اپنے ٹھکانے کا دنیا کے ٹھکانے سے زیادہ علم ہوگا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۵۳۵، ۲۳۴۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنت کے درجات مختلف ہوں گے اور نچلے درجے والے لوہے کے درجہ والوں سے حسد نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حسد اور بغض سے پاک کر دیا ہے اور اس کا سبب یہ ہو گا کہ حسد اور بغض شیطان کے وسوسوں سے ہوتا ہے اور وہ اس وقت دوزخ میں ہو گا۔

کفار کی جنتوں کا مسلمانوں کو وراثت میں ملنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو۔

(الاعراف: ۴۳)

ہر کافر اور مومن کے لیے جنت میں ایک ٹھکانا بنایا گیا ہے، لہذا جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل

دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اہل دوزخ کو جنت دکھائی جائے گی تاکہ وہ اس میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیں اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے ٹھکانے ہیں اگر تم ایمان لے آتے اور اللہ کی اطاعت کرتے تو تم کو جنت میں یہ ٹھکانہ دے دیے جاتے۔ پھر اہل جنت سے کہا جائے گا کہ اے اہل جنت تم ان ٹھکانوں کو بہ طور وراثت لے لو کیونکہ تم نیک عمل کرتے تھے پھر جنت میں کافروں کے ٹھکانے اہل ایمان میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح ہر کافر اور مومن کے لیے دوزخ میں بھی ایک ٹھکانا بتایا گیا ہے اور مسلمانوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ان کو دوزخ میں ان کے ٹھکانے دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ ایمان نہ لاتے تو ان کو دوزخ کے ان ٹھکانوں میں رکھا جاتا۔ پھر ان کے حصہ کی دوزخیں کافروں کو دی جائیں گی اور یہ اس لیے ہے کہ قیامت کے دن کافر اللہ تعالیٰ سے یہ نہ کہہ سکے کہ اگر میں ایمان لاتا تو تو نے میرے لیے جنت میں کوئی ٹھکانا تو بتایا ہی نہیں تھا تو مجھے جنت میں کس جگہ رکھتا؟

اس مضمون پر حسب ذیل احادیث دلائل کرتی ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا پھر یہ کہے گا کاش اللہ مجھے ہدایت دے دیتا اور یہ دیکھتا اس کے لیے حسرت کا باعث ہو گا اور ہر جنتی دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا پھر کہے گا اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یہاں ہوتا اور یہ دیکھتا اس کے لیے شکر کا موجب ہو گا۔

(سند احمد 'ج ۱' ص ۵۳ 'طبع قدیم دار الفکر' اس حدیث کی سند صحیح ہے 'سند احمد' ج ۹ 'رقم الحدیث: ۱۰۶۰۰' دار الحدیث قاہرہ ۱۳۱۹ھ)

مجمع الزوائد 'ج ۱۰' ص ۳۹۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر دوزخ میں داخل ہونے والے کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا بشرطیکہ وہ ایمان لے آتا تاکہ اسے حسرت ہو۔ اور ہر جنت میں داخل ہونے والے کو دوزخ میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر وہ بدے کام کرنا تاکہ وہ زیادہ شکر کرے۔

(سند احمد 'ج ۲' ص ۵۳۱ 'اس کی سند صحیح ہے' 'سند احمد' ج ۹ 'رقم الحدیث: ۱۰۹۲۲' مجمع الزوائد 'ج ۱' ص ۳۹۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دے گا اور فرمائے گا یہ تمہارا دوزخ کی آگ سے فدیہ ہے۔

(صحیح مسلم 'التوطیہ' ۶۹ '۲۷۶۷' (۲۷۶۷) ۶۸۷۸)

علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے جب کوئی مسلمان شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایک یہودی یا عیسائی کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے اور ایک روایت میں ہے قیامت کے دن بعض مسلمان پہاڑوں کے برابر گنہ لے کر آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کے گنہ بخش دے گا اور ان گناہوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے اوپر ڈال دے گا۔ اس حدیث کا وہی معنی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (جس کو ابھی ہم نے بیان کیا ہے)

جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے نہ کہ نیک اعمال

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہو حالانکہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے نہ کہ بندہ کے عمل سے:



وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ  
الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ  
الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ  
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَ  
كَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا (النساء: ۷۴-۷۵)

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ  
فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنِّي وَفَضْلٍ  
(النساء: ۷۵)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي  
رَوْحٍ الْحَسَنَاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (الشورى: ۲۲)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۚ فِي حَشٍ  
وَعُيُوبٍ ۚ يَلْمِزُونَ مِنْ شُذُوبٍ ۚ وَاسْتَنْبَرْنِي  
مُتَفِيلِينَ ۚ كَذَٰلِكَ وَرَزَقْنَاهُمْ بِمَعُورٍ عَيْنٍ ۚ  
يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهِةٍ آمِنِينَ ۚ لَا  
يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَ  
وَقَدْ هُم بِهَا فِي الْحَبِيبِ ۚ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ  
ذَٰلِكَ هُوَ الْمَوْزَانُ الْعَظِيمُ (الدخان: ۵۵-۵۷)

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
مِنْ فَضْلِهِ (الروم: ۴۵)

حَتَّىٰ يَدُوعُوا فِيهَا يَحْكُمُونَ فِيهَا مِنَ  
أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ ۚ لَّا لَوْلَا وَاسِطُهُمْ فِيهَا  
خَبِيرٌ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا  
الْحَرْنَ ۚ إِنَّ رَبَّنَا لَعَفُورٌ شَكُورٌ ۚ الَّذِي أَحَلَّنَا  
دَارَ الْمَقَامَاتِ مِنْ فَضْلِهِ (فاطر: ۳۵-۳۷)

جو لوگ اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کریں گے وہ  
ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ  
انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی اچھے  
ساتھی ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور وہ کافی جانتے  
والا ہے۔

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اس کے واسطے  
رحمت کو مضبوطی سے تھام لیا تو عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت  
اور فضل میں داخل کرے گا۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں  
کے باغوں میں ہوں گے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ  
چیز ہوگی جس کو وہ چاہیں گے یہی ہے بہت بڑا فضل۔

بے شک متقی لوگ اس کی جگہ میں ہوں گے ۚ جنتوں میں  
اور چشموں میں ۚ وہاں ایک اور سونے ریشم کا لباس پہنے آئے  
سائے ہوں گے ۚ ایسا ہی ہو گا ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو  
ان کی زوجیت میں دیں گے ۚ وہ وہاں پر ہر قسم کے پھل  
اطمینان سے طلب کریں گے ۚ وہ پہلی موت کے سوا جنت میں  
کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اللہ نے ان کو دوزخ کے  
عذاب سے بچایا ۚ (انہیں یہ سب نعمتیں ملیں) آپ کے رب  
کے فضل سے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ۚ

تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان  
لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے وہاں ان کو سونے کے  
نگن اور سونے پہنائے جائیں گے اور ان جنتوں میں ان کا  
لباس ریشم کا ہو گا ۚ اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے  
ہم سے غم کو دور کر دیا ۚ بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور  
جزا دینے والا ہے ۚ جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی مقام میں  
انار۔

اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عمل سے نہیں اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالہ ۵۶۲ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں

داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۵۶۷۳، صحیح مسلم، المصنفین ۵: ۷۸۳ (۲۸۷) مسند احمد، ج ۲، ص ۲۸۸، ۲۸۹، ۵۰۲، ۵۱۳، طبع قدیم، دار الفکر، القسم الكبير، ج ۷، رقم الحديث: ۷۸۸، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحديث: ۲۳۵، مسند البراء، ج ۲، رقم الحديث: ۳۳۳۸، ۳۳۳۷)

### دخول جنت کے لیے اعمال کو سبب قرار دینے کے محال

اب جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان اپنے عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے تو سورۃ الاعراف کی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اور جنتیوں کو یہ ندا کی جائے گی کہ تمہارا جنت میں داخلہ تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوا ہے اور تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے تم کو کفار کی چھوڑی ہوئی جنتیں بہ طور وراثت مل جائیں گی، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول کا ایک سبب حقیقی ہے اور ایک سبب ظاہری ہے۔ سبب حقیقی تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث میں بیان فرمایا ہے اور اس کا سبب ظاہری مسلمانوں کے نیک اعمال ہیں جیسا کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال نے جنت میں دخول کا سبب نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نیک اعمال کو دخول جنت کا سبب بنایا ہے تو اصل چیز تو اللہ کا کرم اور اس کا فضل ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان بالغ ہونے کے بعد عبادات اور نیک اعمال شروع کرتا ہے اور عبادت اور نیک اعمال شروع کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کو غیر متنتی نعمتیں عطا کر چکا ہے۔ اب اس کے یہ نیک اعمال تو پچھلی نعمتوں کا ہی شکر ادا کرنے کے لیے نافذ ہیں چہ جائیکہ وہ ان نیک اعمال کی وجہ سے کسی نئے اجر کا مستحق ہوں نعمتوں کے مقابلہ میں جو عبادات اور شکر کی کمی ہے اگر اللہ اس کو ہی معاف کر دے تو یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے، کسی اور اجر و ثواب کے مطالبہ کا کیا جواز ہے! ایک شخص کسی کو دس کوڑ روپے پہلے ہی دے دے پھر وہ شخص اس کے ہاں پچاس ساٹھ سہل کام کرے جس کی اجرت پچاس لاکھ روپے بنتی ہو، اب وہ کام کرنے والا اس سے اپنی اجرت کا مطالبہ کرے تو وہ شخص یہ نہیں کہے گا کہ میرے تو پہلے ہی ۹ کوڑ پچاس لاکھ روپے تمہاری طرف نکلتے ہیں، اگر میں پچھلا فرض ہی معاف کروں تو بڑی بات ہے۔ آئندہ اجرت کے مطالبہ کا کیا جواز ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل جنت روز خیوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اس کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ خالموں پر اللہ کی لعنت ہو O جو لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکر تھے O (الاعراف: ۳۵-۳۴)

حشر کے دن کفار کی توبہ کارگر نہیں ہوگی

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حشر کے دن جب کفار یہ اعتراف کریں گے کہ ان کے رب نے ان سے سچا وعدہ کیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کریں گے اور شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور شیطان اور دوسرے گمراہ کرنے والوں کی مذمت کریں گے اور اپنے کیے پر غم ہوں گے تو کیا ان کا برائی پر غم ہونا اور حق کا اعتراف کر لینا ان کی توبہ کے قائم مقام نہیں ہے اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ (الشوری: ۴۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حشر کا دن دار الجزاء ہے اور دار العمل دنیا ہے۔ ان کی توبہ اور ایمان کی جگہ دنیا تھی۔ حشر کے دن توبہ کرنا مفید ہے نہ ایمان لانا۔ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ غرغره موت کے وقت بھی توبہ قبول نہیں فرماتا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِسْلَامَ وَلَا الَّذِينَ يُمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا (النساء: ۱۸) ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر مر رہے ہیں۔

اور جب غرغره موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی تو موت کے بعد توبہ کیسے قبول ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غرغره موت کے وقت اور موت کے بعد انسان غیب کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور غیب کے مشاہدہ کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہے، معتبر غیب پر ایمان لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان دونوں (جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک حجاب ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو اس کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے تم پر سلام ہو، وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور وہ اس کی امید رکھیں گے اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا (الاعراف: ۴۷-۴۶)

الاعراف کا معنی اور مصداق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ الاعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے۔

(المفردات، ج ۲، ص ۴۳۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاعراف بلند چیز ہے اور لغت میں الاعراف کا معنی ہے بلند جگہ۔ یہ عرف کی جمع ہے۔

علماء نے اصحاب الاعراف کے حلقہ دس اقوال ذکر کیے ہیں:

۱- حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابن عباس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔

۲- مجاہد نے کہا: یہ صلح فقہاء اور علماء ہیں۔

۳- محمد دی نے کہا: یہ شہداء ہیں۔

۴- قسیری نے کہا: یہ وہ فاضل مومن اور شہید ہیں جو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر لوگوں کے احوال کا مطالعہ کرنے کے لیے فارغ ہو گئے۔ یہ لوگ جب اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب یہ ان اہل جنت کو دیکھتے ہیں جو ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے تو ان کے دخول کی امید رکھتے ہیں۔

۵۔ علی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الاعراف پہلے سر لٹا کر ایک بلند جگہ ہے جس پر حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ رضی اللہ عنہم ہیں۔ وہ اپنے ٹھکانے کو سفید چرے سے پہچانتے ہیں۔ اور اپنے ہتھکین کو سیاہ چرے سے پہچانتے ہیں۔

۶۔ زہراوی نے کہا یہ وہ نیک لوگ ہیں جو قیامت کے دن لوگوں کے اہل کی گواہی دیں گے اور یہ ہر امت میں ہیں۔

۷۔ زجاج نے کہا یہ انبیاء ہیں۔

۸۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبرہ گنہ کیے ان کے صفحہ گنہ بھی تھے جو مصائب اور آفات کی وجہ سے معاف نہیں ہو سکے۔ یعنی یہ گنہ گار لوگ ہیں۔

۹۔ قتیری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ زمانے پیدا شدہ لوگ ہیں۔

۱۰۔ ابو یزید نے ذکر کیا کہ یہ ملائکہ ہیں۔ (المجامع لاحکام القرآن ۸: ۸۷، ص ۱۹۰-۱۹۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۵۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۳۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل الاعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع رکھتے ہوں گے۔ پھر اگر ان کے متعلق ہم یہ کہیں کہ وہ اشرف اہل جنت ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الاعراف پر بٹھایا اور جنت میں ان کا داخلہ موخر کر دیا تاکہ وہ اہل جنت اور اہل نار کے احوال کو دیکھ سکیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بلند درجات کی طرف نکل فرمائے گا جیسا کہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ نچلے درجات والے بلند درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم آسمان کے کناروں پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو اور ابو بکر اور عمر بن لوگوں میں سے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الاعراف اشرف اہل قیامت ہیں اور جب عرش میں سب لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اصحاب الاعراف کو الاعراف میں بٹھادے گا جو کہ بہت معزز اور بلند جگہ ہوگی اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بلند درجات میں نکل فرمادے گا سو وہ لوگ ہمیشہ بلند درجات میں رہیں گے۔

اور اگر اصحاب الاعراف کی یہ تفسیر کی جائے کہ وہ اہل جنت سے کم درجہ کے ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو الاعراف میں بٹھائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے یہ امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے جنت کی طرف نکل کر دے گا۔ اور جب اصحاب الاعراف اہل دوزخ کو دیکھیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اہل دوزخ میں سے نہ کرے اور ان آیتوں سے مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت میں غور و فکر کرے اور ان پر ایمان لائے ان کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے اور دنیا اور آخرت کی سرخروی حاصل کرے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجُلًا لَا يَعْرِفُونَهُمْ بِسْمِهِمْ قَالُوا

اے اصحاب الاعراف جن (دو شخصوں) کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے ان سے پکار کر کہیں گے تمہاری جاننے

مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُتَكَبَّرُونَ ﴿۸﴾ اَھُوَ الَّذِیْنَ

تم کو فدا کرنے نہ چھڑایا اے نہ اس (مال و دولت) نے جس کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے ۰ کیا یہ (علیٰ لوگ) وہی (انہیں)

أَقْسَمْتُ لَكُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ

میں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا: (اہل جنت سے کہا گیا ہے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ

وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ

نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے ۝ اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے ہم پر

أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ

تھوڑا پانی انڈیل دو، یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے تو اہل جنت کہیں گے بیشک اللہ نے یہ

حَزَمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا

پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے ۝ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیا تھا اور

وَعَزَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنسِفُهُمْ كَمَا نَسَوُا لِقَاءَ رُؤُسِهِمْ

جن کو دنیا کی زندگی نے غریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی

هَذَا ۚ وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتَهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ

علامات کو بھلا رکھا تھا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ۝ بیشک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو

عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

ہم نے اپنے عظیم علم کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے کیا وہ (اس کتاب کو)

تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ

پایان لگانے کے لیے) اس کی وحید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں: جس دن وہ وحید واقع ہوگی تو جو لوگ اس کو پہلے فراموش کر

قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءٍ فَيَشْفَعُوا

پچھلے سچے وہ نہیں گے بیشک ہمارے رب کے رسول حق سے آئے ہیں تو کیا ہمارے کوئی سفارشچی ہیں جو ہماری سفارش کریں؟

لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان کاموں کے برخلاف کام کریں جو پہلے کرتے تھے بیشک انہوں نے اپنے آپ کو خسار سے



## وَصَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۲﴾

میں ڈال دیا اور ان سے وہ بیتان گم ہو گئے جن کا وہ افتراء کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اصحاب الاعراف جن دوزخیوں کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے ان سے پکار کر کہیں گے تمہاری جماعت نے تم کو عذاب سے نہ چھڑایا اور نہ اس (مل و دولت) نے جس کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے ○ کیا یہ (جنتی لوگ) وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا (انہی سے کہا گیا ہے کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے ○ (الاعراف: ۴۹-۴۸)

اصحاب الاعراف کو دخول جنت کا اذن

جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اصحاب الاعراف دوزخیوں کو ان کی دوزخی علامات سے پہچان کر کہیں گے تم دنیا میں جو مل اور اسباب جمع کرتے تھے اور جن چیزوں پر تم تکبر کیا کرتے تھے وہ تم سے اللہ کے عذاب کو دور نہ کر سکے۔ ابو جہل نے کہا اس آیت میں اصحاب الاعراف سے مراد ملائکہ ہیں اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحاب الاعراف گنہگار مسلمان ہیں وہ الاعراف پر کھڑے ہوں گے۔ وہ اہل جنت کی طرف دیکھ کر جنت میں داخل ہونے کی خواہش کریں گے اور اہل دوزخ کو دیکھ کر دوزخ سے پناہ طلب کریں گے۔ پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا یہ (اصحاب الاعراف) وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم یہ کہتے تھے کہ ان کو اللہ اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا؟ پھر اصحاب الاعراف سے فرمائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرنے سے اپنے مل و دولت کی وجہ سے تکبر کرتے تھے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے حکیم و اکابر کیا یہی وہ کمزور اور پس ماندہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت سے کچھ نہیں ملے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ان کو بخش دیا ہے۔ اے اصحاب الاعراف! جنت میں داخل ہو جاؤ تم نے دنیا میں جو گناہ اور جرم کیے تھے تمہیں اب ان کے مواخذہ اور ان پر سزا کا کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ تمہیں اس کا کوئی رنج ہو گا کہ تم سے دنیا میں نیکیاں رہ گئیں۔ (جامع البیان ۸/۲۷۷ ص ۲۵۹-۲۵۸) مطبوعہ دار الفکر بیروت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے ہم پر تھوڑا سا پانی انڈیل دو یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو وہ (اہل جنت) کہیں گے بے شک اللہ نے یہ پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشیاں بنالیا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا کر رکھا تھا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○ (الاعراف: ۵۱-۵۰)

کافروں کو دوزخ میں کھانے پینے سے محروم رکھنے کی سزا دینا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل دوزخ جو تک دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو غریبوں اور مسکینوں کے حقوق فرض کیے تھے ان کو ادا نہیں کرتے تھے وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے نہ پیاسوں کو پانی پلاتے تھے سو اللہ تعالیٰ دوزخ میں آگ کے عذاب کے علاوہ ان پر بھوک اور پیاس کا عذاب بھی نازل کرے گا پھر وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بھلا کر اہل جنت سے فریاد کریں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی ڈال دو یا تم کو جو طعام دیا ہے اس طعام سے کچھ دے

دو تو اہل جنت ان کو جواب دیں گے کہ اللہ نے پانی اور طعام کو ان لوگوں پر حرام کر دیا ہے جنہوں نے دنیا میں اس کی توحید کو ماننے سے انکار کیا تھا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔

پھر فرمایا: ان لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ جب بھی ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی جاتی تو یہ دعوت دینے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔

پھر فرمایا: تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا۔ یعنی ہم ان کو اسی طرح دوزخ میں بھوکا یا سا چھوڑے رکھیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات سے بے پرواہ ہو کر ایمان لانے کو اور نیک اعمال کو چھوڑ رکھا تھا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تیرا نکاح نہیں کیا تھا؟ میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ اور کیا تو سرداری اور افسری نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں پھر فرمائے گا تو مجھ سے ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا نہیں پھر اللہ فرمائے گا ہم آج تجھے بھلا دیتے ہیں جس طرح تو نے ہمیں بھلا دیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۷۶)

اللہ کی راہ میں پانی خرچ کرنے کی اہمیت اور اجر و ثواب

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت پانی ہے کیونکہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار کافر سب سے پہلے پانی کا سوال کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ ثواب پانی خرچ کرنے کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ پانی کا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ جب اہل دوزخ اہل جنت سے فریاد کریں گے تو یہ کہیں گے کہ ہم پر پانی اٹھیل دو یا کچھ اس رزق سے دے دو جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔

(مسند ابوسعید ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۷۳، المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۵، شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۸۰، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۹۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الفکر لس بیروت، تفسیر در مشور ج ۳ ص ۳۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن جوشع نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کس چیز کا صدقہ کرنا آپ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۷۸۳)

حضرت سعد بن عبادہ جو شیعہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سعد کی والدہ فوت ہو گئی ہیں کس چیز کا صدقہ کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کا تو حضرت سعد نے کواں کھدوا دیا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۱۶۸۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۶۶۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۶۸۳)

ابن اعلیٰ سے یہ واضح ہو گیا کہ پانی پلانے سے اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور اعلیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتے کو پانی پلانے سے بھی عمر بھر کے گناہوں کو بخش دیا۔

حضرت ابو ہریرہ جو شیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص جارہا تھا اس کو بہت شدید پیاس لگی۔ اس نے کونئیں میں اتر کر پانی پیا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتابیاس کی دجہ سے کچھ چاٹ رہا تھا۔ اس نے سوچا اس کتے کو بھی ایسے ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ اس نے کونئیں میں اتر کر اپنے مونہ میں پانی بھرا پھر باہر آ کر اس مونہ سے کتے کو پانی پلایا۔ اللہ

تعلق نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا بھی اجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز جگر کے ساتھ نیکی میں اجر ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۳۷۳، صحیح مسلم، سلام: ۵۳۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۵۵۰، شعب الایمان، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کتا کونین کی منڈیر کے گرد گھوم رہا تھا۔ جس کو پیاس نے ہلاک کر دیا تھا اچانک بنو اسرائیل کی قاضی عورتوں میں سے ایک عورت نے اس کو دیکھ لیا اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر کر اس کو پلایا۔ اس سبب سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۳۶۷، صحیح مسلم، سلام: ۱۵۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۲۳۵، ۵۷۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس جگہ پانی دستیاب ہو وہیں کسی شخص نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی پلایا تو گویا اس نے ایک غلام کو آزاد کر دیا اور جس جگہ پانی دستیاب نہ ہو وہیں کسی شخص نے کسی مسلمان کو پانی پلایا تو گویا اس نے اس مسلمان کو زندہ کر دیا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۷۳، علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے، الموضوعات، ج ۲، ص ۱۷۰)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اس حدیث کی آفت احمد ہے۔ اس میں حسن بن ابی جعفر کو وہم ہوا ہے اور یہ متروک ہے۔ اس نے اس حدیث کو علی بن زید سے روایت کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ اس کو علی بن زید نے از سعید بن المسیب از ام المومنین عائشہ روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(اقوال ابن عدی، ج ۲، ص ۷۲۰، انذالی المنصور فی الاحادیث الموضوعہ، ج ۲، ص ۷۲)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں (ایک دوسری سند سے) روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۵۸۸)

اس کی سند میں زہیر بن مرزوق ہے۔ امام بخاری نے کہا وہ مجہول اور منکر الحدیث ہے۔ (گویا یہ حدیث ضعیف ہے)

(مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

مرثد بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! مجھے وہ عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے کئی بار یہ سوال کیا پھر فرمایا: تم پانی پلاؤ! اس نے کہا میں کیسے پانی پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: جب لوگوں کے پاس پانی ہو تو ان کو پانی کا آلہ دیا کرو اور جب ان کے پاس پانی نہ ہو تو ان کو پانی لا کر دو۔

(مسند احمد، ج ۵، ص ۳۶۸، المعجم الکبیر، ج ۱، ص ۷۰، حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو شخص جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک عابد تھا اور دوسرا گناہگار تھا۔ عابد کو سخت پیاس لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس کے ساتھی کے پاس ایک ڈول میں پانی تھا وہ دل میں کہنے لگا یہ خدا اگر یہ نیک بندہ پیاسا مر گیا جبکہ میرے پاس پانی تھا تو میں کبھی کوئی خیر حاصل نہیں کر سکوں گا اور اگر میں نے اس کو اپنا پانی پلا دیا تو میں یقیناً مرجھوں گا۔ پھر اس نے اللہ پر توکل کیا اور اس کو پانی پلانے کا عزم کر لیا۔ اس نے اس بے ہوش عابد پر پانی چھڑکا

اور اس کو اپنے حصہ کا پانی پلا دیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ دونوں نے جنگل کی مسافت کو طے کر لیا۔ وہ گنہ گار آدمی جب قیامت کے دن حساب کے لیے کھڑا کیا گیا تو اس کو دوزخ میں بھیجے کا حکم دیا گیا۔ فرشتے اس کو لے جا رہے تھے کہ اس شخص نے اس عابد کو دیکھ لیا، اس نے عابد سے کہا اے فلاں شخص! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ عابد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے جنگل کے دن تم کو اپنے اوپر ترجیح دی تھی۔ عابد کے گاہل امیں نے تم کو پہچان لیا، پھر وہ فرشتوں سے کہے گا ٹھہرو، ٹھہرو، پھر وہ کھڑا ہو کر اپنے رب سے دعا کرے گا اور کہے گا اے میرے رب! تو جانتا ہے اس شخص نے جو مجھ پر احسان کیا تھا اور کس طرح اس نے مجھے اپنے اوپر ترجیح دی تھی! اے میرے رب! اس کو میری خاطر بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ تمہاری خاطر ہے، پھر وہ عابد آئے گا اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(المعجم الاوسط، رقم الحديث: ۲۹۷۰، اس حدیث کی روایت میں ابو ظلال متوفی ہے امام بخاری اور امام حنبلی نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں کلام ہے: 'مجمع الزوائد' ج ۳، رقم الحديث: ۳۳۳۳، 'مطبوعہ بیروت')

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے اپنے عظیم علم کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (الاعراف: ۵۲) قرآن مجید کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت، اہل دوزخ اور اہل اعراف کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ایک دوسرے سے کیا منظر کریں گے تاکہ لوگ ان کے کلام میں غور و فکر کریں اور ان کاموں اور ان چیزوں سے بچیں جو اللہ کے عذاب کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر کے لیے تیار ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب کی خصوصیات بیان فرمائیں کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی جس میں ہدایت، احکام بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو جاتی ہے اور انسان انھیں اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں اپنی آیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور ان میں اجمل اور اخلاق نہیں ہے اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے صرف مومن اور مسلمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا (وہ اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے) اس کی وعید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں؟ جس دن وہ وعید واقع ہوگی تو جو لوگ پہلے اس کو فراموش کر چکے تھے وہ کس گمے بے شک ہمارے لیے مصلحت لے آئے تھے تو کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں؟ یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان کاموں کے برخلاف کام کریں جو پہلے کرتے تھے، بے شک انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان سے وہ بہتان گم ہو گئے جن کا وہ افتراء کرتے تھے۔ (الاعراف: ۵۳) کفار کے اخروی خسارہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت کے لیے جو رسول بھیجے تھے اور جو کتابیں نازل فرمائی تھیں، ان رسولوں نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم کو سخت عذاب ہو گا۔ اسی طرح آسمانی کتابوں میں بھی یہ وعید بیان کی گئی تھی، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں نے یہ فرمایا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا اور پھر ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ایمان نہ لانے والوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ان وعیدوں کے باوجود کفار ایمان نہ لائے تو ان کے ظاہر جان کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایمان لانے کے لیے اس انتظار میں ہیں کہ وہ وعید واقع ہو جائے یعنی

ان پر سخت عذاب آجائے جو ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دے یا قیامت آجائے اور ان کا مواخذہ کر کے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور جب وہ وعید واقع ہو جائے گی یعنی قیامت آجائے گی تو اس وقت وہ اعتراف کریں گے کہ ان کے پاس اللہ کے رسولؐ اللہ کا سچا پیغام لے کر آئے تھے اور اس وقت وہ صرف دو چیزوں میں سے کسی ایک کی خواہش کر سکیں گے ایک یہ کہ کوئی ان کی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کر کے ان کی مغفرت کرائے یا ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہ دوبارہ دنیا میں جا کر کفر اور شرک اور برے کاموں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسولوں کی رسالت کا اقرار کریں لیکن ان میں سے ان کی کوئی خواہش پوری نہیں ہوگی اور سوائے نقصان کے ان کے لیے میں کچھ نہیں رہے گا اور جن جھوٹے خداؤں کی دودنیا میں پرستش کرتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آسکیں گے اور جن باطل مذاہب کو ثابت کرنے کے لیے وہ دنیا میں سردھڑکی بازی لگاتے تھے ان کا جھوٹ اور باطل ہونا اس دن واضح ہو جائے گا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ،

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَ

پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا ، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے (اور دن) اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّهُ الْخَلَقُ وَالْأَمْرُ

اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں ، سو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے

تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۸﴾ اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ

اللہ بہت بڑا اور بڑا ہے تمام جہانوں کا رب ○ تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو ، بے شک وہ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۹﴾ وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو ،

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۶۰﴾

اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو ، بے شک اللہ کی رحمت نیک کرنے والوں سے قریب ہے ○

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا

اور وہی ہے جو اپنی رحمت کی بارش کے آگے آگے غونجری کی ہواؤں کو بھیجتا ہے ، حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری



أَفَلَمْ يَسْمَعُوا نَجْوَىٰ لَيْكِلَيْ قَمِيَّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا

باول کو اٹھاتی ہیں تو ہم اس کو کسی بجز زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں، پھر ہم اس پانی سے

بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾

ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے، شاید کو تم نصیحت حاصل کرو ○

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا

جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے اپنی پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس کی

يَخْرِجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿۵۹﴾

پیداوار صرف حقارتی نکلتی ہے، ہم شکر کرنے والوں کے لیے اسی طرح بار بار آیات کو بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا، وہ رات کو دن سے ڈھلپ لیتا ہے اور دن اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے، اللہ بے شک والا ہے تمام جہانوں کا رب ○ (الاعراف: ۵۴)

اہم اور مشکل الفاظ کے معانی

رب: یہ اصل میں مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کسی شے کو تدریجاً اپنے مکمل تک پہنچانا۔ یہ بہ طور اسم فاعل کے مستعمل ہوتا ہے اس کا معنی ہے تمام موجودات کی تربیت اور ان کی مصلحتوں کا منگل۔ اس لفظ کا بغیر اضافت کے مطلقاً اللہ عزوجل کے غیر کے لیے بولنا جائز نہیں ہے اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں کے لیے بولنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی مثل ہے: ربکم ورب ابائکم الاولیس (الصفت: ۳۶)

اور غیر اللہ کے لیے استعمال کی مثل یہ آیت ہے:

أَذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنَّهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرُ

اپنے رب (مالک بادشاہ) کے سامنے میرا ذکر کرنا پس

رَبِّهِ (یوسف: ۳۲)

شیطان نے اس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے رب کے سامنے ذکر کرتا۔

اللہ: یہ اس کا اسم ذات (علم) ہے جو واجب الوجود ہے تمام عبادتوں کا مستحق ہے اور اس کی ہر صفت قدیم بالذات ہے وعدہ لا شریک ہے وہ تمام مخلوق کا خالق ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے اور ہر قسم کا عیب اور نقص اس کے حق میں محال ہے یہ نام اس کے ساتھ مخصوص ہے اس کے علاوہ کسی اور کا یہ نام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم: ۶۵)

کیا تم اس نام کا کوئی اور شخص جانتے ہو؟

فی سنة ایام: ایام یوم کی جمع ہے۔ اس سے مراد طلوع شمس سے غروب شمس تک کا وقت ہے۔ اور کبھی اس سے مطلقاً زمانہ کی مدت مراد ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو۔ (الفردات ج ۲: ۷۲۰)

تبیان القرآن

جلد چہارم

علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ یوم کا مشہور معنی ہے طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کی مقدار اور سمجھنے کے نزدیک ایک طلوع شمس سے لے کر دوسرے طلوع شمس تک کی مقدار یوم ہے یا ایک غروب سے لے کر دوسرے غروب تک کی مقدار اور مطلقاً زمانہ کے معنی میں بھی یوم کا استعمال ہوتا ہے۔ (تاج العروس، ج ۹، ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر صیاحیام (چھ دن) اس سے مراد ہے ایام دنیا میں سے چھ دنوں کی مقدار۔ کیونکہ وہی سورج کا طلوع اور غروب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک لمحہ میں سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرماتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور تدریج کی تعلیم کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

استوی: تخت میں استواء کا معنی ہے کسی چیز کا کسی چیز سے بلند ہونا۔ کسی چیز کا کسی چیز پر ٹھنڈا ہونا اس کا معنی ہے کسی چیز کا قصد کرنا۔ کسی شے کا مستعمل ہونا اللہ تعالیٰ کے استواء کا معنی ہے اس کی ذات اور صفات کا ہر چیز سے بلند ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کے لائق عرش پر جلوہ فرما ہونا۔

عرش: بلاشبہ کا تخت۔ گہری چھت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ چھپر کو بھی عرش کہتے ہیں۔ امام رافضی صوفی نے لکھا ہے کہ اللہ کے عرش کی حقیقت کو کوئی شخص نہیں جانتا ہم صرف اس کا نام جانتے ہیں۔ ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ فلک اعلیٰ عرش ہے اور کرسی فلک الکوکب ہے۔ اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ پر سب سے عظیم آیت کون سی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: آیت الکرسی پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر اسات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک انگوٹھی کی طرح ہیں جو کسی جنگل کی زمین میں پڑی ہو۔ اور عرش کی کرسی پر فضیلت اس طرح ہے جیسے جنگل کی زمین کی فضیلت اس انگوٹھی پر ہے۔

(الاسماء والصفات، ج ۵، ص ۳۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) (المفردات، ج ۲، ص ۲۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار، صفحہ ۱۱۸) کہ

مکرّمہ ۱۸۳۱۸

قدیم فلاسفہ کا یہ قول تھا کہ آسمان لوہے اور ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان کو اس طرح محیط ہے جس طرح پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں۔ نواں آسمان فلک الافلاک ہے۔ تمام ثابت (غیر متحرک ستارے) اس میں مرکوز ہیں۔ اور آٹھواں آسمان فلک اطلس ہے۔ پھر ہر آسمان میں سات سیاروں میں سے ایک سیارہ مرکوز ہے اور ان سیاروں کی یہ ترتیب ہے: زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر اور شریعت میں صرف سات آسمانوں کا ذکر ہے۔ جن علماء نے اطلاقات شرعیہ کو فلاسفہ کے اقوال کے مطابق کرنے کا قصد کیا انہوں نے کرسی کو آٹھواں آسمان اور عرش کو نواں آسمان قرار دیا۔ لیکن یہ عبت کو شش ہے کیونکہ فلاسفہ کے اقوال کسی یقینی دلیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ صرف ظن، تخمین، وہم اور قیاس پر مبنی ہیں۔ جبکہ وحی دلیل قطعی ہے۔ اس لیے وحی الہی کو یونانی فلسفیوں کے اقوال کے تابع کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ واضح رہے کہ قدیم فلسفہ یونان اور چیز ہے اور سائنس اور چیز ہے۔ فلاسفہ کے نظریات ان کے عقلی اور وہی دلائل پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ سائنس کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے۔ جس قدر ایجلاوات ہوئی ہیں برقی آلات، برقی سواریاں، برقی ساز و سلان، ریڈیو، ٹیلی فون اور مختلف امراض کی ایلو پیتھک دوائیں اور طبی آلات اور شوگر، بلڈ پریشر اور کلشورل ٹیپنے کے پیمانے۔ یہ سب سائنس کی بدولت حاصل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی چیز فلسفیوں کے اقوال سے حاصل نہیں ہوئی۔ سائنس دان اپنے حسب کتاب کے ذریعہ کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو فلاں وقت پر سورج یا چاند گرہن لگے گا اور اتنی دیر تک رہے گا اور فلاں فلاں ملک میں فلاں فلاں وقت پر نظر آئے گا اور فلاں فلاں ملک میں نظر نہیں آئے گا اور آج تک اس کے سر موخلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح جب وہ

چاند کی طرف راکٹ چھوڑتے ہیں تو بتا دیتے ہیں کہ اس کا آخری کیپسول جس میں خلا نورد ہوتے ہیں وہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سمندر کے فلاں علاقہ میں گرے گا۔ اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔

یہ سب کچھ ایک کمیونٹرائزڈ نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ اور یہ سب صحیح حساب و کتاب اور سائنس کا کرشمہ ہے۔ بعض لوگ جو فلسفہ اور سائنس کا فرق بھی نہیں جانتے وہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ پہلے سائنس دان کہتے تھے کہ سورج اور چاند ساکن ہیں اور اب کہتے ہیں کہ متحرک ہیں۔ اس لیے سائنس کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ کل کچھ کہتی ہے آج کچھ کہتی ہے۔ ملاحظہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ فلسفہ ایک نظریہ ہے اور سائنس تجربہ اور مشاہدہ ہے اور آج دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی سائنس کی بنیاد پر ہے۔ اور قرآن مجید کی کوئی تصریح سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد جو صحیح سند سے ثابت ہو سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ضعیف روایت سائنس کے خلاف ہو تو اس کا سبب اس متن کا ضعف نہیں ہے۔ بلکہ اس سند کا ضعف ہے۔ نیز ہم سائنس کے تابع ہو کر قرآن مجید کی تفسیر نہیں کرتے بلکہ سائنس کے ذریعہ قرآن مجید کی حقانیت کا اظہار کرتے ہیں کہ جو بات اب سائنس سے ثابت ہوئی ہے وہ بہت پہلے قرآن مجید نے بتا دی تھی۔ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ جو لوگ سائنس کے مخالف ہیں وہ اپنی عام زندگی میں بلکہ عبادات میں بھی سائنسی ایجادات سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہڑول کاروں، بسوں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ بجلی کی روشنی اور پنکھوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف سے فائدہ اٹھاتے ہیں، مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور گھڑیوں کے حساب سے نماز پڑھتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی وی کے اعلانات سے یا گھڑیوں کے حساب سے سحر اور افطار کرتے ہیں۔ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور حج کے میمنوں کاظم بھی ریڈیو، ٹیلی وی اور اخبارات کے ذریعہ ہوتا ہے اور ان سب کا ثبوت سائنسی تحقیقات کا مرہون صحت ہے۔ یا تو یہ لوگ اب سے ایک ہزار سال پہلے کے طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں یا پھر سائنس کے اصولوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں۔

یغشی الليل النهار: وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے۔

حسبنا: جٹ کا معنی کسی کو برا لگنا جتنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ دن رات کو جلد طلب کرتا ہے۔

المعلق: کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اس کا خاصہ ہے۔

الامر: حکم دینا، تدبیر اور تصرف کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل بیان فرمائے ہیں تاکہ ان دلائل میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا جائے اور توحید اور رسالت پر ایمان لانے سے ہی انسان کی آخرت بہتر ہوتی ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کسی فاعل غنی اور قادر پر موقوف ہے کیونکہ ان کا اجسام مخصوصہ، صور مخصوصہ اور اوضاع مخصوصہ پر ہونا کسی منتج اور مخصص کا تقاضا کرتا ہے اور اس منتج کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن اپنے وجود میں پھر کسی مخصص اور منتج کا ممکن ہو گا اور قطع تسلسل کے لیے ہمیں ایک واجب الوجود فاعل کو ماننا پڑے گا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے کیونکہ تعدد وجہء محال ہے اور یہ اس لیے محال ہے کہ اگر دو واجب الوجود فرض کیے جائیں تو نفس وجوب ان دونوں میں مشترک ہو گا۔ اور چونکہ التخصیص بلا امتیاز باطل ہے اس لیے ان میں ایک ماہیہ الامتیاز بھی ہو گا پس ان میں

ضمیمہ القرآن

سے ہر ایک ماہہ الاشتراک اور ماہہ الامتیاز سے مرکب ہو گا اور ہر مرکب طوٹ اور ٹکڑ ہو تا ہے اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ ان کو واجب فرض کیا تھا اور لازم آیا کہ یہ ممکن ہیں اور یہ خرابی تعدد و جہاں ماننے سے لازم آئی۔ اس لیے واجب الوجود صرف ایک ہو گا وہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہی خالق ہے اور وہ واحد ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں بنایا ہے حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک لمحہ میں بھی بنا سکتا تھا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک حد اور مدت مقرر فرمائی ہے۔ سردیوں اور گرمیوں کے موسم بنائے لیکن یہ موسم بھی تدریجاً ظہور میں آتے ہیں۔ سخت سردی اچانک سخت گرمی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ تدریجاً سردی سے گرمی اور گرمی سے سردی کی طرف موسم کا انتقال ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کا عمل بھی اچانک وجود میں نہیں آتا بلکہ نطفہ نو ماہ میں تدریجاً انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات کی روئیدگی ہے۔ کفار پر جو دنیا میں عذاب آئے وہ بھی اچانک نہیں آئے۔ ان کو بار بار تنبیہ کی گئی ذرا ایسا گیا اور ہر طرح حجت پوری کرنے کے بعد ان پر عذاب بھیجا گیا جبکہ وہ فوری عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ فرض اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حد اور مدت مقرر کی ہے اور اسی مدت کے مطابق زمینوں اور آسمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں بنایا ہے۔ نیز جو چیز ذلت و جہت وجود میں آئے اس کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ اتفاقی حادثہ ہے اور جس چیز کو ایک معین مدت میں تدریجاً بنایا جائے اس کو اتفاقی حادثہ قرار دینا صحیح نہیں ہو گا بلکہ ہر ذی شعور یہ کہے گا کہ اس کو قادر اور حکیم نے ایک خاص منصوبہ اور خاص مصلحت سے بنایا ہے۔ سو زمینوں اور آسمانوں کا چھ دنوں میں بننا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس عالم اور قویٰ زیر دست عظیم و حکیم اور قادر و قیوم کی حکمت اور قدرت کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اور اس میں مخلوق کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر کام اطمینان اور صحیح منصوبہ بندی سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو ایک لمحہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا اس کے باوجود اس نے چھ دنوں میں زمینوں اور آسمانوں کو بنایا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ تمام خلق ان ہی ایام میں مجتمع ہوئی اور ان ہی ایام میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ہر دن ایام دنیا کی مقدار کے برابر تھا یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا۔ جیسا کہ مجاہد اور امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت ہے۔ ہر حال یوم السبت (ہفتہ کا دن) میں کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی کیونکہ یہ ساتواں دن ہے اور اس کا نام سبت رکھا گیا ہے جس کا معنی ہے قطع کرنا۔ پیدائش کا سلسلہ اس دن منقطع ہو گیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۷، ص ۸۷) مطبوعہ دارالاندلس بیروت۔

چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا اضطراب اور معتبر حدیث کی تحسین

امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یسوع نے نبیؑ کے پاس آکر آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ نبیؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو بنایا اور منگل کے دن پہاڑوں کو بنایا اور ان میں نفع بخش چیزوں کو بنایا اور بدھ کے دن درخت، پانی، شجر، آہل اور نجر زمین کو بنایا۔ یہ چار دن ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ أَوتِیْتُكُمْ لَیْسَ کُمْ رُوحٌ بِأَلَدِیْ حَلَقَ الْأَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَخَعَّلُوْنَ لَہٗ آتَادًا ذَلِکَ رَبُّ

الْعُلُوبِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِمَنْ أَتَىٰ مِنْهَا ۝ (احم السجده: ۴۴)

یہ ہے رب العالمین ۝ اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی اور اس زمین میں اس کے باشندوں کی غذا انہیں چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

نور دسری روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے سب سے پہلے اوتار اور پیر دو دنوں میں زمین کو بنایا اور اس کے باشندوں کی روزی چار دنوں میں مقدر فرمائی۔ پہاڑ نصب کیے اور جاری کیے درخت لگائے اور سمندر رواں کیے اور یہ منافع منگل اور بدھ دو دنوں میں بنائے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

لَمَّا اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا مَّا كُنَّا آتِيَا طَائِعِينَ ۝ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ (احم السجده: ۴۳)

پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور آسمانیکہ دو دھواں تھا تو اسے اور زمین کو فرمایا تم دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ خوشی سے خواہ ناخوشی سے ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے ۝ تو ان کو دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ دو دن جمعرات اور جمعہ ہیں۔

(کتاب العظمت، ص ۲۹۲-۲۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوتار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل اور بدھ کو اس میں پہاڑ نصب کیے اور جاری کیے اور درخت لگائے اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان بنائے اور ہفتہ کا دن فراغت کا تھا۔ پس وہ اس دن چھٹی ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ابراہیم فرمایا تھا: یہی جہنم ان کے اس قول پر ناراض ہوئے اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَايُوسُ لُغُوبٍ ۝ فَمَا ضَرُّ عَلَىٰ مَا يُقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝

اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی ۝ تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے طلع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ (۳۸:۳۹)

(کتاب العظمت، ص ۲۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت عبداللہ بن سلام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوتار اور پیر کو دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور اس میں منگل اور بدھ کو دو دنوں میں اس کے باشندوں کی روزی مقدر کی اور جمعرات اور جمعہ کو دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں (مصر اور مغرب کے درمیان) حضرت آدم کو جنت سے پیدا کیا اور یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت واقع ہوگی۔

(کتاب الاسماء والصفات للسیوطی، ص ۲۸۳، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ نے اوتار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کے دن پہاڑ بنائے اور دریا اور درخت بدھ کو بنائے اور پرندے وحشی جانور اور ندے وحشرات الارض اور آفت (مہیبت) جمعرات کو بنائی اور انسان کو جمعہ کے دن بنایا اور ہفتہ کے دن پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا۔ (کتاب العظمت، ص ۲۹۳، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۳ھ)



امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے ہفتہ کے دن مٹی (زمین) پیدا کی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ نصب کیے اور جمعہ کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن پسندیدہ چیزیں پیدا کیں اور بدھ کے دن نور پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں جانور پیدا کیے اور جمعہ کی آخری ساعت میں عصر اور مغرب کے درمیان آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم، السنن، ۲: ۲۷۱ (۲۷۸۹)، ۶۹۲۰، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۳۴۹، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۳۵۵۷)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابی ایوب القریظی المتوفی ۲۵۶ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

نور سے مراد اجسام نیو ہیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے اور یہ حدیث اس بات کو مستحسن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدھ کے دن تمام آسمانوں کو پیدا کیا کیونکہ یہ تمام سیارے آسمانوں میں ہیں اور ان کا نور اور روشنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

محقق یہ ہے کہ اس حدیث میں آسمانوں کی پیدائش کی تصریح نہیں ہے اور اس میں ہفتہ کے پورے سات دن ذکر کیے گئے ہیں اور اگر ان سات دنوں کے بعد کسی ایک دن میں آسمانوں کو پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش آٹھ دنوں میں قرار پائے گی اور یہ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے سلسلہ میں معتد قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

اَنسُكُم لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ (آیات ۱۱۱-۱۱۲، المائدہ: ۱۶۳)

(المعجم، ج ۷، ص ۳۴۳، ملبورہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی اس حدیث میں صرف زمین کی پیدائش سات دنوں میں ذکر کی گئی ہے جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ تصریح ہے کہ تمام زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش چھ دنوں میں کی گئی ہے اس لیے یہ حدیث صریح قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مستحب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے اس حدیث پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس کو کعب احبار سے سنا ہے یعنی یہ اسرائیلیات سے ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۸۷) زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش کے سلسلہ میں حنظلہ اور متعارض احادیث وارد ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو ذکر کیا ہے۔ ان احادیث میں وہی حدیث مستحب ہے جو قرآن مجید کے مطابق ہے اور سورہ قم السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ چار دنوں میں سے اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمینوں کو بنایا اور باقی دو دنوں میں پہاڑوں اور زمین کے باشندوں کی غذاؤں کے لیے دوسری چیزوں کو بنایا اور اس کے بعد دو دنوں میں آسمانوں کو بنایا اور اس کے موافق وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(کتاب الاموال والصفات، ص ۲۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور امام محمد بن جعفر بن جریر متوفی ۲۵۵ھ کی یہ روایت بھی قرآن مجید کے موافق ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یسوع رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور جمعہ کو زمین بنائی اور منگل کو اس میں پہاڑ اور دیگر نفع آور چیزیں بنائیں اور بدھ کو درخت، دریا، شہر اور آبادی اور دیرین زمینیں بنائیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: بے شک تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو یہ ہے رب العالمین ﷻ اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی اور اس زمین میں (اس کے باشندوں کی) غذا میں چار دنوں

میں مقدر فرمائیں جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں ○ (حم السجدہ: ۹۰-۹۱) اور جمعرات کے دن اللہ نے آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو 'سورج کو' چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن آخری تین سماعت میں سے پہلی سماعت میں ہر مرنے والے شخص کی موت پیدا کی اور دوسری سماعت میں انسان کو نفع دینے والی چیزوں کی آفت پیدا کی اور تیسری اور آخری سماعت میں آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور سماعت کے آخر میں ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔ یہود نے پوچھا اے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ انہوں نے کہا آپ نے ٹھیک بتایا ہے کاش آپ اس بات کو عمل کر دیتے انہوں نے کہا پھر (بخت کے دن) اللہ نے آرام کیل نی بیچہ سخت غضب ناک ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکوت نہیں ہوئی ○ تو آپ جن کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ (ن: ۳۹-۴۰)

(جامع البیان ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت المستدرک ج ۲ ص ۳۵-۳۵۰ امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے) تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۳۵-۳۵۰ اور المستدرک ج ۲ ص ۳۳ طبع بیروت  
عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن حمیہ کا موقف  
اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔  
شیخ احمد بن عبد الحلیم بن حمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اپنی جو صفات بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو آپ کی صفات بیان کی ہیں ان پر بغیر تحریف اور بغیر تکسف اور تمثیل کے ایمان لایا جائے (یعنی ان صفات کی کوئی تکوین نہ کی جائے نہ ان کی مخلوق کے ساتھ مثل دی جائے) بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ اس کی شکل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے اس کی نفی نہ کی جائے اور اللہ کے کلمات کو بدلانا جائے اور اس کے اسماء اور اس کی آیات کو بدلانا جائے۔ نہ ان کا کوئی معنی متعین کیا جائے اور نہ مخلوق کی صفات سے ان کی مثل دی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کا کوئی ہم نام ہے نہ اس کا کوئی کفو ہے نہ کوئی اس کی مثل اور نظیر ہے نہ اس کا مخلوق پر قیاس کیا جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا قول سب سے زیادہ سچا ہے۔ پھر اس کے تمام رسول سچے ہیں نہ خلاف ان لوگوں کے جو بغیر علم کے اللہ کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ○  
سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ○ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ  
الْعَالَمِينَ ○ (الصافات: ۸۴-۸۵)  
آپ کا رب عزت والا ہے آپ کا رب ہر اس عیب سے پاک ہے جو (کفار) بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا رب ہے۔

رسولوں کے مخالفین اللہ کی جو صفات بیان کرتے تھے اللہ نے ان سے اپنی برأت فرمائی ہے اور رسولوں نے جو اللہ کی نقص اور عیب سے برأت بیان کی تھی ان پر سلام بھیجا ہے۔ (الی قولہ) اللہ سبحانہ کے لیے سچ اور صبر ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے  
هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الی قولہ) اللہ کے لیے چہرہ ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے وَبِقَیِّ وَجْهِ رَبِّكَ  
دَوَّالِحُلَالٍ وَالْأَكْرَامِ اور کل مشی مہالک الا وجہہ اور اللہ کے لیے دو ہاتھ ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے مَا  
مَسَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيْدِيْ اور اللہ کے لیے دو آنکھیں ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے وَاصْبِرْ

لحکم ربک فانک باعیا اور اللہ کے لیے عرش پر استواء ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے الرحمن علی العرش استوی اور اس طرح کی سات آیتیں ہیں۔

(العقیدۃ الواسیہ مع شرحہ، ص ۱۵۰-۱۵۱، مطبوعہ دار السلام، ریاض ۱۴۱۳ھ)

اس کے بعد احادیث سے استدلال کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اللہ آسمان دنیا کی طرف اپنی شان کے لائق نازل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی ایک کو گم شدہ اونٹنی کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ کی ٹانگ اور قدم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہنم میں لوگوں کو ڈالا جاتا ہے گا حتیٰ کہ وہ کہے گی کیا اور زیادہ بھی ہیں حتیٰ کہ رب العزت اس میں اپنی ٹانگ رکھ دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ (بخاری و مسلم)

(العقیدۃ الواسیہ، ص ۸۰-۸۱، مطبوعہ دار السلام، ریاض ۱۴۱۳ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی ان عبارات کا بظاہر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ، آنکھیں، دہانہ، ٹانگ اور قدم ہے اور وہ عرش پر مستوی ہے۔ شرح العقیدۃ الواسیہ میں لکھا ہے اس کا معنی ہے وہ عرش پر بلند ہے یا چڑھنے والا یا اس پر مستقر ہے۔ اللہ کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں اور ان کی کوئی مثل نہیں ہے۔ ان صفات کی کوئی تمویل اور توجیہ کرنا جائز نہیں ہے چونکہ ان صفات کا قرآن اور سنت میں ذکر ہے اس لیے ان کو اسی طرح ماننا لازم ہے۔ یہ ظاہر یہ عقیدہ، اشاعرہ اور دیگر متقدمین کے عقیدہ کی مثل ہے لیکن شیخ ابن تیمیہ کے معاصر اور بعد کے ثقہ علماء نے یہ کہا ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے ان اقوال سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جمیعت کا ماننا لازم آتا ہے اس بناء پر بعض علماء رافضی نے شیخ ابن تیمیہ کو گمراہ کہا اور بعض نے ان کی تکفیر کر دی۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ صوبہ اور واسیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تمیز اور انقسام لازم آئے گا تو اس نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ تمیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے اسی وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمیز اور انقسام کا قائل ہے۔ (الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)

علامہ احمد بن حجر متقی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیعت، جہت، اور انتقال سے موصوف ہے اور وہ عرش کے برابر ہے نہ چھوٹا نہ بڑا۔ اللہ تعالیٰ اس قبیح افتراء سے پاک ہے جو کہ صریح کفر ہے۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ، ص ۱۰۰، مطبوعہ مکتبۃ البابا العلیی واولادہ، بیصرہ ۱۳۵۶ھ)

تبیان القرآن، جلد ثانی میں النساء ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے یہ کثرت علماء کی عبارات نقل کی ہیں جنہوں نے اس مسئلہ میں شیخ

ابن تیمیہ کی تکفیر کی ہے۔  
استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین  
ملا علی بن سلطان محمد القاری التوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

شیخ عبد اللہ انصاری حنبلی قدس سرہ نے شرح منازل السائرین میں شیخ ابن تیمیہ سے اس تحت کو دور کیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے جنت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے تھے اور انہوں نے شیخ مذکور سے تکفیر اور تحلیل کی نفی کی ہے ان کی عبارت یہ ہے:

شیخ ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کر کے اور ان کے معانی قہارہ کے اعتقاد کی تلقین کر کے ان اسماء اور صفات کی حرمت کو محفوظ کیا ہے۔ کیونکہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ الرحمہ علی العرش استوی میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء کا کیا معنی ہے؟ تو امام مالک نے پہلے سر جھکا کر غور کیا پھر کہا استواء معلوم ہے (کسی چیز پر مستقر ہونا یا کسی چیز پر بلند ہونا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آ سکتی (کہ اللہ کس طرح عرش پر مستوی ہے) اور اس (استواء) پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔ امام مالک نے اس کے معنی کے معلوم ہونے اور اس کی کیفیت کے انسانی عقل میں نہ آنے کے درمیان فرق کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ جواب اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق تمام مسائل میں کافی مثالی ہے۔ سمع، بصر، علم، حیات، قدرت، ارادہ، اللہ کا نزول، غضب، رحمت اور اس کا ہنسنا۔ ان تمام الفاظ کے معانی معلوم ہیں اللہ کے ساتھ ان کے اتصاف کی کیفیت انسان کی عقل میں نہیں آ سکتی کیونکہ کسی چیز کی کیفیت تب عقل میں آتی ہے جب اس کی ذات اور نہ کا علم حاصل ہو چکا ہو۔ اور جب اس کی ذات غیر معلوم ہے تو اس کی صفات کی کیفیت کیسے عقل میں آ سکتی ہے اور اس باب میں صحیح موقف یہ ہے کہ اللہ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور اس کے رسول نے جس صفت کے ساتھ اس کو موصوف کیا ہے اور ان صفات میں نہ کوئی تحریف کی جائے (ہاں طور کہ از خود ان صفات کا کوئی معنی یا عمل بیان کیا جائے) نہ ان صفات کو معطل کیا جائے (یعنی ان کی نفی کی جائے) نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے (ان کی کوئی تلویل کی جائے) اور نہ ان کی کوئی مثال بیان کی جائے بلکہ اللہ کے اسماء اور اس کی صفات کو ثابت کیا جائے اور ان سے قلوقات کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ پس تمہارا صفات کو ثابت کرنا تشبیہ سے حذر ہو اور تمہارا نفی کرنا تحلیل سے حذر ہو۔ سو جس نے استواء کی حقیقت کی نفی کی وہ معطل ہے اور جس نے قلوقات کے قلوقات پر استواء کے ساتھ تشبیہ دی وہ مشبہ ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کے استواء کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ موحہ ہے اور منزه ہے۔ یہاں تک علامہ عبد اللہ انصاری حنبلی کا کلام ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا اعتقاد اسلاف صالحین اور جمہور متاخرین کے اعتقاد کے موافق ہے اور ان کی عبارت پر یہ طعن اور تشنیع صحیح نہیں ہے۔ ان کا یہ کلام بعینہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موافق ہے جو انہوں نے اللعہ الاکبر میں تحریر فرمایا ہے۔ (ہم عنقریب اس عبارت کو نقل کریں گے) اس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ ابن تیمیہ پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جنت اور جسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (مرقات ج ۸ ص ۲۵۲-۲۵۳ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لاہور ۱۳۹۰ھ)

نوٹ: شیخ ابن تیمیہ نے نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے اس بنا پر شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح الصفاء علی نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۳ میں صحیح قرار دیا ہے اور ان کی یہ کتاب مرقات کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس لیے مرقات میں جو انہوں نے شیخ ابن تیمیہ کو اس امت کا ولی کہا ہے اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

علامہ محمد امین بن محمد القاری الحنفی الشافعی لکھتے ہیں:

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے معاملہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے ایک یہ کہ اللہ جل وعلا حوادث کی مشابہت سے منزہ ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ نے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اللہ کی صفات کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لیے جس وصف کو ثابت کیا یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے لیے کسی وصف کو ثابت کیا پھر کسی شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس وصف کی یہ زعم کرتے ہوئے نفی کی کہ وہ وصف اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عالم قرار دیا۔ سبحانک هذا بہتان عظیم۔ اور جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا وصف مخلوق کے اوصاف کے مشابہ ہے تو وہ مشابہ ملحد اور گمراہ ہے اور جس نے اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ کے ثابت کیے ہوئے اوصاف کو اللہ کے لیے مانا جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف مخلوقات کی صفات کی مشابہت سے منزہ ہیں تو وہ مومن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور جلال کو اور مشابہت خلق سے تنزیہ کو ماننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کو واضح فرمادیا ہے:

كَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ الشَّيْبُخُ الْقَصِيرُ  
(الشوری: ۱۱) والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے صفات کمال اور جلال کو ثابت فرمایا ہے اور مخلوق کے ساتھ مشابہت کی نفی فرمائی

ہے۔ (اضواء البیان ج ۲ ص ۲۷۳-۲۷۴ مکتبہ ابن تیمیہ ۱۳۸۸ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین احناف کا موقف

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ نہ جو ہر ہے نہ عرض ہے نہ اس کی کوئی حد ہے۔ نہ اس کا کوئی منازع ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی مثال ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں اور یہ توجیہ نہ کی جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس توجیہ میں اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدر یہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے بلا کیف دو صفتیں ہیں۔

(الفتاویٰ الکبریٰ مع شرح ص ۳۶۰-۳۶۱ مطبوعہ شرک مکتبہ مطبعہ مصطفیٰ اہلبائی مصر ۱۳۷۵ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بلین المہام الحنفی المتوفی ۸۷۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور یہ ایسا استواء نہیں ہے جیسا ایک جسم کا دوسرے جسم پر استواء ہوتا ہے کہ وہ اس سے مماثل ہوتا ہے۔ یا اس کی مخلوقات (سمت) میں ہوتا ہے بلکہ جو استواء اس کی شان کے لائق ہو جس کو اللہ سبحانہ ہی زیادہ جاننے والا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ رہا یہ کہ استواء علی العرش سے مراد عرش پر غلبہ ہو تو یہ ارادہ بھی جائز ہے۔ البتہ اس ارادہ کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور واجب وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ البتہ اگر یہ خدشہ ہو کہ عام لوگ استواء سے وہی معنی سمجھیں گے کہ جو جسم



کے لوازم سے ہے کہ اللہ عرش سے متصل ہے یا عرش کے ماس ہے یا عرش کی مخلوقات میں ہے تو استواء کو غلبہ سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح کتب اور سنت میں جو ایسے الفاظ ہیں جن سے جمیعت ظاہر ہوتی ہے مثلاً انگلی، قدم اور ہاتھ ان پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ انگلی اور ہاتھ وغیرہ اللہ کی صفت ہیں۔ ان سے مراد یہ مخصوص اعضاء نہیں ہیں بلکہ وہ معنی مراد ہے جو معنی اللہ کی شان کے لائق ہے اور اللہ سبحانہ ہی اس معنی کو زیادہ جسنے والا ہے اور کبھی ہاتھ اور انگلی کی تلویل قدرت اور قہر سے کی جاتی ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا جبر اسو اللہ کا دایاں ہاتھ ہے اس کی تلویل کی جاتی ہے تاکہ عام لوگوں کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی جمیعت کی طرف نہ منتقل ہوں۔ اس تلویل سے یہ ارادہ بھی ممکن ہے لیکن اس پر جزم اور یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے اصحاب (ماترید یہ) کے قول کے مطابق یہ الفاظ تشابہات سے ہیں اور کتابہ کا حکم یہ ہے کہ اس دنیا میں ان کی مراد متوقع نہیں ہے۔ (مسارہ مع شرح السامروہ ج ۱ ص ۳۶-۳۱ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مکران)

واضح رہے کہ استواء اور ہاتھ وغیرہ کی علامہ ابن حنبل نے جو تلویل بیان کی ہے امام ابو حنیفہ اور دیگر اسلاف نے اس تلویل سے منع کیا ہے۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین شافعیہ کا موقف

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ان صفات کو بیان کرنا جائز ہے جن پر کتاب اللہ دلالت کرتی ہو یا رسول اللہ ﷺ کی سنت دلالت کرتی ہو یا اس پر اس امت کے حقدین کا اجماع ہو یا جس پر عقل دلالت کرتی ہو۔ مثلاً حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور اس کی مثل صفات ذاتیہ اور مثلاً خلق کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، صاف کرنا، سزا دینا اور ان کی مثل صفات فعلیہ اور جن صفات کا اثبات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر سے ہوا جیسے چہرہ، دو ہاتھ، آنکھ، یہ اس کی صفات ہیں۔ اور جیسے عرش پر مستوی ہونا اور آنا اور نازل ہونا اور اس طرح دوسری اس کے فعل کی صفات۔ یہ صفات اس لیے ثابت ہیں کہ قرآن اور حدیث میں ان کا ذکر ہے ان صفات کو اس طرح مانا جائے کہ ان صفات کی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(کتاب الاسماء والصفات، ص ۱۱۱-۱۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سفیان ثوری نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن اوصاف کو اپنے لیے ثابت کیا ہے ان کی قاری یا عربی میں تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات، ص ۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ابو الحسن بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا استولی کا معنی ہے استقر (قرار پکڑا) ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے سہ (چھا) معتزلہ نے کہا اس کا معنی ہے استولی (اللہ عرش پر غالب ہے) اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ کی صفت بلا کیف ہے۔ انسان کے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا علم وہ اللہ عز وجل کے سپرد کر دے۔ (اس کے بعد انہوں نے امام مالک سے سوال اور ان کا جواب لکھا ہے) سفیان ثوری، اوزائی، یث بن سہ، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن المبارک اور دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ آیت اور دیگر صفات کے متعلق آیات، آیات تشابہات میں سے ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف (یعنی استواء کی کیفیت جانے بغیر) ماننا چاہیے۔ (معالم التنزیل، ج ۲ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین مالکیہ کا موقف

امام حنفی ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الباقی اندلسی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

الرحمن علی العرش استوی (۵۸) کی تفسیر میں امام مالک سے سوال کیا گیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے فرمایا: استوی کا معنی معلوم ہے (بلند ہے یا جیسا ہے) اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور تمہارا اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرا گمان ہے کہ تم بد عقیدہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔ ابن المبارک نے کہا رب تبارک وتعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۳۵، الموطا، رقم الحدیث: ۲۱۳، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸۷)

اس قسم کے جو اطلاقات قرآن اور سنت میں ہیں ان کے متعلق علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی کیفیت کو جانے بغیر ان پر ایمان لانا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ نازل ہوتا ہے اور کیفیت نزول کو بیان نہیں کرتے اور نہ کیفیت استواء کو بیان کرتے ہیں۔ عبد بن عوام سے شریک نے کہا: بعض لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس یہ احادیث ان ہی اسناد سے پہنچی ہیں جن اسناد سے نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے احکام کے متعلق احادیث پہنچی ہیں اور ہم نے اللہ عز وجل کو ان احادیث سے ہی پہچانا ہے امام شافعی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی سنت صرف اتباع ہے اور بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ رب کے نزول کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کی نعمت نازل ہوتی ہے یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت تو رات اور دن کے ہر وقت میں نازل ہوتی ہے۔ اس میں رات کے آخری تہائی حصہ یا کسی اور وقت کی خصوصیت کا کیا دخل ہے؟ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت سے دعا قبول فرماتا ہے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا: آدھی رات کے بعد۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۱۷۹)

اور ہمیشہ نیک لوگ رات کے پچھلے پیرائے کر استغفار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (آل عمران: ۱۷) رات کے پچھلے پیرائے کر استغفار کرنے والے۔

(الاسنۃ کا رج ۸، ص ۱۵۳-۱۵۱، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

نیز امام ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابوب بن صلیح بخاری نے ہم سے فلسطین میں بیان کیا کہ ہم امام مالک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک عراقی نے آپ کے پاس آکر سوال کیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے غور کرنے کے بعد فرمایا: تم نے اس چیز کے متعلق سوال کیا ہے جو مجہول نہیں ہے اور تم نے اس کیفیت کے متعلق سوال کیا ہے جو عقل میں نہیں آسکتی اور تم بد عقیدہ شخص ہو۔ پھر اس شخص کو آپ کی مجلس سے نکل دیا گیا۔ یحییٰ بن ابراہیم بن مزین نے کہا امام مالک نے اس قسم کی باتوں میں بحث کرنے سے اس لیے منع فرمایا کیونکہ ان میں حد صفت اور تشبیہ ہے اور اس میں نجات تب ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے ان اقوال پر توقف کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفت، چہرے اور ہاتھوں سے بیان کی ہے اور کشادہ کرنے اور استواء سے اپنی صفت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِيَّامًا تَنَزَّلُوا فَتَمُوجُهُ الْوُجُوهِ (البقرہ: ۲۵۵)

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ: ۶۴)

سو تم جس طرف بھی پھرو گے اللہ کا چہرہ ہے۔

بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ (کھلے ہوئے) ہیں۔

وَالْأَرْضُ حَبِيبًا قَصَصْنَا يَوْمَ الْفِيَا مَةِ  
وَالسَّمَوَاتِ مَطْوِيَّاتٍ بِيَمِينِهِ (الزمر: ۵۸)  
تیمت کے دن سب زمینیں اس کی سطحی میں ہوں گی اور  
تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔  
وَالرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ: ۵)  
رحمن عرش پر جلوہ فرما ہے۔

اس لیے مسلمان کو وہی کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے اور اسی پر توقف کرنا چاہیے اور اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور اس کی تفسیر نہیں کرنی چاہیے اور یہ نہیں کرنا چاہیے کہ یہ کس طرح ہے۔ کیونکہ اس میں ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن مجید پر ایمان لانے کا مکتب کیا ہے اور ان کو اس کی ان آیتوں کی تویل میں غور کرنے کا مکتب نہیں کیا جن آیتوں کا اس نے علم عطا نہیں کیا۔ (التبیہ: ج ۷، ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۳۹۴ھ)

امام مالک نے عمر بن العکم سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میری ایک باندی بکریوں کو چرا رہی تھی ایک دن ایک بکری گم ہو گئی میں نے اس کے متعلق اس سے پوچھا تو اس نے کہا اس کو بھیڑا کھا گیا۔ مجھے اس پر افسوس ہوا۔ میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا اور مجھ پر (پسلے سے) ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ کیا میں اس غلام کی جگہ اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہل ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔

(الموطا: رقم الحدیث: ۱۵۱۱، صحیح مسلم، مسلوۃ: ۳۳، (۵۳۷) ۱۱۷۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۹۳۰۰)

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں:

نبی ﷺ نے اس باندی سے جو سوال کیا کہ اللہ کہل ہے؟ تو اس نے کہا آسمان میں۔ تمام اہل سنت (اور وہ محدثین ہیں) اس پر متفق ہیں اور وہ وہی کہتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ (طہ: ۵) اور اللہ عزوجل آسمان میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اور یہ قرآن مجید کی ان آیات سے بالکل ظاہر ہے:

أَيُّنُّمُ مَنُ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخِفَّ بِكُمْ  
الْأَرْضُ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ (الملک: ۱۶)  
کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں  
زمین میں دھنسا دے تو وہ اس سے لرزے لگے۔  
أَلَيْسَ بِضَعْدِ الْكَلِمِ الْقَلْبُوبِ وَالْعَمَلِ  
الصَّالِحِ يَرْفَعُهُ (فاطر: ۱۰)  
پاک لگے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو اللہ بلند  
فرماتا ہے۔

فرشتے اور جبرائیل اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ

(المعارج: ۳)

قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور ہم نے اپنی کتاب تمہید میں اس سے زیادہ بیان کیا ہے۔

(الاستاذ کار: ج ۲۳، ص ۴۱۸-۴۱۷، طبع بیروت ۱۴۱۳ھ)

ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لیے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جنت نہیں ہے لیکن چونکہ علو اور بلندی کو جنتی جہات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا اس کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بندوں کو اس کی ضرورت تھی تاکہ وہ دعا کے وقت حیران نہ ہوں کہ وہ کس کی طرف منہ کریں جیسے اس نے کعبہ کو پیدا کیا تاکہ لوگ عبادت کے وقت اس کی طرف منہ کریں۔ حالانکہ اللہ کا حقیقت میں گھر ہے نہ اس کو اس کی

ضرورت ہے۔ اسی طرح اس نے آسمان کو پیدا کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ اپنی دلوں میں کس طرف متوجہ ہوں۔  
امام ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۴۳ھ فرماتے ہیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ استواء کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ ہے استولی یعنی اللہ عرش پر غالب ہے۔ یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر عرش کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تو ہر چیز پر غالب ہے اور کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اللہ کے کلام کو اشہر اور اظہر وجوہ پر محمول کرنا لازم ہے جب تک کہ حقیقت پر محمول کرنے سے کوئی ایسا مانع نہ ہو جس کا مانع ہونا سب کے لیے واجب التسلیم ہو۔ اور اگر ہر مجاز کے مدعی کا دلائل مانع لیا جائے تو پھر کوئی عبارت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اللہ عز و جل نے اپنے کلام میں جن الفاظ سے خطاب کیا ہے ان سے ابن عباسی معانی کا ارادہ کیا ہے جن معانی کا اہل عرب اپنے محاورات اور خطابات میں ان الفاظ سے ارادہ کرتے تھے اور استواء کا معنی اور مفہوم لغت میں معلوم ہے اور وہ ہے کسی چیز پر اترنا اور بلند ہونا اور کسی چیز پر قرار اور جگہ پکڑنا۔ ابو عبیدہ نے استواء کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: ”بلند ہونا“ عرب کہتے ہیں استویت فوق الدابہ میں سواری کے اوپر بلند ہوا یا بیٹھا۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا: استواء کا معنی بلندی پر جگہ پکڑنا ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل آیات میں ہے:

لَتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (الرَّحُوفُ: ۳۰)  
وَأَسْتَوُوا عَلَى الْجُودِيِّ (هود: ۴۴)  
فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المؤمنون: ۲۸) جائیں۔  
تاکہ تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھو اور جب تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو۔  
اور کشتی جو دی پناہ کے اوپر ٹھہری۔  
اور جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے اوپر بیٹھ جائیں۔

ہم عرش پر اللہ تعالیٰ کے استواء کی کیفیت کو نہیں جانتے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو جیسے ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے بدنوں میں ہماری رو میں ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے بدن میں ہماری روح کس کیفیت سے ہے اور اس کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہماری رو میں نہ ہوں اس طرح عرش پر اللہ کے استواء کی کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو۔

(التحفید، ج ۷، ص ۱۳۱-۱۳۲، مطبوعہ: ”موضوعات“، مطبوعہ المکتبۃ القادریہ، لاہور ۱۳۰۴ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متقدمین حنابلہ کا موقف

امام جلال الدین عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی خطیبی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے کہا کہ استوی بمعنی استولی ہے۔ اگر لغت کے نزدیک یہ معنی مردود ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا عرب استوی کو استولی کے معنی میں نہیں پہچانتے جس شخص نے یہ کہا اس نے بہت غلط کیا۔ استوی جلاں علی کذا (فلاں شخص نے فلاں پر غلبہ پایا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ شخص اس سے بعید ہو اور وہ اس پر قادر نہ ہو۔ پھر بعد میں اس پر قدرت اور غلبہ حاصل کرے اور اللہ عز و جل ہمیشہ سے تمام چیزوں پر غالب ہے۔ ہم طہرہ کے صفات کو معطل کرنے سے اور مجسمہ کی تشبیہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ (ازاد المسیر، ج ۳، ص ۲۳، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۴۳۰ھ)

علامہ محمد بن احمد السخاوی الخطیبی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

منیوں کا مذہب سلف صالحین کا مذہب ہے۔ وہ اللہ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جن کے ساتھ خود اللہ

نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ اور جن لوصاف کے ساتھ اس کے رسول نے اس کو موصوف کیا ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور تکلف اور تمثیل کے، اللہ کی ذات ذات میں سے کسی ذات کے مشابہ نہیں اور اس کی صفات کلیہ میں سے کوئی صفت ممکنات کی کسی صفت کے مشابہ نہیں ہے۔ قرآن مجید اور نبی پیغمبر کی سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات وارد ہیں، ان کو اسی طرح قبول کرنا اور تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس کے وصف کی حقیقت سے عدول نہیں کرتے اور نہ اس کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور نہ اس کے اسماء اور صفات میں، اور جو کچھ اس باب میں وارد ہے اس میں کوئی زیادتی نہیں کرتے اور جو نقص اس صراط مستقیم سے انحراف کرے تم اس کو چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ پیغمبر کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (الوامع لا نوار الہدیہ، ج ۱، ص ۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ)

نیز علامہ سفارینی ضلی لکھتے ہیں:

امام احمد بیہقی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اسی وصف کے ساتھ موصوف کیا جائے گا جس وصف کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جس وصف کے ساتھ اس کے رسول پیغمبر نے اس کو موصوف کیا ہے۔ ہر وہ چیز جو نقص اور حدوث کو واجب کرتی ہو اللہ تعالیٰ اس سے حقیقتاً منزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے کمال کا مستحق ہے۔ سلف کا مذہب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں غور نہیں کرنا چاہیے اور ان میں سکوت کرنا چاہیے اور ان کا علم اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ پوشیدہ چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جائے گی اور انسان پر واجب ہے کہ اس کے ظاہر پر ایمان دے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے۔ ائمہ سلف مثلاً زہری، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری، یسٹ بن اسد، عبد اللہ بن المبارک، امام احمد اور اسحاق سب یہی کہتے تھے کہ یہ مقابلات ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لیے ان کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (الوامع لا نوار الہدیہ، ج ۱، ص ۱۰، ۱۱، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۳ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متاخرین کی آراء

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستقر ہونا ممکن نہیں ہے اور اس پر متعدد عقلی دلائل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہو تو اس کی جو جانب عرش کے قریب ہوگی وہ جانب لانا متناہی ہوگی اور جو چیز متناہی ہو وہ زیادتی اور کمی کو قبول کر سکتی ہے اور جو چیز زیادتی اور کمی کو قبول کر سکے وہ حدوث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اور اگر وہ جانب غیر متناہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ عرش ہر حال متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک جانب عرش سے محاس ہوگی اور ایک جانب فارغ ہوگی اور اس سے انقسام لازم آئے گا اور یہ بیان سابق سے محل ہے۔

امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر ہونے کو باطل قرار دینے کے لیے بارہ دلیلیں قائم کی ہیں۔ جو اکثر مشکل اور دقیق ہیں اور عام فہم نہیں ہیں۔ ہر حال ان کی ایک اور قدرے آسان دلیل یہ ہے:

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستقر ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہوگی یا مساوی ہوگی یا اصغر ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کی ذات کا بعض عرش پر مستقر ہو گا اور بعض اس سے زائد ہو گا اور اس سے اس کا منقسم ہونا لازم آئے گا اور اگر اللہ تعالیٰ عرش کے مساوی ہو تو اس کا متناہی ہونا لازم آئے گا کیونکہ عرش متناہی ہے اور جو متناہی کے مساوی ہو وہ متناہی ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اصغر ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا متناہی اور منقسم ہونا لازم آئے گا اور یہ تمام



صور تیں بداحت باطل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۸-۲۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)  
علامہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ثانی ج ۱ ص ۶۸۵ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا امر بلند ہو یا غالب ہو اور ہمارے اصحاب سے یہ منقول ہے کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس نے ارادہ کیا اور آنحضرتؐ وہ عرش پر استقرار پور جبکہ پکڑنے سے منزہ ہے۔ (النوار التنزیل مع التفسیر ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۲۱ھ)

علامہ محمد بن یوسف المشور بابن حبان اندلسی المتوفی ۵۷۳ھ لکھتے ہیں:  
اس آیت کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا متعین نہیں ہے جبکہ عقلی دلائل اس پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء محال ہے۔ (البحر المحیط ج ۵ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:  
اس آیت کا معنی ہے اللہ عرش پر غالب ہے۔ ہر چہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے لیکن عرش چونکہ مخلوقات میں سب سے عظیم جسم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ عرش پر غالب ہونے کا ذکر فرمایا۔ امام جعفر صادقؑ، حسن بصریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ رحمہم اللہ سے یہ منقول ہے کہ استواء معلوم ہے (مستقر ہو گیا بلند ہو گا) اور اس کی کیفیت محمول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔

(ادارک التنزیل علی القانن ج ۲ ص ۱۰۰ مطبوعہ پشاور)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قفازانی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:  
اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ممکن اور جنت مستفی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن اور جنت کا ثبوت ہوتا ہے اور بلوجود اختلاف آراء اور تفرق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جنت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے باوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جنت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چہ کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جنت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جواب میں سب سے اشرف ہے اس لیے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اس لیے نہیں متوجہ ہوتے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ کیونکہ تمام خیرات اور برکات اور انوار اور ہار شیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔ (شرح القاصد ج ۳ ص ۵۰-۵۱ مطبوعہ منشورات الرضی قم ایران ۱۳۴۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر حنفیہ میں اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ کی جنت اور مکان سے تزیہ ضروری ہے کیونکہ جو چیز مکان میں ہو اس کو حرکت اور سکون اور تغیر اور حدوث لازم ہے یہ متکلمین کا قول ہے۔ اور سلف اول رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے جنت کی نفی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جنت ثابت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور رسولوں نے بھی اس طرح فرمایا ہے اور سلف صالحین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً عرش

پر مستوی ہے، البتہ ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ اس کے استواء کی حقیقت میں کیا کیفیت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۷۷ ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متونی ۷: ۷۷ ص ۱۹۷ لکھتے ہیں:

استوی کا معنی ہے بلند ہے۔ (اللہ عرش پر بلند ہے) اس بلندی سے وہ بلندی مراد نہیں ہے جو ممکن اور مسافت کی بلندی ہوتی ہے، یعنی کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جو جگہ دو سری جگہوں سے بلند ہو بلکہ اس سے وہ بلندی مراد ہے جو اللہ کی شان کے لائق ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہو گا کہ سلف کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس کی مراد کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس کا ارادہ ہے اور آنحالیکہ وہ استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے اور استواء کی تفسیر استیلاء (غلبہ پانے) سے کرنا باطل ہے۔ کیونکہ جو شخص اس کا قائل ہے کہ استواء کا معنی استیلاء ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا غالب ہونا ہمارے غالب ہونے کی مثل ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ وہ ایسا غالب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ ابتداء یہ کہے کہ وہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متونی ۳۰ ص ۳۷ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ”پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔“  
صدر الانفاصل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متونی ۷: ۷۷ ص ۱۹۷ لکھتے ہیں:

یہ استواء قشبات میں سے ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ کی اس سے جو مراد ہے حق ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول اور اس پر ایمان لانا واجب۔ حضرت مترجم قدس سرہ نے فرمایا: اس کے معنی یہ ہیں کہ آفریش کا خاتمہ عرش پر جائزہ۔ واللہ اعلم باسرار کتابہ۔

(خزانة العرفان ص ۳۵۳، مطبوعہ تاج کھنہ لینڈ لاہور)

استواء علی العرش اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے مسئلہ میں ہم نے کافی طویل بحث کی ہے اور تمام قائل ذکر حقد میں اور متاخرین کے مذاہب اور ان کی آراء تفصیل سے بیان کی ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو اس مسئلہ میں ہر پہلو سے مکمل واقفیت ہو جائے۔ بہر حال ہمارا اس مسئلہ میں وہی موقف ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور دیگر سلف صالحین کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب کو گڑا کر اور چپکے چپکے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اصلاح کے بعد فلاںہ کرو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے (الاعراف: ۵۵-۵۶)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت و وحدانیت اور قدرت اور حکمت پر دلائل قائم کیے تھے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہی اس کائنات کا رب ہے تو پھر چاہیے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی سے ہر معاملہ میں دعا کی جائے۔

قرآن مجید میں دعا کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دعا بہ معنی عبادت اور دعا بہ معنی سوال۔ دعا بہ معنی سوال کی مثل زیر تفسیر آیت ہے ادعوا ربکم فستجبوا و عفیہ تم اپنے رب سے گڑا کر اور چپکے چپکے سوال کرو اور دعا بہ معنی عبادت کی مثل یہ آیت ہے:

إِنَّ الدِّينَ تَدْعُونِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوا  
دُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ (الحج: ۷۳)  
بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ سب  
تل کر ایک کھمی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔

## ما یحییٰ دعاء کے دلائل

بعض لوگوں نے دعا کرنے سے منع کیا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ جس چیز کے حصول کے لیے بندہ دعا کر رہا ہے 'یا تو اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس چیز کو عطا کرنے کا ارادہ کیا ہو گا یا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس چیز کے دینے کا ارادہ کیا ہے تو پھر بندہ دعا کرے یا نہ کرے وہ چیز اس کو مل جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ بندہ کو وہ چیز نہیں دے گا تو بندہ پھر لاکھ دعا کرے اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو پھر دعا کرنا بے فائدہ ہے۔
- ۲۔ جس مطلوب کے لیے بندہ دعا کر رہا ہے یا تو وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے موافق ہو گا یا نہیں۔ اگر وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے موافق ہے تو اللہ تعالیٰ از خود وہ عطا فرمادے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فیاض اور جواد ہے اور اگر وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے خلاف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ وہ مطلوب نہیں دے گا۔ لہذا دعا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
- ۳۔ بندہ کا دعا کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ تقدیر پر راضی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ تقدیر پر راضی ہوتا تو جو کچھ اللہ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے وہ اس پر مطمئن اور شاکر رہتا اور اپنے حالات کو بدلنے کے لیے دعا نہ کرتا۔ اور تقدیر پر راضی نہ ہونا شرعاً مذموم ہے۔

۴۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص قرآن میں مشغول ہونے کی وجہ سے میرا ذکر اور مجھ سے دعا نہ کر سکے اس کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا جو میں نے دعا کرنے والوں کو عطا فرمائی ہے۔  
(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۳۵، اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ فتح الباری ج ۲، سنن الدارمی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۵۹، طبع لاویا، ج ۷، ص ۳۳۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔

۵۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمود کی جلائی ہوئی آگ میں ڈالا جانے لگا تو حضرت جبریل نے آکر عرض کیا: آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: پھر اپنے رب سے سوال کیجئے انہوں نے فرمایا: اس کو میرے حال کا جو علم ہے وہ میرے سوال کے لیے کافی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳، ص ۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ)  
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

## ما یحییٰ دعا کے دلائل کے جوابات

ما یحییٰ دعا نے ترک دعا پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اللہ کی عبادت بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر اللہ نے ازل میں اس کے جنتی ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کی تقدیر میں اس بندہ کا جنتی ہونا ہے تو پھر وہ عبادت کرے یا نہ کرے وہ جنت میں جائے گا اور اگر اللہ نے اس کے دوزخی ہونے کا ارادہ کیا ہے اور یہی اس کی تقدیر ہے تو پھر وہ لاکھ عبادت کرے وہ ہر حال دوزخ میں جائے گا۔ نیز پھر اس کو کھانا پینا بھی ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اگر اللہ نے اس کو سیر کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ کھائے پئے بغیر بھی سیر ہو جائے گا ورنہ وہ جتنا بھی کھائے کبھی سیر نہیں ہو گا۔ اور اس کو علاج بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو بیمار رکھنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ کسی دوا سے صحت یاب نہیں ہو گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی صحت کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ بغیر دوا کے بھی صحت یاب ہو جائے گا۔ علیٰ هذا القیاس اس کو حصول رزق کے لیے بھی

کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اور نہ کسی منصب اور اقتدار کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ نہ حصول علم کے لیے کوئی سعی کرنی چاہیے اور ان سب کا عمل یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے علم اس کے ارادہ اور تقدیر کا کوئی علم نہیں ہے اور جس طرح تقدیر میں ہمارا نفع ہماری عبادت ہمارا سیر ہوتا ہماری صحت ہمارا رزق اور ہمارا علم لکھا ہوا ہے اسی طرح اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ نفع ہمیں دعا سے حاصل ہو گا اور یہ عبادت ہمیں کوشش سے حاصل ہوگی۔ میرا ہوتا ہمارے کھانے سے حاصل ہو گا اور صحت دعا سے حاصل ہوگی۔ علیٰ هذا القیاس۔ تقدیر میں جس طرح یہ امور ہیں اسی طرح حق کے اسباب بھی تقدیر میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر میں اسباب اور میسبات کا سلسلہ مربوط ہے۔

ماہیین نے سنن ترمذی کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں علیہ بن سعد بن جندب عوفی ہے۔ امام احمد نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اس نے کلبی کی کسبت ابو سعید رکی اور کلبی کی روایت کو ابو سعید کے عنوان سے بیان کرنا تھا۔ ابو زرہ اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا۔ امام ابن حبان نے اس کا ضعف میں ذکر کیا۔ امام ابو داؤد نے اس کو ضعیف کہا۔ اس میں تشیع تھا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر مقدم کرتا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۶-۳۵، رقم: ۴۷۸۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ، تہذیب الکمل رقم: ۳۹۵۶، میزان الاعتدال رقم: ۵۶۷۷)

دوسری حدیث جس کو امام بغوی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کو بعض مفسرین کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیا۔ امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن عساکر اور حافظ سیوطی نے اس واقعہ کو متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان تمام روایات میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ جب حضرت جریر نے کہا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیم نے فرمایا تم سے کوئی حاجت نہیں ہے اور یہ الفاظ نہیں ہیں: "اس کو میرے حال کا جو علم ہے وہ میرے سوال کے لیے کافی ہے" اور اس کے معارض یہ روایت ہے جس کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا جانے لگا تو انہوں نے سرفا کر کہا: "اے اللہ تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں اور زمین میں میرے سوا تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کار ساز ہے۔"

(جامع البیان، ج ۷، ص ۵۵-۵۶، دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی اس موقع پر شاک اور کریم کی شاد دعا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت ابی بن کعب پر موقوف ہے اور یہ کعب احیار کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ غالباً اسرائیلیات میں سے ہے اور یہ حدیث مغل ہے کیونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اور بہ کثرت احادیث میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ترغیب اور تلقین کی گئی ہے اور یہ حدیث ان کے مخالف ہے کیونکہ اس میں ترک دعا کی تصریح ہے۔ اور ہمارے لیے حجت قرآن اور حدیث ہے نہ کہ یہ بے اصل اور مغل روایت۔

دعا قبول نہ ہونے کے فوائد

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بہت دفعہ بار بار دعا کہنے کے باوجود دعا قبول نہیں ہوتی پھر دعا کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا محتاج ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حاجت روا اور کار ساز مانتا ہے تو اس کی دعا قبول ہو یا نہ ہو اس دعا کا یہ فائدہ کم تو نہیں ہے کہ اسے اللہ کی معرفت ہوتی ہے دعا قبول نہ ہونے کے باوجود جب وہ بار بار اللہ ہی کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کے اس ایمان اور یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک سوالی اور گدا کے لیے اللہ کے

دور کے سوالور کوئی دروازہ نہیں ہے۔ وہ رد کرے یا قبول 'وہ اس کے سوالور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا' کسی سے سوال نہیں کرتا کسی کے آگے نہیں گڑگڑاتا اور یہ دعا کلمت برافقہ ہے جس سے بندہ کے توحید پر ایمان کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر انسان بار بار دعا کرتا رہے اور اس کی دعا قبول نہ ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ اس سے کوئی مصیبت نکل دیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سوال اس کو عطا فرماتا ہے یا اس کی مثل اس سے کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض اوقات انسان کی دعا قبول نہ ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان ایسی دعا کرے جس میں گناہ نہ ہو اور نہ قطع رحم ہو تو اللہ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا جلد قبول فرمالیتا ہے یا اس دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس کی مثل اس سے کوئی مصیبت دور فرما دیتا ہے۔ صحابہ نے کہا پھر تو ہم بہت دعا کریں گے 'آپ نے فرمایا اللہ بہت دینے والا ہے۔

(اس حدیث کی سند حسن ہے 'مسند احمد ج ۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت قاہرہ ۱۳۱۶ھ 'رقم الحدیث ۱۱۰۷۵' المستدرک ج ۱ ص ۳۹۳) ہمیں چونکہ مستقبل اور عاقبت امور کا پتا نہیں ہوتا اس لیے ہم بعض اوقات کسی ایسی چیز کی دعا کرتے ہیں جو انجام کار ہمارے لیے مضر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہ کر کے ہمیں اس نقصان سے بچالیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۲۱۶)

ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

میں نے البقرہ: ۸۶ کی تفسیر میں دعا پر کافی مفصل گفتگو کی ہے اور ان عنوانات پر تقریر کی ہے 'اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث 'فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء 'طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان' دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب اور دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات۔ اس آیت کی تفسیر میں 'میں دعا کی فضیلت میں چند احادیث بیان کروں گا اور چپکے چپکے دعا کرنے کے فوائد اور نکات بیان کروں گا۔ ہمارے زمانہ میں بعض لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے شدید مخالف ہیں۔ ہر چند کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس کے متعلق چند احادیث بیان کر چکا ہوں لیکن بعض محسن کی فرمائش پر میں یہاں مزید قیغ کر کے احادیث اور آثار کو بیان کروں گا۔ فاقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ عزوجل سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو 'اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں 'سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو ماسوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں 'سو تم مجھ سے کھانا طلب کرو 'میں تم کو کھانا کھلاؤں



گ۔ اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو، سو اس کے جس کو میں لباس پہناؤں سو تم مجھ سے لباس مانگو میں تم کو لباس پہناؤں  
گ۔ اے میرے بندو! تم سب دن رات گنہ کرتے ہو، اور میں تمام گناہوں کو بخشا ہوں، سو تم مجھ سے بخشش طلب کرو، میں تم کو  
بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو، اور تم کسی نفع کے مالک نہیں ہو کہ مجھے  
نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن، تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح  
ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اختلاف نہیں کر سکتے، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن،  
تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے  
اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں، اور میں ہر فرد کا سوال پورا کر دوں تو جو  
کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے  
میرے بندو! یہ تمہارے اہل ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں، پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا، پس جو  
شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو  
ملامت نہ کرے۔

(صحیح مسلم، البرد: ۵۵، (۲۵۷۷) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲۵۷، کتاب الامناء و  
الصفات للیستی، ص ۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا  
دروازہ کھول دیا گیا، اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جائے ان میں سے پسندیدہ سوال  
عافیت کا ہے۔ جو صحیح جس نازل ہو چکی ہیں اور جو نازل نہیں ہوئیں ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ سوائے اللہ کے بندو! دعا  
کرنے کو لازم کرلو۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۳۸، المستدرک ج ۱، ص ۳۹۸)

حضرت ثوبان بن جوش بیان کرتے ہیں کہ تقدیر کو صرف دعا مسترد کر سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے اور  
انسان گنہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(صحیح ابن حبان ج ۲، رقم الحدیث: ۸۷۲، المستدرک ج ۱، ص ۳۹۳، امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی)  
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ  
بتاؤں کہ کس چیز کی وجہ سے تم کو اپنے دشمنوں سے نجات ملے گی اور کس چیز کے سبب سے تمہارے رزق میں زیادتی ہوگی، تم  
اپنے دن اور رات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو، کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(مسند ابو یوسف ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۱۲، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۳۷)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ کا اپنے رب عزوجل سے سب سے زیادہ قرب  
سجدہ میں ہوتا ہے سو تم (سجدہ میں) بہت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم، صلوۃ: ۲۱۵، (۴۸۲) سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۳۷)  
عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام اللہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ حج  
کو جا رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: ہمارے لیے خیر کی دعا کریں، کیونکہ نبی ﷺ فرماتے تھے جو مسلمان شخص اپنے  
بھائی کے حق میں اس کی پس پشت دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے سرانے ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جب

بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کتاب ہے آمین اور تمہارے لیے بھی اس کی مثل ہو۔  
آہستہ دعا کرنے کے فوائد اور نکات

آہستگی اور چپکے چپکے دعا کرنے کے نکات اور فوائد حسب ذیل ہیں:

۱- چپکے چپکے دعا کرنے میں زیادہ ایمان ہے کیونکہ جو شخص چپکے چپکے دعا کرتا ہے اس کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ دعائیں بھی سن لیتا ہے۔

۲- اس میں زیادہ ادب اور تعظیم ہے کیونکہ بڑوں کے سامنے آہستہ آہستہ بات کی جاتی ہے۔

۳- گڑبڑا کر دعا کرنا آہستگی کے ساتھ دعا کرنے کے زیادہ مناسب ہے۔

۴- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے میں زیادہ اخلاص ہے۔ کیونکہ بلند آواز کے ساتھ دعا کرنے میں ریاکاری کا خدشہ ہے۔

۵- جو شخص دور ہو اس سے بلند آواز کے ساتھ بات کی جاتی ہے اور جو قریب ہو اس کے ساتھ آہستہ بات کی جاتی ہے تو جو شخص آہستگی کے ساتھ دعا کرتا ہے وہ گویا اپنے رب کو بہت قریب سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ سرگوشی میں دعا کر رہا ہے۔

۶- جہاں اور بلند آواز کے ساتھ دعا کرنے سے بسا اوقات انسان تھک جاتا ہے یا اکتا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جتنی دیر دعا کرتا رہے اس کی طبیعت میں ملال نہیں ہوتا۔

۷- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے سے انسان کے خیالات منتشر اور پریشان نہیں ہوتے اور وہ دل جمعی اور حضور قلب کے ساتھ دعا کرتا رہتا ہے۔

۸- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے سے یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ اگر بلند آواز کے ساتھ دعا کرتے ہوئے کسی مخالف یا بد طینت انسان یا جن نے اس کی دعا سن لی تو وہ اس کو فتنہ میں جٹا کر دے گا۔

۹- دعا میں انسان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہے اور اس کو اپنے دل کا مل سنا رہا ہے اور جس طرح راز و نیاز خفیہ ہوتے ہیں اسی طرح دعا بھی خفیہ طریقہ سے مناسب ہے۔

۱۰- حضرت زکریا علیہ السلام نے آہستگی کے ساتھ خفیہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی:

إِذْ نَادَى رَبَّهُ نَجْوًا خَفِيًّا (مريم: ۳)

جب انہوں نے اپنے رب کو آہستگی کے ساتھ پکارا۔

۱۱- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نئی بیچھڑ کے ساتھ جا رہے تھے لوگ با آواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کو تم کسی ہمرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو تم سہج اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (الحديث)

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۰۹، صحیح مسلم، الحدیث: ۴۳ (۴۷۳-۴۷۵)، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۵۳۱، سنن الترمذی، رقم

الحديث: ۳۳۷۲)

۱۲- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بہ قدر کفایت ہو۔

(صحیح ابن ماجہ ج ۳، رقم الحديث: ۸۰۹، کتاب التہجد، الحدیث: ۷۷، مستحب ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۵، مسند احمد

ج ۱ ص ۷۸، مسند ابوسہیل، رقم الحديث: ۷۳، کتاب اللہ، الحدیث: ۱۸۳، شعب الایمان للسیوطی ج ۱ ص ۳۳۰)

۱۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آہستگی کے ساتھ دعا کرنا ستر یا آواز بلند دعاؤں کے

برابر ہے۔

(کتاب الفردوس ج ۲، رقم الحديث: ۲۸۶۹، الجامع الكبير ج ۳، رقم الحديث: ۳۰۵۹، الجامع الصغير ج ۱، رقم الحديث: ۳۲۰۶، کنز العمال ج ۲، رقم الحديث: ۳۱۹۶)

امام محمد بن فضال الدین عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں ارباب طریقت کا اختلاف ہے کہ آیا عبادات میں اختفاء افضل ہے یا اظہار بعض کے نزدیک اختفاء افضل ہے تاکہ اعمال ریا سے محفوظ رہیں اور بعض کے نزدیک اظہار افضل ہے تاکہ دوسروں کو بھی عبادات میں اقتداء کرنے کی ترغیب ہو۔ شیخ محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی نے کہا اگر کسی شخص کو اپنے لوہے پر ریاکاری کا خطرہ ہو تو اس کے لیے اختفاء افضل ہے اور اگر وہ شائبہ ریا سے مومن ہو تو اس کے حق میں اظہار افضل ہے تاکہ دوسروں کی اقتداء کا فائدہ حاصل ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جیر بن مطعم، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، قاضی شریح، سہول، قتادہ، عطاء ملاوس اور مجاہد وغیرہم کے نزدیک دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ استسقاء کے سوا کسی دعا کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے آپ اس دعا میں ہاتھ اس قدر اوپر اٹھاتے کہ آپ کی بظلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۳۱۱) ایک قول یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تو اس وقت دعائیں ہاتھ اٹھانا حسن اور عمدہ ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے استسقاء میں اور جنگ بدر کے دن دعائیں ہاتھ اٹھائے تھے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۷۸ھ فرماتے ہیں: دعا جس طرح سے بھی کی جائے وہ مستحسن ہے۔ کیونکہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو وہ اپنے فقر اور اپنی حاجت کو اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی اور تذلّل کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا کرے اور یہ مستحسن طریقہ ہے اور اگر چاہے تو اس کے بغیر دعا کرے اور نبی ﷺ نے اس طرح کیا ہے اور اس آیت میں ہاتھ اٹھانے اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کی قید نہیں لگائی اور ان لوگوں کی مدح کی ہے جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں خواہ کھڑے ہوں، خواہ بیٹھے ہوں۔ (آل عمران: ۱۹۱) اور نبی ﷺ نے جوہر کے خطبہ میں دعا کی اور آنحضور ﷺ آپ کا قبلہ کی طرف منہ نہیں تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بہ کثرت احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ دعا کے وقت دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے اور یہ مستحسن طریقہ ہے جیسا کہ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی نے فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ نبی ﷺ نے استسقاء کے علاوہ دعا میں دونوں ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے اس کے علماء نے متحدہ روایات دیے ہیں۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم مالکی القُرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی یہ ہے کہ نبی ﷺ جس قدر مبلغ کے ساتھ استسقاء میں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بظلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی اس قدر مبلغ کے ساتھ باقی دعاؤں میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے اور نہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اور دیگر مواقع پر دعائیں ہاتھ بلند فرمائے ہیں۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ دعائیں دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے لیے جنت کا اعتقاد نہ کرے۔ امام مالک کا مختار یہ ہے کہ جب مصیبت دور

کرنے کے لیے دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے جیسا کہ استسقاء کی حدیثوں میں ہے اور جب کسی چیز کی رغبت اور طلب کے لیے دعا کرے تو دونوں ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔

(النعم ج ۲ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ ابی یاسجی متوفی ۸۴۸ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے ہر دعائیں دونوں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ استسقاء میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب ہے۔

(اکمال اکمال المعظم ج ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ نبی ﷺ استسقاء کے علاوہ اور کسی دعائیں دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور یہ روایت ان احادیث صحیحہ کے معارض ہے جن میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ استسقاء کے علاوہ بھی دعاؤں میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ احادیث بہت زیادہ ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الدعوات میں مستقل عنوان کے ساتھ ان احادیث کو ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ بلند کرنے کی احادیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس پر محمول ہے کہ انہوں نے ان مواقع کو نہیں دیکھا اور یا حضرت انس کی روایت اس پر محمول ہے کہ استسقاء کی دعا میں نبی ﷺ بہت زیادہ دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں چہرے کے متوازی کر لیتے اور آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی اور اس کیفیت کے ساتھ آپ باقی دعاؤں میں ہاتھ بلند نہیں کرتے تھے۔ اس طرح احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ دار الفکر اسلامیہ لاہور ۱۴۱۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی یہی تقریر کی ہے۔ (عمدة القاری ج ۷ ص ۵۴ طبع مصر)

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

دعائیں دونوں ہاتھ بلند کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک سے ایک روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے اور دوسرے ائمہ نے ہر دعائیں دونوں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے اور بعض علماء نے فقط استسقاء میں جائز کہا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ دعائیں سنت یہ ہے کہ معیبت دور کرنے کے لیے جب دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے (اس میں زبان حل سے کہنا ہے کہ اے اللہ! جس چیز کو بدلنا بہ ظاہر ہمارے اختیار میں ہے اس کو ہم نے بدل دیا اور جس کو بدلنا تیرے اختیار میں ہے اس کو تو بدل دے) یعنی ہمارے حالات کو معیبت سے راحت میں بدل دے اور دعا کرنے والا صرف ہاتھوں کو نہ بدلے بلکہ اپنے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے) اور جب کسی چیز کے حصول کی دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔ حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ان کی پشت سے سوال نہ کرو۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر چاہے تو دعائیں دونوں ہاتھ اٹھائے اور اگر چاہے تو انگلی سے اشارہ کرے محیط میں ہے انگلی سے اشارہ کرے۔

(عمدة القاری ج ۶ ص ۲۳۸-۲۳۹ مطبوعہ ادارہ الطباعة الخیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

دعا کے آداب سے یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف بلند کرے گویا کہ فیض لینے اور نزول برکت کے حصول کا

نظر ہو تاکہ ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرے جیسے اس نے اس حرکت کو قبول کر لیا ہے۔

(ارشاد الساری الی سادک ملا علی قاری ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مصیبت دور کرنے کے لیے دعائیں سنت یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف رکھے اور جب اللہ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھے۔

(تفہیم الخیر مع شرح المذہب ج ۵ ص ۱۰۲)

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی متوفی ۷۶۸ھ لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد ذکر کرے اس کے بعد اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے وہ دعا کرے جو نبی کریم سے منقول ہو۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۵۸۰) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو اللہم اعنسی ذکرک و شکرک و حس عبادتک (مغل ایوم والیلک رقم الحدیث ۵۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۲۲) جب یہ دعائیں کرے تو اپنے سینہ تک دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیوں کو چہرے کی جانب رکھے۔

(مرآۃ المفاتیح علی ہامش المصنف ص ۱۸۹، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ ابابلی داود مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل المصنف المتوفی ۳۱۱ھ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

حصن حصین اور اس کی شرح میں مذکور ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کندھوں تک آسمان کی جانب بلند کرے کیونکہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دعا کے وقت تم اپنے دونوں ہاتھ کندھوں یا اس سے ذرا نیچے تک بلند کرو اور وہ جو حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھ اس قدر بلند کرے کہ بظلوں کی سفیدی دکھائی دے سو وہ بیان جواز پر محمول ہے یا استسقاء پر۔ یا کسی اور سخت مصیبت کے موقع پر جب دعائیں مبالغہ مقصود ہو اور ان میں مذکور ہے کہ دعا کی مستحب کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کچھ کشادگی ہو اور اگر کسی وجہ سے دونوں ہاتھ بلند نہ کر سکے تو انگوٹھے کے برابر والی انگلی (سبابہ) سے اشارہ کرے اور شرح حصن حصین میں مذکور ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ملائے اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھے اور شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن دونوں ہاتھ ملا کر دعا کی۔

(حاشیہ المصنف علی مرآۃ المفاتیح ص ۱۹۰-۱۸۹، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۹۷۳ھ نے بھی لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعائیں دونوں ہاتھ بلند کرے اور دونوں ہتھیلیاں چہرے کی

جانب کرے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتبہ ادبیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ دعا کی چار قسمیں ہیں: دعا غبت، دعا رجبت، (مصیبت کے وقت کی دعا) دعا تضرع (گڑگڑا کر دعا کرنا) اور دعا خفیہ۔ دعا غبت میں اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی جانب کرے اور دعا رجبت میں اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کے بالمتقابل کرے جیسے کسی مصیبت میں فریاد کر رہا ہو اور دعا تضرع میں چھٹکی اور اس کے ساتھ دالی انگلی (خنصر اور بنصر) کو موڑے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ اور دعا خفیہ کو انسان اپنے دس میں کرے۔ اسی طرح مجموع الفتاویٰ میں مختصر حاکم شہید کی شرح سرخسی کے حوالے سے مذکور ہے۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۱۸، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)



شس الانہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۳۸۳ھ مذکور العذر عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

اسی بناء پر امام ابو یوسف نے اہل میں لکھوایا ہے کہ صفا مودہ عرفات اور مزدلفہ وغیرہ میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف بلند کرے کیونکہ وہ ان مواقع میں رغبت کے ساتھ دعا کرتا ہے اور مختار یہ ہے کہ دعاء قنوت میں امام اور مقتدی دونوں آہستہ دعا کریں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جو خفیہ ہو اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام بلند آواز سے دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں۔ وہ اس طریقہ کو خارج نماز دعا پر قیاس کرتے ہیں۔

(المبسوط ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

مبسوط کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز میں امام کو سرادعا کرنا چاہیے اور خارج نماز میں امام کو جبرادعا کرنی چاہیے تاکہ مقتدی اس کی دعا پر مطلع ہو کر آمین کہیں۔

لا علی بن سلطان محمد البخاری الحنفی المتوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے آسمان کی طرف بلند کرے کیونکہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ اس کو حضرت ابو حمید سلمی اور حضرت انس وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ کہ وہ کندھوں کے ہلچل دونوں ہاتھوں کو بلند کرے۔ نیز آداب دعا سے یہ ہے کہ وہ ہاتھوں کو ملائے اور انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ (شرح صحن حصین مطبوعہ مکہ المکرمہ ۱۳۰۳ھ)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کندھوں تک بلند کرے۔ نبی ﷺ نے تقریباً تیس مقلات پر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ہے اور دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے جیسا کہ سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(تحدیث الکریم ص ۵۸-۵۹ دار الفکر بیروت)

خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بنو ہذیلہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ اچھی طرح سے یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے۔ وہ کہنے لگے صانا صبابا (ہم نے دین بدل لیا) حضرت خالد نے ان کو قتل کر لیا اور قید کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کو انہوں نے ایک قیدی دیا حتیٰ کہ جس صبح کو حضرت خالد نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کماخذ اکی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا ذکر کیا تب نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر (دوسری روایت میں ہے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر) کتاب اللہ عوات باب رفع الایدی فی اللہ عا) دوبار یہ دعا کی: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف یری ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۳۹ سنن الترمذی رقم الحدیث ۵۳۲۰)

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسالتوں میں سے ایک اعرابی جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! موسیٰ ہلاک ہو گئے بچے اور لوگ ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کر رہے تھے ابھی ہم مسجد سے نکلے نہیں تھے کہ بادش شروع ہو گئی۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۰۲۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۱۶۸)

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بظلوں کی سفیدی دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰، صحیح مسلم الاستیفاء: ۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۵)

۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابو عامر کو ایک لشکر کا امیر بنا کر لوہاس کی طرف بھیجا ان کا مقابلہ درید بن الصمد سے ہوا۔ پس درید قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اس کے لشکر کو شکست دی۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے ابو عامر کے ساتھ بھیجا تھا۔ حضرت ابو عامر کے گھٹنے میں آکر ایک تیر لگا اور وہ حیران کے گھٹنے میں بیست ہو گیا۔ میں ان کے پاس پہنچا اور کہا اے چچا آپ کو کس نے تیر مارا؟ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ کو اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے جس نے مجھ کو تیر مارا ہے۔ میں نے اس کا قصد کیا اور اس کو جالیا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ بیٹھ سوڑ کر بھاگ۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور میں یہ کہہ رہا تھا تجھے شرم نہیں آتی تو رکنا کیوں نہیں۔ وہ رک گیا اور ہم نے ایک دوسرے پر تلواریں سے حملے کیے۔ میں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر میں نے حضرت ابو عامر سے کہا اللہ نے آپ کے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تیر نکلو۔ میں نے تیر نکلا تو گھٹنے سے پانی بننے لگا۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے نبی ﷺ کو میرا سلام کہتا اور عرض کرنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اور حضرت ابو عامر نے مجھے اپنا قائم مقام لشکر کا سالار مقرر کیا۔ وہ تھوڑی دیر زندہ رہے پھر فوت ہو گئے۔ جب میں لوٹا تو نبی ﷺ کے گھر میں حاضر ہوا آپ ایک چارپائی پر بغیر بستر کے لیٹے تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پلو پر چارپائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے۔ میں نے آپ سے اپنا اور حضرت ابو عامر کا ماجرا عرض کیا اور یہ بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ سے کہنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے پانی منگوایا وضو کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ اپنے بندے ابو عامر کی مغفرت فرما۔ میں نے نبی ﷺ کی بظلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے کہا اے اللہ اقیامت کے دن اس کو اپنی کثیر غلوق پر فضیلت عطا فرما۔ میں نے عرض کیا اور میرے لیے بھی مغفرت کی دعا کیجئے آپ نے کہا اے اللہ اے عبد اللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کو قیامت کے دن عزت کی جگہ میں داخل کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۲۳، صحیح مسلم فضائل صحابہ: ۱۶۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵، رقم الحدیث: ۸۷۸۱)

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح سویرے خیر پنچے اس وقت وہ لوگ اپنے کدال اور پھلوڑے لے کر نکل رہے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ محمد ﷺ لشکر سمیت آپہنچے اور انہوں نے قلعہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا خیر بجا ہو گیا ہے شک ہم جس قوم کے معن میں نازل ہوتے ہیں تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہوتی ہے جن کو ڈرایا جا چکا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۴۷، مسند احمد ج ۳، ص ۱۶۳-۱۱۱)

۶۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجرہ اوٹی پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر نرم جگہ کا قصد کرتے پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے۔ پھر اسی طرح حجرہ وسطیٰ پر کنکریاں مارتے پھر بائیں جانب نرم جگہ کا قصد کرتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے پھر حجرہ عقبہ کی رسی کرتے اور وہاں نہ ٹھہرتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۲)

۷۔ زہری بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اس جمہور کی ری کرتے جو مسجد منیٰ کے قریب ہے تو سات کنکریاں مارتے

اور ہر مرتبہ ری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر اپنے آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے ٹھہرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے اور طویل قیام کرتے۔ پھر دوسرے جہز پر آتے اور وہیں سات کنکریاں مارتے اور ہر ری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر بائیں جانب دہلیز کے قریب چلے جاتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے پھر جہز عقبہ کے پاس تشریف لاتے اور وہیں سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر لوٹ آتے اور وہیں قیام نہ کرتے۔ زہری نے کہا میں نے سالم بن عبد اللہ سے سنا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی مثل حدیث بیان کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر بھی اسی طرح کہتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

۸۔ دھب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ دعا کرتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کر رہے تھے میں بعض بشرہوں تو میرا سواخذہ نہ فرامیں جس مومن کو بھی سنت دونوں یا رکوں تو اس پر میرا سواخذہ نہ فرما۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۵، یہ حدیث صحیح ہے)

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دوس 'نافرمانی' کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں بن کے خلاف دعائے ضرر کیجئے۔ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے لوگوں نے گمان کیا کہ آپ بن کے خلاف دعاء ضرر کریں گے۔ آپ نے کہا: "اے اللہ دوس کو ہدایت دے اور بن کو لے آ۔"

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۷۳۶، تہذیب تاریخ دمشق ج ۷، ص ۶۶، مسند میدی ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

۱۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو نے نبی ﷺ سے کہا آپ کا ایک مضبوط کلمہ کے متعلق کیا خیال ہے جو دوس کا کلمہ ہے۔ آپ نے اس کا انکار فرمایا کیونکہ یہ معلوم اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقرر کر دی تھی۔ پھر حضرت طفیل نے ہجرت کی۔ اور بن کے ساتھ بن کے قبیلہ کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی۔ وہ شخص بیمار پڑ گیا اس شخص نے بے صبری کی اور چھری سے اپنے ہاتھ کی رگیں کٹ ڈالیں اور وہ مر گیا۔ حضرت طفیل نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا۔ انہوں نے کہا تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے یہ بتایا گیا کہ ہم اس کو ہرگز ٹھیک نہیں کریں گے جس کو تم نے خود خراب کیا ہے۔ حضرت طفیل نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے عرض کیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی صحاف کر دے۔ (الادب المفرد رقم الحدیث: ۷۳۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

۱۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں یہ اس رات کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے۔ آپ نے کروٹ لے کر چادر لوڑھی اور جوتے نکل کر اپنے قدموں کے سامنے رکھے اور چادر کی ایک طرف اپنے بستر پر بچھا کر لیٹ گئے، تھوڑی دیر میں نیند کے خیال سے لیٹے رہے۔ پھر آہستہ سے چادر لوڑھی 'جو تاپہتا' چپکے سے دروازہ کھولا آرام سے باہر نکلے اور

آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے بھی چادر سر پر لوڑھی ایک چادر اپنے گرد لپیٹی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آپ تسبیح (تبرستان) پینچے اور بہت طویل قیام کیا اور تین بار (دعا کے لیے) ہاتھ بلند کیے اور لوٹ آئے۔

(صحیح مسلم ابواب: ۱۰۳، ۲۲۱۹ (۹۷۳) سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۶، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۲۱)

۱۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حیا دار کریم ہے جب کوئی شخص اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو ہمارا لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۹۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۸۷۵، المستدرک، ج ۱، ص ۵۳۵، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۸، کتاب الدعاء، للبخاری، ص ۸۳، رقم الحدیث: ۴۰۴)

۱۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا میں دونوں ہاتھ بلند فرماتے تو جب تک ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے نہیں تھے ان کو نیچے نہیں کرتے تھے۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

۱۵۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بندہ دونوں ہاتھ اللہ کی طرف بلند کرتا ہے تو اللہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو غلط لوٹا دے اور اس کے ہاتھوں میں کچھ نہ ہو۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۹۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۸۷۵، المعجم الکبیر، ج ۶، ص ۳۴۳، کتاب الدعاء، للبخاری، ص ۸۳)

۱۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور ہاتھوں کی پشت دونوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۳۸۷)

۱۷۔ سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے اور اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۳۴۳)

۱۸۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرے کے پاس شد کی کھیدوں کی بمبھٹاٹ کی سی آواز سنائی دیتی ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر ٹھہرے رہے اور جب وہ کیفیت ختم ہو گئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ دے اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں عزت دے اور ہمیں ذلت سے بچا اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر اور ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی کر اور ہم سے راضی رہ۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۱۸۳، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۳۳۹۹، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۲۳، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، المستدرک، ج ۱، ص ۵۳۵)

۱۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ستر قاریوں کی شہادت کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ بلند کر کے ان کے قانکوں کے خلاف دیکھتا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۴۸)

۲۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دو آدمیوں کے خلاف دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۹۷۴۳)

۲۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اخلاص اس طرح ہے، آپ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا اور یہ دعا ہے: آپ نے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کیے اور یہ اجتہاد ہے پھر آپ نے اور زیادہ

ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب اللہ عام للبرائی رقم الحدیث: ۳۰۸)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن جب رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی تو آپ نے چادر پھینک دی اور بغیر (لوہر کی) چادر کے کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ خوب بلند کر کے دعا کی۔ اس حدیث کو امام واؤد طرابلسی نے روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادة المحمدية بزوائد المسانيد العشرة ج ۹ ص ۱۳ رقم الحدیث: ۶۹۳۳)

۲۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں کھڑے ہوئے اس طرح دعا کر رہے تھے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک بلند کیے اور ہتھیلیوں کو زمین کی جانب کیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۱۲)

۲۴۔ حضرت غلام بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کسی چیز کا سوال کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنی جانب رکھتے اور جب کسی چیز سے پتہ طلب کرتے تو اپنے ہاتھوں کی پشت کو اپنی جانب رکھتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۵۶ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸ تلخیص الجبر مع شرح المذهب ج ۵ ص ۱۰۲)

۲۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان عرفات میں دعا کرتے ہوئے دیکھا آپ کے دونوں ہاتھ سینہ کی جانب تھے جیسے کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو۔

(المعجم الاوسط ج ۳ رقم الحدیث: ۲۹۱۳۰ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ دعا کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ میں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اٹک جاتی تھی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۵ اس کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۷۔ حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دعائیں دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

(مسند ابو حلی ج ۱۳ رقم الحدیث: ۳۳۳۰ الطالب العالیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۳۳۵ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعائیں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی ہاتھوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

(مسند ابیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۱۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۷۱ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۲۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان عرفات میں گڑگڑا کر دعا کر رہے تھے۔ آپ کے اصحاب نے کہا یہ اجمل (اللہ سے مجزدا نکلا) ہے دعا کرتا ہے۔

(مسند ابیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۱۳۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

۳۰۔ حضرت زید بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جماعت کے ساتھ آئے حتیٰ کہ آپ نے المرطاء کے نزدیک قرن پر قیام کیا۔ اس وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے دعا کر رہے تھے۔

(المعجم الاوسط ج ۹ رقم الحدیث: ۸۹۱۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب حیا کرنے والا کریم ہے۔ جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو اس کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ اس کے ہاتھوں کو خلل لوٹا دے اور ان میں کوئی

خیر نہ ہو۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ بلند کرے تو وہ تین بار یہ کہے یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ارحم الراحمین پھر اپنے چہرے پر خیر کو اغیل دے (یعنی چہرے پر ہاتھ بھیرے۔ اس کی سند ضعیف ہے)

(المعجم الکبیر ج ۱۲، رقم الحدیث ۱۳۵۵۷، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۲۔ حضرت سلمان جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو اللہ عزوجل کی طرف اٹھا کر کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ (کے ذمہ کرم) پر یہ حق ہے کہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھ دے جس کا انہوں نے سوال کیا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (المعجم الکبیر ج ۱۲، رقم الحدیث ۱۳۵۵۷، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۳۔ حضرت خالد بن الولید جوہر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تنگ دستی کی شکایت کی آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور اللہ تعالیٰ سے فراخی کا سوال کرو۔ امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک سند حسن ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث ۳۸۳۳۰، ۳۸۳۲۲، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۴۔ حضرت خالد بن سائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو چہرے تک بلند کرتے۔ اس کی سند میں شخص بن ہاشم مجہول ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث ۱۱۸۵۰، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۵۔ حضرت جریر جوہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان عرفات میں دیکھا آپ نے اپنی چادر بغل سے لٹکائی تھی اور دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے جو سر سے متجاوز نہیں تھے اور آپ کے بازو کٹپ رہے تھے۔ اس کی سند میں محمد بن عبید اللہ العزری ضعیف راوی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲، رقم الحدیث ۲۳۸۶، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۱۶۹)

۳۶۔ حضرت ابو بکر جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۲۴، مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۲۲۳، کنز العمال رقم الحدیث ۳۲۲۹، ۳۲۳۰)

(۳۲۲۷)

۳۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بیت اللہ کو دیکھو جب صفا اور مروہ پر ہو اور جب میدان عرفات میں ہو اور جب مزدلفہ میں ہو اور جب شیطاں پر سنگریاں مارو اور جب نماز قائم کرو تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث ۱۷۰۹، مجمع الزوائد ج ۳، ص ۲۳۸)

۳۸۔ حضرت عمر بن الخطاب جوہر بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمیوں میں تبوک کی طرف گئے۔ ہم ایک جگہ ٹھہرے۔ اس دن ہمیں اتنی سخت پیاس لگ رہی تھی کہ لگتا تھا کہ ہماری گردنیں ڈھلک جائیں گی، حتیٰ کہ ایک شخص پانی کی تلاش میں جاتا اور اس حل میں واپس آتا کہ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی ہوتی، اور حتیٰ کہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو ذبح کرتا اور اس کی اوجھڑی کو نیچوڑ کر پیتا اور پانی کو اپنے کلیجہ پر رکھتا۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ اللہ آپ کی دعا قبول کرتا ہے آپ ہمارے لیے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ابھی وہ ہاتھ نیچے کیے تھے کہ بادل اُمتد آئے اور بارش شروع ہو گئی پھر ٹھہر گئی اور صحابہ نے اپنے پر تن پانی سے بھر لیے۔

(المعجم الاوسط ج ۳، رقم الحدیث ۳۳۱۶)



۳۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گھر سے مسجد کی طرف گیا۔ مسجد میں کچھ لوگ ہاتھ بلند کر کے اللہ عزوجل سے دعا کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو ان لوگوں کے ہاتھوں میں کیا ہے؟ میں نے پوچھا آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نور۔ میں نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی وہ نور دکھائے۔ حضرت انس نے کہا: آپ نے دعا کی اور میں نے وہ نور دیکھ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے انس جلدی چلو تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں پھر میں نبی ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی چلا پھر ہم نے بھی اپنے ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الدعاء للبرانی، ص ۸۵، رقم الحديث ۲۰۶، تاریخ الکبیر، ج ۳، ص ۳۴)

۴۰۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ابن آدم جو بات بھی کرتا ہے وہ لکھ لی جاتی ہے۔ جب وہ کوئی خطا کرے اور اس پر توبہ کرنا چاہے تو اسے بلند ہونے والا نور لانا چاہیے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرے اور یہ کہے کہ میں اس خطا سے توبہ کرتا ہوں اور میں دوبارہ یہ کبھی نہیں کروں گا تو اس کی وہ خطا بخش دی جائے گی جب تک کہ وہ اس خطا کو دوبارہ نہ کرے۔ (کتاب الدعاء للبرانی، ص ۸۵، رقم الحديث ۲۰۷، مطبوعہ دار الکتب المطبعہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر

دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق مذکور الصدر احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میری نظر میں ہیں لیکن میں اس باب میں صرف چالیس احادیث جمع کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ امت مسلمہ تک چالیس احادیث پہنچانے کے سلسلہ میں متعدد بشارات ہیں ہر چند کہ ان احادیث کی اسلو ضعیف ہیں۔ اسی طرح دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا مانگنے کے باب میں جو ہم نے احادیث پیش کی ہیں ان میں بھی بعض احادیث کی اسلو ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ضعیف احادیث معتبر ہوتی ہیں اس لیے ہم نے ان احادیث کو بھی شامل کر لیا ہے۔ پہلے ہم چالیس حدیثوں کی حفاظت کے متعلق احادیث پیش کریں گے۔ پھر احادیث ضعیف کے معتبر ہونے کے متعلق دلائل پیش کریں گے۔

چالیس حدیثوں کی تبلیغ کرنے والے کے متعلق نوید اور بشارت

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی المتوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ایسی چالیس حدیثیں پہنچائیں جس سے اللہ عزوجل نے ان کو نفع دیا تو اس سے کہا جائے گا جس دروازے سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(طبۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۸۹، طبع التتبیہ، ج ۱، ص ۱۱۲)

امام حافظ ابو عمرو یوسف ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے جس امتی نے چالیس حدیثوں کو روایت کیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس محل میں ملاقات کرے گا کہ وہ فقیہ عالم ہو گا۔ امام عبد البر نے کہا اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ (کتاب العلم، ج ۱، ص ۳۳، طبع التتبیہ، ج ۱، ص ۱۵۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کے لیے سنت سے حلق چالیس حدیثوں کو محفوظ کیا حتیٰ کہ وہ حدیثیں ان تک پہنچادیں میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ امام ابن عبد البر نے کہا اس حدیث کی سند اس باب کی حدیثوں میں سب سے بہتر ہے لیکن یہ غیر محفوظ ہے اور امام مالک کی روایات میں غیر معروف ہے۔ (کتاب العلم، ج ۱، ص ۳۳، طبع التتبیہ، ج ۱، ص ۱۵۷)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ اس کو اس محل میں اٹھائے گا کہ وہ فقیر ہو گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۴۴۵، تنزیہ تاریخ دمشق ج ۲، ص ۲۹۳، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۲۵۸، المطالب العالیہ، رقم الحدیث: ۳۰۷۶، کنز العمال ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۸۸۷، ۲۸۸۸، ۲۸۸۹، ۲۸۹۰، ۲۸۹۱، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۲۸۹۶، ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، ۲۸۹۹، علی متقی نے یہ احادیث ابن عری کی کمال، امام ابن عساکر، امام عبد الرزاق، امام بیہقی کی شعب الایمان، امام ابن النہار، امام ابو نعیم کی علیہ اور امام دہلی کے حواہوں سے ذکر کی ہیں)

امام حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عری البحر جلی التوفی ۳۶۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو سنت سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

(الکامل فی شعبہ الرجال ج ۱، ص ۳۲۳، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۸۶۳۶، اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو سنت سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(الکامل فی شعبہ الرجال ج ۱، ص ۳۲۳، اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو چالیس حدیثیں پہنچائیں جو ان کے دین میں نفع دیں وہ شخص قیامت کے دن علماء میں سے اٹھایا جائے گا۔

(الکامل فی شعبہ الرجال ج ۵، ص ۱۷۹، ج ۶، ص ۲۲۷، ج ۷، ص ۲۵۲، اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۱۸، ابدایہ و النہایہ ج ۸، ص ۳۱۰، شعب الایمان ج ۲، رقم الحدیث: ۱۷۲۵، تنزیہ تاریخ دمشق ج ۲، ص ۳۹۳، مختصر تاریخ دمشق ج ۳، ص ۴۳۸) چالیس حدیثوں کی تبلیغ پر بشارت کی احادیث کی فنی حیثیت علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ اور حافظ ابن عساکر نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی، حضرت عمر، حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابو امامہ، حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو سعید سے متعدد اسناد کے ساتھ مروی ہیں جن میں سے ہر سند کی صحت پر بحث کی گئی ہے لیکن کثرت طرق اور اسناد سے اس حدیث کی تقویت ہو گئی اور بلوجود ضعف کے سب سے عمدہ سند اس حدیث کی ہے جو حضرت معاذ سے مروی ہے۔

(لیس اللہ بہ ج ۱۱، ص ۵۷۷، مطبوعہ مکتبہ زار، مطبوعۃ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۸ھ) جس حدیث کا علامہ منلوی نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس محل میں اٹھائے گا کہ وہ فقیر عالم ہو گا۔

(اصل المتابیعہ ج ۱، ص ۱۱۳، الحدیث القاضی، ص ۱۷۳، کتاب العلم ج ۱، ص ۴۴) علامہ اسماعیل بن محمد الجولانی التوفی ۷۴۰ھ لکھتے ہیں:

امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسانید ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں نے اس حدیث کو تمام اسانید کے ساتھ ایک رسالہ میں جمع کیا ہے (ارشاد الربیعین لل طریق حدیث الاربعین: یہ رسالہ چھپ چکا ہے) اس کی ہر سند میں علت قاذبہ ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ حافظ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ اس کی اسانید متعدد ہیں۔ حافظ ابو طاہر سلفی نے اپنی اربعین میں یہ کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن پر اعتقاد اور میلان کیا گیا ہے اور جن کی صحت معلوم ہے۔ حافظ منذری نے اس کی توجیہ میں یہ کہا کہ ان کی یہ عبارت اس قول پر مبنی ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ (کنف الخفاء و منزل الالباس ج ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ مکتبہ الخزانہ دمشق)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اربعین نووی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو الدرداء، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ ہر چند کہ اس کے طرق متعدد ہیں اس کے باوجود حافظ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور علماء رضی اللہ عنہم نے اس باب میں بے شمار تصنیفات سپرد قلم کی ہیں۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے عبداللہ بن المبارک نے چالیس حدیثوں کا مجموعہ لکھا۔ پھر الحسن بن سفیان التلمی نے اور ابو بکر الاجر نے اور ابو بکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی نے اور محمد بن اسلم الطوسی نے اور امام الدارقطنی نے اور امام حاکم، امام ابو نعیم اور ابو عبد الرحمن اسلمی نے اور ابو سعید المالکی اور ابو عثمان الصابونی نے اور عبداللہ بن محمد الانصاری نے اور ابو بکر البیہقی نے اور بے شمار حلقہ اور متاخر علماء نے۔

اور میں نے ان ائمہ اعلام اور حفاظ اسلام کی اقتداء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استعاضہ کیا کہ میں بھی چالیس حدیثیں جمع کروں۔ اور بے شک علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اہل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس کے باوجود میرا صرف اس حدیث پر اعتقاد نہیں ہے بلکہ دیگر احادیث صحیحہ پر اعتقاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے حاضر غائب کو پہنچا دے اور آپ نے فرمایا اللہ اس کو ترمیم دے رکھے جس نے میری حدیث کو سنا اس کو یاد رکھا اور جس طرح اس کو سنا تھا اس طرح پہنچا دیا۔

(اربعین نووی ص ۳۰۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا فضائل اہل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ نیز جب کوئی حدیث متعدد اسانید سے مروی ہو تو حسن ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی اس حدیث میں مذکور بشارتوں کی امید پر اور ان علماء اسلام کی اتباع کرتے ہوئے بیان القرآن کی جلد ہانی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق اور اس جلد رابع میں دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنے کے متعلق چالیس چالیس حدیثیں جمع کی ہیں کیونکہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(المنکح علی کتاب ابن الصلاح ج ۱ ص ۳۹۵-۳۹۴)

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے قواعد اور شرائط

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

محمد ثمین، فقہاء اور دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب اور ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے جبکہ وہ

موضوع نہ ہو۔ (کتب الاذکار ص ۷ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ اہل البیاء العلمیہ ولولادہ مصر)

اگر حدیث کی اسانید الگ الگ ضعیف ہوں تو ان کا مجموع قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض بعض کے ساتھ مل کر قوی ہو جاتی ہیں اور وہ حدیث حسن ہوتی ہے اور اس کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے۔

(شرح المذہب ج ۷، ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سبکی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱۔ وہ حدیث بہت شدید ضعیف نہ ہو۔ پس جس حدیث کی روایت میں کذابین یا متعمد کذاب منقول ہوں یا جو بہت زیادہ غلطی کرتے ہوں ان کی روایات پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ شرط متفق علیہ ہے۔

۲۔ وہ حدیث کسی عام شرعی قاعدہ کے تحت مندرج ہو اور جس حدیث کی کوئی اصل نہ ہو وہ اس قاعدہ سے خارج ہے۔

۳۔ اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کیا جائے تاکہ نئی چیز کی طرف وہ بات منسوب نہ ہو جو آپ نے نہیں فرمائی۔ مؤخر الذکر دونوں شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن رقیب البیہقی سے منقول ہیں۔

اور میں لکھتا ہوں کہ امام احمد سے یہ منقول ہے کہ حدیث ضعیف پر اس وقت عمل کیا جائے جب اس کے سوا دوسری حدیث نہ مل سکے۔ اور اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث نہ ہو اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ لوگوں کی رائے کی بہ نسبت ہمیں حدیث ضعیف زیادہ محبوب ہے اور ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ تمام احناف اس پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رائے اور قیاس پر عمل کرنے سے افضل ہے۔

(القول البدیع، ص ۳۶۳-۳۶۴، مطبوعہ مکتبہ المودعہ طائف)

دعائیں حد سے بڑھنے کا ممنوع ہونا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ (اعراف: ۵۵)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ دعائیں حد سے بڑھنا ممنوع ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے دعائیں ایسی چیز کا سوال کرے جو اس کی حیثیت سے بڑھ کر ہو۔ مثلاً وہ نئی چیز کی دعا کرے یا یہ دعا کرے کہ اس کو آخرت میں انبیاء کا مقام اور ان کا رتبہ ملے۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسفل جرحی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید گل کا سوال کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا اے بیٹے اللہ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے بچنا طلب کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: غریب میری امت میں سے کچھ لوگ وضوء اور دعائیں حد سے بڑھیں گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۳، مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث: ۱۶۸۰۱)

حرام چیزوں اور گناہ کا سوال کرنا بھی دعائیں حد سے بڑھنا ہے۔ یا جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا ان کی دعا کرے۔ مثلاً یہ دعا کرے کہ وہ قیامت تک زندہ رہے یا یہ دعا کرے کہ اس سے کھانے پینے کے اور دیگر لوازم بشریہ مرتفع ہو جائیں یا یہ دعا کرے کہ وہ مصومن سے ہو جائے یا عالم الغیب ہو جائے یا اس کے ہاں بغیر ہوی کے بچہ ہو جائے۔

حد سے زیادہ چلا کر یا زور و شور سے دعا کرنا بھی حد سے بڑھنے میں داخل ہے اور بے پرواہی اور لاپرواہی سے دعا کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا ایسی صفات سے ذکر کرنا جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں وہ بھی حد سے بڑھنے میں داخل ہے۔

## محسنین کا معنی

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سبے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ (الاعراف: ۵۶)

محسنین کا معنی ہے احسان کرنے والے۔ یعنی نیکی اور اچھے کام کرنے والے۔ احسان سے یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی طرف رجوع کرنا اس پر توکل کرنا اس سے حیا کرنا اس سے ڈرنا اس سے محبت کرنا اور اس کی عبادت اس طرح کرنا گویا کہ وہ اس کے سامنے کھڑا ہے اور اس کے جلال اور ہیبت سے وہ لرزہ بر اندام ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان ہے اور درحقیقت یہ خود اپنے ساتھ احسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: هل جراء الاحسان الا الاحسان (الرحمن: ۳۰) احسان کا بدلہ صرف احسان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے لاله لا اللہ کہا اور جو کچھ سیدنا محمد ﷺ لے کر آئے اس پر عمل کیا اس کی جزاء صرف جنت ہے اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

معزلہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو مسلمان گناہ گار ہیں اور جو کبیرہ گناہ کرتے ہوئے بغیر توبہ کے مر گئے ان کے قریب اللہ کی رحمت نہیں ہوگی اور مغفرت اور جنت اللہ کی رحمت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بغیر توبہ کے مرے والے مرتکب کبیرہ کی مغفرت نہیں ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور اس نے کچھ نیک اعمال بھی کیے وہ محسنین میں داخل ہے خواہ اس نے گناہ کبیرہ بھی کیے ہوں کیونکہ محسنین کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس نے ساری عمر نیک کام کیے ہوئے ہوں اور کسی نیکی کو نہ چھوڑا ہو اور کسی برائی کو نہ کیا ہو جس طرح عالم کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہو اور کسی چیز سے جاہل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَنْهُ شَيْءٌ وَهُوَ غَوْرٌ مَّا ذُوْنَ ذٰلِكَ يَمْنُنْ تَشَاءُ (السجاء: ۳۸)

پس مسلمان مرتکب کبیرہ اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے وہ چاہے گا تو اس کو ابتداء اپنے فضل محض سے بخش دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اس کو اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو کچھ سزا دے کر بخش دے گا۔ لیکن کوئی مسلمان بھی اللہ کی بخشش سے بخلیہ محروم نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) کے آگے آگے خوش خبری کی ہواؤں کو بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھاتی ہیں تو ہم اس کو کسی غمر زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الاعراف: ۵۷)

## اس کائنات میں حشر کے دن مردوں کو زندہ کرنے کی نشانی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے وہی کائنات میں حاکم اور تصرف کرنے والا ہے اور اس نے انسان کے لیے کائنات کو مسخر کر دیا ہے اور اس نے انسان کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنی ہر ضرورت میں اور ہر آفت اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اس نے یہ بیان فرمایا کہ اس کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اور اب اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہی رزاق ہے اور حصول رزق کا اہم ذریعہ آسمانی بارش ہے جس کی وجہ سے دریاؤں، چشموں

اور کتوں میں انسانوں اور جانوروں کے لیے پینے کا پانی اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے پانی فراہم ہوتا ہے۔ اور جس طرح وہ نجر زمین کو بارش کے ذریعہ سرسبز اور زندہ فرماتا ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ فرمائے گا۔

امام ابو داؤد الدیلمی اور امام بیہقی وغیرہ نے حضرت ابو رزین عقیلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح دوبارہ زندہ فرمائے گا اور مخلوق میں اس کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم کبھی اپنی قوم کی خشک اور قحط زدہ زمین کے پاس سے نہیں گزرے اور پھر اس زمین کو سبزہ سے لٹکاتے ہوئے نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: یہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس آیت کے موافق ہے۔

(الحقہ کرہ، ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب پہلا صور پھونکتے کے بعد لوگ مرا جائیں گے تو عرش کے نیچے سے ان پر بارش ہوگی اور وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح بارش سے سبزہ اگتا ہے حتیٰ کہ جب ان کے اجسام مکمل ہو جائیں گے تو ان میں روح پھونک دی جائے گی۔ پھر ان پر نیند طاری کر دی جائے گی اور وہ اپنی قبوں میں سو جائیں گے اور جس وقت دوسرا صور پھونکا جائے گا تو ان کے سروں اور آنکھوں میں نیند کا غبار ہوگا اور ان کی ایسی کیفیت ہوگی جس طرح کسی سوئے ہوئے شخص کو اچانک بیدار کرنے سے ہوتی ہے اور اس وقت وہ یہ کہیں گے:

يٰۤوَيْلَتَنَا مَسَّ بَشَنًا مِّنْ تَمَرٍ قَدِ نَا هَذَا مَا وَعَدَ  
الرَّحْمٰنُ وَحَقَّقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یس: ۵۴)  
اے اللہ! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا  
دیا! (پھر ایک صدی کے گا) یہ وہ ہے جس کا ارمان نے وعدہ کیا تھا  
اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

(جامع البیان، ج ۸، ص ۲۷۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار صرف تھوڑی سی نکلتی ہے، ہم شکر کرنے والوں کے لیے اسی طرح بار بار آیات کو بیان کرتے ہیں۔

(الاعراف: ۵۸)

اچھی اور خراب زمینوں میں مسلمانوں اور کافروں کی مثال

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے لیے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ مومن کی مثال اچھی زمین ہے اور کافر کی مثال خراب زمین ہے اور نزول قرآن کی مثال بارش ہے۔ سو جس طرح اچھی زمین پر بارش ہو تو اس سے سبزہ، پھل، پھول اور غلہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح وہ پاکیزہ روحوں جو جہالت اور برے اخلاق سے میرا اور منحہ ہوتی ہیں، جب وہ نور قرآن سے مرین ہو جاتی ہیں تو ان سے مہلوات، معارف اور اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں اور جس طرح خراب زمین پر بارش ہو تو اس سے کم پیداوار ہوتی ہے، اسی طرح جب خراب روحوں پر قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو ان سے بہت کم معارف ایہ اور اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین پر برکتی ہو۔ ان زمینوں میں سے بعض صاف ہوتی ہیں جو بہت زیادہ خشک اور تر گھاس اگاتی ہیں اور بعض زمینیں سخت ہوتی ہیں وہ پانی کو روک لیتی ہیں۔ لہذا اس زمین سے لوگوں کو قاعدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے پانی پیتے ہیں۔ اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں اور بعض زمینیں ہموار اور چمکتی ہوتی ہیں وہ پانی کو روکتی



ہیں نہ گھاس کو اگاتی ہیں۔ پس یہ مثل اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین کی فہم حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ نے مجھے جو دین دے کر بھیجا ہے وہ اس کو نفع دیتا ہے۔ پس وہ علم حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور اس شخص کی مثل ہے جو اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا اور اس ہدایت کو قبول نہیں کرتا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۹، 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ'، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

وحی الہی اور دین اسلام کی مثل نبیؐ نے بارش سے دی ہے اور فقہاء کی مثل اس زمین سے دی ہے جو بارش سے سیراب ہونے کے بعد سبزہ اگاتی ہیں اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح فقہاء آپ کی احادیث سے مسائل نکالتے ہیں اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور محدثین کی مثل اس زمین سے دی ہے جو اپنے اندر پانی جمع کر لیتی ہے اور لوگ اس پانی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اسی طرح محدثین احادیث کو جمع کرتے ہیں اور لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں اور کفار اور منافقین کی مثل اس زمین سے دی ہے جو بارش سے نہ خود فائدہ اٹھاتی ہے نہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچاتا ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ

بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پس انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا

مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ قَالَ

تمہاری عبادت کا کوئی ستم نہیں ہے، بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے ۝ ان کی

الْمَلَائِكَةُ مِنْ قَوْمِهِ ۖ إِنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۖ قَالَ يٰقَوْمِ

قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو یقیناً کھل بہن گمراہی میں دیکھتے ہیں ۝ انہوں نے کہا اے میری قوم

لَيْسَ بِي ضَلٰلَةٌ ۖ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أٰبَلِغُكُمْ

بھری کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی جانب سے رسول (پیغام پہنچانے والا) ہوں ۝ میں تمہیں اپنے رب کے

رِسَالَتٍ مِّنْ رَبِّيْ ۖ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۖ

پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے

أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت

لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَسْتَقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَانْتَبِهْ

آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم متقی ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۝ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس ہم نے ان کو

# وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (ان سب کو) نجات دے دی اور ان لوگوں کو فرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا

## إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿۶۴﴾

بے شک وہ اندھے لوگ تھے ۵

۶۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا جس انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

(الاعراف: ۵۹)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام و نسب اور ان کی تاریخ ولادت

حافظ اسماعیل بن مریم کثیر شافعی متوفی ۳۷۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا شہو نسب یہ ہے نوح بن لاک بن حو شلح بن خنوخ (اور یس) بن یرد بن حامیل بن قین بن انوش بن شیش بن آدم ابو البشر علیہ السلام

امام ابن جریر و غیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھ بیس سال بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور اہل کتب کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت ابوالمہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں! ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا۔ پوچھا حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: دس قرن (صدیاں) یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۷۸۰، المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۵۵۳۵، کلام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے یا رسول اللہ! رسول کہتے ہیں؟ فرمایا: ۳۳۳، المستدرک ج ۲، ص ۲۷، مجمع الزوائد ج ۱، ص ۳۸، مسند احمد ج ۵، ص ۱۷۹، مسند ابی داؤد ج ۱، ص ۱۲۸)

اس حدیث کا مختصایہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوئی ہے۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن (قرن کا معنی ہے ایک صدی یا ایک صدی کے لوگ، نسلیں) ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۳۲، مطبوعہ دار صادر بیروت)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو صحیح البخاری کے حوالہ سے درج کیا ہے۔ لیکن یہ لن کا وہم ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری میں ہے نہ صحیح ستہ کی کسی اور کتب میں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث کیا جب بنوں کی عبادت اور شیطانوں کی اطاعت شروع ہو چکی تھی اور لوگ کفر اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو بندوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ بعثت کے وقت لن کی عمر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ لن کی عمر اس وقت پچاس سال تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر اس وقت تین سو پچاس سال تھی اور امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے ان کی

عمر اس وقت چوراسی سال تھی۔  
بت پرستی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار ان کی اقتداء کرتے تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہو گا۔ سو انہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو انہیں نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر ہارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ "خوٹ" یعن "سوانح" اور "نسر" حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور "ود" ان میں سے نیک تھے۔ (جامع البیان، ۲۹۷ ص ۲۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ بابل کی سرزمین میں اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب انہیں نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی صورت میں متحمل ہو کر آیا اور کہنے لگا میں نے تمہارے رونے کو دیکھا ہے، تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے لیے وہ کی ایک تصویر بنادوں۔ تم اپنی مجلس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو۔ انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس نے وہ کی تصویر بنادی جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب انہیں نے یہ مٹھری دیکھا تو کہا میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں وہ کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تاکہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں وہ کا ذکر کیا کرے انہوں نے اس کو مان لیا۔ پھر ہر گھر میں وہ کا ایک بت بنا کر رکھ دیا۔ پھر ان کی اولاد بھی یہی کچھ کرنے لگی۔ پھر اس کے بعد جو نسلیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ وہ ایک انسان تھا وہ اس کو خدائے مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اس بت کی پرستش شروع کر دی سو اللہ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ وہ بت تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۱۰ ص ۶۷، ۲۲، ۲۳، ۲۴ مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، مکہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ بت جس کی وہ عبادت کرتے تھے اصل میں اللہ کا کوئی نیک بندہ تھا جس کی انہوں نے تصویر اور اس کا مجسمہ بنالیا تھا۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے جثہ میں ایک گر جادیکھا جس کا نام ماریہ تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا اور اس میں رکھی ہوئی تصویر کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب ان میں کوئی نیک شخص مرجاتا تھا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گھٹا لیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۲۷، صحیح مسلم، الساجدہ ۱۷، (۵۲۸) ۱۱۶۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۷۰۳)

فرض یہ کہ جب زمین میں بت پرستی عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور ان کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے تھے اور حضرت نوح زمین پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی طرف بھیجا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث شفاعت میں ہے۔ قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں

گئے: "اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں۔" (المحدث)

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۳۷۷۷، صحیح مسلم، الاموال: ۲۲۷، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۳۴۲، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحديث: ۳۸۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۳۰۷)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نو سو پچاس سال تبلیغ کی جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ  
أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (العنکبوت: ۳۴) سال کم ایک ہزار سال رہے۔

سورہ نوح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کرنے اور اس کے جواب میں ان کی قوم کے انکار کرنے اور ان سے مایوس ہونے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ان کے لیے عذاب کی دعا کرنے کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو ذرا انہیں اس سے پہلے کہ ان کے اوپر دردناک عذاب آ جائے نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو اللہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک مقرر وقت تک تم کو مصلحت دے گا بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جائے تو وہ موخر نہیں ہوتا کاش تم جلتے نوح نے دعا کی اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن (حق کی) دعوت دی (لیکن) میری اس دعوت سے ان پر بھاگنے کے سوا اور کوئی اثر نہیں ہوا اور بے شک جب بھی میں نے ان کو بلایا کہ تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنے گناہوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے پیٹ لیے اور ضد کی لہر بہت عکبر کیا میں نے پھر انہیں بلند آواز سے پکارا پھر میں نے ظاہر اور خفیہ طریقہ سے (بھی) انہیں کھلیا میں نے کہا تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا وہ مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا وہ تمہارے لیے بھلائی اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہا دے گا تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کو فیس مانگتے ہو حالانکہ اس نے تمہیں مرحلہ وار پیدا کیا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر بنائے اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چرخہ بنایا اور اللہ نے تمہیں ایک نوع کی روئیدگی سے اکایا پھر تم کو وہ اس زمین میں لوٹائے گا اور (دوبارہ) تم کو نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو نوح نے دعا کی اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی جس نے ان کے مل اور اولاد میں نقصان کے سوا اور کوئی زیادتی نہیں کی اور انہوں نے بہت بدکاری کی اور ان کافروں نے کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وہ اور سوانح اور سخوت اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا اور یقیناً انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا اور اے میرے رب! ظالموں کے لیے صرف گمراہی کو زیادہ کرنا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے فرق کیے گئے پھر آگ میں ڈال دیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! زمین پر کوئی ایسے والا کافر نہ چھوڑ اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میرے مل باپ کی مغفرت فرما اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوا اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما اور ظالموں کے لیے صرف ہلاکت کو زیادہ فرما (نوح: ۲۸-۲۹)

## حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب

جب حضرت نوح علیہ السلام کی اس طویل عرصہ تک تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا اور چند نفوس کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور انہیں یہ خبر دی کہ قوم نوح پر طوفان کا عذاب آئے گا اور حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر ایمان والوں کو کشتی کے ذریعے اس طوفان سے بچالیا جائے گا۔ اس کا بیان سورہ ہود کی چند آیات میں ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔

انہوں نے کہا اے نوح! بے شک تم ہم سے بحث کرتے رہے ہو اور تم ہم سے بہت زیادہ بحث کر چکے ہو، پس اگر تم سچ ہو تو ہمارے پاس اس عذاب کو لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے رہے ہو ○ (حضرت) نوح نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو وہی تمہارے پاس اس عذاب کو لائے گا اور تم (اسے) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ اور اگر اللہ نے تمہیں گمراہی پر برقرار رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کر بھی لوں تب بھی میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا وہ (شرکیں) کہنا یہ کہتے ہیں کہ اس کلام کو خود انہوں نے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہئے اگر (بالفرض) میں نے اس کلام کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہو گا اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں ○ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ صاحب ایمان ہوں گے جو پہلے ہی ایمان لائے تھے ہیں تو آپ ان کے کرتوتوں سے غم نہ کریں ○ اور آپ ہماری وحی کے مطابق ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی مجھ سے آپ کوئی سفارش نہ کریں وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○ اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے "نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو عنقریب ہم بھی تمہاری ہنسی اڑا دیں گے جیسا کہ تم ہماری ہنسی اڑا رہے ہو ○ پس عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو رسوا کرے گا اور کس پر دائمی عذاب آتا ہے ○ حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپ پہنچا اور شور و جوش مارنے لگا تو ہم نے کہا (اے نوح!) ہر قسم سے ایک جوڑا "دو عدد" (نر اور مادہ) اس کشتی میں سوار کر لو اور اپنے اہل کو (بھی) ماسوا ان کے جن کے حلق غرقابی کا قول واقع ہو چکا ہے اور ایمان والوں کو (بھی) سوار کر لو اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ بہت ہی کم تھے ○ اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ "اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے" بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ وہ کشتی ان کو پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان سے لے جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو ان سے الگ تھا "اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو ○ اس نے کہا میں ابھی کسی پہاڑ کی پہاڑیٹا ہوں جو مجھے پانی سے بچائے گا" نوح نے کہا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچنے والا نہیں ہے مگر وہی بچے گا جس پر اللہ رحم فرمائے گا اور ان کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی تو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ○ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی گل لے اور اے آسمان رک جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے دوری ہے ○ اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کیا اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے ○ فرمایا اے نوح! بے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے یقیناً اس کے کام نیک نہیں ہیں "آپ مجھ سے وہ چیز نہ مانگیں جس کا آپ کو علم نہیں" میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ○ نوح نے کہا اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پہلا میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسی چیز کا سوا ل نہیں کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو نے میری مغفرت نہ کی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ○ فرمایا اے نوح کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ تم پر اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ایسی ہیں جن کو ہم (عارضی) فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے درد



### ناک عذاب پہنچے گا (ص: ۸۰-۸۲) طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفصیل

علامہ کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتنے آدمی تھے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ اسی نفر تھے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں۔ نور کتب احبار سے روایت ہے کہ یہ پچاس (۵۰) نفوس تھے۔ حضرت نوح کی بیوی جو ان کی کل اولاد حام، سام، یاثل اور یام کی ماں تھیں، اور یام کو اہل کتب کہلاتے تھے ہیں اور یہی فرق ہو گیا تھا حضرت نوح کی بیوی بھی فرق ہوئے والوں کے ساتھ فرق ہو گئی تھی کیونکہ وہ کافرو تھی۔

مفسرین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ یہ طوفان زمین کے پہاڑوں سے چھوڑا (ساڑھے بائیس فٹ) تک بلند ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا۔ زمین کے تمام طول و عرض میں 'نرم اور سخت زمین میں' پہاڑوں میں 'میزانوں میں اور ریگستانوں میں۔' فرض روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں پر یہ طوفان نہ آیا ہو۔

قلند و غیبو نے بیان کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے چوبیس دس رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ ایک سو پچاس دن تک سفر کرتے رہے اور دس محرم کو وہ کشتی سے باہر آئے اور اس دن انہوں نے روزہ رکھا۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کا یہود کے پاس سے گزر ہوا انہوں نے دس محرم کو روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا اس دن اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو فرق سے نجات دی تھی اور اسی دن جو دی پر کشتی ٹھہری تھی تو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ اور اس روزے کے تمہاری یہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا کہ اہل کتب نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا تم لوگ کشتی سے اترو اور ان تمام جانوروں کو انا دو جو تمہارے ساتھ ہیں۔ بعض جہاں قارسیوں نے اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طوفان ارض ہل (عراق) میں آیا تھا یہ ہے دین محمدیوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل لوہین کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے مقبول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر

اہل کتب کا قول یہ ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے۔ پھر اس کے بعد ان خالوں پر طوفان آیا۔ پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عمر زندہ رہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ چھوڑا اسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔

امام ابن جریر 'امام ازرقی اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قوی قول ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۵۰۰ طبع مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جو آج دنیا میں عراق کے نام سے مشہور ہے اور اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں ہے اور جو روایات کہ سنن اور آرمینیہ میں مذکور ہے تواتر کے ساتھ مقبول ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی مقام پر ٹھہری تھی۔



## قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ آسمان سے بارش نازل فرما کر مودہ زمین کو زندہ فرماتا ہے اور اس آسمانی بارش کی وجہ سے زمین میں روئیدگی ہوتی ہے جو انسانوں کی مادی حیات کا سبب ہے۔ اور اب اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا ذکر ہے جو سب سے پہلے رسول ہیں جن کو انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا اور رسولوں کا بھیجنا انسانوں کی روحانی حیات کا سبب ہے اور جس طرح مادی حیات انسانوں کے لیے نعمت ہے اسی طرح روحانی حیات بھی انسانوں کے لیے نعمت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نازل کر کے حسب ذیل امور پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۔ اس قصہ سے نبی پیغمبر کو تسلی دینا ہے کہ مشرکین مکہ جو آپ کے کلمے ہوئے معجزات اور روشن دلائل کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے تو آپ اس سے ملول خاطر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کائنات میں جب سب سے پہلے رسول آئے تو ان کے دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی قوم ان پر ایمان نہیں لائی تھی اور ہمیشہ سے رسولوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔  
۲۔ اس قصہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ منکرین کا انجام ہلاکت و عذاب الہی میں جہاں ہوتا ہے اور یہ دنیا میں ان کا حصہ ہے اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب ہو گا اور خوشنیں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہلاکت و عذاب سے فریاد اور آخرت میں سرخوشی عطا فرماتا ہے۔  
۳۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو لمبے عرصہ تک ڈھیل دیتا ہے لیکن ہلاکت و ان کی اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو کافر اس ڈھیل سے مطرور اور مومن اس سے ملول نہ ہوں۔

۴۔ یہ قصہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ اسی تھے آپ نے کسی امت کو سائے ڈالنے تک نہ کیا تھا نہ کسی کتاب کا مسطور کیا تھا اور جب آپ نے یہ قصہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا تو واضح ہو گیا کہ آپ اس قصہ پر صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے مطلع ہوئے تھے اور وہی صرف نبی پر ہوتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت برحق تھی۔  
اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت میں تین چیزیں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو عبادت کا حکم دیا پھر اس کی دلیل ذکر فرمائی کہ وہی تمہاری عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے کیونکہ ان کو دنیا میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں وہ سب اللہ نے عطا فرمائیں ہر نعمت کو عطا فرمانے والا اور ہر مصیبت کو دور کرنے والا وہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں ہے تو پھر وہی عبادت کا مستحق ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے حسن کی تعظیم اور بحکم کرتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ سب سے بڑا اور حقیقی حسن اللہ تعالیٰ ہے تو پھر وہی عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت کرنے کا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا۔

اس کے بعد فرمایا: مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اس خوف سے مراد یقین ہے یا غم۔ اگر اس سے مراد یقین ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان پر عذاب نازل فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کو عذاب ہو گا۔ اور اگر خوف بمعنی غم ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو غالب گمان تو یہ تھا کہ یہ منکرین اپنے انکار اور کفر پر اٹلے رہیں گے اور لامحالہ ان پر عذاب آئے گا لیکن ایک مروج امکان یہ بھی تھا کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور ان پر جو عذاب متوقع ہے وہ نکل جائے۔ اس لیے فرمایا مجھے تم پر عذاب کا خوف ہے۔

اس عذاب سے مراد عذاب طوفان بھی ہو سکتا ہے اور عذاب قیامت بھی اور چونکہ نوح علیہ السلام نے عظیم دن کا عذاب فرمایا ہے تو اس سے یہ ظاہر قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے۔ کیونکہ عظیم دن سے قیامت کا دن ہی مقبول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں ○ انہوں نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی جانب سے رسول ہوں ○ میں تمہیں اپنے رب کے پیچلت پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے ○ (الاعراف: ۷۳-۷۴)

اہم اور مشکل الفاظ کے معانی

الملاء: مل دار اور معاشرہ میں با اثر لوگ جن کی لوگوں کے دلوں پر بیت چھائی رہتی تھی مجلس میں ان ہی کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں اور وہ محفل میں صدر نشین ہوتے تھے اور وہ نوح علیہ السلام سے مقابلہ اور مناظرہ کرتے تھے۔

مسی ضلال مبہین: وہ نوح علیہ السلام سے کہتے تھے کہ آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ یعنی اللہ کی توحید اپنی نبوت احکام شریعہ اور قیامت اور آخرت کے متعلق آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ خطا پر مبنی ہے اور غلط ہے۔

لبس ہی صلالہ کفار نے حضرت نوح کی طرف کھلی گمراہی کے جس عیب کی نسبت کی تھی اس کی حضرت نوح نے اپنی ذات سے نفی کی اور اپنی سب سے کرم اور شرف صفت کا بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف رسول اور پیغام رسل ہیں اور ان کو اپنے رب کے پیچلت پہنچاتے ہیں اور ان کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ تبلیغ رسالت یعنی پیغام پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن چیزوں کا مکتب کیا ہے یعنی لو امر اور نہی ان کا بیان کرتے ہیں ان کے لیے کیا کام کرنا ضروری ہیں اور کن کاموں کا نہ کرنا ضروری ہے اور یہ کہ کن کاموں پر دنیا میں ان کی مذمت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا اور کن کاموں پر ان کی دنیا میں تحسین ہوگی اور آخرت میں ثواب ہوگا۔ یہ وہ پیچلت ہیں جن کو وہ اپنے رب کی طرف سے پہنچاتے تھے اور نصیحت اور خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایمان اور عمل صالح کی تلقین اور ترغیب دیتے تھے اور کفر اور معصیت سے روکتے تھے اور ان کو عذاب الہی سے ڈراتے تھے۔

پھر فرمایا: میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو وہ تم کو طوفان کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ نیز میں جانتا ہوں کہ وہ آخرت میں تم کو ایسے سخت اور دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اللہ کی توحید اور صفات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے اور اس کا معنی ان علوم کے حصول کی ترغیب دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہیں اس پر تعجب ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم متقی ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (ان سب کو) نجات دے دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری کیتوں کو جھٹلایا تھا ○ بے شک وہ اندھے لوگ تھے ○ (الاعراف: ۷۳-۷۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اپنی جنس میں سے ایک انسان کے رسول بنانے کو مستبعد خیال کرتی تھی اور اس پر تعجب کرتی تھی۔ ان کے اس استبعاد اور تعجب کی حسب ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱۔ رسول بھیجے کا مقصد چند احکام کا مکلف کرنا ہے اور اس تکلیف سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے پاک ہے اور نہ بندہ کو اس سے کوئی فائدہ ہے کیونکہ ان احکام کی وجہ سے وہ اس دنیا میں مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور ان احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت میں ثواب کا حصول متوقع ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان احکام کا مکلف کیے بغیر بھی اس ثواب کو پہنچانے پر قادر ہے تو پھر ان احکام کا مکلف کرنا عبث ہو گا اور اللہ تعالیٰ عبث کام سے پاک ہے لہذا کسی رسول کی بعثت باطل ہو گئی۔ کیونکہ رسول صرف احکام پہنچانے کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

۲۔ اگر احکام کے مکلف کیے جانے کو مان بھی لیا جائے تو تب بھی رسول کا بھیجنا غیر ضروری ہے کیونکہ رسول اچھے کاموں کا حکم دے گا اور برے کاموں سے روکے گا اور اچھلتی اور برائی کے اور اک کے لیے عقل کلنی ہے سو جو کام عقل کے نزدیک اچھا ہو گا اس کو ہم کریں گے اور جو برا ہو گا اس کو ترک کر دیں گے پھر کسی رسول کو بھیجے کی کیا ضرورت ہے!

۳۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر کسی فرشتے کو بھیجنا چاہیے کیونکہ ان کی ریت زیادہ سخت ہو گی اور ان کی پاکیزگی زیادہ اکمل ہو گی، ان کا کھانے پینے سے مستثنیٰ ہو گا معلوم ہے اور ان کا گناہوں سے معصوم ہونا اور جھوٹ سے دور ہونا متحقق ہے۔

۴۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی بشر کو رسول بنایا جائے تو اس بشر کو رسول بنانا چاہیے جو معاشرہ میں اپنی دولت اور حکومت کی وجہ سے معزز ہو جس کی لوگوں کے دلوں میں عزت ہو اور اس کا رعب اور دہدہ ہو، جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس مال تھا نہ حکومت۔

ان وجوہات کی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام کے دعوتی نبوت اور رسالت پر ان کی قوم کو تعجب ہوتا تھا اور وہ ان کے رسول ہونے کو مستبعد گردانتے تھے۔ اور جن باتوں کو حضرت نوح وحی کہتے تھے وہ ان کو حضرت نوح کے دماغ کی خرابی (العیاذ باللہ) خیال کرتے تھے اس لیے کہتے تھے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔

قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس تعجب اور انکار کو زائل کیا یاں طور کہ اللہ کو کسی کی نیکی سے فائدہ اور کسی کی برائی سے کوئی نقصان نہیں لیکن اللہ نے ان لوگوں کو سخت احکام کا مکلف کیا تاکہ اس کے حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب اور عافیت ملے کہنے والوں کو عذاب ہو اور اس سے اس کا فضل اور عدل ظاہر ہو گا۔ وہ رحیم و کریم بھی ہے اور قہر و غضب کرنے والا بھی ہے اور ان احکام کی تکلیف اور رسولوں کی بعثت سے اس کی ان صفات کا ظہور ہو گا۔ عقل تمام احکام کے حسن اور قبح کا ادراک نہیں کر سکتی اور عقل یہ معلوم نہیں کر سکتی کہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کے اوقات اور طریقوں کو محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اس لیے ضروری تھا کہ اللہ اپنا کوئی رسول بھیجے جو بندوں کو یہ بتائے کہ اللہ کس فعل سے راضی اور کس فعل سے ناراض ہوتا ہے اور اگر اللہ فرشتہ کو رسول بنا دیتا تو لوگ اس سے کیسے استفادہ کرتے اور اس کو دیکھ سکتے تھے نہ اس کا کلام سن سکتے تھے اور چونکہ فرشتہ اور انسان الگ الگ جنس سے ہیں تو فرشتہ کے افعال انسانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتے اور رہا یہ کہ اللہ نے کسی توغر اور حاکم کو رسول نہیں بنایا بلکہ ایک بنو اور شخص کو رسول بنایا تو اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں کیونکہ جو شخص معاشرہ میں ذی اقتدار ہو لوگ اسے رسول تو کیا خدا بھی مان لیتے ہیں۔ جیسے فرعون اور عمرو کو لوگوں نے خدا مان لیا تھا۔ لہذا یہ چاہتا تھا کہ لوگ دولت اور حکومت کی طاقت کی بناء پر اس کی وحدانیت کو نہ مانیں بلکہ علم اور حکمت کی بناء پر اور دلائل اور معجزات کی قوت سے اللہ کی وحدانیت کو مانیں۔ اس لیے اس نے ایک انسان کو

رسالت کے لیے منتخب کیا اور اس میں یہ قوت اور صلاحیت رکھی کہ وہ اللہ سے وحی حاصل کر سکے اور مخلوق کو پہنچا سکے۔ اس کا غیب اور شہادت دونوں سے رابطہ ہو وہ بذریعہ وحی اللہ کے عذاب پر مطلع ہو کر لوگوں کو اس سے ڈرائے اور ان کو ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کی ترغیب دے تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو طوفان سے نجات دے دی اور مکررین اور مکذبین کو غرق کر دیا کیونکہ ان کے دل توحید و نبوت احکام شرعیہ اور آخرت کو ماننے سے اندھے بن گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ مَصَآئِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَهَمَّ بِهَا  
فَلْيَسْفِهْهُ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا (الانعام: ۱۴۳)

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے  
ہدایت کی روشنی نکلتی ہے انہیں تو جس نے (ان کو) آنکھیں  
کھول کر دیکھ لیا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو  
اس میں اسی کا نقصان ہے۔

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ

اللہ ہم نے ماد کی طرف ان کے بھائی (ہم قبیلہ) ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم، اشیاء عبادت کرو اس کے سوا

إِلٰهِ غَیْرَہٗ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۷۲﴾ قَالَ الْمَلَٰئِیْنِ کَفَرُوا مِنْ قَوْمِہٖ

تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے ؟ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا، بے شک ہم آپ کو

إِنَّا لَنَنظِرُکَ فِی سَفَاہَۃٍ وَإِنَّا لَنَنْظُرُکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۷۳﴾ قَالَ

حالت میں مبتلا پاتے ہیں اور بیشک ہم آپ کو جہنم میں سے گمان کرتے ہیں ؟ انہوں نے کہا

یَقَوْمِ لَیْسَ بِی سَفَاہَۃٌ وَلَکِنِّی رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۴﴾

اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں ؟

أَتَلْفُکُمْ رَسَلَتْ مَآئِیْ وَإِنَّا لَنَکُمْ نَاصِحٌ اٰمِیْنٌ ﴿۷۵﴾ اَوْ عَجِبْتُمْ اَنْ

میں آپہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا قابل اعتماد و خیر خواہ ہوں ؟ کیا آپہیں اس پر تعجب ہے کہ

جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَبِّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لَیُّنٌ ذِکْرُہٗ وَاذْکُرُوْا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈیٹے، اور یاد کرو

اِذْ جَعَلْکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَّزَادْکُمْ فِی الْخَلْقِ

جب قوم نوح کے بعد اشر نے تم کو ان کا جانشین بنادیا اور تمہاری جماعت کو بڑھا دیا، سو

بَصُطَةً ۚ فَادْكُرُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۶۵﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا

تم اشرکی لغتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۵ انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس

لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَمَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۚ فَاتَّبِعْنَا مَا تَفْعَلْنَا

اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اشرکی عبادت کریں اور ان (سجودوں) کو چھوڑ دیں جن کی آپ سے باپ دلوں عبادت کرتے تھے، سو آپ ہمارے

إِن كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ

پاس وہ (مذہب) اسے آگئی ہیں کیا آپ ہم سے دعا کرتے ہیں کہ آپ پر اس سے میں ۵ (مذہب) کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف سے

رِجْسٌ مِّنْ عَصِیْ اٰتِیَاجِدُوْنٰی فِیْ اَسْمَاءٍ سَبَّیْتُوْهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ

تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا، کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جگڑا رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دلوں نے کہ

اَبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ فَاَنْتُمْ طٰرِفُوْنَ اِیَّیْ مَعَكُمْ

لیجے ہیں، جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، سو تم (غضب کا) اشتکار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۶۷﴾ فَاَنْجِیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

اشتکار کرنے والوں میں سے ہوں ۵ پس ہم نے ہر دو کو اور ان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ

دَاۤیْرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾

میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان نہ لائے تھے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے علوی طرف بن کے بھائی (ہم قبیلہ) ہود کو بھیجا انہوں نے کہلائے میری قوم اللہ

کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے ۵

حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب

حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے:

ہود بن عبد اللہ بن رباح بن الجارود بن علون بن عوض بن ارم بن سام بن نوح نبی اللہ علیہ السلام

ایک قول یہ ہے کہ ہود علیہ السلام نے جامع دمشق میں ایک برج بنایا تھا اور ان کی قبر وہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی

قبر کہ میں ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی قبر یمن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر سب سے پہلانی مبعوث کیا اور نبی علیہ السلام ہیں۔ (یہ حافظ ابن عساکر کی تحقیق ہے۔ جسور کے

نبویک حضرت نوح علیہ السلام اول رسل ہیں) پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت اسماعیل، پھر حضرت اسحاق، پھر

صہبان القرآن

جلد چہارم



حضرت یعقوب، پھر حضرت یوسف، پھر حضرت لوط، پھر حضرت ہود بن عبد اللہ علیہم السلام۔  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا دس نبیوں کے علاوہ باقی تمام انبیاء بنو اسرائیل سے مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ دس  
نبی یہ ہیں:

حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق،  
حضرت یعقوب، حضرت یحییٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ (یہ گیارہ جتنے ہیں)  
حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کی طرف بعثت

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تھی یہ لوگ بت پرست تھے۔ انہوں نے بھی وہ 'سواح' مٹھو اور لہری کی طرح بت بنا  
لے تھے ان کے ایک بت کا نام حبار تھا اور ایک بت کا نام محمود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ہود کو بھیجا، حضرت ہود کا  
تعلق اس قبیلہ سے تھا جس کا نام الخلود تھا۔ حضرت ہود متوسط نسب کے تھے اور کرم جگہ کے رہنے والے تھے بت حسین و جمیل  
تھے اور عاد کی طرح جسیم تھے۔ اور آپ کی داڑھی بہت دراز تھی۔ حضرت ہود نے ان لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کو  
یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور لوگوں پر ظلم نہ کریں۔ اس کے علاوہ انہیں نور کوئی حکم نہیں دیا اور انہیں نماز یا کسی اور حکم  
شرعی کی دعوت نہیں دی، لیکن انہوں نے اللہ کو ماننے سے انکار کیا اور حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہوں نے کہا: ہم  
سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے عاد کے بھائی کی طرف ہود کو بھیجا اور حضرت ہود ان کی قوم کے ایک فرد  
تھے اور ان کے دینی بھائی نہ تھے۔ (مفسر تاریخ دمشق ج ۷ ص ۳۹۰-۳۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۵ھ)

حضرت ہود نے کہا یاد کرو تم قوم نوح کے جانشین ہو اور تم کو معلوم ہے جب انہوں نے نافرمانی کی تو ان پر کس طرح  
عذاب آیا تھا تم اس سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد سورتوں میں قوم عاد کی تفصیل بیان کی ہے ان آیات کا  
ترجمہ اور تفسیر حسب ذیل ہے:

عاد کی قوت اور سطوت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اور یاد کیجئے عاد کے بھائی (ہم قبیلہ) کو جب انہوں نے اپنی قوم کو "الاحقاف" میں ڈر لیا اور ان سے پہلے کئی ڈرانے والے  
پیغمبر گزر چکے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ (الاحقاف: ۲۱)

یہاں 'عمان'، 'عمرن'، 'حضرموت' اور 'مہلی' بن کے چچ میں جو صحرائے اعظم "الہما" یا "الربع الخلی" کے نام سے واقع ہے وہ  
الاحقاف ہے یہ بہت بڑا ریگستان ہے۔ ہر چند کہ یہ آبادی کے بھل نہیں ہے لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے  
لائق تھوڑی زمین ہے۔ خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی وہ آباد نہیں ہے  
تاہم زمانہ قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں "عوام" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی  
نافرمانی کی پاداش میں نیست و بھود کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قوم عاد نے) کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو؟ تو تم وہ  
(عذاب) ہم پر لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو "اگر تم بچوں میں سے ہو" ہود نے فرمایا: علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور  
میں تمہیں وہی پیغام پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، لیکن میں گمان کرتا ہوں کہ تم جہل لوگ ہو، پھر جب انہوں  
نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنے میدانوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برے گا، (نہیں) بلکہ یہ وہ  
عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے یہ ایک (خت) آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے، یہ ہر چیز کو اپنے رب



کے حکم سے برباد کر ڈالے گی پھر انہوں نے اس حل میں صبح کی کہ جن کے گھروں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور بے شک ہم نے انہیں ان چیزوں پر قدرت دی تھی جن پر تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے کھن اور آنکھیں اور دل بیٹے تو ان کے کھن اور آنکھیں اور دل ان کے کچھ کام نہ آسکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (۱۳: ۳۱-۳۲)

جس وقت ان پر عذاب آیا اس وقت قحط اور خشک سالی تھی جب انہوں نے امتنڈا ہوا بادل دیکھا تو خوش ہو کر کہنے لگے بہت برسنے والی گھٹا آئی ہے اب سب ندی ٹالے بھر جائیں گے اور خوش حالی آجائے گی لیکن یہ بڑے زور کی آندھی تھی جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی اور اس کے زور کے سامنے آدمی درخت اور جانور تنکوں کی مانند تھے۔ یہ آندھی ہر چیز کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی اور ہر چیز تباہ کر رہی تھی اور سوائے مکانوں کے کھنڈرات کے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (حضرت ہود نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم ہر اونچے مقام پر فضول کاموں کے لیے پارگار تعمیر کرتے ہو ○ اور اس امید پر بلند و بالا عمارات بناتے ہو کہ تم ان میں بیٹھ رہو گے ○ اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جابروں کی طرح پکڑتے ہو ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو ○ اسی نے تمہاری چوہیوں اور بیڑوں سے مدد کی ○ اور باغیوں اور چشموں سے ○ بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے ○ انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے آپ نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ○ یہ صرف وہی پرانے لوگوں کی عادت ہے ○ اور ہم عذاب یافتہ نہیں ہوں گے ○ سو انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ○ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور ان کے اکثر لوگ مومن نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے ○ بے حد رحم فرمانے والا ○ (الشعرا: ۷۳-۷۸)

نیز فرمایا: کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ○ ارم (کے لوگ) ستونوں (کی طرح لے کر) والے ○ جن کی مثل شہوں میں کوئی پیدا نہ کیا گیا تھا ○ (نجم: ۸-۱۲)

نیز فرمایا: وہی قوم عاد تو اس نے زمین میں باحق سرکشی کی اور کہا ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے ○ کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار (ی) کرتے رہے ○ سو ہم نے (ان کی) نحوست کے دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت والا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو یقیناً زیادہ ذلت والا ہے اور ان کی بالکل مدد نہیں کی جائے گی۔ (حم السجد: ۲۱-۲۵)

نیز فرمایا: بے شک ہم نے ان پر نہایت سخت تیز آواز والی آندھی بھیجی (ان کے حق میں) دائمی نحوست کے دن میں ○ وہ آندھی لوگوں کو (اس طرح) اٹھا کر (زمین پر) اڑے مارتی تھی گویا کہ وہ کجگور کے اکھڑے ہوئے درختوں کی جڑیں ہیں ○ تو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا خوف والا ○ (النجم: ۲۱-۲۹)

نیز فرمایا اور رہے قوم عاد کے لوگ تو وہ ایک سخت گرجتی ہوئی نہایت تیز آندھی سے ہلاک کیے گئے ○ اللہ نے اس آندھی کو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک متواتر مسلط کر دیا تھا وہ آندھی جڑ کاٹنے والی تھی سو (اے مخاطب اگر) تو اس وقت وہاں موجود ہوتا تو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ مری ہوئی کجگوروں کے تنے (پڑے) ہیں ○ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے ○ (الحق: ۶۸-۷۸)

## قوم عاد کے وطن کی تاریخی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قوم عاد لاقحاف میں رہتی تھی۔ (الاقحاف: ۴۱)

علامہ محمد بن کرم بن منکور لافرقی المصری المتونی ۱۰۵۰ھ لکھتے ہیں:

الاقحاف کا معنی ہے ریگستان جو ہری نے کہا کہ لاقحاف عاد کا وطن ہے 'کاذہری نے کہا یہ یمن کے شہروں کا ریگستان ہے قوم عاد یہاں رہتی تھی۔ (لسان العرب: ج ۶، ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ دار الفکر، بیروت ۱۳۵۰ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی خلی متونی ۱۰۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاقحاف ارض حمیر اور عمان کے درمیان ایک وادی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: الاقحاف عمان سے لے کر حضرموت تک ایک ولوی ہے۔ لہذا نے کہا: لاقحاف ارض یمن میں بلندی پر ایک ریگستان ہے۔ یا قوت حوی نے کہا: ان تین اقوال میں اختلاف نہیں ہے۔

(الترج المصنوع: ج ۶، ص ۵۵، مطبوعہ مطبعہ الخیر، مصر ۱۰۶۰ھ، نظم البلدان: ج ۱، ص ۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۴۹ھ)

علامہ سید محمد کرم شاہ قازحری حونی ۱۰۸۸ھ (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں اقصاف سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان سے حضرموت تک پھیلا ہوا ہے اس کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے اسے الربع الخلی بھی کہتے ہیں۔ بعض مقلد پرست اتنی باریک ہے کہ جو چیز وہاں پہنچے اندر دھنستی چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے سم جو سیاح بھی اس کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں اپنے عہد کی ایک طاقتور زبردست اور ختمول قوم آباد تھی۔ (ضیاء القرآن ج ۳، ص ۳۰، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور ۱۳۴۹ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

لاقحاف صحرائے عرب (الربع الخلی) کے جنوب مغربی حصہ کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا اور قرآن مجید میں بتایا ہے کہ ان کا اصل وطن لاقحاف تھا۔ جہاں سے نکل کر وہ گرد و پیش کے ممالک میں پھیلے اور کلور قوموں پر چھا گئے۔ آج کے زمانہ تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے۔ مروجہ شہر کا سے تقریباً ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت حمود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر حمود کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بتایا جاتا ہے اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقہ کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔

الاقحاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا کہ بھی یہاں ایک شاہد ارتداد رکھنے والی طاقتور قوم آباد ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ ایک شلواب علاقہ ہو گا اور بعد میں آہ و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگ بنا دیا ہو گا۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک لقی و دق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی بھی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ ۱۸۳۳ء میں یورپ کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارہ پر پہنچ گیا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرموت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ قصب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قلعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ

ریت میں غرق ہوئی چلی جاتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ عرب کے بدو اس علاقہ سے بہت ڈرتے ہیں اور کسی قیمت پر وہیں جانے کے لیے راضی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر جب بدو اسے وہیں لے جانے پر راضی نہ ہوئے تو وہ اکیلا وہیں گیا۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں کی ریت بالکل سفوف کی طرح ہے۔ میں نے دور سے ایک شاتول اس میں پھینکا تو وہ پانچ منٹ کے اندر اس میں غرق ہو گیا اور اس رسی کا سرا جمل گیا جس کی ساتھ وہ بکرا ہوا تھا۔

مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ ہو Arabia And The Isles Harold Ingrams, London 1946.

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۶۵، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن 'لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

### صالحین کے عرس کی تحقیق

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اس اقتباس سے جہاں الاحقاف کی تاریخی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نبیوں اور مقدس اور برگزیدہ بندوں کا عرس متناصف اہل سنت پر چلی کتبہ فکر کی اختراع نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں مسلمان بزرگوں کا عرس مناتے ہیں۔ عرس کی معنوی اصل یہ ہے۔

امام محمد بن عمر الوائلی متوفی ۷۰۰ھ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ہر سال شہداء اہل حق کی قبروں کی زیارت کرتے تھے جب آپ گھٹائی میں داخل ہوتے تو یہ آواز بلند فرماتے: السلام علیکم۔ کیونکہ تم نے میرا کیا پس آخرت کا گمراہی اچھا ہے پھر حضرت ابو بکر چلے۔ ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر بن الخطاب ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔ پھر حضرت عثمان چلے۔

(کتب المغازی ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۳۴ھ، دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۰۸، مطبوعہ بیروت، شرح الصدور ص ۶۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ، منشور ج ۳ ص ۱۸۸، مفتاح البدایہ ج ۱ ص ۴۴۷، (تہذیب)۔ رقم الحديث (جدید) ۶۷۴۵۔

اور عرس کی لفظی اصل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ چلے بیان کرتے ہیں کہ قبر میں مگر نکیر آکر سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے اور جب مردہ یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتا ہے تو اس کی قبر وسیع اور منور کر دی جاتی ہے اور اس سے کہتے ہیں کہ اس عروس کی طرح سو جاؤ جس کو اس کے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا۔ (المحدث)

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۱۰۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث میں مومن کے لیے عروس کا لفظ وارد ہے اور عروس کا لفظ عرس سے ماخوذ ہے اور یہ عرس کی لفظی اصل ہے۔ عرس کی حقیقت یہ ہے کہ سال کے سال صالحین اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی جائے۔ ان پر سلام پیش کیا جائے اور ان کی تعریف و توصیف کے کلمات کہے جائیں اور اتنی مقدار سنت ہے اور قرآن شریف پڑھ کر اور صدقہ و خیرات کا انہیں ثواب پہنچایا یہ بھی دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ان کے وسیلے سے دعا کرنا اور ان سے اپنی حاجات میں اللہ سے دعا کرنے اور شفاعت کرنے کی درخواست کرنا اس کا ثبوت امام طبرانی کی اس حدیث سے ہے جس میں عثمان بن حنیف نے ایک شخص کو نبی ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرنے کی ہدایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(تفسیر الخیر ج ۱ ص ۱۸۳-۱۸۴، مطبوعہ مکتبہ سفیر، مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ، حلقہ منہجی حنفی ۱۳۹۱ھ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۷۶-۴۷۷، اور شیخ ابن حبیہ متوفی ۷۲۸ھ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ فتاویٰ ابن حبیہ ج ۱ ص ۴۷۳-۴۷۴)

اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ (المحدث)

(المصنف ج ۴ ص ۳۷ مطبوعہ کراچی) حنفی امام ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۵ مطبوعہ لاہور) ان تمام مباحث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم جلد ۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر سال صالحین کے مزارات کی زیارت کے لیے جانا، ان کو سلام پیش کرنا اور ان کی تحسین کرنا نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت ہے۔ اور ان کے لیے بھیل ثواب کرنا اور ان کے وسیلے سے دعا کرنا اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی صحابہ کرام کی سنت ہے اور اعلیٰ حد سمجھ سے ثابت ہے، اور ہمارے نزدیک عرس منانے کا یہی طریقہ ہے۔ باقی اب جو لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے اختلاف کر لیے ہیں، وہ بزرگن دین کی نذر اور منت مانتے ہیں اور دھوکے، باجوں، گاجوں کے ساتھ جلوس کی شکل میں ٹپتپے لگاتے ہوئے اوپاش لڑکے چلا لے کر جاتے ہیں اور چلاوے چھانے کی بھی منت ماننی جاتی ہے اور مزارات پر سجدے کرتے ہیں اور مزار کے قریب میلہ لگایا جاتا ہے اور مزامیر کے ساتھ گانا بجاتا ہوتا ہے اور موسیقی کی دیکار ڈنگ ہوتی ہے تو یہ تمام امور بدعتِ سیئہ قبیحہ ہیں۔ علماء اہل سنت و جماعت ان سے بری اور بیزار ہیں۔ یہ صرف جملاء کا عمل ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو حنات میں جلا پاتے ہیں اور بے شک ہم آپ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O انہوں نے کہا اے میری قوم مجھ میں کوئی حنات نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں O میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا قتل اٹھاد غیر خواہوں O کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنادیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو O (الاعراف: ۶۹-۷۱)

حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق حضرت ہود علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے اس لیے حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ کو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ذکر فرمایا ہے اور اس قصہ میں مذکور ابتدائی آیات تقریباً ایسی ہی ہیں جیسی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ذکر کی گئی، البتہ بعض وجوہ سے ان میں فرق ہے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں عبلوت کا حکم دینے کے بعد انہوں نے فرمایا تھا مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ (الاعراف: ۵۹) اور اس قصہ میں حضرت ہود نے عبلوت کا حکم دینے کے بعد فرمایا، تو کیا تم نہیں ڈرتے! (الاعراف: ۶۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے اور ان سے پہلے دنیا میں کسی بڑے عذاب کے نازل ہونے کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، اس لیے انہوں نے کہا مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے، اور چونکہ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور طوفان نوح کا واقعہ تو اتنے سے مشہور ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے صرف اس کہنے پر اکتفا کیا تو پس کیا تم ڈرتے نہیں!

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام سے منکروں نے کہا تھا ہم آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں (الاعراف: ۶۰) اور حضرت ہود علیہ السلام سے منکروں نے کہا ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم آپ کو جھوٹوں سے گمان کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۶۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام بہت بڑی کشتی بنا کر خود کو تھکا رہے تھے اور آپ نے لوگوں کو ایک بہت بڑے طوفان کی آمد سے خبردار کیا تھا اور چونکہ اس سے پہلے طوفان کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی اس لیے منکرین نے کہا آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اور حضرت ہود علیہ السلام نے جنوں کی عبادت کو باطل قرار دیا تھا اور ان کی عبادت کو بے وقوفی فرمایا تھا اس لیے انہوں نے بھی مقابلتہ توحید کی دعوت دینے کو بے وقوفی کہا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا میں تمہیں اپنے رب کے پیچلتا پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارا قتل اٹھو خیر خواہ ہوں۔ (الاعراف: ۶۸) حضرت نوح علیہ السلام چونکہ دعوت کی بار بار تجدید کرتے تھے اس لیے انہوں نے جملہ فطیہ استعمال فرمایا اور حضرت ہود علیہ السلام ثبوت اور استقرار کے ساتھ دعوت دیتے تھے اس لیے اس کو جملہ امیہ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ نیز حضرت ہود کی قوم نے ان کو جھوٹوں کی طرف منسوب کیا تھا اس لیے انہوں نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا تم مجھے پہلے امین کہتے تھے اور میں تمہارے نزدیک مستند تھا تو اب اچانک میں بے وقوف کیسے ہو گیا!

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں یہ فرمایا تھا کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ فصاحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے۔ (الاعراف: ۷۳) اور حضرت ہود علیہ السلام نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا: اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنادیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کا مہیا ہو۔ (الاعراف: ۷۴)

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا ذکر فرمایا ایک تو یہ کہ انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کی زمین کا وارث بنایا اور دوسری یہ کہ ان کو قوم نوح سے زیادہ بڑی جسامت اور قوت عطا فرمائی۔ امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان کی قہمت اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) تھی۔ وہب نے کہا ان میں سے ایک آدمی کا سر بڑے گنبد کی طرح تھا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۲) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حضرت ہود نے فرمایا: ان نعمتوں کو یاد کرو۔ یعنی ایسے عمل کرو جو ان نعمتوں کے لائق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو۔

حضرت نوح اور ہود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد ﷺ کی زیادہ عزت اور وجاہت حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب منکروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ایک عیب کی نسبت کی اور ان سے کہا کہ آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں تو انہوں نے اس عیب سے خود اپنی براءت کی اور کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے (الاعراف: ۶۰) اور حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب منکروں نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں تو انہوں نے خود اپنی براءت کی اور کہا اے میری قوم مجھ میں حماقت نہیں ہے۔

اور جب سیدنا محمد ﷺ کی طرف مشرکین نے عیب کی نسبت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی براءت کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ اللہ نے آپ کی طرف سے براءت بیان کی۔ ولید بن مغیرہ نے آپ کو بھونکنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما انت بنعمة ربك بمحسن ○ وان لك  
لاجرا غير ممنون ○ وانك لعلی خلق  
عظیم ○ (الفلم: ۲۴)

آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) بخون نہیں ہیں ○  
اور یقیناً آپ کے لیے غیر متناہی اجر و ثواب ہے ○ اور بے شک  
آپ خلق عظیم پر قائم ہیں۔





توی دلیل قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت زیادہ انعام کیے ہیں اور بدادہت عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان اختلافت میں اور ان نعمتوں کے دینے میں ان جوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور عہد امتیازی تعلیم کا نام ہے اور امتیازی تعلیم کا وہی مستحق ہے جس نے امتیازی نعمتیں عطا کی ہوں اور جب امتیازی نعمتیں اللہ نے عطا کی ہیں تو وہی عہد کا مستحق ہے اور بت اس کے لائق اور سزاوار نہیں ہیں کہ ان کی عہد کی جائے۔

حضرت عود علیہ السلام کی اس قوی اور قطعی دلیل کا ان کی قوم سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور انہوں نے جان چھڑانے کے لیے اپنے باپ دلاوا کی تقلید کا سہارا لیا اور کہا کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عہد کریں اور ان کی عہد چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دلاوا عہد کرتے تھے سو آپ ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عود علیہ السلام سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے کہا جیسا تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس وقت تک تو عذاب نازل نہیں ہوا تھا پھر حضرت عود علیہ السلام نے کیسے فرمادیا کہ تم پر عذاب نازل ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا مستقبل میں واقع ہونا چاہیے اور قطعی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں۔ وہ سب جواب یہ ہے کہ اللہ نے تم پر عذاب نازل کر دیا اس معنی میں ہے کہ اس نے تم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کر لیا اور حضرت عود علیہ السلام کے نزدیک اس عذاب کا واقع ہونا چاہیے تھا۔

اس کے بعد حضرت عود علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مجھ سے ان باتوں کے حلق جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دلاوا سے رکھ لیے ہیں جن کے حلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تم جوں کو اللہ کہتے ہو ملائکہ ان میں الوہیت کا کوئی معنی نہیں ہے۔ تم نے کسی بہت کا نام مزی رکھا ہے ملائکہ اس میں عزت کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اور تمہارے مذہب کے موجد کوئی دلیل نہیں ہے۔ پس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عود علیہ السلام کی قوم کا انجام اور ان پر عذاب کے نازل کو بیان کیا۔ اس کی تفصیل ہم اس رکوع کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

قَالِیْ تَمُودُ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یُقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ

اللہ ہم سے (قوم) تمہاری طرف ان کے (ہم قبیلہ) بھائی صالح کو بیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس

مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ قَدْ جَاءَکُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَبِّکُمْ ہٰذِہٖ نَافِثَةُ اللّٰہِ

کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی معنی نہیں ہے، جب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان آچکا ہے یہ نافرمانی اللہ

لَکُمْ اٰیۃٌ فَذُرُوْهَا تَاْكُلْنَ فِیْ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمْشُوْہَا بِسُوءِ

تمہارے لیے نشان ہے، اس کو (اتلا) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھوے اللہ اس کو بھائی (کے ارادہ) سے نہ چھوڑنا اور نہ

فِیْآخِذْکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۰ وَ اذْکُرُوْا اِذْ جَعَلْکُمْ خُلَفَآءَ مِنْ

انہیں دردناک عذاب گرفت میں لے لے گا ۱۰ اور یاد کرو جب (قوم) اللہ کے بعد اللہ نے تمہیں ان کا

بَعْدَ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا

جائیں بنایا اور زمین میں تم کو بویا، تم نرم زمین میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو

قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا الْإِعْدَاءَ اللَّهِ وَ

تراش کر ٹھہر بناتے ہو، پس تم اشد کی ٹھہروں کو یاد کرو اور زمین میں

لَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۷۹﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

فساد نہ پھیلاتے پھرو ○ ان کی قوم کے حکمرانوں نے ان

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَتَى

کمزور لوگوں سے کہا جن کو ایمان لا چکے تھے کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ صالح

صَلِحًا مَّرْسَلٌ مِّنْ رَبِّهِ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۰﴾ قَالَ

اپنے رب کی طرف بھروسہ کیے گئے ہیں، انہوں نے کہا وہ میں چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں ○

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۸۱﴾ فَعَقَرُوا

حکمرانوں نے کہا تم میں پر ایمان لانے والے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں ○ پھر انہوں نے

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ آثِنَا بِمَا تَعِدُنَا

اونٹنی کی کو نہیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سرکشی کی اور کہا اسے صالح: ہم پر وہ غائب سے آؤ میں سے تم ہم کو

إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۸۲﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي

ڈراتے تھے، اگر تم رسولوں میں سے ہو ○ تو ان کو زلزلہ (کے غلاب) نے پکڑ لیا پس وہ صبح کو اپنے گھروں

دَارِهِمْ جِثِينَ ﴿۸۳﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ

میں اونٹنی سے منہ پڑے رہ گئے ○ پھر صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے میری قوم! بھلی میں نے تمہیں آیت

رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحَ ﴿۸۴﴾

رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف من کے (ہم قبیلہ) یعنی صالح کو بھیجا۔ (التیہ) (الاعراف ۷: ۴۳-۴۴)

### قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ قوم ثمود بھی ساری اقوام کی ایک شاخ ہے۔ علاوہ ان کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے۔ اس کو علاؤ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ قوم ثمود ثمودیہم کے ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔ نام بنوئی لگتے ہیں اس کا نسب یہ ہے کہ ثمود بن علی بن ارم بن سام بن نوح۔ یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القطیف ہے۔ (معارف التنزیل ج ۲ ص ۳۵)

حجاز اور شام کے درمیان وادی القطیف تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب الحجر ہے۔ آج کل یہ جگہ فج القطیف کے نام سے مشہور ہے۔ ثمودی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بھی بعض مصری محققین نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مکان دیکھا جس کو پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے اس میں متعدد کمرے اور ایک بڑا حوض ہے۔ مشہور مورخ مسعودی نے لکھا ہے الحجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ طبع عقبہ اس کے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح علا کو علا ارم کہا گیا ہے اسی طرح ان کی ہلاکت کے بعد ان کو ثمود ارم یا علاؤ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ثمود کے زمانہ کا ٹھیک تعین تو نہیں کیا جاسکا لیکن یہ بات سرمل یعنی ہے کہ یہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے مصر ہستی پر نمودار ہو کر مٹ چکی تھی۔ ثمود بھی اپنے پیش رو بہت پرستوں کی طرح ایک بہت پرست قوم تھی۔ اور اس کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

### حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت

امام بنو حنفی ۱۵۱ھ نے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے: صالح بن عبید بن آسف بن ملک بن عبید بن خلد بن ثمود۔ (معارف التنزیل ج ۲ ص ۳۵) حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو بار بار بت پرستی سے منع کیا اور خدا کے واحد کی عبادت کرنے کی ہدایت کی لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ حضرت صالح کی مخالفت کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ کہتے تھے اگر ہمارا طریقہ غلط ہو تو اور ہمارا دین باطل ہو تو آج ہم کو یہ دشمن دولت سرسبز و شاداب بھات میوہ جات اور پھلوں کی کثرت اور یہ بلند علی شان مضبوط اور مستحکم مکان حاصل نہ ہوتے۔ تم خود اپنا حال دیکھو اور اپنے پیرو کاروں کی فریب اور افلاس پر نظر ڈالو اور پھر بتو کہ خدا کے نزدیک مقبول تم ہو یا ہم ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تم جن مضبوط مکانوں اور دیگر سامان زینت پر فخر کر رہے ہو اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے تو یہ سب ایک ہل میں فنا ہو جائیں گے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اگر واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں تو اللہ کی طرف سے کوئی نشان دکھائیں تب صالح علیہ السلام نے فرمایا تمہارا مطلوبہ نشان اس اونٹنی کی شکل میں موجود ہے۔ اللہ نے تمہارے اور اس کے درمیان پہاڑ کی باری مقرر فرمادی ہے ایک دن یہ پہاڑ پٹے گی اور ایک دن تم پر وہ گے اونٹنی کی پوری تفصیل حسب ذیل ہے:

قوم ثمود کا حضرت صالح سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور

ان پر عذاب کا نازل ہونا

حافظ علامہ ابن اسماعیل بن عمر بن کثیر حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن ثمود اپنی مجلس میں جمع ہوئے وہاں حضرت صالح علیہ السلام بھی آگئے۔ حضرت صالح

علیہ السلام نے حسب معمول ان کو اللہ پر ایمان لانے اور بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دی، ان کو وعظ اور نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ ثمود نے پتھر کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر آپ اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک نوٹنی نکالیں جو دس ماہ کی گاہیں ہو اور فوراً پچھو دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صلح علیہ السلام نے ان سے ہتھ پٹھیں لیں کہ نوٹنی نکالنے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔ پھر صلح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے ایک بہت بڑی نوٹنی نکل دی جو ان کی طلب کردہ صفت کے مطابق تھی۔ جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر اپنے کفر اور گمراہی پر قائم رہے۔ حضرت صلح علیہ السلام نے کہا یہ اللہ کی نوٹنی ہے جو تمہارے لیے نکلتی ہے اس کو اللہ کی زمین پر کھلے دودھ جہاں چاہتی چرتی تھی، ایک دن وہ پانی پینے جاتی اور ایک دن قوم ثمود جاتی اور جس دن وہ پانی پینے جاتی تو موتیں کا سارا پانی پی جاتی۔ ثمود اپنی باری پر اگلے دن کی ضروریات کے لیے پانی جمع کر کے رکھتے تھے مگر یہ بھی کما گیا ہے کہ اس دن وہ سب لوگ اس نوٹنی کا دودھ پی لیتے تھے۔ پھر شیطان نے ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ ایک شخص ولد ابن تھا اس کی آنکھیں نیلی اور رنگ سرخ تھا اس کا نام قیدار بن سالف بن جندب تھا۔ وہ ان کا رئیس تھا سب کے مشورہ سے اس نے اس نوٹنی کی ٹانگیں کٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔

امام ابن جریر و فیو نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آچکے تھے لیکن وہ اس نوٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے۔ تب صدوق نام کی ایک حسین اور ملدار عورت نے صدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس نوٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو پیش کے لیے یہ طور انعام دی جائیں گی۔ آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں پھسپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب نوٹنی چراگھ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سلت اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نوادی مل کر اس نوٹنی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ نوٹنی کو قتل کر کے حضرت صلح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے۔ یہ لوگ گھلت لگا کر بیٹھ گئے اور جب نوٹنی سامنے آئی تو صدع نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کا پچھ یہ دیکھ کر پیاز میں غائب ہو گیا۔ حضرت صلح علیہ السلام کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا: آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو پہنچ کر دے گا۔ پھر جب لور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو چلے کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۷۳ء)

قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

ثمود نے اپنی سرکشی سے (اپنے رسول کو) جھٹلایا ○ جب ان میں کاسب سے بد بخت اٹھا ○ تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا اللہ کی نوٹنی کو (ایڑیا پھانے) اور اس کے پانی کی باری (کو بند کرنے) سے احتراز کرو ○ تو انہوں نے اس (رسول) کو جھٹلایا اور اس کی کوٹھیں کاٹ دیں ○ تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی ○ اس بستی کو پہنچ کر زمین بٹا دیا ○ اور وہ ان کو سزا دینے سے نہیں ڈرتا ○

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ○ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ مَافَ اللَّهُ ○ وَ سَفِيهًا ○ فَكَذَّبُوهُ ○ فَعَفَوْهُ ○ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ ○ فَسَوَّاهَا ○ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ○ (الشمس ۱۷-۲۱)



قوم ثمود کے نو آدمیوں کی سازش کے حلق قرآن مجید میں ہے:

وَكَانَ فِي السَّوْدِ ثَمُودُ يَسْعَى زَهْبًا ثَمُودُونَ  
فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ قَالُوا تَقَاسَمُوا  
بِآلِهِ كُنتُمْ بَعْدَهُ نَمٌّ كَذَّبُوا كَلِمَاتِ يَتْلُوهُمْ  
مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ وَ  
مَكْرُوا مَكْرًا وَمَكْرُوتًا مَكْرًا وَهُمْ لَا يُشْعُرُونَ ۝  
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا  
ذَكَرْنَاهُمْ وَ قَوْمَهُمْ أَحْمَسُ مِنْ قَبْلِكَ  
بِمُؤْتِهِمْ عَذَابِيَّةً لِمَا ظَنَّمُوا أَن فِي ذَلِكْ لَآيَةً  
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَانْحَبِئْنَا الذِّمَّةَ أَمْنًا وَ  
كَانُوا يَنْقُوتُونَ ۝ (النمل: ۴۸-۴۳)

اور ثمود کے شرمیں تو شخص ملک میں فساد کرتے تھے اور  
اصلاح نہیں کرتے تھے ۝ انہوں نے کہا: سب آپس میں اللہ کی  
قسم کھا کر عہد کر دو کہ ہم ضرور صالح اور ان کے اہل پر شب خون  
ماریں گے پھر ہم ان کے وارث سے کہیں گے کہ اس گھر کے  
لوگوں کے قتل کے موقع پر ہم حاضری نہ تھے اور بے شک ہم  
ضرور سچے ہیں ۝ انہوں نے سازش کی اور ہم نے غیہ غدیرہ  
کی لود ان کو پانی نہ چلا ۝ تو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا کیا  
انجام ہوا ہے ملک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک  
کر دیا ۝ سوچو ان کے دہر ان گھر گھر سے پڑے ہیں کیونکہ انہوں  
نے قسم کیا تھا اور بے شک اس میں جانے والوں کے لیے  
(مہرت کی) نکالی ہے ۝ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی  
جو ایمان لائے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے ۝

ادونٹی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود

قوم ثمود کا قیدار کو لوٹنی کے قتل کے لیے چلا اور اس کا لوٹنی کو قتل کرنا اس کا ذکر ان آیات میں ہے:

كَذَبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثْلَا  
وَاحِدًا أَتَيْنَاكَ إِنَّا إِذًا لَفُوسٌ ضَلِّلٌ وَضَلُّوا ۝ أَلَيْسَ  
الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْنَا مِنْ سَمَانٍ هَٰذَا إِلَّا مَوْجٌ كَذَّابٌ أَشِرُّ ۝  
سَبَّحْمُونَ عَذَابًا مِّنَ الْكَذَّابِ الْأَشِرِّ ۝ إِنَّا  
مُرْسِلُوا النَّارِ فَنُتْنَةً لَّهُمْ ذَارُتْهُمْ وَ  
أَصْطَكِرُوا ۝ وَتَيْنَهُمْ أَنَّ الْمَاءَ نَسْعًا بَيْنَهُمْ  
كُلُّ شَرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَادَّبُوا صَاحِبَهُمْ  
فَنَعَاظِي مُعَقِّرٌ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرٌ ۝  
إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَبِيحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا  
كَهَيْبَةِ الْمُعَنْظَرِ ۝ (القمر: ۳۳-۳۸)

ثمود نے ڈالنے والے رسولوں کو جھٹلایا ۝ انہوں نے کہا:  
کیا ہم انہوں میں سے ایک بشر کی اتباع کریں تب تو ہم یقیناً  
ضرور گمراہی اور عذاب میں ہوں گے ۝ کیا ہم میں سے صرف  
اسی پر وحی نازل کی گئی بلکہ وہ بڑا جھوٹا حکیم ہے ۝ غریب وہ  
(قیامت کے دن) جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا حکیم ہے ۝ بے  
شک ہم ان کی آزمائش کے لیے ادونٹی بھیجے والے ہیں تو (اے  
صالح!) آپ (ان کے انجام کا) انتظار کریں اور میرے کام  
لیں ۝ اور ان کو یاد دیجئے کہ پانی ان کے (اور ادونٹی کے)  
درمیان تقسیم کیا ہوا ہے ہر ایک اپنے اپنے پینے کی باری پر حاضر  
ہو گا ۝ تو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اس نے (ادونٹی کو  
پکارا اور) اس کی کوٹھیں کاٹ دیں ۝ تو کیا ہوا میرا عذاب

☆ (حضرت صالح علیہ السلام نے جب انہیں عذاب کی خبر سنی تو انہوں نے اتفاقاً حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی  
سازش کی۔ جب وہ لوگ اپنے منصوبہ کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے راستہ ہی  
میں ان پر چھر برسا کر ان کو ہلاک کر دیا اور یہ اللہ کی غیہ غدیرہ تھی)



آئے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو کبھی بھڑانہ ہوگا۔ (ص: ۱۵۵) ایک اور سند سے روایت ہے کہ حضرت صلح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تم پر عذاب آنے کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن جب تم صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے 'دوسری صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے اور تیسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے 'جب انہوں نے یہ علامت دیکھی تو انہوں نے خوشبو لگائی اور عذاب کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔

(تفسیر عبد الرزاق 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱۱۱، اللہ والشمس 'ج ۳' ص ۳۹۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم 'ج ۵' ص ۱۵۱۵)  
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ انجر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: نشانوں کا سوال نہ کرنا کیونکہ حضرت صلح کی قوم نے نشانوں کا سوال کیا تھا وہ اس راستہ سے آئے تھے اور اس راستہ سے لوٹتے تھے انہوں نے اپنے رب کی قسم عدلی کی انہوں نے اس نوشتہ کی کو نہیں کٹ دیں۔ ایک دن وہ نوشتہ بن کاپانی پتی تھی اور ایک دن وہ اس کا لہجہ پتے تھے تو انہوں نے اس کی کو نہیں کٹ دیں پھر ایک ہولناک آواز نے ان کو پکڑ لیا آسمان کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے سب کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ مگر ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا عرض کیا کیا یا رسول اللہ! وہ شخص کون تھا؟ فرمایا ابو رعل۔ جب وہ حرم سے باہر آیا تو وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

(تفسیر عبد الرزاق 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱۱۱، اس کی سند صحیح ہے 'مسند احمد' 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰۴۳، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، جامع البیان '۸۷۲' ص ۳۸۸، مجمع الزوائد 'ج ۵' ص ۵۵، المستدرک 'ج ۲' ص ۳۲۰)

امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طائف گئے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابو رعل کی قبر ہے۔ اس حرم کی وجہ سے اس سے عذاب دور ہو گیا تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اس جگہ اس کو دعویٰ عذاب آپنا تو اس کو دفن کر دیا گیا اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شلغ بھی دفن کی گئی تھی۔ اگر تم اس قبر کو کھودو گے تو اس شلغ کو حاصل کر لو گے تو لوگوں نے اس قبر کو کھود کر اس سے وہ سونے کی شلغ نکال لی۔

(سنن ابو داؤد 'رقم الحدیث: ۳۰۸۸، تفسیر عبد الرزاق 'رقم الحدیث: ۳۱۱۱، جامع البیان '۸۷۲' ص ۳۸۸)  
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انجر سے گزرے تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا ان کے گھروں کے پاس سے بغیر روئے نہ گزرتا کہیں تم پر بھی ویسا عذاب نہ آجائے پھر آپ نے نوشتہ کو تیزی سے دوڑایا اور اس مقام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری 'رقم الحدیث: ۳۳۸۰، صحیح مسلم 'زبد' ۳۹۸-۳۹۹، تفسیر عبد الرزاق 'رقم الحدیث: ۳۱۱۱، جامع البیان '۸۷۲' ص ۳۸۸)

ص ۳۰۰

وَلَوْ كُنَّا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اللہ ہم نے لو کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان داروں

أَخَذَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ

میں سے کسی نے نہیں کی ۸۰۔ یہ عجب تم مردوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس انسانی خواہش کے لیے

النِّسَاءِ طَيْلٌ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِقُونَ ﴿۸۴﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ

آستے ہو بکھڑے تم (میراث کی) حد سے (بھی) تجاوز کرنے والے ہو ان کی قوم کا مرتد ہی جواب تھا کہ اہل

إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ

نے کہا ان کو اپنا بستی سے نکال دو ، یہ لوگ یہاں سے باہر نکال دیں

يَنْتَقِرُونَ ﴿۸۵﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۸۶﴾

یہ ۰ پس ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر ان کی بیوی کے وہ مذا ب میں باقی رہنے والی ہیں مگر

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے ان پر پتھر برسائے ، دیکھو مجرموں کا کیا انجام ہوا ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو بچھا دیا (۸۴-۸۵ اعراف)

حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب

ہام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متولی دہ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچے تھے۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے: لوط بن عازل بن (عازل بن حضرت ابراہیم کے بھائی تھے) بن تارخ بن محمود بن ساروخ بن ارمو بن بلخ بن عامر بن شلح بن ارغند بن سام بن نوح بن لکھ بن حوثل بن خنوخ (یہ حضرت لوط ہیں) بن مہلیل بن قینان بن انوش بن شیش بن آدم علیہ السلام۔

حضرت جابر جو بیٹو میں کہتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں قتل کیا وہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن ہیں جب اللہ روم نے حضرت لوط علیہ السلام کو قید کر لیا تو حضرت ابراہیم نے ان سے قتل کیا اور حضرت لوط کو چھڑایا۔

حضرت انس جو بیٹو میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت عمن جو بیٹو نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ نیا بیٹو کو ان کے حلق کوئی خبر نہیں تھی آپ ان کے حلق خیلوں کے خطر تھے کہ قریش کی ایک عورت آئی اور کہنے لگی اے ابو القاسم! میں نے آپ کے والد کو سفر میں دیکھا ہے۔ من کی ہلیہ کھور لوگوں کے ساتھ دروازہ گوش پر سوار تھیں اور وہ اس کو چلا رہے تھے اور اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ نیا بیٹو نے فرمایا: اللہ ان دونوں کا صاحب ہو۔ یہ لوط علیہ السلام کے بعد من اپنے اہل کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارض مقدسہ کی طرف بھیجا گیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو چار قوموں کی طرف بھیجا گیا۔ سدوم، اموراہ، عاموراہ اور صوبہ اب۔ ان میں سے ہر شہر میں ایک لاکھ جگ جو لوگ تھے ان کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا۔ حضرت لوط اسی میں رہتے تھے۔ یہ شام کے شہروں میں ہے۔ یہ لوط فلسطین سے ایک دن اور رات کی مسافت پر واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو صلت دی تھی انہوں نے اسلامی شرم و حیا کے قہر چاک کر دیے اور بہت بڑی

ہے حیاتی کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دروازہ کو شہ پر سوار ہو کر قوم لوط کے شہوں میں جاتے اور ان کو نصیحت کرتے وہ ان کی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرقی اردن کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ عراق اور فلسطین کے درمیان میں واقع ہے۔ تو رات میں اس علاقہ کے صدر مقام کاہم سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا لب بحیرہ مردار میں غرق ہو چکا ہے۔ لب صرف بحیرہ مردار ہی اس کی ایک یادگار باقی ہے جسے آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو لب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں یہ خشک زمین تھی اور اس پر شرابی تھے سدوم اور عاموراد فیو بیس تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میل سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اس سے اس کا نام بحر مردار اور بحر لوط ہے۔ اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مردار کے ساحل پر بعض جگہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس جگہ کافر ان مجید نے ذکر کیا ہے۔

حضرت لوط کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوجیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب بد معاشوں نے یہ سنا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہیں تو وہ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازہ پر پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر دیا اور کہا تم میری بیٹیوں سے نکاح کر لو۔ (حدیث ۷۷۷) حضرت لوط کو اپنے مہمانوں کی بے حرمتی کا اندیشہ تھا اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ ایک شخص صرف ایک عورت سے نکاح کرتا تھا انہوں نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں پر ہذا کوئی حق نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ ہماری خواہش کیا ہے۔ (حدیث ۷۷۸) حضرت لوط نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور مجھے اپنے مہمانوں کے حلق شرمندہ نہ کرو کیا تم میں کوئی نیک آدمی نہیں ہے؟ انہوں نے حضرت لوط کی بہت کاکوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ پھر حضرت جبرئیل اپنی اصل صورت میں آگئے اور کہا اے لوط! پریشان نہ ہوں ہم فرشتے ہیں یہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے ہمیں ان کو عذاب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھروالوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں وہ لوگ جب اندر آئے تو حضرت جبرئیل نے اپنے پرہیزگاروں پر لڑنے کے چہرے فون آلود ہو گئے اور ان کی آنکھیں نکل کر زمین پر گر پڑیں۔ تب انہوں نے کہا اے لوط! تمہارے پاس جلو گر تھے جنہوں نے ہمیں اندھا کر دیا وہ ٹھو کریں کھاتے ہوئے باہر نکلے اور جیسے ہی صبح ہوئی ان کو عذاب نے آلیا۔

قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں عورتوں کی بجائے مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرنے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ان کے بھائیاں میں پھل تھے اور ان کے کچھ پھل بھائیاں سے اور ان کے گھروں سے باہر نکلتے رہتے تھے ایک بار ان کے ہاں قحط پڑ گیا اور پھلوں میں کمی ہو گئی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جو پھل باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں اگر ہم مسافروں کو ان کے کھانے سے منع کر دو تو تمہارے لیے کشادگی ہو جائے گی۔ انہوں نے سوچا کس طرح منع کریں پھر انہوں نے یہ قانون بتایا کہ جو مسافر بھی پھل توڑے گا اس کو ان کے ساتھ نکاح کرنا ہو گا اور اس کو چار درہم جرمانہ دینا ہو گا۔ اس طرح تمہارے پھل محفوظ رہیں گے اور یوں ان کو ہم جنس پرستی کی لت پڑ گئی اور یہ وہ بیچ فصل تھا جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔

قوم لوط میں اس عمل کی ابتداء کی دو سری وجہ یہ ہے کہ ایک دن ان کے مردوں کے پاس شیطان انتہائی خوبصورت بچے کی



فل میں آیا اور اس نے ان کو اپنے ساتھ اس عمل کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کے ساتھ یہ عمل کیا پھر ان کو اس عمل کی لت پڑ گئی۔

حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادات

حضرت لوط اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے خیانت کی تھی۔ ان کی یہ خیانت زنا نہیں تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لوگوں سے یہ کہا تھا کہ یہ مجنون ہیں۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جب ان کے پاس فرشتے بہ صورت مسلمان آئے تو اس نے لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مسلمان آئے ہوئے ہیں۔ ضحاک نے کہا حضرت لوط اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی خیانت چٹلی کرنا تھی۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوم لوط کو دس عادتوں کی وجہ سے ہلاک کیا گیا اور میری امت میں اس سے ایک عادت زیادہ ہو گئی۔ ان کے مرد ہم جنس پرست تھے، وہ غلیل سے شکار کرتے تھے، نکلیاں مارتے تھے، حمام میں کھیلتے تھے، دف بھاتے تھے، شراب پیتے تھے، داڑھی نکالتے تھے اور سر نہیں لمبی رکھتے تھے، سیٹی بھاتے تھے اور نمایاں پینتے تھے، ریشم پینتے تھے اور میری امت میں ان سے ایک عادت زیادہ ہو گئی کہ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(کنز العمال ۱۰۳۱۳، مکتبہ تاریخ دمشق ج ۲۱، ص ۲۳۶-۲۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۰ھ)

عمل قوم لوط کی عقلی قباحتیں

امام رازی متوفی ۷۴۶ھ نے قوم لوط کے عمل (اعظام) کی حسب ذیل عقلی خرابیاں بیان کی ہیں:

۱۔ اکثر لوگ اولاد کے حصول سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ اولاد کی وجہ سے انسان پر ان کی پرورش کا بوجھ پڑ جاتا ہے جس کو اٹھانے کے لیے انسان کو زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جماع کو بہت بڑی لذت کے حصول کا سبب بنا دیا ہے انسان اس لذت کے حصول کے لیے جماع کے فعل کا اقدام کرتا ہے۔ اور جماع کے بعد خواہی غواہی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی جہد کے لیے جماع میں یہ لذت رکھی ہے۔ اب اگر انسان اس لذت کو کسی اور طریقہ سے حاصل کر لے جس سے بچہ پیدا نہ ہو تو اس سے وہ حکمت مطربہ حاصل نہیں ہوگی اور اس سے نسل انسانی منقطع ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اس لیے اس عمل کا حرام ہونا ضروری ہوا۔

۲۔ مرد اپنی فطرت اور وضع کے اعتبار سے قائل ہے اور عورت منقطع ہے اور جب اس عمل کے نتیجہ میں مرد خود منقطع ہو گا تو یہ فطرت اور حکمت کے خلاف ہے۔

۳۔ قضاء شہوت کے لیے مرد کا عورت کے ساتھ یہ عمل کرنا جانوروں کے شہوانی عمل کے مشابہ ہے اس عمل کو صرف اس وجہ سے اچھا قرار دیا گیا ہے کہ یہ حصول اولاد کا سبب ہے۔ اور جب یہ عمل اس طریقہ سے کیا جائے جس میں حصول اولاد ممکن نہ ہو تو یہ نری حیوانیت ہے اور انسانیت کے بلند مقام سے حیوانوں کی پستی میں جا گرتا ہے۔

۴۔ جب مرد، عورت کے ساتھ یہ فعل کرے گا تو یمن لیا کہ قائل کو اس عمل سے لذت حاصل ہوگی مگر اس سے مفسول کو بہت بڑا عار اور عیب لاحق ہو گا جو تمام عمر اس کی ذلت اور رسوائی کا سبب ہو گا اور وہ کبھی قائل کے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکے گا تو ایسی چند عادت کی خبیث اور گھٹیا لذت کے حصول کا کیا فائدہ جس سے دوسرے شخص کو تمام عمر کے لیے عیب لگ جائے۔

۵۔ اس عمل کے بعد قائل اور مفسول میں دائمی عداوت ہو جاتی ہے اور مفسول کو قائل کی شکل سے نفرت ہو جاتی ہے اور

بعض اوقات مفصل قاتل کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ اس کے برعکس شوہر اپنی بیوی کے ساتھ جب یہ عمل کرتا ہے تو ان میں الفت اور محبت اور بڑھتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا  
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

کچھ تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے رحم میں مٹی کو جذب کرنے کی بہت ذبردست قوت رکھی ہے پس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے تو مرد کے عضو کی مٹی سے مٹی کے تمام قطرات منجذب ہو کر عورت کے رحم میں پہنچ جاتے ہیں اس کے برعکس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرے گا تو مفصل کی مقعد میں چونکہ مٹی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس عمل کے بعد قاتل کے عضو کی مٹی میں کچھ قطرات اور ذرات رہ جاتے ہیں جن میں تھفن پیدا ہو جاتا ہے جس سے عضو سوج جاتا ہے اور ملک قسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سوزاک وغیرہ۔

قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں قوم لوط کے عمل کی مذمت فرمائی گئی ہے:

أَتَأْتُونَ الذَّكَرَ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْعَلِيِّينَ ۚ وَتَذَرُونَ مَا  
خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ  
عَادُونَ (الشعراء: ۷۵-۷۷)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟  
اور اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے  
تمہارے لیے پیدا کی ہیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔  
بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش کے لیے  
مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم تو حیوانوں کی حد سے (بھی)  
تجاوز کرنے والے ہو۔

إِنَّكُمْ لَنَافِلُونَ الْبِرِّ حَالِ شَهْوَةٍ مِنْ دُونِ  
الْيَسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ (الاعراف: ۸۴)

احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۷ھ رحمہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو قاتل اور مفصل پر دونوں کو قتل کرو۔

(سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: ۴۴۷۳، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۳۶۸، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۲۵۶۱، شعب الایمان: رقم الحدیث: ۵۸۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف

ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۳۶۳، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۲۵۷۳، المستدرک ج ۳ ص ۳۵۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمن

کی حکومت ہو جائے گی اور جب زمانہ کثرت ہو گا تو قیدی بہ کثرت ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت مخلوق سے اٹھالے گا پھر وہ کوئی پردہ نہیں کرے گا کہ وہ کس ولوی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(الکبیر ج ۲: رقم الحدیث: ۱۷۵۵، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں کو سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت فرماتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت کو دہراتا ہے۔ فرماتا ہے: جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے جانوروں کے ساتھ بد فعلی کی وہ ملعون ہے۔ جس نے اپنے ماں باپ سے قطع توڑا وہ ملعون ہے۔ جس نے ایک عورت اور اس کی بیٹی کو ایک نخل میں جمع کیا وہ ملعون ہے۔ جس نے اللہ کی حدود کو بدلا وہ ملعون ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ ملعون ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۹، رقم الحدیث: ۸۳۹۲، مجمع الزوائد ج ۶، ص ۶۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چار شخص ایسے ہیں جو اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں اور جو لوگ جانوروں سے بد فعلی کریں اور جو لوگ مردوں سے خواہش پوری کریں۔

(المعجم الاوسط ج ۷، رقم الحدیث: ۶۸۵۳، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۸۳۰، الکامل لابن ہدی ج ۶، ص ۲۲۳۳، مجمع الزوائد)

محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں نے عرب کے بعض قبیلوں میں یہ دیکھا ہے کہ وہاں مرد کے ساتھ اس طرح فعل کیا جاتا ہے جس طرح عورت کے ساتھ فعل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے مشورہ کیا۔ ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا: یہ وہ گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو اس امت پر عذاب بھیجا اس کا آپ لوگوں کو علم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر حضرت ابو بکر نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث: ۵۳۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا ہو اس کے حلق نبی ﷺ نے فرمایا: اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۶۲، المستدرک ج ۲، ص ۳۵۵، المعجم الاوسط ج ۳، رقم الحدیث: ۳۱۲۸، مجمع الزوائد ج ۶، ص ۶۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو مرد سے جنسی خواہش پوری کرے یا عورت سے عمل مشکوک کرے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۶۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۱۹۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ لوطی کی حد کیا ہے؟ فرمایا اس کو شہر کی سب سے اونچی عمارت سے نیچے پھینکا جائے، پھر اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۵۲۹، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۳۳۲)

یزید بن قیس نے بیان کیا کہ حضرت علی نے لوطی کو سنگسار کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۵۳۰، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۳۳۲)

ذہری نے بیان کیا کہ اگر لوطی شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر کنوارا ہو تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۵۳۱، مصنف عبد الرزاق ج ۷، ص ۳۶۳، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۳۳۳)

## عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی حنفی ۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس فعل کی سزا میں امام احمد سے مختلف روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، جابر بن زید، عبد اللہ بن عمر اور زہری کا بھی یہی مسلک ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مرد، مرد سے خواتین پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کو جلادیا جائے اور دوسری روایت یہ ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ سنن ابو داؤد میں یہ حدیث ہے کہ تم جن کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو قاتل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کرو۔

(المغنی، ج ۹، ص ۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ فعل زنا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل دہلی حرام ہونے میں زنا کے مشابہ ہے۔

(شرح المہذب، ج ۲۰، ص ۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک قاتل کو رجم کیا جائے گا خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ۔ اسی طرح مفعول اگر بالغ ہو تو اس کو بھی سنگسار کیا جائے گا۔ امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو قید کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی۔ عطاء امیر ایہم نقلی اور ابن المسیب کا بھی یہی مذہب ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شافعی حنفی ۵۴۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس فعل میں مطلقاً حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر اس نے کسی اجنبی کے ساتھ یہ فعل کیا ہے تو اس پر حد ہے کنوارے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر اس نے اپنے غلام، باندی یا بیوی کے ساتھ یہ فعل کیا ہے تو اس پر بلا تعلق حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ زیادات میں مذکور ہے اگر کوئی شخص اس فعل کا عادی ہے تو پھر اس کی سزا ظیفہ کی طرف منحوس ہے۔ اگر وہ متاہل ہے تو اس کو قتل کر دے اگر چاہے تو اس کو کوڑے مارے اور اگر چاہے تو اس کو قید کر دے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے اگر کوئی شخص بار بار یہ فعل کرے تو مفتی بہ قول پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ درر فرور میں مذکور ہے تعزیر یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلادیا جائے یا اس پر دیوار گرا دی جائے یا اس کو بندی سے گرا دیا جائے پھر اس کو سنگسار کیا جائے۔ الخوی میں مذکور ہے اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے اس کو قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے یا مر جائے اور اگر وہ اس فعل کا عادی ہو تو اس کو ظیفہ المسلمین قتل کر دے۔

آرد المحتار، ج ۳، ص ۱۵۵-۱۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۰ھ

## قوم لوط پر عذاب کی کیفیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (الاعراف ۸۴)

ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد ﷺ آپ دیکھئے کہ قوم لوط کے جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور

انہوں نے دہری سے بے حیائی کے کام کیے اور مردوں سے خراش فقس پوری کی من کاکیا انجام ہوا۔  
 اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے اپنا پرہن شہوں کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ  
 آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں کی کنکریاں  
 برسائیں۔ (المجامع لاحکام القرآن ۷: ۷۲ ص ۳۳۲)

جب عذاب اٹھی کا وقت آیا اور رات کی ابتداء ہوئی تو فرشتوں کے اشارہ پر حضرت لوط اپنے خاندان سمیت دوسری طرف سے نکل کر سدوم سے رخصت ہو گئے لیکن من کی بیوی نے من کی رفاقت سے انکار کر دیا اور راستہ ہی سے لوط کو سدوم واپس آگئی۔ جب رات کا پھیلا ہوا تو پہلے تو ایک قبیعہ ناک چچ نے لوط کو سدوم کو دھکا کر دیا پھر آبدی والی زمین کو لوہا اٹھا کر الٹ دیا گیا اور لوہے سے تھمروں کی بارش نے من کا نام و نشان مٹا دیا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے کفار کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا ہے۔

وَالِى مَدِيْنٍ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَقَوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اصحابِ مدین کی طرف ہم نے ان کے (ہم قبیلہ) بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے

مِّنَ الْغَيْرِ قَدْ جَاءَ تِلْكَ بَيْنَهُ مِّنْ تَرَائِكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ

سوا تہماری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تہا سے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے، اس تم

وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي

پروایہ رانا پ اور قول کہ، اور لوگوں کو کم تر کرانے کی چیز یہ نہ دو، اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں

الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾

فساد نہ کرو ، اگر تم ایمان لانے والے ہو تو تمباکو پیے بہتر ہے ○

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

اللہ ہر راستہ پر اس لیے نہ میٹھو کہ ایمان والوں کو فداؤ اللہ اللہ کے راستے پر چلنے سے

اللَّهُ مَنْ أَمِنْ بِهِ وَتَبِعُوا نَهَايَ عَوْجًا وَادْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا

وہ کہ اہل اس (سیدھے) راستہ کو ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرو، اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے

فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٧﴾ وَإِنْ كَانَ

تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا ، اور خود سے دیکھو کہ مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے ؟ اگر تمہاری ایک حالت



طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا

اس (دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بیجا کی جوں اور ایک جامعہ ایمان نہیں لائی ،

فَاصْبِرْ وَاحْتِمْ بِحُكْمِ اللَّهِ بَيْنَنَا ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٤﴾

تو صبر کرو حتی کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے (ہم قبیلہ) بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے پس تم پورا پورا اہل اور توکل کرو اور لوگوں کو کم توکل کرنے کی چیزیں نہ دو اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں کھاد نہ کرو اگر تم ایمان لائے والے ہو تو چہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ (صافات: ۸۵)

حضرت شعیب کا نام و نسب

حافظ علی بن حسن بن صابر متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلامؑ بنو مدین بن امیہ کے بیٹے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شعیب بن یحییٰ بن عکاب بن ثابت بن مدین بن امیہ کے بیٹے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سحر بن لادی بن یعقوب بن اسحاق بن امیہ کے بیٹے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔

ان کی راوی اور ایک قول کے مطابق ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عرق سے شام کی طرف ہجرت کی اور ان کی ساتھ دمشق سے گزرے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب اور بلعم اس قبیلہ سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لایا تھا جس دن ان کو آگ میں ڈلایا گیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی اور حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کی بیٹیوں سے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ لیل قورات کے نزدیک ان کا نام قورات میں میکائیل ہے اور سرائیہ میں ان کا نام حری بن اسحٰب ہے اور عبرانیہ میں ان کا نام شعیب ہے۔

مدین اور اصحاب الایکہ ایک قوم ہیں یا الگ الگ؟

عکرمہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ عین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بنا پر اس کو ایک زبردست گرج و مرج و آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحابِ لایکہ (سرسبز صحاروں والے علاقے کے رہنے والے) کی طرف بھیجا گیا جن کو ساتہین والے عذاب سے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا میں لوہے کے دو اکھڑے لایا کرتا ہوں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا (ہر جہہ کہ اس میں خسرین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول راجح ہے کہ یہ دو الگ الگ اکھڑے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

قلوب نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الرس (انہم عے کوئیں والے) (القرآن ۳۸) فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب لایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۳۰۹-۳۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر حنفی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب لایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب لایکہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایک نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب لایکہ کہا گیا۔ ہر حال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

(الہدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

### حضرت شعیب کا مقام بعثت

قرآن مجید میں ہے:

و انھما لبامام مبین (الحجر: ۷۹) اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

جو شاہراہ حجاز کے کھنوں کو شام، فلسطین، یمن، بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قزوم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی تھی قرآن مجید اسی کو نام مبین فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی کھنوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی سڑک تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قزوم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں:

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور حبشہ ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اس کے صحن پر اسے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی مقام پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقع تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

### حضرت شعیب کی قوم پر عذاب کا نزول

سورۃ الشعراء میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

اصحاب لایکہ نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ○ ہے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ میں تم سے اس کی تبلیغ پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف اللہ رب العالمین پر ہے ○ پورا پورا مال پر کم کر دو اور کم ٹپنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ○ اور درست ترازو سے وزن کرو ○ اور لوگوں کی چیزیں کم تول کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ○ اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی جماعتوں کو پیدا کیا ہے ○ انہوں نے کہا آپ تو صرف محرومہ لوگوں میں سے ہیں ○ اور آپ تو صرف ہم جیسے بشر ہیں ○ اور ہم آپ کو صرف جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں ○ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی کھڑا کرادیں ○ شعیب نے کہا میرا رب تمہارے کلموں کو

خوب جانتا ہے ○ تو انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پس ان کو ساتبن والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ بڑے خوفناک دن کا عذاب تھا ○ بے شک اس میں ضرور تشکی ہے اور ان کے اکثر مومن نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب بہت رحم کرنے والا ہے ○ (الشعراء: ۸۷-۸۸)

ایک اور مقام پر فرمایا:

اور شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً نقصان اٹھانے والے ہو گے ○ تو ان کو ایک زلزلہ نے پکڑ لیا پھر انہوں نے اس محل میں صبح کی کہ وہ اپنے گھروں میں اونڈھے منہ ہلاک ہوئے پڑے تھے ○ (الاعراف: ۹۰-۹۱)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ نے کہا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کو مدین کی طرف بھیجا تو ان کی عمر بیس سال تھی۔ یہ لوگ ٹاپ اور تول میں کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب نے ان کو کئی کمرے سے منع فرمایا۔ حضرت شعیب کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کو بہت اچھا جواب دیتے تھے۔ جب ان کی قوم کی سرکشی نے بہت طویل پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط کر دی۔ وہ اپنے گھروں میں گئے تو وہاں بھی گرمی کا سامنا تھا۔ پھر وہ جنگل کی طرف نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے ان کو دھوپ سے سایہ مہیا کیا اس بادل کے نیچے ان کو بہت ٹھنڈک اور آرام ملا۔ پھر انہوں نے باقی لوگوں کو بلایا اور سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا دیا۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ یوم الظلمہ (ساتبن یا بادل کے دن) کا عذاب تھا۔

مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب نے باقی عمر اصحاب الانبیاء میں گزار دی اور انہیں اللہ سبحانہ کی طرف دعوت دیتے رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے مگر ان کی سرکشی دن بہ دن بڑھتی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر گرمی مسلط کی اور ان پر بھی وہی عذاب آیا۔ (مراۃ المؤمنین ج ۱ ص ۳۸۸-۳۸۷)

قلوب نے بیان کیا ہے کہ اصل مدین کو ایک زبردست گرج دار آواز کا عذاب آیا تھا اور اصحاب الانبیاء پر مسلسل سلت دن گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے آگ بھیجی جس نے ان کو کھالیا اور یہی یوم الظلمہ کا عذاب تھا۔

(سورہ الاعراف میں مدین پر زلزلہ کے عذاب کا ذکر ہے یہ زلزلہ اسی آواز سے آیا تھا اور سورہ الشعراء میں اصحاب الانبیاء پر یوم الظلمہ کے عذاب کا ذکر ہے)

ابو المنذر نے کہا پھر حضرت شعیب نے اپنی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر وہ مکہ چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے اور ان کی عمر ایک سو چالیس سال تھی اور ان کو حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں دفن کیا گیا۔

(المنتظم ج ۱ ص ۲۱۱-۲۰۹ مطبوعہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کے متعلق دوسری روایت یہ ہے:

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر

شیخ محمد حفظ الرحمن سیوہادی لکھتے ہیں:

حضرت موت میں ایک قبر ہے جو زیارت مکہ عوام و خواص سے وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب (علیہ السلام) کی قبر ہے۔ حضرت شعیب مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت موت کے مشہور شہر

”شیون“ کے مغربی جانب ایک مقام ہے جس کو قیام کہتے ہیں۔ اس جگہ اگر کوئی مسافر ولوی ابن علی کی راہ ہوتا ہو اٹھل کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ قبر ہے۔ یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لیے آتا ہے۔ (قصص القرآن، ج ۱، ص ۲۵۳ مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۳ء)

شیخ حفصہ الرحمن کے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور نفوس قدسیہ کی مبارک قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا دنیا کے تمام مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نیز شعیب نے کہا) اور ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ ایمان والوں کو ڈراؤ، اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے روکو، اور اس (سیدھے) راستہ کو نیز حاکم کرنے کی کوشش کرو، اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور غور سے دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے ○ اگر تمہاری ایک جماعت اس (دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الاعراف: ۸۷-۸۸)

ڈرا دھمکا کر ناجائز رقم بٹورنے والے

حضرت شعیب علیہ السلام نے دین کو راستہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ راستہ پر بیٹھ کر ایمان والوں کو ڈراتے تھے اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ قندہ اور بجلہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ان راستوں پر بیٹھ جاتے تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جاتے تھے اور جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانا چاہتے تھے ان کو روکتے تھے اور کہتے تھے ان کے پاس نہ جاؤ وہ کذاب ہیں، جیسا کہ قریش نبی ﷺ کے ساتھ کرتے اور یہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا اس سے مراد ڈاکہ ڈالنا ہے جو لوگ راستہ پر چلنے والے مسافروں کو ڈرا دھمکا کر لوٹ لیتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق المائدہ: ۳۳ میں گزر چکی ہے۔

بعض علماء نے کہا اس زمانہ میں اس سے مراد ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے ہیں جو لوگوں سے جبراً وصول کرتے ہیں جو شرعاً ان پر لازم نہیں ہیں۔ ہمارے زمانہ میں حکمرانوں نے ہر چیز پر انواع و اقسام کے ٹیکس عائد کیے ہوئے ہیں اور عوام کے ٹیکسوں سے صدر و وزیر اعظم و وفاقی وزراء اور گورنر اور صوبائی وزراء کی رہائش کے لیے محل شکن عمل نہایت آسان ہے۔ ان کے سفر کرنے کے لیے خصوصی طیارے ہیں۔ یہ محل میں ان گنت مرتبہ بیرونی دوروں پر جاتے ہیں اور اپنے ساتھ خوشامد ہوں کے ٹولے کو لے جاتے ہیں اور ان کو شاپنگ کے لیے بڑی بڑی رقیں دی جاتی ہیں۔ ان کے اہلوانوں پر مشتمل اخراجات لاکھوں روپیہ سے تجاوز ہیں۔ غریب عوام کے کھانے کے لیے روٹی بمشکل میسر ہوتی ہے، سر چھپانے کے لیے چھت کا سایہ حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور یہ عوام کے خون پیچے سے کٹائی ہوئی رقم سے جبراً ٹیکس وصول کر کے بے دردی سے اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ قوی منصوبوں کے نام پر عالمی بینک سے قرض لیتے ہیں اور اس رقم کو اپنی عیاشیوں میں خرچ کر دیتے ہیں اور قوم کو قرض میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں غنڈے، مشغولے اور دہشت گرد دکانوں اور گھروں سے زبردستی بھتہ وصول کرتے ہیں۔ فطرانہ، زکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی بھی جبراً وصول کرتے ہیں اور اس رقم کو واسطہ خریدنے اور اپنی رنگ رلیوں اور عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ گاڑیاں چھین کر ڈاکے ڈالتے ہیں اور قتل و غارتگری کی وارداتیں کرتے ہیں۔ وہ بھی

اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

قوم شعیب کو ترغیب اور ترہیب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کا یہ قول نقل فرمایا: اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت پر راغب کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ان کو دور رہنے کی ترغیب دی جائے۔ اس آیت کے تین محمل ہیں۔ ایک یہ کہ تم عدد میں کم تھے تو تم کو تعداد میں زیادہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ تمہارے پاس مال کم تھا تو تم کو زیادہ مال عطا کیا اور تیسرا یہ کہ تم جسمانی طور پر کمزور تھے تو تم کو طاقتور کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا: غور سے دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ پہلی آیت میں ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں ان کو ترہیب کی ہے اور ایمان نہ لانے پر ڈر لایا ہے۔

**قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِبُ**

(ان شعیب) کی قوم کے حکمرانوں نے کہا اے شعیب! ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور

**وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْلْتَعُوذَتَنَا فِي مَلَّتِنَا قَالَ**

اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، شعیب نے جواب دیا خواہ

**أَوْ لَوْ كُنَّا كِرْهَيْنَ ۚ قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي**

ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہوں ○ جبکہ ہم نے اللہ پر بہتان باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو

**مَلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهَ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا**

گئے اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لیے اس دین میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے

**إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ**

سوا اس کے کہ اللہ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم نے اللہ پر ہی توکل

**تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝۸۹**

کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائے اور تو سب اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

**وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِبَنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ**

اٹھ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے



إِذَا الْخَسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيمٌ ﴿٩١﴾

داروں میں سے ہر گے ○ سوان کو ایک ہرناک آواز (زلزلہ) سننے پڑا اور جس کے وقت وہ اپنے گروں میں اونٹوں سے زبردہ چٹے تھے

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٩٢﴾ لَمَّا يَخْلُفُ فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ سنو ہستی سے اس طرح مٹ گئے) اگر یا کہ کسی ان گروں میں بسے ہی نہ تھے جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب

كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٣﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمُ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○ پھر شعیب ان سے کندہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے

رِسَالَتٍ رَّأَيْتُمْ وَصَحَّحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آتَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٤﴾

پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی، تو اب میں کافروں (کے حذاب) پر کیوں گرافس کروں! ○

لَقَدْ تَعَالَىٰ كَارُهَا سَ: اس (شعیب) کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اے شعیب! ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور اپنی ہمتی سے نکل دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ شعیب نے جواب دیا خواہ ہم اس کو پسند کرنے والے ہوں ○ (الاعراف ۸۸)

حضرت شعیب علیہ السلام پر کفر میں لوٹنے کے اعتراض کے جوابات

قرآن مجید میں ہے اولتعودن فی ملتنا اس کا معنی ہے "یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ" اس سے یہ ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے دین میں شامل تھے۔ گویا آپ پہلے (امیاز باللہ) کافر تھے۔ اس سوال کے متعدد جواب دیے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بیوکار ان کے دین میں داخل ہونے سے پہلے کافر تھے۔ سوان کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت شعیب کو خلیفہ ان کے بیوکاروں میں شامل کر کے یہ کہا کہ تم ہمارے دین میں داخل آ جاؤ۔

۲۔ کافر سرداروں نے حوام پر تلپیس اور ایشیاء ڈالنے کے لیے اس طرح کہا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے ہی ہم عقیدہ تھے اور پھر ان سے منحرف ہو کر کسی نئے دین میں داخل ہو گئے اور حضرت شعیب نے جواب بھی ان کے ایمان کے موافق دیا کہ اگر ہم تمہارے دین میں داخل آ گئے۔

۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام ابتداء میں اپنے دین کو مخفی رکھتے تھے۔ اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہیں۔

۴۔ اس آیت میں خود میرورت کے معنی میں ہے یعنی یا پھر تم ہمارے دین میں آ جاؤ اور ہم نے اسی اسلوب پر اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے بطور استغمام انکار اور تعجب کے فرمایا کہ تم ہمیں اپنے دین میں داخل ہونے کے لیے کہتے ہو کیا تم ہمیں ہماری مرضی اور پسند کے خلاف اپنے دین میں داخل کر لو گے؟ تم کو یہ علم نہیں کہ توحید کا عقیدہ ہمارے دین میں

میں پوست ہے اس کو کوئی نہیں نکل سکتا۔ تم ہمیں اس بہتی سے نکلنے کی دھمکی دیتے ہو تو من لو کہ دین کی محبت کے مقابلہ میں وطن کی محبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے کہا) بے شک ہم نے اللہ پر بہت باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو گئے اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لیے اس دین میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے اور تو سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے O (الاعراف: ۸۹)

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے دین میں داخل سے محفوظ رکھا ہے اور ہمیں اب کفر میں داخل ہونے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہی ہو تو پھر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز میں اس کی حکمت باطن ہے سو تم یہ طمع نہ کرو کہ اللہ کی مشیت میں یہ ہو گا کہ وہ اپنے قلعہ بندوں کو ایمان پر ثابت قدم نہیں رکھے گا اور وہ ہمیں گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ اپنے قلعہ بندوں اور مومنوں کو مرتد کرنا چاہے اور ان کو کفر اور گمراہی میں ڈالنا چاہے یہ چیز اللہ کی حکمت کے خلاف ہے اور ہم نے ہر چیز اور ہر بات میں اللہ ہی پر توکل کر لیا ہے اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ  
اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

(الطلاق: ۳)

توکل کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ توکل کے دو معنی ہیں ایک معنی ہے کسی کو دال بٹانا اور دوسرا معنی ہے

کسی پر اعتماد کرنا۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۹ مطبوعہ مکتبہ زائر معصومین کربلا)

علامہ محمد طاہر ثقفی متوفی ۱۲۸۶ھ لکھتے ہیں:

توکل یہ ہے کہ تمام معاملات کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے جو مسبب الاسباب ہے اور اسباب علویہ سے قطع نظر کر لی جائے اور دوسری تعریف یہ ہے کہ جو چیز انسان کی طاقت سے باہر ہے اس میں سعی اور کوشش کو ترک کر دیا جائے اور جو سبب اس کی طاقت میں ہے اس کے حصول کی سعی کی جائے اور یہ ممکن نہ کرے کہ مسبب کا حصول اس سبب سے ہوا ہے بلکہ اس کے حصول کا اللہ کی جانب سے اعتقاد رکھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۵۲۵ دار الفکر بیروت جامع الأصول ج ۱۱ رقم الحدیث ۹۵۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ) لوہے سے داغنے اور دم کرانے پر توکل سے بری ہونے کا اشکال بہ ظاہر اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے گرم لوہے سے داغ لگایا دم کرنے کو طلب کیا تو وہ توکل سے بری ہو گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۰۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۶۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۳۹۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۹)

طبع قدیم 'مسند احمد' ج ۶، رقم الحديث: ۱۸۲۵، طبع جدید 'مسند حمیدی' رقم الحديث: ۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۶۹، مسند عبد بن حمید رقم الحديث: ۳۹۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۴، جامع الاصول ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۳، شعب الایمان ج ۲، رقم الحديث: (۱۶۵)

اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس شخص نے علاج کی نیت سے اپنے کسی عضو پر گرم لوہے سے داغ لگایا یا کسی شخص سے دم کرایا تو وہ توکل سے بری ہو گیا کیونکہ نبی ﷺ نے خود علاج کرنے کی ہدایت کی ہے۔  
دوا کرنے اور علاج کرانے کے متعلق احادیث

حضرت جابر جونیڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بیماری کی دوا ہے پس جب کسی بیماری کی دوا حاصل ہو جائے تو وہ اللہ کے لذن سے تندرست ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، الطب: ۶۹، (۲۲۰۳)، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۶، مسند احمد ج ۳، ص ۳۳۵، جامع الاصول ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۷)

حضرت ابو ہریرہ جونیڑ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کی دوا بھی نازل کی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث: ۵۶۷۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۳۹، جامع الاصول ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۵)

حضرت اسلمہ بن شریک جونیڑ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم دوا کریں آپ نے فرمایا دوا کرو کیونکہ اللہ نے جو بیماری مبتلی ہے اس کے لیے دوا بھی مبتلی ہے سوائے بوجھلپے کی بیماری کے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۵۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۳۶، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۰۴۵، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۲، رقم الحديث: ۵۵۳، مسند الحمیدی، رقم الحديث: ۸۴۴، مسند احمد ج ۳، ص ۷۸، جامع الاصول ج ۷، رقم الحديث: ۵۳۸، اللادب المفرد، رقم الحديث: ۲۹، صحیح ابن حبان ج ۳، رقم الحديث: ۶۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۲، المعجم الکبیر ج ۱، رقم الحديث: ۳۶۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۴۳)

حضرت جابر جونیڑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب جونیڑ کی طرف ایک طیب بھیجا اس نے ان کی ایک رگ کٹی پھر اس پر گرم لوہے سے داغ لگایا۔

(صحیح مسلم، سلام: ۷۳، (۲۲۰۷)، سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۳۴۴۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳۰۳، مسند عبد بن حمید، رقم الحديث: ۱۰۱۸، جامع الاصول ج ۷، رقم الحديث: ۵۵۸۵)

حضرت جابر جونیڑ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو تیرے زخم کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگایا۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۳۸۶۶، جامع الاصول ج ۷، رقم الحديث: ۵۷۸۳)

دوا اور دم سے نبی ﷺ کا علاج کرانا  
رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنا علاج فرمایا ہے۔

سل بن سعد جونیڑ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ کا کس چیز سے علاج کیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا حضرت علی جونیڑ، ذحل میں پانی لے کر آئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سے زخم کو دھوئیں

پھر چٹائی کو جلایا گیا اور اس کی رائیخ زخم میں بھردی گئی۔

(صحیح البخاری: رقم الحديث: ۲۴۳، صحیح مسلم: جلد: ۱۰، ۳۵۴، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۰۴۳، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث: ۲۴۳۳)

سنن احمد: ج ۸، رقم الحديث: ۲۲۸۳، صحیح ابن حبان: ج ۳، رقم الحديث: ۲۵۷۸

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گردن کی دونوں جانبوں کی رگوں اور کندھوں کے درمیان نصد لگواتے تھے اور آپ سترہ انیس اور اکیس تاریخ کو نصد لگواتے تھے۔ (نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری بہترین دوا نصد لگانا ہے)

(صحیح البخاری: رقم الحديث: ۵۶۶۱، سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۰۵۸، ۳۸۲۰، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث: ۲۳۸۳، صحیح ابن حبان: ج ۳، رقم الحديث: ۶۰۷۷، سنن احمد: ج ۳، رقم الحديث: ۳۱۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی: ج ۹، رقم الحديث: ۳۴۰۰، جامع الاصول: ج ۷، رقم الحديث: ۵۶۷۴)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی خدمت کرتی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پیر میں جب بھی کوئی چھلایا یا زخم ہوتا تو آپ مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مندی لگا دوں۔

(سنن الترمذی: رقم الحديث: ۲۰۵۳، سنن ابوداؤد: رقم الحديث: ۳۸۵۸، سنن عبد بن حمید: رقم الحديث: ۱۵۶۳، سنن احمد: ج ۶، ص ۳۳، جامع الاصول: ج ۷، رقم الحديث: ۵۶۷۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو ایک مٹی کی گولہ پھانک لیتے اور اس کے اوپر پانی اور شہد پیتے۔ (المجموع للاوسط: ج ۲، رقم الحديث: ۱۰۹، مجمع الزوائد: ج ۵، ص ۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو حضرت جبریل آکر آپ پر ان کلمات سے دم کرتے: باسم بربک و من کل داء یشفیک و من شر حاسد ادا حسد و شر کل دی عیس۔

(صحیح مسلم: الطب: ۳۹، ۲۱۸۵، ۵۵۹۵)

### اشکال مذکور کا جواب

جب ان متعدد احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے بیماری میں علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی بیماری میں علاج کیا ہے اور آپ پر دم کیا گیا ہے اور آپ نے صحابہ کا داغ لگانے سے علاج کیا ہے تو واضح ہو گیا کہ دوا، دم اور علاج کے ذریعہ اسباب کی رعایت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ کھانے کے ذریعہ بھوک کو دور کرنا اور پانی کے ذریعہ پیاس کو دور کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ نبی ﷺ غار حراء میں کئی کئی دنوں کا کھانا لے کر جاتے تھے۔ ازواج مطہرات کو ایک سال کی خوراک فراہم کرتے تھے۔ جنگ احد میں آپ دو ذریعہ ہیں کہ گئے تھے بیماری میں علاج کرتے تھے دم کراتے تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کسی مقصود کے اسباب کو حاصل کرنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ آپ سید المتوکلین ہیں اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جس شخص نے گرم لوہے سے جسم کو دغا یا دم کرایا وہ توکل سے بری ہو گیا اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے ان کو شفا کا قطعی اور یقینی سبب گمان کیا اور اس سے غافل ہو گیا کہ شفاء اللہ نے دینی ہے تو وہ توکل سے بری ہو گیا اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ شخص اسباب غالبہ ہیں اور شفا کی صرف اللہ سے امید رکھی تو اس کا توکل اپنے حال پر ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ظاہر ہے۔

توکل کی تعریف پر ایک اور اشکال کا جواب

یہ حدیث بھی بہ ظاہر توکل کی تعریف کے خلاف ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو خلی پیٹتے ہوتے ہیں اور شام کو ان کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۵۱، جامع الاصول، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۷۱۷، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۱۷۳، کتاب الزہد لابن المبارک، رقم الحدیث: ۵۵۹، مسند ابو حنیفہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۴، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۷۳۰، المستدرک، ج ۳، ص ۱۸۸، حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۸، شعب الایمان، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۸۴)

اللہ تعالیٰ پر کماحقہ توکل کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم یہ یقین رکھو کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ ہے اور کسی چیز کا ملنا یا نہ ملنا، نفع اور نقصان، فقر اور غنا، مرض اور صحت، امتحان میں کامیابی اور ناکامی، موت اور حیات اور ان کے علاوہ دوسری چیزیں سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہیں۔ پھر اس یقین کے ساتھ اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے اسباب کو بروئے کار لایا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے ہی شلکام کرے گا جیسے وہ پرندوں کو شلکام کرتا ہے وہ صبح رزق کی تلاش میں خلی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ کسب کو ترک کر دیا جائے کیونکہ پرندے بھی رزق کی تلاش میں سعی اور کسب کرتے ہیں۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں قناعت اور توکل کے بعض معنی بغیر زاد اور راہ کے سفر کرتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بدعت ہے، صحابہ اور سلف صالحین سے معقول نہیں ہے بلکہ سلف صالحین زاد راہ لے کر سفر کرتے تھے اور ان کا توکل زاد راہ پر نہیں اللہ پر ہوتا تھا۔ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۲۲۱، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۳۳ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان لانے سے باز ہو گئے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کی کافر قوم کا عذاب نازل فرمائے جس سے حضرت شعیب کا اور ان کے متبعین کا حق پر ہونا واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے ○ سو ان کو ایک ہولناک آواز (زلزلہ) نے پکڑ لیا اور صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اونگھ مٹے مردہ پڑے تھے ○ جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ صلیٰ ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی ان گھروں میں بے عی نہ تھے ○ جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○ پھر شعیب ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں افسوس کروں ○

(الاعراف، ۹۳-۹۰)

نزول عذاب سے حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کی صداقت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کی تکذیب کی۔ اس آیت میں ان کی ایک اور گمراہی کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے لوگوں سے کہا اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تمہیں نقصان ہو گا۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کے بعد تم کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہو گا جو تم ٹپ تول میں کمی کے ذریعہ حاصل کرتے تھے۔ یا ان کا مطلب یہ تھا کہ تم دین میں گھانے میں رہو گے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت شعیب علیہ السلام کا دین باطل



تھا۔ اس کے بعد وہ سری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلہ کے عذاب کو بھیجے گا ذکر فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی کذب اور مخالفت کے بعد وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے۔ اس عذاب میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دین کی صداقت کی کئی دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے عذاب آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعوت برحق تھی۔ ثانی یہ کہ یہ عذاب صرف حضرت شعیب کے مخالفین پر آیا ان کے موافقین پر نہیں آیا۔ پھر اس میں مزید اعجاز یہ ہے کہ یہ عذاب اس قوم پر نازل ہوا جو ایک شہر میں رہتی تھی یہ عذاب آسمان سے نازل ہوا اور صرف ان لوگوں پر نازل ہوا جو حضرت شعیب علیہ السلام کے منکر اور مخالف تھے اور ان پر نازل نہیں ہوا جو حضرت شعیب کے متبعین تھے ملائکہ وہ سب اکٹھے رہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت شعیب ان لوگوں کے درمیان سے چلے گئے اور حضرت شعیب ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت پوری کر چکے تھے اور عمل نصیحت کر چکے تھے اس لیے فرمایا اب میں ان پر افسوس کیسے کروں !

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَ

ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو ہم نے (اس نبی کی تکذیب کے باعث) اس بستی والوں کو تگلی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا

الضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرُّوْنَ ۝۹۳ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ

تاکہ وہ سزاوارد کریں ○ پھر ہم نے ان کی بد حال کو خوش حال سے بدل دیا

حَتَّىٰ عَفَّوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ إِبْرَاهِيمُ الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ

حتیٰ کہ وہ خوب پیسے پیسے اور انہوں نے کہا ہمارے باپ دادا پر بھی تگلی اور فراخی آتی رہی ہے ، ہم نے ان کو

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۹۴ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

اجانک گرفت میں سے لیا اور ان کو پتا بھی نہیں چلا ○ اور اگر بستیوں والے ایمان سے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا

آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے (رسووں کو) جھٹلایا

فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۹۵ أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ

تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ○ تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا

بَأْسٌ يَأْتِيَانِيَا وَهُمْ لَا يَمُونُ ۝۹۶ أَوَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ

عذاب راتوں رات آجائے جب وہ سو رہے ہوں ○ اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب

# بَاْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ ﴿۹۹﴾ اَفَاَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ

پاشت کے وقت آجائے جب وہ کیل کر دیں شغل ہوں ○ تو کیا وہ اللہ کی خیر تدبیر سے بے خوف ہیں ؟ حالانکہ اللہ کی خیر

## مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۰۰﴾

تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو ہم نے (اس نبی کی تکذیب کے باعث) اس بستی والوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ فریاد کریں ○ پھر ہم نے ان کی بد حال کو خوش حالی سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ خوب پھلے پھولے اور انہوں نے کہا: ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے سو ہم نے ان کو اچانک گرفت میں لے لیا اور ان کو پتہ بھی نہیں چلا۔ (الاعراف: ۹۵، ۹۶)

مشکل الفاظ کے معانی

قربہ: وہ جگہ جس میں لوگ اجتماعی طور پر رہتے ہوں اس کا اطلاق شہروں اور دیہاتوں دونوں پر ہوتا ہے۔  
الباساء: شدت اور مشقت۔ مثلاً جنگ کی مشقت، پسندیدہ اور ناگوار چیز۔ اس کا اطلاق زیادہ تر فقر اور جنگ کی مصیبت پر ہوتا ہے۔

الضرراء: وہ چیز جو انسان کے نفس یا اس کی معیشت میں ضرر پہنچائے۔ مثلاً مرض، اس کا مقابل السراء اور النعماء ہے۔  
بضرعوں: اس کا معنی ضعف اور ذلت ہے۔ اس سے مراد ہے تذلل اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا۔  
عسوا: عسوا کا معنی ہے کسی چیز کو حاصل کرنے کا قصد کرنا۔ گندہ سے درگزر کرنا، کسی چیز میں زیادتی کا قصد کرنا یا زیادہ ہونا، یہاں بھی مراد ہے۔

رنج اور راحت کے نزول میں کافروں اور مسلمانوں کے احوال اور افعال کا فرق

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں پر ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں ایک عام قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ جس بستی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کی طرف کوئی رسول بھیجا اور پھر اس بستی والوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حبیہ کی اور جب وہ حبیہ کے بلوغت اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیامیٹ کرنے کے لیے عذاب بھیج دیا اور جن اقوام پر عذاب بھیجے گا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے وہ صرف ان اقوام کی خصوصیت نہ تھی۔

اور تمام قوموں کی یہ سرشت رہی ہے کہ پہلے اللہ ان کو تنگی، بیماری اور قحط کی آفتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر ان کو فراخی اور صحت عطا فرماتا ہے اور خشک سالی دور فرما دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کو پہچانیں اور اس کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ لیکن جب وہ ان نعمتوں سے اچھی طرح فائدہ اٹھا لیتے ہیں ان کی تعداد اور ان کے مال میں زیادتی ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ایسا ہمیشہ سے ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے، کبھی ان پر برے دن آتے تھے اور کبھی اچھے دن۔ یہ اللہ کی قدرت اور وحدانیت یا اس کے رسول کی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔

بیان القرآن

خلاصہ یہ ہے کہ کافر مصیبت سے عبرت حاصل کرتے ہیں نہ راحت پر شکر ادا کرتے ہیں اور مومن کی کیفیت اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت مصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کے حل پر تعجب ہوتا ہے اس کے ہر حل میں خیر ہے اور یہ صفت مومن کے سوالور کسی میں نہیں ہے اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم، زہد: ۶۳، (۲۹۹۹) ۷۳۶۵، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۳۲، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۲۷۸۰، جامع الاصول،

ج ۹، رقم الحدیث: ۷۰۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن مرد اور مومن عورت کی جان، مل اور اولاد پر ہمیشہ مصیبتیں آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حل میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۰۷، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۹۱۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۹۱۳،

المستدرک، ج ۱، ص ۳۴۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندے کی دنیا میں دو آنکھیں لے لیتا ہوں تو میرے نزدیک اس کے لیے جنت کے سوا اور کوئی جزا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۶۵۳، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۰۸، جامع الاصول، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۶۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اہل عافیت جب مصیبت اٹھانے والوں کا ثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھل کو دنیا میں فتنی سے کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۱۰، المسند، رقم الحدیث: ۱۵۷۰، الترفیب والترہیب، ج ۴، ص ۱۲۸۲)

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جب ان پر مصائب آئیں تو وہ یہ یقین کریں کہ یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہیں اور ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔ وہ ان مصائب پر صبر کریں اور ان پر ولولہ نہ کریں اور حرف شکایت زبان پر نہ لائیں اور جب ان پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اگر انہوں نے رنج و راحت کے ایام کو گردشِ دوراں اور زمانہ کی علوت پر محمول کیا تو پھر ان کا یہ عمل کافروں کے عمل کے مشابہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا O تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آجائے جب وہ سو رہے ہوں O اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر بچاؤ کے وقت آجائے جب وہ کھیل کود میں مشغول ہوں O تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں O

(الاعراف: ۹۹-۹۶)

نیک اعمال نزولِ رحمت کا سبب ہیں اور بد اعمال نزولِ عذاب کا باعث ہیں

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اگر بستیوں والے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتے تو اللہ ان پر آسمانوں اور زمینوں سے برکتوں کے دروازے کھول

رحا۔ آسمان سے بارشیں نازل فرماتا اور زمین سبز اور فصل اگتی اور ان کے جانوروں اور مویشیوں میں کثرت ہوتی اور ان کو امن اور سلامتی حاصل ہوتی لیکن انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کی معصیت کی وجہ سے ان پر خشک سالی اور قحط کو مسلط کر دیا۔

اس کے بعد دوسری آیتوں سے مقصود انہیں اس بات سے ڈرانا ہے کہ کہیں ان کی غفلت کے اوقات میں ان پر اچانک عذاب آجائے۔ مثلاً جس وقت یہ سوئے ہوں یا دن کے کسی وقت میں جب یہ لہو و لعب میں مشغول ہوں تو ان پر اچانک عذاب آجائے۔ پھر فرمایا: کیا یہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں اور اللہ کی خفیہ تدبیروں میں سے یہ ہے کہ ان کی بے خبری میں اچانک ان پر عذاب آجائے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان صحیح اخروی سعادت اور دنیاوی کثادگی کا سبب ہے اور کفر اور معصیت عذاب کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان آیات میں مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دی ہے اور کافروں کو عذاب سے ڈرایا ہے۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ

جو لوگ سابق ساکنین ارض کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا انہوں نے یہ ہدایت نہیں پائی کہ اگر ہم

نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَمَا لَا يَشْعُرُونَ ۝

چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سمجھتے ۝

تِلْكَ الْقُرَى نَقِصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

یہ وہ بستیوں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں، بیشک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح

بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ

مہزات سے کرکٹے ہیں پس وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے کیوں کہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے،

اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا إِلَّا كَثْرَهُمْ مِنْ عَهْدِ

اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ۝ اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا،

وَرَأَوْا وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفِٰسِقِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ

اور یہ شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا ۝ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر

بِالْبَيِّنَاتِ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ

فرعون اور اس کی جماعت کی طرت بیجا و انہوں نے ان نشانوں کے ساتھ ظلم کیا، تو آپ دیکھیے کہ فساد کرنے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۸۰﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يُفْرَعُونَ إِنِّي رَسُولُ

واہوں کا کیا انجام ہوا ○ اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین

مِنْ تَرَاتِبِ الْعَالَمِينَ ﴿۸۱﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا

کی طرف سے رسول ہوں ○ میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ

الْحَقُّ قَدْ جُئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ تَرَاتِبِكُمْ فَأَرْسِلْ بَنِي إِسْرَءِيلَ

کہوں، بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں (موسے فرعون) تو میرے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے ○

قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۸۲﴾

فرعون نے کہا اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو ○

قَالَ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَٰلَآءَ غَافِلِیْنَ ﴿۸۳﴾

پس میں نے اپنا عہد ادا کر دیا ہے کہ وہ اپنا عہد پھانسا کر دے گا ○ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ

بَيِّنَاتٍ لِّلنَّٰظِرِیْنَ ﴿۸۴﴾

دیکھنے والوں کے لیے روشن ہو گیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ سابقہ ساکین ارض کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا انہوں نے یہ ہدایت نہیں پائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیں، اور ہم ان کے دلوں پر ہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سمجھتے ○ (الاعراف: ۸۴)

کفار مکہ پر عذاب نہ بھیجنے کی وجہ

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے کفار کا حال اختلاف اور تفصیلات بیان فرمایا کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول بھیجے اور جب انہوں نے بار بار اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور متعدد بار یہ کہا کہ اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ تمہاری مخالفت کرنے کی وجہ سے ہم پر عذاب آئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نمائے عرب اور اس سے ملحق علاقوں کے راستوں میں پائے جلتے ہیں اور بعض عربوں نے بھی ان کا مشاہدہ کیا تھا کہ کے کافر بھی نبی ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور ہم آپ کی مخالفت کر رہے ہیں تو پھر آپ کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اصل مکہ جو قوم نوح، قوم شمو اور قوم مدین کے بعد ان علاقوں میں آباد ہوئے ہیں کیا پچھلی قوم کے عذاب کے آثار دیکھ کر ان کو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ان کو عذاب نہ دینے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو عذاب دینا ہماری قدرت میں نہیں ہے بلکہ



اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب دینا ہماری حکمت میں نہیں ہے۔

اور کفار مکہ کو عذاب نہ دینے کی ایک حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے

(الانفال: ۳۳) اور آنحضرتؐ آپ ان میں موجود ہیں۔

کفار مکہ کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے کفر اور منکر کی سزا کے طور پر ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اب یہ ایمان نہیں لاسکتے۔ اور مرے مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ایسی علامات ثبت کر دی ہیں جن سے فرشتے یہ جان لیتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ تسلیم دینا ہے کہ اگر آپ کی عظیم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ غم نہ کریں آپ کی تبلیغ کی اثر آفرینی میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو سزا دینے کے لیے ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اس کے بعد فرمایا پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ حالانکہ یہ ظاہر وہ سنتے تو تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک سناوہ ہے جو سننے کے بعد اس کو قبول کرے اور چونکہ وہ قبول نہیں کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سننے والے نہ تھے۔

اس آیت کی ایک اور تقریر یہ ہے کہ کفار مکہ سیدنا محمد ﷺ کو منصب نبوت کے لیے باطل کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اس لیے ہم آپ کے دین میں داخل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ (سیدنا محمد ﷺ) نبوت کے لائق نہیں بلکہ حقیقت میں تم ان کے امتی ہونے کے اہل نہیں ہو۔ اس لیے ہم نے سزا کے طور پر تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے اب تم چاہو بھی تو اہلے نبی کے امتی نہیں بن سکتے اور ان کے دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔

سابقہ امتوں کے عذاب سے کفار مکہ کا سبق حاصل نہ کرنا

اس پوری آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بعد جو لوگ اس خطہ زمین پر آکر آباد ہوئے انہوں نے اس زمین پر آثار عذاب دیکھ کر یہ سبق کیوں حاصل نہیں کیا کہ پچھلی امتوں پر ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے عذاب آیا تھا سو اگر انہوں نے بھی انکار اور تکذیب کی روش برقرار رکھی تو ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ پھر خود ہی فرمایا: انہوں نے یہ سبق اس لیے حاصل نہیں کیا کہ ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور یہ مہر لگانا ان پر جبر اور ظلم نہیں ہے بلکہ ان کے متواتر کفر اور منکر کا نتیجہ ہے اور جب ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے تو وہ کسی فصاحت کو قبول کرنے کے لیے نہیں سنتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ بستیوں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں، سبے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے ہیں وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے، کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے (الاعراف: ۱۰۰)

سیدنا محمد ﷺ کا علم غیب اور آپ کی رسالت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی امتوں کے احوال بیان فرمائے کہ ان رسولوں کی قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور انجام کار ایسے عذاب سے دوچار ہوئے جس کی وجہ سے صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹ گیا اور خصوصیت کے ساتھ ان پانچ قوموں کے احوال اس لیے بیان

فرمائی کہ یہ قومیں جزیرہ نما عرب اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں رہنے والی تھیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ ڈھیل دی اور ان کو بہ کثرت نعمتیں عطا فرمائیں جس کی وجہ سے انہوں نے یہ زعم کر لیا کہ ان کا موقف درست ہے اور رسولوں کا پیش کیا ہوا دین غلط ہے۔ اور سیدنا محمد ﷺ کو بھی اسی علاقہ میں مبعوث فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ قوموں کے احوال بیان فرما کر مکہ والوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم کفر اور تکذیب میں گزشتہ قوموں کی پیروی نہ کرنا ورنہ تم بھی عذاب الہی کے مستحق ہو جاؤ گے ۱

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان پانچ قوموں کے احوال سے مطلع فرمایا اور آپ نے کسی سے سنے یا کسی کتاب میں پڑھے بغیر ان قوموں کے احوال بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو یہ خبریں صرف وحی الہی سے حاصل ہوئی ہیں اور جس پر وحی نازل ہو وہی نبی ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ غیب کی خبریں بیان کی ہیں اور نبی وحی ہوتا ہے جو غیب کی خبریں دیتا ہے۔ سو آپ کا نبی ہونا واضح ہوا۔ ان خبروں کے علاوہ اور بھی بہت سے غیبت کا آپ کو علم ہے بلکہ آپ کو سب رسولوں سے زیادہ غیب کا علم ہے تاہم آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ عالم الغیب کا حفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے البتہ آپ کو مطلع علی الغیب کہنا درست ہے۔

تمام نبی حامل معجزہ ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے۔ اس آیت سے یہ تو صراحتاً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ رسولوں کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے اگرچہ ذکر صرف حضرت صلح علیہ السلام کے اس معجزہ کا کیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی اور اس آیت سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو وہ کس بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو نبی صلوٰۃ اور نبی کتب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو اس قدر معجزات دیے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام جہنم سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۹۸۸، صحیح مسلم، الامان: ۲۳۹، (۵۸) ۲۷۸، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۴۱-۳۴۲، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم

الحدیث: ۱۱۲۹)

نبی ﷺ کے معجزہ کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے امتیاز

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کو اتنے معجزات دیے گئے جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لاسکے اور مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے جس کی مثل کسی کو نہیں دی گئی اس لیے فرمایا: میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے اس پر جلو یا شعبہ وغیرہ کا گمان نہیں کیا جاسکتا جبکہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے۔ اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ گزر گئے اور ان کے زمانوں میں بھی ان معجزات کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا تھا جو اس موقع پر موجود تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا معجزہ قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس میں جو فصاحت اور بلاغت ہے اور غیب کی خبریں ہیں اس کی نظیر لانے سے بلکہ اس کی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے تمام جن اور انس اجتماعی اور انفرادی طور پر ناکام اور عاجز رہے اور علم کی روز افزوں ترقی اور مانتین

کی کثرت کے باوجود اب تک عاجز ہیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئیوں کو کوئی جھٹلا نہیں سکا اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص اس میں کمی اور بیشی ثابت نہیں کر سکا۔ ہمارے نیا پیچھ کے عہد سے لے کر قیامت تک ہمارے نیا پیچھ کے سوا کسی نیا کی نبوت پر کوئی دلیل یا معجزہ قائم نہیں ہے۔

معجزہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جر جانی حنفی متونی ۸۷۶ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جو اللہ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا دعویٰ ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ اس خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتب التعریفات ص ۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تکتازانی متونی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خرق (خلاف) عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جاسکے۔ ایک قول یہ ہے کہ معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت یا رسالت کے مدعی کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو اور بعض علماء نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو اور بعض علماء نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ امر زمانہ تکلیف کے مقارن ہو کیونکہ ایام تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی خوارق (اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف امور یا کام) کا ظہور ہو گا لیکن ان سے تصدیق کا قصد نہیں کیا جائے گا۔ (شرح القامد ج ۵ ص ۵ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۳۷۹ھ)

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن حام حنفی متونی ۸۷۶ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے مدعی کا صدق ظاہر ہو۔

(السامرہ ص ۲۱۳ مطبوعہ دائرة المعارف الاسلامیہ بکراں بلوچستان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بلوردی شافعی متونی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشری عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور یہ ظاہر وہ مدعی نبوت سے صادر ہوا ہو۔ (اعظام النبوة ص ۳۲ مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت ۱۴۰۸ھ)

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متونی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرنا ہو۔ اس کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔ اس کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱- معجزہ وہ کام ہونا چاہیے جو خلاف عادت ہو جیسے چاند کا رو ٹکڑے ہونا انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا لامٹی کا عصا بن جانا پتھر سے اونٹنی کا نکالنا۔ اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

۲- اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اور بعض نے کہا اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو۔

۳- مدعی رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لاسکے۔ اور بعض نے کہا معارضہ ہے یا ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو۔ اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعویٰ نبوت سے پہلے صادر ہوں جیسے اعطاف نبوت سے پہلے ہمارے نیا پیچھ پر بادل کا سایہ کرنا اور شق صدر وغیرہ۔ ان کو اہل حق کہتے ہیں۔ اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ

کی کرامت بھی خارج ہو گئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں ہو سکتا۔  
 کاغذی ابوبکر باطلانی نے کہا ہے کہ معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتب میں ہے نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا، ایک صلع (چار کلو گرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا، آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا، بکری کے گوشت کا کلام کرنا، اونٹ کا شکایت کرنا اور بڑے بڑے معجزات اور تحقیق یہ ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔

۴۔ جو تہی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو۔ اگر وہ خلاف علت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہو گا بلکہ وہ اہانت ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن اور حدیث میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ معجزہ کے لیے آیت، بینہ اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اذا جاء تهم اية (الانعام: ۱۳۳) لقد جاء تهم رسليهم بالبينات (الاعراف: ۱۰۸) وداك ببرهاس من ربك (التقصص: ۳۲) (المواهب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۵۳-۱۵۴، مطبوعہ دار الكتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)  
 افعال غیر عادیہ کی دیگر اقسام  
 معجزہ کے علاوہ خرق علت فعل کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ ابرہاس: جو خلاف علت امر نبی کے لیے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔ جیسے اعلان نبوت سے پہلے نبیؐ پر بادل کا سایہ کرنا۔

۲۔ کرامت: مومن کامل کے ہاتھ سے جو خلاف علت کام صادر ہو، جیسے غوث اعظم کا مردوں کو زندہ کرنا۔

۳۔ معونت: عام مومن کے ہاتھ سے جو خلاف علت کام صادر ہو۔ جیسے ایک شخص نے اپنے پالتو کتے کے متعلق دعا کی کہ وہ اس کے گھر کے اندر نہ آئے صرف باہر رہا کرے، سو ایسا ہی ہو گیا۔

۴۔ استدراج: کسی کافر کے ہاتھ پر اس کے دعویٰ کے موافق خلاف علت کام صادر ہو جیسے دجل کئی کام کرے گا۔

۵۔ اہانت: جو کافر نبوت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر خلاف علت امر ظاہر ہو لیکن وہ امر اس کے دعویٰ کا کذب ہو، جیسے ایک کانے شخص نے سیلہ کذاب سے کہا تم دعا کرو کہ میری آنکھ جینا ہو جائے۔ سیلہ کذاب نے دعا کی تو اس کانے کی صحیح آنکھ بھی جینا ہو گئی اور وہ کھل اُٹھا ہو گیا۔ یا جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش گوئی کی کہ اس کا نکاح محمدی بیگم سے ہو گا لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا۔ پھر مرزا غلام احمد نے پیش گوئی کی کہ مرزا سلطان محمد مر جائے گا اور محمدی بیگم بعد میں اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن ہوا یہ کہ مرزا غلام احمد مر گیا اور سلطان محمد اس کی موت کے بعد دیر تک زندہ رہا، نیز مرزا نے پیش گوئی کی کہ عیسیٰ پادری آٹھم ۵ ستمبر ۱۸۸۳ء کے دن مر جائے گا (اس وقت وہ بیمار تھا اور ہسپتال میں زیر علاج تھا) لیکن اس تاریخ کو وہ تندرست ہو گیا اور زندہ رہا اور عیسائیوں نے اس کا جلوس نکالا۔

معجزات، انبیاء کے اختیار میں ہونے پر محمد شین، فقہاء اور متکلمین کے دلائل

علامہ عبد الرحمن بن محمد الانباری المتوفی ۷۷۵ھ لکھتے ہیں:

معجزہ میں شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ مدعی نبوت کے لیے اللہ کی

جانب سے تصدیق ہے۔ اگر معجزہ اللہ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی ہے۔

(کتاب الداعی الی الاسلام، ص ۲۸۱، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ، ۱۳۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۶۱ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدر ہو گا جیسے اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہو گا اور یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب نبی اس فعل پر قادر ہو گا اور دوسرا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہو گا تو وہ فعل معجزہ ہو گا۔ علامہ آمدی نے کہا: آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے یہ کہا کہ ہوا کی طرف چڑھنے اور پانی پر چلنے میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کے لیے مقدر ہے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے لیے اس پر قدرت پیدا کر دے، اس مثال میں جو چیز معجزہ ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدر نہیں ہے (کیونکہ یہ قدرت اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے) اور بعض ائمہ نے کہا کہ اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجزہ ہے (نہ کہ اس پر قدرت) کیونکہ یہ فعل فارق (مخالف) علت ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

(شرح المواقف، ج ۸، ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ ایران)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ اس قول کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں:

کیونکہ مقصود یہ ہے کہ دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی معجزہ کی تصدیق حاصل ہو جائے گی اور یہی مقصود ہے۔ نیز لکھتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس قدرت معجزہ ہے اور یہ نبی کا مقدر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور اس خاص فعل (مثلاً اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا) پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔

(حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف، ج ۸، ص ۲۲۴، مطبوعہ ایران)

اس بحث میں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جو ائمہ یہ کہتے ہیں کہ مثلاً ہوا کی طرف چڑھنا یہ مخصوص فعل معجزہ نہیں ہے بلکہ اس پر نفس قدرت معجزہ ہے ان پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں خلاف علت انفعال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عام علت کے مطابق جو انفعال ہوتے ہیں مثلاً پہاڑ پر چڑھنا یا زمین پر چلنا ان انفعال میں بھی نفس قدرت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے تو پھر چاہیے کہ ان عام علوی انفعال میں بھی نفس قدرت معجزہ ہو پھر اس دلیل سے عام علت کے مطابق انفعال بھی معجزہ قرار پائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عام انسانوں کی علت کے مطابق انفعال ہوں یا انبیاء علیہم السلام کے خلاف علت انفعال ہوں ان انفعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان انفعال کے کاسب انسان اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان انفعال کے ساتھ دو قدریں متعلق ہوتی ہیں ایک قدرت بہ حیثیت خلق، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک قدرت بہ حیثیت کسب، یہ انسان اور انبیاء کا کلام ہے، اور جس طرح عام انفعال علویہ ہمارے اختیار میں دیے گئے ہیں اسی طرح خلاف علت انفعال اور معجزات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں دیے گئے ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

نبی کوئی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف علت انفعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں



جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہیں اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۵۳ مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۳۳ھ)

ملاحظہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی امام غزالی کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لہور ۱۴۰۳ھ)

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۲۳ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ خصوصاً مردوں کو زندہ کرنے، لاشی کو سانپ بنانے، چاند کو شق کرنے اور پتھر کے سلام کرنے میں۔ علاوہ ازیں حکیم قلندر حکار نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لیے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افولیت میں کافی ہے۔ اسی وجہ سے معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۷۱ مطبوعہ ایران)

علامہ تفتازانی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض معجزات محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں اور ان میں نبی کا بالکل دخل نہیں ہوتا اور بعض معجزات کو اللہ تعالیٰ نبی کے قبضہ اور اختیار میں کر دیتا ہے اور وہ جب چاہتے ہیں ان معجزات کو صلوہ کرتے ہیں۔

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی پیغمبر کے جو معجزات قدرت و فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں ان کی حسب ذیل انواع ہیں:

۱۔ بعض معجزات عالم علوی میں ہیں جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا اور آسمان کی طرف

سراج۔

۲۔ بعض فضا میں ہیں جیسے استسقاء اور استسقاء (بارش کا طلب کرنا اور بادلوں کا چھٹنا) میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی

اطاعت کرنا۔

۳۔ انسانوں، جنات، نور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا۔

۴۔ درختوں، لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا۔

۵۔ آسمان کے فرشتوں کا آپ کی تائید کرنا۔

۶۔ نبی پیغمبر کی دعا کا قبول ہونا۔

۷۔ ماضی اور مستقبل کے غیب کی خبریں دینا۔

۸۔ کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ کی نبوت اور

رسالت کے دلائل اور علامت ہیں۔ (الواعظ الاخوان ج ۲ ص ۲۴۳-۲۴۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی اس تحریر سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض معجزات نبی پیغمبر کے اختیار میں ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے

لکھا ہے کہ بادل آپ کی اطاعت کرتے تھے اور آپ انسانوں، حیوانوں، درختوں اور پتھروں میں تصرف کرتے تھے۔

معجزات پر انبیاء کے اختیار کے ثبوت میں احادیث

جنت اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تاکہ میری نماز خراب کرے، اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھکا دیا، میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی ”اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو“۔ (ص: ۳۵) پھر اللہ نے اس کو ناکام لوٹا دیا۔ (صحیح مسلم المساجد: ۳۹۰ (۵۳۱) ۸۸۹، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۶۱، السنن الکبریٰ للنسائی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۳۴۰) علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شیطان کے باندھنے پر قدرت دی تھی لیکن آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر ایسا نہ کیا اور تواضع ایسا نہیں کیا۔

درختوں پر نبی ﷺ کے تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا میں کس طرح پہچانوں کہ آپ نبی ہیں یا آپ نے فرمایا: اگر میں کجگوں کے اس خوش کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں (ﷺ)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلایا تو کجگوں کا وہ خوشہ درخت سے اتر اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر گر گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ یہ حدیث حسن فریب صحیح ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۸، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۵۴، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۵۲۳، المعجم الکبیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۲، دلائل النبوة للبیہقی، ج ۶، ص ۵۵، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۲۳، جامع الاصول، ج ۲، رقم الحدیث: ۸۸۹۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کجگوں کے شہتیروں پر بٹکی گئی تھی اور نبی ﷺ ان میں سے ایک شہتیر سے ٹک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کا منبر بنایا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی ﷺ اس کے پاس آئے آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۵۸۵، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۳۹۵۰، جامع للاصول، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۸۹۵، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۰۰)

اور انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کس ابا عیشہ ابو خیشمہ ہو جاؤ وہ ابو خیشمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۳، (۲۷۱) ۱۸۸۳)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے فرمایا: کہ کس یہاں تحقق اور وجود کے لیے ہے یعنی اسے شخص تجھے چاہیے کہ تو حقیقتاً ابو خیشمہ ہو جاؤ۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔

(صحیح مسلم شرح النووی، ج ۱۱، ص ۶۹۱، مطبوعہ مکتبہ اباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ) علامہ ابو العباس قرطبی مالکی متوفی ۴۵۶ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (المعجم، ج ۱، ص ۹۶، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ) علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی قاضی عیاض کے حوالے سے یہی تقریر کی ہے۔

(اکمال اکمال المعجم، ج ۹، ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

انبیاء کے اختیار میں معجزات ہونے پر ایک اشکال کا جواب

معجزات پر نبی کی قدرت نہ ہونے پر بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ  
لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد: ۳۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نشانی (آیت) سے مراد کفار کے فریادیں ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہو وہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے بھی کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ جب معجزات پر قدرت عطا فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اذن ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے اذن سے ماریو زباوندوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اور علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے حدیث جریج کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(شرح مسلم، ج ۲، ص ۳۱۳، مطبوعہ کراچی، عمدة القاری، ج ۷، ص ۲۸۳، مطبوعہ مصر)

اور جب بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ان کے اختیار سے واقع ہونا زیادہ لائق ہے۔

معجزات کے صدور میں علماء دیوبند کا موقف

علماء دیوبند کے نزدیک معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ظاہر اور حیثیتاً نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے غلطی کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہے جیسے کاتب کے قلم سے لکھنے کا صدور ہو جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔ شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ نے اس موضوع پر قاری میں ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس کو مکمل نقل کرنا تو مشکل ہے۔ ہم اس کی بعض عبارات نقل کر رہے ہیں جن سے ان کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت اختیار قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا لہذا ان افعال کو کھانے اور پینے کی طرح افعال اختیار یہ اور افعال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہیے اور ان کی مثل کاتب اور قلم کی سی ہے جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کال، ص ۱۷۳، مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی ٹوکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے اور وہ جو عوام کا گلن ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لیے ظاہر فرماتا ہے اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، کال، ص ۱۷۵، مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا کسب بندہ سے ہے اور ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں

بندہ کاسب بھی نہیں ہو تا۔ پس اس آیت کا معنی یہ ہے:

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَيْكَتَ اللَّهُ رَمَى

آپ نے خاک کی مٹی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے صورت

خاک کی مٹی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹی حقیقتاً اللہ نے

پھینکی تھی۔

اور یہ معنی بھی مراد نہیں ہے کہ آپ نے خاک کی مٹی خلقت نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹی کسب پھینکی تھی۔

اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کال، ص ۷۷، مطبوعہ کراچی)

سو افعال اختیار یہ میں علو تا تصرف ہو تا ہے ظاہر اور فعل حق تعالیٰ کا مخفی ہے اور معجزات و تصرفات میں ظاہر بھی عجز ہے

مثل قلم کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کال، ص ۷۷، مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ عام افعال

علویہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار ہو تا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب

اور اختیار انبیاء اور اولیاء کا ہو تا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے

صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن حمیمہ، علامہ نووی، علامہ یحییٰ، علامہ تفتازانی اور علامہ میر سید شریف جرجانی ایسے محدثین، فقہاء

اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے۔ البتہ بعض معجزات اور کرامات جو ان کے حاطین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے

صدور میں انبیاء اور اولیاء کا مطلقاً دخل نہیں ہو تا۔ خلقت نہ کسب۔ جیسے قرآن مجید کا نزول۔ مردوں کو زندہ کرنا، چاند کا شق ہونا

وغیرہ۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ و ما رمیت اذ رمیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے

خلقت خاک کی مٹی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسب خاک کی مٹی پھینکی تھی لیکن اہل سنت کے معتد اور مستند مفسرین نے اس

آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ آپ نے خاک کی مٹی خلقت نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹی کسب پھینکی تھی۔ ان

عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کا شق نزول اور پس منظر بیان کر دیں:

امام حسین بن محمد فراہنوی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر کا قتل ہوئے تو نبی کریم نے خاک آلود

تکڑیوں کی ایک مٹی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری اور فرمایا ان کے چہرے قبیح ہو جائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ یا نگوں میں

اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو شکست ہو گئی۔

(معالم التنزیل، ج ۲، ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۳ھ)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ خاک کی مٹی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔ لیکن

احادیث میں یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔

(صحیح مسلم مغازی، ۸۱ (۱۷۷۷)، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۳۵۹، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۷، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۱، رقم

حدیث: ۷۷۵، طبع جدید دار الفکر، جامع الاصول، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۷۵)

بہر حال خاک کی مٹی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے یہ فعل

تبیان القرآن

خرق علوت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَارَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

اور آپ نے خاک کی مٹی نہیں ماری جب آپ نے ماری

(الانفال: ۱۷) مٹی لیکن اللہ نے وہ مٹی ماری تھی۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے اس میں غلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ خاک کی مٹی آپ نے غلق نہیں ماری جب آپ نے وہ مٹی کسب ماری تھی تاکہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتمد مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ خاک کی مٹی آپ نے غلق نہیں ماری جبکہ آپ نے وہ مٹی کسب ماری تھی اور معجزہ پر نبی ﷺ کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لیے خاک کی مٹی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ سے اس کی نفی بھی کی ہے اس لیے اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ نے خاک کی مٹی غلق نہیں ماری اور کسب ماری تھی۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۴۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی امام رازی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کے کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۵) اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی ﷺ کے لیے جو خاک کی مٹی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے مخلوق کو حیران کر دیا ہے اور نبی ﷺ کے لیے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ نے یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ ﷺ کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے لذن سے موثر تھی۔ لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی آپ سے نفی کی اور اس کو اپنے لیے ثابت فرمایا۔

(روح المعانی، ج ۹، ص ۱۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسب منسوب ہوتا ہے اور اللہ کی طرف غلق منسوب ہوتا ہے۔

(مدارک علی حاشی القاذن، ج ۲، ص ۱۸۵، مطبوعہ پشاور)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے غلق وہ مٹی نہیں پھینکی جب آپ نے کسب وہ مٹی پھینکی تھی۔

(عیان القاضی علی ایضادی، ج ۲، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۲۳ھ)

علامہ سلیمان بن عمر المعروف ہلمس متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے فعل کی نفی باعتبار ایجاب کے حقیقتاً ہے اور آپ کے لیے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔

(الفتوحات الاویہ، ج ۲، ص ۲۳۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے لذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔ البتہ جن معجزات کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا فعل متعلق نہیں ہوتا وہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں جیسے قرآن مجید کا نزول



مردوں کو زندہ کرنا اور چاند کا شق ہونا۔ مدت سے یہ ارادہ تھا کہ میں معجزات کے متعلق ایک مفصل بحث لکھوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو اب یہ توفیق عطا کی۔ وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

پہلے تکذیب کرنے کی وجہ سے بعد میں ایمان نہ لانے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے ابن ہشیم کی خبریں بیان کرتے ہوئے فرمایا: بے شک ابن ہشیموں والوں کے پاس ان کے رسوں واضح معجزات لے کر آئے ہیں وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوئے کیونکہ اس سے پہلے وہ ابن کی تکذیب کر چکے تھے اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مر لگا دیتا ہے O (الاعراف: ۱۳۱)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے پہلے تکذیب سے مراد یہ ہے کہ عالم میثاق میں جب ارواح سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ماننے کا عہد لیا گیا تو انہوں نے پسندیدگی سے زبانی اقرار کیا تھا اور دل میں تکذیب قائم رکھی تھی اور اسی سابق تکذیب کی وجہ سے انہوں نے عالم اجسام میں آنے کے بعد بھی تکذیب کی۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شروع میں جب انبیاء علیہم السلام نے ابن کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی تو انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے انکار کر دیا۔ پھر بعد میں جب ان پر دلائل اور معجزات کی وجہ سے حق واضح ہو گیا تو پھر انہوں نے اپنے سابق انکار سے رجوع کرنا اپنے لیے باعث عار اور اپنی انا کے خلاف سمجھا اور اسی انکار پر قائم رہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیں اور پھر ان کو دنیا میں بھیجیں تو یہ پھر بھی اللہ اس کے رسول اور احکام شریعہ کی تکذیب کریں گے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَوْ رَدُّوْا۟ لِّلْعَادُوِّ الْحَا۟شِیَہٗ وَاَعۡنَہٗ (الانعام: ۲۸) اور اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا گیا تو پھر یہ دوبارہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ رسولوں کے آنے سے پہلے یہ کفر پر اصرار کرتے تھے تو رسولوں کے آنے کے بعد بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ معجزات دیکھنے سے پہلے یہ کفر کرتے تھے تو معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مر لگا دیتا ہے۔ یعنی جب یہ کفر اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو یہ طور مزا اللہ ان کے دلوں پر مر لگا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابن میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا O (الاعراف: ۱۳۲)

دعاؤں سے مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو فراموش کر دینا

ان لوگوں سے مراد پچھلی امتوں کے کافر لوگ ہیں اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں سے عالم میثاق میں لیا تھا۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ اس عہد سے یہ مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکال کر عہد لیا فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی (الاعراف: ۱۳۳) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں اتنا یقیناً ہاں رب ہے۔ اور اب یہ اس وعدہ کو فراموش کر کے شرک کرنے لگے اور مختلف بتوں کی پرستش کرنے

لکے۔

اس عہد سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جب انسان پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ اب اگر اس مصیبت سے نجات دے دی تو وہ ضرور اللہ کی اطاعت اور شکر گزاری کرے گا اور جیسے ہی اللہ اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ پھر شرک اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ  
تَذْعُونَ تَذْعُرُ عَاوَجُفَةً لَيْتَنَ أَنْجَسَ مِنْ هِدْيِهِ  
لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ  
مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْكُرُونَ ۝  
(الانعام: ۳۰-۳۳)

آپ پوچھئے ہمیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون  
نجات دیتا ہے جسے ہم عاجزی اور چپکے چپکے سے پکارتے ہو اگر  
ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے  
والوں میں سے ہو جائیں گے ۝ آپ کہئے کہ تم کو اس مصیبت  
سے اللہ ہی نجات دیتا ہے اور ہر مصیبت سے پھر تم شرک  
کرتے ہو۔

نیز فرماتا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ مُضْرَّةٌ غَابِرَةٌ فَذُكِّرَ  
إِذَا دَعَا إِلَى زِينَةٍ قَبْلَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَى الْيُسْرِ  
مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِيْلَهُ آتِذَا الْيُسْرِ عَنْ سَبِيلِهِ  
(الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی  
کی طرف رجوع کرتا ہو اس کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اسے  
کوئی نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس  
کے لیے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے  
تاکہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سب کافر اور  
فاسق اور عہد فراموش نہ تھے بعض ایسے بھی تھے جو اپنے رسولوں پر ایمان لے آئے تھے نیک عمل کرتے تھے اور عہد پورا  
کرتے تھے گو ایسے نیک لوگ بہت کم تھے۔

پہلی تک حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصص  
بیان فرمائے اب اس کے بعد والی آیتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی جماعت کی طرف بھیجا سو  
انہوں نے ان نشانوں کے ساتھ ظلم کیا تو آپ دیکھئے کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ۝ (الاعراف: ۱۰۳)

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ سے ہمارے نبی ﷺ تک کا زمانہ  
امام محمد بن سعد نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور وہ سب اسلام  
پر تھے۔ (المبشرات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)

نیز امام محمد بن سعد نے محمد بن عمر بن واقد اسلمی سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن  
ہیں اور قرن ایک سو سال کی مدت ہے۔ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابراہیم اور  
حضرت موسیٰ بن عمران کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران اور  
حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار نو سو سال ہیں اور اس زمانہ میں رسالت منقطع نہیں تھی اور اس مدت میں بنو اسرائیل کی

طرف ایک ہزار نبی بھیجے گئے اور حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے میلاد کے درمیان پانچ سو انتر سال کی مدت ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے تین ہزار سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ ہزار چار سو انتر سال بعد ہمارے رسول ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہ ۱۴۳۹ھ ہے۔ اس حساب سے حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت سے اب تک ۶۹۳۱ سال گزر چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔  
امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۵۷ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس ہیں۔ پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت اسماعیل، پھر حضرت اسحاق، پھر حضرت یعقوب بن اسحاق، پھر حضرت یوسف بن یعقوب، پھر حضرت لوط، پھر حضرت ہود، پھر حضرت صالح، پھر حضرت شعیب، پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام۔ (یہ امام ابن عساکر کی تحقیق ہے اور حافظ ابن کثیر کے نزدیک سب سے پہلے حضرت نوح کو مبعوث کیا گیا) (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۹ھ)  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، پرورش، نکاح، نبوت اور فرعون کو تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے:  
حضرت موسیٰ بن عمران بن قاضی بن عازر بن لادئی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علماء میرت نے بیان کیا ہے کہ کاننوں نے فرعون (فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ اس کا نام ولید بن معصب بن ریان تھا) جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ دسویں سال کا بیٹا متفلس تھا اس کا دور حکومت ۱۲۹۳ قبل مسیح سے لے کر ۱۲۲۵ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے) سے کہا کہ بنو اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں سے تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تب فرعون نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے نو مود بیٹوں کو قتل کر دیا جائے۔ پھر قبیلوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اگر تم اسی طرح بنو اسرائیل کے نو مود بیٹوں کو قتل کرتے رہے تو ہماری خدمت کے لیے بنو اسرائیل میں سے کوئی بقی نہیں بچے گا تب وہ ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کرا دیا اور ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو چھوڑ دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال کے بیٹوں کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال کے بیٹوں کو قتل کرا دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ہارون کی پیدائش کے ایک سال بعد پیدا ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ہارون کی پیدائش کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ وہ بنی بنیہ نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار نو زائید لڑکوں کو قتل کرا دیا۔ جب حضرت موسیٰ کی والدہ کو حضرت موسیٰ کا حمل ہوا تو کسی کو معلوم نہیں ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ کی ولادت کی۔ ان کی بہن مریم کے سوا اور کسی کو خبر نہیں دی۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ڈھونڈنے والے ان کے پاس پہنچے انہوں نے حضرت موسیٰ کو تور میں ڈال دیا لیکن وہ سلامت رہا۔ پھر انہوں نے تین ماہ تک ان کو چھپا کر رکھا۔ پھر ان کو اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو تیوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ پانی اس تیوت کو بہا کر فرعون تک لے گیا۔ فرعون نے جب تیوت کھولا اور ان کو دیکھا تو کہا یہ میرے دشمن عبرانیوں میں سے ہے یہ ذبح ہونے سے کیسے بچ گیا اس کی بیوی آسیہ نے کہا یہ ایک سال سے بڑی عمر کا ہے اور تم نے اس سال پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کا حکم دیا تھا۔ اس کو چھوڑ

دو یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گئی۔

فرعون کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہوتی تھیں اس لیے اس نے حضرت موسیٰ کو رہنے دیا اور ان سے محبت کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پہنچ گئے انہوں نے ان کی بہن مریم کو فرعون کے ہاں بھیجا تاکہ معلوم ہو کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ ان کی بہن دوسری عورتوں کے ساتھ آسیہ کے پاس گئیں اور وہاں معلوم ہوا کہ بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو بلایا گیا ہے لیکن حضرت موسیٰ نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔ تب حضرت موسیٰ کی بہن نے کہا:

هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ (الفصص ۳)

آپا میں تمہیں ایسے گھروالوں کی طرف راہنمائی کروں گی  
تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ  
ہوں۔

انہوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ اس نے کہا وہ عمران کی بیوی ہے۔ انہوں نے اس کو بلوایا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ آئیں تو حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پی لیا اور سو گئے۔

جب حضرت موسیٰ کے دودھ پینے کی مدت ختم ہو گئی تو ایک دن فرعون بن کو اپنی گود میں لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فرعون کے کہا جلا کو بلاؤ اس کو ابھی ذبح کراتے ہیں۔ آسیہ نے کہا یہ نا مجھ بچہ ہے پھر اس نے یاقوت اور انگارے حضرت موسیٰ کے سامنے ڈالے۔ حضرت موسیٰ نے انگارہ انگارہ منہ میں ڈال لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی جس کو دور کرنے کے لیے انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی:

وَاحْمِلْ عُنْدَهُ مِن لِّسَانِي ۖ يَمُصَّهُوْا (طہ: ۴۸-۴۷) لیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے وہ فرعون کی ساریوں پر سوار ہوتے اور اس کی طرح لباس پہنتے۔ اور لوگ انہیں موسیٰ بن فرعون کہتے تھے۔ ایک دن حضرت موسیٰ شہر گئے تو وہاں دو آدمیوں کو بڑے ہوئے دیکھا ایک ان کی قوم بنو اسرائیل سے تھا اور دوسرا ان کے دشمن قبطیوں میں سے تھا۔ اس اسرائیلی نے قبطی کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ نے قبطی کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو گھونسا مارنا نابو یا تھا۔ آپ کا اس کو قتل کرنے کا قصد نہیں تھا اور نہ علو یا ایک گھونسا کھا کر کوئی مرتا ہے۔ وہ قضاء الہی سے مر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فعل کسی وجہ سے بھی گناہ نہیں تھا۔ آپ کا اس پر غم ہونا اور اس پر استغفار کرنا آپ کے انکسار اور تواضع کی وجہ سے تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر غم ہوئے اور آپ اپنے گرفتار ہونے کی وجہ سے خوف زدہ تھے۔ دوسرے دن وہ اسرائیلی کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر اس کے خلاف مدد طلب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کی مدد کا ارادہ کیا اور اس نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کو مارنے لگے ہیں۔ اس نے کہا کیا آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا؟ (تقصص: ۱۸-۱۵) تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ قاتل ہیں۔ وہ حضرت موسیٰ کو پکڑنے کے لیے نکلے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو کر اس شہر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مدین کے راستہ پر لگا دیا۔ (المتنظم ج ۱ ص ۲۸-۲۷ طبع بیروت)

اس کے بعد کا واقعہ سورہ القصص میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

(حضرت) موسیٰ مدین پہنچے تو دیکھا وہاں لوگ ایک کنوئیں سے پانی نکال رہے ہیں اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے دور ایک طرف دو عورتیں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے ان سے پوچھا تم کیوں الگ کھڑی ہو؟ انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ یہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں تو (حضرت) موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف گئے اور کہا اے میرے رب میں یقیناً اس خیر اور برکت کا نکلج ہوں جو تو نے مجھ پر نازل کی ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان دو عورتوں میں سے ایک عورت شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی اس نے کہا میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو پانی پلانے کی اجرت دیں جب (حضرت) موسیٰ ان لڑکیوں کے باپ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو اپنے حالات بتائے ان لڑکیوں کے والد نے کہا آپ ذریعہ نہیں آپ نے ظالم لوگوں سے نجات پالی ہے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے اباجان آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں ان میں وہی بہترین ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ ان کے والد نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس (مسافر) کو تم آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کرو اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (تحریک) ہو گا اور میں تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا تم ان شاء اللہ مجھے نیکو کاروں میں سے پاؤ گے۔

(حضرت) موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی میں ان میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی تادیب نہیں اور ہمارے قول پر اللہ تمکبان ہے۔ پھر جب (حضرت) موسیٰ نے مدت پوری کر دی تو وہ اپنی بیوی کو لے کر چلے تو انہوں نے پاڑ طور کی طرف ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنی البیہ سے کہا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس اس کی کچھ خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری لاؤں تاکہ تم تپو۔ پھر جب (حضرت) موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں میدان کے دانے کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں پھر جب (حضرت) موسیٰ نے اسے اس طرح لڑاتے ہوئے دیکھا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (ندا آئی) اے موسیٰ نا سانسے آئیے اور خوف نہ کیجئے بے شک آپ اسن والوں میں سے ہیں۔ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالے وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا اور اپنا بازو اپنی طرف (بٹھائے) ملائیں خوف دور ہونے کے لیے سو یہ دو مضبوط دلیلیں آپ کے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (آپ دعوت دیں) بے شک وہ فاسق لوگ ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان والے ہیں تو انہیں میری مدد کے لیے میرے ساتھ رسول بنا کر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کریں بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ ہماری نشانوں کے باعث آپ تک نہ پہنچ سکیں گے آپ اور آپ کے جہنمین ہی غالب رہیں گے۔ پس جب ان کے پاس (حضرت) موسیٰ ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف من گھڑت جملہ ہے اور ہم نے یہ باتیں اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں (کبھی) نہیں سنیں۔ اور (حضرت) موسیٰ نے کہا میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو میرے رب کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے (اور وہ خوب جانتا ہے) کہ آخرت کا انجام کس کے لیے اچھا ہو گا بے شک ظالم لوگ قلعہ نہیں پاسکتے۔ اور فرعون نے کہا اے درباریو! میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا سوائے حلال میرے لیے کچھ ایفوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک



اونچی عمارت بنانا تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں سے گمان کرتا ہوں۔ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں بے جا تکبر کیا اور یہ زعم کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا سو ہم نے ان سب کو دریا میں پھینک دیا تو آپ دیکھئے کہ ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ (تقصص: ۲۰-۲۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات کو قرآن مجید کی اس سورت اور دیگر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ان کی تفصیل اور تحقیق ہم ان آیتوں کی تفسیر میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

### حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے اور کہا: اپنی رب کی دعوت پر چلئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھڑمارا اور ملک الموت کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت اللہ کے پاس گئے اور عرض کیا: تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ لوٹادی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس جا کر کو تم زندگی چاہتے ہو، اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ایک تیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دو جس قدر تیل آپ کے ہاتھ کے نیچے آئے گا، آپ اتنے سال زندہ رہیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: پھر کیا ہوگا؟ کہا پھر موت ہوگی؟ فرمایا: پھر بھی عنقریب، اے میرے رب! مجھے ارض مقدسہ سے ایک پتھر بھیجنے کے واسطے پر موت عطا فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تمہیں ان کی قبر راستے کے ایک جانب کیسب احمر کے پاس دکھاتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۹۳۳۰، صحیح مسلم فضائل انبیاء: ۱۵۸-۱۵۷، (۲۳/۲) ۶۰۳۳، ۶۰۳۴، سنن الترمذی رقم الحدیث:

۲۰۸۹، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۵-۳۱۶)

امام عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو عمران جوینی نے کہا جب موسیٰ علیہ السلام پر موت کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام رو رہے تھے، فرمایا: میں موت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ موت کے وقت میری زبان ذکر الہی سے خشک ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تین بیٹیاں تھیں۔ ان کو بلا کر فرمایا اے میری بیٹیو! عنقریب بنو اسرائیل تمہارے سامنے دنیا پیش کریں گے تم اس میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرنا۔ علاوہ سیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد حضرت یوشع کے لیے وصیت کی تھی اور آپ باب لد پر فوت ہوئے تھے۔ امام ابو جعفر طبری نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ سرزمین شام میں فوت ہوئے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ میدان تہ میں فوت ہوئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سب میدان تہ میں فوت ہوئے اور حضرت یوشع کے سوا کوئی بیت المقدس میں داخل نہیں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ساتھ میدان تہ سے نکل آئے تھے اور بنو اسرائیل سے فرمایا تھا:

اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ۔ امام ابن جریر نے کہا یہی قول صحیح ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے

بنو اسرائیل کے نیک لوگوں کے ساتھ جبارین کی اس بستی کو فتح کیا تھا۔ کیونکہ اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل سے قتال کیا تھا۔ عوج ان کا بلا شہ تھا اور بلعام ان لوگوں میں سے تھا جن کو حضرت موسیٰ نے قید کیا تھا اور پھر

قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری، ج ۱، ص ۳۳۶-۳۳۷، مطبوعہ

ابو الحسن بن السنوی نے کہا یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کہاں ہے اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو خدا بنا لیتے۔ (المستظلم ج ۱ ص ۲۵۳-۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)  
حافظ ابو القاسم علی بن حسن بن عساکر متوفی ۵۵۰ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ اپنی والدہ اپنی اولاد اور اپنی البیہ سے الوداع ہو گئے تو آپ نے حضرت یوشع کو بلایا اور انہیں لوگوں پر خیفہ بنا دیا اور ملک الموت کے پاس گئے۔ ملک الموت نے ان سے کہا اے موسیٰ موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا مجھ پر اللہ کا حکم جاری کر دو۔ وہ دونوں بستی سے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کھڑے ہوئے ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر وہ سب مل کر چلے گئے حتیٰ کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس پر سفید عمامہ باندھے ہوئے لوگ کھڑے تھے ان سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پوچھا تم یہ کس کی قبر کھود رہے ہو؟ انہوں نے کہا ایک ایسے بندہ کی جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اس قبر میں اتر کر اس کو دیکھ لوں؟ انہوں نے کہا ہاں! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اترے تو وہ جنت تک کشادہ کر دی گئی اور جنت کی تروتازگی اور اس کی خوشبو پہنچنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قبر میں لیٹ گئے پھر دعا کی اے اللہ مجھے وہ بندہ بنا دے جس سے تو محبت کرتا ہے اور وہ تجھ سے محبت کرتا ہے پھر ملک الموت نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۳۹۳-۳۹۴ الکامل فی التاريخ ج ۱ ص ۱۱۲)

### حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں کتب امر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم فدا ص ۱۶۳ (۲۳۷۳) سنن اصابی: ۱۶۳)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قبر میدان تہ میں ہے۔ ضحاک نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چتر پھینکنے کے فاصلہ کے برابر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر معلوم نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو مبہم رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قبریں کو یہود جان لیتے تو ضرور ان کو اپنا خدا بنا لیتے۔ ابن اسحاق نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا صرف رخمہ کو علم تھا یہ وہ شخص ہے جو اس پر مطلع تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو میدان تہ میں دفن کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عقل سلب کر لی تاکہ وہ کسی کو بتانہ سکے۔

۲- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بیت المقدس کے باب لد کے قریب ہے۔ طبری نے کہا یہی قول صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت ابن عباس وہب اور عام علماء نے یہ کہا ہے کہ ان کی قبر میدان تہ میں ہے۔

۳- حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے کہ ان کی قبر علیہ اور عولہ کے درمیان ہے اور یہ مسجد قدم کے نزدیک دو محلے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کی قبر خواب میں وہاں دکھائی گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ علیہ معروف جگہ ہے اور عولہ ایک

گر جے کے پاس ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۳۹۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۹ھ)

۳۔ بھری اور ابلقاء کے درمیان وادی مآب میں ان کی قبر ہے۔

۵۔ حافظ ابو القاسم نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے اور حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مدینہ اور بیت المقدس کے درمیان مدین میں ہے۔ اس پر محمد بن عبد الواحد انبیاء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مدین بیت المقدس کے قریب ہے نہ ارض مقدسہ کے اور مشہور یہ ہے کہ ان کی قبر ارض حما میں ہے جو ارض مقدسہ میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کثیب احمر کے پاس ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس قبر کے پاس دعا مستجاب ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب موت کی دعا کی اور بیت المقدس میں مدفون ہونے کی دعا نہیں کی۔ کیونکہ ان کو یہ خدشہ تھا کہ ان کی قبر لوگوں میں مشہور ہو جائے گی تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ مستدل ہوتا ہے کہ فضیلت والی جگہوں میں دفن ہونا مستحب ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس مدفون ہونا مبارک ہے۔ (صحیح مسلم شرح النووی ج ۱۰ ص ۷۳۱-۷۳۲، مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں رب العظیمین کی طرف سے رسول ہوں O میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں، بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں سو (اے فرعون!) تو میرے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے O فرعون نے کہا اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کر اگر تم سچے ہو O (الاعراف: ۱۰۶-۱۰۷)

فرعون کے دعویٰ خدا کی کارو

حضرت موسیٰ نے کہا: اے فرعون! فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے، جیسے حبشہ کے بادشاہوں کا لقب نجاشی ہے۔ روم کے بادشاہوں کا لقب قیصر ہے اور ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ ہے۔ ہندو بادشاہ اپنے آپ کو راجہ کہلاتے تھے اور مسلمان بادشاہ اپنے آپ کو سلطان کہلاتے تھے۔ فرعون کا نام قابوس تھا۔ یالید بن معصب بن ریان تھا۔ جدید تحقیق یہ ہے کہ اس کا نام منتقل تھا۔

فرعون خدا کی کار دعویٰ دار تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ابتدائی کلام میں یہ فرمایا کہ میں رب العالمین کا نمائندہ (رسول) ہوں اور اس کلام سے فرعون کے دعویٰ خدا کی کار رد فرمایا کیونکہ عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام جانوں کا رب ہو۔ آسمانوں، زمینوں، سورج، چاند اور ستاروں کا پیدا کرنے والا ہو۔ پتھروں، درختوں، حیوانوں اور انسانوں کا پیدا کرنے والا ہو، فرعون ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں تو فرعون سے پہلے بھی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کا خدا کی کار دعویٰ باطل ہے۔ عبادت کا مستحق اور خدا وہی ہے جو تمام جانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

قبیلوں کا بنو اسرائیل کو غلام بنانا

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا رسول ہوں اس لیے مجھ پر واجب ہے کہ میں حق اور صداقت کے سوا کوئی بات نہ کہوں۔ میرے رسول ہونے پر ایک قوی دلیل موجود ہے اور جب میری رسالت ثابت

ہے تو اے فرعون میں تجھے یہ حکم دیتا ہوں کہ تو بنو اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

مصر کے قدیم باشندے قبلی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھشت سے چار سو سال پہلے جب حضرت یوسف علیہ السلام یہاں پر آئے اور ان کی اولاد یعنی بنو اسرائیل یہاں پھیل گئی تو مصر کے بادشاہ یعنی فرعون نے ان کو غلام بنالیا اور وہ بنو اسرائیل سے بیگار لیتے تھے۔ ان سے جانوروں کا دودھ نکلواتے زمینوں کی کھدائی کراتے اور دیگر مشقت کے کام لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا چاہی۔ اس لیے فرمایا: فرعون بنو اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا: اگر تم اپنے دعویٰ کے مطابق اللہ کے رسول ہو تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس وہ اچانک بیتا جاتا اڑدھا ہو گیا اور اپنا ہاتھ (گرہن سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے روشن ہو گیا (الاعراف ۱۰۷-۱۰۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اڑدھا بن گئی تھی۔ وہ بہت بڑا اڑدھا تھا۔ پہلے نے کہا ہے کہ اس کے دو جبروں کے درمیان چالیس ذراع (ساتھ فٹ) کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بہت بڑا اڑدھا بن گیا جو اپنا منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف دوڑ رہا تھا۔ جب فرعون نے دیکھا کہ وہ اڑدھا اس کو کھانے کے لیے دوڑ رہا ہے تو وہ تخت کے اندر گھس گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو روک لے سوانسوں نے اس کو روک لیا۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۲۰ مطبوعہ دار الفکر، تفسیر نام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۳۲)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۷۰۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو وہ زرد رنگ کا ایک بل دار اڑدھا ہو گیا اس کے دونوں جبروں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور وہ زمین سے تقریباً ایک میل بلند تھا۔ اس کا ایک جبر زمین پر تھا اور دوسرا جبر فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔ وہ فرعون کے پکڑنے کے لیے دوڑا۔ فرعون اپنا تخت چھوڑ کر بھاگا اور آسمان کے دست جاری تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس ایک دن میں اس کے چار سو دست جاری ہوئے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے پیٹ میں پھاری ہو گئی جو تلوم مرگ دور نہ ہو سکی۔ ایک روایت میں ہے کہ فرعون کا جہاں نے اپنی ڈانٹوں میں پکڑ لیا۔ اس نے لوگوں پر حملہ کیا لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور پچیس ہزار آدمی رش میں مارے گئے۔ پھر فرعون نے چیخ کر کہا اے موسیٰ میں تمہیں اس ذلت کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے تمہیں بھیجا ہے تم اس اڑدھے کو پکڑ لو۔ میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور تمہارے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دوں گا حضرت موسیٰ نے اس اڑدھے کو پکڑ لیا تو وہ پھر لاٹھی ہو گیا۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ ظاہر اس روایت میں کافی مبالغہ ہے لیکن علامہ آلوسی ایک شہ عالم ہیں۔ انہوں نے اس روایت کو اعتقاد کے ساتھ نقل کیا ہے اس لیے اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہوگی کیونکہ اگر وہ عام اڑدھا ہو تا تو چند لوگ مل کر اس کو مار ڈالتے۔ لہذا اتنی بات یقینی ہے کہ وہ اڑدھا بہت بڑا اور غیر معمولی جسم اور خوفناک تھا اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ خوف اور دہشت سے جب فرعون تخت چھوڑ کر بھاگا ہو تو اس کے دست نکل گئے ہوں تاہم ان کی گنتی بعید از قیاس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب اس کے درباری اور دیگر قبلی اڑدھے کو دیکھ کر خوفزدگی سے بھاگے ہوں تو بھگدڑ میں بہت سے درباری اور قبلی مارے گئے ہوں لیکن ان کا پچیس ہزار ہونا ناقابل قسم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ بہت روشن اور چمک دار تھا اور جب دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ معمول کے مطابق تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ بہت سفید تھا اور اس کی یہ سفیدی برص یا کسی اور بیماری کی وجہ سے نہیں تھی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۹۲، ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس نور کی وجہ سے آسمان اور زمین کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمٍ فِرْعَوْنُ إِنَّ هَذَا سِحْرٌ عَلِيمٌ ۙ يُرِيدُ

قوم فرعون کے سرداروں نے (آپس میں) کہا یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے ○ یہ چاہتا ہے

أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۙ قَالُوا أَرْجِهْ

کہ ہمیں تمہاری زمینی سے نکال دے، اب تمہارا کیا مشورہ ہے ○ انہوں نے فرعون سے کہا ہاں

وَأَخَاهُ وَارْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۙ يَا تُوْكَ بِكُلِّ سِحْرِ

اور اس کے بھائی کو شیرازہ اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو

عَلَيْهِمْ ۙ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا

سے آئیں ○ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے پیسے

مَنْ الْعَالِيَيْنِ ۙ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۙ قَالُوا

انعام ہر گا ○ فرعون نے کہا ہاں! اور بھلا تم مزدور مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○ جلاوطنوں نے کہا

يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۙ

اسے موسیٰ! آیا آپ پہلے ہمارے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں ○

قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ

موسیٰ نے کہا تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا

وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَزِيمٍ ۙ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ

اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا ○ اور ہم نے موسیٰ کو وحی مندرجہ کی کہ تم اپنا عصا ڈال دو



فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١٢٤﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا

تو وہ فوراً ان کے جبرٹے طمس کر نکلنے لگا ○ سحر کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جادوگر وہ کرتے تھے اس کا

يَعْمَلُونَ ﴿١٢٥﴾ فَغَلِبُوا هَٰذَا لَكَ وَانْقَلَبُوا صِغِيرِينَ ﴿١٢٦﴾ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ

بطلان ظاہر ہو گیا ○ پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس چلے گئے اور جادوگر سجدہ میں

سَجِدِينَ ﴿١٢٧﴾ قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٨﴾ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿١٢٩﴾

گر پڑھے ○ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

قَالَ فِرْعَوْنُ أَمِنْتُكُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَذِنَ لَكُمْ إِنَّ هَٰذَا الْمَكْرُ

فرعون نے کہا تم میری اجازت لینے سے پہلے ایمان لے آئے ، یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے

مَكْرُتُمْ مَوْكَا فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٣٠﴾

جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تاکہ اس شہر کے بہت والوں کو اس شہر سے نکال دو اور مغرب تم اس کا تمیازہ بگڑو گے ○

لَا قِطْعَنَ آيِدٍ يَكُمُ وَارْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأَصِلِّيَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٣١﴾

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالفت جاہوں سے کاٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو رسول پر چڑھاؤں گا ○

قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿١٣٢﴾ وَمَا نَنفَعُ مَنَا إِلَّا أَنْ أَمَّا بَايَتِ

انہوں نے کہا جی ہاں اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے

رَبِّنَا لَمَّا جَاءَنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٣٣﴾

پاس ہمارے رب کی نشانیاں آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے ، اے ہمارے رب : ہم پر صبر آزمائی فرمے اور حالتِ تسلیم میں ہماری روح قبضہ کرے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : قوم کے سرداروں نے (آپس میں) کہا : یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے ○ یہ چاہتا

ہے کہ ہمیں تمہاری زمین سے نکال دے اب تمہارا کیا مشورہ ہے ○ انہوں نے (فرعون سے) کہا : اس کو اور اس

کے بھائی کو ٹھیرالو اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ○ جادوگر

فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً تمہارے لیے انعام ہو گا ○ فرعون نے کہا ہاں اور بے شک تم

ضرور مغربین میں سے ہو جاؤ گے ○

عَلَيْهِ

ہر نبی کا معجزہ اس چیز کی جنس سے ہوتا ہے جس چیز کا اس زمانہ میں چرچا ہو

اس زمانہ میں جلو کا بڑا چرچا تھا اور جلو کی بہت سی قسمیں تھیں اور جلو کی بعض قسمیں بہت بڑی اور بہت حیران کن تھیں اسی لیے فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خیال کیا کہ یہ بہت ماہر جلو گر ہیں۔ پھر انہوں نے آپس میں کہا کہ انہوں نے اسے بڑے جلو کو اس لیے پیش کیا ہے کہ شاید یہ ملک اور ریاست کے طلب گار ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کو فرعون کی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور سورۃ الشعراء میں اس قول کو خود فرعون کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بہ ظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قول فرعون کا بھی ہو اور اس کے درباریوں کا بھی ہو۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کو اس کے درباریوں کی طرف منسوب کیا اور سورۃ الشعراء میں اس قول کو خود فرعون کی طرف منسوب کیا۔

”اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟“ اس کے متعلق مفسرین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ فرعون کا کلام ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ درباریوں کا کلام ہو۔

”بے شک تم ضرور مقررین میں سے ہو جاؤ گے“ جلو گروں نے فرعون سے اجر کا سوال کیا تھا۔ جواب میں فرعون نے کہا تم مقررین میں سے ہو جاؤ گے اس جواب میں ان کے اجر کا ذکر تو نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ بے شک تم کو اجر بھی ملے گا اور تم مقررین میں سے بھی ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ ستر جلو گر تھے اور ایک ان کا سردار تھا جو ان کو جلو سکھاتا تھا یہ مجوسی شخص تھا۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس زمانہ میں جلو کا بہت چرچا تھا جیسا کہ متکلمین نے کہا ہے کہ ہر نبی کو اس جنس سے معجزہ دیا جاتا ہے جس جنس کا اس زمانہ میں بہت غلبہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جلو کا بہت چرچا تھا تو ان کو ایسا معجزہ دیا گیا جو جلو کے مشابہ تھا اور وہ جلو گروں کے تمام کمالات پر غالب آگیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا بہت غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی کا ایسا کمال دے کر بھیجا جو ان کی تمام طب اور حکمت پر غالب آگیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں فصاحت اور بلاغت کا بہت غلبہ تھا تو نبی ﷺ کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام دے کر بھیجا جس کی نظیر لانے سے تمام جنس اور انس عاجز ہو گئے۔

سحر کی تعریف اور سحر اور معجزہ میں فرق

کسی خبیث اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کسی غیر معمولی اور خلاف عادت کام کے ظہور کو سحر کہتے ہیں اور یہ باقاعدہ کسی استاذ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور اسی تعریف سے سحر کا معجزہ اور کرامت سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معجزہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جس کی نیکی اور پاکیزگی معاشرہ میں مشہور ہوتی ہے اور سحر خبیث اور بدکار شخص سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز سحر کسی استاذ سے سیکھا جاتا ہے جب کہ معجزہ نبی سے بغیر کسی شخص کی تعلیم کے ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ نبی اس لیے پیش کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی جلالت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا فرستادہ اور رسول قرار دیتا ہے۔ جبکہ ساحر دعویٰ نبوت کی دلیل کے لیے سحر پیش کرتا ہے نہ وہ لوگوں کو عبادت اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے بلکہ اس کا مقصد لوگوں کو حیران کرنا اور کسی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور نبی دنیاوی مفادات سے بے نیاز ہوتا ہے اور اسی فرق سے سحر اور کرامت کا فرق بھی ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ کرامت بغیر تعلیم کے کسی نیک مسلمان کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ کسی نہیں دہی ہوتی ہے جبکہ سحر کسب اور تعلیم سے کسی فاسق اور شریر شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے۔ سحر کسی شخص کی طبیعت یا

اس کی فطرت کا خلاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں 'بعض لوگت اور بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہے۔ جادو کا معارفہ دیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے۔ محرک نے دلائل کے ساتھ طعون ہوتا ہے 'ظاہری اور باطنی نجات سے ملوث ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہوتا ہے۔ اہل حق کے نزدیک محرک عطا جائز اور ثابت ہے اور قرآن اور سنت میں اس کا بیان ہے۔

محرک نے کہا سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض نظربندی ہے اور اس کا سبب کرب 'ہاتھ کی منغلی اور شعبہ بازی ہے۔ اناری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَكْفُرُ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا  
يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرَ (السفرہ: ۱۰۳)

اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے 'وہ لوگوں کو جادو (کے کفر) کھاتے تھے۔  
اسی آیت میں مذکور ہے کہ سحر کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ نِّسَاءٍ اللَّغَطِ هِيَ الْعُقَدُ (العلق: ۴)  
آپ کہتے ہیں کہ میں گرہوں میں (جادو کی) بست پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے حیرت میں آتا ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں ہے کہ ایک یہودی لبید بن اہم نے رسول اللہ ﷺ پر سحر کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ تین راتیں بیمار رہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحديث: ۵۷۳۷) اس کی تحقیق بنی اسرائیل: ۲۷ میں دیکھیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

يَتَّبِعُ الْآيَةَ مِنْ سِحْرِ هَامَ أَهْلَ السَّحْرِ  
(طہ: ۶۶) سے وہ لاشیاں اور دریاں دوڑ رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف نظربندی ہے اور کسی کے ذہن میں خیال ڈالنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادو گردوں کا سحر کی تخیل اور نظربندی تھا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کی کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔ (شرح القامد ج ۵، ص ۹۸، 'طحاوی' و 'موسما' مطبوعہ ایران ۱۳۴۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کا سبب غلطی ہو اس کو سحر کہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب کام ہوتا ہے جو خرق عیادت کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس میں قول 'عمل اور اعتقاد دونوں کا دخل ہے۔ اس میں شیطان کی طرح اور الفاظ شرکیہ پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ ستاروں کی عیادت اور دوسرے جرائم کرنے پڑتے ہیں اور شیطان سے محبت کرنی ہوتی ہے۔ عروسی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس خبیث ہو اور اس کو شیطان کے ساتھ مناسبت ہو۔ جس طرح فرشتے ان ہی لوگوں کے ساتھ قیام کرتے ہیں جو دائمی عیادت کرتے ہوں اور اللہ کے ساتھ قرب میں فرشتوں کے مشابہ ہوں 'اسی طرح شیاطین ان ہی لوگوں کے ساتھ قیام کرتے ہیں جو قول 'فعل اور اعتقاد کی خبیثت اور نجات میں شیاطین کے مشابہ ہوں۔ اس تعریف سے سحر 'نہی اور ولی سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو مختلف ترکیبوں 'آلات اور دواؤں کے ذریعہ عجیب و غریب کام کر کے دکھاتے ہیں 'وہ دراصل شعبہ بازی ہیں۔ ان کو سحر مجاز اکتا جاتا ہے اور یہ بھی بعض کے نزدیک شرعاً مذموم ہے۔

علامہ نووی نے روضة الطالبین (ج ۷، ص ۱۹۸) میں یہ تصریح کی ہے کہ سحر باجماع حرام ہے۔ جسور نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ سحر ایک خلاف عادت کام ہے یہ اعمال مخصوصہ کے ذریعہ اس شخص سے صلہ ہوتا ہے جس کا نفس خبیث اور شریر ہو۔

جسور کے نزدیک سحر کی حقیقت ہے اور ساحر ہوا میں اڑ سکتا ہے، پانی پر چل سکتا ہے، انسان کو قتل کر سکتا ہے اور انسان کو گدھا بنا سکتا ہے۔ ان تمام کاموں میں قائل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ساحر کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ سمندر کو چیر دے، مردے کو زندہ کر دے اور پتھر کو گویا کر دے اور اس طرح کے دوسرے کام جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ معتزلہ اور اہل سنت میں سے لاسترا بازی کا یہ مذہب ہے کہ ساحر ایسے کاموں پر قادر نہیں ہوتا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ورنہ نبوت کے اثبات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

بعض محققین نے سحر اور معجزہ میں یہ فرق کیا ہے کہ معجزہ میں نبی تعالیٰ (جلیج) کرتا ہے کہ اس جیسا کام کر کے دکھاؤ اور سحر میں تعالیٰ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی علوت مستویہ ہے کہ جو نئے نبی کے دعوتی کے موافق خرق علوت ظاہر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ منصب نبوت کو کذا میں سے محفوظ رکھتا ہے۔

سحر اور ساحر کا شرعی حکم

علامہ تفتازانی نے کہا ہے کہ جادو کا عمل کرنا کفر ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حدیث میں جو سحر کو کہا میں سے شمار فرمایا ہے یہ اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ کفر بھی کبیرہ گناہ ہے اور شیخ ابو منصور ماتریدی نے یہ کہا ہے کہ سحر کو مطلقاً کفر قرار دینا خطا ہے بلکہ اس کی حقیقت سے بحث کرنی چاہیے اگر جادو کے عمل میں کوئی ایسی چیز ہو جو ایمان کو رو کرتی ہو تو یہ کفر ہو گا ورنہ نہیں۔ پھر جو سحر کفر ہو اس میں مردوں کو قتل کر دیا جائے گا اور عورتوں کو نہیں قتل کیا جائے گا اور جس سحر کے ذریعہ کسی شخص کو ہلاک کر دیا جائے اس کے مرتکب کا حکم ذاکوؤں کی طرح ہے۔ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں اور جب ذاکو توہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی انہوں نے خطا کی کیونکہ فرعون کے جادو گروں کی توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ ہمارے میں اسی طرح مذکور ہے اور یہی بات اصول کے قریب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ ساحر ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ کہے کہ میں جادو کو ترک کرتا ہوں تو اس کے قول کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ میں پہلے جادو کرتا تھا اور اب بدت ہوئی اس کو چھوڑ چکا ہوں تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ کی باندی نے ان پر جادو کرنے کا اعتراف کیا تو آپ نے حضرت عبدالرحمن بن زید کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت عمر بن خطاب نے حکم دیا تھا کہ ہر ساحر اور ساحرہ کو قتل کر دو، سو تین ساحروں کو قتل کر دیا گیا۔ ساحر کو مطلقاً قتل کرنے پر امام شافعی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس یہودی کو قتل نہیں کیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اور موسیٰ کا بھی اسی طرح حکم ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ذمیوں کے وہ حقوق ہیں جو مہاجرین کے ہیں اور ذمیوں کے وہ فرائض ہیں جو مہاجرین کے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۱)

### سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم

جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَيْكُمُ الشَّيْطَانُ كَغُرْمَا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ

لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

الْبَقَرَةُ: ۱۰۳

اس آیت میں کفر کی علت جادو سکھانا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطانوں نے کفر کیا اور وہ اس کے بلوغ جادو سکھاتے تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور

جمہور علماء کا یہی عقار ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مکروہ کلام ہیں۔ یہ بعض کا قول ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مباح ہیں۔ البتہ وہ جادو سکھانا مذموم ہے جس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو۔ امام رازی کا یہی عقار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو کا علم فحش ہے نہ مذموم کیونکہ فی ذاتہ علم میں شرف اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الرمرہ: ۱۷)

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

اور جو شخص جادو کو نہ جانتا ہو وہ جادو اور معجزہ میں فرق نہیں کر سکے گا اور معجزہ کے معجز ہونے کا علم واجب ہے تو ثابت ہوا کہ جادو کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور جو چیز واجب ہو وہ کیسے حرام اور فحش ہو سکتی ہے لیکن امام رازی کی دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ فی نفسہ جادو کا علم فحش ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جادو کا عمل کرنا ممنوع ہے اور چونکہ جادو کا علم جادو کے عمل کا ذریعہ ہے اس لیے وہ بھی ممنوع ہو گا کیونکہ شریعت میں ممنوع کلام کا ذریعہ بھی ممنوع ہے۔ جیسے فی نفسہ زنا ممنوع ہے اور اس کے مقدمات مثلاً بوس و کنار اس فعل کے ارکان کا ذریعہ ہیں تو ان سے بھی منع فرما دیا اور فرمایا:

لَا تَقْرَبُوا الزَّيْنَىٰ إِنَّهَا تَحْتَ حَاجِجَتِہٖ

زنا کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ وہ ہے حیاتی کا کام ہے۔

(الاسراء: ۳۳)

شریعت میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ معجزہ اور سحر میں فرق کرنا سحر کے علم پر موقوف ہے کیونکہ اکثر بلکہ تقریباً تمام علماء کو معجزہ اور سحر میں فرق کا علم ہے۔ حالانکہ ان کو سحر کا علم نہیں ہے۔ نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان میں فرق کو جاننے کے لیے یہ کافی ہے کہ معجزہ کا ظہور نبی پر ہوتا ہے جس کی نیکی لوگوں میں معروف ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برخلاف سحر فاسق اور فبیٹ شخص سے صادر ہوتا ہے اور وہ کسی نیک کام کی دعوت نہیں دیتا اور اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جادو کا علم حاصل کرنا واجب ہو تا تو حضرات صحابہ کرامؓ اختیار نہ لیتیں اور بعد کے ائمہ اور فقہاء جادو کے بہت بڑے عالم ہوتے مگر ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے تو کیا ان اسلاف نے اس واجب کو ترک کر دیا تھا اور صرف امام رازی نے اس واجب پر عمل کیا ہے؟

(روح المعانی ج ۱ ص ۳۳۸-۳۳۹ مطبوعہ "موسم" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جادو گروں نے کہا اے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں؟ موسیٰ نے کہا تم ڈالو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو ٹکٹے لگا کر سو حق کا قلعہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہو گیا پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے۔

(الاعراف: ۱۱۹-۱۱۵)

حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادو گروں کا مقابلہ

جادو گروں نے حضرت موسیٰ سے کہا اے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم اپنی لٹھیاں اور رسیاں پہلے ڈالیں؟ انہوں نے اپنے اس سوال میں حسن ادب کو ملحوظ رکھا اور اپنے ذکر سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور اسی ادب کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق دی۔

تبیان القرآن



حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ڈالو اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان کالائیں ڈالنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مقابلہ میں معارضہ کرنا تھا اور معجزہ کا معارضہ کرنا کفر ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر کرنے کا حکم کیونکر دیا جب کہ کفر کا حکم دینا بھی کفر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ثبوت اور غلبہ اس پر موقوف تھا کہ وہ اپنی لائیں ڈالیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان لائیوں کو نکل لے تو حضرت موسیٰ نے ان کو لائیں ڈالنے کا حکم اس حیثیت سے دیا تھا کہ ان کے معجزہ کا غلبہ ثابت ہو اور وہ انجام کار ان جلوہ گروں کے ایمان لانے کا ذریعہ ہو۔

جب جلوہ گروں نے اپنی لائیں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جلوہ کر دیا اور ان کو خوفزدہ کر دیا اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوت معجزہ سے لوگوں کے دماغوں پر تاثیر کی اور لوگوں کی آنکھوں پر سحر کیا سو ان کو وہ لائیں اور سناپ دوڑتے ہوئے معلوم ہونے لگے ایک قول یہ ہے کہ ان لکڑیوں اور رسیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا سورج کی تیش سے وہ پارہ حرکت کرنے لگا جس سے وہ لائیں اور رسیاں دوڑتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ اور لوگ ان سے خوفزدہ ہو گئے۔

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے مجھوتے ظلم کو نکلنے لگا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا سناپ بن گیا اور جب اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے دو جبروں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ اس نے ان کی تمام رسیوں اور لائیوں کو نکل لیا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ پہلے کی طرح لاشی بن گیا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم الشان معجزہ تھا کیونکہ وہ بہت بڑا آدمی جو ہزاروں لائیوں اور رسیوں کو نکل چکا تھا ان کی آن میں پہلے کی طرح متوسط لاشی بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لائیوں اور رسیوں کو معدوم کر دیا یا ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیا اور کسی کو ان کے ریزہ ریزہ ہونے اور ہوا میں تحلیل ہونے کا پتہ نہ چل سکا اور یہ فعل صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت سے ظہور میں آیا کیونکہ کسی چیز کو موجود کرنا یا معدوم کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکم صرف لاشی کو پھینکنا اور اس کو پکڑنا تھا اور اس لاشی میں یہ صفت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی اور لاشی کو پھینکنا اور پکڑنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن کے تابع تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اور خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ایسے عظیم الشان معجزہ کو ظاہر فرمایا۔ تاہم بعض معجزات انبیاء عظیم السلام کی قدرت سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن وہ قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ اور درحقیقت وہی تمام معجزات کا خالق ہے۔ سو حق کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

حق کے غلبہ کے ظہور کا سبب یہ ہے کہ جلوہ گروں نے کہا کہ موسیٰ نے جو کچھ کیا اگر وہ جلوہ ہوتا تو ہماری لائیں اور رسیاں کم نہ ہوتیں اور جب وہ کم ہو گئیں تو معلوم ہوا کہ یہ کام اللہ سبحانہ کی خلق اور اس کی قدرت سے ہوا ہے اس میں جلوہ کا کوئی دخل نہیں تھا اور اسی وجہ سے معجزہ جلوہ سے متمیز ہو گیا۔

”پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے۔“

جب فرعون کے جلوہ گروں کی لائیوں اور رسیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا نکل گیا اور بغیر کسی شعبہ، حیلہ اور شبہ کے وہ تمام لائیں غائب ہو گئیں تو فرعون اور اس کے درباریوں نے جس طعشق سے ان جلوہ گروں کو بلایا تھا وہ رائیگاں گیا اور ان کے غرور کا سر نیچا ہو گیا تو وہ انتہائی ذلت کے ساتھ پہا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جلوہ گروں میں گر پڑے انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ جو موسیٰ

اور ہارون کا رب ہے۔ (الاعراف: ۱۰۸-۱۰۹)

## جادو گروں کے ایمان لانے میں علم کی فضیلت

امام ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر جمع کیے تھے اور انہوں نے ستر ہزار لاثیمیاں اور ستر ہزار رسیاں میدان میں پھینکی تھیں۔ امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ وہ لاثیمیاں اور رسیاں ایک مربع میل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ وہ لاثیمیاں اور رسیاں اتنی تھیں کہ وہ تین سو ٹونٹوں کا پل تھیں اور جب ان سب لاثیمیوں اور رسیوں کو حضرت موسیٰ کے عصا نے نکل لیا اور وہ معمول کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا تو جادو گروں نے آپس میں کہا یہ چیز جادو سے خارج ہے بلکہ یہ محض اللہ کا فعل ہے اور اس سے انہوں نے استدلال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے بچے نبی ہیں۔

حکامین نے کہا یہ آیت فضیلت علم پرست قوی دلیل ہے کیونکہ وہ جادوگر جادو کی حقیقت سے واقف تھے ان کو معلوم تھا کہ جادو کا انتہائی کمال کیا ہے اور اس وجہ سے انہوں نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو کی حقیقت سے خارج ہے اگر وہ جادو کے علم میں کمال نہ ہوتے تو وہ یہ استدلال نہیں کر سکتے تھے۔ وہ یہ سوچتے کہ شاید یہ ہم سے بڑے جادوگر ہیں اس لیے یہ اس چیز پر فکور ہیں جس سے ہم عاجز ہیں لیکن چونکہ وہ جادو کے علم میں کمال تھے اس لیے انہوں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ یہ خالق کائنات کی قدرت کا شاہکار ہے۔ پس وہ جادو کے علم میں کمال ہونے کی وجہ سے کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہو گئے۔ سوچنے کہ جب جادو کے علم میں کمال کا یہ ثمرہ ہے تو دین اسلام اور شریعت کے علم میں کمال حاصل کرنے کا کیا ثمرہ ہوگا

## رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ

جادوگر پہلے سجدہ میں گر گئے پھر اس کے بعد کہہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے اس کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ بظاہر پہلے ایمان کا اظہار کرنا چاہیے تھا پھر سجدہ کرنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت آگئی تو وہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی معرفت کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہونے اور اللہ کے سامنے خضوع اور تذلل کا اظہار کرنے کے لیے بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان کو کوئی نعمت ملے تو اس کو بے اختیار سجدہ میں گر جانا چاہیے۔

انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون العالمین میں داخل ہیں۔ پھر العالمین کے بعد موسیٰ اور ہارون کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ جادو گروں کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا تھا اس لیے انہوں نے کہا ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے تو ہو سکتا ہے کہ فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہ بھی رب العالمین ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا اس لیے انہوں نے کہا ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ العالمین میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون داخل تھے لیکن ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے: ”وَمَلَأْنٰكَ وَرَسْلَهُ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكَیْلَ“ (البقرة: ۹۸) ہر چند کہ ملائکہ میں جبریل اور میکائیل داخل ہیں لیکن ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا تم میرے اجازت دینے سے پہلے ایمان لے آئے؟ یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے مل کر شر میں تیار کی ہے تاکہ اس شر کے رہنے والوں کو اس شر سے نکل دو، غریب تم اس کا خمیازہ بھگتو گے ○

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف جاتیوں سے کٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا انہوں نے کہا بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیں آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے اے ہمارے رب ہم پر صبرائیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرے (الاعراف ۷۶-۷۷)

### فرعون کا عوام کو شبہات میں ڈالنا

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ جن لوگوں کو سب سے زیادہ جادو کا علم تھا وہ لوگوں کے بہت بڑے اجتماع کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے تو اس کو اپنی خدائی کا خطہ پڑ گیا اس نے سوچا کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بہت قوی دلیل قائم ہو گئی۔ تو اس نے لوگوں کو اپنی بندگی پر قائم رکھنے کے لیے فوراً دو شبہات ڈالے۔ ایک شبہ یہ ڈالا کہ یہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کی قوت کی وجہ سے ان کی نبوت پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کا مقابلہ دراصل نوراکشتی تھی اور انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ جادوگر محمد اہار جائیں گے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کا غلبہ ظاہر ہو۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے سردار کی مقابلہ سے پہلے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم پر غالب آ جاؤں تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی گواہی دو گے کہ جس دین کی دعوت دے رہا ہوں وہ حق ہے جادوگروں کے سردار نے کہا کل ہم ایسا جادو پیش کریں گے جس پر کوئی جادو غالب نہیں آ سکے گا اور خدا کی قسم اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں ضرور تم پر ایمان لے آؤں گا اور میں ضرور یہ گواہی دوں گا کہ تمہاری دعوت سچی ہے۔ فرعون ان کو باتیں کرتا ہوا دیکھ رہا تھا اس لیے اس نے کہا یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غالب ہونا پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق تھا حقیقت میں وہ غالب نہیں ہوئے تھے۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فرعون یمن نے دو سراشبہ یہ ڈالا ان کا مقصد تمہیں تمہارے وطن سے نکالنا ہے اس لیے انہوں نے یہ نوراکشتی کی ہے فرعون کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کھیاں کے اثرات کو زائل کرنا تھا تاکہ اس کے رعایا اس کی خدائی کے متعلق بدگمان نہ ہو پھر اس نے کہا تم عنقریب جان لو گے اپنے اس قول سے اس نے مسلمان ہونے والے جادوگروں کو سزا کی دھمکی دی۔ آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکا یا نہیں؟

”میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف جاتیوں سے کٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا“۔ یہ اجمل کے بعد تفصیل ہے اور یہ فرعون کی تفصیلی دھمکی ہے۔ اس میں مغربین کا اختلاف ہے کہ فرعون نے اس دھمکی پر عمل کیا یا نہیں امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے سولی پر لٹکایا اور جس شخص نے سب سے پہلے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف جاتیوں سے کٹا وہ فرعون تھا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض مغربین نے کہا فرعون اس دھمکی پر عمل نہیں کر سکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَالَ مَسْنُودٌ عَصَدَكَ يَا عِيبَكَ وَنَحْمَلُكَ  
فَرَمَا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ  
نَكْمًا سُلْطًا فَلَا يَصْلُوكَ إِلَيْكُمْ بَابِنَا  
مضبوط کر دیں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے

أَنْتُمْ وَمَنِ اتَّبَعَكُمْ الْغَلِيظُونَ۔

سو وہ آپ دونوں تک ہماری نشانوں کے جب نہ پہنچ سکیں گے

(الفصل: ۳۵)

آپ دونوں اور آپ کی اتباع کرنے والے غالب رہیں گے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو غلبہ کی بشارت دی ہے اس لیے فرعون ان کو قتل نہیں کر سکتا تھا لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں غلبہ سے مراد دلیل اور حجت کا غلبہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ حالت اسلام میں ہم پر وفات طاری کرنا اور وفات سے مراد طبعی موت ہے اس کا معنی ہے ان کو قتل نہیں کیا گیا اور یہ زیادہ قوی دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ دن کے ابتدائی حصہ میں وہ جاہلوں کے اور دن کے آخری حصہ میں وہ شہداء تھے نیز انہوں نے اپنے لیے صبر کی دعا کی تھی اور صبر کی دعا اسی وقت کی جاتی ہے جب انسان کسی امتحان آزمائش اور بلا میں گھر جائے۔ یعنی سولی پر چڑھائے جانے اور ہاتھوں اور پاؤں کے کاٹے جانے سے وہ ڈر گمانہ جائیں اور اپنے ایمان پر برقرار رہیں اور ان کو اسلام پر ہی موت آئے۔ ان دلائل سے اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کر لیا تھا۔

راہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا

”انہوں نے کہا ہے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔۔۔ الخ“

جب انسان دین حق کو قبول کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس راہ میں مصائب اور مشکلات پر ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ایسی قوت اور جرأت پیدا کرتا ہے کہ جان جاہلوں نے جب بصیرت سے حق کو پہچان لیا تو پوری جرأت کے ساتھ اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا اس سے یہ سچی بات ہے کہ انسان کو اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا چاہیے اور اس دنیا کی فانی لذتوں پر آخرت کی دائمی نعمتوں کو قربان نہیں کرنا چاہیے اور راہ حق کی خاطر ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَنْذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑے گا؟

الْأَرْضِ وَيَنْذَرُكَ وَإِلَهُكَ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا أَيْنَا نَزَّلَهُمْ قَوْمًا

سنا کہ وہ تجھ کو اور تیرے مہبودوں کو چھوڑے دیں، فرعون نے کہا ہم منتہربان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیویوں کو

نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾ قَالُوا مَوْسَىٰ لَقَوْمٌ غَائِبُونَ

زندہ بھستے دیں گے، اور بیشک ہم ان پر غالب ہیں ○ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو

بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

اللہ صبر کرو، بیشک ساری زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوا أَوْذَيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِيَنَا وَنَحْمُدَ

اور اچھا انجام تمہیں کے لیے ہے ۵ انہوں نے کہا (اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہی ہیں اذیتیں پہنچائی گئی تھیں اور

يَعْبُدُ مَا جِئْتَنَا ط قَالَ عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَ

آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی (موسیٰ نے) کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین

يَسْتَخْلِفُكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾

میں ان کا جانشین بنائے گا ، پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کہ تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں  
فساد کرنے کے لیے پھوڑ دے گا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو  
قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب رہیں گے۔ (الاعراف: ۱۲۷)

فرعون کی قوم نے جب دیکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا نہ ان کو کوئی سزا دی تو انہوں نے یہ کہا کیا  
تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے پھوڑ دے گا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں فرعون  
نے حضرت موسیٰ سے اس لیے کوئی تعرض نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مجزہ کو دیکھ کر بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا  
تھا اس کو ڈر تھا کہ اگر حضرت موسیٰ نے اس پر عصا چھوڑ دیا تو وہ اڑدھابن کر اس کو کھا جائے گا تاہم اس نے اپنا بھرم رکھنے کے  
لیے قوم کو جواب دیا کہ ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور بیٹیوں کو چھوڑ دیں گے گویا موجودہ نسل کے ختم ہونے  
کے بعد بنو اسرائیل کی صرف عورتیں رہ جائیں گی اور عورتوں سے جنہیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ گویا کہ یہ ایک طویل المیعاد  
منصوبہ تھا اور اس سے وقتی طور پر قبیلوں کو قتل نہ مقصود تھی۔

قبیلوں نے کہا تھا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ فرعون کے معبود کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال  
ہیں:

۱۔ فرعون نے اپنی قوم کے لیے چھوٹے چھوٹے بت بنائے تھے اور اس نے اپنی قوم کو ان کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور  
خود کو وہ کتا تھا کہ میں تمہارا رب سے بڑا رب ہوں۔ اور ان جنوں کا بھی رب ہوں۔

۲۔ حسن بصری نے کہا فرعون خود بھی جنوں کی عبادت کرتا تھا۔

۳۔ امام رازی نے فرمایا کہ فرعون ستاروں کی تاثیر کا قائل تھا اور اس نے ستاروں کی صورتوں کے بت بنائے تھے اور وہ  
خود بھی ان کی عبادت کرتا تھا اور قوم سے بھی ان کی عبادت کراتا تھا۔

۴۔ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی ایک گائے تھی جس کی اس کی قوم عبادت کرتی  
تھی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب بھی وہ کوئی خوب صورت گائے دیکھتے تو فرعون اس کی عبادت کا حکم دیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے دعا کرو کہ وہ ساری زمین صرف اللہ کی ہے وہ



اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور اچھا انجام متقین کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں ہدایت پہنچائی گئی تھی اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی۔ (موسیٰ نے) کہا: غریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں امن کا جانشین بنادے گا پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔ (الاعراف: ۳۸-۳۹)

اللہ پر ایمان کامل کی وجہ سے مصائب کا آسان ہو جاتا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو چیزوں کا حکم دیا اور دو چیزوں کی بشارت دی، ایک یہ حکم دیا کہ اللہ سے مدد طلب کرو اور دوسرا یہ حکم دیا کہ مصائب پر صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے استمداد اور استعانت کے حکم کو پہلے بیان فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کو چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور ہم اس کے بندے اور مملوک ہیں اور مالک کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی مملوک میں جس طرح چاہے تصرف کرے تو اس کا دل اللہ کی معرفت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مالک کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے پھر اس پر جو مصیبت اور تکلیف وارد ہو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خوشی اور محبت سے ان مصائب کو گلے لگا لیتا ہے اور ان پر کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نمود کی جلانی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے، حضرت اسماعیل نے راضی بہ رضا ہو کر چھری تلے اپنی گردن رکھ دی، حضرت یوسف علیہ السلام نے صبر و استقامت سے تمام بیماریوں کو برداشت کیا۔ سو جس شخص کا اللہ پر یقین محکم ہو اس کے لیے مصائب اور مشکلات پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو ایک یہ بشارت دی کہ اللہ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور اس کی جگہ ان کو اس زمین کا وارث کر دے گا۔ کیونکہ زمین کا مالک اللہ ہے وہ جس کو چاہے اس زمین کا وارث بنادیتا ہے اور دوسری بشارت یہ دی کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو آخرت میں بھی تمہارا اچھا انجام ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان اور تقویٰ قائم رکھنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے۔

کسی بات کو سمجھنے کے لیے سوال کرنے کا جواز

بنو اسرائیل نے جب فرعون کی وعید اور اس کی دھمکیوں کو سنا تو وہ سخت خوفزدہ ہوئے اور گھبرا گئے اور انہوں نے کہا ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی اللہ دی گئی اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے فرعون لعین نے بنو اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہ ان سے جزیہ لیتا تھا۔ اور ان سے سخت مشکل کام لیتا تھا اور ان کو سہولت اور آرام سے منع کرتا تھا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو ان کو یہ واضح امید ہو گئی کہ اب ان کی مشکلات کے دن ختم ہو گئے اور ان کو اب فرعون کے ظلم و ستم سے نجات مل جائے گی، لیکن جب انہوں نے فرعون کو پھر دھمکیاں دیتے ہوئے سنا تو ان کی امید بھڑو پ گئی اور انہوں نے رنج اور مایوسی سے یہ کہا کہ ہمیں آپ کی آمد سے پہلے بھی اللہ دی گئی تھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہم ظلم و ستم کے سائے میں ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بنو اسرائیل کے اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو مکروہ جانا اور یہ کفر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے یہ بشارت دی کہ اب تمہاری

مہینوں کے دن گزر گئے تو انہوں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کی مہینیں اسی وقت ختم ہو جائیں گی اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے مصائب تو ان پر اسی طرح چھائے ہوئے ہیں تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس خوشخبری کی کیفیت جاننے کے لیے سوال کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ وضاحت کی کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان کے مصائب اسی وقت ختم ہو جائیں گے بلکہ ان کی نجات کا جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے ان کی نجات اسی وقت ہو گئی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا غریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنادے گا پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر استو یا شیخ کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دریافت حل کے لیے سوال کیا جاسکتا ہے اور اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کوئی حدیث سنتیں جس کا مطلب انہیں سمجھ نہ آتا تو وہ دوبارہ آپ سے رجوع کرتیں حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں اور یہی صحیح ہے فرمایا جس شخص کا مطلب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

كَأَنَّا مِمَّنْ أَوْفَىٰ كِتَابَهُ بِمُؤَيِّنِهِ ۖ فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حَسَابًا تَنَبُّرًا (الانشقاق ۷۸)   
 تو جس شخص کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا یہ تو اعمال نامہ کو پیش کرنے کے متعلق ہے۔ لیکن جس سے حساب میں متعطل کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۶، ۴۹۳۷، ۴۹۳۸، ۴۹۳۹)

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَّصْنَا مِنَ الثَّمَرَاتِ

اور بیشک ہم نے فرعون کے زمین کو کئی سال تک ابد بیلوں کی پسیدہ اور کی کمی میں مبتلا رکھا تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا النَّاهِيَةُ وَاِنْ

نصبت قبول کریں ۰ پس جب ان پر خوشحالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے بہت سے ہے اور جب

تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَّتَكَبَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ ۖ اِلَّا اِنْشَاظِ لَهُمْ

ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو مرنے اور ان کے اصحاب کی ترست قرار دیتے، سنا: ان کافروں کی ترست اللہ کے نزدیک

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ

(بہت سے ہیں ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۰ اور انہوں نے کہا اے موسیٰ) آپ جب بھی ہیں

مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَّا بِهَا ۖ فَمَا نَخْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَمْرٌ سَلْنَا

سحر کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی نشان لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لائے دے نہیں دیں ۰ پس ہم نے ان پر طوفان

عَلَيْهِمُ الظُّفُفَانِ وَالْجِرَادُ وَالْقُمَّلُ وَالضَّفَادِعُ وَاللَّامِأَتِ

بھیبا اور ٹڈی دل کے باطل اور جڑیں اور میٹک اور خون ، ہر آنکھ ایک یہ الگ الگ ٹڈیاں

مُفْضَلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَلَمَّا وَقَعَ

تھیں تو انہوں نے مجھ کر کیا اور وہ حق ہی جرم قوم ۵ اور جب بھی ان پر

عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! آپ کے رب سے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بناء پر ہمارے حق میں دعا کیجئے

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي

اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل

إِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۲﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْغُورَةِ

کو روانہ کر دیں گے ۵ پس جب ہم نے ان سے اس مدت میں تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک پہنچنا ان

إِذَا هُمْ يَنْتَكِبُونَ ﴿۱۳۳﴾ فَانْتَقَبْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِآيَاتِنَا

کے لیے منتظر تھا تو وہ فوراً اپنا ہمدرد کرنے والے تھے ۵ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیوں کہ انہوں نے ہماری نشانیں

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَأَوْسَرْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ

کو بھلا دیا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے ۵ اور ہم قوم کو کمزور بھجواتے تھے اس کو بہنے

كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا

اس سرزمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں ،

فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِیْلَ بِمَا

اور بنو اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیوں کہ انہوں نے میری

صَبَرُوا وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا

کیا تھا ، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی کردی عمارتوں اور ان کی پڑھائی ہوئی بیروں کو تباہ و برباد کر

يَعْرِشُونَ ﴿١٣٠﴾ وَجُوزُنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى

دیا ○ اللہ ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے

قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا

پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کے سامنے اُن کے (مٹکے) بیٹھے تھے انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک ایسا

إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ط قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿١٣١﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ

معبود بنا دیجیے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا بیشک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو ○ بیشک میں کام میں یہ لوگ

مُتَّبِعُونَ مَا هُمْ فِيهِ وَيَبْطِلُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ط قَالَ أَغَيَّرَ اللَّهُ

معتدون ہیں وہ ہر باد ہونے والا ہے اللہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے ○ اللہ موسیٰ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا

أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضْلُكَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٣٢﴾ وَإِذَا أَنْجَيْنَاكَ مِنْ

تہا سے لیے کوئی اور معبود تلاش کر دے حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہانوں پر فضیلت دی آج ○ اور (اے بنو اسرائیل) یا اللہ

إِلَٰ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُم سُوءَ الْعَذَابِ يُقْتِلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ

جب ہم نے تم کو فرعون کے ہمہ تن سے نجات دے دی جو تم کو بڑا عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور

يَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٣٣﴾

تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے فرعون کے شعبین کو کئی سال قتل اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا

تاکہ وہ نصیحت کو قبول کریں ○ جب ان پر خوش حالی آئی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سب سے ہے اور جب ان پر بد حالی آئی تو وہ اس

کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے لیکن ان میں سے اکثر

نہیں جانتے۔ (الاعراف ۳۱-۳۰)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

آل فرعون: فرعون کی قوم اور اس کے خواص اور یہ اس کے درباریوں کی جماعت ہے۔ "آل" کا استعمال کسی شخص

کے قریب داریوں میں ہوتا ہے۔ جیسے آل ابراہیم اور آل عمران یا اس کا استعمال کسی کے شعبین اور اس کے پیرو کاروں میں ہوتا

ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: "ادخلوا آل فرعون أشد العذاب" (المومن ۴۱) فرعون کے شعبین کو بہت سخت عذاب

میں ڈال دو۔ اس کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ ۴۹ میں کی ہے۔

سین: یہ سنہ کی جمع ہے جس کا معنی سال ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال بن سالوں کے لیے کیا جاتا ہے جس میں خشک سالی اور قحط ہو، حدیث میں ہے: "واجعلها عليهم كسنى يوسف" اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کی طرح قحط کے سال مقرر کر دے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۸۰۳، صحیح مسلم، المسابیح: ۲۳۳، ۲۷۵، ۲۷۴، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۱۰۷۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۲، مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۲۳۹)

الحسنة: ہر اس چیز کو حسن کہتے ہیں جو خوبصورت ہو اور اس کی طرف رغبت کی جاتی ہو، اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو حسن ہو جیسے خوبصورت چہرے، خوب صورت نقوش و خیرہ، دوسری وہ جو عقلاً حسن ہو جیسے فائدہ مند اور نفع آور کام، دوا اور پرہیز و غیرہ۔ تیسری وہ جو شرعاً حسن ہوں جیسے ایمان اور اعلیٰ صالحہ امور، "الحسنہ" ہر اس نعمت کو کہتے ہیں جس کے حصول سے انسان اپنی روح، بدن اور احوال میں فرحت اور سرور کو پائے، یہاں "الحسنہ" سے مراد ہے نعمتوں اور پاکی کا سرسبز اور شاداب ہونا اور زمین کا زرخیز ہونا اور "طبیۃ" اس کی ضد ہے یعنی خشک سالی اور قحط۔

بیطیروا: طیر اور تشاءم کا معنی ہے بد شکونی اور بد قفل لگانا، حدیث میں ہے: "لا عدوی ولا طیرۃ" کوئی مرض ہفتہ محدود نہیں ہو تا اور نہ کوئی بد شکونی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۷۵۳، صحیح مسلم، سلام: ۱۰۲، (۲۲۲۰) ۵۶۸۰، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۴، نیز حدیث میں ہے تین چیزوں سے کوئی شخص سلامت نہیں "الطیرۃ والحسد والمطر" بد شکونی، حسد اور بد گمانی، گمان یا پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا: جب ہم بد شکونی لگاؤ تو اپنے کام پر روانہ ہو، اور جب تم حسد کرو تو اس کے درپے نہ ہو اور جب تم بد گمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرو۔ (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۳۷۸۹، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۸۴)

ایک اور حدیث میں ہے الطیرۃ شرک، بد شکونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۰، ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۵۳۸، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۸۹، ۳۹۰) حدیث کا معنی یہ ہے کہ بد شکونی کو موثر حقیقی اعتقاد کرنا شرک ہے اور ہم میں سے ہر شخص کے دس میں بد شکونی کا خیال آتا ہے۔ لیکن اللہ پر توکل سے بد شکونی زائل ہو جاتی ہے۔

قوم فرعون پر پے در پے بلائیں اور آفتیں نازل کرنے کی حکمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: مقرب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے وقفہ وقفہ سے فرعون کی قوم پر عذاب نازل فرمایا تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی جنت پوری ہو، ایک قسم کا عذاب نازل کرنے کے بعد ان کو توبہ کرنے اور رجوع کرنے کا موقع دیا۔ پھر دوسری قسم کا عذاب نازل فرمایا۔ اور اس طرح وقفہ وقفہ سے چھ قسم کا عذاب نازل فرمایا، لیکن جب انہوں نے کسی طرح رجوع نہیں کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا کہ اس نے بنو اسرائیل کے دشمن کو ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر پے در پے مصائب اور بلائیں اس لیے نازل فرمائیں کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور وہ تکلیف اور گھبراہٹ میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ مِنَ الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ  
أُوتِيَ الْكِتَابَ إِلَّا أُولَئِكَ الَّذِينَ هُمْ يُرْجَوْنَ  
أَلَّا يَحْمِلُوا غُرْزَهُمْ فَوْقَ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِ هَٰذَا  
أَلَّا يَحْمِلُوا غُرْزَهُمْ فَوْقَ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِ هَٰذَا



وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو (الرمز: ۸) پکارتا ہے اور آنکھیں دھو کر باہر ہوتا ہے۔

پس جب ان پر خوش حالی آتی تو وہ یہ کہتے کہ یہ ہمارے جب سے ہے اور جب ان پر بد حالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نوحہ قرار دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان کو متنبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو پے پہ پے آہٹیں اور بلائیں نازل کیں ان سے انہوں نے کوئی سبق یا نصیحت حاصل نہیں کی بلکہ ان کا کفر اور سرکشی اور بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ جب بھی ان کو سرزنش اور نصیحت کرنے کے لیے ان پر کوئی مصیبت نازل فرماتا تو وہ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی نوحہ قرار دیتے۔ اسلام نے کسی چیز سے برا شکون نکالنے یا کسی چیز کو منوس سمجھنے کی ہمت مذمت کی ہے، نئی چیز سے نیک شکون تو لیتے تھے لیکن بد شکونی کی آپ نے مذمت فرمائی ہے۔  
قال اور شکون نکالنے کی تحقیق

امام راہزی نے لکھا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو یہود نے اس کو بد شکونی کہا اور کہا ان کے آنے سے چیزیں مہنگی ہو گئیں اور بادشیں کم ہو گئیں۔ عرب بدقل اور بد شکونی کو طائر طیر اور طیر کہتے تھے وہ طائر (پرنده) سے قل نکالتے اور قل نکالنے کے لیے پرنده کو اڑاتے۔ پھر اگر پرنده دائیں جانب سے آتا تو اس کو نیک شکون قرار دیتے اور اگر وہ بائیں جانب سے آتا تو اس کو بد شکون قرار دیتے۔ اس کے بعد مطلقاً بد شکونی کے لیے طائر اور طیر کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۴۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، روح المعانی ج ۷، ص ۳۲، بیروت)  
حضرت بریدہ جوہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے بدقل نہیں نکالتے تھے، آپ جب کسی عامل کو بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر بشارت دکھائی دیتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر پسندیدگی دکھائی دیتی اور جب آپ کسی ہستی میں داخل ہوتے تو آپ اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر بشارت دکھائی دیتی اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر پسندیدگی دکھائی دیتی۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۲۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۳۰، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۷۹۸)  
حضرت ابو ہریرہ جوہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ (بات) سنا جو آپ کو اچھا لگا آپ نے فرمایا: ہم نے تمہارے منہ سے قل لے لی ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۷۷، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۷۹۹)  
حضرت انس بن مالک جوہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے تو آپ کو یہ سننا اچھا لگتا یا راشد (اے ہدایت پانے والے) یا سبیح (اے کامیاب ہونے والے)

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۲۲۰، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۰)  
حضرت عروہ بن عامر قرظی جوہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے بدقل کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا: سب سے اچھی چیز نیک قل ہے اور قل مسلمان کو کسی مہم سے نہیں روکتی، پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی پسندیدہ چیز کو دیکھے تو کہے: اے اللہ! تیرے سوا کوئی شخص اچھائیوں کو نہیں لاسکتا اور تیرے سوا کوئی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا اور گناہوں سے باز رہنا اور نیکیوں کو کرنا تیری عہد کے بغیر ممکن نہیں۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۹۹۹، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۵۸۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا بد شکونی شرک ہے، حضرت ابن مسعود نے کہا: ہم میں سے ہر شخص کو بد شکونی عارض ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس سے سخت پسندیدگی آتی ہے لیکن اللہ پر توکل اس کو ذائقہ رکھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۹۱۰، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۶۴۰، مسند احمد ج: ۱، ص: ۳۸۹، رقم الحدیث: ۳۶۸۷، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۳۸، الادب المفرد: رقم الحدیث: ۹۰۹، جامع الاصول: رقم الحدیث: ۵۸۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی ہوتا ہے نہ کوئی بد شکونی ہے اور مجھ کو نقل پسند ہے، صحابہ نے پوچھا: نقل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھی بات، نیک بات۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۷۵۳، صحیح مسلم: سلام: ۸۰، (۲۲۲۳)، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۹۱۶، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۶۲۱، مسند احمد ج: ۲، ص: ۱۳۰، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۵۳۷، الادب المفرد: رقم الحدیث: ۱۶۱۵، جامع الاصول: رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی ہوتا ہے نہ کوئی بد شکونی ہے، (اور اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو) تین چیزوں میں نحوست ہوتی، گھوڑے میں، عورت میں اور مکان میں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۰۳۳، صحیح مسلم: سلام: ۵۵، (۲۲۲۵)، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۹۲۲، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۲۸۳۳، سنن النسائی: رقم الحدیث: ۳۵۷۱، مسند احمد ج: ۲، ص: ۵۵، طبع قدیم: رقم الحدیث: ۵۱۳۳، طبع جدید: الادب المفرد: رقم الحدیث: ۵۵، جامع الاصول: رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت روضہ بنع بنع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بد شکونی کی وجہ سے اپنی مہم پر نہیں گیا وہ شرک میں آلودہ ہو گیا۔ (مسند ابوداؤد: رقم الحدیث: ۳۰۳۶، مجمع الزوائد ج: ۵، ص: ۱۰۶)

بد شکونی کی ممانعت کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

طیور (بد شکونی) کی اصل وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین طیر (پرندہ) پر اعتقاد کرتے تھے، جب ان میں سے کوئی شخص کسی کام کے لیے نکلتا تو وہ پرندہ کی طرف دیکھتا اگر وہ پرندہ دائیں طرف اڑتا تو وہ اس سے نیک شگون لیتا اور اپنے کام پر روانہ ہو جاتا اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑتا تو وہ اس سے بد شکونی نکالتا اور لوٹ آتا، بعض اوقات وہ کسی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے خود پرندہ کو اڑاتے تھے، پھر جس جانب وہ اڑتا تھا اس پر اعتقاد کر کے اس کے مطابق مہم پر روانہ ہوتے یا نہ ہوتے۔

جب شریعت آگئی تو اس نے ان کو اس طریقہ سے روک دیا، چونکہ مشرکین بد فعل اور بد شگون پر اعتقاد کرتے تھے تو مسلمانوں میں بھی اس کے اثرات آگئے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تین چیزوں سے کوئی شخص غافل نہیں ہوتا، بد شکونی، بد گمانی اور حسد۔ پس جب بد شکونی نکلے تو تم واپس نہ ہونا، اور جب تم حسد کرو تو اس کو طلب نہ کرنا، اور جب تم بد گمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرنا، اور تم اللہ ہی پر توکل کرو، اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی اور امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کلہن کے پاس گیا یا جس نے تیرے قل نکال یا جو شخص بد شکونی کی وجہ سے سفر سے واپس آگیا وہ بلند درجات کو نہیں پاسکتا۔ نیز امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدھگونی نکالنا شرک ہے، آپ نے اس کو شرک اس لیے قرار دیا کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ شگون اور فال کی وجہ سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا کوئی ضرر دور ہوتا ہے گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شگون کو شریک کر لیا اور جس نے بدھگونی کی پروا نہیں کی اور سفر پر روانہ ہو گیا تو اس پر اس بدھگونی کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور۔ ۱۳۰۶ھ)

نیک فال کے جواز کا سبب اور بد فال کو شرک قرار دینے کی توجیہ

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۵۸۶ھ لکھتے ہیں:

بدھگونی یہ ہے کہ انسان کوئی بات سنتا ہے یا کوئی چیز دیکھتا ہے اور اس سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا قصد کیا ہے وہ حاصل نہیں ہو سکے گی اور فال اس کی ضد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کوئی بات سنے یا کوئی چیز دیکھے تو پھر یہ امید رکھے کہ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا قصد کیا ہے وہ حاصل ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا بدھگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور سب سے اچھی چیز فال ہے۔

(صحیح مسلم رقم: ۲۲۲۲، صحیح بخاری رقم: ۲۷۵۵، سنن احمد ج ۲ ص ۲۶۶)

حضرت بریدہ بن حبیب جریجو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدھگون نہیں لیتے تھے لیکن آپ (نیک) فال نکالتے تھے۔ حضرت بریدہ اپنے اہل قبیلہ بنی سہم کے ستر نفر کے ساتھ (ہجرت کے سفر میں) نبی ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا بریدہ اب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف مڑ کر فرمایا: "بردا امرنا و صلح" ہمارا معاملہ ٹھنڈا اور اچھا ہو گیا۔ (آپ نے بریدہ سے مدد کی فال نکال لی اور مدد کا معنی ہے "لننڈا ہو" سعیدی) پھر فرمایا: تم کن لوگوں سے ہو؟ میں نے کہا: "اسلم" سے، آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: "سلمنا" ہم سلامتی سے رہیں گے۔ پھر فرمایا: تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے کہا: بنو سہم سے، آپ نے فرمایا: "خرج سہمنا ہمارا حصہ نکل آیا۔"

(الاستیعاب علی حاشی الاصابہ ج ۱ ص ۱۷۴، اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۹۶)

آپ فال کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ نیک فال سے انشراح نفس (شرح صدر، تسکین قلب) ہو جاتا ہے، اور انسان کو جب یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے گی اور اس کی امید بڑھے گی اور وہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ حسن ظن رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور آپ بدھگونی کو اس لیے ناپسند فرماتے تھے کہ یہ مشرکین کا عمل ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود جریجو سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: بدھگونی شرک ہے اور جو شخص بدھگونی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر نہیں ہے) سوا اس شخص کے جو بدھگونی کے باوجود اپنی مہم پر روانہ ہو جائے اور بدھگونی کی بالکل پروا نہ کرے۔ البتہ انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کے دل میں بدھگونی کا بالکل خیال نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاویہ بن الحکم نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ بدھگونی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو ان کے دلوں میں کھپکتی ہے تو وہ اس کے درپے نہ ہوں، اور بعض روایات میں ہے اس سے ان کو ضرر نہیں ہو گا، لیکن جب انسان اللہ پر توکل کرے تو بدھگونی جاتی رہتی ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا: جب تم بدھگونی نکالو، تو اپنی مہم پر روانہ ہو اور اللہ پر توکل کرو۔ (الکامل ابن ہدی ج ۳ ص ۱۵۲۳)

عورت 'مکان اور گھوڑے میں بد شکونی کی توجیہ

بد شکونی نیک فل کی ضد ہے۔ آپ نے فرمایا: شوم (بد شکونی یا نحوست) کوئی چیز نہیں ہے 'شوم صرف تین چیزوں میں ہے: عورت، گھوڑا اور مکان۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۴، ۵۷۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۳، سنن التسلیٰ رقم الحدیث: ۳۵۷۱)

بعض علماء نے یہ کہا کہ اس حدیث میں نفی کے عموم سے یہ تین چیزیں مستثنیٰ ہیں اور ان تین چیزوں میں فی الواقع شوم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جیسے زمانہ جاہلیت میں شرکیں بعض چیزوں سے بد شکونی لیتے تھے اور ان کو نخوس (بے برکت) کہتے تھے اسی طرح ان تین چیزوں میں نحوست ہے 'اور یہ چیزیں فی الواقع معفرت ہیں' بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی مخصوص مکان یا کسی مخصوص عورت کے متعلق انسان کے دل میں خیال آئے کہ یہ نخوس ہے تو وہ اپنے اطمینان کے لیے دوسرا مکان بدل لے یا دوسری عورت سے نکاح کر لے 'لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی چیز اپنی ذات میں معفرت نہیں ہے اور ہر چیز کا وہی خالق ہے اور اس کی نظیر ہے کہ نئی مچھلی نے فرمایا جذام کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں اور یہ جواب ہر اس چیز میں جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق انسان کے دل میں یہ خیال آئے کہ وہ نخوس ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں جانے سے منع کیا ہے 'اور وہاں کے رہنے والوں کو اس علاقہ سے نکلنے سے بھی منع کیا ہے 'اور اگر مکان، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہو تو اس کو تبدیل کرنے کی رخصت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تین قسم کی چیزیں ہیں؟

پہلی قسم وہ ہے جس سے بالکل ضرر نہیں ہوتا نہ بیش نہ اکثر اوقات نہ بعض اوقات نہ اور ایسی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کا بالکل اعتبار نہیں کیا جیسے کسی سفر میں کوئے کا ملنا یا کسی گھر میں الو بولنا۔ زمانہ جاہلیت میں شرکیں ان چیزوں میں ضرر کا اعتقاد کرتے تھے اور ان کو نخوس اور بد شکون کہتے تھے 'اسلام نے ان کا رد کیا اور کہا ان میں کوئی بد شکونی نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں بالعموم ضرر ہو مثلاً کسی علاقہ میں طاعون ہو یا اور کوئی وبا ہو تو احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اس علاقہ میں جانا نہیں چاہیے اور وہاں سے بھاگنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بھاگنے والے کو ضرر لاحق ہو جائے اور بھاگنے کے سلسلہ میں اس کی محنت و اینگ بھلی جائے۔

تیسری قسم وہ ہے جس کا ضرر بکثرت نہ ہو 'بعض صورتوں میں ہو اور اکثر میں نہ ہو' مثلاً زیادہ عرصہ کسی مکان میں رہنے سے ضرر ہو یا بیوی یا گھوڑے سے کوئی ضرر پہنچے تو اس کو تبدیل کرنے کی رخصت ہے۔

(المجموع ج ۶، ص ۶۳۱-۶۳۶، مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق، بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ دمشقی ابی ہاشم لکھتے ہیں:

بعض روایات اس طرح ہیں 'اگر کسی چیز میں شوم (نحوست) ہو تو وہ عورت، مکان اور گھوڑے میں ہے۔'

(صحیح مسلم، سلام ۱۱۸-۱۱۷)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں قطعیت کے ساتھ بد شکونی یا نحوست نہیں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں ہے لیکن اگر تم میں سے کوئی اپنے مکان میں رہنے کو پسند کرتا ہو تو اس مکان کو تبدیل کر دے اور اگر

کوئی شخص بیوی کو پسند کرتا ہو تو اس کو طلاق دے دے اور گھوڑا پسند نہ ہو تو اس کو فروخت کر دے۔ ایک جواب یہ ہے کہ مکان کی نحوست یہ ہے کہ مکان تنگ ہو یا اس کے پروسی اچھے نہ ہوں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس کے ساتھ جملہ نہ کیا جائیکے اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ اس سے اولاد نہ ہو۔ اور یہ نحوست اس معنی میں نہیں ہے جس معنی میں زمانہ جاہلیت میں لوگ بعض چیزوں سے نحوست اور بدشگونی کا اعتقاد کرتے تھے۔ ان کے نزدیک نحوست اور بدشگونی کا معنی یہ تھا کہ کسی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے انسان کسی چیز کو دیکھ لے یا اس کی آواز سن لے تو پھر وہ کام ہو جائے اور عورت گھوڑے اور مکان میں جس قسم کی نحوست بیان کی گئی ہے یہ وہ نہیں ہے۔ علامہ یہ ہے کہ نحوست کی نفی اور اثبات کے محل الگ الگ ہیں۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ عورت گھوڑے اور مکان میں شوم کا معنی حیدر (بدشگونی یا نحوست) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کی طبیعت کے موافق نہ ہوں عورت کی سعادت یہ ہے کہ وہ صالحہ (نیک) ہو اور مکان کی سعادت یہ ہے کہ وہ وسیع ہو اور گھوڑے کی سعادت یہ ہے کہ اس پر آسانی سے سواری ہو سکے اور ان کی شعلات یہ ہے کہ یہ چیزیں اچھی نہ ہوں علامہ ایسی نے یہ کہا ہے کہ ان تین چیزوں میں شوم نہیں ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں شوم ہو سکتی ہے تو ان تین چیزوں میں ہو سکتی تھی کیونکہ انسان ان چیزوں کے ساتھ زیادہ رہتا ہے تو اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی اور جب ان میں نحوست نہیں ہے تو کسی چیز میں نحوست نہیں ہے۔

(اکمال اکمال العلم ج ۷ ص ۲۲۹-۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض لوگ بعض دلوں یا بعض مبینوں کو منوس سمجھتے ہیں یا بعض کام بعض دنوں میں اچھا نہیں جانتے اور اس سلسلہ میں بعض ضعیف یا بعض موضوع روایات بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان احادیث صحیحہ کے سامنے یہ تمام امور باطل ہیں تمام دن اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور کسی میں کوئی نحوست نہیں ہے اور اس طرح کا عقیدہ رکھنا زمانہ جاہلیت کے مشرکین کے عقائد کی طرح ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کے عقائد سے محفوظ رکھے۔  
بدشگونی لینا کفار کا طریقہ ہے

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص یا کسی چیز کو منوس قرار دینا کفار کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

توبہ انہیں خوشحال پہنچتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر انہیں کوئی بد حالی پہنچتی تو اسے (موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے سنو ان (کافروں) کی نحوست اللہ کے نزدیک (مقدور) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

(کافروں نے) کہا ہم نے تم سے برا شگون لیا ہے اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سزا کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

(کافروں نے حضرت صالح سے) کہا: ہم نے آپ کے ساتھیوں سے برا شگون لیا ہے۔ (حضرت صالح نے) فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا ہو۔

فَإِذَا جَاءَ ثَمُومُ الْحَسَنَةِ قَالُوا آلَسَا هِدِيهِ وَلَوْ  
تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَنْظُرُوا بِمُؤْمَسِي وَمَنْ تَعْمَهُمْ أَلَا  
إِنَّمَا ظَنُّهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا  
يَعْلَمُونَ۔ (الاعراف: ۷۳)

قَالُوا إِنَّا نَطْهَرُكَ بِكُمْ لَوْ أَنَّكُمْ تَسْتَهْوُوا  
لَسَرَّحْنَكُمْ وَلَسَنَنَّاكُمْ بِبِئْسَ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ (یس: ۱۸)

قَالُوا أَظَلَّيْنَا بِكَ وَبِمَنْ تَمَعَكَ قَالَ  
ظَهَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ۔ (النمل: ۳۷)



کسی چیز سے بدشگونی لینے یا کسی دن کو منحوس قرار دینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات  
علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطبری المتوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

(نیک) فعل نکالنے کی رخصت ہے اور طہر (بدشگونی) منع ہے۔ اگر کوئی انسان کسی چیز کو دیکھے اور وہ اس کو اچھی لگے اور وہ اس کو اپنی حاجت یا مہم پر جانے کے لیے اجماعے تو وہ اس پر عمل کرے اور اگر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس کو منحوس شمار کیا جاتا ہو اور وہ اس کو اس کی مہم پر جانے سے منع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مہم پر اور اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے روانہ ہو جائے اور اگر اس نے اس بدشگونی کو قبول کر لیا اور اپنی مہم پر روانہ نہیں ہوا تو یہ طہر (بدشگونی) ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸، ص ۳۱۳-۳۱۴، مطبوعہ دار الفکر، کراچی ۱۳۱۳ھ)

سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں ہے الطیرۃ (بدشگونی لینا) شرک ہے، آپ نے اس کو اس لیے شرک فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین جن چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے ان کو نکالی اور ہماروی کے حصول میں سبب موثر خیال کرتے تھے اور یہ شرک جلی ہے اور اگر ان چیزوں کو من جملہ اسباب قرار دیا جائے تو پھر یہ شرک خفی ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸، ص ۳۲۰)

حضرت سعد بن مالک جو پیش بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی چیز میں شوم (نخوست) ہو تو وہ ممکن گھوڑے اور عورت میں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۲۱، صحیح مسلم، سلام ۱۱۸-۱۱۷، شرح السنن ج ۶، ص ۲۷۳، مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۰)

اس حدیث میں شوم کا معنی نخوست نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے جو چیز شریعت اور طبیعت کے مخالف ہو اور ممکن میں شوم یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور اس کے ہڈی اٹھنے نہ ہوں اور عورت میں شوم یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو یا بد زبان ہو اور گھوڑے میں شوم یہ ہے کہ اس پر جملہ نہ ہو سکے یا وہ اذیل ہو یا مت منگا ہو اس کی تائید علامہ بغوی کی اس عبارت سے ہوئی ہے:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنا ممکن رہائش کے لیے پسند ہو یا بیوی سے صحبت پسند ہو یا گھوڑا پسند نہ ہو تو وہ ان کو تبدیل کر لے حتیٰ کہ اس کی پسندیدگی زائل ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت انس جو پیش بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا ہم پہلے ایک گھر میں رہتے تھے ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ہمارا مال بھی بہت زیادہ تھا پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہو گئے ہماری تعداد بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی کم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس گھر کو چھوڑ دو در آنحالیکہ یہ مذموم ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۴۳، سنن بیہقی ج ۸، ص ۳۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۷۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے من کو اس ممکن سے اس لیے ختم ہونے کا حکم دیا کیونکہ وہ لوگ اس گھر میں رہنے سے متوحش اور متطہر تھے اور وہ ان کے مزاج کے موافق نہ تھا نہ اس لیے کہ اس ممکن میں فی غنہ کوئی نخوست تھی۔

(شرح السنن ج ۶، ص ۲۷۳)

علامہ طہی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے اس حدیث کا یہ معنی کیا ہے کہ اگر کسی چیز میں شوم ہوتی تو ان تین چیزوں میں شوم ہوتی اور جب ان میں شوم نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں شوم نہیں ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸، ص ۳۲۱، مطبوعہ کراچی)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۷۷۱ھ لکھتے ہیں:

نہی ﷺ نے طہر کو اس لیے باطل کہا ہے کہ نفع یا ضرر پہنچانے میں کسی چیز کی تاثیر نہیں ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کام پر جائے خواہ قال اس کے موافق ہو یا مخالف وہ اپنے رب پر توکل کر کے اپنی مہم پر روانہ ہو زمانہ جاہلیت میں لوگ

مفر کے سینہ کو منہس قرار دیتے تھے تو نبی ﷺ نے اس کو باطل فرمایا اور فرمایا: لا صفر.....

(شرح السنہ ج ۶ ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سینہ کا آخری بدھ دائمی منہس

ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۰۵ الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۷۵)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ رقم ۸) اور بعض علماء نے اس کو موضوع کہا ہے۔

(سلسلہ الاحادیث الضعیفہ رقم ۱۵۸۱) علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف اور وضع سے خالی نہیں۔

(الامالی المصنوعہ ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۹)

علامہ شمس الدین عبدالرؤف السنوی الشافعی المتوفی ۷۴۱ھ لکھتے ہیں:

اس دن کا منہس ہونا تلخ کی جہت سے نہیں ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے تمام ایام اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور

بعض ایام کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اور تلخ (بدشگونی) امور دین میں سے نہیں ہے بلکہ یہ فعل جاہلیت سے ہے

نبوی کہتے ہیں کہ بدھ کا دن عطار کا دن ہے اور عطار منہس ستارہ ہے اور ان کا یہ قول دین سے خارج ہے یہ دن قوم عاد کے

لئے نامبارک تھا کیونکہ اس دن ان پر عذاب آیا تھا۔ سو اس دن کو منہس فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اللہ سے ڈرنا چاہیے

کیونکہ اس دن اللہ کا عذاب آیا تھا اور اللہ سے بکھڑت توبہ اور استغفار کرنا چاہیے جس طرح نبی ﷺ جب انجیر میں گئے تو آپ

نے فرمایا ان معذبین کے پاس سے روٹے ہوئے گزرنا اول تو یہ حدیث سند ضعیف یا موضوع ہے اور یہ ان احادیث صحیحہ سے

تصادم اور تعارض کی صلاحیت نہیں رکھتی جن میں یہ تصریح ہے کہ کسی چیز میں شوم یا نحوست نہیں ہے اور بر تقدیر تسلیم اس کی

بھی تاویل ہے کہ یہ دن قوم عاد کے لئے نامبارک ثابت ہوا تھا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ قیامت تک کے لئے یہ دن ہر شخص

کے لئے نامبارک ہے علامہ شاہی نے دہلوی کی سند ضعیف سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ جس نے بدھ کے دن ناخن تراشے

اس سے دوسو اور خوف نکل جاتا ہے اور اس کو اس اور شفا حاصل ہوتی ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۰)

اور مشاہج الحلی میں اور شعب الیستی میں یہ حدیث ہے کہ بدھ کے دن زوال کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اور صاحب

الہدایہ نے کتب تعلیم و محکم میں لکھا ہے کہ بدھ کے دن جو کام شروع کیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ علامہ منلوی نے بدھ کی

سعادت اور برکت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے ہفتہ کے دنوں میں سے ہر

دن میں کوئی نہ کوئی مصیبت اور آفت نازل ہوئی اور ہر دن میں کوئی نہ کوئی نعمت ملی ہے اس لئے کوئی دن بھی منہس نہیں ہے

تمام دن اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کسی دن بھی کوئی کام کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے اور جن

روایات میں بعض ایام کی نحوست کا ذکر ہے وہ موضوع ہیں یا شدید ضعیف ہیں۔

(ایضاً القدر ج ۱ ص ۸۶-۸۹ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ بدشگونی کی وجہ سے اپنے مطلوبہ کاموں کو کرنے سے رک جاتے تھے شریعت اسلام نے بدشگونی کو

باطل کیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ خبر دی کہ کسی نفع کے حصول یا کسی ضرر کے دور کرنے میں شگون کا کوئی اثر نہیں ہے۔

(محہ القاری ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار البیاعۃ المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ)

طاعی قاری حنفی متوفی ۱۰۳۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”بدشگونی لینا شرک ہے“۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بدشگونی کے قحطے پر عمل کرنے سے ان کو نفع حاصل ہوتا ہے یا ان سے ضرر دور ہوتا ہے اور جب انہوں نے اس کے قحطے پر عمل کیا تو گویا انہوں نے شرک کیا اور یہ شرک خفی ہے اور اگر کسی شخص نے یہ اعتقاد کیا کہ حصول نفع یا دفع ضرر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز مستقل موثر ہے تو یہ شرک جلی ہے آپ نے اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ جس چیز سے انہوں نے بدقلبی ہے وہ مصیبت کے نازل میں موثر سبب ہے اور بالعموم ان اسباب کا لحاظ کرنا شرک خفی ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ جہالت اور سوء اعتقاد بھی ہو تو اس کا شرک خفی ہونا اور بھی واضح ہے۔

(مرقات ج ۹ ص ۶۰ مطبوعہ مکتبہ اہل ادبہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی خفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

نیا بچہ نے فرمایا ”لا طیرۃ“ یعنی حصول نفع اور دفع ضرر میں بدشگونی لینے کی کوئی تاثیر اور دخل نہیں ہے اور بدشگونی نہیں لینا چاہیے اور نہ اس کا اعتبار کرنا چاہیے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا شریعت نے اس کو سبب نہیں بنایا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۲۰ مطبوعہ نج کار لکھنؤ)

نیر شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

نیا بچہ نے فرمایا ”لا صفر“ بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد ما صفر ہے جو محرم کے بعد آتا ہے عام لوگ اس ماہ کو مصیبتوں، بلاؤں اور آفتوں اور حادثوں کا مہینہ قرار دیتے تھے یہ اعتقاد بھی باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۲۰ مطبوعہ لکھنؤ)

بقیہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن راشد سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ”لا صفر“ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: لوگ ما صفر کے دخول کو منہوس کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا صفر“ یعنی صفر میں نحوست نہیں ہے۔

(مرقات ج ۹ ص ۴۲ مطبوعہ لبنان)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی دن کو منہوس، ماسعود اور مبارک خیال کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل دہلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ منہوس ہے اگر اس کی منہوس صورت دیکھ لی جائے یا کسی کام کو جاتے ہوئے وہ سامنے آجائے تو ضرور دقت اور پریشانی ہوتی ہے اور یہ بات بار بار کے تجربہ سے ثابت ہے تب اگر کہیں کام کو جاتے ہوئے وہ سامنے آجائے تو لوگ اپنے منہوس پر دہمیں آجاتے ہیں اور کام پر نہیں جاتے۔ اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں لوگوں کا وہم سامنے آتا ہے شریعت میں حکم ہے ”ادا تطیرتم فامضوا“ جب کوئی شگون بدگمان میں آئے تو اس پر عمل نہ کرو وہ طریقہ شخص ہندوانہ ہے مسلمانوں کو ایسی جگہ چاہیے کہ ”اللہم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الہ الا غیرک“ پڑھ لے اور اپنے رب پر بھروسہ کر کے اپنے کام کو چلا جائے ہرگز نہ رکے نہ واپس آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۹ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بدشگونی کے سلسلہ میں خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی دن ماسعود اور مبارک نہیں ہے اسی طرح تمام انسان اور اشیاء اللہ کی پیدا کردہ ہیں اور ان میں سے کوئی چیز منہوس نہیں ہے اور حوادث، آفات، بلاؤں اور مصائب کے نازل ہونے میں

کسی چیز کا دخل نہیں ہے۔ بیماریوں، آفتوں اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا تعلق ملکوں اور تقدیر سے ہے، دن اور کسی شے کا کسی شر کے حدوث اور کسی آفت کے نزل میں کوئی دخل اور اثر نہیں ہے، ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بس اسی لیے کسی بھی جائز صحیح کلم کو کسی دن اور کسی چیز کی خصوصیت کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں ہے اور کوئی دن اور کوئی چیز منحوس، نامسعود اور بے مبارک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا (اے موسیٰ) آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لیے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی دل جو انہیں اور مینڈک اور خون در آنجا لیکہ یہ الگ الگ نشانیں تھیں، انہوں نے تکبر کیا اور وہ بھی مجرم قوم۔ (الاعراف: ۱۳۲-۱۳۳)

قوم فرعون پر طوفان اور ٹڈی دل وغیرہ بھیجنے کا عذاب

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت اور گمراہی بیان کی تھی کہ انہوں نے خشک مٹی، قحط اور پھلوں کی کم پیداوار کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی فحوت (العیاذ باللہ) کی طرف منسوب کیا اور یہ نہ جانتا کہ بارش کا نہ ہونا اور قحط اور پھلوں کا کم پیدا ہونا زیادہ ہو گا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور ان سب چیزوں کا اللہ تعالیٰ خالق ہے کسی مخلوق میں اس کا دخل نہیں ہے، اور اس آیت میں ان کی ایک اور جہالت اور گمراہی بیان فرمائی ہے کہ وہ معجزہ اور معجز میں فرق نہیں کرتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاشی جو اڑ رہا بن گئی تھی اس کو حرکت دیتے تھے، حالانکہ ان کے تمام بڑے بڑے ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے سامنے عاجز ہو چکے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب فرعون کی قوم نے یہ کہا اے موسیٰ آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لیے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج تھے، اس وقت انہوں نے قوم فرعون کے خلاف دعاء ضرر کی: اے میرے رب! تیرا بندہ فرعون زمین میں بہت تکبر اور سرکشی کر رہا ہے اور اس کی قوم نے میرے حمد کو توڑ دیا ہے، اے میرے رب! ان پر عذاب نازل فرما جو ان کے لیے عذاب ہو اور میری قوم کے لیے نصیحت ہو اور بعد والوں کے لیے نشانی اور عبرت ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا اور وہ زبردست طوفانی بارش تھی جس سے ان کے گھروں میں پانی بھر گیا، بنو اسرائیل اور قبیلوں کے گھر طے چلے تھے، قبیلوں کے گھر تو پانی سے بھر گئے حتیٰ کہ ان کی گردلوں تک پانی پہنچ گیا۔ ان میں سے جو شخص بیشتادہ پانی میں ڈوب جاتا اور بنو اسرائیل کے گھروں میں پانی کا ایک قطرہ بھی داخل نہیں ہوا، اور قبیلوں کی زمینوں پر پانی جمع ہو گیا وہ کھیتی باڑی اور دیگر کوئی کام نہ کر سکے، ایک سیچر سے دوسرے سیچر تک یہی کیفیت رہی، تب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہم کو اس بارش کے طوفان سے نجات دے دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو ان سے وہ طوفان اٹھایا گیا، اور اس سال ان کی بہت اچھی فصل ہوئی ایسی کبھی نہ ہوئی تھی، ہر طرف سبزہ پھیل گیا اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔ تب قبیلوں نے کہا: یہ پانی تو ہمارے حق میں نعمت تھا اس سے ہماری فصل اچھی ہوئی اور ہمارے درخت پھلوں سے لد گئے، سو وہ ایمان نہیں لائے اور ایک مہینہ تک آرام اور عافیت سے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کے بادل بھیجے انہوں نے ان کی تمام فصلوں، پھلوں، حتیٰ کہ درختوں تک کو چاٹ لیا۔ بلکہ انہوں نے دروازوں کو مکان کی چھتوں کو ہر قسم کی لکڑی کو ان کے ساز و سامان کو، کپڑوں کو حتیٰ کہ دروازوں کی کیلوں تک کو کھا لیا، وہ ٹڈیاں ہر چیز کو کھا رہی تھیں اور ان کی بھوک فتم نہیں ہو رہی تھی۔ تب قبلی بہت قحط چلائے اور بہت فریاد کی اور کہا اے موسیٰ! آپ سے آپ کے

رب نے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کے واسطے اپنے رب سے دعا کیجئے اگر اس نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے بہت سخت وعدہ کیا اور بہت ہی قسمیں کھائیں۔ ان پر مڈیوں کا یہ عذاب ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مڈیوں کا یہ عذاب دور کر دیا۔ بعض احادیث میں ہے کہ مڈیوں کے سینہ پر لکھا ہوا تھا "حسب اللہ الاعظم" اللہ کا عظیم لشکر

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا فصاعداً مشرق سے مغرب کی طرف گھمائی تو مڈیاں جہاں سے آئی تھیں وہیں واپس چلی گئیں۔ ان کے کھیتوں میں جو بچا کھپا غلہ باقی رہ گیا تھا انہوں نے کما یہ بھی کافی ہے اور ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور اپنی بد اعمالیوں پر ڈٹے رہے۔ سو وہ ایک ماہ تک عاقبت سے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قتل بھیج دیں۔ قتل کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ گندم کے جو سرسبیاں وغیرہ نکلتی ہیں وہ قتل ہیں۔ مجاہد 'سدی' قلوہ اور کلبی وغیرہ نے کہا ہے کہ قتل بنجر پودوں کی مڈیاں ہیں۔ بعض نے کہا وہ چنبر کی ایک قسم ہیں اور بعض نے کہا وہ جو نہیں ہیں اور بعض نے کہا وہ ایک قسم کا کیرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: وہ شہر سے باہر بستیوں کے پاس کسی بوے نیلے کے پاس جائیں اور اس نیلے پر اپنا عصا ماریں۔ عصا مارنے سے اس نیلے کے اندر سے وہ کیرے (قتل) پھوٹ پڑے وہ ان کے بچے کھجے کھیتوں کو کھا گئے وہ ان کے کپڑوں میں گھس گئے۔ ان کا کھانا ان کیروں سے بھر جاتا۔ وہ ان کے بالوں میں، ان کی پلکوں میں، ان کی بھنوں میں گھس گئے۔ وہ ان کے ہونٹوں اور ان کی کھالوں میں گھسنے لگے۔ ان کا چین و قرار جاتا رہا۔ وہ سو نہیں سکتے تھے۔ بلا آخر وہ بے چین اور بے قرار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور رورہ کر فریاد کی اور کہا ہم توبہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب اٹھالے۔ ان پر سات دن یہ عذاب رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو ان سے یہ عذاب اٹھالیا گیا۔ لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور دوبارہ برے اعمال شروع کر دیے اور کہنے لگے کہ ہم یہ یقین کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک جلودگر ہیں جنہوں نے ریت کے نیلے کو قتل سے بدل ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب بھیجا۔ جس سے ان کے گھر اور ان کے محن بھر گئے۔ ان کے کھانے اور کھانے کے برتن مینڈکوں سے بھر گئے۔ وہ جب بھی کسی کھانے کے برتن کو یا کھانے کو کھولتے تو اس میں مینڈک بھرے ہوئے ہوتے۔ جب کوئی شخص بیٹھا تو مینڈک اچھل کر اس کی ٹھوڑی پر چڑھ جاتے اور جب وہ ہلت کرنا چاہتا تو مینڈک پھدک کر اس کے منہ کے اندر چلے جاتے۔ وہ ان کی دیکھوں میں اچھل کر چلے جاتے اور ان کا کھانا خراب کر دیتے اور ان کی آگ بجھا دیتے۔ وہ جب سونے کے لیے کروٹ لیتے تو دوسری جانب مینڈکوں کا زہر لگ جاتا اور وہ کروٹ نہ بدل سکتے۔ وہ منہ میں نوالہ ڈالنے کے لیے منہ کھولتے تو نوالہ سے پہلے مینڈک منہ میں چلا جاتا۔ وہ آٹا گوندھتے تو آٹے میں مینڈک لتھڑ جاتے۔ اور جب وہ سالن کی دیگی کھولتے تو وہ دیگی مینڈکوں سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔

حضرت عباس نے فرمایا: پہلے مینڈک خشکی کے جالور تھے لیکن جب انہوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی اور جوش کھاتی ہوئی دیگی میں پھدک کر چلے جاتے اور بھڑکتے ہوئے خور میں چھلانگ لگا دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھی اطاعت کی وجہ سے ان کو پانی کا جانور بنا دیا۔ قبطیوں پر ایک ہفتہ تک مینڈکوں کا عذاب رہا۔ وہ پھر روتے پینتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور بہت معافی مانگی اور توبہ کی اور قسمیں کھائیں اور بہت بکے وعدے کیے کہ وہ اب وعدہ نہیں توڑیں گے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کا عذاب اٹھالیا۔ اور وہ ایک ماہ تک آرام اور عاقبت کے ساتھ رہے۔ پھر انہوں نے اپنے وعدوں اور قسموں کو توڑ دیا اور اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر ان کے



خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا، پھر دریائے نیل میں خون بہنے لگا۔ ان کے گھروں میں رکھا ہوا پانی خون بن گیا۔ وہ کنوؤں اور نہروں سے جو پانی لاتے تھے وہ سرخ رنگ کا کڑھا خون ہوتا تھا۔ انہوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اب تو ہمیں پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہے۔ فرعون نے کہا کہ یہ موسیٰ کا جادو ہے، قبیلوں نے کہا یہ جادو کہاں سے ہو گیا ہمارے تمام برتنوں میں سرخ سیال خون بھرا ہوا ہے، پھر فرعون نے قبیل اور اسرائیلی کو جمع کیا قبیل کے پیالہ میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے پیالہ میں پانی ہوتا، پھر جب قبیل اسرائیلی کا پیالہ لے کر پانی پینا چاہتا تو اس کے منہ کے پاس جا کر خون بن جاتا، وہ پانی کے ٹکڑوں کو دیکھتے تو قبیل کے ٹکڑے میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے ٹکڑے میں پانی ہوتا حتیٰ کہ پیاس سے مجبور ہو کر قوم فرعون کی عورت اسرائیلی کے پاس جا کر پانی مانگتی۔ اسرائیلی اس کو پیالے میں پانی دیتا لیکن قبیل عورت جب اس سے پیالہ کو پکڑتی تو وہ خون بن جاتا۔ پھر وہ عورت اسرائیلی سے کہتی کہ تم میرے منہ میں اس پانی کی کلی کر دو، جب اسرائیلی کلی کرتا تو قبیل کے منہ میں پہنچ کر وہ پانی خون بن جاتا اور فرعون کو جب پیاس لگتی تو وہ درختوں کی تر چھل کو چباتا اور اس میں سے سخت کھار اور کڑوا پانی نکلتا۔ وہ سات دن تک اس سخت عذاب میں مبتلا رہے اور خون کے سوا کوئی چیز نہ پی سکے۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس روٹے پیٹتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے اس عذاب کو اٹھالے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب اٹھالیا، ان پر طوفان، ٹڈی دل، سرمیوں، مینڈکوں اور خون کا عذاب پے پے آیا، ہر عذاب کا دورانیہ سات دن تھا۔ اور دو عذابوں کے درمیان عافیت کا وقت ایک ماہ تھا۔ لیکن ہر قسم کا عذاب بھگتے کے باوجود وہ راہ راست پر نہیں آئے اور وہ ایمان لانے سے تکبر کرتے رہے اور دراصل وہ تھے ہی مجرم لوگ۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۸۰-۲۸۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۱۵۳۹-۱۵۴۲، جامع البیان ج ۹ ص ۳۶۰-۳۶۱، زاد المسیر ج ۳ ص ۲۵۱-۲۵۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۵۲۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ قوم فرعون ایمان نہیں لائے گی تو پھر اسے معجزات دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟

امام رازی نے اس کے دو جوابات دیے ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے جو چاہے کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس قدر معجزات دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم کی فسقوت اور قسوت دکھانا چاہتا تھا، کیونکہ اس قوم کو بعد میں سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بار بار نشانیاں دکھا کر اپنی حجت پوری کی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ قوم فرعون کو غرق کر دیا گیا اگر ان کو موقع دیا جاتا تو ہو سکتا تھا وہ ایمان لے آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بار بار مواقع دیے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی اور تکبر قائم رہے اور ایمان نہ لائے۔

علامہ قرطبی مالکی متونی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اسرائیل نے ازساک ازئوف شامی روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساحلوں پر غلبہ پانے کے بعد چالیس سال تک رہے اور بیس سال تک انہیں مختلف معجزات دکھاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بناء پر ہمارے حق میں دعا کیجئے، اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور

آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو روانہ کر دیں گے ○ پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک پہنچنا ان کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے ○ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے ○

ستر ہزار فرعونوں کا طاعون میں مبتلا ہونا

اس آیت میں رجز کا ذکر کیا ہے اس کا معنی عذاب ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس عذاب سے مراد وہی پانچ قسموں کا عذاب ہے جس کا اس سے پہلی آیت میں ذکر فرمایا ہے یعنی طوفان، مذبذبوں اور قتل وغیرہ کا عذاب اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد طاعون ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا رجز سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر مذبذبوں اور سرسریوں کی صورت میں مسلط کیا گیا تھا وہ ہر بار یہ عہد کرتے تھے کہ اگر ان سے یہ عذاب دور کر دیا گیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور ہر بار اس عہد کو توڑ دیتے تھے۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں جب قوم فرعون پر ان مذکورہ پانچ قسموں کا عذاب آپکا اور وہ ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا: تم میں سے ہر شخص ایک مینڈھاؤں کرے پھر اس کے خون سے اپنی پھلی کو رنگ لے پھر اپنے دروازے پر وہ ہاتھ مارے۔ قبطیوں نے بنو اسرائیل سے پوچھا: تم اپنے دروازوں پر یہ خون کیوں لگا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر ایک عذاب بھیجے گا جس سے ہم سلامت رہیں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ قبطیوں نے کہا: تو اللہ تعالیٰ تم کو صرف ان علامات سے پہچانے گا؟ انہوں نے کہا: ہم کو ہمارے نبی نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ پھر صبح کو فرعون کی قوم کے ستر ہزار افراد کو طاعون ہو چکا تھا اور شام کو وہ سب مر چکے تھے اور ان کو دفنایا بھی نہیں گیا۔ اس وقت فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کیجئے اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو روانہ کر دیں گے ○ پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک عذاب پہنچنا ان کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے ○

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں رجز سے مراد ان مذکورہ پانچ قسموں کا عذاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد طاعون کا عذاب ہو۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہاں رجز سے کون سا عذاب مراد ہے۔ عقائد میں تقلید کا مذموم ہونا اور فروع میں تقلید کا ناگزیر ہونا

اس کے بعد فرمایا: پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون سے متعدد بار عذاب کو دور کیا لیکن وہ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے اور وہ بالآخر اس مصلوہ پر پہنچ گئے جو ان کو ڈھیل دینے کی آخری حد تھی۔ انتقام کا معنی ہے نعت سلب کرنا اور سزا دینا اور ”کلم“ کا معنی ہے سمندر۔ امام رازی نے کشاف کے حوالہ سے لکھا ہے ”یم“ کا معنی ہے بست گہرا سمندر جس کی گہرائی کا اندازہ نہ کیا جاسکے۔ غفلت کا معنی ہے قوت حافظہ، حاضر دماغی اور بیدار مغزی میں کمی کی وجہ سے سو کاٹاری ہونا اور انسان کا کسی چیز کو بھول جانا۔ (المفردات ج ۲، ص ۳۶۸، مطبوعہ مکتبہ زہد، مصطفیٰ بہار، مکہ مکرمہ) اب یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ غفلت انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے تو پھر غفلت کی وجہ سے ان کو کیوں سزا دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ضیاء القرآن

ہے ہم نے ان کو سمندر میں اس لیے غرق کر دیا کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غفلت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے تھے اور لاپرواہی برتتے تھے اور ان سے کوئی سبق اور نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے۔ ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں ان کو سزا دینے کے دو سبب بیان کیے ہیں۔ ایک آیات کی تکذیب کرنا اور دوسرا ان سے لاپرواہی برتنے۔ حالانکہ ان کے علاوہ وہ اور بہت سارے گناہ کرتے تھے مثلاً بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور ان سے بلاوجہ بے گار لیتے تھے اور زمین میں طرح طرح سے فساد کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ ان کو صرف ان ہی دو سیوں سے سزا دی گئی ہے اور ان دو سیوں کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ تمام فساد اور گناہوں کی جڑ یہ دو چیزیں تھیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے اور ان نشانیوں سے سبق حاصل کرتے تو دوسرے گناہوں میں نہ پڑتے۔

امام رازی نے فرمایا ہے: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بلا دلیل اندھی عقیدہ کرنا مذموم اور باطل ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کلی کلی اور واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود کفر میں فرعون کی عقیدہ کرتی تھی۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۴۸، مطبوعہ ہمدان)

اہل سنت جو ائمہ اربعہ کی عقیدہ کرتے ہیں اس پر اس آیت سے اعتراض نہیں ہوتا۔ اولاً اس لیے کہ اس آیت میں اصول میں عقیدہ کی مذمت ہے اور اہل سنت اصول میں ائمہ کی عقیدہ نہیں کرتے بلکہ اصول (یعنی توحید اور رسالت) کو دلائل سے مانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور عقائد میں سب متفق ہیں اور فروع میں ائمہ کی عقیدہ کرتے ہیں اور اس عقیدہ کا یہ معنی ہے کہ احکام فرمیدہ پر عمل کا جو طریقہ ہمارے امام نے کتاب اور سنت سے مستنبط کیا ہے اس میں ظن غالب یہ ہے کہ وہی صحیح ہے۔ اور دوسرے امام کا طریقہ خطا پر مبنی ہے لیکن ہمارے امام کے اجتہاد میں غلطی ہو اور دوسرے امام کا اجتہاد صحیح ہو لیکن اجتہادی غلطی پر مواخذہ نہیں ہوتا اور اس پر ہر مل ایک اجر ملے گا۔ اس کے برخلاف عقائد میں عقیدہ نہیں ہوتی نہ ان میں ائمہ کا اختلاف ہوتا ہے اور ثانیاً اس لیے کہ ہم ائمہ کی اندھی عقیدہ نہیں کرتے انہوں نے احکام فرمیدہ پر عمل کرنے کے جو طریقے کتاب اور سنت سے اخذ کیے ہیں ان سب پر قرآن اور حدیث سے دلائل موجود ہیں جن پر مفصل کتابیں دستیاب ہیں۔ اس کے باوجود ائمہ نے کہا ہے کہ اگر ہمارا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ اور ایک عالم انسان کو اتنا علم نہیں ہوتا کہ وہ از خود احکام فرمیدہ پر عمل کرنے کے طریقوں کو کتاب اور سنت سے لکل سکے بلکہ اس کو قرآن مجید کی تمام آیات کے معانی کا ہی علم نہیں ہوتا اور نہ اس کی نظر میں تمام احادیث ہوتی ہیں نہ ان کے معانی کا علم ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے امام کی عقیدہ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث

بنادیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور بنو اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے مبر

کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بھائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الاعراف: ۷: ۳۱)

بنو اسرائیل کو شام پر قابض کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا تھا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو

زمین میں ان کا جانشین بنادے گا۔ (الاعراف: ۷: ۳۲) اور یہاں جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس نے قوم فرعون کو سمندر میں

غرق کر کے اس کو سزا دے دی ہے اور موسیٰ کو یہ بھلائی پہنچائی کہ ان کو برکتوں والی سرزمین کا وارث بنادیا

فرمایا: جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔ بنو اسرائیل کو اس لیے کمزور سمجھا جاتا تھا کہ فرعون ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور ان سے جزیہ لیتا تھا اور ان سے سخت مشکل اور دشوار کام بہ طور بیگار کراتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا۔

وہ سرزمین جس کے مشرق اور مغرب میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق کون سی زمین ہے؟  
امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ، امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ نے لکھا ہے اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (تفسیر امام عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۲۷ جامع البیہین ج ۱ ص ۵۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۵)  
حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے امام عبد بن حمید، امام ابن المنذر اور امام ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام غزالی رازی متوفی ۵۰۶ھ نے لکھا ہے اس سے مراد شام اور مصر ہے۔ کیونکہ مصر بنی فرعون علیہ السلام کے قبضہ اور تصرف میں تھا اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق صرف شام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۴۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس سرزمین سے مراد "ارض مقدسہ" ہے۔ جس کے متعلق فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ بنو اسرائیل کو اس زمین میں لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سرزمین ان کے باپ دادا کا وطن ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کو اس سرزمین میں لے جائیں گے جہاں ان کے باپ دادا رہتے تھے یا ملاقہ کی ہلاکت کے بعد ان کو اس سرزمین میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس وقت وہ سرزمین ملاقہ کے قبضہ میں تھی۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۳۷، طبع بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو مصر میں متعین کیا اور ملاقہ کی شکست کے بعد ان کو شام میں متعین کر دیا اور ان کے باپ دادا کا وطن شام تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی ان کے آباء میں سے تھے جنہوں نے مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی، یعنی مصر اور شام دونوں ان کے باپ دادا کے وطن تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان دونوں ملکوں کا بتدریج وارث کیا پہلے مصر کا اور پھر شام کا۔ یہ سرزمین ظاہری اور باطنی برکتوں سے مالا مال تھی۔ ظاہری برکت یہ تھی کہ یہ زمین زرخیز تھی۔ باہمت کی کثرت اور پانی کی فراوانی تھی اور باطنی برکت یہ تھی کہ شام میں کثیر انبیاء کی قبریں تھیں اور مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تھی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل کو سرزمین فلسطین کا وارث بنادیا گیا تھا۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ لاہور)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام عبدالرزاق، امام ابوالشیخ اور امام ابن عساکر نے لکھا ہے اس سرزمین سے مراد شام ہے۔

امام ابوالشیخ نے عبد اللہ بن شوزب سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔

## سرزمین شام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ترمذی، امام رویانی، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے، اچانک آپ نے فرمایا: شام کے لیے خیر اور سعادت ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کس لیے؟ آپ نے فرمایا: رحمن کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

امام احمد، امام ابو داؤد، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن حوالہ الازدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب تم مختلف لشکر دیکھو گے ایک لشکر شام میں، ایک لشکر عراق میں اور ایک لشکر یمن میں۔ حضرت حوالہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے کوئی جگہ منتخب کیجئے، آپ نے فرمایا: تم شام میں لازار ہو اور جو وہاں نہ رہے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عمد فگنی کرے اس کو ٹکالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

امام ابن عساکر نے واسطی بن الاسقع سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم شام میں لازار ہو وہ اللہ کے شہروں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے، اس میں اللہ کے سب سے زیادہ نیک بندے رہتے ہیں اور جو وہاں نہ رہ سکے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عمد فگنی کرے اس کو ٹکالے۔ کیونکہ اللہ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگوں پر ایسا زائد آئے گا کہ ہر ایمان والا شام میں چلا جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وعدہ بریق اور برکتیں شام کی طرف ہجرت کریں گی۔

امام ابن ابی شیبہ نے کعب سے روایت کیا ہے کہ تمام شہروں میں اللہ کا محبوب شہر شام ہے اور شام میں محبوب قدس ہے اور قدس میں محبوب پطس پٹاڑ ہے۔

امام احمد اور امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دے۔ مسلمانوں نے کہا: اور ہمارے نجد میں؟ آپ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور قتلے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا بیگ طلوع ہو گا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۳۰-۵۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو جن کے سامنے آسمان جمائے (معین) بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنادیتے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو، بے شک جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے، موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

اور (یاد کرو اے بنو اسرائیل!) جب ہم نے تم کو فرعون کے مشعین سے نجات دے دی، جو تم کو برا عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی۔ (الاعراف ۳۱-۳۸)



## مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

جاورنا: اس کا معنی ہے عبور کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ نکلنا۔ اس آیت میں بائے تعدیہ ہے اس لیے اس کا معنی ہے عبور کرنا۔

بعکفون: مکوف کا معنی ہے کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا اور بہ طور تعظیم کے اس کو لازم پکڑ لینا۔ الاعتکاف کا شرعی معنی ہے عبادت کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا۔

اصنام: چاندی، تینل یا کسی اور دھات سے یا مٹی یا لکڑی سے بنایا ہوا مجسمہ۔ شرکین تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہ مجسمہ کبھی کسی انسان کی واقعی صورت کے مطابق بنایا جاتا ہے اور کبھی خیالی صورت کے مطابق بنایا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے خیالی مجسمے بنائے گئے ہیں۔ عبادت کی نیت سے ان کی تعظیم کرنا شرک ہے اور صرف تعظیم کے لیے یہ مجسمے یا تصاویر رکھنا حرام ہے جیسے بعض لوگ علماء اور مشائخ کی تصویریں تھریک اور تعظیم کی نیت سے رکھتے ہیں۔ بعض لوگ زینت (ڈیکوریشن) کے نیت سے انسانوں اور جانوروں کے مجسمے رکھتے ہیں یہ عمل بھی حرام ہے۔

الہ: معبود۔

## مناسبت اور ربط آیات

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور ان کی زمین کا ان کو وارث بنا دیا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ان کو سلامتی کے ساتھ سمندر سے گزار دیا اور دوسری سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو چیر دیا اور بنو اسرائیل کے لیے اس کو خشک راستہ بنا دیا اور جب وہ سمندر کے پار پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک قوم جن کی عبادت کر رہی ہے تو انہوں نے جہالت سے کہہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں۔

بنو اسرائیل نے کون سا سمندر پار کیا تھا اور کس جگہ کسی قوم کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

جس قوم کے پاس سے بنو اسرائیل کا گزر ہوا تھا اس کے متعلق امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں: قنادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: یہ قوم لغیم تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کنعانیوں کی قوم تھی جس کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ (جامع البیان ۷: ۹۷ ص ۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس سمندر کو بنو اسرائیل نے عبور کیا تھا اس کا نام "بحر قلزم" ہے۔ علامہ طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے کہ یہ دریائے نیل تھا لیکن یہ غلط ہے جیسا کہ البحر المحیط میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس محرم کو یہ سمندر عبور کیا تھا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا تھا۔ اور بنو اسرائیل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

(روح المعانی ۷: ۹۷ ص ۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمد حفظ الرحمن سیوہاری لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے جس سرزمین پر قدم رکھا یہ عرب کی سرزمین تھی جو قلزم کے مشرق میں واقع ہے۔

یہ لفظ وفاق ہے آب و گیاہ میدان سے شروع ہوتی ہے جو تورات کی زبان میں بیابان شور سین داوی سینا (حیہ) کے نام سے مشہور ہے اور طور تک اس کا دامن وسیع ہے۔ یہاں شدید گرمی پڑتی ہے اور دور دور تک سبزہ نور پانی کا پتا نہیں۔

اس بات کا قطعی فیصلہ تو ناممکن ہے کہ وہ خاص مقام متعین کیا جاسکے جس سے بنی اسرائیل گزرے اور سمندر کو عبور کر گئے تاہم قرآن اور تورات کی مشترک تصریحات و نصوص سے یہ متعین کیا جاسکتا ہے کہ بنو اسرائیل نے بحر قلزم (بحر احمر Red Sea) کے کسی کنارے اور دہانہ سے عبور کیا یا درمیانی کسی حصہ سے۔ بحر احمر دراصل بحر عرب کی ایک شاخ ہے جس کے مشرق میں سرزمین عرب واقع ہے اور مغرب میں مصر۔ شکل میں اس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ایک شاخ (خلیج عقبہ) جزیرہ نمائے سینا کے مشرق میں اور دوسری (خلیج سوئز) اس کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ دوسری شاخ پہلی سے بڑی ہے اور شکل میں بڑی دور تک چلی گئی ہے بنو اسرائیل اسی کے درمیان سے گزرے ہیں۔ اس شاخ کے شمالی دہانہ کے سامنے ایک اور سمندر واقع ہے جس کا نام بحر روم ہے اور بحر روم اور بحر احمر کے اس شمالی دہانہ کے درمیان تھوڑا سا خشکی کا حصہ ہے۔ یہی دور راستہ تھا جہاں مصر سے فلسطین اور کنعان جانے والے کو بحر احمر عبور کرنا نہیں پڑتا تھا اور اس زمانہ میں یہ راہ قریب کی کبھی جاتی تھی اور بنو اسرائیل نے بحکم الہی یہ راہ اختیار نہیں کی تھی۔ لب اس خشک زمین کو کھود کر بحر احمر کو بحر روم سے ملا دیا گیا ہے اور اس نکلے کا نام سر سوئز ہے اور بحر احمر کے شمالی دہانہ پر سوئز کے نام سے ایک شہر آباد ہے جو مصر کی بندرگاہ شمار ہوتا ہے۔

(قصص القرآن ج ۱ ص ۷۷-۷۸، ۷۹-۸۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے جس مقام سے بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً موجودہ سوئز اور اسطیہ کے درمیان کوئی مقام تھا۔ یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے روانہ ہوئے اس زمانہ میں جزیرہ نمائے سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب کے علاقہ میں موجود شہر طور اور ابو زنیہ کے درمیان تانبے اور فیروزے کی کانیں تھیں جن سے اہل مصر بہت فائدہ اٹھاتے تھے اور بن کانوں کی حفاظت کے لیے مصریوں نے چند مقلات پر چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ انہی چھاؤنیوں میں سے ایک چھاؤنی مقام کے مقام پر تھی جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نمائے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک نور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سہی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ تھا۔ غالباً انہی مقلات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو جن پر مصریوں کی غلامی نے مصیبت زدگی کا اچھا خاصہ گمراہیہ نگار دکھایا تھا ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۷۵-۷۶، ۷۷-۷۸ مطبوعہ لاہور ۱۳۰۴ھ)

شرک کے فعل کا جہالت اور حماقت ہونا

بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا "ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنادیتے جیسے ان کے معبود ہیں" یہ چیز بہت عقل کے خلاف ہے کہ جس چیز کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بتائیں وہ حضرت موسیٰ کا بنو اسرائیل کا اور تمام جہان کا خالق اور مدبر ہو کیونکہ جو اپنے بننے میں حضرت موسیٰ کا محتاج ہو وہ ان کا اور تمام جہان کا محتاج الہ اور خالق کیسے ہو سکتا ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم کیسی جہالت اور بے عقلی کی باتیں کرتے ہو۔ عبادت انتہائی تعظیم کو کہتے ہیں اور انتہائی تعظیم کا مستحق وہ ہے جس نے انتہائی انعام کیا ہو اور جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو اس میں کسی پر انعام کرنے کی استطاعت کس سے ہوگی اور جن لوگوں کو تم بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو ان کے افعال بت پرستانہ ہوئے ہوئے ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب غلط اور باطل ہے۔

## بنو اسرائیل کی ناشکری اور احسان فراموشی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کی جتوں کی فرمائش کے جواب میں پہلے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے اپنا خدا بنوانا جہالت کی بات ہے۔ پھر فرمایا: جن کو دیکھ کر تم فرمائش کر رہے ہو وہ سب جلد ویرلا ہونے والے ہیں۔ پھر تیسری بار فرمایا جو کچھ یہ بت پرست قوم کر رہی ہے وہ سراسر غلط ہے اور جو تمہاری باران کی ملکیت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ ملاحظہ اس نے تم کو (اس زمانہ میں) سب پر فضیلت دی ہے یعنی اللہ نے تم پر یہ احسان کیا کہ اس نے تم کو سب جہانوں پر فضیلت دی اور تم اس کا جواب اس احسان فراموشی کے ساتھ دے رہے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر پتھر کی بتوں کی پوجا پر متش کرنا چاہتے ہو بنو اسرائیل کی فضیلت یہ تھی کہ ان کے دین کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنے کثیر اور قوی معجزات ظاہر فرمائے جو اس سے پہلے کسی کے لیے ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور اہم اور بڑی نعمت اور احسان کا ذکر کیا جبکہ انہیں فرعون اور اس کی قوم کی غلامی سے نجات دلائی جو کئی سو سالوں سے ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے تھے۔ سو فرمایا: اور یاد کرو (اے بنو اسرائیل) جب ہم نے تم کو فرعون کے جبر سے نجات دے دی جو تم کو برا عذاب دیتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی۔ سو کتنے انسانوں اور شرم کی بات ہے کہ جیسے ہی تم فرعون سے نجات پا کر سلامتی سے سمندر پار پہنچے اور آزاد فضا میں سانس لیا تو تم اللہ کا ان نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے اس کی عبادت میں شریک بننے کے لیے فرمائشیں کرنے لگے واضح رہے کہ بت پرستی کے لیے معبود بنانے کا مطالبہ تمام اسرائیلیوں نے نہیں کیا تھا بلکہ بعض ناشکروں نے کیا تھا۔ کسی مسلمان موحّد کو مشرک قرار دینے کا بطلان

بعض لوگ مطلقاً یا رسول اللہ اکینے کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے مدعا گننے کو بھی مطلقاً شرک کہہ دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو حاضر یا غایب آپ کے حق میں علم غیب کو بھی مطلقاً شرک کہہ دیتے ہیں ملاحظہ شرک اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ اللہ کی عطا کے بغیر از خود اپنی طاقت سے سنتے ہیں، از خود اللہ کے اذن کے بغیر مد کرتے ہیں، آپ خود موجود اور بصر ہیں اور آپ کو از خود علم حاصل ہے اور اگر آپ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ان اوصاف سے متصف ہوں تو شرک کیسے ہو گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو بنو اسرائیل کو اس وقت بھی مشرک نہیں کہا جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنادیں جس کی ہم عبادت کریں۔ ملاحظہ اس سے بڑا شرک اور کیا ہو گا بلکہ صرف یہی فرمایا تم کیسی جہالت کی باتیں کرتے ہو اور یہ لوگ یا رسول اللہ اکینے والے کلمہ کو مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں ملاحظہ جو مسلمان کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں وہ آپ کے متعلق یہ کیسے عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ از خود سنتے ہیں یا از خود جانتے ہیں بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ کے تمام اوصاف اور کمالات عطا کی ہیں۔ اس پر کسی نے یہ معارضہ کیا کہ پھر تو آپ کو عطا کیا خدا اکہنا بھی صحیح ہو گا لیکن یہ شخص مغالطہ آفرینی ہے کیونکہ خدا اقدس اور واجب الوجود ہوتا ہے وہ عطا نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف علم، قدرت اور اختیار عطا کی ہو سکتے ہیں اور ہیں، ہمیں علم اور اختیار ہماری حیثیت سے عطا کیا گیا اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے مقام کے اعتبار سے علم اور اختیار عطا کیا گیا ہے۔

وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَّمْنَا بِعَشْرِ فِتْنَةٍ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا۔ سو آپ کے رب کی مقررہ سنت

رَبِّهِ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي

مکمل چالیس راتیں ہو گئی ، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری

فِي قَوْمِي وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَمَّا جَاءَ

جائیشنی کرنا اور نیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کار بند نہ ہونا ○ اور جب اسی ہمارے

مُوسٰى لِيُقَاتِلَآءَ كَلِمَةً رَبِّهِ ۚ قَالَ رَبِّ اِمْرَانِي اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط

مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے ، اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کر میں تجھے کیوں

قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانًا ۚ

فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر دیریں جھل کے باوجود اپنی جگہ برقرار رہا تو مغرب میں تم

فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَخَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ

میں مجھے دیکھ سکو گے ، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر چھل فرمایا تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش

مُوسٰى صَبَعًا ۚ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبَّتْ اِلَيْكَ وَاَنَا

ہو کر گر پڑے ، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں

اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۵﴾ قَالَ يَمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

ایمان لائے والوں میں سب سے پہلے ہوں ○ فرمایا اے موسیٰ! میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام

بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي ۚ فَخُذْ مَا اَتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۶﴾

سے نصیحت دی ، پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرتے والوں میں سے ہو جاؤ ○

وَكَبَدْنَاكَ فِي الْاَلْوَارِجِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ

اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل کہ دی گئی

شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِحَسَنِهَا سَاُوْرِيْكُمْ

ہو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو ، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں ، مغرب میں تم کو

ذَٰرِ الْقَسِيقَيْنِ ۖ سَاصِرُفٌ عَنِ أَيَّتِي الذِّينِ يَتَكَبَّرُونَ فِي

ناستوں کا گھر دکھاؤں گا ○ میں مغرب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پیر دوں گا جو زمین

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ

میں ناحق بھڑکتے ہیں ، وہ اگر تمام نشانیاں دیکھ میں سب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ

يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِنْ

ہدایت کا راستہ دیکھ میں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے ، اور اگر وہ

يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

مگر اسی کا راستہ دیکھ میں تو اس راستہ کو اختیار کریں گے ، کیوں کہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیتوں کی تکذیب کی

وَكَاَنُوا عَنْهَا عَافِينَ ۖ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءَ الْآخِرَةِ

اور وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

ان کے سب (نیک) عمل ضائع ہو گئے ، ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ سے تمہیں راتوں کا وعدہ کیا پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا۔ سو آپ کے رب کی مقررہ مدت مکمل چالیس راتیں ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ٹھیک

ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کاربند نہ ہو (الاعراف: ۱۳۲)

رابط آیات: مناسبت اور موضوع

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا مثلاً ان کو فرعون کی غلامی اور اس کے بے

گار لینے سے نجات دی اور ان کو مستقل امت بنایا اور ان کے دین کو ثابت کرنے کے لیے اتنے کثیر معجزات ظاہر فرمائے جو اس

سے پہلے کسی امت کے لیے ظاہر نہیں فرمائے تھے۔ اور اس آیت میں ان پر تورات کے نزول کا بیان ہے جس میں ان کی زندگی

کے لیے دستور العمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے احکام تھے جن پر انہوں نے عمل کرنا تھا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے مصر میں بنو اسرائیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کے پاس اللہ کی کتاب

لائیں گے جس میں یہ بیان ہو گا کہ ان پر کیا کام کرنے فرض ہیں اور کیا کام ان کے لیے ممنوع ہیں۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کتنے دنوں کے بعد مقرر کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت

ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنانے کا ذکر ہے۔

۱۳۴



حضرت موسیٰ کے لیے پہلے تیس راتیں اور پھر دس راتیں مزید مقرر کرنے کی حکمت  
امام عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا: حضرت ہارون کی اطاعت کرنا کیونکہ میں نے ان کو تم پر اپنا جانشین (خلیفہ) مقرر کر دیا ہے، میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں اور ان کو بتایا کہ میں تیس دن کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن روزے رکھے انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ اپنے رب سے ہم کلام ہوں اور ان کے منہ سے جو آری ہو (روزہ رکھنے سے منہ سے ایک خاص قسم کی بو آتی ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے گھاس اٹھا کر اس سے اپنے منہ کو صاف کیا اور گھاس کو چبلیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم نے روزہ کیوں افطار کیا (گھاس کیوں چبائی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خوب علم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں نے اس چیز کو پسند کیا کہ میں تجھ سے اس حل میں کلام کروں کہ میرے منہ سے جو آری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تم نہیں جانتے کہ روزہ دار کے منہ کے پوچھے مشک سے زیادہ پسند ہے۔ اب واپس جاؤ اور دس روزے مزید رکھو پھر میرے پاس آنا سو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تیس راتوں سے مراد ذوالقعدہ کا مہینہ ہے اور بعد میں جو دس دن زیادہ کیے ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۵۶، مطبوعہ المکرر، جامع البیان ج ۷ ص ۲۳۷)

بعض علماء نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں مسواک کی سنت فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (صحیح مسلم، السنن ج ۳ ص ۲۳۷، ۲۵۸) اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت (سنت) سے ہیں اور ان دس چیزوں میں آپ نے مسواک کا ذکر فرمایا۔ (صحیح مسلم، السنن ج ۳ ص ۵۶۱، ۵۶۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسواک سے منہ کی پاکیزگی ہوتی ہے اور رب راضی ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۳ ص ۸۳۳) اس لیے مسواک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ روزے رکھنے کا حکم دینا بہ ظاہر محل نظر ہے۔

اب پھر یہ سوال ہو گا کہ تیس راتوں کے بعد الگ سے دس دنوں کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ابتداء چالیس راتوں کا ذکر فرماتا، پہلے تیس راتوں کے وعدہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد دس راتوں کا اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ چالیس راتوں کی مدت مکمل ہو گئی۔ اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں اور دنوں میں روزے رکھنے کا حکم دیا اور ان ایام میں عبادت کرنے کا حکم دیا، پھر باقی دس دنوں میں توریت نازل کی گئی اور ان ہی ایام میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔
- ۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس راتیں پوری کر کے پہاڑ طور پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ سامری نے ان کی قوم کو شرک میں مبتلا کر دیا ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ميعلو کو پورا کرنے سے پہلے اپنی قوم کی طرف واپس گئے پھر دوبارہ واپس آئے اور دس دن کے روزے رکھے۔

- ۳۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی تیس دن کی مدت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور بعد کے دس دن کی مدت ان ستر مقتب اسرائیلیوں کے لیے ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ طور پر گئے تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر الاعراف ۱۵۵ میں

آئے گا۔

## میقات کا معنی اور کسی کام کی مدت مقرر کرنے کی اصل

اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ کے رب کا میقات چالیس راتوں میں مکمل ہو گیا۔ علامہ راقب اعظمی نے لکھا ہے جس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو اس کو میقات کہتے ہیں۔ اس طرح کسی کام کے وقت کے لیے جو جگہ متعین کی گئی ہو اس کو بھی میقات کہتے ہیں۔ جیسے حج کے مواقیت ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۶ طبع مکتبہ مکرّمہ)

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی وعدہ کی تکمیل کے لیے مدت مقرر کرنا قدیم طریقہ ہے۔ اسی طرح کسی کام کے لیے مدت مقرر کرنا بھی قدیم طریقہ اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بنانے کے لیے چھ دنوں کی مدت مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا  
بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَا مِنْ لَعْنٍ  
اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے  
درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہم کو اس سے  
(ق: ۳۸) بالکل تھکات نہیں ہوئی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مدت مقرر کرنے کے بعد اس میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے اور حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک مدت کے بعد دوسری مدت مقرر کر سکتا ہے۔

بندوں کے اعذار کی آخری مدت ساٹھ سال ہے

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی لغزشوں سے درگزر کرنے کی بھی ایک مدت مقرر کر دی ہے اور اس مدت کے بعد اس کی مغفرتوں پر کوئی عذر قبول نہیں فرماتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی اجل کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال تک پہنچا دیا ہو اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام اعذار (بہانوں) کو زائل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۳۱۹، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث ۸۶۵۳)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد انسان کا کوئی عذر باقی نہیں رہا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اگر میری عمر زیادہ کر دی جاتی تو میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر لیتا اور جب کہ وہ اب عذر کی انتہا کو پہنچ چکا ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا جبکہ وہ جو عمر گزار چکا ہے اس میں وہ اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت پر قادر تھا سو اس کو چاہیے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ سے صرف استغفار کرے اور اس کے احکام کی اطاعت کرے اور آخرت کی طرف بالکل متوجہ ہو جائے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے اب کوئی عذر اور بہانہ نہیں چھوڑا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی محبت پوری کرنے کے بعد ان کا مواخذہ فرماتا ہے۔

معمر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ساٹھ یا ستر سال کی عمر تک صحت دیتا ہے اور جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعذار کو زائل کر دیتا ہے۔ یعنی اس عمر کے بعد اب ترک اطاعت پر کوئی عذر کارگر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن بطلان نے کہا کہ ساٹھ سال کی عمر کو اس لیے حد مقرر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی عمارت کا غالب عمر کے قریب ہے۔ اور

یہ وہ عمر ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور موت کے انتظار میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کو بار بار موقع عطا فرماتا ہے اور یہ اللہ سبحانہ کا بندوں پر لطف اور کرم ہے حتیٰ کہ وہ ان کو حالت جمل سے حالت علم کی طرف منتقل کرتا ہے۔ پھر ان کو صلت دیتا ہے حتیٰ کہ واضح محبتوں کے بعد ان سے مواخذہ نہیں فرماتا۔ ہر چند کہ انسانوں کی فطرت میں دنیا سے محبت کرنا اور لمبی امیدیں رکھنا ہے لیکن ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں سے مجاہدہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے جن نیک کاموں کا حکم دیا ہے وہ کام کریں اور جن برے کاموں سے روکا ہے ان سے باز رہیں۔ اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جب انسان ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کی موت آنے کا غالب گمان ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہوں گی اور بہت کم ستر سال سے تجاوز کریں گے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ انسان کی عمر کے چار اعداد ہیں۔ (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) اوجیڑ عمر (۴) بڑھاپا اور یہ عمر کا آخری دور ہے اور زیادہ تر یہ دور ساٹھ اور ستر سال کی عمر میں ہوتا ہے اور اس وقت انسان کی جسمانی قوت ضعف اور انحطاط کی طرف مائل ہوتی ہے اور اب اس کو چاہیے کہ وہ باطلہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اب وہ قوت اور نشاط کی پہلی حالت کی طرف نہیں لوٹ سکتا اور اسی حدیث سے علماء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا پھر بھی اس نے قدرت اور استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اگر اس سے پہلے قدرت کے باوجود تاخیر کی تو وہ گنہگار نہیں ہو گا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۰ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۰ھ)

امام مالک نے کہا ہمارے شہر کے علماء چالیس سال تک لوگوں سے مل جل کر رہتے ہیں اور دنیا کو طلب کرتے ہیں اور چالیس سال کے بعد وہ ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ (الماہج لاحکام القرآن ج ۸ ص ۲۴۹ دار الفکر ۱۳۱۵ھ) کسی اور قمری تاریخ مقرر کرنے کا ضابطہ

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تاریخ کا اعتبار دنوں کی بجائے راتوں سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثَلَاثِينَ لَيْلَةً "تیس راتیں" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا اور عجمیوں کا معمول اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ تاریخ کا اعتبار شمسی مہینوں سے کرتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے کہا دنیاوی امور اور منافع میں شمسی مہینوں کا سلب جائز ہے اور عبادات اور شرعی احکام میں قمری مہینوں کے حساب سے تاریخیں مقرر کرنا واجب ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا اور ان کو نصیحت فرمانا ان کی شان میں کی کا موجب نہیں اس کے بعد فرمایا: اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے مناجات کا ارادہ کیا تو اپنے فرائض حضرت ہارون علیہ السلام کو سونپ دیے۔ اس آیت میں کسی کو اپنا نائب بنانے کی اصل ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک تھے تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ کیسے بتایا! کیونکہ جو شخص کسی انسان کا شریک ہو وہ اس کے خلیفہ سے بڑے مرتبہ کا ہوتا ہے اور کسی انسان کو بڑے مرتبہ سے کم مرتبہ پر مقرر کرنا اس کی توہین ہے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا کس طرح جائز ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قلعہ یہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں اصل تھے کیونکہ پہلے ان کو نبی بتایا گیا اور ان کی دعا سے حضرت ہارون کو نبی بتایا گیا اور وہ ان کے وزیر تھے اور فرعون اور بنو اسرائیل کے ساتھ تمام معاملات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ان ہی سے کلام کیا گیا اور ان ہی پر کتب نازل کی گئی ان ہی

کو معجزات عطا کیے گئے اور فرعون اور قبطیوں کے نزدیک وہی مسئول تھے اور رشد و ہدایت کا کام اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر جو اسرائیل سے عمل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے ذمہ تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنانے کا معنی یہ تھا کہ جو اسرائیل کی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں جو فرائض منصبی موسیٰ علیہ السلام انجام دیتے تھے وہ اب حضرت ہارون علیہ السلام نے انجام دینے ہیں اور اس معنی میں بن کو اپنا خلیفہ بنانے سے ان کے مرتبہ میں ہرگز کمی نہیں ہوئی۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا:

”اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کار بند نہ ہونا۔“

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے اور نبی ٹھیک ٹھیک کام ہی کرتا ہے اور مفسدوں کی پیروی نہیں کرتا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے اس طرح کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ طور تاکید فرمایا تھا یا پھر یہ طور تعریض تھا یعنی حرامتاً حضرت ہارون کو خطاب تھا اور اشارہ اپنی قوم سے خطاب تھا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاسْتَفِمْ كَمَا أُمِرْتُ (ہود: ۱۳)

سو آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

نبی پیغمبر نبی معصوم ہیں، آپ سے یہ متصور نہیں ہے کہ آپ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام کریں۔ اس لیے یہ ارشاد بھی تاکید اور تعریض کے طور پر ہے۔ اسی طرح اس آیت میں فرمایا:

وَلَيْسَ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ  
مِنَ الْحُكْمِ إِذَا لَوِيسَ الظَّالِمِينَ (البقرہ: ۱۳۵)

اور اگر آپ نے (بالفرض) ظلم آنے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بے شک آپ کا شمار ظالموں میں سے ہو گا۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

لَوْ أَن شَرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ  
وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر: ۲۵)

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

آپ سے یہ متصور ہے کہ آپ یہودیوں کی پیروی کریں نہ یہ متصور ہے کہ آپ شرک کریں کیونکہ آپ نبی معصوم ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو ان دونوں کاموں سے بہ طور تاکید منع فرمایا یا پھر خطاب آپ کو فرمایا اور مراد آپ کی امت ہے۔ اسی سبب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام ہے انہوں نے حضرت ہارون سے بہ طور تاکید یا بہ طور تعریض کلام فرمایا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے حضرت علیؑ بہ منزلہ ہارون ہیں

امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کو (مدینہ میں اپنا) خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا رہے ہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: ۳/۳۳۰-۳۳۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۳، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳، رقم الحدیث: ۸۳۳۵، مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۵)

حدیث مذکور سے رد انفس کا حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال

اس حدیث سے رد انفس امامیہ اور شیعہ کے تمام فرقوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو تمام امت پر اپنا خلیفہ بنادیا تھا۔ اور اس بنا پر رد انفس نے تین کے سوا تمام صحابہ کی تکفیر کر دی، کیونکہ صحابہ کرام نے اس نص صریح کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے حضرت علیؓ کو چھوڑ کے غیر کو خلیفہ بنادیا۔

چوتھی صدی کے مشہور شیعہ عالم شیخ ابو عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز کشی لکھتے ہیں:

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تین فتنوں کے سوا سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے

پوچھا: تین فتنے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: مقداد بن اسود، یوزر غفاری اور سلمان فارسی۔ (رجال کشی ص ۳ مطبوعہ ایران)

اور شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی متوفی ۳۲۸ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحیم قصیری بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے کہا کہ جب ہم لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ سب لوگ مرتد

ہو گئے تھے تو لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا اے عبدالرحیم رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب لوگ دوبارہ جاہلیت کی

طرف لوٹ گئے تھے۔ (الروضة من الکافی (فروع کفی ج ۸) ص ۲۹۶ مطبوعہ طبرستان ۱۳۳۳ھ)

اور جن لوگوں نے تمام امت اور خصوصاً تمام صحابہ کی تکفیر کی ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید صحابہ

کرام کے نقل کرنے اور جمع کرنے سے ثابت ہے اگر یہ ناقصین کافر تھے تو ان کی نقل پر بھی اعتقاد نہیں ہو گا۔ نیز تمام احادیث بھی

ان ہی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں اگر یہ کافر تھے تو تمام احادیث بھی غیر معتبر قرار پائیں گی اور سب قرآن اور

حدیث دونوں غیر معتبر اور غیر مستند قرار پائے تو شریعت بالکل باطل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر قائم نہ رہی۔

رد انفس کے استدلال مذکور کا جواب

اور اس حدیث سے ان کا حضرت علی کی تمام امت پر خلافت کا استدلال کرنا باطل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے ایک خاص

معاہدہ میں ایک خاص وقت کے لیے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک خاص وقت تک کے

لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی مناجات سے واپس آ گئے تو حضرت ہارون

اپنی سابق حالت پر لوٹ آئے۔ علاوہ ازیں حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اصل رسالت میں شریک

اور ان کے وزیر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد وہ ان کے خلیفہ نہیں تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

زندگی ہی میں حضرت ہارون علیہ السلام کا میدان تیرہ میں انتقال ہو گیا تھا اس لیے اس حدیث سے رد انفس اور شیعہ کا مقصد پورا

نہیں ہوتا۔ اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ اس چیز پر دلالت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ تبوک جیسے وقت حضرت علیؓ کو

صرف مدینہ میں بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنا نائب بنایا تھا اور نماز پڑھانے کے لیے ان کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا

بلکہ یہ منصب حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے سپرد کیا تھا اور جب نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آ گئے تو حضرت علیؓ کو اپنی

پہلی حیثیت کی طرف لوٹ آئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم کو بھیجا۔ وغیرہ کو اپنا

نائب بنایا تھا جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ سو اس حدیث سے حضرت علیؓ کا تمام امت پر دائما خلیفہ بننا لازم

نہیں آتا۔

حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں خلیفہ بنانا

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:



شعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تیرہ غزوات میں تشریف لے گئے اور ہر غزوہ میں آپ نے ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے، حالانکہ وہ نابینا تھے۔

شعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن ام مکتوم کو غزوہ تبوک میں خلیفہ بنایا وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

فائدہ: ابن ام مکتوم کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کمالن کا نام عبد اللہ بن قیس ہے اور مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عمرو بن قیس ہے۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ ہے ان کی کنیت ام مکتوم ہے۔ عمرو بن ام مکتوم مکہ میں قدیم اسلام لاسنے والوں میں سے تھے۔ جنگ بدر سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور دار القراء میں ٹھہرے۔ یہ مدینہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لیے اذان دیتے تھے اور عام غزوات میں رسول اللہ ﷺ ان کو خلیفہ بناتے تھے اور یہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر گئے ہوئے تھے تو یہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳، ص ۲۰۶-۲۰۵، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ)

امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۷۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تیرہ غزوات میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تب بھی آپ نے ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا تھا۔

(اسد الغابہ ج ۲، ص ۲۵۲، رقم ۲۰۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القرطبی المتوفی ۳۳۳ھ نے بھی واقعہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ غزوات میں حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا اور امام ابن الاثیر کی طرح ان غزوات کا تفصیل سے ذکر بھی کیا ہے۔

(الاستیعاب ج ۳، ص ۲۷۶، رقم ۱۹۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے پھر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور نبی ﷺ عام غزوات میں ان کو مدینہ میں خلیفہ بناتے تھے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

اس کے بعد حافظ عسقلانی نے امام عبد البر کے حوالے سے ان تیرہ غزوات کی تفصیل ذکر کی ہے۔

(الاصابہ ج ۲، ص ۳۹۵، رقم ۵۷۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارضہ ان کثیر حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے تیرہ مرتبہ مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور مسلمانوں کی نمازوں کا امام بنایا اور جب تیرہ مرتبہ خلیفہ بنے اور مسلمانوں کی نمازوں کا امام بنے سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وصل کے بعد تمام امت کے امیر اور خلیفہ بن جائیں تو صرف ایک مرتبہ مدینہ میں خلیفہ بننے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے لازم آئے گا کہ وہ امت کے خلیفہ بن جائیں جبکہ نمازوں کے امام اس وقت بھی حضرت ابن ام مکتوم تھے۔ نیز اگر یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر دلیل تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے اس وقت کیوں نہیں

استدلال کیا جب ان سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی غیر موجودگی میں امت پر کنٹرول نہیں کر سکے اور اس میں تفرقہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی ہوا اور امت تفرقہ میں بٹ گئی ہر چند کہ حق پر حضرت علی تھے جیسا کہ حق پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ ہے تو اس بشارت سے مراد وہی زمانہ ہے جس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو مغرب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں (الاعراف: ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں حسب

ذیل مذاہب ہیں:

۱۔ منبیلہ اور حشو یہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور یہ کلام قدیم ہے اور یہ مذہب بدلتا ہوا ہے کیونکہ جو چیز اجزاء سے مرکب ہو اس میں تقدیم اور تاخیر ہوتی ہے اس لیے وہ چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔  
۲۔ کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور اس کا محل اور موصوف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا اور حوادث سے موصوف ہونا لازم آتا ہے اور جو محل حوادث ہو وہ خود حادث ہوتا ہے۔

۳۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہے مثلاً درخت و غیرہ کے ساتھ۔

۴۔ اہل سنت و جماعت یا ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک صفت ازلی ہے اس میں آواز اور حروف نہیں ہیں اور اس صفت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں سنا انہوں نے ان آوازوں اور حروف کو سنا جو درخت کے ساتھ قائم تھے۔

۵۔ اہل سنت اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک ازلی صفت ہے اس میں حروف اور آواز نہیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی صفت کو سنا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی رنگ اور جسم نہیں ہے اور اس کے باوجود دکھائی دے گا حالانکہ جس چیز کا رنگ نہ ہو اس کا دکھائی دینا انسان کے لیے غیر متصور ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر آواز اور حروف کے حضرت موسیٰ نے سنا جبکہ انسان کے نزدیک بغیر آواز اور حروف کے کسی کلام کا سنا لینا غیر متصور ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۳ 'ملخصاً' مرتباً 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

یوں بھی کہ جاسکتا ہے کہ جس طرح کلام لفظی ہوتا ہے اسی طرح کلام نفسی بھی ہوتا ہے۔ کلام لفظی وہ ہے جو عاداتاً سنائی دیتا ہے جیسا کہ معروف کلام ہے اور کلام نفسی وہ ہے جو کلمات اور حروف پر مشتمل ہوتا ہے مگر عاداتاً سنائی نہیں دیتا۔ اس کی مثال

یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری تعریف میں یہ کہے کہ ”میں نے آپ جیسا خوش اخلاق یا آپ جیسا حسین کوئی نہیں دیکھا“ تو ہمیں یہ الفاظ اور جملے یاد آتے رہتے ہیں اور ہمارے ذہن میں ان الفاظ کی تصویر گھومتی رہتی ہے حالانکہ یہ الفاظ بعد میں سنائی نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہمیں کوئی دغراش بات کہے تو وہ بات مدتوں ہمارے دل سے نہیں نکلتی اور ہمیں وہ بات یاد آتی رہتی ہے۔ خصوصاً جب ہم اس شخص کو دیکھیں تو اس کے کہے ہوئے الفاظ کی تصویر ہمارے ذہن میں آ جاتی ہے سو یہ کلام نفسی ہے اور الفاظ غیبی ہیں۔ قرآن مجید میں جو اللہ کا کلام ہے وہ بھی کلام نفسی ہے اور قدم ہے وہ ان ہی الفاظ غیبی پر مشتمل ہے اور الفاظ میں بغیر قدم اور تاخر کے یہ کلام نفسی ہے اس کلام کی قرات جو ہم کرتے ہیں وہ کلام لفظی ہے اور حادث ہے اور مقروء یعنی جن الفاظ غیبی کی ہم قرات کرتے ہیں وہ قدم ہے۔ مثلاً جب ہم الحمد للہ رب العالمین کی قرات کریں گے تو پہلے الحمد پڑھیں گے پھر اللہ پھر رب العالمین لیکن یہ پورا قرآن کلام نفسی کے مرتبہ میں بغیر قدم اور تاخر کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدم ہے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب ہم کو کوئی بات یاد آتی ہے تو یوں نہیں ہوتا کہ پہلے اس بات کا ایک لفظ یاد آتا ہو پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا بلکہ بیک وقت کلام کی تصویر ہمارے ذہن میں آ جاتی ہے۔ اسی طرح کمال قرآن نفسی بغیر قدم اور تاخر کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ علیٰ هذا القیاس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کلام کیا وہ بھی کلام نفسی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کلام کو متخالف علت اور ان کا معجزہ تھا کیونکہ بغیر آواز کے کسی کلام کو سننا انسان کی عادت اور اس کے معمول کے خلاف ہے۔ میں نے اس مقام کو اسی طرح سمجھا ہے اور امر واقعہ کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قواعد اسلام کے مطابق ہے اور بعض حقدین اور متعقبن کی عبارت میں بھی اس تفصیل کی طرف اشارات ہیں۔

### اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث اور آثار

حافظ جلال الدین سیوطی حنفیؒ بیان کرتے ہیں:

امام بزارؒ، امام ابن ابی حاتمؒ، امام ابو نعیمؒ نے الحلیہ میں اور امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور کے دن کلام فرمایا تو یہ اس دن کے کلام کا مغز تھا جب ان کو اس نے ندا کی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اللہ سے کہا اے میرے رب! جس طرح تو نے مجھ سے کلام کیا ہے کیا تیرا کلام اسی طرح کا ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے تجھ سے کلام کیا ہے اور مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے اور اس سے بہت زیادہ ہے، حضرت موسیٰ جب بنو اسرائیل کی طرف واپس گئے تو انہوں نے کہا اے موسیٰ! رحمن کے کلام کی صفت بیان کیجئے آپ نے کہا تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ کیا تم نے ایسی گرج اور کڑک کی آواز سنی ہے جو بہت شیریں لگتی ہو؟ اللہ کا کلام اس کے قریب ہے اور وہ اس طرح نہیں ہے۔

حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں کعب سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ نے پوچھا اے میرے رب! کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کر رہا ہوں اور مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے اور اگر میں تمہارے ساتھ اپنے کلام کی کتبہ اور حقیقت کے ساتھ کلام کروں تو تم فنا ہو جاؤ۔

امام عبد الرزاقؒ، امام ابن جریرؒ، امام ابن المنذرؒ، امام ابن ابی حاتمؒ اور امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات میں کعب سے روایت کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تمام زبانوں سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نہیں سمجھ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں ان کی آواز کی مثل کلام فرمایا تب حضرت موسیٰ نے پوچھا اے

میرے رب کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا نہیں! میرا کلام جس طرح ہے اگر تم اس کو اسی طرح سن لو تو تم نیست و نابود ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں! البتہ تم نے بہت زیادہ گرجدار بجلی کی کڑک جو سنی ہو اس کو اس کے قریب کنا جاسکتا ہے۔

امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام حاکم نے سند کی تصحیح کے ساتھ عبدالرحمن بن مہدیہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے ان کی طاقت کے مطابق کلام فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ سے اپنے حقیقی کلام کے ساتھ کلام فرماتا تو حضرت موسیٰ اس کی بالکل طاقت نہ رکھتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام چالیس راتیں اس کیفیت میں رہے کہ جو شخص بھی ان کو دیکھتا تھا وہ رب العالمین کی تپ نہ لا کر مرجاتا تھا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۳۶-۵۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی بعض تفصیلات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ بیان کرتے ہیں:

امام سعید بن منصور، امام ابن المنذر، امام حاکم، امام ابن مردودہ، اور امام بیہقی نے کتب الاسماء والصفات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا اس دن حضرت موسیٰ نے اپنی جب پستا ہوا تھا، اپنی چادر تھی، اپنی شلوار تھی اور غیر مذکور دراز گوش کی کھل کی جوتیاں پٹنی ہوئی تھیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے اور امام احمد نے کتب الزہد میں اور امام ابو یوسف نے کتب العلم میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا تو پوچھا اے میرے رب! تجھے اپنے بندوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا جو بندہ میرا بہت زیادہ ذکر کرتا ہو۔ پھر پوچھا تیرے بندوں میں کون سب سے اچھا حاکم ہے؟ فرمایا وہ شخص جو لوگوں کے خلاف جس طرح فیصلہ کرتا ہو اسی طرح اپنے خلاف بھی فیصلہ کرے۔ پوچھا اے میرے رب! تیرے بندوں میں کون سب سے زیادہ غنی ہے؟ فرمایا جو اس چیز پر راضی ہو جو میں نے اس کو عطا کی ہے۔

امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں زہد کی مثل کسی نے کوئی کام نہیں کیا اور میری حرام کردہ چیزوں سے بچنے سے بڑھ کر کسی نے میرا تقرب حاصل نہیں کیا اور میرے خوف سے رونے سے بڑھ کر کسی نے میری عبادت نہیں کی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو نے ان کے لیے کیا تیار کیا ہے اور ان کی کیا جزا ہے؟ فرمایا: جو لوگ دنیا میں زہد کرتے تھے میں ان کے لیے اپنی جنت مباح کردوں گا وہ اس میں جہاں چاہیں گے رہیں گے اور جو لوگ حرام کاموں سے بچتے تھے تو میں قیامت کے دن ہر شخص سے اس کا حساب لیتے وقت مناقشہ کروں گا اور اس کے اعمال کی تفتیش کروں گا لیکن میں ان سے حیا کروں گا اور ان کو عزت اور کرامت دوں گا۔

امام ابو بکر بن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں اور امام ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی راستہ میں جا رہے تھے تو ان کو جبار عزوجل نے ندا کی یا موسیٰ! حضرت موسیٰ نے دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا، پھر دوسری بار ندا کی یا موسیٰ بن عمران! انہوں نے پھر دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا اور ان پر خوف طاری ہو گیا پھر تیسری بار ندا کی یا موسیٰ بن عمران! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا لیک لیک! اور سجدہ میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ بن عمران! الہنا سر اٹھاؤ! انہوں نے اپنا سر

اٹھایا تو فرمایا: اے موسیٰ! اگر تم چاہتے ہو کہ تم اس دن میرے عرش کے سائے میں رہو جس دن میرے عرش کے سوا اور کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا تو تم جہنم کے لیے شفیق باپ کی طرح ہو جاؤ اور بیوہ کی مہربان خالوند کی طرح کفالت کرو۔ اے موسیٰ بن عمران! تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا۔ اے موسیٰ! تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اے موسیٰ! بنو اسرائیل کے نبی! جس نے مجھ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کی نبوت کا منکر تھا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا محمد کون ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں نے بن سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، میں نے عرش 'آسمانوں' زمینوں 'سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میری تمام مخلوق پر اس وقت تک جنت حرام ہے جب تک کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کی امت کون ہے؟ فرمایا ان کی امت اترتے چڑھتے ہر حال میں حمد کرنے والی ہے وہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات کو ڈرتے رہیں گے، میں ان کے کم عمل کو بھی قبول کر لوں گا اور ان کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی وجہ سے جنت میں داخل کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا مجھے اس امت کا نبی بتا دے۔ فرمایا: اس امت کا نبی ان ہی میں سے ہو گا پھر کہا: اچھا مجھے اس نبی کی امت میں سے بتا دے۔ فرمایا: تم اس سے پہلے ہو۔ اے موسیٰ! انھوں میں تمہیں اور ان کو دار الجلال میں اکٹھا کر دوں گا۔

(کتاب السنہ ج ۱، ص ۳۰۵، الشریعہ ج ۱، ص ۲۴۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳، ص ۳۳۰، ۳۲۹، طبع جدید، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابن الشاہین نے کتاب الترغیب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! اس شخص کے لیے کیا اجر ہے جو اس عورت سے تعزیت کرے جس کا بچہ فوت ہو چکا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس دن کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا اس دن میں اس کو اپنے سایہ میں رکھوں گا۔

امام ابن ابی حاتم نے العلاء بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں اپنے کلام سے نوازا؟ عرض کیا نہیں اے میرے رب! فرمایا اس لیے کہ میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تمہاری طرح متواضع ہو۔ (الدر المنثور ج ۳، ص ۵۴۲-۵۴۳، مستطاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ کے مذاہب

اس کے بعد فرمایا: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ (الاعراف ۹۳)

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا عقلاً ممکن ہے، محال نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ روایت آخرت میں واقع ہوگی، اور مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھیں گے، اور اہل بدعت میں سے معتزلہ، خوارج اور بعض فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا عقلاً محال ہے، ان کا یہ قول غلط اور باطل ہے، کتاب و سنت کی تصریحات، صحابہ، فقہاء تابعین اور اخبار امت کا اس پر اجماع ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور میں سے زیادہ صحابہ سے اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ رویت ایک قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے، اس کے لیے شعاع بصری کا دکھائی دینے والے کو احاطہ کرنا اور دکھائی دینے والے کا دیکھنے والے کے بالمثل ہونا شرط نہیں ہے، لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا



کہ آخرت میں جب مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ان کی شعلہ بھری اللہ تعالیٰ کا احاطہ کر لے یا اللہ تعالیٰ دیکھنے والوں کی بات قتل جانب ہو، معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا اس لیے انکار کیا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ ہونا اور اس کے لیے سب سے اور جہت کا ہونا لازم آئے گا، ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اس میں یہ چیز اتفاقاً پائی جاتی ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے اور جب موسیٰ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مطلق جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ بصر ہے اور وہ ہمیں دیکھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے اس کا جانب مطلق میں ہونا لازم نہیں آتا تو اس کے دکھائی دینے سے جب مطلق میں ہونا اس طرح لازم آئے گا

منکرین روایت کے دلائل اور ان کے جوابات  
منکرین کی ایک دلیل تو سورۃ الاعراف کی یہ مذکورہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کی نفی ہے، اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے یہ نہیں فرمایا میں ہرگز نہ دکھائی نہیں دوں گا۔

ان کی دوسری دلیل یہ آیت ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳)

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں دنیا میں اللہ کو دیکھنے کی نفی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں کفار کے دیکھنے کی نفی ہے اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ مسلمان آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

ان کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

وَأَذِّنْ لَكُمْ بَشُورَىٰ لِّمَن لَّا يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ يَتَحَدَّثُونَ فِي الْأَشْجَةِ وَأَنَّهُمْ تَطْعَمُونَ (البقرہ: ۵۵)

اور یاد کرو جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم تم پر اس وقت تک بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو حکم نہ کھلائے دیکھیں میں تم کو کڑک لے اپنی گرفت میں لے لیا اور آنحضرتؐ تم دیکھتے تھے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز اور ممکن ہو تا تو اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے اس مطالبہ کے سبب ان پر عذاب نازل نہ فرماتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس لیے عذاب نازل نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور ایک امر محل کا سوال کیا تھا۔ بلکہ عذاب اس لیے نازل فرمایا تھا کہ انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا اور ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر موقوف کر دیا تھا گویا کہ وہ حالت کفر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اپنا دیدار نہیں کرائے گا۔

رہا یہ امر کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز اور ممکن ہے اور محبت الہی کی وجہ سے اس کی رویت کا سوال کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت میں ہے: موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی رات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ (اعراف: ۱۴۳)

اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی آرزو کرنا اور دعا کرنا جائز ہو تا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت کے علوم و معارف کے حامل ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیوں کرتے اور اگر باقرض یہ دعا جائز ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی دعا کرنے سے منع فرما

دعا۔ اور رخصت کے امکان پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِكَيْ انْظُرَ إِلَى الْحَبْلِ قَانِ اسْتَقَرَّتْ مَكَانَتُهُ  
فَسَوْفَ تَرَانِي  
البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری جگہ کے باوجود)  
یہ اپنی جگہ پر قرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۵۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کو پہاڑ کے برقرار رہنے پر مطلق کیا ہے اور پہاڑ کا اپنی جگہ پر قرار رہنا ہی  
نفسہ ممکن ہے اور جو ممکن پر موقوف ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن  
تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل سنت کے قرآن مجید سے دلائل

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝  
(القیامہ: ۴۳-۴۴) قیامت کے دن کچھ چہرے زرد تازہ ہوں گے اپنے رب کی

طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

كَذَٰلِكَ اَنۡهٰهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّا يَحۡضُرُوۡنَ ۝  
(المطففين: ۵۵) حق یہ ہے کہ وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور

محجوب ہوں گے۔

اس آیت سے صراحتاً تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکیں گے مگر اس سے اشارہ ہے  
ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اسی صورت میں یہ آیت کفار کے لیے حسرت اور محرومی کا  
موجب ہوگی کیونکہ اگر مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے تو کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ اس میں ہماری کیا تخصیص ہے۔ مسلمان بھی  
تو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ  
ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں شب کے چاند کی طرف دیکھا آپ نے فرمایا: سنو تم عنقریب اپنے رب کو  
اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی پس اگر تم کو قدرت  
ہو تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۵۳، صحیح مسلم، مساجد: ۲۳، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۰۸۸، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۷۷)

۲۷۹ھ سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۵۵۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۲۵۸، مسند حمیدی، رقم الحدیث: ۷۹۹، مسند  
ابو حاتم، ج ۱، ص ۳۷۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں  
گے؟ آپ نے فرمایا: جب آسمان پر ابر نہ ہو تو کیا تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا: اسی طرح تم کو اس دن اپنے رب کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے  
سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۳۹، صحیح مسلم، الاماکن: ۳۰۴، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۷۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۷۳)

۵۳۳ھ، ۲۵۴ھ، ج ۳، ص ۲۹، مسند حمیدی، رقم الحدیث: ۷۹۹، مسند عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۲۰۸۵۶، المستدرک، ج ۳، ص ۵۸۳

مشکوٰۃ رقم الحديث: ۵۵۵۵ کنز العمال رقم الحديث: ۳۹۶۹۸

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا رب کلام فرمائے گا اس شخص کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہو گا اور نہ کوئی حجاب ہو گا جو اس کے رب کو دیکھنے سے مانع ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۷۳۳۳ صحیح مسلم الزکوٰۃ: ۶۷ (۱۴۱) سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۳۱۵ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۱۸۳۳ مسند احمد ج ۳ ص ۷۷ (۲۵۶۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ تھا میں نے کہا اے جبریل! یہ کیا چیز ہے؟ کیا یہ جہد ہے جس کو آپ کا رب آپ پر پیش کرتا ہے تاکہ وہ دن آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی قوم کے لیے عید ہو جائے؟ آپ اہل ہیں اور یہود و نصاریٰ آپ کے بعد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہمارے لیے اس عید میں کیا ہے؟ کہا اس دن میں آپ (سب) کے لیے خیر ہے اس دن میں آپ (سب) کے لیے ایک ساعت ہے اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب سے خیر کی دعا کرے گا اور وہ اس کی قسمت میں ہو تو اللہ اس کو وہ خیر عطا فرمائے گا اور اگر وہ خیر اس کی قسمت میں نہ ہو تو اس سے عظیم چیز کو اس کے لیے ذخیرہ کر دے گا یا اس کی قسمت میں جو شر ہو گا اس شر سے اس کو بچا دیا جائے گا۔ میں نے کہا اس آئینہ میں یہ سیاہ نکتہ کیسا ہے انہوں نے کہا یہ وہ ساعت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور آخرت میں ہمارے نزدیک اس کا نام یوم النزیہ ہے۔ میں نے کہا تم اس دن کو یوم النزیہ کس وجہ سے کہتے ہو؟ انہوں نے کہا آپ کے رب عزوجل نے جنت میں مشک سے زیادہ خوشبودار ایک سفید وادی بنائی ہے جب جمعہ کا دن آتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ طہن سے اپنی کرسی پر نازل ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کرسی کے گرد نور کے منبر بچھا دیے جاتے ہیں اور انبیاء آکر اس کرسی کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں بچھا دی جاتی ہیں پھر صدیقین اور شہداء آکر ان کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر اہل جنت آتے ہیں اور ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ان کا رب تبارک و تعالیٰ ان سب پر تجلی فرمائے گا حتیٰ کہ وہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے۔ (الحديث)

(مسند البراء رقم الحديث: ۳۵۹۱ مسند ابوسعہ رقم الحديث: ۲۲۲۸ المعجم الاوسط رقم الحديث: ۶۷۱۳ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲۱ الطالب العلیہ ج ۱ ص ۱۵۸-۱۵۷ رقم الحديث: ۵۷۹ اس کی سند صحیح ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک اور دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر دلیل ہے کہ کسی چیز کے علم سے وہ چیز متجلی (روشن) ہو جاتی ہے اور کسی چیز کو دکھانا بھی اس چیز کو روشن کر دینا ہے اور علم کی بہ نسبت دکھانے سے چیز زیادہ متجلی (روشن) ہوتی ہے اس لیے یہاں پر تجلی سے مراد دکھانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اور اس آیت کے معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو پہاڑ نے دیکھا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پہاڑ تو ایک پتھر ہے اس کا دیکھنا غیر متصور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں حیات، عقل اور قسم پیدا کی ہے اس طرح اس میں رویت اور بصارت بھی بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَحْسِبُ الْاَوْبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرُ (اسا)

اے پہاڑ داداؤد کے ساتھ تسبیح کر اور اے پرندہ تم بھی

نیز پہاڑ پتھروں کی جنس سے ہیں اور پتھروں کے متعلق فرمایا

وَأَنَّ مِنْهَا لَمَّا يَرْجُطُ مِنَ حَشْبَةِ اللَّوْ  
بے شک بعض پتھر ضرور خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔

(البقرہ: ۷۴)

اور جب پہاڑ تسبیح کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں تو وہ دیکھ بھی سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب پہاڑ اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کی طاقت پہاڑ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

منکرین رویت کے ایک اعتراض کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لائے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔

معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے رویت کا سوال کرنا مکمل ہے جب ہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے توبہ کی اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت کے بغیر رویت کا سوال کیا تھا اس لیے انہوں نے اپنے اس فعل پر توبہ کی اور ہر چند یہ سوال کرنا مکمل نہیں تھا لیکن ایرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہوں کے حکم میں ہوتی ہیں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں کہ تیرے اذن کے بغیر تجھ سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے تو ہوش میں آ کر کہا سبحانک یعنی ہم پر ریزہ ریزہ ہونے اور بے ہوش ہونے کی آفت اور مصیبت پہنچی اور تو ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینے کے متعلق حدیث

اس آیت میں کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کا ذکر ہے رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک حدیث میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی اپنا کچھ سالن بیچ رہا تھا اس کو اس سالن کے عوض جو قیمت دی گئی اس کو اس نے پسند کیا اور کہا نہیں اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ایک انصاری نے یہ سنا تو اس یہودی کے چہرے پر ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یہ کہتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! حالانکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اور یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا یا ابا القاسم! میرے لیے ذمہ اور عہد ہے (یعنی میں ذی ہوں اور آپ کے ذمہ میری حفاظت ہے) اور فلاں شخص نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اس نے کہا تھا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے! حالانکہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے غضب ظاہر ہو رہا تھا پھر آپ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو۔ (بخاری ۴۶۳۸) کیونکہ صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں سب بے ہوش ہو جائیں گے سو ان کے جن کو اللہ چاہے گا۔ پھر دوسری بار صور

پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے میں (از خود) نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شمار کر لیا گیا یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا تھا اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۳، ۳۳۰۷، صحیح مسلم، فضائل انبیاء: ۱۵۹، (۲۳۷۳) سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۶۷۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۲۳۵، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۱۳۳، جامع لاصول، ج ۸، رقم الحدیث: ۳۳۰۸-۳۳۰۹)

”مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دو“ اس حدیث کے جوابات

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی ﷺ بلاشک تمام انبیاء اور مرسلین سے افضل ہیں پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا۔ مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو اس اعتراض کے جوابات حسب ذیل ہیں:

آپ کے ارشاد کا یہ معنی ہے کہ نفس نبوت میں کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو کیونکہ نفس نبوت میں تمام نبیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ (البقرہ: ۲۸۵)

ہم (ایمان لانے میں) اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔

اور اس ارشاد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مراتب اور درجات کے لحاظ سے کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت مت دو کیونکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ بعض رسول بعض رسولوں سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ  
يَسْأَلُونَكَ عَنْهُمْ قُلْ إِنَّ اللَّهَ وَرَفَعَهُمْ دَرَجَاتٍ  
(البقرہ: ۲۵۳)

یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے کسی کو (تمام) درجات پر بلندی عطا فرمائی۔

دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی ﷺ کی فضیلت کے متعلق احادیث

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل نے آپ کو تمام نبیوں اور رسولوں پر فضیلت دے دی اور جب اللہ جل مجدہ نے آپ کو اس فضیلت پر مطلع فرمادیا تو آپ نے خود بیان فرمایا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کرنے والا ہوں، جنتی زیادہ میری تصدیق کی گئی ہے اتنی کسی نبی کی تصدیق نہیں کی گئی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے ان کی تصدیق کی تھی۔ (صحیح مسلم، الامین: ۳۳۲، (۱۶۱) مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۵۷۳۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام لولہ آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی غر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حم کا جھنڈا ہو گا اور کوئی غر نہیں اور اس دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہو گا خواہ وہ آدم ہوں یا ان کے علاوہ اور سب سے پہلے جس شخص سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں اور کوئی غر نہیں۔

(سنن الترمذی، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، ۱۸، رقم الحدیث: ۳۱۳۸، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۵۷۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ حجرہ سے نکلے اور ان کی باتیں سننے لگے، بعض صحابہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا حضرت موسیٰ



سے اللہ نے کلام فرمایا ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے کلمہ اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں کسی نے کہا حضرت آدم کو اللہ نے منتخب کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سن لیں تم نے کہا ابراہیم خلیل ہیں وہ ایسے ہی ہیں تم نے کہا موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں وہ ایسے ہی ہیں تم نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں وہ ایسے ہی ہیں تم نے کہا آدم اللہ کے صلی ہیں وہ ایسے ہی ہیں سنو میں اللہ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۱ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۷۷ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور کوئی فخر نہیں میں خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی سب سے پہلے شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۳)

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ نبی ﷺ کو یہ علم تھا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں لیکن آپ نے تواضع اور ادب انبیاء علیہم السلام پر خود کو فضیلت دینے سے منع فرمایا لیکن اس جواب پر یہ اشکل ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو طاعت سے منع فرماتے جبکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سخت غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے آثار غضب ظاہر ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ فضیلت دینا صرف نامناسب نہیں بلکہ حرام تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مجھے دوسرے انبیاء پر اس طرح فضیلت مت دو جو دوسرے نبیوں میں نقص کی موجب یا موبہم ہو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ مجھے دوسرے نبیوں پر اس طریقہ سے فضیلت مت دو جو کئی لڑائی جھگڑے کا موجب ہو جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا تھا۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفصیل کے مسئلہ میں زیادہ بحث تھیں اور غور و فکر نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دوران بحث تمہارے منہ سے ایسا لفظ نکل جائے جو نامناسب ہو اور اس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے احرام میں کمی آئے۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ اپنی آراء اور اپنی احوال سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو یہاں قرآن اور حدیث کے دلائل سے فضیلت کو بیان کرو۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضائل کی تمام انواع و اقسام سے فضیلت مت دو حتیٰ کہ مقبول کے لیے کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

نواں جواب یہ ہے کہ کسی اہل کتاب مثلاً یہودی یا نصرانی کے سامنے تمام نبیوں پر میری فضیلت مت بیان کرو ہو سکتا ہے کہ وہ تعصب میں آکر میرے متعلق کوئی تحقیر کا کلمہ کہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ میری دوسرے نبیوں پر فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے خدائی صفات سے متصف کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا اور انہیں خد اللہ کا بیٹا کہا۔

گیارہواں جواب کے ضمن میں نبی ﷺ کی شان میں غلو کرنے کی ممانعت گیارہواں جواب یہ ہے کہ دوسرے نبیوں پر میری فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بڑھا دو۔

نبی ﷺ نے فرمایا میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا میں تو صرف اس کا بندہ ہوں پس تم کہو وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۵ سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۷۸۳ مسند ج ۱ ص ۲۳-۲۴)

اس غلو کی بعض یہ مثالیں ہیں۔

اذاں کیا جہاں دیکھو ایمان والو

ہیں ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا

کہ پہلے زبیں حر سے پاک ہوئے

تو پھر نام لے وہ حبیب خدا کا

یعنی پاک زبان سے اللہ کا نام لینا تو جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کا نام لینا جائز نہیں ہے جب کہ جنسی کے لیے قرآن مجید

کی تلاوت کرنا ممنوع ہے اور حدیث کا پڑھنا ممنوع نہیں ہے ہرچند کہ خلاف ادب ہے اسی طرح بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا

جائز نہیں ہے اور حدیث کو چھونا جائز ہے اگرچہ خلاف ادب ہے۔ اسی طرح غلو پر مشتمل ایک شعر یہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد

محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کی گرفت فرمائے گا تو کیا نبی ﷺ ان کو چھڑائیں گے اور جن مسلمان گنہ گاروں کو آپ

چھڑائیں گے تو وہ اللہ کے لڑن سے اس کی بارگاہ میں شفاعت کر کے چھڑائیں گے۔ اور دوسرے مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ نبی

ﷺ نے سردار ان قریش کے ایمان کی طمع میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے بے توجہی فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی

طرف توجہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیات نازل فرمائیں۔

انہوں نے تیوری پر مل ڈالے اور مت پھیرا اس پر کہ

ان کے پاس ٹاپا حاضر ہوا آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی

حاصل کرے یا وہ غیبت قبول کرے تو اس کو غیبت نفع

دے اور جو بے پرواہی کرتے ہیں تو آپ ان کے درپے

ہوتے ہیں اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کریں تو آپ کو کوئی

ضرر نہیں ہو گا اور جو شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا

دور آئے تاکہ وہ اپنے رب سے ڈرتا ہے تو آپ نے اس سے

بے پرواہی کی۔

عَبَسَ وَ تَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا

يُذَرُّكَ لَعَلَّهٗ يَرْكَبُ ۝ اَوْ يَدَّكُرُ فَتَفْعَهُ

الَّذِي كُرِيَ ۝ اَمَّا مِّنْ اَنْتَ لَنُی ۝ فَانْتَ لَكَ

تَصَدٰی ۝ وَمَا عَلٰیكَ الْاَبْرٰی ۝ وَاَمَّا مِّنْ

جَاءَكَ يَسْفٰی ۝ وَهُوَ يَخْفٰی ۝ فَاَنْتَ عَنَّا

تَلَهٰی ۝ (سورہ عبس: ۱-۷)

اسی طرح تین صحابہ حضرت کعب بن مالک، بلال بن امیہ اور مرادہ بن الریح پر رسول اللہ ﷺ نے گرفت فرمائی اور اللہ

تعالیٰ نے ان کو چھڑالیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک بیہوش بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کی مہم بہت سخت اور

دشوار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو عام تیاری کا حکم دیا مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرنے میں مشغول تھے

مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا تیار ہو کر چلا جاؤں گا ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت میں

تھا کہ اودھر رسول اللہ ﷺ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا میں نے سوچا کہ آپ روانہ ہو گئے ہیں تو کیا ہوا میں

انگلی منزل پر آپ سے جا ملوں گا اسی سوچ و بچار اور آج کل میں وقت نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں سخت پریشان تھا سارے مدینہ میں بکے منافقوں یا معذور مسلمانوں کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا میں نے سوچا کہ میں جو کہ میں نہ جانے کے متعلق کوئی عذر بیان کر کے جان بچاؤں گا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خیریت سے تشریف لے آئے ہیں تو سارے جموٹے عذر کاغذ ہو گئے اور میں نے سوچا کہ بچ کے سوا کوئی چہ اس بارگاہ میں نجات دینے والی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے صحابہ کرام جمع تھے منافقین جموٹے عذر پیش کر کے ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا۔ میرے سلام کا آپ نے غضب آمیز تجسم کے ساتھ جواب دیا اور میری غیر حاضری کی وجہ دریافت کی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں کسی دنیا دار کے سامنے پیش ہوتا تو جموٹے عذر بیان کر کے اپنی چرب زبانی سے صاف بچ جاتا مگر میں تو اس ذات کے سامنے معاملہ درپیش ہے کہ اگر میں نے جموٹے بول کر وقتی طور پر اپنے آپ کو بچا بھی لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حل سے مطلع فرما دے گا اس کے برعکس بچ بولنے سے مجھے آپ کی ناراضگی برداشت کرنی پڑے گی مگر اس کا انجام ہر ہو گا۔ یا رسول اللہ! امر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غزوہ تبوک میں نہ جانے کا کوئی عذر نہیں ہے جس وقت میں آپ کے ہمراہ تبوک نہیں گیا اس وقت سے زیادہ وسعت اور فراخی مجھے کبھی حاصل نہیں تھی میں مجرم ہوں آپ جو چاہیں میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے بچ کہا ہے اچھا جو اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو بعد میں معلوم ہوا کہ دو اور شخص (ہلال بن امیہ اور حراہ بن ربیع) بھی میری طرح تھے۔ آپ نے ہم تینوں کے متعلق حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے سب علیحدہ رہیں سو کوئی مسلمان ہم سے بات نہیں کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے اور گھر میں روتے رہتے تھے۔ میں چونکہ سخت اور قوی تھا مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا تھا میں آپ کو سلام کرتا تھا اور دیکھتا تھا کہ آپ کے لب مبارک حرکت کرتے ہیں یا نہیں جب میں آپ کو دیکھتا تھا تو آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص رشتہ دار اور امراء بھی مجھ سے بے گانہ ہو گئے تھے ایک روز مجھے شاہ غسان کا ایک خط ملا کہ تم ہمارے ملک میں آ جاؤ وہاں تمہاری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی ایک ابتلاء ہے اور وہ خط میں نے جلا دیا۔ چالیس دن بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک حکم پہنچا کہ میں اپنی بیوی سے بھی الگ ہو جاؤں چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو یکے بھج دیا مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر میں اسی حال میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ تو میری نماز جنازہ بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر بالفرض اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ کا وصل ہو گیا تو مسلمان میرا مستقل بایکٹ رکھیں گے اور میری میت کے بھی کوئی قریب نہیں آئے گا فرض پچاس دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی اور مجھے زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ اچانک جبل سلح (ایک پہاڑ) سے آواز آئی: "اے کعب بن مالک مبارک ہو" میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا معلوم ہوا کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ خبر دی کہ ہماری توبہ قبول ہو گئی ہے آپ نے نماز فجر کے بعد صحابہ کو مطلع کر کے فرمایا اور مجھے خوش خبری سنانے کے لیے ایک سوار میری طرف دوڑا مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے ندا کی اور سوار سے پہلے اس کی آواز مجھ تک پہنچ گئی۔ میں نے اپنے کپڑے اندر کر آواز لگنے والے کو دیے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا مسلمان مجھے جوق در جوق مبارک باد دے رہے تھے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی۔

۱ صحیح البخاری: رقم الحديث ۲۷۷۷، صحیح مسلم: التوبہ: ۵۳، سنن ابوداؤد: رقم الحديث ۳۳۸۸، سنن الترمذی: رقم

الحديث ۳۳۲۲، صحیح ابن خزيمة: رقم الحديث ۲۴۲۲، سنن الدارمی: رقم الحديث ۲۴۵۳، سنن ابن ماجہ: رقم الحديث ۳۰۴۳، سنن

الترمذی 'رقم الحدیث: ۳۱۰۲' سند احمد 'ج ۳' ص ۲۵۹ 'جامع لاصول' 'ج ۲' رقم الحدیث: ۱۲۳

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول کرنے اور ان کی نجات کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا اس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں:

وَعَسَى الْفَلْسَفَةُ الْغَيْرُ خَلِقُوا حَتَّىٰ إِذَا  
صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْآرْضُ بِمَارْحَتٍ وَصَافَتْ  
عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظُنُّوْا أَن لَّمْ يَلْحَاقِمْ الْكَلْبُ الْآ  
الْكَلْبُ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ  
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبة: ۷۸)

اور ان تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی جن کا حکم موخر رکھا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین وسعت کے باوجود ان پر ٹگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر ٹگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ ہمیشہ توبہ کرتے رہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان ہے۔

ان مذکور الصدر احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے ان تین صحابہ پر گرفت فرمائی اور آپ کے حکم پر مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے مقابلہ جاری رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان کی خلاصی کرا دی اس لیے یہ مصرع صحیح نہیں ہے کہ: "محمد کا پکڑا چمڑا کوئی نہیں سسکا۔"

رسول اللہ ﷺ کی شان میں غلو کی ایک اور یہ مثل ہے۔

معنی	حرم	کئی	تحقیق	اگر
نگری	بلیدہ	صدیق	اگر	
قوت	قلب	و	جگر	نہی
از	خدا	محبوب	تر	گرد

(اگر میرے نظریہ کو جانو اور حضرت صدیق اکبر کی نظر سے دیکھو تو نبی "اللہ سے زیادہ محبوب ہیں")

یہ اشعار قرآن مجید کی اس آیت کے صراحہ خلاف ہیں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَكْبَرُ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ: ۱۷۷)

اور ایمان والے سب سے زیادہ محبت "اللہ سے کرتے

ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کائنات میں سب سے افضل ہیں اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ آپ سے محبت ہونی چاہیے لیکن ان تمام تر عظمتوں کے باوجود نبی ﷺ اللہ کے بندہ اور اس کی مخلوق ہیں، اور خالق اور مخلوق کے درمیان اس طرح تقابل کرنا کہ مخلوق خالق سے زیادہ افضل یا زیادہ محبوب یا زیادہ با اختیار ہے صحیح انداز فکر نہیں ہے۔

امام ابو جعفر احمد بن علی الترمذی ۳۸۰ھ روایت کرتے ہیں:

عمر بن قلوہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت قلوہ بن التعملم بنوہیہ کی آنکھ جنگ بدر کے دن زخمی ہو گئی اور ان کی آنکھ کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آگیا، مسلمانوں نے اس کو کٹ کر نکالنے کا ارادہ کیا، پھر نبی ﷺ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: نہیں، پھر حضرت قلوہ کو بلایا آپ نے اپنی ہتھیلی سے وہ ڈھیلا (اپنی جگہ رکھ کر) بلایا، پھر بتائیں چلتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

(مسند ابوسعلی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۰۲، دلائل النبوة للسیوطی 'ج ۳' ص ۱۰۰، مسند الخلفاء 'ج ۲' ص ۷۰، رقم ۳۲۷، الاسابہ 'ج ۵' ص ۳۱۸، رقم: ۷۰۹)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک کمن ہدیہ کی گئی، جنگ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے وہ کمن مجھے دے دی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اس کمن سے تیر مار رہا تھا کہ وہ کمن ٹوٹ گئی اور میں مستغفل رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا رہا جو تیر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف آتا میں اس تیر کے سامنے اپنا چہرہ کر دیتا (اور کمن ٹوٹنے کی وجہ سے) میں اس وقت کوئی تیر نہیں مار رہا تھا حتیٰ کہ ایک تیر آکر میری آنکھ میں لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا نکل کر میرے چہرے پر آگیا میں نے وہ ڈھیلا نکل کر اپنے ہاتھ میں رکھا جب رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ میں نکلی ہوئی آنکھ کا ڈھیلا رکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے دعا کی: اے اللہ اقلدہ نے تیرے نبی کے چہرے کو اپنے چہرے سے پھیلایا ہے تو اس کی اس آنکھ کو دونوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز بنا دے، سو ان کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر دلاتی تھی۔

(المکرم الکبیر ج ۸ ص ۸، رقم الحدیث: ۳۷۰۰، دلائل النبوة لابی نعیم ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۷۷، المستدرک ج ۳ ص ۲۹۵، الاستیعاب ج ۳ ص ۳۳۸، رقم الحدیث: ۳۳۱، سند الخطاب ج ۳ ص ۲۷۰، رقم الحدیث: ۳۲۷۷، کاصابہ ج ۵ ص ۳۸، رقم الحدیث: ۷۰۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۳)

غیر محتاط و اطمینان اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں اتنی روشنی نہیں تھی جتنی مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی، اللہ اور اس کے رسول کی عطا میں مقابل کا یہ انداز بہت خطرناک ہے، یہ دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی تھیں فرق یہ ہے کہ ایک آنکھ ماں باپ کے جسمانی توسل سے ملی تھی اور دوسری آنکھ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ملی تھی اس لیے اس آنکھ کا حسن اور اس کی نظر دوسری آنکھ سے زیادہ تھی۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی فضیلت بیان کرنے میں غلو اور مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کی صفات خدا کے برابر بیان کی جائیں نہ آپ کو خدا سے بڑھایا جائے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۶۳۸)

نیز آپ نے فرمایا: بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت مت دو۔ (سند احمد ج ۳ ص ۳۱) اور فرمایا: مجھے انبیاء پر فضیلت مت دو اور نہ یونس بن ممتی پر (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۷) اور ان سب احادیث کا ایک محمل یہ ہے کہ مجھے خدا کے برابر نہ کرو یا مجھے خدا سے نہ بڑھاؤ اور اس محمل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق غلو کیا تھا، تم کو وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۴۴۵) اس توجیہ کے بیان کرنے کے سلسلہ میں کلام طویل ہو گیا کیونکہ ہمارے زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کی شان بیان کرنے میں بہت افراط اور تقریب ہے، بعض لوگ آپ کی شان بیان کرنے سے مطلقاً منع کرتے ہیں اور آپ کے فضائل میں قطع برید کرتے ہیں اور بعض اس میں افراط کرتے ہیں اور حد سے گزر جاتے ہیں، میں نے اصلاح کی اپنی سی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سطور میں اثر آفرینی فرمائے۔ (آمین) اب میں اس حدیث کے بقیہ تشریح طلب اجزاء کی وضاحت کرتا ہوں۔ ما قول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

معقہ کا معنی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب پر معقہ طاری ہو گا، سو ان کے جن کو اللہ چاہے۔ (الترمذی ص ۱۸) معقہ کا معنی موت ہے اور کبھی اس سے مراد بے ہوشی بھی ہوتی ہے، جیسے اس آیت میں ہے وحرر موسیٰ صعباً (الاعراف: ۱۲۳) اس آیت میں جن لوگوں کا معقہ سے استثناء کیا ہے ان کے معذاتوں میں

ظہیان القرآن



اختلاف ہے 'ایک قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شہداء ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ ان کی محسن میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے 'مگر ان میں سے ہر ایک قائل ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے 'میں از خود نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شہر کر لیا گیا یا (وہ بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن ان کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا۔  
انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلائل

علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۴۵۱ھ نے فرمایا ہے کہ جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس سے انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور عام انسان سب مر جائیں گے 'سو عام لوگوں کے حق میں معتد کا معنی موت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں معتد کا معنی بے ہوشی ہے 'کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے حق میں موت کا معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور موت کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں 'ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندہ لوگوں کی صفات ہیں 'اور جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء علیہم السلام تو اپنی وفات کے بعد اس حال کے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد 'رقم الحدیث: ۱۰۴' سنن اصابی 'رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث: ۱۶۳۶)

نیز شب معراج تمام انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے 'خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کو نبی ﷺ نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح مسلم 'المنازل انبیاء: ۵۶' ۴۳۷۳)

اس طرح کی احادیث بہت زیادہ ہیں جن کے مجموعہ سے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں طور کہ ہم ان کا اور اک نہیں کر سکتے 'ہر چند کہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے کہ وہ بھی موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھا سوائے اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کرامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے 'اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں ہر شخص پر معتد طاری ہو گا مگر ان کے جن کو اللہ چاہے 'غیر انبیاء کے معتد کا معنی ہے وہ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے۔ اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آجائیں گے 'اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ حقیقتاً سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور تمام لوگوں سے پہلے اپنی قبر مبارک سے باہر آئیں گے 'خواہ وہ انبیاء ہوں یا ان کے غیر' مگر اسوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ ان کے متعلق نبی ﷺ کو تردد تھا 'آیادہ آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا وہ پہلے معتد سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور اس کے قائم مقام طور کی بے ہوشی تھی 'بہر حال جو بھی شکل ہو اس حدیث کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے جو ان کے غیر میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

(المجموع 'ج ۶' ص ۲۳۳-۲۳۱ 'مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبیؐ پر فضیلت جزی کی تحقیق

علامہ قرطبی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبیؐ پر فضیلت جزی حاصل تھی کہ وہ یا تو پہلے معذ سے بے ہوش نہیں ہوئے یا بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ہر صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فضیلت ثابت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۵ طبع لاہور، عمدة القاری ج ۳ ص ۴۵۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

نیز یہ فضیلت جزی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہے اور یہ فضیلت کلی کے معنی میں نہیں ہے۔

(اشعة المطالع ج ۳ ص ۴۵۱، مطبوعہ بیچ کار لکھنؤ)

ملا علی بن سلطان محمد نقاری المتوفی ۱۰۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فضیلت کے ساتھ خاص ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ وہ اس ذات سے بڑھ جائیں جو ان پر فضائل کثیرہ اور متعدد وجود سے مقدم ہیں۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۷۱، مطبوعہ مکتبہ المدینہ لاہور، ۱۳۹۰ھ)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر اور اول انسان ہیں اور نبیؐ پر ان کی یہ فضیلت جزی ہے لیکن فضیلت کلی نبیؐ کو ہی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ اپنی مٹی کی دعا کی وجہ سے اپنی ولادت کے وقت میں شیطان سے محفوظ رہے اور انہوں نے پتھر سے کلام کیا اور بچپن ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ لیکن فضیلت کلی کے حامل صرف نبیؐ ہیں۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۷۶۶ھ نے ایک اور جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ "میں (از خود) نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔" یہ اس وقت کی بات ہے جب نبیؐ کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ حقیقتاً سب سے پہلے آپ ہوش میں آ کر قبر سے نکلیں گے۔ اور آپ ہی علی الاطلاق سب سے پہلے اٹھیں گے۔ اور جو گروہ سب سے پہلے قبروں سے اٹھے گا اس میں علی الاطلاق سب سے پہلے آپ اٹھیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گروہ سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النوادی ج ۱۰ ص ۶۲۳۳، مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

قاضی عیاض اور علامہ نووی کے اس جواب کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبیؐ پر فضیلت جزی بھی نہیں رہی، نبیؐ علی الاطلاق سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا۔ اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔

(صحیح مسلم فضائل: ۳ (۲۲۷۸) ۵۸۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۶۷۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۱۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۰۸ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۳۷۷۸ سنن احمد ج ۱ رقم الحديث: ۱۰۹۸ طبع جدید دار الفکر، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱ ج ۳ ص ۳۲۲ المستدرک ج ۲ ص ۳۶۵ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۵ کنز العمال رقم الحديث: ۳۱۸۷۹)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۳ھ اور علامہ نووی شافعی متوفی ۷۶۶ھ کے جواب کو علامہ ابی مالکی متوفی ۸۴۸ھ، علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی

۱۲۵۲ھ نے بھی اپنی شروعات میں نقل کیا ہے:

(اکمل اکل المسلم ج ۸، ص ۳۷، معلم الاکل ج ۸، ص ۳۷، مجمع البحار ج ۳، ص ۲۵۱، البیان ج ۲، ص ۲۰۳، اشعث

المطت ج ۲، ص ۴۵)

بظاہر اس حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی مقرر پر فضیلت لازم آتی ہے۔ مدت دراز سے میں اس اشکال کا جواب دینا چاہتا تھا اور اس حدیث کی محل تحقیق کرنا چاہتا تھا اس کے بلوجود نہ جانے کسی وجہ سے شرح صحیح مسلم میں اس کی تشریح مجھ سے رہ گئی، ذریعہ تفسیر آیت میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر بے ہوش ہونے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں اس کا حوالہ ہے اس مناسبت سے میں نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا اور اس کی تفصیل اور تحقیق کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کو اثر آفریں بنائے۔ (آمین) اب پھر میں بقیہ آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے موسیٰ! میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغام اور اپنے کلام سے فضیلت دی، پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۱۴۴)

دیدار نہ کرانے کی تلافی میں کلام سے مشرف فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کو طلب کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی تلافی میں اور دوسری عظیم نعمتیں عطا فرمائیں گویا کہ یوں فرمایا کہ اگر تم کو دولت دیدار حاصل نہیں ہوئی تو تم رنجیدہ نہ ہو میں تمہیں ایک اور عظیم نعمت عطا فرما رہا ہوں وہ میری رسالت اور میرا کلام ہے، سو تم اس نعمت پر میرا شکر ادا کرو۔ اس آیت میں فرمایا ہے میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ نے اوروں کو بھی رسول بنایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو رسالت اور کلام دونوں کے مجموعہ سے نوازا ہے۔ اور یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ رسالت اور کلام کے ساتھ میں نے تم کو مخلوق پر فضیلت دی ہے بلکہ فرمایا ہے لوگوں پر فضیلت دی ہے، کیونکہ مخلوق میں فرشتے بھی ہیں اور فرشتے اللہ کا کلام بلا واسطہ سنتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی نعمت پر شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کے لوازم اور تقاضوں پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی، سو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں، عنقریب میں تم کو فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا۔ (الاعراف: ۱۴۵)

تورات کی تختیوں کا مادہ، تعداد اور نزول کی تاریخ

امام عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ تورات سونے کے قلموں سے لکھی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات زمرہ کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی، اس میں ہر چیز کا بیان تھا، اور اس میں نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر

آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بنو اسرائیل پتھر کے سائے بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہیں تو جوش غضب سے ان کے ہاتھوں سے تورات گر کر ٹوٹ گئی پھر وہ ہارون کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سر سے پکڑ لیا پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کے چھ حصے اور پانچا لے لیے اور ایک حصہ رہ گیا۔

جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تورات نازل کی گئی تھی وہ ہیری کے پتوں پر لکھی ہوئی تھی اور اس لوح کا طول بارہ ہاتھ تھا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ تورات کی تختیاں یا قوت کی تختیں اور میں کتابوں کہ وہ زمر کی تختیں اور اس پر سونے سے لکھا ہوا تھا اور رخصت جبارک و تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور آسمان والوں نے قلم چلنے کی آواز سنی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۶۳، ۱۵۶۲، مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ، امام عہد بن حمید اور امام ابن المنذر نے حکیم بن جابر سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے سوا کسی چیز کو پیدا کرنے میں اپنا ہاتھ نہیں لگایا اپنے ہاتھ سے جنت میں پودا لگایا اور اس (ایک قسم کی گھاس جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) اور زعفران کو اس کی مٹی بٹایا اور اس میں مشک کے پاؤں بنائے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (الدر المنثور ج ۳، ص ۵۵۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام عبد الرحمن بن محمد بن علی بن الجوزی الحلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

تورات کی الواح کے متعلق سات قول ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ زمر کی الواح تھیں سعید بن جبیر نے کہا: یا قوت کی تختیں مجاہد نے کہا: بنو زمر کی تختیں ابو اللیث نے کہا: ایک قسم کے کپڑے کی تختیں حسن بصری نے کہا: گلابی کی تختیں وہب بن منبہ نے کہا: پتھر کی تختیں مقاتل نے کہا: زمر اور یا قوت کی تختیں۔ ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سات الواح تھیں ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: دو تختیاں تھیں اور یہ فراقا اعتبار ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: دس تختیں مقاتل نے کہا: نو تختیں۔ (ازاد المسیر ج ۲، ص ۲۵۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۳۰ھ)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے تھے اور یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات عطا فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۱۰، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

تورات میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل مذکور ہونے کی توجیہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت لکھ دی تھی۔

ہر چیز سے مراد عموم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اپنے دین میں حلال حرام اور اچھی اور بری چیزوں کے متعلق جن احکام کی احتیاج تھی وہ سب تورات میں لکھی ہوئی تھیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ فرمایا ہے: ہر چیز سے مراد احکام شریعہ ہیں مثلاً فرض واجب حلال اور حرام وغیرہ۔ دو سرائقول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر چیز کی حکمتیں اور عبرتیں وغیرہ ہیں۔ (ازاد المسیر ج ۲، ص ۲۵۸، طبع بیروت)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے کہ عرف اور عکورہ میں کل شئی سے مراد حقیقتاً عموم نہیں ہوتا جیسے کہتے ہیں لفظ آدمی کے پاس ہر چیز ہے یا میں شرم میں گیا اور میں نے ہر چیز خرید لی۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۸، ص ۲۵۳)

میں کہتا ہوں اس سے عموم بھی مراد ہو سکتا ہے جب کہ اس کا یہ معنی کیا جائے کہ ان کو دنیا میں صلاح اور آخرت میں فلاح کے لیے جس قدر احکام کی احتیاج تھی اللہ تعالیٰ نے وہ تمام احکام تورات کی الواح میں لکھ دیے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی۔“ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو جس قدر احکام شریعہ دیے تھے تورات میں ان تمام احکام کی تفصیل لکھ دی تھی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی احکام بیان فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل سنت اور قیاس سے معلوم ہوتی ہے، لیکن بنو اسرائیل کے لیے احکام کا ماخذ صرف تورات تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام تفصیلات تورات ہی میں لکھ دی تھیں۔ مثلاً نماز کا قرآن مجید میں اجمالی حکم ہے، پانچ اوقات کی تفصیل اور عھین درج نہیں نہ نماز کی رکعات کی تعداد کا بیان ہے اور ہر رکعت میں کیا پڑھنا ہے اس کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ حج کے فرائض، ارکان، شرائط اور موانع کا ذکر نہیں ہے، ان تمام امور کی تفصیل سنت میں ہے، اسی طرح بعض احکام قیاس سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً خمر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے لیکن دیگر نشہ آور چیزوں کی حرمت قیاس سے ثابت ہے۔ بنو اسرائیل کے لیے قیاس اور اجتہاد نہیں تھا نہ ان کے ہاں سنت اور حدیث کی شرعی حیثیت تھی۔ ان کے احکام کا ماخذ صرف تورات تھی، لہذا جو تفصیلات ہم کو سنت اور اجتہاد سے معلوم ہوتی ہیں وہ تمام تفصیلات اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تورات میں لکھ دی تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تورات میں احکام بھی لکھے اور تمام احکام سے متعلق ہر تفصیل لکھ دی، اس لیے فرمایا: ہم نے تورات کی الواح میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

تورات کے احکام کا درجہ بہ درجہ ہونا

اس کے بعد فرمایا اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں۔

آیت کے اس حصہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تورات میں کچھ ایسے حکم بھی ہیں جو بہترین نہیں

ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ یہ معنی ”معلوم مخالف کے اعتبار سے لیا گیا ہے“ اور اہل اعراف کے نزدیک قرآن اور حدیث میں معلوم مخالف معتبر نہیں ہے اور تورات کے تمام احکام بہترین ہیں اور جن ائمہ کے نزدیک معلوم مخالف معتبر ہے ان کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ تورات کے احکام درجہ بہ درجہ ہیں اور بعض احکام بعض سے زیادہ بہتر ہیں۔

۲۔ بنو اسرائیل کو برے کاموں سے روکا گیا تھا اور نیک کاموں کا حکم دیا گیا تھا اور برائی سے رکنا، نیکی کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ معاف کرنا قصاص لینے سے بہتر ہے اور صبر کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ سو ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ قصاص لینے کی بجائے معاف کر دیں اور بدلہ لینے کی بجائے صبر کریں اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَشْتُورُونَ ۝

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ تَمَثَّلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ

فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ

(الشوری: ۴۰-۴۱)

اور وہ لوگ جن پر جب (کسی کا) ظلم پہنچے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے، پس جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے، بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کے بعد فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ضرور

الْأُمُورِ (الشوری: ۴۲)

ہمت کے کاموں (بہترین کاموں) میں سے ہے۔



۳۔ تورات میں فرائض، نوافل اور مباح کاموں کے احکام ہیں، فرائض اور نوافل پر عمل کرنا بہترین عمل ہے اور صرف فرائض پر عمل کرنا اس سے کم درجہ کا ہے اور مباح پر عمل کرنا اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ اسلام میں بھی احکام درجہ بہ درجہ ہیں، پہلے فرائض کا مرتبہ ہے پھر واجبات کا، پھر سنن کا، پھر مستحبات کا، پھر مباحات کا۔

اس کے بعد فرمایا: ”عقرب میں تم کو فاقہوں کا گھر دکھاؤں گا۔“ حسن اور مجاہد نے کہا اس سے مراد جہنم ہے۔ عطیہ عوفی نے کہا اس سے مراد فرعون اور اس کی قوم کا گھر ہے جو کہ مصر ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد جابرہ اور علقمہ کے گھر ہیں جو ان کو اللہ نے شام میں دخول کے وقت دکھائے تھے۔ سدی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ میں عقرب میں تم کو ان لوگوں کا انجام دکھاؤں گا جنہوں نے میرے احکام کی مخالفت کی تھی، سو یہ تہدید اور تحذیر ہے۔ (زاو السیرج ۳، ص ۲۶۰)

الواح تورات میں نبیؑ اور آپؐ کی امت کی خصوصیات

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں یہ پڑھا ہے کہ ایک امت سب سے آخر میں پیدا ہوگی اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی، تو ان کو میری امت بنادے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ امت احمد ہے، کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ ایک امت سب سے بہترین امت ہے وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور اللہ پر ایمان لائیں گے، تو ان کو میری امت بنادے! فرمایا: وہ امت احمد ہے، کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت پہلی کتاب پر اور آخری کتاب پر ایمان لائے گی اور وہ گمراہوں سے قتل کرے گی، حتیٰ کہ کانے کذاب سے قتل کرے گی تو ان کو میری امت بنا دے! فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت اپنے صدقات کو کھائے گی اور اس کو اس پر اجر ملے گا تو اس کو میری امت بنادے! فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ (قتادہ نے کہا تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی شخص صدقہ کرتا اور اس کا وہ صدقہ قبول ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک آگ بھیجتا وہ اس صدقہ کو کھا لیتی اور اگر وہ صدقہ قبول نہ ہوتا تو وہ بچ نہی پڑا رہتا اور اس کو درندے اور پرندے کھا جاتے اور بے شک اللہ نے تمہارے فقراء کے لیے تمہارے اغنیاء سے صدقات کو لیا اور یہ اس کی تم پر تخفیف اور رحمت ہے) کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ اس امت کا جب کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ اس نیکی پر عمل کرے تو اس جیسی دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیاں اور اس کی دگنی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، تو ان کو میری امت بنادے! فرمایا: یہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں یہ پڑھا ہے، اس امت کا کوئی شخص جب کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے اور جب وہ عمل کرے تو پھر اس کا ایک گناہ لکھا جاتا ہے تو اس کو میری امت بنادے! فرمایا: یہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ وہ امت لوگوں کی دعوت قبول کرے گی اور حق کی دعا قبول کی جائے گی تو ان کو میری امت بنادے! فرمایا: وہ امت احمد ہے، پھر حضرت موسیٰؑ نے کہا اے اللہ! مجھے امت احمد بنادے! فرمایا: میں تم کو دایک چیزیں دے رہا ہوں جو میں نے کسی کو نہیں دیں، میں نے تم کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ فضیلت دی ہے، یہ ایک چیز ہے، پھر موسیٰؑ علیہ السلام راضی ہو گئے اور دوسری چیز یہ ہے کہ موسیٰؑ کی قوم سے ایک امت ایسی ہوگی جو حق کے ساتھ ہدایت دے گی اور حق کے ساتھ عدل کرے گی۔ پھر موسیٰؑ علیہ السلام کھل راضی ہو گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۳، رقم الحدیث: ۸۹۷۵)

طبیان القرآن

امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب تورات میں ان خصوصیات کو پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو عطا کی ہیں تو اپنے رب سے کہا اے رب! وہ کون سے نبی ہیں جن کو اور جن کی امت کو تو نے اول و آخر بتلایا ہے؟ فرمایا وہ محمد نبی امی عربی حری تمہاری ہیں جو قذیر بن اسماعیل کی اولاد سے ہیں ان کو میں نے محشر میں اول بتلایا ہے اور ان کو میں نے (دنیا میں) آخر بتلایا ہے اور ان پر رسولوں کو ختم کر دیا ہے اے موسیٰ! میں نے ان کی شریعت کے ساتھ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ان کی کتب کے ساتھ تمام کتابوں کو اور ان کی سنت کے ساتھ تمام سنتوں کو اور ان کے دین کے ساتھ تمام ادیان کو۔ کہا اے رب! بے شک تو نے مجھے منتخب کیا ہے اور مجھ سے کلام فرمایا ہے فرمایا اے موسیٰ! بے شک تم میرے صلی ہو اور وہ میرے محبوب ہیں قیامت کے دن میں ان کو بلندی پر اٹھاؤں گا اور ان کے حوض کو سب سے بڑا حوض بتاؤں گا اور ان کے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے اور ان کے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ کہا اے رب! تو نے ان کو مکرم اور مشرف بتلایا ہے فرمایا اے موسیٰ! مجھ پر حق تھا کہ میں ان کو مکرم بناتا اور ان کو اور ان کی امت کو فضیلت دیتا کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام غیب پر ایمان لائیں گے۔

کہا اے میرے رب! یہ ان کی نعت ہے فرمایا ہاں! کہا اے میرے رب! کیا تو نے ان کو جوہرہ کیا ہے یا میری امت کو؟ فرمایا بلکہ جوہرہ ان کے لیے ہے نہ کہ تمہاری امت کے لیے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں ایک امت کی یہ صفت دیکھی ہے کہ ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے وہ کون ہیں؟ آیا وہ بنو اسرائیل ہیں یا کوئی اور ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے وضو کے آثار سے (قیامت کے دن) ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم پل صراط سے بکلی اور آندھی کی طرح گزرے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم پانچ نمازیں پڑھے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے نیک لوگ بدکاروں کی شفاعت کریں گے وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کا کوئی شخص کوئی گناہ کرے گا پھر وضو کرے گا تو اس کا گناہ بخش دیا جائے گا اور جب وہ نماز پڑھے گا تو بغیر کسی گناہ کے نماز پڑھے گا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم تیرے رسولوں کی تبلیغ کی گواہی دے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے لیے مل غنیمت کو حلال کر دیا جائے گا جو دوسری امتوں پر حرام تھا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے لیے تمام روئے زمین تحیم کا آلہ اور مسجد بنا دی جائے گی وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہیں کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم ایسی ہوگی کہ اس کا ایک آدمی پچھلی امتوں کے تیس آدمیوں سے افضل ہو گا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم تجھ سے محبت کرے گی تیرے ذکر میں ہنسا لے گی تیری خاطر غضب میں آئے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے اعمال کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور فرشتے ان کو گلے لگائیں گے وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے نیک لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ان کے درمیانی طبقہ کے لوگوں سے آسمان حساب لیا جائے گا اور ان کے خالوں کو بخش دیا جائے گا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے کہا اے میرے رب!

مجھے اس امت میں سے کر دے' فرمایا: اے موسیٰ! تم ان میں سے ہو اور وہ تم میں سے ہیں، کیونکہ تم بھی میرے دین پر ہو اور وہ بھی میرے دین پر ہیں لیکن میں نے تم کو اپنی رسالت اور ہم کلام ہونے کی فضیلت عطا کی ہے سو تم شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۵۵-۵۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، وہ اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اختیار کر لیں گے کیونکہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور وہ ان سے غفلت برتتے رہے۔ (الاعراف: ۳۶)

اللہ کی آیات سے کفار کے دلوں کو پھیرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے پر کفار کی مذمت کیوں فرمائی ہے؟ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَسَاءَ لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (الانشقاق: ۳۰)  
فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُّعْرِضِينَ  
ان کو کیا ہوا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟  
انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔  
(المدثر: ۳۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ جب کفار اپنے کفر میں مبالغہ کرتے ہیں اور اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جس میں ان کا قلب مرجاتا ہے تو پھر ان کو کوئی ہدایت مفید نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیرتا ہے اور ان کے دلوں پر مرگاتا ہے۔  
تکبر کا لغوی اور شرعی معنی

اس آیت میں تکبر کرنے والوں پر بھی وعید فرمائی ہے۔ تکبر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ فرماتے ہیں: دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا اور بڑا سمجھنے کی وجہ سے انسان کو جو حالت حاصل ہوتی ہے اس کو تکبر کہتے ہیں اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ انسان اللہ کے سامنے تکبر کرے اور حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے اور عبادت کرنے سے عار محسوس کرے، اگر انسان بڑائی کو حاصل کرنے کے لیے تک و تد کرے تو یہ محمود ہے اور اگر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرے اور اس میں وہ بڑے اوصاف نہ ہوں تو یہ مذموم ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۳۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"وہ تکبر کرتے ہیں" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو افضل المخلوق سمجھتے ہیں اور ان کو وہ اختیار حاصل ہے جو ان کے غیر کو حاصل نہیں ہے اور یہ تکبر صرف اللہ کو زیبا ہے کیونکہ وہی ایسی قدرت اور ایسی فضیلت کا مالک ہے جو کسی اور کے لیے ممکن نہیں ہے، اس لیے وہی تکبر کی صفت کا مستحق ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے اور تمام بندوں کے حق میں تکبر کی صفت مذموم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تکبر کی صفت محمود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر فرمائے اور اس کے

لے یہ حق ہے اور دوسروں کے لیے باطل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)  
امام رابع اسفہانی اور امام رازی نے تکبر کا جو معنی بیان کیا ہے وہ درست ہے لیکن تکبر کا شرعی معنی وہ ہے جو نبی ﷺ کی اس حدیث سے مستقل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا: آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو، آپ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمل کو پسند کرتا ہے، تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جلتا ہے۔

(صحیح مسلم الامین: ۷/۳۳۷، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۰۹۷، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۲۹۸۸، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۵۹)

مسند احمد ج ۱، ص ۳۵، رقم الحدیث: ۳۳۱۰، جامع الاصول: رقم الحدیث: ۸۲۸)

تکبر کے معنی کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو اس محل میں مرے کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو مگر اللہ اس کو دوزخ میں (داخل) کر دے گا۔ جب حضرت عبداللہ بن قیس انصاری نے یہ حدیث سنی تو وہ رونے لگے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: اے عبداللہ بن قیس تم کیوں رورہے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے ارشاد کی وجہ سے، آپ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو تم جنت میں ہو گے۔ پھر نبی ﷺ نے ایک شکر بھیجا اس میں انہوں نے جملہ کیا اور شلوت پائی۔ آپ نے پھر اس حدیث کو تین بار دہرایا، انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ! میں جمل سے محبت کرتا ہوں، میں تلوار، حائل کرتا ہوں اور میلے کپڑے دھوتا ہوں، اپنی جوتی اور اس کے قسموں کو حسین بناتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میری مراد یہ نہیں ہے، تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جلتا ہے۔ اس نے کہا: یا نبی اللہ! حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: حق کا انکار یہ ہے کہ تمہارا کسی شخص پر مل ہو وہ اس کا انکار کر دے اور کہے کہ اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے، پھر کوئی شخص اس کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دے تو وہ اس کا انکار کرے، اور لوگوں کو حقیر جلتا ہے کہ ایک شخص ناک چڑھا کر آئے اور جب وہ پس ماندہ اور فقراء لوگوں کو دیکھے تو ان کو سلام نہ کرے اور ان کو بے وقعت جان کر ان کے پاس نہ بیٹھے، پس یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو حقیر جلتا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے پیوئے لگے ہوئے کپڑے پہنے اور جوتی کی مرمت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا اور نوکر جب بیمار ہوں تو ان کی عیادت کی اور بکری کا دودھ دیا تو وہ تکبر سے بری ہو گیا۔

(الطالب العالیہ: رقم الحدیث: ۲۶۷۵، علامہ احمد بن ابی بکر میری متوفی ۸۴۰ھ نے اس حدیث کو مسند عبد بن حید اور حاکم سے نقل کیا ہے۔)

اتخلف السلوۃ الحمرة بزيادة السند البشارة ج ۸، ص ۳۹۰)

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن مجید کی آیات

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُنْكَبِرٍ  
اسی طرح اللہ ہر مغرور تکبر کے دل پر سرنگا دیتا ہے۔

حَبَّارِ (المومن ۳۵)

اور ہر تکبر معاند ہلاک ہو گیا۔

وَحَبَّابُ كُلِّ حَبَّارٍ عَنِيدٌ (ابراہیم: ۱۵)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

أَنَّهُ لَا يُؤْتِي الْمُسْكَرِينَ (النحل ۴۳)

إِنَّ الْوَيْسَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي  
بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ  
مَسِيدٌ خُلُونٌ جَهَنَّمَ دَاجِرِينَ (المومن: ۶۰)  
تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ عزت میرا تہند ہے اور کبرياء (بڑائی) میری چادر ہے جس شخص نے ان میں سے کسی کو بھی کھینچا میں اس کو عذاب دوں گا۔ امام ابو داؤد کی روایت میں ہے جس نے ان میں سے ایک کپڑے کو بھی کھینچا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

(صحیح مسلم البر والصل: ۱۳۶، ۱۳۷-۱۳۸) سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۷۳۳، مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۸، ۲۳۹

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دلوائے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متکبروں کو قیامت کے دن مردوں کی صورت میں جیونئی کی جسامت میں جمع کیا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہٹایا جائے گا جس کا نام بولس ہے اس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۰۰، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۹۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹، رقم الحدیث: ۶۷۷۷، اللادب المفرد رقم الحدیث: ۵۵۷، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیش آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبرین کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۳)  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل نے تم سے زمانہ جاہلیت کے بوجھ کو اتار دیا ہے اور تمہارے باپ دادا کی بڑائی کو ختم کر دیا ہے اب لوگوں کی دو قسمیں ہیں نیک پرہیزگار وہ اللہ عزوجل کے نزدیک کرم ہے اور فاجر بد بخت وہ اللہ عزوجل کے نزدیک ذلیل ہے تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت و ولادہ ہے جو سب سے زیادہ حق ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۷، صحیح ابن خزیمرہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۳)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخ اور جنت نے مباحثہ کیا دوزخ نے کہا مجھ میں متکبرین اور متجبرین داخل کیے گئے ہیں اور جنت نے کہا مجھے کیا پروا ہے جب کہ مجھ میں صرف کمزور، عاجز اور متواضع لوگ داخل کیے گئے ہیں۔ (الحدیث) (صحیح مسلم المنافقین: ۳۵، ۳۶-۳۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۵۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حل میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا تکبر، خیانت اور قرض۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۸۷۸، مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۳۲)

حضرت حارث بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کیا میں تم کو اہل





تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ مذکور الصدر حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

جس شخص نے بغیر قصد تکبر کے تہبند ٹخنوں کے نیچے باندھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا غارش ہو یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر کھلیں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو اور لمبی قمیص یا لباس تہبند اور کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے میسر نہ ہو۔ (محرمہ القاری ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ ادارہ البیان المیریہ مصر ۱۳۲۸ھ)

نیز علامہ یعنی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے اپنے تہبند کے ایک جانب پھسل جانے کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۷۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا تہبند بلا قصد پھسل جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر مل میں تہبند لٹکانے کو مکروہ کہتے تھے اس کے جواب میں علامہ ابن بطل نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کی تشبیہات میں سے ہے ورنہ حضرت ابن عمر تو خود اس حدیث کے راوی ہیں ان سے یہ حکم کیسے غلط ہو سکتا ہے۔

(محرمہ القاری ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ ادارہ البیان المیریہ مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ بدر الدین یعنی حنفی مزید لکھتے ہیں:

نماز کسوف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جلدی سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۷۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

(محرمہ القاری ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ ادارہ البیان المیریہ مصر ۱۳۲۸ھ)

غیر راوی طور پر تہبند قدموں سے نیچے گھسٹ رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اراداً تہبند یا شلوار اتنی لمبی رکھنا کہ وہ قدموں کے نیچے گھسٹ رہی ہو حرام ہے خولو تکبر کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ اس میں ہر مل اسراف ہے اور اپنے کپڑوں کو نجاست سے آلودگی کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ البتہ اگر لباس قدموں کے نیچے نہیں گھسٹ رہا تھا صرف ٹخنوں سے نیچے تھا تو یہ بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے اور تکبر کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔

ملا علی بن سلطان عمر القاری الحنفی المتوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

بخاری کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(المرقات ج ۸ ص ۲۳۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص تکبر اسراف اور طغیان (سرکشی) کی نیت سے اپنے تہبند کو لٹکاتا ہے اور اس کو گھسیٹتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف لطف و عنایت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر تہبند اس طرح نہ ہو تو حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر کوئی عذر ہو مثلاً سردی ہو یا کوئی بیماری ہو (مثلاً ٹخنے کے نیچے کوئی زخم ہو جس پر کھلیں بیٹھتی ہوں ان سے زخم کو بچانے کے لیے ٹخنہ ڈھانپنے) تو بالکل مکروہ نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۵۳۷-۵۳۶ مطبوعہ مطبع نجف کمار کھٹورا)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حرام وہ صورت ہے جب کوئی شخص عجب اور تکبر سے کپڑا نکالتے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۵۵ مطبوعہ مکتبہ)  
نیز شیخ محقق فرماتے ہیں:

طعام اور لباس میں توسیع اسراف اور تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس طرح نہ ہو تو بھرمباح ہے۔  
(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۵۸ مطبوعہ حج کمار لکھنؤ)

قلوٹی عالمگیری میں مذکور ہے:

مرد کا تبند ٹخنوں سے نیچے نکالنا اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح غرائب میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۳ مطبوعہ مبدع امیریہ کبرلی بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

پانچوں کا کہیں (ٹخنوں) سے نچا ہونا جسے عمل میں اسہل کہتے ہیں اگر یہ عجب و تکبر ہے تو قطعاً منوع و حرام ہے اور اس پر  
وعید شدید وارد۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو نکالا قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ امام  
ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی الفاظ متعارفہ کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو  
بہکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے جیسے کہ تکبر کی قید سے تم کو خود معلوم ہو گا حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری  
ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے فرمایا تو ان میں سے نہیں ہے جو ایسا کرنا ہو احادیث میں جو اس پر وعید ہے اس سے  
یہی صورت مراد ہے کہ یہ تکبر اسہل کرنا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت  
تذہبی دیتے ہیں۔ قلوٹی عالمگیری میں ہے اگر اسہل تکبر سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح غرائب میں ہے۔

بالجملہ اسہل اگر یہ عجب و تکبر ہے حرام ورنہ مکروہ اور خلاف اولیٰ نہ حرام و مستحق وعید۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے  
کہ پانچہ جانب پائین نیچے ہوں اور اگر اس طرف کہیں سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا رہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں اس  
طرح کا نکالنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے  
کہ عکرمہ نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس نے چادر باندھی اور اگلی جانب سے چادر ان کے قدم کی پشت پر تھی اور چادر کی پچھلی  
جانب اوپر اٹھی ہوئی تھی میں نے پوچھا آپ نے اس طرح چادر کیوں باندھی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو  
اس طرح چادر باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۰۹۶) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور عدول ہیں جن سے  
امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں اس جگہ سے  
معلوم ہوا کہ اسہل کی نفی میں ایک جانب سے اونچا کرنا کافی ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ نصف ساق تک  
پانچوں کا ہونا بہت عزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید لاہور میں تک ہوئی تھی۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۲۵ ایضاً ص ۲۹۵ مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۸ء)

تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس رکھنے کے جواز پر شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء کی تصریحات

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیثی الشافعی المتوفی ۷۲۲ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے یہ تصریح کی ہے کہ کپڑا نکالنے کی تحریم تکبر کے ساتھ خاص ہے۔ خواہر احادیث کا یہی تقاضا ہے

اور اگر بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے تو پھر یہ مکروہ تزیی ہے۔

(شرح المصی ج ۸ ص ۲۰۸ مطبوعہ ادارہ القرآن کراچی ۱۳۱۳ھ)  
علامہ نووی شافعی اور علامہ کرمانی شافعی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵ مطبوعہ کراچی شرح کرمانی بلخاری ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ بیروت)  
حافظ ابو عمرو صف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۷۳ھ لکھتے ہیں:

(موطا امام مالک کی) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے بغیر تکبر کے اپنے تہبند کو گھسیٹا (یعنی تہبند اتار دیا) تو اس کا زمین پر گھسٹ رہا تھا اور نہ اس میں کوئی اکڑ تھی تو اس کو وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی۔ البتہ تہبند، قمیص اور باقی کپڑوں کو گھسیٹتے ہوئے چلتا ہر محل میں مذموم ہے اور جو تکبر سے کپڑا گھسیٹے اس کو یہ وعید ہر محل لاحق ہوگی۔

(التحفید ج ۳ ص ۲۴۳ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور فتح انالکاتب تبویب التحفید للابن عبد البر ج ۹ ص ۳۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی "الاستاذ کار" میں تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے اپنے تہبند یا کپڑے کو تکبر یا اکڑ سے نہیں گھسیٹا تو اس کو یہ وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی اور خیلاء اور بطر کا معنی ہے تکبر کرنا، اکڑ کر چلنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔

(الاستاذ کار ج ۲ ص ۱۸۶-۱۸۷ مطبوعہ موسسہ الرسالہ)

علامہ شمس الدین محمد بن محمد بن مغلہ حنبلی متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

صاحب النظم نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو تکبر کا خوف نہ ہو اس کے لیے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا مکروہ نہیں ہے اور اولی اس کو ترک کرنا ہے۔ (کتاب الفروع ج ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۵ھ)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر تکبر اور اکڑ کر چلنے کی نیت کے بغیر تہبند یا شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تزیی یا خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ شلوار یا پاجامہ یا تہبند انسان کی قامت اور اس کے قد سے لمبا نہ ہو کہ قدموں کے نیچے سے گھسٹ رہا ہو، اگر ایسا ہو تو یہ علامہ ابن عبد البر کی تصریح کے مطابق مذموم ہو گا بلکہ اسراف اور زمانہ قدیم کی عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہو گا۔

ٹخنوں سے نیچے پائے لٹکانے میں علماء دیوبند کا موقف

(سوال ۳۳) زید کا خیال ہے کہ ازار تحت الکعبین ممنوع اس وقت ہے جب کہ براہ تکبر و خیلاء ہو جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ اس پر فخر کیا کرتے تھے اور جب کہ تکبر نہ ہو محض خوبصورتی اور زینت کے لیے ایسا کرے تو جائز ہے (الی قولہ) چنانچہ احادیث میں اکثر یہ قید مذکور ہے کہ من جر ارارہ خیلاء (جس نے اپنے تہبند کو تکبر سے گھسیٹا) وغیرہ میں خیلاء کی قید ضرور ہے اور جو حدیثیں مطلق ہیں جیسے ما اسفل من الکعبین ففی النار (جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے) وہ بھی حسب دستور عرب اسی قید پر محمول ہیں اور مطلق کا مقید پر محمول نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ مطلق و مقید دونوں دو واقعہ پر آئے ہوں جیسے کفارہ قتل و کفارہ ظہار اور اتحاد واقعہ کے وقت حسب اصول حنفیہ مطلق مقید پر محمول ہو جاتا ہے جیسے کفارہ قسم کا۔ قرائت ابن مسعود میں تنجیحات کے ساتھ مقید ہو جائے نیز اس کی موید وہ حدیث ہے کہ حضرت نے ما اسفل من الکعبین کی وعید بیان کی اور فرمایا: من جر ثوبه خیلاء لن یعطرا الله اليه يوم القيامة (جس نے تکبر کی

وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹا قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا) تو حضرت ابو بکر چبڑی نے فرمایا: یا رسول اللہ! میری ازار لٹک پڑتی ہے الا ان انصاعد (مگر یہ کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں) تو حضرت نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں (ارولہ البخلیٰ کذا فی المسکوۃ) پس اگر مطلقاً جر ازار (تنبند گھسیٹنا) ممنوع ہو تا تو آپ اجازت نہ دیتے تو مظلوم ہوا کہ یہ وعید خیلاء (تکبر) ہی کی صورت ہے اور بلا اس کے جائز ہے اس شبہ کا حل مطلوب ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۵۷ھ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

نور الانوار میں ایک حکم میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی بحث میں ہے: صدقہ فطر کے سبب میں دو نصیں وارد ہیں اور اسباب میں کوئی مزاحمت نہیں ہے پس ان کے درمیان جمع کرنا واجب ہے یعنی ہم نے جو کہا ہے کہ طوطا واحدہ اور حکم واحدہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یہ اس وقت ہے جب مطلق اور مقید دونوں حکم میں وارد ہوں تضاد کی وجہ سے لیکن جب مطلق اور مقید اسباب یا شروط میں وارد ہوں تو پھر کوئی مضائقہ اور تضاد نہیں ہے پس یہ ممکن ہے کہ مطلق اپنے اطلاق کے ساتھ سبب ہو اور مقید اپنی حمید کے ساتھ سبب ہو اور مانعین فیہ (ذریعہ بحث صورت) میں حکم معصیت ہے اور مطلق جر اور جر الخیلاء اسباب اس کے ہیں یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس مطلق جر کو بھی حرام کہیں گے اور جر الخیلاء کو بھی۔ (مطلق تنبند گھسیٹنا بھی حرام ہے اور تکبر کی وجہ سے گھسیٹنا بھی حرام ہے)

(امداد الفتاویٰ ج ۳، ص ۱۲۱-۱۲۲ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مطلق کو مقید پر محمول کرنے یا نہ کرنے کے قواعد

شیخ تھانوی کا ذکر جواب صحیح نہیں ہے۔ اس جواب کا رد کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے اور نہ کرنے کے قواعد کی وضاحت کر دیں تاکہ عام قارئین بھی اس مسئلہ کو آسانی سے سمجھ لیں۔ فقہاء احناف کے نزدیک جب کسی واقعہ میں ایک حکم ایک جگہ مطلق ہو اور دوسری جگہ مقید ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے ورنہ حکم میں تضاد ہو گا۔ ایک جگہ مطلق ہے اور ایک جگہ مقید ہے اس کی یہ مثال ہے:

اللہ تعالیٰ نے قسم توڑنے کا کفارہ بیان فرمایا کہ وہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے پھر اس کے بعد فرمایا:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَوْجِيًّا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ

اور جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

(المائدہ: ۸۹) رکھے۔

اس آیت میں تین دن کے روزے مطلق ہیں لیکن حضرت ابن مسعود چبڑی کی قرأت میں ہے فصيام ثلاثة ايام متتابعات تین دن کے مسلسل روزے۔ پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید ہے۔ اب اگر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے تو حکم میں تضاد لازم آئے گا۔ اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے اور تین دن کے پے درپے روزے رکھنا قسم کا کفارہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید حکم میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے لیکن جب مطلق اور مقید سبب میں وارد ہوں مثلاً ایک واقعہ میں ایک جگہ حکم کا سبب مطلق ہے اور دوسری جگہ اس واقعہ میں حکم کا سبب مقید ہے تو اب مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایک حکم کے کئی سبب ہو سکتے ہیں تو جائز ہے کہ ایک سبب مطلق ہو اور دوسرا سبب مقید ہو اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو اور دوسری حدیث میں ہے ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو۔ پہلی حدیث میں مطلق غلام کا ذکر ہے اور



دوسری حدیث میں مفید ہے یعنی مسلمان غلام کا ذکر ہے۔ اب مطلق کو مفید پر نہیں محمول کیا جائے گا کیونکہ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا سبب سر (مفوض) ہے، پہلی حدیث میں اس حکم کا سبب مطلق سر یعنی (مطلق) غلام ہے اور دوسری حدیث میں مفید سر (مفوض) یعنی مسلمان غلام اس حکم کا سبب ہے اور ایک حکم کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ان میں تضاد نہیں ہے۔ اس لیے یہاں مطلق کو مفید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

(نور الاذکار ص ۱۵۹-۱۶۰ مطبوعہ کراچی، التوفیق والعلوم، ج ۱ ص ۵۲ مطبوعہ کراچی، تیسرے القریب ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۰، کشف

الاسرار ج ۲ ص ۵۳۵-۵۳۴)

### شیخ تھانوی کے دلائل پر بحث و نظر

اس تمہید کے بعد ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ شیخ تھانوی کا جواب صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ زیر بحث صورت میں حکم معصیت (نافرمانی) ہے اور مطلق جر اور جر لیلیٰ اسباب اس کے ہیں۔ (الرد المحتار ص ۳۲) جر ثوب یا جر ثوب لیلیٰ (کپڑا گھسینا یا تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسینا) کی تو بینہ معصیت اور نافرمانی ہے۔ تھانوی صاحب اسی کو حکم بھی قرار دے رہے ہیں اور اسی کو حکم کے اسباب بھی قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح کون الشیء سبب السفسہ (کسی چیز کا خود اپنا سبب ہونا) ہے اور یہ بدعت باطل ہے، سبب مقدم ہوتا ہے اور اس کا حکم موخر ہوتا ہے اور جب ایک چیز خود اپنا سبب ہوگی تو وہ اپنے آپ پر مقدم ہوگی اور یہ علمی اصطلاح میں دور ہے جو عقلاً کمال اور باطل ہے۔

نیز تھانوی صاحب نے لکھا ہے اس بحث میں حکم معصیت ہے۔ (الرد المحتار ص ۳۲) واضح رہے کہ حکم کے دو معنی ہیں ایک حکم منطقی یا نحوئی ہے۔ اس کی تعریف ہے ایک امر کا دوسرے امر کی طرف ایجاب یا سلباً استناد اور دوسرا حکم شرعی ہے اس کی تعریف ہے اللہ تعالیٰ کا حکم جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو۔ (الترغیبات ص ۶۶-۶۵ مطبوعہ مکرہ) اور مطلق اور مفید کی اس بحث میں حکم سے مراد حکم شرعی ہے یعنی اللہ اور رسول کا حکم۔ پہلے حکم کی مثل ہے کفارہ قسم میں تین دن کے یا مسلسل تین دن کے روزے رکھنا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسرے حکم کی مثل ہے ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا یا ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا یہ رسول ﷺ کے حکم کی مثل ہے۔

اس جواب میں دوسری غلطی یہ ہے کہ اس جواب میں معصیت کو حکم کہا گیا ہے حالانکہ اللہ جل وعلا اور اس کے رسول ﷺ معصیت کا حکم نہیں دیتے بلکہ معصیت نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس حدیث میں سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص فعل پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت نہ کرنے کی وعید سنائی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث اس مخصوص فعل (تکبر سے کپڑا گھسینے) کی ممانعت یا اس سے اجتناب کے حکم کو مستلزم ہے ہم اس حدیث کو بیان کر کے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں

عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ رضی اللہ عنہ عن السبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة قال ابو بكر: يا رسول الله ان احد شقي ازاري يسترعي الا ان اتعاهد ذالك منه فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم لست ممن يصنعه خيلاء۔  
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تکبر کے جب سے اپنا کپڑا گھسینا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ حضرت ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ امیرے تہجد کی ایک جانب ڈھلک جاتی ہے، سو اس کے کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو یہ (تہجد گھسینا) تکبر سے کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳)

اس حدیث میں تبند ٹھہنے پر وعید کو نبی ﷺ نے وجود اور عدا خلاء (تکبر) پر معلق فرمایا ہے۔ وجود کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص تکبر سے تبند ٹھہنے اس پر آپ نے وعید سنائی ہے اور عدا کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے یعنی تم کو یہ وعید لاحق نہیں ہوگی۔ شیخ تھانوی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ خلاء سبب ہوتا ہے محمد کا اس لیے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا۔ (البداء النکلی ج ۳ ص ۳۳) یعنی آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے اس کا معنی ہے تم عدا ایسا نہیں کرتے اور تکبر سے مراد عدا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل باطل ہے کیونکہ سبب بول کر مسبب مراد لینا مجاز ہے اور مجاز کا ارادہ اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت محل یا مستند ہو اور یہاں پر اس کلام کو حقیقت پر محمول کرنے اور تکبر کا معنی مراد لینے پر کوئی عقلی یا شرعی مانع نہیں ہے اس لیے کلام رسول کو اپنی خواہش کا معنی بلاوجہ پستانا باطل ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ کپڑا نکالنے یا ٹھہنے کی علت تکبر ہے تو جس صورت میں تکبر نہیں ہو گا اس صورت میں وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔ دیکھئے ربابا فضل کی حرمت کی علت قدر اور جنس کا تعلق اور بیچ کا دھار ہونا ہے اور جب یہ علت نہیں ہوگی تو ربابا فضل حرام نہیں ہوگا۔ یا جیسے نماز کی شرط وضو ہے جب وضو نہیں ہو گا تو نماز نہیں ہوگی یا جیسے مثلاً مغرب کی نماز کا سبب غروب آفتاب ہے جب غروب آفتاب نہیں ہو گا تو مغرب کی نماز فرض نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب کپڑا نکالنے میں تکبر نہیں ہو گا تو اس کی وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ بعض احادیث میں کپڑا نکالنے پر وعید ہے مگر وہاں خلاء یا تکبر کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً:

عن امی سريرة بنی شیبہ عن السبی بنی شیبہ ما  
اسفل من الکعبین من الازار ففی السار۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا  
تبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے رہا ہو گلو روزخ میں ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض اوقات کسی حکم یا کسی فعل کی کوئی شرط یا اس کا کوئی سبب یہ طور قید بیان فرماتے ہیں اور پھر اس حکم یا فعل کو اس قید کے بغیر بھی بیان فرماتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس قید معتبر نہیں ہے وہ قید اب بھی معتبر ہوتی ہے اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ حدیث دلیل ہوتی ہے جس میں اس قید کا ذکر فرمایا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ حدیث ہے:

عن السبی بنی شیبہ لبس فی مال زکوة حتی  
یحول علیہ الحول۔  
نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک مال نہ گزر جائے کسی مال  
میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۷۳)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے وجوب زکوٰۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط کا ذکر فرمایا ہے 'حالا نکہ بے شمار احادیث ہیں جن میں اس شرط کا ذکر نہیں ہے اس کے باوجود وجوب زکوٰۃ میں اس شرط کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں اس شرط کا ذکر ہے۔ ہم صرف ایک حدیث کا ذکر کر رہے ہیں جس میں وجوب زکوٰۃ کے لیے اس شرط کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی بے شمار احادیث ہیں:

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم قد عموت عن الخبل والرقیق  
فہاتوا صدقة الرقة من کل اربعین درهما  
درهم و لیس فی تسعین و مائة شیء فاذا  
بلغت مائتین فمبہا خمسة دراهم۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں سے زکوٰۃ معاف کر دی۔  
تم ہر چالیس درہم سے ایک درہم چاندی زکوٰۃ دو اور ایک سو  
نوسے درہم میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے اور جب دو سو درہم ہو  
جائیں تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰ سنن القسانی رقم الحدیث: ۲۳۷۶)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں تہجد گھینے یا نگوں سے نیچے نکلنے پر وعید بیان فرمائی اور اس کو تکبر پر متعلق فرمایا اور بعض احادیث میں اس قید کا ذکر نہیں فرمایا تو جس میں اس قید کا ذکر نہیں ہے وہیں بھی اس قید کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ احادیث دلیل ہیں جن میں آپ نے اس قید کا ذکر فرمایا ہے جس طرح ہم نے زکوٰۃ میں سل گزرنے کی شرط کے متعلق بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے عی مجہ ہے جس نے مجھے اس مسئلہ کو حل کرنے کی توفیق دی اور شاید کہ قارئین کو کسی اور جگہ یہ تفصیل اور اس مسئلہ کا حل نہ مل سکے۔

شیخ کشمیری اور شیخ میرٹھی کے دلائل  
شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک کپڑے کو گھیننا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور اگر تکبر کے بغیر کپڑا گھینا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہوگی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کی کپڑا گھیننے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہجد نہیں گھینتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے تہجد گھیننے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہجد نہ پڑھیں ان کا تہجد پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کی مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابوبکر کا آپ سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت یہ طور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہجد گھیننا ممنوع ہے) اور اگر ان کے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضرت ابوبکر نے یہ سوال کیا تھا یا رسول اللہ! میرے تہجد کی کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الایہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے پڑھوں آپ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳) اور کسی مناسب امر کو یہ طور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہجد گھیننا اس شخص کے لیے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہجد پڑھ سکے ہو اس لیے نظر تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔ شیخ بدر عالم میرٹھی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں:

میں یہ کہتا ہوں کہ شریعت نے صرف گھیننے کو تکبر قرار دیا ہے کیونکہ جو لوگ اپنے کپڑوں کو گھینتے ہیں وہ صرف تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اپنے زمانہ میں بھی اس کا تجربہ کیا ہے (مشاہدہ لکھنا چاہیے تھا۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر ہمارے زمانہ میں اس طرح نہ ہوتا تو عرب میں ہر حال اس طرح ہوتا تھا اور اب اس حکم میں جب کو سب کے قائم مقام کرنا ہے (کپڑا گھیننا سبب ہے اور تکبر سبب ہے اور کپڑا گھیننے سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ تکبر کا سبب ہے۔ سعیدی غفرلہ) جیسے نیند حدیث (وضو ٹوٹا) نہیں ہے لیکن وہ پتھوں کے ڈھیلے ہونے کا سبب ہے جس سے عموماً ہوا خارج ہو جاتی ہے اس لیے نیند کو حدیث کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح سفر مشقت کے قائم مقام ہے اور مباشرت قاحت بھی کسی چیز کے نکلنے کا عارضہ سبب ہے اس لیے مباشرت قاحت کو حدیث اکبر کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح کپڑا گھیننا بھی تکبر کا سبب ہے اور یہ ایک پوشیدہ چیز ہے جس کا ادراک کرنا مشکل ہے جیسے سفر میں مشقت اور نیند میں حدیث اور مباشرت قاحت میں کسی چیز کا نکلنا۔ اس لیے کپڑا گھیننے پر ممانعت کا حکم لگا دیا گیا علاوہ ازیں ہم نے تجربہ کیا

ہے کہ ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے اسی وجہ سے نیک اور اچھے کام رکھنے کا حکم ہے اور جس شخص نے کپڑا نگھینا وہ اس بات سے محفوظ نہیں ہے کہ اس کے باطن میں تکبر سرایت کر جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھو۔ اور اگر تم انکار کرو تو ٹخنوں میں تمہارا حق نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۳۳ - سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۴۴)

اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث احکام لباس سے ہے اور ٹخنوں سے نیچے ہمارا حق نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ممانعت میں تکبر کی خصوصیت نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو بھی ایک باشت سے زیادہ لباس لٹکانے کی اجازت نہیں دی، حالانکہ ان کو لباس لٹکانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا اور آپ نے جواب میں تکبر یا عدم تکبر کا فرق نہیں کیا۔

(فیض الباری مع الخاشیہ ج ۳، ص ۲۷۳-۲۷۴، مطبوعہ مجلس علمی سورت عند ۱۳۵۷ھ)

شیخ کشمیری، شیخ میر غمی اور جسٹس عثمانی کے دلائل پر بحث و نظر  
شیخ بدر عالم میر غمی نے لکھا ہے جس طرح نیند حدیث کا سبب ہے اور مباشرت فاحشہ حدیث اکبر کا سبب ہے اور سفر مشقت کا سبب ہے، اسی طرح ہم جراثیم (کپڑا نگھینے) کو تکبر کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کی ابتلا میں جسٹس محمد تقی عثمانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ نیند کا حدیث کے لیے سبب ہونا اور مباشرت فاحشہ کا حدیث اکبر کے لیے سبب ہونا خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں بند رہتا ہے۔ اس پر دوسری چیزوں کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز ان چیزوں کو شارع علیہ السلام نے سبب قرار دیا ہے اس لیے وہ ثابت ہیں۔ اور ہماری اور آپ کی وہ حیثیت نہیں ہے کہ ہم از خود کسی چیز کو کسی چیز کا سبب قرار دیں اور وہ حجت شرعیہ ہو جائے۔ نیز شیخ کشمیری اور شیخ میر غمی کا کلام جراثیم (کپڑا نگھینے) میں ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ ہمارے نزدیک وہ لباس جائز ہے جو بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو اور پنسنے والے کے قد سے متجاوز نہ ہو اور اس کے جواز میں مذاہب اربعہ کے فقہاء متفق ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر بہت طویل کلام کیا ہے جس کو جسٹس محمد تقی عثمانی نے بتکرار نقل کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شیخ بدر عالم میر غمی کے کلام کا خلاصہ لکھا ہے اور آخر میں یہ طور حاصل بحث یہ لکھا ہے کہ اگر انسان قصد اسہل (ٹخنوں سے نیچے تہبند باندھے) کرے تو وہ مطلقاً ممنوع ہے خواہ وہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے اور اگر اس کا تہبند بلا قصد ٹخنوں سے نیچا رہا تو یہ وہ صورت ہے جس کو نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے جائز فرمایا تھا۔

(مفتاح العلم ج ۳، ص ۱۲۳، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

جو کام بلا قصد ہو وہ خارج از بحث ہے کیونکہ اگر کوئی کام پر مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اور اسہل ثوب اگر انسان کی قاست سے متجاوز نہ ہو اور بغیر تکبر کے ہو تو وہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور جراثیم مطلقاً ممنوع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس لیے جسٹس صاحب کا اسہل ثوب کو مطلقاً ممنوع کہنا غیر مسووع ہے۔ البتہ مشہور دیوبندی محدث شیخ محمد اور یس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ نے فقہاء مذاہب اربعہ کے مطابق لکھا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانا حرام نہیں ہے۔ مکروہ تنزیہی ہے۔

(الطریق السنی ج ۳، ص ۳۹۵-۳۸۳، مطبوعہ لاہور)

### نخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہماری تحقیق یہ ہے کہ اہل بیت میں جرثوبہ اور اسہل الازار کے الفاظ ہیں۔ جرثوبہ کا معنی ہے کپڑا گھسیٹنا۔ اور اسہل الازار کا معنی ہے تہبند کا نخنوں سے نیچے ہونا۔ اگر کوئی مرد جرثوبہ کرے یعنی اس کا تہبند یا شلوار کا پانچہ نخنوں سے بہت نیچا ہو حتیٰ کہ اس کے قدموں کے نیچے سے گھسٹ رہا ہو تو یہ بغیر تکبر کے بھی مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں بغیر کسی ضرورت اور بغیر کسی فائدہ کے کپڑے کو ضائع کرنا ہے۔ سو یہ اسراف کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کپڑا قدموں کے نیچے زمین پر گھسٹا رہے گا تو نجاست کے ساتھ آلودہ ہو گا اور کپڑے کو محل نجاست میں ڈالنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ عہد رسالت میں عورتیں کپڑا گھسیٹ کر چلتی تھیں اور مردوں کے لیے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے اگر جرثوبہ بغیر تکبر کے ہو پھر بھی مکروہ تحریمی ہے۔ حافظ ابن عبد البر مالکی نے اس کو مذموم فرمایا ہے۔ (تبیہ ج ۳ ص ۲۳۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۳۳۳) اور اگر جرثوبہ (کپڑا گھسیٹنے) کے ساتھ تکبر بھی ہو تو یہ شدید مکروہ تحریمی ہے بلکہ حرام ہے۔ اور اگر اسہل الازار ہو یعنی تہبند یا شلوار کا پانچہ نخنوں کے نیچے ہو لیکن اس کے قد اور قامت کے برابر ہو گھسٹ نہ رہا ہو تو اگر اس میں تکبر نہیں ہے صرف زینت کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ صرف خلاف لوئی ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ تکبر کرتا ہے اور اکڑا کر چلے اور اتراتا ہے تو پھر یہ تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حرمت کی علت صرف تکبر ہے اگر ایک مرد نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہے اور اس کے ساتھ تکبر کرتا ہے اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے زیادہ متلی اور پرہیزگار سمجھتا ہے اور ان کو حقیر سمجھتا ہے تو یہ بھی مکروہ تحریمی ہے بلکہ حرام ہے اس لیے حرمت میں اصل تکبر ہے۔

ہماری اس تحقیق کی تائید حافظ ابن حجر عسقلانی متونی ص ۸۵۵ کی اس عبارت میں ہے:

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے نخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا محل مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے نخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہوگی، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے گھسل کر نخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے۔ کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شاکل (رقم الحدیث: ۳۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم الحدیث: ۹۷۸۳-۹۷۸۴) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا گا ایک شخص نے کہا اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقاء ہے میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نیا چھوڑا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ نے فرمایا کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ نے آدمی پنڈیوں



تک تبند پاؤں ہوا تھا (مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۳) اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑا گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ (الی قولہ) قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پنسنے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے 'احمد بن منسج نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم تبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تبند کو گھسیٹنا تکبر سے ہے۔ (الحج)

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۳-۲۶۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

مٹھنوں سے نیچے لباس رکھنے کے متعلق حرف آخر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس طویل عبارت کے شروع میں ہی یہ تصریح کر دی ہے کہ اگر کپڑا مٹھنوں سے نیچے لٹک رہا ہو اور وہ اس کی قامت کے برابر اور بغیر تکبر کے ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہے اور اگر وہ اس کی قامت سے متجاوز ہو اور اس کے قدموں سے گھسٹ رہا ہو تو پھر وہ حرام ہے۔ جسٹس تقی عثمانی نے یہ پوری عبارت نقل کی ہے پھر بھی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ قصد اکپڑا لٹکانا مطلقاً حرام ہے اور یہ نتیجہ مذہب اربعہ کے فقہاء کے خلاف ہے بلکہ اگر اس کو اجماع حقدین کے خلاف کہا جائے تو بعید نہ ہوگا

شیخ محمد زکیا سارنپوری متوفی ۱۳۳۶ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں حافظ عسقلانی کی اس تمام عبارت کو نقل کیا ہے 'اخیر میں انہوں نے لکھا ہے جو شخص تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹے اس کو وعید لاحق ہوگی اور جو شخص کپڑا لٹکا ہونے کی وجہ سے اس کو گھسیٹے یا کسی اور عذر کی وجہ سے اس کو یہ وعید لاحق نہیں ہوگی۔ (ادب السالک ج ۶ ص ۲۰۸-۲۰۹ مطبوعہ سارنپور ہند)

ہمارے نزدیک اگر کسی شخص کا کپڑا اتنا لٹکا ہے کہ وہ قدموں سے آکر گھسٹتا ہے تو اس کو پہننا جائز نہیں ہے 'اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو چھوٹا کرے یا وہ سراپور لباس پہنے۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسبل ثواب اور جر ثواب میں فرق نہیں کیا۔

بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ علماء دیوبند کا تبند یا شلوار کے پانچوں کو بغیر تکبر کے بھی مٹھنوں سے نیچے لٹکانے کو حرام قرار دینا مذہب اربعہ کے تمام فقہاء کے خلاف ہے۔ مرد کی قامت تک کپڑے کا طول بلا تکبر جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو کپڑا قامت سے متجاوز ہو اور قدموں سے آکر گھسٹ رہا ہو ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے۔

میں نے اس مسئلہ پر شرح صحیح مسلم میں بھی کافی سطر سے لکھا ہے 'لیکن یہاں بہت زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اس مسئلہ میں لوگ بہت تشدد کرتے ہیں اور جس کا پانچہ مٹھنوں سے نیچے ہو اس کو نماز دہرانے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ مفتی رشید احمد نے احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۴ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سطور کو نفع دے بنائے اور ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے جو مسائل شریعہ میں ایسی تشدید کرتے ہیں جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں۔ جب کہ دین آسان اور سہل ہے۔ اور نبی ﷺ نے دین میں سختی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین و علی آلہ المطہرین واصحابہ الکاملین وازواجه الطیبات امہات المومنین وسائر المسلمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی ان کے سب (بیک) عمل ضائع ہو گئے ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔ (الاعراف ۷: ۳۷)

## کفار کی نیکیوں کا ضائع ہو جانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بن کا ذکر فرمایا تھا جو باحق تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور ان کے اسی تکبر اور تکذیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیا اب وہ تمام نشانیاں دیکھنے کے بلوجود ایمان نہیں لائیں گے وہ نیکی کا راستہ دیکھنے کے بلوجود اس کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر وہ برائی کا راستہ دیکھیں تو فوراً اس کی طرف لپک پڑیں گے۔ اس مقام پر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہتا کہ ان میں سے بعض کافروں نے کچھ نیک عمل بھی تو کیے تھے مثلاً رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، ماں باپ کی خدمت، کمزوروں کی مدد، غلواروں، یتیموں اور یتیموں کی کفالت، رفقاء عامہ کے کام مثلاً کھانا، سرائے بنانا، سڑکیں بنانا آیا ان کو ان نیک کاموں کی کوئی جزا ملے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا چونکہ انہوں نے کفر کیا، ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا اس لیے ان کے تمام نیک اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اعمال صالحہ کے قبولیت کی شرط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنَسَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ  
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النحل: ۹۷)

مرد ہو یا عورت جس نے بھی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ضرور ان کو ان کے کئے ہوئے نیک کاموں کا اجر عطا فرمائیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم کافروں کے تمام اعمال کو ضائع فرمادیں گے۔

وَقَدْ مَنَّآ لِيَ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَلَحَقْنَاهُ  
هَبَاةً مَسْنُورًا (الفرقان: ۲۴)

کفار ہمارے پاس جو بھی اعمال لے کر آئیں گے ہم ان کو (لغصا میں) بکھرے ہوئے غبار کے ذرے بنا دیں گے۔

مَنْ يَكْفُرْ بِالْإِسْلَامِ فَقَدْ خَبِطَ عَمَلُهُ  
(المائدہ: ۵)

جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اس کا عمل ضائع ہو گیا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کی نیکیوں کی وجہ سے آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی، یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ  
يُنْقَرُونَ (البقرة: ۷۶)

کفار کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کھلا اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش دینا۔

(صحیح مسلم الايمان ۳۶۵، (۲۱۳) ۵۰۷)

تاہم یہ معاملہ بہ طور عدل ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کافر کو اسلام لانے کے بعد اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر عطا فرماتا ہے یا کسی کافر کی نیکیوں کے عوض اس کے عذاب میں تخفیف کر دے تو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ ابولہب اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف اسی وجہ سے ہے۔ دو سراجواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربت اور حسن سلوک کی وجہ سے

ابو طالب اور ابولہب کو عام قلعہ سے مستثنیٰ کر لیا گیا۔

فرائض اور واجبات کے ترک پر مواخذہ کی دلیل

اس آیت میں فرمایا ہے: "ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کرتے تھے" اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حرام اور ناجائز کام وہ کرتے تھے اس پر ان کو سزا ملے گی اور جو کام وہ نہیں کرتے تھے اس پر ان کو سزا نہیں ملے گی یعنی سزا فعل پر ہوگی اور ترک فعل پر سزا نہیں ہوگی۔ تو کافروں نے جو فرائض اور واجبات کو ترک کیا اس آیت کی رو سے ان کو اس پر سزا نہیں ملے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرض اور واجب کی ادائیگی کے وقت میں فرض اور واجب کو ادا کرنے کے بجائے کسی اور کام میں مشغول ہونا حرام ہے سو ان کو ان کاموں پر سزا ملے گی جو وہ فرض اور واجب کی ادائیگی کے اوقات میں کرتے تھے کیونکہ جس وقت میں فرض ادا کرتا تھا اس وقت میں کوئی اور کام کرنا حرام تھا۔ وہ سزا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں فرض اور واجب کے ترک پر بھی سزا کی وعید سنائی ہے:

فِي مَنَازِلٍ مُّتَسَاوٍ ۖ لَّوْنٍ ۚ عَنِ الْمُحَرِّمِينَ ۝  
سَأَسْأَلُكُمْ فِي مَنَازِلٍ ۚ قَالُوا لَمْ نَكُ مِّنَ  
الْمُتَصَلِّينَ ۚ وَلَمْ نَكُ نَطُوعُ الْمُتَصَلِّينَ ۝  
(المائدہ: ۴۳-۴۰)

وہ جن لوگوں میں ایک دوسرے سے منبروں کے متعلق سوال کر رہے ہوں گے (منبر منبروں سے پوچھیں گے) تم کو کس مقام سے روزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھاتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حرام کاموں کے ارتکاب پر عذاب ہو گا اسی طرح فرائض اور واجبات کے ترک پر بھی عذاب ہو گا۔

وَإِتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنۢ بَعْدِهِ مِنۢ حُلِيِّهِمْ عِجَلًا جَسَدًا

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (جہانے کے) بعد اپنے زیروں سے پکڑے کا ایک مجسمہ بنایا جس سے بیل کی آواز

لَهُ خَوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يَكْلِمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا

نکلتی تھی، کیا انہوں نے یہ (بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا ہے نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے، (بیر بھی)

إِتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ۝ وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ ذُرَاوَا

انہوں نے اس کو مجسمہ بنایا اور وہ ظالم تھے ۝ اور جب ان کی خود فریبی کا طعش جاتا ہوا اور انہوں نے جان لیا کہ

أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۚ قَالَ الْإِنۡسَانُ لَمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبَّنَا وَيَعۡفِرۡ لَنَا لَنَكُونَنَّ

وہ گمراہ ہو چکے ہیں، تو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہم کو نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان

مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضَبًا ۖ أَسِفًا

اٹھانے والوں میں سے ہر جاہلی گئے ۝ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غصناک ہو کر تاسف سے کہا، تم نے

قَالَ يَبْنَؤُا خَلَقْتُونِي مِنْ عَدْنٍ اَعْجَلْتُمْ امْرَءِيكُمْ وَاَلْقَى

یہ کہ جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے بڑے کام کیے، کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی؟

الْاُلُوْا حَ وَاَخَذَ بِرَاسِ اَخِيْهِ يَجْرُهُ اِلَيْهِ ط قَالَ ابْنُ اَمْرِئِكَ

اگر انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون نے) کہا اے میری ماں

الْقَوْمَ اسْتَصْعَفُونِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاءَ

کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے تو آپ مجھ پر دشمنوں کو شہنشاہ بننے کا موقع نہ دیں

وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاٰخِيْ

اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجیے ۝ کسی نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف

وَاَدْخُلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝

کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرماتے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی قوم نے ان کے کھانے کے بعد اپنے زبوروں سے پتھرے کا ایک مجسمہ بنالیا جس سے بیل کی آواز نکلتی تھی مایا انہوں نے یہ (بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا تھا نہ ان کو راستہ دکھا سکتا تھا (پھر بھی) انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے ۝ (الاعراف: ۳۸)

بنو اسرائیل کے پتھر بنانے اور اس کی پرستش کرنے کے متعلق روایات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون سے قہر ہو گئے، طور پر جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر سے نجات دی اور فرعون کو غرق کر دیا، حضرت موسیٰ ارض طیبہ میں پہنچے، اللہ تعالیٰ نے وہیں ان پر من اور سلوٹی نازل کیا، اور اللہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس سے ملاقات کریں۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ملاقات کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس سے بیحد مظلوم کیے بغیر ان سے وعدہ کر لیا کہ وہ تمہیں راتوں کے بعد واپس آجائیں گے۔ اللہ کے دشمن سامری نے کہا: تمہارے پاس موسیٰ نہیں آئیں گے اور تمہاری اصلاح صرف خدا کرے گا جس کی تم عبوت کرتے ہو، حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو قسم دی کہ تم ایسا نہ کرو تم ایک دن اور ایک رات حضرت موسیٰ کا اور انتظار کرو اگر وہ آجائیں تو فیماورنہ پھر تم جو جی میں آئے کرنا۔ پھر دوسرے دن بھی حضرت موسیٰ نہیں آئے تو سامری نے پھر وہی بات کی۔ حضرت ہارون نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دس دن اور پچاس دن میں ہارون اب چالیس دن کی مدت ہو گئی ہے۔

ابو بکر بن عبد اللہ المزیلی بیان کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد سامری حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگا: ہم نے قبیلوں کی عید کے دن ان سے بہت سے زیورات عاریتہ لیے تھے اور جو لوگ آپ کے پاس ہیں وہ

تھیں ان القرآن

جلدی جلدی ان زیورات کو بیچ کر خرچ کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ فرعون کی قوم سے عاصت لیے تھے اور اب وہ زندہ نہیں ہیں کہ ہم ان کو وہ زیورات واپس کر دیں اور ہم کو پتا نہیں کہ آپ کے بھائی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ جب آئیں گے تو ان کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہوگی یا تو وہ اس کی قربانی پیش کریں گے پھر آگ اس کو کھا جائے گی اور یا ان کو صرف فقراء کے لیے وقف کر دیں گے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: تم نے ٹھیک سوچا اور ٹھیک کہا۔ پھر آپ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جس شخص کے پاس آل فرعون کے جتنے بھی زیورات ہوں وہ ہمارے پاس لے آئے۔ وہ ان کے پاس تمام زیورات لے آئے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: اے سامری! تم اس خزانے کو رکھنے کے زیادہ حقدار ہو۔ سامری نے ان زیورات پر قبضہ کر لیا اور وہ خبیث دشمن خدا سونے کو ڈھلنے والا تھا اس نے اس سے ایک پھڑے کا مجسمہ بنایا اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشن سے ایک مٹھی بھر مٹی لی تھی اس نے اس پھڑے کے کھوکھلے حصے میں وہ مٹی ڈال دی تب وہ مجسمہ پھڑے کی سی آواز نکالنے لگا۔ اس نے صرف ایک بار یہ آواز نکالی تھی۔ سامری نے کہا کہیں راتوں کے بعد جو حضرت موسیٰ نہیں آئے تو وہ دراصل اسی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَدًّا اَلَهَ حَوَارًا مَّقَالُوا  
هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوسٰى قٰسِي (طہ ۸۸)  
سامری نے ان کے لیے پھڑے کا بے جان مجسمہ بنا کر نکالا  
لوگوں نے کہا: یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا مبود موسیٰ تو بھول  
گئے۔

سامری یہ کہتا تھا کہ موسیٰ تو بھول گئے تمہارا اصل خدا تو یہ ہے۔

(جامع البیان ۹۷: ۶۵-۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

سامری کے متعلق علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا وہ ساموہی ایک ہستی کی طرف منسوب تھا جس سل بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا گیا تھا وہ اسی سل پیدا ہوا تھا اس کی ماں نے اس کو پہاڑ کے ایک کنارے میں چھپا دیا تھا حضرت جبرئیل اس کو غذا پہنچاتے رہے تھے اس وجہ سے وہ حضرت جبرئیل کو پہچانتا تھا جب جبرئیل سمندر کو عبور کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے تاکہ فرعون بھی سمندر میں آجائے تو سامری نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے کچھ مٹی اٹھالی تھی۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کا یہی معنی ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مِيرِي ۝ قَالَ بَصُرْتُ  
بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ  
الرَّسُولِ فَكَذَّبْتُهَا وَأَكْذَبَكَ سَوَّلَتْ لِي  
نَفْسِي ۝ (طہ ۹۴-۹۵)

(موسیٰ نے سامری سے) کہا: اے سامری تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے رسول (جبرئیل کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر میں نے اس کو (پھڑے کے پتلے میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح آیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۳۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو خطبہ دیا اور فرمایا تم جب مصر سے روانہ ہوئے تو تمہارے پاس قوم فرعون کی امانتیں تھیں اور عاصت لی ہوئی چیزیں تھیں اور میرا خیال ہے وہ چیزیں



تمہارے پاس ہیں اور میں ان امانتوں کو اور مانگی ہوئی چیزوں کو تمہارے لیے حلال نہیں قرار دیتا۔ اب ہم وہ چیزیں ان کو واپس تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم ان چیزوں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور قوم کو حکم دیا کہ جس شخص کے پاس بھی ان امانتوں اور مانگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ اس میں لا کر ڈال دے۔ جب لوگوں نے سب کچھ ڈال دیا تو حضرت ہارون نے اس میں آگ لگا دی اور فرمایا یہ چیزیں ان کے لیے رہیں نہ تمہارے لیے ہوں گی۔ اور سامری کا اس قوم سے تعلق تھا جو بتل کی عبادت کرتی تھی۔ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا ان کا پڑوسی تھا۔ اس نے بھی وہی مصائب اٹھائے تھے جو بنو اسرائیل نے اٹھائے تھے۔ اس کے لیے یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس نے حضرت جبریل کی سواری کے نقش قدم کو دیکھ لیا تھا اور اس سے ایک مٹھی خاک کی اٹھالی تھی۔ حضرت ہارون نے اس سے پوچھا کہ تیری مٹھی میں کیا ہے اس نے کہا میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک کہ آپ یہ دعا نہ کریں کہ جب میں اس مٹھی کو ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ بن جائے۔ حضرت ہارون نے فرمایا تم اس کو گراؤ اور اس کے لیے دعا کی۔ اس نے کہا میں بتل بنانا چاہتا ہوں۔ اس نے اس گڑھے میں سے تمام لوہے، ہٹل اور زپورات وغیرہ کو نکالا تو وہ ایک کھوکھلا بتل بن گیا اور اس سے بتل کی سی آواز آ رہی تھی۔

قدوہ نے کہا جب سامری نے چھڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت اور خون کا بنا دیا اور اس سے آواز آ رہی تھی۔ سعید بن جبیر نے کہا یہ خدا وہ چھڑا از خود آواز نہیں نکالتا تھا لیکن اس کی دیرا مقعد مبرزا سے ہوا اس کے اندر داخل ہوتی تھی اور اس کے منہ سے نکل جاتی تھی اور اس ہوا کے گزرنے سے وہ آواز پیدا ہوتی تھی۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ آواز نکالتا تو بنو اسرائیل مجہد میں گر جاتے اور جب وہ خاموش ہوتا تو وہ مجہد سے اپنا سر اٹھا لیتے تھے۔

ضحاک سے روایت ہے کہ اس نے صرف ایک بار آواز نکالی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان سے بات کرتا تھا نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا لیکن یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ بار بار بتل کی سی آواز نکالنا اس کے بات کرنے یا کسی بات کے جواب دینے کے ہم معنی نہیں ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۶۹-۱۵۶۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

کلام کرنے اور ہدایت دینے پر مدار الوہیت کی توجیہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا ہے نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے پھر بھی انہوں نے اس کو معبود بنا لیا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ چھڑا ان سے بات کر سکتا یا ان کو راستہ دکھا سکتا تو پھر بنو اسرائیل کا اس کو معبود قرار دینا صحیح ہوتا۔ حالانکہ محض کسی سے بات کرنے یا کسی کو راستہ دکھانے پر تو الوہیت کا مدار نہیں ہے اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

۱۔ الوہیت کا مدار سلت صفات حقیقیہ پر ہے: حیات، علم، قدرت، کلام، سمع، بصر اور ارادہ۔ ان میں سے ایک صفت کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا یہ معنی ہے کہ وہ از خود کلام فرماتا ہے اور کسی غیر کی قدرت اور عطا کا اس میں دخل نہیں ہے اور جس کی یہ ایک صفت کلام حقیقی ہوگی اور بغیر کسی احتیاج کے ہوگی اس کی تمام صفات حقیقی ہوں گی اور اب آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ چھڑا تو مطلقاً کلام نہیں کر سکتا چاہے جتنے کلام اس کی حقیقی صفت ہو اور وہ بغیر کسی احتیاج کے کلام کرے تو پھر اس کو معبود

## قراردینا کس طرح صحیح ہو گا

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ وہ ہدایت کو پیدا کرتا ہے اور یہ چھڑا جو مطلقاً ہدایت نہیں دے سکتا وہ ہدایت کو پیدا کر سکتا ہے تو پھر اس کو معبود قرار دینا کس طرح صحیح ہو گا

۳۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات و صفات کی ہدایت حاصل ہوتا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات پر جو دلائل قائم کیے ہیں اور زمینوں اور آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر جو نشانیوں ہیں انسان ان میں صحیح طریقہ سے غور اور فکر کرے "میں وہی ہدایت دے سکتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں ان نشانیوں کو پیدا کرے" اور یہ چھڑا جو اپنے وجود میں خود دو سروں کا محتاج تھا اور یہ ظاہر سامری کے ہٹانے سے وجود میں آیا یہ ان نشانیوں کو کیونکر بنا سکتا تھا تو یہ ہدایت دینے پر کیسے قادر ہو سکتا تھا۔ تو اس کو معبود قرار دینا کس طرح صحیح ہو گا۔

۴۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے کہ یہ چھڑا جو ان چیزوں پر بھی قدرت نہیں رکھتا جن پر عام انسان قادر ہیں تو تفہیم نے ایسے کو خدا مان لیا ہے۔

۵۔ چونکہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا تھا اور اس نے ان کی قوم کو ہدایت دی تھی اس وجہ سے اس آیت میں یہ تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ وہ کلام فرماتے والا ہے اور ہدایت دینے والا ہے۔ تم اس خدا کو چھوڑ کر کہاں چھڑے کی پرستش میں مشغول ہو۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: "اور وہ ظالم تھے" ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور کسی کا حق کسی دوسرے کو دینا۔ عبادت اللہ کا حق ہے۔ جب انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو وہ اللہ کا حق دوسروں کو دے رہا ہے اور یہی ظلم کرنا ہے بلکہ کائنات میں سب سے بڑا ظلم غیر اللہ کی عبادت اور شرک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کی خود فریبی کا ظلم جاتا رہا اور انہوں نے جان لیا کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہم کو نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

(الاعراف: ۱۴۹)

## لما سقط فی ابدیہم کا معنی

"ولما سقط فی ابدیہم" عربی محاورہ میں اس کا معنی ہے: جب انہوں نے لغزش کی یا جب وہ بچھٹائے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے جب ان کے ہاتھوں میں عصا مست گر گئی۔ بنو اسرائیل چھڑے کی عبادت کرنے پر مست علوم ہوئے تھے۔ اس لیے فرمایا "ولما سقط فی ابدیہم" جب کوئی بچھڑا اور ٹکڑا چیز دل میں آئے تو یہ کہتے ہیں اور ہاتھوں سے دل کا استعارہ کرتے ہیں۔

سقوط کا معنی ہے کسی چیز کا اوپر سے نیچے گرنا۔ عرب کہتے ہیں سقط المطر بارش گری اور حمل سقط ہونا کہتے ہیں جب باتمام پیدہ ہو۔ جب انسان کسی عمل کا اقدام کرتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ عمل اچھا اور درست ہے اور اس عمل سے اس کو عزت اور بلندی حاصل ہوگی۔ اور جب اس پر یہ منکشف ہو کہ یہ عمل باطل اور فاسد تھا تو وہ گویا بلندی سے نیچے گر گیا اور جو عزت اور بلندی اس کو حاصل تھی وہ جاتی رہی۔ اس لیے جب کسی شخص سے خطایا لغزش ہو تو عرب کہتے ہیں ذالک سقط منہ اس کی سر بلندی اور سرفرازی گئی۔

اس کے بعد انہوں نے توبہ اور استغفار کیا۔ اور یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے کے بعد ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غصنا کہہ کر تسمف سے کہا تم نے میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے برے کام کیے کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی اور انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیتے تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے ○ (الاعراف: ۱۵۰)

قوم کی گمراہی پر حضرت موسیٰ آیا طور سے واپسی پر مطلع ہوئے یا پہلے

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا بنو اسرائیل کی گوسلہ پرستی کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ طور سے واپس آنے کے بعد ہوا تھا یا پہاڑ طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی گمراہی اور گوسلہ پرستی سے مطلع کر دیا تھا۔

امام ابن جریر طبری حوالہ ۳۳۰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے کچھ آوازیں سنیں تو انہوں نے کہا میں لہو و لعب میں مشغول لوگوں کی آوازیں سن رہا ہوں اور جب انہوں نے یہ محاذ کیا کہ وہ چمڑے کی عبادت کر رہے ہیں تو انہوں نے تورات کی الواح کو ڈال دیا جس کے نتیجہ میں وہ ٹوٹ گئیں اور وہ اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صحیح بات یہ ہے کہ قوم کی گمراہی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر ہی مطلع فرمادیا تھا۔ قرآن مجید کی صریح آیات اور حدیث صحیح سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا آتَيْنَاكَ عَنْ قَوْمِكَ بِمُؤْنَسِي ○ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ آثَرِي ○ وَصَحَلْتُ إِلَيْكَ ○ رَبِّ لِتَرْضَنِي ○ قَالَ قِيَامًا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ ○ مِن بَعْدِكَ ○ وَأَصْلَهُمُ الشَّامِيُّ ○ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا (طہ: ۸۴-۸۶)

(اور ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا) آپ نے اپنی قوم کو بھڑکانے میں کیوں جلدی کی اے موسیٰ ○ عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں اے میرے رب! میں نے آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے ○ فرمایا تو ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے ○ تو موسیٰ بہت غم و غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آگے سے دیکھنا سننے کی شکل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تمہاری قوم قند میں جلا کر دی گئی ہے تو انہوں نے تختیاں نہیں ڈالیں اور جب انہوں نے آگے سے دیکھ لیا تو تختیاں زمین پر ڈال دیں اور وہ نیتھا ٹوٹ گئیں۔

(المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۵۱، المعجم للاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۴، مسند ابی ہریرہ ج ۲، رقم الحدیث: ۲۰۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷، المستدرک ج ۲، ص ۲۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۷، الدر المنثور ج ۲، ص ۵۳، حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے ج ۱، ص ۱۵۳)

غضب کا معنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کا تعین

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غضب اور انفس کے ساتھ لوٹے۔

علامہ حسین بن محمد رافضی اصنافی متوفی ۷۵۲ھ لکھتے ہیں:

غضب کا معنی ہے انتقام کے ارادہ سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا۔

(المفردات ج ۲، ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصلحی بازار، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد الدین محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کے غضب کا معنی ہے اپنی نافرمانی سے منع کرنا، نافرمانی کرنے والے پر ناراض ہونا اس سے اعراض کرنا اور اس کو عذاب دینا اور مخلوق کے غضب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود ہے اور دوسری مذموم ہے۔ اگر دین اور حق کی خاطر بندہ غضب میں آئے تو یہ غضب محمود ہے۔ اور اگر اپنی نفسی خواہشوں کے پورا نہ ہونے یا ناجائز حکم کے نہ ماننے یا اس کی ممانعت کرنے کی وجہ سے غضب میں آئے تو یہ غضب مذموم ہے۔ (التلخیص ج ۳، ص ۳۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو غضب میں آئے تھے وہ اللہ کی نافرمانی اور شرک کی وجہ سے تھا آپ کا یہ غضب محمود تھا۔ انسان جو اپنے ذاتی نقصان کی وجہ سے غضب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس غضب کے روکنے اور انتقام نہ لینے کی ترغیب دی ہے۔

غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ فِي الْغُرَاوِ وَالْغُرَاوِ  
الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران: ۴۴)  
وَالَّذِينَ يَحْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثَمِ وَالْمَوَاجِشَ  
وَادَامَا غِيظَهُمْ يَخُفُّونَ (الشورى: ۳)

جو لوگ غلی اور فراخی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور نیکو کاروں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَكْتُمُونَ  
وَعَزَّاءٌ سَيَقُولُ سَتُغْلَبُكُمْ قَوْمٌ عِزٌّ وَأَصْلَحَ  
فَآخِرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشورى: ۴۰-۴۱)  
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ لَكَ ذَلِكَ لَيْمَنْ عَرَفَ الْأُمُورَ

اور جن لوگوں کو (کسی کی) سرکشی پہنچے تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی خصل برائی ہے اور جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔ اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ ضرور بہت کے کاموں سے ہیں۔ (الشورى: ۴۳)

غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں غضب کے متعلق آپ کا ارشاد ہے: سنو غضب ایک انکارہ ہے جو ابن آدم کے پیٹ میں جلتا رہتا ہے، کیا تم (غضبناک شخص کی) آنکھوں کی سرخی اور اس کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں کو نہیں دیکھتے؟ میں تم میں سے جو شخص غضب میں آئے وہ زمین کو لازم پکڑے، سنو! بہترین آدمی وہ شخص ہے جو بہت دیر سے غضب میں آئے اور بہت جلد راضی ہو جائے، اور بدترین آدمی وہ شخص ہے جو بہت جلد غضب میں آئے اور بہت دیر سے راضی ہو، اور جو شخص دیر سے غضب میں آئے اور دیر سے راضی ہو، اور جو شخص جلدی غضب میں

آئے اور جلدی راضی ہو تو یہ (بھی) اچھی خصلت ہے۔

(مسند احمد ج ۱۰، رقم الحدیث: ۳۰۸۶، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۲۱ھ، حنفیہ شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸، امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰، صحیح ابن حبان ج ۸، رقم الحدیث: ۳۲۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم لوگ رقبہ کسی کو شمار کرتے ہو؟ ہم نے کہا جس شخص کے ہاں اولاد نہ ہو، آپ نے فرمایا وہ رقبہ نہیں ہے، رقبہ وہ شخص ہے جس کی (مبالغہ) اولاد میں سے اس کی زندگی میں کوئی فوت نہ ہو (حتیٰ کہ وہ اس کے لیے فرط اور سلف ہو جائے) پھر فرمایا تم لوگ پہلوان کس کو شمار کرتے ہو؟ ہم نے کہا جس کو لوگ بچاؤ نہ سکیں، آپ نے فرمایا وہ پہلوان نہیں ہے، پہلوان وہ ہے جو غضب کے وقت خود کو قابو میں رکھنے پر قادر ہو۔ (صحیح مسلم، البرہان ج ۱، ص ۱۰۶، (۳۶۸) ۵۵۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۹، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۵، مسند احمد ج ۲، ص ۲۳۶، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۱۳۰، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۶۶۹)

عروہ بن محمد السدوسی اپنے باپ سے اور وہ اپنی دادی علیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غضب شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو صرف پانی سے بجھایا جاتا ہے پس جب تم میں سے کوئی شخص غضبناک ہو تو وہ وضو کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴، مسند احمد ج ۲، ص ۲۲۶، جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۲۰۱)

حضرت ابودر فغاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غضب میں آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر اس کا غضب دور ہو گیا تو نہماور نہ لیٹ جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴، مسند احمد ج ۵، ص ۱۵۲، جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۲۰۲)

کیونکہ جو شخص کھڑا ہو اور اپنے ہاتھ پر چلانے پر بیٹھے ہوئے شخص کے بہ نسبت زیادہ قہر ہوتا ہے اور بیٹھا ہوا شخص اس کی بہ نسبت کم قہر ہوتا ہے اور لیٹا ہوا شخص اور بھی کم قہر ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہاں دو شخص ایک دوسرے پر سب و شتم کر رہے تھے اور جب ان میں سے ایک شخص دوسرے کو برا کہہ رہا تھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اگر یہ شخص اس کو پڑھ لے تو اس کا غضب جاتا رہے گا تب ایک شخص اس کے پاس گیا اور کہا تم پڑھو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اس نے کہا کیا مجھے کوئی بیماری ہوئی ہے؟ یا میں مجنون ہوں جاؤ یہاں سے۔

(صحیح مسلم البرہان ج ۱، ص ۱۰۹، (۳۶۰) ۵۵۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۹، مسند احمد ج ۶، ص ۳۹۳، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۳۰، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے وصیت کیجئے اور مجھے زیادہ احکام نہ بتائیں یا اس نے کہا مجھے حکم دیجئے اور مجھے کم سے کم باتیں فرمائیں تاکہ میں بھول نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۸۸۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۷۷، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۷۰۵)



حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر ہو اور وہ اپنا غضب ضبط کرے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کو تمام لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جو چاہے لے لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۸۶، مسند احمد ج ۳، ص ۳۳۸، جامع للاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۳۴۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنا غضب دور کیا اللہ اس سے اپنے عذاب کو دور کر دے گا اور جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ اس کے عیب پر پردہ رکھے گا۔

(المعجم للاصول ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۲۲، اس کی سند میں عبد السلام بن حاتم ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۶۸، عقیلی نے اس کو ضعیف میں بیان کیا ہے رقم الحدیث: ۸۵)

اگر انسان اپنے کسی ذاتی نقصان یا ذاتی معاملہ کی وجہ سے غضب میں آئے تو اس غضب کو ضبط کرنا چاہیے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے غضب میں آئے تو اس غضب کے تقاضے پر عمل کرے، اگر اس برائی کو طاقت سے بدل سکتا ہو تو طاقت سے بدلے ورنہ زبان سے اس کی مذمت کرے اور یہ بھی نہ کر سکے تو اس کو دل سے برا جانے۔

تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے "انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں۔"

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۷۶۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کی الواح کو زمین پر ڈال دینا ان کے شدت غضب پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انسان اس قسم کا اقدام اسی وقت کرتا ہے جب وہ شدت غضب سے مدہوش ہو جائے۔ روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے تورات کی تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ اس کے کل سات اجزاء تھے چھ اس وقت اٹھالے گئے اور صرف ایک حصہ باقی رہ گیا۔ جو اجزاء اٹھالے گئے ان میں ہر چیز کی تفصیل تھی اور جو ایک حصہ باقی رہ گیا اس میں ہدایت اور رحمت تھی۔

اور کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی تختیاں (زمین پر) ڈال دیں۔ رہا یہ کہ انہوں نے تورات کی تختیوں کو اس طرح پھینکا کہ وہ ٹوٹ گئیں یہ قرآن مجید میں نہیں ہے اور یہ کہنا اللہ کی کتاب پر سخت جرات ہے اور اس قسم کا اقدام انبیاء علیہم السلام کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۷۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قاضی ناصر الدین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب، فرط صدمہ اور حمیت دین کی وجہ سے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور جب انہوں نے وہ تختیاں پھینکیں تو ان میں سے بعض ٹوٹ گئیں۔ علامہ صیغۃ اللہ آفندی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حمیت دین کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب اللہ کا احترام کیا جائے اور اس سے حفاظت کی جائے کہ وہ گر کر ٹوٹ جائے یا اس میں کوئی نقصان ہو یا اس کی بے حرمتی ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ شدت غضب اور فرط غم کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قابو ہو گئے اور غیر اختیاری طور پر ان کے ہاتھوں سے یہ تختیاں گر گئیں اور چونکہ ان سے ترک تحفظ صادر ہوا تھا تو اس ترک تحفظ کو مغلطاً ڈال دینے سے تعبیر فرمایا اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گننا کا حکم رکھتی ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر کوئی عتاب نہیں کیا گیا حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ان کے ترک تحفظ کو مطلقاً ذل دینے سے تعبیر فرمایا اور یہ کہا جائے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گنلا کا حکم رکھتی ہیں۔ ان آیات میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر ذر و توبخ کی گئی ہے اور میرے نزدیک اس مقام کی تقریر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو دیکھا تو وہ حیثیت دین کی وجہ سے سخت غضب میں آگئے نور انہوں نے اپنے ہاتھ کو جلد قاصح کرنے کے لیے غلٹ سے وہ اللواح زمین پر رکھ دیں تاکہ وہ اپنے بھائی کا سر پکڑ سکیں جس کو قرآن مجید نے ڈالنے سے تعبیر فرمایا اور اس میں کسی وجہ سے بھی تورات کی تختیوں کی اہانت نہیں ہے اور وہ جو طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ بعض تختیاں ٹوٹ گئیں تو وہ غلٹ سے زمین پر رکھنے کی وجہ سے ٹوٹیں اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرض نہ تھی اور نہ ان کو یہ گمان تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ یہاں پر صرف دینی حیثیت اور فرط غضب کی وجہ سے یہ غلٹ ان تختیوں کو زمین پر رکھنا مراد ہے اور بعض علماء نے تختیوں کے ٹوٹنے کے واقعہ کا انکار کیا ہے (جیسے امام رازی) ہر چند کہ یہ روایت مسند بزار، مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ہے۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۶۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچنے کی توجیہ اور دیگر فوائد اس کے بعد فرمایا اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

جو لوگ عصمت انبیاء پر طعن کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کسی شخص کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنا اس شخص کا استخفاف اور اس کی اہانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اہانت کی اور یہ عصمت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف بہ طور اہانت نہیں کھینچا تھا بلکہ وہ ان کو اپنے قریب کر کے ان سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے پھر حضرت ہارون نے یہ کیوں کہا تھا کہ اے میری ماں کے بیٹے بے شک قوم نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بنو اسرائیل کے جہلوں اور عاقبت ماندیشوں سے یہ خدشہ تھا کہ وہ یہ گمان کریں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون پر بھی اسی طرح غضب ناک ہیں جس طرح بنو اسرائیل پر ان کی گوسالہ پرستی کی وجہ سے غضب ناک تھے۔ اس لیے انہوں نے کہا اے میری ماں جائے اقوام نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور پھڑے کی عبادت ترک کرنے میں انہوں نے میرا حکم نہیں مانا۔ میں نے ان کو اس فعل سے روکا تھا لیکن میرے پاس ایسی قدرت نہیں تھی کہ میں ان کو بہ زور اس فعل سے روک دیتا۔ بنو اسرائیل میری بات نہیں سنتے تھے قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے۔ تو آپ ہمارے دشمنوں یعنی پھڑے کی پرستش کرنے والوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں اور میرا شمار ان خالوں میں نہ کیجئے جنہوں نے پھڑے کی عبادت کی تھی۔ یعنی ان سے مواخذہ کرنے میں مجھے ان کے ساتھ شریک نہ کیجئے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب! مجھے معاف فرما کہ میں نے حیثیت دین اور شدت غضب کی وجہ سے یہ اقدام کیا اور میرے بھائی کو معاف فرما کہ انہوں نے پھڑے کی عبادت کرنے والوں پر ایسی شدت نہیں کی جو ان کو کئی چاہیے تھی اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما بے شک تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۸۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کو پکڑ کر جو کھینچا تھا اس کی حسب ذیل چار تالیفیں ہیں:

۱۔ کسی کے سر کو پکڑ کر کھینچنا ان کے زمانہ میں متعارف تھا جیسا کہ اب عرب کسی شخص کے اکرام اور اس کی تعظیم کے لیے اس کی داڑھی پکڑتے ہیں۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کالن کے سر کو پکڑ کر کھینچنا یہ طور اہانت نہ تھا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو قریب کر کے ان سے رازدارانہ بات کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کی الواح نازل کی ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے متابعت کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا میرے سر اور میری داڑھی کو نہ پکڑو ورنہ آپ کے اس خفیہ بات کرنے سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ آپ میری اہانت کر رہے ہیں۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب سے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت ہارون نے بنو اسرائیل کو گوسلہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی نہیں کی۔ اور چونکہ ان کا غضب اللہ کے لیے تھا اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ نے اپنے احوال سننے کے لیے ان کو اپنے قریب کیا تھا۔ حضرت ہارون کو یہ ناگوار ہوا کیونکہ اس سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون سے مواخذہ کر رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی معذرت پیش کی۔ حسن بھری نے کہا تمام اسرائیلیوں نے پھڑے کی مہلت کی تھی کیونکہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے علاوہ اگر کوئی مومن بچا ہوتا تو حضرت موسیٰ اس کے لیے بھی دعا کرتے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے لیے دعا کی کیونکہ انہوں نے شدت جذبات کی وجہ سے حضرت ہارون سے کہا تھا

قَالَ يَهُرُّونَ مِمَّا مَعَكَ كَذَرَأَيْنَهُمْ ضُلُّوا أَلَا تَتَّبِعُنَّ مَا فَعَصَيْتَ أَمْرِي ۚ (طہ: ۹۳-۹۴)

موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے ان کو گمراہ ہونے دیکھا تو اس موقع پر میری اتباع کرنے سے آپ کو کیا چیز مانع ہوئی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

اس کی طعنی کرنے کے لیے حضرت موسیٰ نے ان کے لیے بھی دعا کی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے بتایا ان کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو کسی برائی کے مٹانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو وہ صرف زبان سے منع کرنے پر اکتفا کرے اور اس میں بھی جان جانے کا خطرہ ہو تو خاموش رہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غضب کی وجہ سے احکام نہیں بدلتے جیونکہ ہر چند کہ ان کی حالت غضب کی وجہ سے تورات کی تختیاں ساقط ہو گئیں تھیں لیکن پھر بھی اس پر یہ حکم مرتب ہوا کہ چند تختیاں ان سے اٹھالی گئیں۔

حالت غضب میں طلاق دینے کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متونی ص ۵۴ لکھتے ہیں:

ماخذ ابن قیم حنبلی نے غضبناک شخص کی طلاق کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں یہ کہا ہے کہ غضبناک شخص کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کو مبدوی غضب حاصل ہوں یعنی غضب کی ابتدائی کیفیت ہو۔ اس کی عقل متغیر نہ ہو اور اس کو علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے طور کیا قصد کر رہا ہے۔ اس قسم میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ انتہائی غضب میں ہو اور اس کو علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ اس کا ارادہ ہو۔ اس قسم میں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اقوال بلاخیز نہیں ہوں گے اور تیسری قسم وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان متوسط ہو اس طور کہ وہ مجنون کی مثل نہ ہو۔ یہ قسم محل نظر ہے

لور دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اقوال بھی بخند نہ ہوں۔ حافظ ابن قیم کا کلام ختم ہوا۔ لیکن صاحب الغلیہ حنبلی نے اس تیسری قسم میں حافظ ابن قیم کی مخالفت کی ہے لور کہا ہے کہ اس میں اقوال بخند ہوں گے اور اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ ہمارے موقف کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے مدہوش کی بحث میں لکھا ہے۔ (الی قولہ) پس اس مسئلہ میں مدہوش کی تعریف پر اکتفا کرنا چاہیے اور اسی پر حکم دائر کرنا چاہیے۔ لور جس شخص کے اقوال لور افضل میں اکثر و بیشتر غلط رہتا ہو یا بد چلے یا بیماری یا کسی آفت کی وجہ سے کسی کی عقل میں خلل آ گیا ہو تو جب تک اس کی یہ کیفیت رہے (یعنی الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو اور اپنے سیدھے کام کرتا ہو) اس کے اقوال لور افضل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا خولو اس کو ان اقوال اور افضل کا علم ہو اور اس نے ان کا ارادہ کیا ہو۔ کیونکہ اس کا یہ علم لور ارادہ معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کو لور اک صحیح حاصل نہیں ہے۔ آخر میں علامہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص شدید غضب کی حالت میں طلاق دے لور بعد میں اس کو یاد نہ رہے کہ اس نے کیا کہا تھا اور وہ آدمی یہ گواہی دیں کہ اس نے طلاق دی تھی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہاں اگر اس کی عقل میں خلل ہو اور اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جن کو وہ سمجھتا ہو نہ ان کا ارادہ کرتا ہو تو یہ جنون کا اعلیٰ مرتبہ ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی لور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دہلوی جیسے محدث لور ہے کہ اگر وہ غضب کی ایسی حالت میں ہو کہ اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جو اس کو بعد میں یاد نہ رہیں تو وہ گواہوں کے قول پر اکتفا کرنا جائز ہے کہ یہ عبارت ہمارے بیان کی صراحتاً تائید کرتی ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی مدظلہ العالی ص ۳۰ لکھتے ہیں:

غضب اگر واقعی اس درجہ شدت پر ہو کہ حد جنون تک پہنچا دے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا یا تو گواہان عدول سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعویٰ کرے لور اس کی یہ علت مشہور و معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعویٰ معتبر نہیں۔ یوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے لور قسم کی طلاق واقع نہ ہو۔ حالانکہ طلاق نہیں ہوتی مگر بحالت خصم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۲۹ مطبوعہ سنی دہلی شامیت فیصل آباد)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

فصل منع وقوع طلاق نہیں بلکہ اکثر دعویٰ طلاق پر حال ہوتا ہے تو اسے منع قرار دینا گویا حکم طلاق کا اسکا ابطال ہے۔ ہاں اگر شدت غیظ و جوش غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے 'خبر نہ رہے کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے تو بے شک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی۔ (الی قولہ) اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل زائل ہو گئی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کیا میرے منہ سے نکلتا ہے تو اطمینان بندہ کے لیے اس کا ثبوت گواہان عدول سے دے کہ اگرچہ عند اللہ وہ اپنے بیان میں سچا ہو لور اسے عورت کے پاس جانا دیا نہ روا ہو مگر عورت کو بے ثبوت بھائے نکاح اس کے پاس رہتا ہرگز حلال نہیں ہو سکتا تو ضرور ہو کہ زید اپنے دعویٰ پر گواہ دے یا اگر معلوم و معروف ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی تو گواہوں کی کچھ حاجت نہیں مجرد قسم کھا کر بیان کرے ورنہ مقبول نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ فیصل آباد)

علامہ خیر الدین ربلی مدظلہ العالی ص ۸۷ لکھتے ہیں:

شرح المجلدی سے نقل کر کے تائد غامیہ میں یہ تصریح کی ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح محقق ابن حمام نے فتح القدیر میں اور علامہ ترمذی غزی نے اپنے متن تحریر الاصل میں یہ تصریح کی ہے۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر عاقل

کی طلاق واقع نہیں ہوتی سوا اس کے کہ اس کی عقل نشہ کے سبب سے زائل ہو جو کہ مصیبت ہے تو اس صورت میں بہ طور  
مزا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ غیر عاقل میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کی عقل ان امور سے زائل ہوئی ہو۔ جنون، متہ،  
برسام، انمار (بے ہوشی) اور وحش، جنون ایک مشہور بیماری ہے اور متہ کا معنی ہے کم فہمی اور کلام کا غلط اور صحیح ہونا۔ اور تدبیر کا  
فلسو یہ عقل کے اختلال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی وہ عقل مندوں کی طرح کلام کرتا ہے اور کبھی مجنونوں کی طرح اور برسام ایک  
بیماری ہے جس میں بیمار ہڈیاں ہکتا ہے (بے سرو پاتیاں کرتا ہے) اور وحش کا معنی ہے عقل جاتی رہے بھول اور غفلت کی وجہ سے  
یا عشق کی وجہ سے اور جس نے مدہوش کی تفسیر حیرت زدہ کی ہے اس نے غلطی کی۔ کاموس میں لکھا ہے کہ مدہوش وہ شخص ہے  
جس کی عقل ذہول یا عشق کی وجہ سے جاتی رہی۔ مجنون کے متعلق حکم یہ ہے کہ جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کو جنون ہو چکا  
ہے اور اس نے طلاق دی اور اس نے کما حقہ دوبارہ جنون ہو اور میں نے طلاق دی تو اس کی قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کر لیا  
جائے گا اور اگر پہلے اس کو جنون نہ ہوا ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ غائب، تاتار غائب اور دیگر کتب میں اسی طرح  
ہے۔ مدہوش کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر ایک مرتبہ پہلے وہ مدہوش ہو چکا ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کر لیا جائے گا  
اور اگر وہ پہلے مدہوش نہیں ہوا تو قصاص اس کا قول قبول نہیں ہو گا ہاں گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا اور دیات اس کا  
قول قبول ہو جائے گا۔ (فتاویٰ الہیہ علی حاشی الخلدیہ ج ۱ ص ۶۸-۶۷ مطبوعہ کوئٹہ)

ثبات کا معنی اور اس کا شرعی حکم

اس آیت میں ہے: فلا تشمت بی الاعداء "تو آپ مجھ پر دشمنوں کو جسنے کاموقع نہ دیں۔"

علامہ حسین بن محمد رافع مصطفیٰ حنفی ص ۱۵۷ لکھتے ہیں:

ثبت کامل ہے دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا۔

(النفردات ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ کد کرمہ، القامیہ ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت داؤد بن اسحق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے (دینی) بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم

فرمائے گا اور تم کو مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳

نبی ﷺ نے ثبات اعداء سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ میری تختیوں کے آنے، ثبات اعداء اور سخت مصیبت سے اللہ

تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے۔

(صحیح مسلم، لفظ کر: ۵۳، (۲۷۰۷) صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۱، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۳۹، سنن احمد ج ۲

ص ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت

میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمائے والا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء مغفرت کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے بھائی کا عذر واضح ہو گیا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ ان پر جو ذمہ داری تھی اس کو پورا

کرنے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی اور جلیل اسرائیلیوں نے جو گوسلہ پرستی کی تھی اس کو روکنے کی انہوں نے ہر ممکن

کوشش کی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو سختی سے باز پرس کی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اپنے بھائی



کے لیے بھی معافی چاہی کہ اگر باقرض من سے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کو بھی معاف فرما انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں من سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ صغیرہ نہ کبرہ۔ لیکن امیر کی نیکیاں بھی مقررین کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں اس لیے وہ استغفار کرتے ہیں۔ نیز ان سے جو اجتہادی خطا سرزد ہوتی ہے اس پر بھی استغفار کرتے ہیں ہر چند کہ اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ ایک اجر ملتا ہے لیکن وہ مقام علی کے پیش نظر اس پر بھی استغفار کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے دعا کی پھر اپنے بھائی کے لیے دعا کی۔ اس میں اسلوب دعا کی تعلیم ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کرے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کاسب سے زیادہ وہ محتاج ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ تَرَبُّمٍ

بے شک جن لوگوں نے بچڑے کو بہرہ بنایا تھا وہ مغرب اپنے رب کے مذاب میں مبتلا ہوں گے

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتِرِينَ ﴿۱۵۷﴾

اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے، ہم بتائے ہوئے دلوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور

الَّذِينَ عَمِلُوا الشَّيَاطِئَ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا بِرَبِّ

جن لوگوں نے بُرے عمل کیے پھر بد اعمالیوں کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے (تو) آپ کا

رَبِّكَ مِنْ بَعْدِهَا الْغُفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۸﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى

رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○ اور جب موسیٰ کا غصہ خفا ہو گیا تو

الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاخَ ﴿۱۵۹﴾ وَفِي نُحُوتِهَا هَدًى وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ

انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے

هُم لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۶۰﴾ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا

رب سے ڈرتے ہیں ○ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تاکہ

لَمِيقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

وہ جگہ سے مقرر کردہ وقت (پر حاضر ہوں) پھر جب ان کو زلزلہ یا رعد سے گرفت میں لے لیا تو انہوں نے کہا اے پروردگار

أَهْلَكْتَهُمْ مِّن قَبْلُ وَإِنَّا أَتَيْنَاكَ بِمَعَالٍ تُفَاهٍ ﴿۱۶۱﴾

اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا، کیا تو ہم میں سے ان تلافیوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا

إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ط

یہ تو تیری مہلت آزمائش تھی، جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے،

أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾ وَالْكِتَابُ

تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے ○ اور ہمارے لیے

لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هَذَا إِلَيْكَ قَالِ

اس دنیا میں بھلائی کو دے اور آخرت میں، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے، اسے دے دیا

عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط

میں اپنا عذاب تو جسے چاہتا ہوں اسے پہنچاتا ہوں، اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے،

فَسَاكِنَةٌ بِالْأَرْضِ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ

تو مغرب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو انہوں سے کہیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور یہی

بِأَيِّتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَرْحَمَ

آیتوں پر ایمان لائیں گے ○ جو اس خلیفہ رسول نبی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے

الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

پس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو

يَأْمُرُهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ

نبی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا، جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي

اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گھبرائے ان سے ان کے بوجھ اتارے گا، اور ان کے غلوں میں پٹے جوڑے طوق

كَانَتْ عَلَيْهِمْ قَالِ الَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا

اتارے گا، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس کی

# التَّوْرَ الَّذِي أَنْزَلْنَا مَعَهُ ۖ وَلَئِكَ هُمُ الْبَاقِلُونَ ۝

پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی وہی فلاح پانے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے پھڑے کو معبود بنایا تھا وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے ہم بہت باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ (الاعراف: ۱۵۲) توبہ قبول کرنے کے باوجود بنو اسرائیل پر عذاب کی وعید کی توجیہ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھڑے کی عبادت کرنے والوں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنِّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْوُجُلَ فَنُتَبِّهُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ تَعْبِرُونَ لَكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَنَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ (البقرہ: ۵۳)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بے شک تم نے پھڑے کو معبود بنایا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پس تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو سو ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم فرماتے والا۔

اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ یا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی ہے پھر یہ کس طرح فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اس سوال کے متعدد جواب ہیں:

۱۔ اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو توبہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی سے پہلے مرتکب تھے۔

۲۔ اس آیت کا مصداق عام بنی اسرائیل ہیں اور عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اس عذاب سے مراد انیس یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔

۳۔ اس آیت کے مصداق وہ یہودی ہیں جو نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ کیونکہ جس طرح آباء کے محاسن اہباء کے لیے باعث فخر ہوتے ہیں اسی طرح آباء کے محبوب اہباء کے لیے باعث عار ہوتے ہیں اور اس زمانہ کے یہودی بھی اپنے ان آباء کو مانتے تھے۔ اس لیے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے۔

بدعت سینہ کی تعریف

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ہم انہما کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ ان کا انہما یہ تھا کہ انہوں نے پھڑے کو معبود قرار دیا۔ جو شخص دین میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرتا ہے جس کی اصل کتاب اور سنت میں نہ ہو اور وہ شریعت کے کسی حکم کا منہ ہو اور اس طریقہ کو کار ثواب قرار دیتا ہو شخص اللہ اور رسول پر انہما کرتا ہے۔ اس لیے امام مالک بن انس نے بدعتی کو مفتري فرمایا اور اس آیت کو پڑھا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا ہر بدعتی کے سر پر ذلت ہوگی اور پھر انہوں نے اس آیت کی

طہان القرآن

طلوت کی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم نے بدعت کی جو تعریف کی وہ بدعت سیئہ کی تعریف ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے شہداء کو بلا پر ماتم کرنے اور نوح کرنے کو شیعہ باعث اجر و ثواب کہتے ہیں یا یہودیوں کو دھوئے کی بجائے یہودیوں پر مسح کرنے کو کار ثواب کہتے ہیں اور چند صحابہ کے سوا باقی صحابہ کرام کو حرام کرتے ہیں اور اس کو ثواب کا کام کہتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ میلاد النبی اور بزرگوں کے لیے ایصال ثواب اور عرس وغیرہ کو بغیر شرعی دلیل کے حرام کہتے ہیں اور ان کو عینی محسن کے ساتھ یہ طور استعجاب کرنے کو بھی بدعت ناجائز اور حرام کہتے ہیں مگر امور مستحبہ کو حرام کہنا بھی شریعت پر افتراء ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے میرے عمل کیے پھر یہ اعمالیوں کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے (تو) آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا مہربان ہے O (الاعراف: ۱۵۳)

توبہ کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا عموم اور شمول

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے میرے عمل کیے پہلے وہ ان پر توبہ کرے باقی طور کہ ان برے اعمال پر علوم ہو اور ان سے رجوع کرے اور آئندہ ان برے کاموں کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور ان کا تدارک اور تلافی کرے مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں ان کو قضا کرے۔ اگر کسی کا بل غصب کیا تھا تو اس کو واپس کرے۔ پھر کل پڑھے اور یہ تصدیق کرے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جو شخص اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ اس آیت میں گناہوں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا پھر کہا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ اس نے پھر دوبارہ گناہ کیا اس کے بعد کہا اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ اس نے پھر سہ بارہ گناہ کیا اور کہا اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے (اے میرے بندے!) تو جو عمل چاہے کر میں نے تجھ کو بخش دیا۔

(صحیح مسلم التوبہ ۲۹، ۱۸۵۲ (۲۷۵۸) صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۷۷، مسند احمد ج ۲، ص ۲۹۶، مسند احمد ج ۲، ص ۳۰۵، جامع

المصنوع ج ۸، رقم الحدیث ۵۸۷۶)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابی ایوب القرطبی المالکی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدہ پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اس کی وسعت اس کی رحمت اس کے علم اور اس کے کرم پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث میں استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے استغفار اور توبہ کرے بلکہ استغفار کا وہ معنی مراد ہے جو دل میں پچوست ہو جس سے گناہ پر اصرار کی گراہ کھل جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پچھلے گناہوں پر علوم ہو۔ اس صورت میں استغفار اس کی توبہ کا ترجمان ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو فتنہ میں مبتلا ہو اور بہت توبہ کرنے والا ہو۔ (شعب الایمان ج ۵، رقم الحدیث

(۱۵۴) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس سے بار بار گناہ صادر ہو اور وہ بار بار توبہ کرے اور جب وہ گناہ کرے تو وہ توبہ کرے، لیکن جو شخص صرف زبان سے استغفر اللہ کہتا ہے اور اس کا دل گناہ کرنے پر مصر ہوتا ہے تو اس کا ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتاج ہے۔ اور ایسی زبانی توبہ سے صدق دل سے توبہ کرنا چاہیے کہ آئندہ وہ ایسی زبانی اور بے مغز توبہ نہیں کرے گا۔ اور صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی صغیرہ گناہ پر اصرار کرے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ ہو جاتا ہے اور جب کسی کبیرہ گناہ پر استغفار کرے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنا اگرچہ پہلی بار گناہ کرنے سے زیادہ قبیح ہے کیونکہ دوبارہ گناہ کر کے وہ خود اپنی توبہ توڑ رہا ہے لیکن جب وہ دوبارہ زیادہ گناہ کرے گا اور کرم کے دروازہ پر فریاد کرے گا تو پہلی توبہ سے احسن ہے کیونکہ وہ اس یقین سے توبہ کر رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ارشاد ہے جو مرضی آئے کریں بے تحہ کو بخش دیا ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس کو اب گناہ کرنے کی عام اجازت اور کھلی چھٹی ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیے اور آئندہ کے لیے اس کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے یا یہ کہ اگر اس سے پھر گناہ سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق دے دے گا۔ اس کا یہ معنی بھی ہے جب تک تم گناہوں پر توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشا رہوں گا۔

(المعجم ج ۷، ص ۸۶-۸۵، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی حوالی ۶۷۱ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر ظاہر دلالت ہے کہ اگر انسان سو مرتبہ یا ہزار مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ بار گناہ کا تکرار کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے، مگر اگر تمام گناہوں سے ایک باری توبہ کرے تو اس کی توبہ صحیح ہے، مگر یہ جو فرمایا ہے جو مرضی آئے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تم گناہوں پر توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشا رہوں گا۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی ج ۱، ص ۷۸۸-۷۸۹، مطبوعہ مکتبہ نزار حنفیہ اہلہ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے عفو و مغفرت کی وسعت اور اس کے رحم و کرم کے عموم و شمول میں بہت احادیث ہیں۔ ہم یہاں پر صرف ایک حدیث اور پیش کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو نے مجھ سے دعا کی اور دعا قبول ہونے کی امید رکھی۔ میں نے تیری پچھلی سب خطائیں بخش دیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھ کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو تمام روئے زمین کے برابر بھی گناہ کر کے آئے یہ شرطیکہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس تمام روئے زمین بخشنی مغفرت لے کر آؤں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۵۸۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ کا قصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں (الاعراف: ۱۵۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے غصہ کی تلافی کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ جان لیا کہ بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی اور ان کا



عذر صحیح تھا تو انہوں نے تورات کی جو تختیاں ڈالی تھیں وہ اٹھالیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا کی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا تھا اس وقت بھی انہوں نے غصہ میں دو کام کیے تھے۔ تورات کی تختیاں زمین پر ڈال دی تھیں اور حضرت ہارون کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ اور جب غصہ ٹھنڈا ہو گیا تب بھی انہوں نے اس کی تلافی میں دو کام کیے۔ تورات کی تختیاں زمین سے اٹھالیں اور اپنے بھائی کے لیے دعا کی۔

تورات کی تختیاں ٹوٹی تھیں یا نہیں

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے "الاعراف" سے مراد وہی الواح ہیں جو انہوں نے ڈالیں تھیں۔ (گویا اللہ لام حمد خارجی کا ہے) اور اس میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ ان تختیوں میں سے کوئی تختی ٹوٹی تھی نہ باطل ہوئی تھی اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ تورات کے سات اجزاء میں سے چھ اجزاء اٹھالے گئے تھے اور صرف ایک جز باقی رہ گیا تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ نے ان تختیوں کو لوٹا دیا اور ان میں بیسہ وہ سب کچھ مذکور تھا جو پہلی تختیوں میں تھا۔ اس نقد پر "وفی نسب عنہا" کا معنی یہ ہو گا اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ ہدایت اور رحمت تھی اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں ڈالنے کے بعد بیسہ ان ہی تختیوں کو اٹھالیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھیں اور اب بھی "وفی نسب عنہا" کا یہی معنی ہو گا کہ اس کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۵ھ)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اس میں نیک کاموں کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں اور صالح حیات کے لیے اس میں مکمل دستور العمل ہے اور اگر اس میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تاکہ وہ ہمارے مقرر کردہ وقت پر حاضر ہوں پھر جب ان کو زلزلہ (یا زلزلہ) نے گرفت میں لے لیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا کیا تو ہم میں سے ان ملعونوں کے کاموں کی وجہ سے ہم کو ہلاک کرے گا یہ تو حیرت صرف آزمائش تھی جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں جلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے توبہ ہدایت عطا فرماتا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے (الاعراف: ۱۵۵)

ستر اسرائیلیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں مختلف روایات

اس آیت کے شان نزول میں کئی روایات ہیں:

امام عبدالرحمن بن محمد الحروف بن ابی حاتم التوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون بشیر اور بشر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے حضرت ہارون اپنے تخت پر لیٹ گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر وقت طاری کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو بنو اسرائیل نے ان سے پوچھا حضرت ہارون کہیں ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو وقت دے دی۔ بنو اسرائیل نے کہا آپ نے ان کو قتل کیا ہے آپ ان پر حسد کرتے تھے کہو نیکو وہ ہمارے ساتھ بہت نرمی کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تم صدیق کے لیے جن کو چاہو منتخب کر لو۔ انہوں نے ستر آدمی منتخب کیے اور جب وہ اس مقررہ وقت پر پہنچے تو انہوں نے حضرت ہارون سے پوچھا:

صہبان القرآن

اے ہارون! تم کو کس نے قتل کیا ہے؟ حضرت ہارون نے کہا مجھے کسی نے قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے وقت دی ہے۔ تب بنو اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ہم آئندہ آپ کی مافرمانی نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی مائلی متوفی ۴۲۸ھ نے شان نزول میں اسی روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوسری روایت یہ ہے: امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن ابی ظہر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو منتخب کیا مگر وہ اپنے رب سے دعا کریں اور انہوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی اے اللہ! ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو وہ نعمتیں دے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ دعا مانگو اور گزری تب ان کو ایک زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷ جامع البیان ج ۷ ص ۹۸-۹۹ مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو الیمان اندلسی المتوفی ۵۴۳ھ نے ان دونوں روایتوں کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(المحرر المجلد ج ۵ ص ۱۸۷ مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، امام الحسین بن مسعود القراء البغوی المتوفی ۵۸۱ھ، حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ آلوسی متوفی ۷۷۰ھ اور بہت مشہور مفسرین نے امام ابن جریر متوفی ۵۴۳ھ کی اس روایت پر اکتفا کیا ہے۔

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور چھڑے کی عبادت کرنے پر بنو اسرائیل کو ملامت کی اور چھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد سوتر تھی، سے فرمایا تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے چلو اور اپنی اس گنہگار پرستی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو۔ جب حضرت موسیٰ ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کا کلام سن لیں حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا حضرت موسیٰ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک ہل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھلپ لیا۔ حضرت موسیٰ اس ہل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آ جاؤ جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لاسکتا تھا۔ تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے۔ جب قوم اس ہل سے اندر داخل ہوئی تو جگہ میں گر گئی۔ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور ہل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ہانکل ظاہر عیاں اور عیاں دیکھ نہ لیں اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آ پڑی اور وہ سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ! اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو وہ میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاکت ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے بلا آخر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے چھٹن لو ہلاک کر دیں۔ پھر بنو اسرائیل نے جو چھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرتے گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۱-۲۳۲ مطبوعہ دار العرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ تفسیر کیرج ۵ ص ۲۷۶-۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۱۷۰) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۶ روح المعانی ج ۹ ص ۷۲ تفسیر ایضاً مع الکاذبونی ج ۳ ص ۳۳ امام ابن ابی حاتم حنفی ۵۲۲ھ نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ابن کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا جس سے وہ مر گئے پھر ان کو زندہ کیا۔ نیز امام ابن ابی حاتم نے سعید بن حیان سے روایت کیا ہے کہ ابن ستر اسرائیلیوں کو بجلی کی کڑک نے اس لیے ہلاک کیا تھا کہ انہوں نے پتھرے کی عبادت کا حکم دیا تھا انہ اس سے منع کیا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷۵ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ ابازکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ) سورۃ البقرہ میں الصاعقہ اور سورۃ الاعراف میں الرجفہ فرمانے کی توجیہ

سورۃ البقرہ میں فرمایا تھا: ان کو "الصاعقہ" نے پکڑ لیا (البقرہ: ۵۵) اور اس سورت میں فرمایا ہے ان کو "المرجمہ" نے پکڑ لیا۔ الصاعقہ کے معنی ہیں رعد یا بجلی کی کڑک اور الرجفہ کے معنی ہیں زلزلہ۔ علامہ بیضاوی اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے اس سے مراد الصاعقہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بجلی اس زور سے کڑکی ہو کہ پہاڑ میں زلزلہ آگیا ہو اس لیے ایک جگہ اس کو الصاعقہ سے تعبیر فرمایا اور دوسری جگہ الرجفہ سے۔

علامہ ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

کلی نے کہا اس سے مراد زلزلہ ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد موت ہے۔ وہ سب مر گئے تھے پھر ان کو زندہ کیا۔ فراء نے کہا وہ ایک آگ تھی جس نے ان کو جلا ڈالا تھا۔ حضرت موسیٰ کا یہ گمان تھا کہ یہ ہلاک ہو گئے ہیں لیکن وہ ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ (الکتف والعیون ج ۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

الرجفہ سے مراد ہے حرکت شدیدہ اور ابن کو حرکت شدیدہ نے جو اپنی گرفت میں لیا تھا اس کے سبب کے متعلق چار قول ہیں:

- ۱- حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کا الزام لگایا تھا۔
  - ۲- ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے دعائیں حد سے تہلوڑ کیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی نعمت مانگی تھی جو پہلے کسی کو ملی ہو نہ آئندہ ملے۔
  - ۳- قتادہ اور ابن جریج نے کہا یہ لوگ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔
  - ۴- سدی اور ابن اسحاق نے کہا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کا مطالبہ کیا اور اللہ کا کلام سننے کے بعد کہا ہم اس کو دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (اراد المسیر ج ۳ ص ۲۷۹ مطبوعہ مکتبہ الاسلامیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)
- کیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ ستر اسرائیلیوں کی وجہ سے ان کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی: کیا تو ہم میں سے ان ملوانوں کے کاموں کی وجہ سے ہم کو ہلاک کرے گا؟ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْزِي وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الرمر: ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کیسے یہ گلن کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ان ستر اسرائیلیوں کے قصور کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا جیسے کہتے ہیں: کیا تم اپنی خدمت کرنے والے کی بے عزتی کرو گے؟ یعنی تم ایسا نہیں کرو گے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ تو ہم کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۷۷) اس اعتراض کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گلن نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی پریشانی میں مبتلا کرے گا۔ وہ اپنے اس کلام سے ان ستر اسرائیلیوں کی شفاعت کرنا چاہتے تھے جو اپنی ملوانی اور حماقت کی وجہ سے رعد کی کڑک میں مبتلا ہو کر مارے گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی ذات کو درمیان میں ڈالا کہ یہ تو قصور دار ہیں لیکن اگر ان کی سزا برقرار رکھی گئی تو میں پریشانی میں مبتلا ہوں گا اور بنو اسرائیل ان کے متعلق مجھ سے سوال کریں گے سو تو صریح فرما اور میری خاطر ان کو ذمہ کر دے۔

اللہ کے معاف کرنے اور مخلوق کے معاف کرنے میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعائیں کیا تو سب سے اچھا بخشے والا ہے کیونکہ مخلوقات میں سے جب کوئی کسی کو بخشا ہے تو یا تو دنیا میں اس سے اپنی تعریف و توصیف کا طالب ہوتا ہے یا آخرت میں ثواب کا طلب گار ہوتا ہے یا معافی مانگنے والے کے حل کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ دل سے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے وہ معاف کر دیتا ہے یا یہ نیت ہوتی ہے کہ آج میں اس کو معاف کروں گا تو کل کوئی مجھے معاف کر دے گا۔ یا ماضی میں بھی اس نے اس کو معاف کیا ہو تو اس کا احسان چکانے کے لیے وہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ فرض معاف کرنے سے مخلوق کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور بے غرض اور بلا غرض معاف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ فرمایا میں اپنا عذاب تو جسے چاہتا ہوں اسے پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے تو مغرب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو من لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو مکتا ہوں سے بھیجیں گے اور ذکوۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے (الاعراف: ۱۵۶)

حضرت موسیٰ نے دنیا اور آخرت کی جس بھلائی کا سوال کیا تھا وہ کیا چیز تھی؟

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بقیہ حصہ اور تہذیب ذکر فرمایا ہے۔ دعائیں اصولی طور پر دو چیزیں طلب کی جاتی ہیں معجزیوں سے نجات اور منفی چیزوں کا حصول یعنی دفع ضرر اور جلب منفعت۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعائیں پہلے یہ کہا کہ ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ دعا کے اس حصہ میں اپنی امت کے لیے ہلاکت اور عذاب سے نجات کو طلب کیا اور دعا کے دوسرے حصہ میں کہا اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں اور اس میں جلب منفعت کی اور منفی چیزوں کو طلب کیا اور دنیا اور آخرت کی خیر اور حسن کو طلب کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں تلقین فرمائی ہے:

وَوَسَّوْهُمْ مِّنْ يَّمُوتُ رَبَّنَا إِنِّي أَفِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ: ۲۷۳) اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں اسے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما۔

دنیا کی بھلائی کیا ہے اور آخرت کی بھلائی کیا ہے؟ علامہ ابو الیمان اندلسی متوفی ۷۸۵ھ نے لکھا ہے ”دنیا کی بھلائی سے مراد ہے پاکیزہ حیات اور اچل صلہ اور آخرت کی بھلائی سے مراد ہے جنت“ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور دنیا کی نیکیوں پر ثواب اور زیادہ

عمدہ بات یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد نعمت اور عبادت ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے اور اس کے علاوہ اور کیا بھلائی ہو سکتی ہے؟ (البحر المحیط ج ۵ ص ۱۹۰) علامہ بیضوی متوفی ۶۸۶ھ نے لکھا ہے ”دنیا کی بھلائی سے مراد اچھی زندگی اور عبادت کی توفیق ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے۔“ (الکازرینی مع بیضوی ج ۳ ص ۲۳) علامہ ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد گناہوں کی بخشش ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۵) علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد مغفرت اور جنت ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد اس کی جزا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۵۷) باقی مفسرین نے بھی تقریباً اسی طرح لکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی لکھ دے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو رسول الہی کی پیروی کریں گے جن کا ذکر تورات اور انجیل میں ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی امت کو عطا کر دی۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے جو سوال کیا تھا کہ ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لکھ دے وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ میں (سیدنا) محمد ﷺ کی امت کو عطا کروں گا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۹) تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۸۰  
اب یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو تفسیر علامہ ابو الیمان اندلسی، علامہ بیضوی، علامہ ابن جریر اور علامہ قرطبی وغیرہم نے کی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے، اس میں سیدنا محمد ﷺ کی امت کی کیا خصوصیت ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی اعمال صالحہ کریں گی اور جنت میں جائیں گی جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت بریدہ بن حبیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چار۔ س صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷، سنن الدارمی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۸۳۵، السنن رک ج ۱ ص ۸۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۸۳۳، کتاب الزہد للابن المبارک رقم الحدیث: ۵۷۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۵۳، کمال ابن عری ج ۲ ص ۸۵۵، ج ۳ ص ۳۲۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۰، ۷۱، ۷۲)

اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں احکام شرعیہ آسان ہوں۔ کیونکہ بنو اسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔ ان کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔ ان کو جہنم کی سولت حاصل نہیں تھی۔ مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہاں غنیمت حلال نہیں تھا، قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ کپڑے یا بدن پر جس جگہ نجاست لگ جائے اس کو کھانا پڑتا تھا۔ گزہ گار اعضا کو کھانا ضروری تھا، قتل خطا اور قتل عمد میں قصاص لازمی تھا، دیت کی رخصت نہیں تھی۔ ہفتہ کے دن شکار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ روزہ کا دورانیہ رات اور دن کو محیط تھا اور بہت سخت احکام تھے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ چاہا کہ دنیا میں ان کے لیے احکام شرعیہ آسان ہو جائیں۔ یہ دنیا کی بھلائی تھی اور آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ کم عمل پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر عطا فرمائے۔ ان کو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا۔ حضرت موسیٰ چاہتے



تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا یا سلت سو گنا اجر عطا کیا جائے اور اس معنی میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی امت کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ اس لیے یہ بھلائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی بجائے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا کر دی اس لیے فرمایا میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کو دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اس عظیم رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا جو ان سے بوجھ اتارے گا اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی نوگ قلاح پانے والے ہیں ○ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کے نو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں (۱) نبی (۲) رسول (۳) امی (۴) آپ کا تورات میں مکتوب ہونا (۵) آپ کا انجیل میں مکتوب ہونا (۶) امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر کرنا (۷) پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرنا (۸) ان سے بوجھ اتارنا (۹) ان کے گلے میں پڑے ہوئے طوق اتارنا

نبی اور رسول کے معنی

علامہ مسعود بن عمر قتادانی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے بھیجا اور کبھی اس میں کتاب کی شرط بھی ملتی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ (شرح معتمد سنن ص ۱۳)

اس تعریف پر یہ اعتراض ہے کہ رسول تین سو تیرہ ہیں اور کتابیں اور صحائف ملا کر ایک سو چودہ ہیں۔ اور باقی رسولوں کے پاس کتاب نہیں تھی۔ اس لیے علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بغیر کسی بشر کے واسطے کے خبر دے اور ان امور کی خبر دے جن کو محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا۔ اور رسول وہ ہے جو ان اوصاف کے علاوہ مرسل الہم کی اصلاح پر بھی مامور ہو۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۷۹) لیکن یہ فرق بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی بھی انسانوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ رسول کے پاس کتاب ہونا ضروری ہے خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابق رسول کی کتاب ہو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ رسول عام ہے وہ فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ اس کے برخلاف نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ اس پر فرشتہ وحی لائے اور نبی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ اس کے دل پر وحی کی جائے۔ یا خواب میں اس پر وحی کی جائے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے نو اوصاف میں سے ایک تیسرا وصف امی ذکر فرمایا ہے ہم یہاں لفظ امی کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے لفظ امی کا ذکر فرمایا ہے۔

قرآن اور سنت میں نبی ﷺ پر امی کا اطلاق

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کریں۔

(الاعراف: ۱۵۷)

فَأَمْسُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہیں۔

(الاعراف: ۱۵۸)

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْهُمْ أَتَمِبُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ الْأَمَانِيَّ  
(المقرہ: ۷۸)  
اور ان میں بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو زبان سے لفظوں کو  
پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب (کے معانی) کا کچھ علم نہیں  
رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ  
(الجمعة: ۲) رسول بھیجا۔  
جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک عظیم

ان کے علاوہ سورت آل عمران میں دو جگہ (۷۵-۲۰) امیوں کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنے لیے امی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم امی لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حساب  
کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۳، صحیح مسلم المصباح: ۱۵ (۱۰۸۰) ۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۹۹، سنن انسائی رقم الحدیث: ۲۱۳۱،

السنن الکبریٰ للسنن رقم الحدیث: ۲۳۵۱، مسند احمد ج ۲، ص ۴۴، طبع قدیم جامع الاصول ج ۱، رقم الحدیث: ۴۳۹۳)

امی کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی متونی ۵۵۴ لکھتے ہیں:

امی وہ شخص ہے جو نہ لکھتا ہو اور نہ کتاب سے دیکھ کر پڑھتا ہو۔ اس آیت میں امی کا یہی معنی ہے "هو الذي بعث  
في الاميين رسولا منهم" قطرب نے کہا امیہ کے معنی غفلت اور جہالت ہیں سوائے ان کا معنی قلیل المعرفة ہیں۔ اسی  
معنی میں ہے "وَمِنْهُمْ اُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ الْاِمَامِيَّ" یعنی وہ امی ہیں جب تک ان پر تلاوت نہ کی جائے وہ  
از خود نہیں جانتے۔ فراء نے کہا یہ وہ عرب لوگ ہیں جن کے پاس کتاب نہ تھی اور قرآن مجید میں ہے "وَالْمَسِيَّ الْاِمِّيَّ  
الَّذِي يَجِدُوهٖ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي الْمَنُورِ وَالْاِسْحَابِ" ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امی اس لیے  
فرمایا ہے کہ آپ اسین کے نبی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو امی اس لیے فرمایا کہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے اور  
یہ آپ کی فضیلت ہے کیونکہ آپ حفظ کرنے سے مستغنی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی صفات پر اھم کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
"سَفَرْنَاكَ عَلٰی نَسِيٍّ" غریب ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ نہیں بھولیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو امی  
اس لیے فرمایا کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ (المفردات ج ۱، ص ۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن اثیر جزری متونی ۵۶۶ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے اِمَامَةُ لَا كِتَابَ وَلَا حِسَابَ "ہم اہل عرب امی ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں" آپ کی مراد  
یہ تھی کہ ہم اسی طرح ہیں جس طرح اپنی ماؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ یعنی اپنی جبلت لوٹی پر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ امی وہ ہے  
جو لکھتا نہ ہو۔ نیز حدیث میں ہے بعثت الی امۃ امیۃ "میں امی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں" یا امی سے عرب مراد ہیں  
کیونکہ عرب میں لکھنا بالکل نہ تھا یا بہت کم تھا۔ (التمایہ ج ۱، ص ۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد طاہر بن خلی متونی ۵۸۶ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے ہم ای لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حسب کرتے ہیں۔ یعنی اپنی ماں سے پیدائش کی اصل پر ہیں۔ لکھنا سیکھا ہے نہ حسب کرتا۔ تو وہ اپنی اصل جہلت پر ہیں اور اسی سبب پر ہے اسمن میں رسول بھیجا گیا۔ علامہ کہانی نے کہا اس میں ام القرئی کی طرف نسبت ہے یعنی بکہ والوں کی طرف۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب میں لکھنے والے بھی تھے اور ان میں سے اکثر حسب جانتے والے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لکھنا نہیں جانتے تھے اور حسب سے مراد ستاروں کا حساب ہے اور وہ اس کو بالکل نہیں جانتے تھے۔ علامہ طہی نے کہا ہے کہ ابن میمون نے نبی ﷺ سے کہا آپ اسمن کے رسول ہیں۔ اس شیطان کا مطلب یہ تھا کہ آپ صرف عرب کے رسول ہیں دوسروں کے نہیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ دار الامان، المدینہ المنورہ ۱۳۱۵ھ)

علامہ زبیدی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

قاموس میں ہے ای وہ شخص ہے جو لکھتا نہ ہو یا اپنی ماں سے پیدائش کے حل پر ہائی ہو اور ای فی اور قلیل الکلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کو ای اس لیے کہا جاتا ہے کہ عرب قوم لکھتی تھی نہ پڑھتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا اور آنحضرت آپ لکھتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے تھے۔ اور یہ آپ کا معجزہ ہے کیونکہ آپ نے بغیر کسی تغیر اور تبدل کے بار بار قرآن مجید کو پڑھا۔ قرآن مجید میں ہے "وما کنت تنزلوا من قبلہ من کتاب" (الابہ) حافظ ابن جریر عسقلانی نے احدث رافعی کی تخریج میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ پر لکھنے اور شعر گوئی کو حرام کر دیا گیا تھا۔ یہ اس وقت ہے اگر آپ شعر گوئی اور لکھنے کو اچھی طرح سمجھتے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہر چند کہ آپ کو شعر اور خط میں مہارت تو نہیں تھی لیکن آپ اچھے اور برے شعر میں تمیز رکھتے تھے۔ اور بعض علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ پہلے آپ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن بعد میں آپ نے لکھنا جان لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کنت تنزلوا من قبلہ (الابہ) آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور "اس سے پہلے" کی قید کا یہ معنی ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو جان لیا کیونکہ آپ کا پہلے نہ جتنا معجزہ کے سبب سے تھا اور جب اسلام پھیل گیا اور لوگوں کے شکوک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ نے اس کو جان لیا اور امام ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے مجاہد سے روایت کیا ہے "ما مات رسول اللہ ﷺ حنی کنب وقرء" رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے لکھ نہیں لیا اور پڑھ نہیں لیا اور مجاہد نے شعبی سے کہا اس آیت میں اس کے خلاف نہیں ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ علامہ ابوذر "علامہ ابو الفتح نیشاپوری اور علامہ ہاجی مالکی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ بلخی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، بعض افریقی علماء نے بھی علامہ ہاجی کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ ای ہونے کے بعد لکھنے کو جان لینا معجزہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے کیونکہ بغیر کسی انسان کے سکھائے کتاب کو پڑھنا اور لکھنا بھی معجزہ ہے۔ ابو محمد بن مغز نے علامہ ہاجی کی کتاب کا رد لکھا ہے اور علامہ سمنانی وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ بغیر علم کے لکھتے تھے جیسے بعض ان پڑھ بلاشبہ بعض حروف لکھ لیتے تھے حالانکہ ان کو حروف کی تمیز اور شناخت نہیں ہوتی تھی۔ (تاج القاموس ج ۸ ص ۱۹، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۷۰۷ھ ای کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کو ای اس لیے کہا ہے کہ آپ امت عرب کی طرف منسوب ہیں جس کے اکثر افراد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم ای لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ امام باقر نے کہا ہے کہ آپ ام القرئی یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو ای

فرمایا 'یا آپ اپنی اہم (مل) کی طرف منسوب تھے یعنی آپ اسی حالت پر تھے جس حالت پر اپنی مل سے پیدا ہوئے تھے' آپ کا یہ وصف اس تنبیہ کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنی پیدائشی حالت پر قائم رہنے (یعنی کسی سے پڑھنا لکھنا نہ سیکھنے) کے بلوجود اس قدر عظیم قلم رکھتے تھے سو یہ آپ کا معجزہ ہے۔ اسی کالفظ صرف آپ کے حق میں مدح ہے اور باقی کسی کے لیے ان پڑھ ہونا باعث فضیلت نہیں ہے جیسا کہ تکبر کالفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باعث مدح ہے اور دوسروں کے حق میں باعث مذمت ہے۔ نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی ﷺ سے کسی وقت لکھنے کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صلح نامہ لکھا اور یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور اعلیٰ ثناء کا بھی یہی تقاضا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے بالکل نہیں لکھا اور آپ کی طرف لکھنے کی نسبت مجاز ہے اور بعض اہل بیت سے روایت ہے کہ آپ لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھتے تھے لیکن اس روایت کی کوئی معتد سند نہیں ہے ہاں ابو الشیخ نے اپنی سند کے ساتھ غلبہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں 'شعبی نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَشْفَعُونَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَحُطُّ بِبَيِّنَاتِكَ إِذَا لَارْتَابَ الْمُبِطُونَ O  
 (العنکبوت: ۴۸) شبہ پڑ جاتا

اس آیت کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کسی مسئلہ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا قریش مکہ کے سامنے آپ کی پوری زندگی تھی 'آپ کے اہل وطن اور رشتہ داروں کے سامنے' روز پیدائش سے اعلان نبوت تک آپ کی ساری زندگی گزری اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم ہاتھ میں لیا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات گزشتہ انبیاء و رسل کے حالات 'قدیم مذاہب کے عقائد' تاریخ' تمدن' اخلاق اور عمرانی اور عائلی زندگی کے جن اہم مسائل کو یہ اہی شخص انتہائی فصیح و بلیغ زبان سے بیان کر رہے ہیں 'اس کا وحی الہی کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا' اگر انہوں نے کسی کتب میں تعلیم پائی ہوتی اور گزشتہ مذاہب اور تاریخ کو پڑھا ہوتا تو پھر اس شبہ کی بنیاد ہو سکتی تھی کہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں وہ دراصل ان کا حاصل مطالعہ ہے۔ ہر چند کہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور تمام علمی وسائل بروئے کار لا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے تاہم اگر آپ نے اعلان نبوت سے پہلے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار کیا ہوتا تو جموٹوں کو ایک بات بتانے کا موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب آپ کا امی ہونا 'فریق مخالف کو بھی تسلیم تھا تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی' اور یوں کہنے کو تو ضدی اور معاند لوگ پھر بھی یہ کہتے تھے:

وَقَالُوا أَتَأْتِيهِمُ الْبُكْرَةُ وَأَصْبَلًا (المرقانہ: ۵)  
 اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے لکھے ہوئے قیے ہیں جو اس (رسول) نے لکھا لے ہیں 'سودہ صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کی قید سے مقید کیا ہے اور یہی مقصود ہے۔ کیونکہ اگر اعلان نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا لکھنا پڑھنا ثابت ہوتا تو اس شبہ کی راہ نکل سکتی تھی اور

اس آیت سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر استدلال نہ ہو سکتا اور اس قید لگانے کا یہ تقاضا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنے اور پڑھنے کا صدور ہو سکتا ہے اور بعد میں آپ کا لکھنا اور پڑھنا اس استدلال کے متافی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے بعض اجلہ علماء کا یہ قول نقل کیا ہے:

اس قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ لکھنے اور پڑھنے پر قادر تھے اور اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ قید بے فائدہ ہوگی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵، مطبوعہ بیروت)

اس استدلال پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا استدلال میں معتبر نہ ہونا اخلاقی نہیں ہے کیونکہ باقی ائمہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں، خصوصاً جب کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے بعثت کے بعد آپ کا لکھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم عنقریب انشاء اللہ باحوالہ بیان کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر علی اور عملی کمالات عطا فرمائے ہیں اسی طرح آپ کو لکھنے پڑھنے کا بھی کمال عطا فرمایا ہے، لکھنے کا علم ایک عظیم نعمت ہے، قرآن مجید میں ہے: "الذی علم بالقلم" علم الانسان ما لم يعلم (علق ۵: ۳۰) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جس کو وہ جانتا نہ تھا۔ امت کے ان گنت افراد کو پڑھنے اور لکھنے کا کمال حاصل ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو یہ کمال حاصل نہ ہو اور اسی ہونے کا نقطہ یہ مغلوہ ہے کہ آپ نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست یہ علم عطا فرمایا ہے اور بعثت سے پہلے آپ لکھنے اور پڑھنے میں مشغول نہیں رہے تاکہ آپ کی نبوت میں کسی کو شبہ نہ ہو اور بعثت کے بعد آپ نے پڑھا اور لکھا اور یہ ایک الگ معجزہ ہے۔ کیونکہ بغیر کسی مخلوق سے کس فیض کے پڑھنا اور لکھنا خلاف عدلت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر اعتراض کرتے ہوئے سید مودودی ستونی ۹۹ ص ۳۳۷ لکھتے ہیں:

ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی ﷺ کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے، جن روایات کا سارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دیئے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قائل قبول نہیں ہو سکتی، پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی، ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاملہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علی) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو، حضرت علی نے لفظ "رسول اللہ" کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ (الی قولہ) ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبد اللہ کے الفاظ لکھوا دیے ہوں (الی قولہ) تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور ﷺ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں،



باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۷۲-۷۳ مطبوعہ دار ترمذی القرآن لاہور)

الجواب

پہلی بات یہ ہے کہ سید مودودی کا یہ لکھنا غلط ہے کہ اعلان نبوت کے بعد نبی ﷺ کا لکھنا قرآن مجید کی اس آیت اور اس استدلال کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید نے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مطلقاً نفی نہیں کی، بلکہ نزول قرآن سے پہلے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کی ہے۔ لہذا نزول قرآن کے بعد جن احادیث میں آپ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ روایات قرآن مجید کے خلاف نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر بکثرت کتب صحاح سے رسوں ﷺ کا لکھنا ثابت ہے اور سید مودودی کا ان احادیث کو بجائے خود کمزور کہنا لائق التفات نہیں ہے۔ چنانچہ سید مودودی نے جو یہ تاویل کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی اور کاتب سے لکھوا دیا ہو سو یہ احتمال بلا دلیل ہے اور الفاظ کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ راجعاً اس بحث کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سید مودودی نے نبی امی ﷺ کو عام ان پڑھ لوگوں پر قیاس کیا ہے اور لکھا ہے اگر آپ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں، باقی کوئی چیز نہیں پڑھ سکتے، نہ لکھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں کا ان پڑھ ہونا ان کا نقص اور ان کی جہالت ہے اور رسول اللہ کا ای ہونا آپ کا مکمل ہے کہ دنیا میں کسی استاد کے آگے زانو تکانہ نہ نہیں کیا، کسی کتب میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور براہ راست خدا سے علم پزیر ہو کر اولین اور آخرین کے علوم بیان فرمائے اور پڑھ کر بھی دکھایا اور لکھ کر بھی دکھایا۔

سنئے کہ ناکرہ قرآن درست

کتب ظنہ چند ملت مشت

اب ہم قارئین کے سامنے بکثرت حوالہ جات کے ساتھ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں نبی ﷺ کی طرف لکھنے کا اسناد کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے ثبوت میں احادیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا، حتیٰ کہ اس بات پر صلح کی کہ آپ آئندہ سال عمرہ کریں اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں، جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی، گفتار مکہ نے کہا ہم اس کو نہیں مانتے، اگر ہم کو یہ یقین ہو تاکہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ منع کرتے لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب سے فرمایا رسول اللہ (کے الفاظ) منادو، حضرت علی نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں آپ (کے الفاظ) کو ہرگز نہیں منلوں گا، تب رسول اللہ ﷺ نے (لکھنا) شروع کیا اور آپ اچھی طرح (مہارت سے) نہیں لکھتے تھے۔ پس آپ نے لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی کہ کوئی شخص مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوگا، سو اس کے کہنگوار نیام میں ہو۔ (المحدث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۲۵۱، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۸، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث ۶۱۳۳)

امام بخاری نے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں اس طرح

ہے:

جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی کفار مکہ نے کہا ہم اس کو نہیں مانتے اگر ہم کو یہ یقین ہو تاکہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو منع نہ کرتے لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ ہوں پھر آپ نے حضرت علی سے کہا رسول اللہ (کے الفاظ) کو مٹا دو حضرت علی نے کہا نہیں ماخذ اکی قسم میں آپ (کے الفاظ) کو نہیں مٹاؤں گا تب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پکڑا اور لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی۔ (الحديث) (صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۷۸۸)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لن احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت براء کی روایت میں اضطراب ہے اور راویوں نے حضرت براء کے جوں کے توں الفاظ نقل نہیں کیے۔ کسی روایت میں لکھنے کا مطلقاً ذکر نہیں کسی میں صرف "کنب" ہے اور کسی میں ہے "لبس بحسن بکتاب"۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۱۴، ملخصاً مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن)

یعنی بعض روایات میں ہے۔ آپ نے لکھا اور بعض روایات میں ہے آپ اچھی طرح یعنی صارت سے نہیں لکھتے تھے۔

سید مودودی کا اس اختلاف کو اضطراب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ان روایات کا معنی مضطرب ہو جائے۔ اگر اس قسم کے اختلاف کو اضطراب کہا جائے تو پھر تمام احادیث ساقط الاستدلال قرار پائیں گی۔

علاوہ ازیں جن احادیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ نور بھی صحابہ کرام سے مروی ہیں اور ان میں "کنب"

اور "لبس بحسن بکتاب" کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اب ہم دوسرے صحابہ کی روایات کو پیش کر رہے ہیں:

سعید بن جبر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جمعات کا دن اکیسا تھا وہ جمعات کا دن پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے سگریزے بھیگ گئے۔ میں نے کہا اے ابن عباس! جمعات کے دن میں کیا بات ہے؟

انہوں نے کہا اس دن رسول اللہ ﷺ کا ورد زیادہ ہو گیا تھا آپ نے فرمایا میرے پاس (قلم اور کاغذ) لاؤ میں تمہیں ایک ایسا

مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے میں صحابہ میں اختلاف ہو گیا اور نبی علیہ السلام کے پاس اختلاف نہیں ہوتا

چاہیے تھا صحابہ نے کہا آپ کا کیا حل ہے؟ کیا آپ بیماری میں کچھ کہہ رہے ہیں؟ آپ سے پوچھ لو۔ (الحديث)

مسلم کی ایک روایت (۳۱۵۶) میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کا اختلاف اور شور

نبی ﷺ اور آپ کے لکھنے کے درمیان حائل ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۴۳۱، صحیح مسلم "الرویت" ۲۰، (۱۶۳) ۳۱۵۳، سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۰۲۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرض میں مجھ سے فرمایا میرے لیے ابو بکر کو اور

اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ایک مکتوب لکھ دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا میں

ی (خلافت کا) مستحق ہوں اور اللہ اور مومنین ابو بکر کے غیر انکار کریں گے۔ (صحیح مسلم "فصل فی الصحابہ" ۱، (۲۳۸) ۶۰۷۳)

حضرت انس بن مالک جریجو بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے روم کی طرف مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ نے کہا وہ

صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں جس پر ہر گئی ہوئی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گویا کہ میں اس کو

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیکھ رہا تھا اس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۸۷۵، صحیح مسلم "لبس" ۵۶، (۳۰۷) ۵۳۷۹، سنن الترمذی رقم الحديث: ۵۲۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم

الحديث: ۸۸۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسریٰ کی طرف، قیصر کی طرف، نجاشی کی طرف اور ہر جاہر بادشاہ کی طرف مکاتب لکھے۔ آپ بن کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نبی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔  
(صحیح مسلم الجہاد السیرہ ۷۵، (۱۷۷۳) ۲۵۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۲۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۳۷)  
امام بخاری اور امام مسلم نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابو امام ابو داؤد اور امام دارمی نے صرف اس واقعہ کو روایت کیا ہے:

حضرت ابو حمید سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا اور ایک سفید پتھر آپ کو ہدیہ میں بھیجی، رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو خط لکھا اور اس کو ایک چادر ہدیہ میں بھیجی، اور آپ نے حکم دیا کہ وہ سمندر کے ساتھ جس شہر میں رہتے ہیں اس میں ان کو بزیہ پر رہنے دیا جائے۔  
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸، صحیح مسلم فضائل ۳، (۳۳۳) ۵۸۳۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۹۵، مسند احمد ج ۵، ص ۳۲۵)

حضرت سل بن ابی شمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سل اور حضرت حمید کسی کام سے خیبر گئے، پھر حضرت حمید کو خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن سل کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا گیا، وہ یہود کے پاس گئے، (الی ان قل) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا تو یہود تمہارے مقتول کی میت لوا کریں گے اور یا وہ اعلان جنگ کو قبول کر لیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ (فیصلہ) یہود کی طرف لکھ کر بھیج دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳، صحیح مسلم الجہاد ۶، (۱۲۶۹) ۴۷۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۵۰-۴۷۴۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حضرت عباس، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابو حمید سعدی اور حضرت سل بن ابی شمر رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کی روایات ہیں، ان میں سے کسی حدیث کی سند ضعیف نہیں ہے، اور ان تمام احادیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کی تصریح ہے اور ان سب کی یہ تویل کرنا کہ لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دینا ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ مجاز ہے اور جب تک کوئی عقلی یا شرعی استحلال نہ ہو کسی لفظ کو حقیقت سے ہٹا کر مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور بلاوجہ حدیث کے الفاظ کو اپنی مرضی کا سنی پستانا محض اجتہاد ہوس ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ قرآن مجید سے نزول قرآن کے بعد آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں، نیز لکھنا اور پڑھنا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور کمال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو تو یہ نعمت عطا فرمائے اور آپ کو اس نعمت سے محروم رکھے، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ کو لکھنا اور پڑھنا نہیں آتا تھا تو لازم آئے گا کہ اس نعمت اور کمال میں امت آپ سے بڑھ جائے اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہے، امت کو اپنے نبی پر مطلقاً فضیلت نہیں ہوتی، بزیہ نہ کلی۔

نبی ﷺ کے لکھنے کے متعلق محدثین کی تحقیق

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۴۵۶ھ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا محمد بن عبداللہ اور ایک روایت میں ہے آپ نے یہ لکھا، علائکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے (صحیح البخاری ۳۲۵، ۳۷۹) علامہ السمتانی، علامہ ابو ذر اور علامہ ہاشمی نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے اور ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لکھنا نبی ﷺ کے اہی ہونے کے متعلق نہیں ہے، اور نہ اس آیت کے معارض ہے، اور آپ نزول قرآن سے پہلے کسی

کتاب کو نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (العنکبوت: ۲۸) اور نہ اس حدیث کے خلاف ہے ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۳۸۹) بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کا لکھنا آپ کے معجزہ کا اور زیادہ ہوتا ہے اور یہ آپ کے صدق اور آپ کی رسالت کی اور قوی دلیل ہے۔ آپ نے کسی سے سیکھے بغیر اور اس کے علوی اسباب کے حصول کے بغیر لکھا ہے لہذا یہ اپنی جگہ ایک الگ معجزہ ہے اور جس طرح نبی مجتہد نے کسی سے پڑھے بغیر اور علم کے دیگر اسباب حاصل کیے بغیر اولین اور آخرین کے علم کو جان لیا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے اسی طرح کسی سے سیکھے بغیر لکھنا بھی آپ کے اہی ہونے کے خلاف نہیں اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا اس وقت آپ نے چند لکیریں ڈالی ہوں اور ان کا مفہوم محمد بن عبداللہ ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان حروف کی شناخت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان کی شناخت نہ ہو اور ہر تقدیر پر آپ سے اہی کا لقب ساقط نہیں ہوگا اندلسی اور اندلس کے علاوہ دوسرے ممالک کے علماء نے اس نظریہ کی مخالفت کی بلکہ علامہ باہی کی تکفیر کی لیکن یہ درست نہیں ہے اور شریعت میں اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(المفہم ج ۳، ص ۶۳۸، ۶۳۷، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی مجتہد نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر یہ لکھائی جاری کر دی یا تو آپ کے علم کے بغیر قلم نے لکھ دیا یا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے لکھنے کا علم دے دیا اور آپ کو پڑھنے والا بنا دیا جب کہ آپ اعلان نبوت کے بعد پڑھتے نہ تھے اور اس سے آپ کے اہی ہونے پر اعتراض نہیں ہوتا اور انہوں نے اس موقف پر شعبی کی روایات سے استدلال کیا ہے اور بعض سلف سے منقول ہے کہ جب تک نبی مجتہد نے لکھ نہیں لیا آپ کی وفات نہیں ہوئی اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کا لکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آپ نزول قرآن سے پہلے کسی کتاب کو نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (العنکبوت: ۲۸) اور نبی مجتہد کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۷۷، ابوداؤد: ۲۳۸۹) اور بخاری اور مسلم کی حدیث میں جو ہے کہ آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا اس کا معنی ہے کہ آپ نے اس کے لکھنے کا حکم دیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نبی مجتہد نے حضرت اعز بن جریجہ کو رقم کیا یا آپ نے چور کے ہاتھ کاٹنے یا شرابی کو کوڑے لگائے۔

قاضی عیاض نے کہا لکھنے کے قائلین نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر نزول وحی سے پہلے آپ کتاب سے پڑھتے یا لکھتے تو کفار اس قرآن کے متعلق شک میں پڑ جاتے اور جس طرح آپ کا ظاہر کرتا جائز ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی جائز ہے اور یہ آپ کے اہی ہونے کے متناہی نہیں ہے۔ آپ کا صرف اہی ہونا معجزہ نہیں ہے کیونکہ نزول وحی سے پہلے آپ کا نہ پڑھنا اور نہ لکھنا اور پھر قرآن پیش کرنا اور ان علوم کو پیش کرنا جن کو اہی نہیں جانتے یہ ایک معجزہ ہے۔

اور جن لوگوں نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ لکھنے کا معنی ہے آپ نے لکھنے کا حکم دیا۔ یہ تاویل ظاہر حدیث سے بلا ضرورت عدول کرنا ہے جب کہ حدیث کی عبارت یہ ہے کہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے پھر آپ نے لکھا اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے خود لکھا اور جس طرح قرآن مجید میں ہے ہم نے آپ کو شعر کرنا نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے لائق ہے۔ (تیسرین: ۶۹) اس کے بلوجود آپ نے منظوم کلام کہا مثلاً۔

## هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی ہے، حالانکہ تیرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔  
کیونکہ آپ نے شعر گوئی کے قصد اور ارادہ کے بغیر یہ مظلوم کلام فرمایا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ لکھنا بھی آپ سے اسی طرح صادر ہوا ہو۔ (شرح الطبی ج ۸، ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ دار الفکر، کراچی ۱۳۳۳ھ)

علامہ طیبی کی اس آخری توجیہ سے ہم متفق نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ کو لکھنے کا علم تھا اور آپ نے قصد لکھنا تھا، غیر ارادی طور پر آپ سے لکھنا صادر نہیں ہوا۔ جو شخص آپ کے امی ہونے کی وجہ سے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کا انکار کرتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک رسول اللہ ﷺ عالم ہیں یا نہیں۔ اگر وہ آپ کو عالم نہیں مانتا تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ آپ کو عالم مانتا ہے تو جس طرح لکھنا پڑھنا امی کے منافی ہے اسی طرح عالم ہونا بھی امی کے منافی ہیں۔ خصوصاً وہ جو تمام مخلوقات سے بڑے عالم ہوں، نبی ﷺ احکام شریعہ کے عالم ہیں اور اسرار الہیہ کے عارف ہیں ایک امی کی یہ صفت کیسے ہو سکتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے امی ہونے کے باوجود آپ کو ان علوم سے نوازا اسی طرح آپ کو لکھنے اور پڑھنے کے علم سے بھی نوازا

علامہ یحییٰ بن شرف نووی حنفی ۶۷۶ھ، علامہ ابی مالکی متونی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی متونی ۸۹۵ھ، ان سب نے قاضی عیاض کی عبارت نقل کی ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے علامہ باقی مالکی متونی ۸۳۹ھ پر تفسیح کی ہے۔  
(اصحیح مسلم مع شرح النووی ج ۸، ص ۴۹۶، اکمال الکمال المصنوع ج ۶، ص ۳۲۲-۳۲۱، معجم اکمال الکمال ج ۶، ص ۳۲۱، علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ مقول ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (عمدة القاری ج ۲، ص ۲۰، مطبوعہ مصر) نیز لکھتے ہیں:

اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲، ص ۱۷، مطبوعہ مصر)  
صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے محمد بن عبد اللہ لکھا، اس پر یہ سوال ہوا کہ آپ تو امی تھے آپ نے اپنا نام کیسے لکھا؟  
علامہ عینی نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ امی وہ شخص ہے جو مہارت سے نہ لکھتا ہو نہ کہ وہ جو مطلقاً نہ لکھتا ہو، دو سرا جواب یہ ہے کہ اس میں استدلال مجازی ہے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا لکھنا آپ کا معجزہ تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۸، ص ۳۳، مطبوعہ مصر)  
علامہ عینی کا دو سرا جواب صحیح نہیں ہے اور ان کی پہلی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ انہوں نے یہ جواب علامہ باقی کے مخالفین سے نقل کیا ہے، صحیح جواب وہ ہے جس کو انہوں نے آخر میں ذکر کیا ہے۔

حافظ شباب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی متونی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، ہم یہ پوری عبارت پیش کر رہے ہیں ہر چند کہ اس کی بعض چیزیں علامہ طیبی کی عبارت میں آچکی ہیں:

علامہ ابو الولید باقی مالکی نے صحیح بخاری کی اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر استدلال کیا ہے، جس میں ہے ”یہی رسول اللہ ﷺ نے لکھا“ یہ محمد بن عبد اللہ کا فیصلہ ہے، حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے۔ ان کے زمانہ کے علماء اندلس نے ان پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے، ”کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ”وما کنت تنزلوا من“



قبلہ میں کتب ولا تخطہ بيمينک۔ آپ نزل قرآن سے پہلے نہ تو کتاب سے پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔ علامہ بلخی نے اس کے جواب میں کہا کہ قرآن مجید میں نزل قرآن سے پہلے آپ کے پڑھنے اور لکھنے کی نفی ہے اور جب معجزات سے آپ کی نبوت ثابت ہو گئی اور آپ کی نبوت میں شک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ کے پڑھنے اور لکھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی اور یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے۔ علامہ ابن دحیہ نے کہا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے علامہ بلخی کے موقف کی صلیت کی ان میں شیخ ابو ذر ہرادی ابو الفتح نیشاپوری اور افریقہ اور دوسرے شہوں کے علماء شامل ہیں۔ بعض علماء نے حضور ﷺ کے لکھنے پر امام ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے: مجاہد عوف بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے لکھ اور پڑھ نہیں لیا مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس روایت کا ذکر کیا انہوں نے کہا عوف بن عبد اللہ نے سچ کہا ہے میں نے اس روایت کو سنا ہے (حنظلہ ابن حجر لکھتے ہیں) سل بن حنظلہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معلویہ سے کہا کہ وہ اقراغ اور مینہ کے لیے لکھیں۔ مینہ نے اس پر کہا تمہارا کیا خیال ہے کیا میں شمس کا صحیفہ لے کر جاؤں گا؟ (یعنی تم نے کچھ لکھا تو نہیں لکھ دیا؟) اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس صحیفہ پر نظر ڈالی اور فرمایا معلویہ نے وہی لکھا ہے جو میں نے لکھا تھا یونس کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نزل قرآن کے بعد لکھا ہے (سل بن حنظلہ کی روایت مذکورہ میں آپ کے پڑھنے کا ثبوت ہے۔ سعیدی غفرلہ) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض آثار سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے اور خوش خطی کی معرفت تھی کیونکہ آپ نے کاتب سے فرمایا قلم اپنے گلن پر رکھو یہ تم کو یاد دلائے گا اور آپ نے حضرت معلویہ سے فرمایا دولت رکھو اور قلم ایک کنارے رکھو باؤ کو لبا کر کے لکھو سین دندا نے دار لکھو اور یم کو کاامت کرو۔ قاضی عیاض نے کہا ہر چند کہ اس روایت سے آپ کا لکھنا ثابت نہیں ہوتا لیکن آپ کو لکھنے کا علم دیا جانا مستحب نہیں ہے کیونکہ آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے اور جسور نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور حدیث کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی تھے اور مسور کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی نے لکھا تھا اور صحیح بخاری کی حدیث میں قدر عبارت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے صبح نامہ کو لیا اور اس میں محمد رسول اللہ کو مٹا دیا پھر حضرت علی کو وہ صلیب دو بارہ دے دیا پھر حضرت علی نے اس میں لکھا۔ علامہ ابن اثیر نے اسی پر اکتفا کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حدیث میں جو ہے آپ نے لکھا اس کا معنی ہے آپ نے لکھنے کا حکم دیا اور اس کی حدیث میں بہت مثالیں ہیں جیسے ہے آپ نے قیصر کی طرف لکھا اور آپ نے کسریٰ کی طرف لکھا اور اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر بھی محمول کیا جائے کہ نبی ﷺ نے اپنا اسم مبارک لکھا تھا ملاحظہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ لکھنے کے عالم ہوں اور آپ ہی نہ ہوں کیونکہ بہت سے لوگ مہارت سے نہیں لکھتے اس کے باوجود وہ بعض الفاظ کو پہچانتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ پر رکھ سکتے ہیں خصوصاً اسماء کو اور اس وصف کی وجہ سے وہ امی (ان پڑھ) ہونے سے خارج نہیں ہوتے۔ جیسا اکثر بلا شہ اسی طرح ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے ہاتھ پر لکھنے کا عمل جاری ہو گیا ہو اور آپ مہارت سے نہ لکھتے ہوں اور اس صلیب کو آپ نے حسب خفا لکھ دیا ہو اور یہ اس خاص وقت میں الگ ایک معجزہ ہو اور اس سے آپ امی ہونے سے خارج نہ ہوں۔ اشاعرہ کے ائمہ اصول میں سے علامہ السمنانی نے یہی جواب دیا ہے اور علامہ ابن جوزی نے بھی ان کی ابتلاغ کی ہے علامہ سہلی نے اس جواب کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر چند کہ یہ ممکن ہے اور آپ کے لکھنے سے ایک اور معجزہ ثابت ہوتا ہے لیکن یہ اس کے مخالف ہے کہ آپ امی تھے جو لکھنا نہیں اور جس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ نزل قرآن سے پہلے لکھتے ہوتے تو مکرین آپ کی نبوت کے حلق شک میں پڑ جاتے۔ اس آیت نے تمام شکوک و

شہادت کی جڑ نکلت دی ہے اور اگر نزول وحی کے بعد آپ کا لکھنا جائز ہوتا تو منکرین پھر شبہ میں پڑ جاتے اور قرآن کے معاندین یہ کہتے کہ آپ مہارت سے لکھتے تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے علامہ سبکی نے اس کے جواب میں کہا یہ محال ہے کہ بعض معجزات بعض دوسرے معجزات کے مخالف ہوں اور حق یہ ہے کہ آپ کے لکھنے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا علامہ سبکی کی بات ختم ہوئی حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ فقط اپنا نام لکھنا آپ کے الی ہونے اور معجزہ کے مخالف ہے سو یہ بہت قلیل اعتراض ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۳، ۵۰۴ مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس آخری بات سے یہ معلوم ہوا کہ جس حدیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کا ذکر ہے اس سے آپ کا لکھنا مراد ہے اور آپ کا لکھنا آپ کے معجزہ یا آپ کے الی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ جسٹس محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: حافظ کا میلان اس طرف ہے کہ اس باب کی حدیث (یعنی حضور ﷺ کا اپنا نام لکھنا) اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس خاص وقت میں رسول اللہ ﷺ کا الی ہونے کے بلوجود اپنا نام لکھنا آپ کا معجزہ ہے۔

(تکمیل فتح العلم ج ۳ ص ۱۸۰ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳۱۳ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا رسول اللہ ﷺ کے الی ہونے اور معجزہ کے خلاف ہے اس میں نظر کبیر ہے یعنی بہت بڑا اعتراض ہے ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ نے اس نظر کبیر کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

معجزہ قرآنیہ وجہ کثیرہ سے ثابت ہے۔ اگر اس سے قطع نظر کر لی جاتی کہ قرآن لانے والے ای ہیں تب بھی یہ معجزہ تھا اور جب اس پر یہ وصف زائد ہوا کہ قرآن کو لانے والے پہلے پڑھتے اور لکھتے نہ تھے تو اس سے اس کا معجزہ ہونا بہ طریق کمال ظاہر ہوا۔ اور معاندین کے اعتراضات منہدم ہو گئے اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ ابتداء ہی سے قاری اور کاتب ہوتے اور قرآن پیش کرتے تب بھی یہ آپ کا معجزہ ہوتا اور یہ بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(مرقات ج ۸ ص ۷۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ کا خلوت کرنا آپ کے الی ہونے کے متنازع نہیں ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی آپ کے الی ہونے کے متنازع نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا صرف الی ہونا معجزہ نہیں ہے آپ نے جب پہلے لکھے پڑھے بغیر قرآن مجید کو پیش کیا تو یہ آپ کا معجزہ تھا پھر آپ نے قرآن مجید میں ایسے علوم پیش کیے جن کو الی نہیں جانتے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے ایسے علوم پیش کیے جن کو تمام علماء نہیں جانتے اور وہ ایسے علوم ہیں کہ اگر آپ بالکل الی نہ ہوتے تو پھر بھی ان علوم کو پیش کرنا آپ کا معجزہ تھا کیونکہ قرآن معجزات کثیرہ پر مشتمل ہے اور جن لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے کہ آپ کے لکھنے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا یہ بلا ضرورت ظاہر معنی سے بدول کرنا ہے۔ یہی پر قاضی عیاض کی عبارت ختم ہوئی (ملا علی قاری کہتے ہیں) اس توجیہ میں مجھے قاضی عیاض کے ساتھ توازن ہو گیا ہے جیسا کہ ان لوگوں پر ظاہر ہو گا جنہوں نے میری پہلی تقریر (ج ۸ ص ۷۸) کو پڑھا ہو گا۔ (مرقات ج ۸ ص ۷۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

شیخ ابن احسن اصلاحی الی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الی مدرسہ و کتبہ تعلیم و تعلم سے نا آشنا کو کہتے ہیں اس کا لفظ اصحاحی عربوں کے لیے بطور لقب استعمال ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مدرسہ اور رسمی تعلیم و کتبہ سے نا آشنا اپنی بدویانہ سلوکی پر قائم تھے اور اسی طرح بنی اسرائیل جو کہ

حاصل کتاب تھے ان کے مقابل کے لیے امتیازی علامت تھی۔ (الی قول) چنانچہ قرآن نے اس لفظ کو عربوں کے لیے ان کو اہل کتاب سے محض تمیز کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی پہلو سے آنحضرت ﷺ کے لیے نبی امی کا لقب استعمال ہوا ہے۔ (تذکر قرآن ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۹ھ)

یعنی نبی ﷺ کو امی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ نے کسی دوسرے میں جا کر لکھا پڑھنا نہیں سیکھا، اگر اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست لکھا پڑھنا سکھادے اور آپ لکھیں اور پڑھیں تو وہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے، یا بنو اسرائیل سے امتیاز کے لیے آپ کو امی فرمایا سو یہ بھی آپ کے لکھنے پڑھنے کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے تمام اہل مکہ کو امین فرمایا حالانکہ ان میں لکھنے پڑھنے والے بھی تھے، کاتین دنی تھے اور بدر کے بعض قیدیوں کے پاس قدیہ کے لیے رقم نہیں تھی تو نبی ﷺ نے ان کا قدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کی اولاد کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ (مسند احمد رقم الحدیث ۲۲۹۱ المستدرک ج ۲ ص ۳۰)

تورات اور انجیل میں نبی ﷺ کی بشارتوں کے متعلق احادیث

نیز اس آیت میں ارشاد ہے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اس میں نبی ﷺ کا چوتھا اور پانچواں وصف مذکور ہے، تورات میں آپ کا لکھا ہوا ہونا چوتھا وصف ہے اور انجیل میں آپ کا لکھا ہوا ہونا پانچواں وصف ہے۔ احادیث صحیحہ معتبرہ میں رسول اللہ ﷺ کی ان صفات کا ذکر ہے جو تورات اور انجیل میں ہیں، ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں: عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میری محرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس صفت کے متعلق بتائیے جو تورات میں ہے۔ انہوں نے کہا اچھا اللہ کی قسم تورات میں آپ کی ان بعض صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، وہ یہ ہیں: اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا اور آنجا کہ آپ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں، اور امین کی پناہ ہیں، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ سخت مزاج اور درشت خو نہیں ہیں، اور نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں، لیکن صاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سب سے نیرمعی قوم کو سیدھا کر دے گا، بایں طور کہ وہ کہیں گے لا الہ الا اللہ اور آپ کے سب سے اندھی آنکھوں، سرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۵۵ مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴ طبع قدیم رقم الحدیث ۲۳۲۲ طبع جدید، الادب المفرد رقم الحدیث ۲۳۷۷، ۲۳۶۶، دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷۷ سنن دارمی رقم الحدیث ۵۰۶ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۷۷ جامع الاصول ج ۱۰ رقم الحدیث ۸۸۳۷ المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۳۳۶)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تورات میں (سیدنا) محمد ﷺ کی صفت لکھی ہوئی ہے، اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے اور حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

(جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث ۸۸۳۸)

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد نبی ﷺ کے قصہ میں ذکر کیا ہے کہ داؤد میں داؤد علیہ السلام پر یہ وحی کی گئی تھی۔ اے داؤد! عنقریب تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہو گا وہ صلیق اور سید ہو گا، میں اس پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ وہ مجھ پر کبھی ناراض ہو گا، میں نے اس کے تمام اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ سب کام) ان کے ارتکاب سے پہلے ہی معاف کر دیے ہیں، ان کی امت پر رحم کیا گیا ہے، میں نے انبیاء کو جیسے نوازل عطا کیے ہیں ان کو بھی اسی طرح کے نوازل عطا کیے ہیں، اور میں نے نبیوں اور رسولوں پر جس طرح کے فرائض فرض کیے ہیں، ان پر بھی ویسے فرائض فرض کیے ہیں۔ حتیٰ کہ

جب قیامت کے دن وہ میرے پاس آئیں گے تو ان کا نور نبیوں کے نور کی طرح ہوگا، کیونکہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کریں جیسا کہ میں نے اس سے پہلے نبیوں پر وضو فرض کیا تھا اور میں نے ان پر غسل جنابت فرض کیا ہے جس طرح نبیوں پر غسل جنابت فرض کیا تھا اور میں نے ان کو حج کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے نبیوں کو حج کا حکم دیا تھا اور میں نے ان کو جہاد کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے نبیوں کو جہاد کا حکم دیا تھا اے داؤد میں نے محمدؐ (پیغمبر) اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے میں نے ان کو چھ ایسی فضیلتیں عطا کی ہیں جو کسی اور امت کو عطا نہیں کیں میں خطا اور نسیان پر ان کی گرفت نہیں کرتا اور وہ بلا انتہ طور پر جو گناہ کریں پھر مجھ سے معافی طلب کریں تو میں ان کو معاف کر دیتا ہوں اور وہ آخرت کے لیے جو نیکی کریں میں اس کو دگنا چھ گنا کر دیتا ہوں اور ان کی نیکیوں کا میرے پاس اس سے بھی افضل ذخیرہ ہے۔ اور جب وہ مصائب پر مبر کر کے کہیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون تو میں ان کو صلوٰۃ رحمت اور جنات النعیم کی طرف ہدایت عطا کروں گا اور جب وہ مجھ سے دعا کریں گے تو یا تو میں اس کو فوراً قبول فرماؤں گا یا اس کے عوض ان سے کوئی برائی دور کر دوں گا اور یا ان کے لیے آخرت میں اجر کو ذخیرہ کروں گا اے داؤد محمدؐ کی امت سے جو شخص یہ شہادت دے گا کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں واحد ہوں اور میرا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ اس شہادت میں صلوٰۃ ہوگا تو وہ میری جنت میں اور میری کرامت میں میرے ساتھ ہوگا اور جس نے مجھ سے اس محل میں ملاقات کی کہ اس نے محمدؐ کی تکذیب کی ہو اور ان کے پیغام کی تکذیب کی ہو اور میری کتاب کا مذاق اڑایا ہو تو میں اس کی قبر میں اس پر عذاب اندیل دوں گا اور جب وہ قبر سے اٹھے گا تو فرشتے اس کے چہرے اور اس کی دہر پر ضرب لگائیں گے پھر میں اس کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دوں گا۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۸۱-۳۸۰ ابدایہ والہابیہ ج ۶ ص ۶۲ تنذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۴)

مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم نبی امی عربی کی تصدیق کرنا جو اونٹ کی سواری کریں گے 'ذره پنیں گے' 'علاء پنیں گے' جو کہ تاج ہے اور 'عطین پنیں گے' اور ان کے پاس لاشی ہوگی 'ان کے سر کے ہل ٹھکرایا لے ہوں گے' 'کشادہ پیشانی ہوگی' 'خوبصورت بھویں ہوں گی' 'بڑی بڑی آنکھیں ہوں گی' 'بڑا دلہنہ ہوگا' اور 'گہری سیاہ آنکھیں ہوں گی' 'کھڑی ناک ہوگی' 'فراخ پیشانی' 'گہنی ڈاڑھی ہوگی' 'چہرے پر ہیسنہ موتیوں کی طرح ہوگا' ان سے منک کی خوشبو آئے گی۔ ان کی گردن میں چاندی اور گلے میں سونا چٹک رہا ہوگا ان کے گلے کے نیچے سے ٹاف تک ہل ہوں گے۔ ان کی ہتھیلیاں اور قدم پر گوشت ہوں گے جب وہ لوگوں کے درمیان ہوں گے تو ان پر چھا جائیں گے اور جب وہ چلیں گے تو لگے گا جیسے بلندی سے ڈھلوان کی طرف آ رہے ہوں اور ان کی اولاد کم ہوگی۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷۸ تنذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۳۵)

موجودہ تورات کے متن میں نبیؐ کے متعلق بشارتیں

موجودہ تورات میں بھی سیدنا محمدؐ کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود ہیں:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سنتوں پر تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن جواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مرنہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں ○ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا ○ جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے

گاندے گا تو میں ان کا حاسب اس سے لوں گا

(تورات استثناء باب ۱۵ آیت ۱۵-۱۹ پر انا محمد نامہ ص ۱۸۳ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اور مود خدا سوئی نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وقت سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے O اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے واسطے ہاتھ پر ان کے لیے آتش شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگ۔

(تورات استثناء باب ۳۳ آیت ۲۰-۲۲ پر انا محمد نامہ ص ۲۰۱ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲ء)

تورات کے پرانے (۱۹۳۷ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی: دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور نبی پیچھے مکہ مکرمہ میں دس ہزار محلہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے اس طرح یہ آیت نبی پیچھے پر پوری طرح منطبق ہوتی تھی جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیے اور یوں لکھ دیا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ تورات کے پرانے (۱۹۳۷ء کے) ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر ظہور ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ذہن ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس استثناء باب ۳۳ آیت ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ برٹش ایڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۷۷ء)

اس کی تائید عربی ایڈیشن سے بھی ہوتی ہے اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے:

وانی من سموات اقدس۔ دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔

(مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی ص ۳۳۳ ۱۹۸۰ء)

لو کہیں مطلوب نے ربا کے معنی لکھے ہیں: الجماعة العظيمة نحو عشرة آلاف۔ (المجد ص ۲۳۷) یعنی تقریباً دس ہزار افراد کی جماعت۔

دیکھو میرا خدام (پچھلے ایڈیشنوں میں ”بندہ“ تھا۔ سعیدی غفرلہ) جس کو میں سنبھاتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی O وہ سب سے ہوئے سرکڑے کو نہ توڑے گا اور ٹھنڈائی حق کو نہ بجھائے گا وہ راستی سے عدالت کرے گا وہ باندہ نہ ہو گا اور محنت نہ مارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے۔ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے O جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تین دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا۔ جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عطا کرتا ہے یعنی خداوند یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا O اور لوگوں کے خداوند قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا O تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے O یہود اس میں بھی میرا نام ہے میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی سچ کھودی ہوئی صورتوں کے لیے روانہ رکھوں گا O دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں O

(تورات تفسیر باب ۳۲ آیت ۱۰-۱۱ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۶۹۳ ۱۹۸۰ء)



اس آیت نمبر ۲ میں ہے نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اس آیت میں نبی ﷺ کے متعلق پیش گوئی ہے: حضرت عمرو بن العاص کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ تورات میں آپ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵)

اس باب کی آیت نمبر ۷ میں ہے میں ہی حیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری خلعت کدوں گا اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَاللّٰهُ يَخْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دی اور حضرت عیسیٰ نے چلا کر کہا اے میرے خدا اے میرے خدا اتونے مجھے کیوں چھوڑ دیا ملاحظہ ہو:

اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ذال کر ہٹا دیے۔ (الی قولہ) اور تیسرے پھر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلہی ایلہی لما شفت بنی؟ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا اتونے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

(متی کی انجیل باب ۲۷: ۴۶ آیت ۳۵-۳۶ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ص ۳۳-۳۴ ۱۹۹۲ء)

نیز اس باب کی آیت ۷ میں ہے کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔

اس آیت میں بھی نبی ﷺ کے متعلق پیش گوئی ہے اور اس کی تصدیق من آیتوں میں ہے:

قَدْ حَيَّاهُ كُمْ مِنَ اللّٰهِ فَوَرَّكَ كِتَابٌ كُنِيْسٌ ۝  
يَهْدِيْهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ  
وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهِ وَ  
يَهْدِيْهِمْ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ: ۵۶-۵۷)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا اور کتاب ہمیں۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف لاتا ہے۔

اور حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ تورات میں آپ کی یہ صفت ہے: اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سب سے نیڑے قوم کو سیدھا کر دے گا۔ پس طور کہ وہ کہیں گے لا الہ الا اللہ اور آپ کے سب سے اندھے آنکھوں پر نور پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵)

موجودہ انجیل کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں

یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کوٹنے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہو اور ہماری نظر میں عجیب ہے کہ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بلا شای تم سے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔

(متی کی انجیل، باب ۲۱: ۴۲-۴۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ص ۲۵-۲۶ ۱۹۹۲ء)

یہ آیت بھی نبی ﷺ کی بشارت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

اَوَلَيْكَ الَّذِيْنَ اَتَيْنَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ  
وَالنَّبُوَّةَ فَاِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا  
نَبِيًّا مِّنْ قَبْلِهِمْ لِيُذَكِّرَ الَّذِيْنَ لَمْ يَكْفُرُوْا

یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی ہے۔ پس اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر



قَوْمًا لَّيْسُوا بِتَابِعِيٍّ ۖ (الانعام ۸۹)

کریں تو چنگ ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان سے انکار کرنے والے نہیں ہیں۔

میں تم سے بچ کھتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرنا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں وہی کروں گا تاکہ باپ بیٹے میں جلال پائے اور اگر میرے نام سے کچھ چاہو گے تو میں وہی کروں گا اور اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ اب تک تمہارے ساتھ رہے اور

(یوحنا کی انجیل باب ۴، آیت ۱۶-۱۷ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۹۹، ۱۹۹۲ء)

لیکن جب وہ مددگار آئے گا جن کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۳، آیت ۲۱ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۱۰۰، ۱۹۹۲ء)

لیکن میں تم سے بچ کھتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اور راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے اور عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے اور مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا اور

(یوحنا کی انجیل باب ۱۶، آیت ۱۳-۱۴ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۱۰۱، ۱۹۹۲ء)

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقَالُ عَمَتِي اِنَّ مَرْيَمَ بَنِي اسرائيل ابے شک  
اَتَتْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْيَكْمُ مَصَدِّقًا لِّمَا بَيَّنَّا بِدَعْوَى  
مِنَ التَّوْرَةِ اَوَّ مَبَشِّرًا لِّرَسُوْلٍ تَبَآئِيٍّ مِّنْ بَعْدِي  
اَسْمُهُ اَحْمَدُ (الصافات: ۶)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے نبی اسرائیل ابے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں در آنحالیکہ میں اس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔

اس بشارت کی مزید تصدیق انجیل کی اس آیت میں ہے:

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ سے اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا کی انجیل باب ۱۴، آیت ۳۰ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۹۹، ۱۹۹۲ء)

نیز ان آیات میں ہے وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا باب ۱۴، آیت ۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں تمام انبیاء عظامی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نمی نہیں ہے۔

(صحیح مسلم فضائل ۱۷۳، ۲۳۶۵) سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۷۵

ان آیات میں ہے: وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ (یوحنا باب ۱۶، آیت ۱۳)

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سیدنا محمد ﷺ سے فرماتا ہے:

إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

یہ شک آپ ضرور سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہیں۔

(الشوری: ۵۲)

نیز اس آیت میں ہے: وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

اور قرآن مجید میں سیدنا محمد ﷺ کے متعلق ہے:

وَمَا يَطْلُقُ عَلَى الْهَوَىٰ ۚ إِنَّهُ مُوَالَا وَحْشٍ

اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔ ان کا فرمانا وحی

یو وحی (الحجم: ۳-۲)

ہو تا ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳)

یہ پیش گوئی بھی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے قیامت

تک ہونے والے تمام امور بیان کر دیے۔ جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح مسلم النسخ ۲۲: ۲۸۹، ۱۳۰: ۷۱، صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۶۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۲۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور آپ نے مخلوق کی ابتداء سے خبریں

دینی شروع کیں حتیٰ کہ اللہ جنت اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور اہل ثار اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ جس نے اس کو یاد

رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۱۴۲)

امریا المعروف اور نمی عن المنکر میں نبی ﷺ کی خصوصیات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا۔ یہ نبی ﷺ کا چھٹا وصف ہے: نیکی کا حکم

دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں اور برائی سے روکنے سے مراد یہ ہے کہ وہ

شرک نہ کریں، رشوت اور تھوڑے معاوضہ کے بدلہ میں تورات کی آیتوں کا سودا نہ کریں، سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور بشارات

سے متعلق آیتوں کو لوگوں سے نہ چھپائیں، اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کے مقابلہ میں اپنے علماء اور راہبوں کے اقوال کو ترجیح نہ

دیں، اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو ترک کر دیں۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا کام دوسرے نبیوں اور رسولوں نے بھی کیا ہے، یہاں آپ کے اس وصف کو اللہ

تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کیونکہ آپ نہایت حکمت اور عہدہ پرانے کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے تھے، قرآن مجید

میں ہے

أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَ

حکمت اور عہدہ و نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی

الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ

طرف بلائیے اور ان پر احسن طریقہ سے حجت قائم کیجئے۔

أَحْسَرُ (السحل: ۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک اعرابی

آیا اور کہنا ہو کہ مسجد میں پیشاب کرنے لگا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس کو ڈانٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا

پیشاب منقطع نہ کرو، اس کو چھوڑ دو، پس انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا (امام بخاری کی روایت میں ہے۔)

آپ نے فرمایا اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول پانی بہا دو تم اسنی کرنے کے لیے بیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بیجے گئے۔ (رقم الحديث: ۳۲۰) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس امر الی کو بلایا اور فرمایا یہ مساجد پیشاب یا کسی اور گندگی ڈالنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، یہ تو صرف اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں، یا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر آپ نے ایک شخص کو ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا اور اس پر بہا دیا۔

(صحیح مسلم الخارۃ ۱۰۰ (۲۸۵۰) ۶۳۸ صحیح البخاری رقم الحديث: ۶۰۲۵ سنن اقصائی رقم الحديث: ۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۵۲۸)

حضرت معلویہ بن الحکم سلمیٰ جو بیٹہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا نمازیوں میں سے کسی شخص کو چھینک آئی۔ میں نے کہا یہ ملک اللہ تو نمازی مجھے گھور کر دیکھنے لگے، میں نے کہا اس کی میں روئے تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ اور وہ اپنی راتوں پر اپنے ہاتھ مارنے لگے تب میں نے جان لیا کہ وہ مجھے چپ کرنا چاہتے ہیں، سو میں چپ ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی، آپ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں، آپ نے مجھے بارانہ ڈالنا نہ برا کمال، آپ نے فرمایا اس نماز میں لوگوں کے ساتھ باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ نماز میں تو صرف تسبیح، تہلیل اور قرآن کی قرأت ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد کی دوسری روایت میں ہے: انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرح نرمی کرنے والا کوئی معلم نہیں دیکھا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۹۳۰-۹۳۱ سنن اقصائی رقم الحديث: ۱۳۱۷ سنن دارمی رقم الحديث: ۱۵۰۲ مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۸) نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نیا بیٹھ اس آیت کا حصد لیں تھے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لَئِن لَّمْ يَكُفَّ قَطًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا انْفَعُوا مِنْ حَتٰى لِيَكُ (آل عمران: ۸۵) ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نیا بیٹھ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ کسی کام سے منع فرماتے تو اس کی حکمت بھی بیان فرما دیتے۔ مثلاً یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو لعنت کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے باپ کو گل دے گا تو وہ (جواب میں) اس کے باپ اور ماں کو گل دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۹۷۳ صحیح مسلم الامین ۱۳۶ (۹۰) ۲۵۷ سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۵۳۱ سنن الترمذی رقم الحديث: ۱۰۰۲ مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲)

آپ کا فناء یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کے ماں باپ کو گل نہ دے، لیکن آپ نے اس کو ایسے موثر انداز میں فرمایا کہ جب تم کسی کے ماں باپ کو گل دو گے تو وہ تمہارے ماں باپ کو گل دے گا اور اس طرح تم اپنے ماں باپ کو گل دینے کا سبب بنو گے۔ چنانچہ فرمایا تم اپنے ماں باپ کو گل نہ دو۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نیا بیٹھ کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ جس چیز کا حکم دیتے تھے خود اس پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ آپ نے ہمیں پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور خود بشمول تہجد چھ فرض پڑھتے تھے۔ آپ نے ہمیں طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا حکم دیا اور خود وصال کے روزے رکھے جس میں بغیر اظہار اور سحر کے

روزے پر روتہ ہوتا ہے۔ اور یہ کئی کئی دن کے روزے ہوتے تھے۔ ہمیں مل کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا اور خود اپنے پاس مطلقاً نہیں رکھتے تھے۔ ہمارے ترکہ میں وراثت جاری کی اور اپنا تمام ترکہ صدقہ قرار دیا۔ ہمیں چار بیویاں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا۔

اور آپ کی جو تھی خصوصیت آپ کی اثر آفرینی تھی، آپ نے انبیاء سابقین کے مقابلہ میں تبلیغ کا سب سے کم وقت پایا اور سب سے زیادہ اپنے پیروکار چھوڑے۔ آپ نے خود فرمایا اہل جنت کی ایک سو میں سے تین ہیں جن میں سے اسی (۸۰) اس امت کی صفیں ہوں گی اور باقی چالیس صفیں دوسرے انبیاء کی ہوں گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵) انبیاء سابقین کی تبلیغ سے انسان بھی بمثل مسلمان ہوتے تھے، آپ کی تبلیغ سے انسان مسلمان ہوئے، جنت مسلمان ہوئے، مکہ اور ہرنی نے کلمہ پڑھا، شجرہ حجر سلام عرض کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا ہزلو بھی مسلمان ہو گیا۔

لاکھ ستارے ہر طرف غلٹ شب جہاں جہاں

ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سر سر

آج دنیا میں کسی نبی کے پیروکار اپنے نبی کی صحیح تعلیم پر قائم نہیں ہیں صرف آپ کی امت ہے جو آپ کی تعلیم پر قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔

اشیاء کو حلال اور حرام کرنا نبی ﷺ کا منصب ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی یہ صفت بیان کی کہ ”جو من کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا یہ نبی ﷺ کا ساتواں وصف ہے۔“

اس کا معنی یہ ہے کہ جن پاک چیزوں کو انہوں نے اپنی خواہش سے حرام کر لیا ہے ان کو یہ نبی حلال کرے گا اور جن ناپاک چیزوں کو انہوں نے اپنی مرضی سے حلال کر لیا ہے ان کو یہ نبی حرام کرے گا یا اس کا یہ معنی ہے کہ جو پاک چیزیں بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں ان کو یہ نبی حلال کر دے گا مثلاً حلال جانوروں کی چربی، اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کر دے گا مثلاً خون، مواد جانور اور شراب وغیرہ۔ جو چیزیں حرام ذریعہ آمدنی سے حاصل ہوں ان کو بھی حرام کر دے گا۔ مثلاً سود، رشوت اور جو وغیرہ۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حلال اور حرام کرنے کا منصب عطا فرمایا ہے اور آپ کو یہ منصب عطا کیا ہے کہ آپ پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کر دیں۔

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی ایک مثل دی گئی ہے، ”سنو! عنقریب ایک شخص اپنے تخت پر سیر ہو کر بیٹھا ہو گا وہ یہ کہے گا کہ اس قرآن کو لازم رکھو، اس میں جو تم حلال پاؤ اس کو حلال قرار دو، اور اس میں جو حرام پاؤ اس کو حرام قرار دو“ اور بے شک جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، ”سنو! تمہارے لیے پانچ گدھا حلال نہیں ہے“ اور نہ ہر کھیلوں سے شکار کرنے والا درندہ اور نہ راستہ میں پڑی ہوئی ذی کی چیز سوا اس کے کہ اس کا مالک اس سے مستثنیٰ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۸۲)

مسند احمد ج ۳، ص ۵۲، المستدرک ج ۱، ص ۱۰۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۷۳

الطیبات اور الخبائث کی تفسیر میں مذاہب اربعہ

امام غزالی نے محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں الطیبات سے یہ مراد لینا واجب ہے کہ جو چیزیں طبیعت کے نزدیک پاکیزہ اور لذیذ ہیں وہ حلال ہیں اور نفع بخش چیزوں میں اصل حلت ہے لہذا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کے نزدیک پاکیزہ اور لذیذ ہے وہ حلال ہے سوا اس کے کہ کسی اور شرعی دلیل سے وہ حرام ہو اسی طرح الخبائث سے مراد وہ چیز ہے جو نفس اور طبیعت کے نزدیک گھناؤنی ہو اور اس کا استعمال صحت کے لیے معتبر ہو وہ حرام ہے کیونکہ ضرر رساں چیزوں میں اصل حرمت ہے سوائے ہر چیز حرام ہے سوا اس کے کسی اور شرعی دلیل سے وہ حلال ہو اسی قاعدہ کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کئی بیع حرام ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خبیث ہے اور اس کی شمن (قیمت) خبیث ہے اور جب وہ خبیث ہے تو پھر حرام ہے کیونکہ اس آیت میں ہے وہ تم پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں نیز خمر (انگور کے کچے شیرہ سے بنی ہوئی شراب) حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رجز (نجن) فرمایا ہے۔ (المائدہ ۹۰) اور نجس چیز خبیث ہے اور خبیث چیز حرام ہے پس خمر حرام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۸۲، ۳۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

ان پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں جو ان پر حرام تھیں جیسے چربی (یا اونٹ) اور چاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں جیسے خون، خنزیر کا گوشت اور سود اور رشوت۔ (تفسیر بیضاوی مع الکازر ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۸۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پاک چیزیں حلال ہیں اور خبیث چیزیں حرام ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا خبائث خنزیر کا گوشت اور سود وغیرہ ہیں۔ اسی بناء پر امام مالک نے گھناؤنی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے مثلاً سائبہ بچو اور گھمڑا وغیرہ اور امام شافعی کے نزدیک طیبات سے مراد لذیذ چیزیں ہیں لیکن یہ اپنے عموم پر نہیں ہے ورنہ شراب اور خنزیر بھی حلال ہو بلکہ یہ ان کے ساتھ خاص ہے جن کو شریعت نے حلال قرار دیا اور ان کے نزدیک خبیث کالفاظ محرمات شرعیہ میں عام ہے۔ اور ان کے نزدیک گھناؤنی چیزیں بھی خبیث ہیں اس لیے وہ بچو، گھمڑے اور گرگٹ کو حرام کہتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی ضلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

طیبات میں چار قول ہیں:

۱۔ اس سے مراد حلال چیزیں ہیں یعنی آپ حلال چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔

۲۔ جن چیزوں کو عرب پاک قرار دیتے تھے۔

۳۔ اس سے مراد چربی ہے جو بنو اسرائیل پر حرام کی گئی تھی۔

۴۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو مشرکین عرب حرام کہتے تھے۔

یعنی بحیرہ (جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور اس کا آخری بچہ نہ ہو تا تو اس کا کلن چیر دیتے پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے نہ پانی اور چارے سے ہنکاتے اور اس کو بحیرہ کہتے) اور سائبہ (جب سرور پیش ہو تا یا کوئی شخص بیمار ہو تا تو وہ یہ نذر مانتے کہ اگر میں سفر سے خیریت سے واپس آؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ ہے اس سے بھی بحیرہ کی طرح نفع اٹھاتا

بھیان القرآن

جلد چہارم

حرام ہوتا اور اس کو بھی کھانے پینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے) اور وکیل (بکری جب سات بچے جن چکتی تو اگر ساتوں بچہ نہ ہو تا تو اس کو صرف مرد کھاتے اور اگر ملوہ ہو تا تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اگر نہ ہو تو ملوہ دونوں ہوتے تو کہتے یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اس کو وکیل کہتے اس سے بھی نفع اٹھانا حرام ہو تا اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے) اور حام (جب اونٹ دس مرتبہ گیا بھین کر دیتا تو اس کو حامی کہتے اس سے بھی نفع اٹھانا حرام کہتے اور اس کو کھانے پینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے) یہ تعریفیں علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۵۷۰ھ نے مدارک التریل ج ۱ ص ۵۳۲ علی حاشی الخازن میں ذکر کی ہیں۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روک دیا جاتا ہے کوئی شخص اس کا دودھ نہ دھوتا تھا اور ساتھ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کوئی چیز نہیں لادی جاتی تھی اور وکیل وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار نہ جنتی اور دوسری بار ملوہ اس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے بشرطیکہ وہ اس طرح دو اونٹنیاں جنتی کہ ان کے درمیان نہ ہو تا اور جو اونٹ مخصوص عدد کے مطابق گیا بھین کر تا اس کو حام کہتے تھے اس کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث ۴۷۳۳)

اور الخبائث میں تین قول ہیں:

- ۱۔ اس سے مراد حرام چیزیں ہیں۔
- ۲۔ جن چیزوں کو عرب خبیث سمجھتے تھے اور ان کو نہیں کھاتے تھے مثلاً سانپ اور حشرات الارض۔
- ۳۔ جن چیزوں کو مشرکین عرب حلال سمجھتے تھے مثلاً مردار، خون اور خنزیر کا گوشت۔

(ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۷۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن پوری حنفی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں:

الطیبات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان پر حرام کر دی گئی تھیں مثلاً چربی وغیرہ یا جو چیزیں شریعت میں حلال ہیں مثلاً جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا۔ سو ان چیزوں کے جن کو کسب حرام سے حاصل کیا گیا ہو اور الخبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نجس ہوں جیسے خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا جو چیزیں حکماً خبیث ہوں جیسے سود اور رشوت وغیرہ اور دوسری چیزیں جو کسب حرام سے حاصل کی گئی ہوں فقہاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ پھل کے علاوہ سمندری جانور حرام ہیں۔ کیونکہ وہ سب خبیث ہیں (کیونکہ ان سے گھن آتی ہے) اس میں امام شافعی پر رد ہے۔ کیونکہ وہ تمام سمندری جانوروں کو حلال کہتے ہیں۔ (التفسیرات لاحمد یہ ص ۳۲۱ مطبوعہ مکتبہ خانہ پشاور)

لامام شافعی کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں اور امام مالک کے نزدیک جن سمندری جانوروں کی نظیر خشکی میں حرام ہے وہ سمندر میں بھی حرام ہیں مثلاً خنزیر اور کتا۔ باقی سمندری جانور ان کے نزدیک حلال ہیں اور ان کے نزدیک وہ خبیث نہیں ہیں کیونکہ ان کو ان سے گھن نہیں آتی اور دراصل گھن کھانا ایک اضافی چیز ہے۔ بعض لوگوں کو بعض چیزوں سے گھن آتی ہے اور بعض دوسروں کو نہیں آتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی ﷺ کا آنکھوں اور نواں وصف ذکر فرمایا جو ان سے بوجہ اتارے گا اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا۔ (الاعراف ۱۵۷)

بنو اسرائیل کے بوجہ اور ان کے طوق کا اتارنا

اس سے مراد وہ شدید احکام ہیں جو بنو اسرائیل پر فرض کیے گئے تھے۔



حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ ابو موسیٰ ایک بوتل میں پیشاب کر رہے تھے، انہوں نے کہا ابو اسرائیل کو جب پیشاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کٹ دیتے تھے۔

(مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث: ۲۳۳۰۸، طبع جدید دار الفکر، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۸۳)

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے گھر کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے اہل اور مال کے ساتھ گھر سے نکل کر دشمن کے مقابلہ کو جاؤ حتیٰ کہ تم سب پر موت آ جائے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۸۳، مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اہل فہمیت ان پر حائل نہیں تھا، اس کو ایک آگ آکر جلا دیتی تھی، ہفتہ کے دن شکار کرنا ممنوع تھا مگر گار حطو کو کٹنا لازم تھا، قتل غلاہو یا قتل عمر اس میں قصاص لازم تھا، دست مشروع نہ تھی، نیم کی سہولت نہ تھی، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

سیدنا محمد ﷺ نے ان تمام مشکل اور شدید احکام کے بوجھ اور طوق اتار دیے اور ان کے مقابلہ میں آسان احکام مشروع فرمائے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے نو اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی چوٹی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۳)

اس آیت میں نور سے مراد قرآن مجید ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید آپ کے ساتھ نازل نہیں ہوا، بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اس کا لام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید آپ کی نبوت کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے اور علامہ آلوسی نے یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید آپ کے بھیجے کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ بہر حال نور سے مراد قرآن مجید ہے اور آیت کے اس حصہ میں دو مضمون ہیں، ایک مضمون یہ ہے کہ ایمان وہ مستتر ہے جو آپ کی تعظیم کے ساتھ ہو اور جس نے آپ کی تعظیم نہیں کی وہ مومن نہیں ہے، نور دو سرا مضمون یہ ہے کہ آپ کی تعظیم اور توقیر کرنے کا حکم مقدم ہے اور قرآن مجید کی تبلیغ کرنے کا حکم موخر ہے، پہلے ہم آپ کی تعظیم اور توقیر کو بیان کر رہے ہیں۔

نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

۱۔ سورۃ الاعراف: ۷۷ میں نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کرنے اور آپ کی نصرت اور حمایت کرنے کا صراحۃً حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل آیات میں بھی صراحت کے ساتھ نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا حکم فرمایا ہے:

۲۔ اِنَّا ارْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَ مَبَشِّرًا وَ نَذِيرًا  
لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ وَ تَعْبُدُوْهُ وَ تَهْتَدُوْهُ  
وَ تَسْبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَ اَصِيْلًا (الفصح: ۸۴)

بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح و شام کو اللہ کی تسبیح کرو۔

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْا مِثْلَ بَدِيِ  
الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ  
(الحجرات: ۸)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ رمضان کے مہینہ سے پہلے روزے رکھنا مقدم کرتے اور نبی ﷺ سے پہلے روزے رکھنا شروع کر دیتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (المکمل للدر المنثور ج ۳، رقم الحديث: ۲۷۳۳، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے حضرت حسن حبیبی سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے قرطبی کے دن نبی ﷺ سے پہلے فسخ کر دیا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ وہ فسخ کریں اور یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۵، الدر المنثور ج ۷، ص ۱۵۳)

امام ابن جریر، امام ابی حاتم اور امام ابن مودبہ نے حضرت یحییٰ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کو نبی ﷺ کے کلام کرنے سے پہلے کلام کرنے سے منع کیا گیا۔

(جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰، ص ۳۳۰، الدر المنثور ج ۷، ص ۱۵۶)

امام بخاری نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کوئی شریعت حکم نہ بیان کرو (کوئی فتویٰ نہ دو) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی زبان سے فیصلہ فرماتے۔

(صحیح البخاری باب ۳۹، جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۰، الدر المنثور ج ۷، ص ۱۵۳)

۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَهْجُرُوا لَهُ بِالْفَوْلِ كَهَاجِجِكُمْ بَعْضُكُم لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات: ۴)

اے ایمان والو! اس (عظیم) نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے باتیں کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں یہ بھی نہ چلے۔

ابن ابی ملیکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ دو سب سے افضل مسلمان ہلاک ہو جاتے، جب بنو حنیملہ کی جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی تو ان میں سے ایک (حضرت ابو بکر حبیبی) نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان پر اقرع بن حابس کو امیر بنائیے جو بنو ہاشم کا بھائی ہے اور دوسرے (حضرت عمر حبیبی) نے کسی اور کو امیر بنانے کے لیے کہا، بیخ نے کہا مجھے اس کا نام یاد نہیں ہے پس حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کر رہے ہو، حضرت عمر نے کہا تم میری مخالفت کا ارادہ کر رہے ہو، حتیٰ کہ اس معاملہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔

حضرت ابن الزبیر کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمر رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات بلند آواز سے نہیں کہتے تھے بہت پست آواز سے بات کرتے حتیٰ کہ حضور ان سے پوچھتے کہ کیا کہا ہے، حضرت ابن الزبیر نے اپنے بھائی یعنی حضرت ابو بکر کا ذکر نہیں کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۸۳۵، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۷۷۷، سنن النسائی رقم الحديث: ۵۳۰۶، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحديث: ۵۵۳۳، مسند احمد ج ۳، ص ۳، جامع الاصول ج ۲، رقم الحديث: ۸۰۹، جامع البیان ج ۲، ص ۱۵۵، الدر المنثور ج ۷، ص ۱۵۸-۱۵۳)

امام یزید، امام ابن عدی، امام حاکم اور امام ابن مودبہ نے حضرت ابو بکر صدیق حبیبی سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ تب میں آپ سے صرف آہستہ آہستہ بات کروں گا۔

(مسند ابی یزید رقم الحديث: ۲۲۵۷، المسند رک ج ۳، ص ۷۴، الدر المنثور ج ۷، ص ۱۵۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اس (عظیم) نیا کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو (النجرات: ۲) تو حضرت ثابت بن قیس اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دوزخ میں سے ہوں اور نبی ﷺ کے پاس آنے سے رک گئے۔ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کے متعلق پوچھا: اے ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ کیا وہ بیمار ہیں؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کی بیماری کا کوئی علم نہیں ہے۔ پھر حضرت سعد، حضرت ثابت کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق پوچھ رہے تھے، حضرت ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بولتا ہوں، لہذا میں اہل دوزخ سے ہوں، حضرت سعد نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہ اہل جنت سے ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۳۶، صحیح مسلم الايمان: ۱۸۷ (۱۱۹)، ۳۰۷، جامع البیان جز ۷: ۲، ص ۱۵۳)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ زہری نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شمس نے کہا اے نبی اللہ! مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے سامنے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور میں بلند آواز سے بولنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ پسند نہ کرو کہ تمہاری اس کام پر تعریف کی جائے جس کو تم نے کیا ہو اور میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی تعریف چاہتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع کیا ہے اور میں حسن و جمل کو پسند کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اے ثابت! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ زندگی میں تم نیک نام ہو اور تمہیں شہادت کی موت آئے اور تم جنت میں داخل ہو، سو انہوں نے نیک نامی کے ساتھ زندگی گزاری اور میلہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

(جامع البیان جز ۷: ۲، ص ۱۵۳، حنفی سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حبان، امام طبرانی اور ابو نعیم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے، الدر المنثور ج ۷، ص ۱۵۳)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا حکم دینا اور آپ سے منکر کر کے وقت آواز کو پست رکھنا، اور بعض علماء نے نبی ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنے کو بھی منع کیا ہے اور بعض علماء نے علماء کے سامنے بھی آواز بلند کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، قاضی ابو بکر بن العربی نے کہا کہ حیات میں اور بعد از وفات نبی ﷺ کا احترام یکساں ہے، اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ آپ کے سامنے آواز بلند نہ کرے نہ آپ سے اعراض کرے۔

اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس سے استخفاف اور اہانت مترشح ہو کیونکہ یہ کفر ہے اور اس آیت کے مخاطب مومن تھے، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انتہائی پست آواز سے آپ کے سامنے بات چیت کی جائے جیسا کہ کسی بارگاہ اور پرہیز گار شخص کے سامنے ادب کے ساتھ پست آواز میں بات کی جاتی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱۶، ص ۷۹، ۸۰، ۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سوری بن خرمہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے: عروہ نے نبی ﷺ کے اصحاب کو بہ غور دیکھا شروع کیا اس نے کہا یہ خدا رسول اللہ ﷺ جب بھی تھوکتے تھے تو کوئی نہ کوئی صحابی اہٹا ہاتھ آگے کر دیتا، پھر اس اصحاب مبارک کو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر ملتا اور جب آپ کسی کام کا حکم دیتے تو

سب اس کام کو کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتے کہ لگتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے، اور جب آپ بات کرتے تو آپ کے سامنے سب خاموش ہو جاتے، آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے تھے، جب عروہ کفار قریش کی طرف واپس گیا تو اس نے کہا اے میری قوم! یہ خدا میں کئی بلا شاہوں، قیصر و کسری اور نجاشی کے پاس وفد بنا کر گیا ہوں اور یہ خدا میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بلا شاہ کی ایسی تعظیم کی جاتی ہو، جیسی تعظیم اصحاب محمد (سیدنا) محمد ﷺ کی کرتے ہیں، یہ خدا جب وہ تھوکیں تو کوئی نہ کوئی صحابی اس کو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا ہے پھر اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا ہے، اور جب وہ کسی کام کا حکم دیں تو اس کو کرنے کے لیے سب ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں، اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں، وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے۔ (الحديث)

(صحیح البخاری رقم الحديث ۲۷۳۱-۲۷۳۲، مسند احمد ج ۴، ص ۳۳۰، ۳۲۹، طبع قدیم دار الفکر)

رسول اللہ ﷺ کے اہل اور احرام کا صحابہ کرام اس طرح لحاظ کرتے تھے کہ آپ سامنے بالکل ساکت اور جامد بیٹھے رہتے تھے، اور مطلقاً بولنے بھی نہیں تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور ان کے بیٹنے سے وہ پرندے اڑ جائیں گے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے، ہم ایک قبر کے پاس پہنچے اور جب لحد مٹی جا رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ بیٹھے گئے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ (الحديث)

(سنن ابوداؤد رقم الحديث ۴۷۵۳، سنن الترمذی رقم الحديث ۲۰۵۸، سنن ابن ماجہ رقم الحديث ۳۲۷۸، مسند احمد ج ۴، ص ۲۹۵۔)

(۲۷۸-۲۷۷، طبع قدیم دار الفکر بیروت)

إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَمْرًا نَهَوْا عَنْهُ رُسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَرَ اللَّهُ فُلُوقَهُمْ لِيَلْقَوْا لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، (اچھا وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب)

(الحجرات: ۳) ہے۔

امام ابن جریر لکھتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے وقت آواز پست رکھتے ہیں، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی ادائیگی اور گناہوں سے اجتناب کے لیے خاص اور معنی کر لیا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ الحجرات ۲ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بہت پست آواز میں بات کرتے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۷، ص ۲۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

یعنی نبی ﷺ کی تعظیم اور محرم اور آپ کے اہل اور احرام کا صلہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم ہے اور آپ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا اور آپ کے اہل اور احرام کی رعایت نہ کرنا اپنے تمام نیک اعمال کو ضائع کرنا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُسَادُّونَكَ مِنْ ذُرَاةِ الْحُحْرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات: ۳)

بے شک جو لوگ آپ کو مجردوں سے باہر پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو، اگر

یہ نبی ہیں تو ہم اور لوگوں کی بہ نسبت معلوم حاصل کریں گے اور اگر یہ بلاشبہ ہیں تو ہم ان کے زیرِ سلیہ رہیں گے میں ان کو نبی  
 پیغمبر کے پاس لے گیا اور آپ کو بتایا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے پھر وہ نبی پیغمبر کے تجویز کے پاس گئے اور زور سے پکارنے لگے یا  
 محمد یا محمد تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ (التکم الکبیر رقم الحدیث ۵۳۳ جامع البیان ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۷)

علامہ قرطبی کہتے ہیں: دوسرے کے وقت نبی پیغمبر آرام فرما رہے تھے تو کچھ لوگ آکر پکارنے لگے یا محمد یا محمد ہمارے پاس  
 آئیں آپ بیدار ہو کر باہر آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۱۲۸)  
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ  
 غَيْرَ الْهَمِّ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو جَبَرٍ (الحجرات: ۵)  
 اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ (خود) ان کی طرف باہر  
 آتے تو یہ ان کے لیے زیادہ اچھا تھا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے  
 ہر دم فرمانے والا ہے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی پیغمبر کو خیمہ سے بیدار کرنا بھی آپ کے ادب اور احرام کے خلاف ہے اور آپ کا ہم لے  
 کر آپ کو بلانا بھی آپ کے ادب اور احرام کے خلاف ہے بلکہ یا محمد کہہ کر خوشی سے نکلنا یا آپ کو یاد کرنے کے لیے یا محمد کہنا  
 آپ کو متوجہ کرنے کے لیے یا محمد کہنا جائز ہے اور یا محمد کہہ کر آپ کو بلانا جائز ہے یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر آپ کو بلانا  
 جائز ہے سورۃ الحجرات کی یہ تمام آیات آپ کے ادب اور احرام اور آپ کے اہل اور اکرام پر دلالت کرتی ہیں۔

بَيِّنَاتٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا لَّا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا  
 انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
 اے ایمان والو! (اپنے رسول کو) راعنا نہ کہو "انظرنا" ہم پر  
 نظر کریں) کو اور خوب سن لیا کرو اور کافروں کے لیے  
 (البقرہ: ۱۳۳) دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی پیغمبر سے راعنا کہتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمائیے۔ اور  
 ہماری طرف التفات اور توجہ فرمائیے جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر کہتے تھے راعنا ہماری رعایت فرمائیں یہودی  
 لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا اور اس کا معنی تھا سنو تمہاری بات نہ سنی جائے انہوں نے اس موقع کو غیبت جانا اور کہنے  
 لگے کہ پہلے ہم ان کو تھیل میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں اور برسرِ محفل ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آگیا ہے تو وہ نبی پیغمبر کو  
 مخاطب کر کے راعنا کہتے تھے اور آپس میں کہتے تھے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہودی لغت کا علم تھا انہوں نے جب ان سے  
 یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا تم پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں نے آئندہ تم کو نبی پیغمبر سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا  
 دوں گا یہودی نے کہا کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ  
 آئے) تو تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کو (ہم پر نظر رحمت اور سمجھائی فرمائیں) تاکہ یہودی کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں  
 استعمال کریں اور پہلے ہی نبی پیغمبر کی بات غور سے سن لیا کرو تاکہ یہ نوبت نہ آئے۔

(جامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی راعنا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُخَوِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ  
 مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ  
 غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لَيْسَ بِنَاغٍ بِهِنَّ وَمَلْعُونًا  
 مِنْهُمْ يَوْمَ الْمَصْئَلِ (آل عمران: ۷۵)  
 بعض یہود اللہ کے کلمات کو اس کے سیاق و سباق سے بدل  
 دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ  
 سے کہتے ہیں) سنئے اور آنا تاکہ آپ کی بات نہ سنی گئی ہو اور

فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا  
وَاسْتَمَعْنَا وَأَنْظَرْنَا لَكُنَّا خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا وَلَكِنْ  
لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا  
(النساء: ۳۶)

دین میں طعن کرنے کے لیے اپنی زبان کو سوڑ کر راعنا کہتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ طاری بات نہیں اور ہم پر نظر (کرم) فرمائیں تو یہ (ان کے حق میں) بہت اچھا اور بہت درست ہوتا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمادی تو صرف قلیل لوگ ایمان لائیں گے۔

امام ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان سوڑ کر راعنا کی جگہ راعن کہتے تھے اور راعن کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کر کے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سد باب کرنے کے لیے مسلمانوں کو راعنا کہنے سے منع فرمادیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے شرعی حکم کی تحقیق

رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا بلا جملع کفر ہے اور توہین کرنے والا بلا تعلق واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے میں ائمہ مذہب کے مختلف قول ہیں خواہ توہین کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ ہو یا آپ کے نسب کے ساتھ ہو۔ آپ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ کی کسی صفت کے ساتھ ہو اور یہ اہانت خواہ صراحتاً ہو یا کنایتاً ہو یا تقریباً ہو یا تلویحاً ہو۔ اسی طرح کوئی شخص آپ کو بددعا کرے، آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے، آپ کے عوارض بشریہ یا آپ کے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے۔ غرض جس شخص سے کوئی ایسا کام صادر ہو جس سے آپ کی اہانت ظاہر ہو وہ کفر ہے اور اس کا قاتل واجب القتل ہے۔

خاصی عیاض لکھتے ہیں:

محمد بن عثون نے کہا ہے: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الہی کی وحید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الافتاء ج ۲، ص ۴۰، مطبوعہ عبدالحق اکیڈمی ملتان)

بعض فقہاء حنفیہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گلہ دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی، علامہ غللی لکھتے ہیں: جو شخص کسی نبی کو گلہ دینے سے کفر ہو گیا ہو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ وہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گلہ دی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گلہ دینا بندے کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

(در مختار علی الرد ج ۲، ص ۴۰، مطبع عثمانیہ استنبول)

علامہ شاہی حنفی عدم قول توبہ کی تشریح کرتے ہیں:

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی، اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ (رد المحتار ج ۲، ص ۴۰، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گلہ دینے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے۔ علامہ عسقلانی لکھتے ہیں:



علامہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر متفق ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو صراحتاً گلی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابو بکر قاسی نے کتاب الاجماع میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو قذف صریح کے ساتھ گلی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے اگر وہ توبہ کرے گاتب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہو گا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

اختلاف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گلی دی اس کو قتل کیا جائے گا خواہ اس نے توبہ کر لی ہو امام مالک کی مشہور روایت اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور اختلاف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم مغرب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گلی دی وہ کافر ہو گیا خواہ مذاق سے خواہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے استہزاء کیا یا اس کی ذات سے یا اس کے رسولوں سے یا اس کی کتابوں سے وہ کافر ہو گیا۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَيْسَ سَأَلْنَهُمْ لَيَفْقُولَنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُ  
وَلَعَبُ قُلْ آيَا لِّلْمُؤْمِنِينَ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ  
تَسْتَهْزِئُونَ ۚ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ  
إِيمَانِكُمْ (التوبة ۳۱-۳۵)

اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے آپ کہے کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول کا استہزاء کر رہے تھے؟ اب عذر نہ پیش کرو کیونکہ تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔

مشہور آذلو محقق شیخ ابن حبیہ لکھتے ہیں:

محمد بن عثرون فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو گلی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس کے متعلق عذاب الہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گلی دینے والا کافر ہے اور اس کو بلا اتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے اور اگر گلی دینے والا ذی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور مغرب ہم اس کی عبارت نقل کریں گے اور امام احمد اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے امام احمد نے متعدد مقالات پر اس بات کی تصریح کی ہے حنبلی کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد) سے سنا وہ فرماتے تھے جس شخص نے نبی ﷺ کو گلی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ (اصارم السلول ص ۴ مطبوعہ نشر السنہ بلکن)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالک ان کے اصحاب سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نے گلی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا نہ بطور کفر شیخ ابوالحسن قاسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب کسی شخص نے آپ کو گلی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اقرار کر دیا تو اس کو گلی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے ابو محمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عند اللہ

مومن قرار پائے گا۔ (الغلام ج ۲، ص ۲۲۳-۲۲۲، مطبوعہ ملکن)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گلی دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی 'لنذہبن کا مذہب امام مالک کی طرح ہے' امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ تحت وغیرہ سے منقول ہے جب رسول اللہ ﷺ کو گلی دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گلی دینے والے کا حکم بطریق اولیٰ یہی ہو گا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اختلاف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ (رد المحتار ج ۲، ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیاوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیاوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔

فقہاء اسلام کی عبارات کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا مرتد ہے اور واجب القتل ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مرتد وہ شخص ہو گا جو پہلے مسلمان ہو اگر کوئی غیر مسلم نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا کیا حکم ہے سو اس کا حکم بھی یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا اور گستاخی کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی علیہ السلام کے متعلق ایسا لفظ بولے یا ایسا لفظ لکھے جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ (انبیاء سابقین سے مراد وہ نبی ہیں جن کی نبوت تمام چھ مذہب میں مسلم ہو۔)

احادیث اور آثار میں غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کی تصریحات

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ کعب کے پاس گئے اور کہا اس شخص نے یعنی نبی ﷺ نے ہمیں تم کا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سوال کرتا رہتا ہے نیز کہا یہ خدا تم اس کو ضرور ملاں میں ذل دو گے اور کہا ہم نے اس کی پیروی کی ہے اور اب ہم اس کو چھوڑنا پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ آخر کار ماجرا کیا ہو گا وہ اسی طرح کعب بن اشرف سے باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶

کو جمع کر کے فرمایا جس شخص نے بھی یہ کلمہ کیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے وہ بیٹا لوگوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور نبی ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! میں اس باندی کا مالک ہوں وہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی اور برا کہتی تھی میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی اور اس سے موتیوں کی مانند میرے دہنچے بھی ہوتے اور وہ میری رفیقہ تھی گزشتہ رات وہ پھر آپ کو سب و شتم کر رہی تھی اور برا کہہ رہی تھی میں نے اس کے پیٹ پر گتھی رکھ کر اس کو دبلیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا سنو اگر وہ ہو جلتو کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (یعنی اس کا کوئی قصاص یا توبہ نہیں ہوگا)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰۸۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۵)

حضرت عرفت بن الحارث کو مصر کا ایک نصرانی ملا جس کا نام مذقون تھا انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نصرانی نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کے پاس یہ معاملہ پیش کیا انہوں نے حضرت عوف سے کہا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں حضرت عوف نے کہا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ایذا پر عہد کریں ہم نے ان سے صرف اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کو ان کے گرجوں میں جہالت کرنے دیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجہ نہیں ڈالیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کے لیے لڑیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے لیکن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمرو بن العاص نے کما تم نے سچ کہا۔

(المعجم الاوسط ج ۹، رقم الحدیث: ۸۷۴۳، مطبوعہ ریاض، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۲۰۰، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۷)

حضرت عمیر بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن مشرکہ تھی۔ جب وہ نبی ﷺ کے پاس جاتے تو وہ آپ کو سب و شتم کرتی اور آپ کو برا کہتی انہوں نے ایک دن اس کو تلوار سے قتل کر دیا اس کے بیٹے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم کو معلوم ہے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ کیا اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا گیا ہے اور ان لوگوں کے میں باپ مشرکہ تھے حضرت عمیر کو یہ خوف ہوا کہ یہ لوگ کسی اور بے قصور کو قتل کر دیں گے انہوں نے نبی ﷺ کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا تھا؟ میں نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ آپ کے متعلق مجھے ایذا پہنچاتی تھی نبی ﷺ نے اس کے بیٹوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے کسی اور کا نام لیا جو اس کا قاتل نہیں تھا نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۷۳، ص ۶۵، مطبوعہ بیروت)

حضرت علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ ج ۹، ص ۲۰۰، مطبوعہ بیروت)

حصین بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور بتایا گیا کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرتا ہے انہوں نے کہا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کرتا ہم نے ان کو اس لیے امن نہیں دی کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کریں۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶، مطبوعہ بیروت)

غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء مذاہب اربعہ کی تصریحات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متونی علامہ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن مسلمہ رحمہ اللہ نے کعب بن اشرف کو جو جیلہ سے قتل کیا تھا اس کے سب اور اس کے جواب میں علماء کا اختلاف ہے امام المازری نے کہا انہوں نے اس کو جیلہ سے اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے نبی ﷺ سے کیے ہوئے معاملہ کو توڑ دیا

دیا تھا اور وہ آپ کی بھو کرنا تھا اور آپ کو سب و شتم کرتا تھا۔ اور اس نے آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اور وہ آپ کے خلاف لڑنے والوں کے ساتھ شریک جنگ ہو۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸، ص ۵۰۲، مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ الباز، ریاض، ۱۴۱۷ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ذی سے کیا ہوا معاملہ ختم ہو جاتا ہے خواہ اس کی شرط ہو یا نہ ہو، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تم سے اس لیے صلح نہیں کی تھی اور اس کو بیت المقدس میں سولی پر لٹکایا گیا اور حضرت ابن عمر سے کہا گیا کہ ایک راہب نیا بیچھڑا کو سب و شتم کرتا ہے، انہوں نے کہا اگر میں سخت تو اس کو قتل کر دیتا، ہم نے اس کو اس لیے امن نہیں دی تھی۔ (المکمل ج ۲، ص ۱۸۳، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن علی مالکی متوفی ۲۴۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سب و شتم کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے خواہ وہ غیر مسلم ذی ہو، اس میں امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے کیونکہ وہ اس صورت میں ذی کے قتل کو جائز نہیں کہتے۔

(اکمال الکمال، المصم ج ۶، ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جمہور فقہاء اختلاف کا مسلک یہ ہے کہ جو غیر مسلم ذی نبی ﷺ کو سب و شتم کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔

امام شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

اس طرح اگر کوئی عورت رسول اللہ ﷺ کو ظاہر اسب و شتم کرتی ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ ابو اخطیہ ہمدانی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک یہودی عورت کو سنا وہ آپ کو گالی دے رہی تھی اور بخدا یا رسول اللہ! وہ میرے ساتھ نکلی کرتی تھی لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (شرح المیر الکبیر ج ۳، ص ۳۶۸-۳۶۷، مطبوعہ انجمن تہذیب، ۱۳۰۵ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں اس کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ پر سب و شتم کرنے والے کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے۔

(محرم القاری ج ۱۳، ص ۷۱، مطبوعہ ادارة البیاعۃ النیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جب کوئی شخص علی الاعلان نبی ﷺ کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ سیر ذخیرہ میں یہ تصریح ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی عورت علی الاعلان نبی ﷺ کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدی نے سنا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتی تھی انہوں نے رات میں اس کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے ان کے اس فعل کی تعریف فرمائی۔

(الدر المختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۳، ص ۲۸۰-۲۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علی الاعلان نبی ﷺ کو سب و شتم کرے یا علوۃ سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ عورت ہو۔

(رد المحتار ج ۳، ص ۲۷۸، مطبوعہ بیروت، ۱۳۰۹ھ)

## نبیؐ کی تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام کا عمل

حضرت عمرو بن العاصؓ جیڑتے کہتے ہیں: میرے نزدیک رسول اللہؐ پیڑتہ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی میری نگاہ میں بزرگ تھا اور آپ کے اجلال کی وجہ سے میں نگاہ بھر کر آپ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جاتا کہ میں آپ کا حلیہ مبارک بیان کروں تو میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں نے آپ کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم ایمان ۱۹۲ (۱۲۱) ۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب مہاجرین اور انصار کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت ابو بکر اور عمرؓ بھی ہوتے تھے۔ میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے سوا کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا وہ دونوں آپ کی طرف دیکھتے تھے اور آپ ان کی طرف دیکھتے تھے اور وہ آپ کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

حضرت اسامہ بن شریکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ پیڑتہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام آپ کے گرد اس طرح بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پندے ہوں۔ (الحدیث) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۸۵۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام رسول اللہؐ پیڑتہ کا سرمونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام نے آپ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور جب بھی آپ کا کوئی بال مبارک گرتا تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا۔

(صحیح مسلم الروایہ ۷۵ (۲۳۲۵) ۵۹۴۹)

تضیہ حدیبیہ میں جب رسول اللہؐ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں شریکین کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو قریش نے حضرت عثمانؓ سے کہا تم کعبہ کا طواف کرو تو حضرت عثمانؓ نے کہا میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہؐ پیڑتہ کعبہ کا طواف نہ کر لیں۔ (الذائل النبویہ ج ۲ ص ۳۵-۳۴)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ پیڑتہ سے کوئی بات پوچھنا چاہتا تھا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے اس کو برسوں تک رہا۔ (الشفا ج ۲ ص ۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

## وفات کے بعد بھی نبیؐ کی تعظیم و تکریم

قاضی عیاض ابو الفضل عیاض بن موسیٰ متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وفات کے بعد بھی نبیؐ کی توقیر اور تعظیم لازم ہے جس طرح آپ کی حیات میں لازم تھی اور اس کا موقع وہ ہے جب رسول اللہؐ کا ذکر کیا جائے آپ کی حدیث کا ذکر کیا جائے اور آپ کی سنت کا ذکر کیا جائے اور آپ کا نام مبارک اور آپ کی سیرت طیبہ کا سماع کیا جائے اور آپ کی آل اور عترت کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جائے پھر آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کی تعظیم کی جائے۔

ابو ابراہیم نجیبی نے کہا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ آپ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ خضوع اور خشوع کی حالت میں ہو اور اس کی حرکات اور سکرات سے وقار ظاہر ہو اور اس پر اسی طرح ہیبت طاری ہو جیسے وہ آپ کے سامنے مودب کھڑا ہے۔

امیر المومنین ابو جعفر نے امام مالک سے رسول اللہؐ کی مسجد میں مناظرہ کیا امام مالک نے ان سے کہا امیر المومنین! آپ اس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ تم نبیؐ کی آواز پر اپنی آوازوں کو

اونچا نہ کرو اور نہ آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بولو جس طرح تم آپس میں بلند آواز سے بولتے ہو (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔ (الحجرات: ۳)

اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی جو آپ کو حجروں سے باہر سے پکار کر بلاتی تھی اور ان کو بے عقل فرمایا اور آپ کا احترام اب بھی اسی طرح ہے جس طرح زندگی میں آپ کا احترام تھا۔

خلیفہ ابو جعفر نے امام مالک کی بات کو تسلیم کر لیا اور پوچھا جب میں رسول اللہ ﷺ کے مواجد شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں تو آپ کی طرف منہ کروں یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟ امام مالک نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ سے اپنا رخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں بلکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیجئے اور آپ سے شفاعت طلب کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں شفاعت کو قبول فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو وہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (بھی) ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پاتے۔ (السنن: ۶۳)

مصعب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور وہ اسی وقت جھک جاتے جب امام مالک سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا محمد بن النکھدی سید انقراء تھے ہم جب ان سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتے تو ان پر اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ ہم ان کے لیے رحم کی دعا کرتے اور میں نے حضرت جعفر بن محمد الصلیح کو دیکھا وہ بہت ہنس مکھ اور پر مزاح شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور میں نے ان کو کبھی بغیر وضو کے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر امام مالک نے بیان کیا کہ.....

عبد الرحمن بن قاسم نبی ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کے رنگ کی طرف دیکھا جاتا لگتا تھا کہ ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت سے ان کی زبان خشک ہو گئی ہے اور عامر بن عبد اللہ بن الزبیر کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جاتے اور زہری بہت خوش مزاج اور لطیف شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو لگتا تھا کہ وہ اپنے مطلب کو بالکل نہیں پہچانتے یعنی رسول اللہ ﷺ کے تصور میں اس طرح مستغرق ہو جاتے کہ گرد و پیش سے بیگانہ اور بے خبر ہو جاتے۔ صفوان بن سلیم بہت بڑے عالم اور زبردست مجتہد تھے ان کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے اور ابن سیرین ہتے رہتے تھے اور جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی جاتی تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا اور عبد الرحمن بن ہدی جب نبی ﷺ کی حدیث پڑھتے تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور یہ آیت پڑھتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الحجرات: ۲) اور اس کی یہ تلویل کرتے کہ جس طرح نبی ﷺ کے بات کرتے وقت خاموش ہونا ضروری ہے اسی طرح اس وقت خاموش ہونا ضروری ہے جب آپ کی حدیث پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ادب اور احترام

ابراہیم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس امام ابو حازم کی مجلس کے پاس سے گزرے وہ اس وقت حدیث بیان کر رہے تھے امام مالک وہاں سے چلے گئے اور کہا میرے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور میں نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو سننا پسند کیا۔



امام مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن المسیب سے ایک حدیث پوچھی وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے وہ اٹھ کر بیٹھ گئے پھر حدیث بیان کی اور کہا میں نے اس کو پسند کیا کہ میں لیٹ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں۔  
ابو مصعب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس ہمیشہ بلو ضر رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے۔  
مصعب بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس جب حدیث بیان کرتے تو وضو کرتے تیار ہوتے عمدہ لباس پہنتے پھر حدیث بیان کرتے۔ ابن ابی اویس نے کہا کہ امام مالک راستہ میں یا کھڑے ہوئے یا جلدی کے وقت حدیث بیان کرنا پسند کرتے تھے۔

عبد اللہ بن المبارک نے کہا میں امام مالک کے پاس تھا وہ ہم کو حدیث بیان کر رہے تھے ان کو پچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو کر زرد پڑ گیا لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث منقطع نہیں کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو لوگوں نے آپ کے چہرے کے تغیر کا سبب پوچھا امام مالک نے فرمایا ہاں مجھے سولہ مرتبہ پچھو نے ڈنک مارا اور میں صبر کرتا رہا اور میرا صبر صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے احرام کی وجہ سے تھا۔

عبد اللہ بن صلح نے کہا امام مالک نور یث بغیر وضو کے حدیث نہیں لکھتے تھے اور قنودہ کہتے تھے کہ مستحب یہ ہے کہ بغیر وضو کے نبی ﷺ کی احادیث نہ پڑھی جائیں اور اعمش جب بے وضو ہوتے اور حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو ٹھیک کر لیا کرتے تھے۔ (الشفا ج ۲ ص ۳۹-۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ ﷺ کا ادب قرآن مجید کے عمل پر مقدم ہے  
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی لوگ قلعہ پائے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں دو چیزیں بتائی گئی ہیں ایک نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر جس پر ہم نے سیر حاصل گفتگو کر لی ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ نے اہل قرآن پر مقدم فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی تعظیم کو قرآن مجید کے عمل پر مقدم رکھتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُلُوا أَنْفُسَكُمْ (الباء: ۳۹)

وَلَا تُلْهُمُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

(البقرہ: ۱۷۵)

اس کے بلوجود حضرت ابو بکر نے غار ثور میں ساتوں کے بل پر اپنا بکر رکھ دیا سانپ ڈنک مارتے رہے لیکن ابو بکر نے اپنا بکر نہیں ہٹایا۔ محب طبری ابو جعفر احمد متوفی ۳۶۳ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے غار ثور میں پہنچے پھر کہا آپ پہلے غار میں داخل نہ ہوں جب تک کہ اس میں میں داخل نہ ہو جاؤں مگر اس میں کوئی مضرت چیز ہے تو آپ سے پہلے مجھے ضرر لاحق ہو۔ وہ غار میں گئے تو انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کو غار میں لے گئے اور غار میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنی قمیص پھاڑ کر اس کی دو جھیاں ان سوراخوں میں بھر دیں اور ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ حضرت ابو بکر کو یہ خوف ہوا کہ کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ ﷺ کو

ایذا نہ پہنچائے تو انہوں نے باقی ماندہ سوراخ پر اپنا پیر رکھ دیا وہ سب حضرت ابو بکر کو ڈنک مار رہا تھا اور حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ (الریاض المنفردۃ فی مناقب الشریع ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی ۷۴۳ھ نے یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے:

حضرت ابو بکر غار میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے داخل ہوئے تاکہ کسی ناگہانی افتادہ کو خود پر ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ محفوظ رہیں۔ انہوں نے غار میں ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایزی رکھ دی تاکہ اس میں سے کوئی چیز نکل کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہ پہنچائے پھر سب ان کو ڈنک مارتا رہا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور حضرت ابو بکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اس سوراخ سے حضرت ابو بکر کو ڈنک مارا گیا اور انہوں نے بالکل حرکت نہیں کی، لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر گرے۔ آپ نے پوچھا اے ابو بکر کیا ہوا؟ انہوں نے کہا آپ پر میرے ماں باپ قہا ہوں مجھے ڈنک مارا گیا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگایا تو حضرت ابو بکر کی تکلیف جاتی رہی۔ (المواہب اللہیہ ج ۱ ص ۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ علی بن یحییٰ بن محمد بن علی الترمذی متوفی ۳۳۳ھ نے بھی یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کے لعاب دہن لگانے کی تصریح ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲ ص ۲۰۵ مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البیہی ولولادہ مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

غار کی رات حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پہلے مجھے داخل ہونے دیجئے حضرت ابو بکر غار میں داخل ہوئے اور غار کی دیواروں میں ہاتھ لگا کر دیکھتے رہے اور جہاں سوراخ دیکھتے اپنی قبض پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے حتیٰ کہ ان کی پوری قبض پھٹ گئی اور ایک سوراخ رہ گیا اس میں انہوں نے اپنی ایزی رکھ دی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمائیں سب اور بچھو حضرت ابو بکر کو ڈنک مارتے رہے اور انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی مہلکہ حضور بیدار ہو جائیں، لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور جب یہ آنسو حضور کے چہرے پر گرے تو آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے ابو بکر غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ النبی رضویہ سکس ۱۹۷۷ء)

علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۱۲۴۲ھ نے بھی امام بیہقی اور امام ابی شیبہ کے حوالے سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

(سبل العدی والرشاد ج ۳ ص ۴۴۰)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۵۷۷ھ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے اور علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت المستطعم ج ۲ ص ۶۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور اس کی دوسری مثل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَافِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوٰۃِ  
الْوُسْطٰی (البقرہ ۲۳۸)

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی غیند کی خاطر عصر کی نماز ترک کر دی۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد الحلوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسلامیت تمیس روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جاری تھی اور آپ کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں تب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! یہ تیری اور میری رسول کی اطاعت میں تھا اس پر سورج کو لوٹا دے۔ حضرت اسلامیت کہتی ہیں: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا پھر میں نے اس کو غروب کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔ (مشکل الامار ج ۳، رقم الحديث: ۳۸۵۰، مطبوعہ دار الکتب المطبعیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت اسلامیت تمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے مقام صبا میں ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ نے حضرت علی کو کسی کام سے بھیجا وہ واپس آگئے اس اثناء میں نبی ﷺ (عصر کی) نماز پڑھ چکے تھے نبی ﷺ نے حضرت علی کی گود میں سر رکھا پھر آپ نے کوئی حرکت نہیں کی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا تب نبی ﷺ نے دعا کی: "بے شک میرے بندے علی نے اپنے غص کو میرے نبی پر روک لیا تھا سو اس پر سورج کی روشنی لوٹا دے"۔ حضرت اسلامیت کہتی ہیں سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ اس کی روشنی پہاڑوں اور زمین پر واقع ہوئی۔ پھر حضرت علی اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھ لی پھر سورج غائب ہو گیا۔ یہ واقعہ صبا میں ہوا تھا۔ (مشکل الامار ج ۳، رقم الحديث: ۳۸۵۱)

اس کی تیسری مثل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ  
وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى  
الْكَعْبَيْنِ (المائدة: ۶)

اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کے لیے کھڑے (ہوئے)  
(کا) ارادہ ہو (اور تمہارا وضو نہ ہو) تو اپنے چہروں اور اپنے  
ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور  
اپنے پیروں کو کعبوں سمیت دھو۔

اس آیت کی رد سے بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے حالانکہ ایک سفر کے موقع پر جو مسلمان حضرت عائشہ کا ہار ڈھونڈنے گئے ہوئے تھے انہوں نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔

اہم مسلم بن حجاج قہیری متوفی ۳۵۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں گئے جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا رسول اللہ ﷺ نے اس کو ڈھونڈنے کے لیے قافلہ کو ٹھہرا دیا اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اس جگہ پانی تھا نہ لوگوں کے پاس پانی تھا تب لوگ حضرت ابو بکر کے پاس آکر کہنے لگے: کیا آپ حضرت عائشہ کے کارنامے کو نہیں دیکھ رہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرایا اور اس جگہ نہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے تب ابو بکر آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے حضرت ابو بکر نے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرایا اور اس جگہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں حضرت ابو بکر مجھے ڈانٹتے رہے اور جو اللہ نے چاہا وہ کہتے رہے اور وہ اپنے ہاتھ سے میری کاکھ کو موڑ رہے تھے۔ اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کا سر میرے زانو پر تھا اس لیے میں مل نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سوتے رہے حتیٰ کہ بغیر پانی کے صبح ہو گئی تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی اور مسلمانوں نے تیمم کر لیا۔ اس وقت حضرت اسید بن خیر نے کہا اے آل ابی بکر یہ کوئی تمہاری پہلی برکت تو نہیں ہے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو اغلیا جس پر میں سوار تھی تو ہمیں اس کے پیچھے سے ہار مل گیا۔

(صحیح مسلم کتاب الجیش ۸۰۸ (۳۶۷) ۷۹۳، صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۳۳، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۱۰۰)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسلمہ سے عارفتہ "ہار لیا" وہ ان سے گم ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو اسے ڈھونڈنے کے لیے بھیجا پھر صبح کی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی اور جب وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کی شکایت کی تب اللہ تعالیٰ نے تسبیح کی آیت نازل کر دی اس وقت اسید بن خبیر نے (حضرت عائشہ سے) کہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے جب بھی آپ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نجات کی راہ پیدا کر دی اور مسلمانوں کے لیے اس میں ہر گت رکھ دی۔

(صحیح مسلم کتاب الجہل ۱۰۹ (۳۶۷) ۷۹۵ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۵۶۸)

قرآن مجید نے جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے لوب و احترام کی خاطر ساتھ اور چھو کے مل پر اپنی ایزی رکھ کر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا اور قرآن مجید نے خصوصاً عصر کی نماز کی حفاظت کا حکم دیا اور حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے لوب و احترام کی خاطر عصر کی نماز ترک کر دی اور آپ کو غینہ سے بیدار نہیں کیا اور قرآن مجید نے نماز کے لیے وضو کو فرض قرار دیا ہے اس کے باوجود بعض مسلمانوں نے اس موقع پر صبح کی نماز بے وضو پڑھ لی ان حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ادب اور احترام مقدم ہے اور قرآن مجید پر عمل موخر ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ

(اے رسولِ مکرم!) آپ کیسے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملک میں تمام

مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمَّا مَنْ

آسمان اور زمین میں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، سو تم اللہ پر

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَ

ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو عربی امی لقب میں جبرائیل پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور

اتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ

تم سب ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ۱۵۸ اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنَهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا

ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں ۱۵۹ اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم

أُمَمًا وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذَا اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنْ اَصْرِبْ

کر دیا جب کوئی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا

يَعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اِثْنَا عَشَرَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ

عصا ماردا تو اس سے بارہ چٹے پھوٹ نکلے ، ہر گردہ نے اپنے پاں پیسنے

اَنَاسٍ مَّشْرَبُهُمْ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ

کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سسڑی نازل

السَّلْوَى كُلُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا

کیا ، ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں ، اور اچھڑنے سے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦١﴾ وَاِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا

جائز پر ظلم کرتے تھے ۱۶۱ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرُ

جہاں سے چاہو کھاؤ اور حطہ (سجست کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہاری

لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ سَتَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦٢﴾ فَيَدُلُّ الَّذِينَ ظَلَمُوا

خطائیں بڑھ دیں گے اور بہتر بنیو کاروں کو سزا بڑھ عطا کریں گے ۱۶۲ اور ان میں سے ظلم کرنے والوں نے اس بات

مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ مِرَاجِرًا مِّنْ

کو اس کے خلاف سے بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب

السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٣﴾

سما سے کیا کیوں کہ وہ ظلم کرتے تھے ۱۶۳

۱۵۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملکیت میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو اسی لقب ہیں جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور تم سب ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (الاعراف: ۱۵۸)

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر قرآن مجید کی آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اس نبی ای

بھیان القرآن



لقب کی پیروی کریں گے جن کو یہ ثورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس رسول کی ابتلا کرنے کا ہم نے حکم دیا ہے ان کی رسالت کی دعوت قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت تمام مخلوق کے لیے ہے اور تمام مخلوق آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی ملکت ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت کے عموم اور شمول پر درج ذیل آیات بھی دلیل ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ہی خوشخبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي مَرَّلَ الْفُرْقَانِ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱) وہ بڑی برکت والا ہے جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مکرم) بندے پر نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہو۔

وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ (الانعام: ۱۸) اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس کے ساتھ ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ (قرآن) پہنچے۔

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ہر نبی کو اپنی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے ہر سرخ اور سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین پاکیزہ اور پاک کرنے والی اور مسجد بنا دی گئی ہے، میں جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے اور ایک ملہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح مسلم المسابہ ۳ (۵۲۰) ۳۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷، سنن احمد ج ۲ ص ۲۰۳، مسند عبد بن حیدر رقم الحدیث: ۳۵، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۳۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر جو رعب سے فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم (جامع مانع کلام) عطا کیے گئے ہیں اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (نعم کاملہ یا آلہ) اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کے آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

(صحیح مسلم المسابہ ۵ (۵۲۰) ۳۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲، ۲۵۰، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۳۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ میرے لیے تمام روئے زمین پاک کرنے والی (آلہ نعم) اور مسجد بنا دی گئی اور پہلے انبیاء میں سے کوئی نبی اپنی عذاب (سجائے) بغیر کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھتا تھا ایک ملہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی



گئی ہے۔ جب میرے سامنے مشرکین آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں میرا رعب قائم کر دیتا ہے اور پہلے نبی کو اس کی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام جنات اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور پہلے انبیاء خمس (پل) نفیست میں سے پانچواں حصہ کو الگ کر دیتے تھے پھر آگ آکر اس کو کھا جاتی تھی اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خمس کو اپنی امت کے فقراء میں تقسیم کر دوں اور ہر نبی کو ایک شفاعت عطا کی گئی ہے (صحیح مسلم میں ہے ہر نبی نے اس شفاعت کو دنیا میں خرچ کر لیا) اور میں نے اس شفاعت کو اپنی امت کے لیے موخر کر لیا ہے۔ (مسند ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۲۳۳۱)

حضرت سائب بن یزید جو پیش بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر پانچ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے ذخیرہ کر لیا ہے اور ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۶۷۳)

وہ معجزات جو سیدنا محمد ﷺ کی ذات مبارکہ میں ہیں اور جو آپ سے صادر ہوئے

نیز اس آیت میں فرمایا سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو اسی لقب ہیں جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا (اے محمد) آپ کہئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور رسالت بغیر معجزہ کے ثابت نہیں ہوتی اور آپ کے معجزات دو طرح کے ہیں ایک تو آپ کی ذات خود معجزہ ہے اور دوسرے وہ معجزات جو آپ سے صادر ہوئے آپ کی ذات خود معجزہ ہے اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے امی ہونے سے فرمایا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے کیونکہ آپ کسی مدرسہ میں نہیں گئے کسی استاد سے تعلیم نہیں حاصل کی اور نہ علماء میں سے کسی کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ علماء کا شہر نہیں تھا اور نہ کبھی رسول اللہ ﷺ زیادہ عرصہ کے لیے مکہ سے باہر گئے مگر یہ کہا جاسکے کہ اس عرصہ میں آپ نے کسی سے علم حاصل کر لیا ہو اس کے بلوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ میں علوم و معارف کے دریا موجزن کر دیے۔ پھر آپ پر اس قرآن مجید کو نازل کیا جس میں اولین و آخرین کے علوم ہیں تو بلوجود آپ کے امی ہونے کے ان عظیم علوم و معارف کو بیان کرنا آپ کا زبردست معجزہ ہے۔

آپ کا امی ہونا بھی آپ کی ذات میں معجزہ ہے آپ کے سر کے بال فتح و کامرانی کی ضمانت ہیں آپ اپنے کانوں سے قریب و دور کی آوازیں سنتے تھے جنات اور ملائکہ اور خود خالق کائنات کا کلام سنتے تھے آپ اپنی آنکھوں سے روشنی اور اندھیرے میں قریب اور دور یکساں دیکھتے تھے جنات اور فرشتوں کو دیکھا خود رب کائنات کو دیکھا آپ اپنی زبان سے جو کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا آپ کے لعاب مبارک میں برکت اور شفا تھی آپ اپنے ہاتھوں سے زمینوں اور آسمانوں پر یکساں تصرف کرتے تھے اور زمین و آسمان آپ کے قدموں کی زد میں تھے۔ فرضیکہ آپ کے جسم مبارک کا ہر عضو معجزہ تھا۔

آپ کے صدق آپ کی دیانت آپ کی امانت آپ کی عدالت اور آپ کی شجاعت اور سخاوت کا دور و نزدیک چرچا تھا۔ آپ کو الصادق الامین کہا جاتا تھا۔ یہ آپ کی ذات کا اعجاز تھا کہ جب آپ نے اعلان نبوت کیا تو حضرت خدیجہ الکبریٰ حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ کسی دلیل کو طلب کیے بغیر آپ پر ایمان لے آئے۔

اور جو معجزات آپ سے صادر ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں مثلاً چاند کا شق ہونا ذوبے ہوئے سورج کا ٹکڑا آنا آپ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا اور آپ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں کی بیشی ہو سکتی ہے نہ

کوئی اس کی مثل لا سکتا ہے اور علوم و فنون کی وسعت اور مخالفین کی کثرت کے بلوجود کوئی شخص قرآن مجید کے اس دعویٰ کو جھٹا نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتابیں تورات، انجیل اور قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک لوگوں کا مصداق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس (عظیم) رسول نبی ای پر ایمان لانا تمام لوگوں پر واجب ہے اب اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک ایسا گروہ تھا جو حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور حق کے ساتھ عدل کرتا تھا۔ اس گروہ کا مصداق کون ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

یہ قوم چین کے پار رہتی ہے یہ لوگ حق اور عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یہ لوگ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے انہوں نے بخت کے دن شکار کرنے کو ترک کر دیا یہ ہمارے قبل کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ان کا کوئی آدمی ہم تک پہنچ سکتا ہے نہ ہمارا کوئی آدمی ان تک پہنچ سکتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اختلاف ہوا تو ان میں سے ایک گروہ حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور وہ اس پر قادر نہیں تھے کہ بنو اسرائیل کے درمیان رہ سکتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخلوق سے دور زمین کے ایک کونے میں پھنچا دیا ان کے لیے زمین میں ایک سرنگ بنادی۔ وہ اس میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے حتیٰ کہ وہ چین کے پار پہنچ گئے۔ اور وہ اب تک وہاں دین حق پر قائم ہیں اور لوگوں اور ان کے درمیان ایک سمندر ہے جس کی وجہ سے لوگ ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۷۱ جامع البیان ج ۹ ص ۱۸۸ زاد المسیر ج ۳ ص ۲۷۳ معالم التنویر ج ۲ ص ۷۳)

الدر المنثور ج ۳ ص ۵۸۵ روح المعانی ج ۹ ص ۸۳

لیکن محققین نے اس تفسیر کو رد کر دیا ہے کیونکہ علوۃ ایسا ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ہو اور دنیا اس سے ملوث ہو جب کہ ذرائع ابلاغ اور آمد و رفت کے وسائل بہت زیادہ ہیں۔

اس آیت کی دوسری تفسیر کی گئی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں یہودیوں کا ایک گروہ تھا جو دین حق پر قائم تھا اور وہ لوگ ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جیٹو اور ان کے اصحاب اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ تو بہت کم ہیں اور قرآن نے ان کو امت سے تعبیر فرمایا جو ان کی کثیر تعداد کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایک فرد پر بھی امت کا اطلاق فرمایا ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً (السجۃ: ۱۲)

بے شک ابراہیم ایک امت تھے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۲۷۳ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۸۷ روح المعانی ج ۹ ص ۸۳۸)

میرے نزدیک اس آیت کی زیادہ عمدہ تفسیر یہ ہے کہ بنو اسرائیل میں ہر چند کہ زیادہ تر ضدی بہت دھرم نافرمان اور فاسق تھے لیکن ہر دور میں ان کے اندر چند صالح لوگوں کی بھی ایک جماعت موجود رہی ہے۔ جیسا کہ امت کی تحوین میں اس کی

تفصیل کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں بنو اسرائیل کی حمد کھینچیں اور بد اعمالیوں پر شدت کے ساتھ سرزنش کی ہے وہاں ان کے اندر اس قلیل گروہ کی تعریف و تحسین بھی فرمائی ہے، حق اور عدل کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ اس قلیل گروہ میں علماء بھی تھے اور قضاة بھی، جو دین حق پر قائم تھے اور حق کے ساتھ فیصلے کرتے تھے، ان ہی کی نسل سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو بنو اسرائیل کے اصحاب پیدا ہوئے، اس تفسیر کی تائید حسب ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے:

امام عبد الرحمن بن محمد الرازی بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میں نے ایک امت ایسی پائی جو اپنے اموال کا صدقہ دے گی، پھر اس کی طرف وہ بل لوٹ آئے گا اور وہ اس کو کھالے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد ہے، حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے ایک ایسی امت پائی جو پانچ نمازیں پڑھے گی اور وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے گناہ ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد ہے، حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے امت احمد میں سے کر دے، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو رضی کرنے کے لیے یہ آیت نازل کی اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

ابو العصباء البکری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی عالم اور ایک عیسائی عالم کو بلایا اور کہا میں تم لوگوں سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں اور میں اس کو تم سے بہتر جانتا ہوں، پھر آپ نے یہودی عالم سے کہا یہ بتاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے کتنے فرقے ہو گئے تھے؟ اس نے کہا خدا کی قسم کوئی فرقہ نہیں ہوا، حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا۔ ان کے اکثر فرقے ہوئے تھے اور ایک کے سوا وہ سب دوزخ میں جائیں گے، پھر آپ نے عیسائی عالم سے کہا بتاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں کے کتنے فرقے ہو گئے تھے؟ اس نے بھی کہا خدا کی قسم ان میں کوئی فرقہ نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ان کے بہتر فرقے ہوئے تھے اور ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے، اور تم اے یہودی سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۹) اور یہی گروہ نجات پائے گا اور تم اے نصرانی سنو ابے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (المائدہ: ۶۴)

اور ان میں سے کچھ لوگ اعتدال پر ہیں اور زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو بہت برے کام کر رہے ہیں۔

اور جو لوگ اعتدال پر ہیں وہی نجات پائیں گے، اور رہے ہم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف: ۱۸۵)

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ہے، ان میں سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل اور انصاف کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا اس امت میں سے یہی گروہ نجات پائے گا

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۸۸-۱۵۸۹، تفسیر المصنوع ج ۳ ص ۵۸۵)

فرض یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں نیک لوگوں کا گروہ بھی ہر دور میں رہا ہے اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم کر دیا جب موسیٰ کی قوم نے ان سے اپنی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا ان پاک چیزوں کو کھلاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۰)

اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی نافرمانیاں

اس آیت سے مقصود بنو اسرائیل کے احوال کو بیان کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے پیدا ہوئے تھے تو ان کو باہم حتمیز کر دیا تاکہ یہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور ان میں لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کی نوبت نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب موسیٰ کی قوم نے ان سے اپنی طلب کیا تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنا عصا ماریں تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اس آیت میں "انبحسرت" فرمایا ہے اور سورہ بقرہ میں "فانفجرت" فرمایا تھا لغت میں ان دونوں کا معنی ایک ہے اور انبحسرت اور انفجار میں کوئی فرق نہیں ہے اور بعض ائمہ نے فرق کیا ہے الانبحسرت کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا پانی نکلا اور الانفجار کا معنی ہے بہت زیادہ پانی نکلا اور ان میں اس طرح تطبیق ہے کہ ابتداء میں تھوڑا تھوڑا پانی نکلا پھر بعد میں بہت زیادہ اور تیزی سے پانی نکلا اس کے بعد فرمایا ان پر ہم نے بادل کا سایہ کیا پھر فرمایا ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ من سے مراد ایک نہیں شیریں ذائقہ دار چیز ہے اور سلویٰ سے مراد بھنے ہوئے شیریں ان سب چیزوں میں ان پر اللہ کی عظیم نعمتوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دھوپ کی تکیوں کو دور کیا اور نہایت آسانی سے ان کو کھانے اور پینے کی چیزیں فراہم کیں۔ اس کے بعد فرمایا ان پاک چیزوں کو کھلاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ان ہی چیزوں کو کھلاؤ اور ان کے علاوہ اور کسی چیز کو طلب مت کرو پھر فرمایا اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود کھانے کو ذخیرہ کیا اس وقت میں کھایا جس وقت ان کو کھانے سے منع فرمایا تھا اور یا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی اور چیزوں کو طلب کیا اور جب ملکیت وہ کام کرتا ہے جس سے اس کو منع کیا گیا تھا تو وہ دراصل خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اس لیے فرمایا انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے کیونکہ جب بعد کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو عذاب خداوندی کا مستحق بنا دیتا ہے۔ البقرہ: ۶۰ اور البقرہ: ۵۷ میں ان امور کی بہت تفصیل سے تفسیر کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے جہاں سے چاہو کھلاؤ اور چٹکے (معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور غفریب نیکو کاروں کو مزید اجر عطا کریں گے پس ان میں سے ظلم کرنے والوں نے اس بات کو اس کے خلاف بدل دیا جو ان سے کسی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۳-۱۶۴)

البقرہ: ۵۸-۵۹ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اور وہاں اس کی مفصل تفسیر کی جا چکی ہے اس لیے ان آیتوں کی تفسیر کے لیے اس مقام کو دیکھ لیا جائے۔

وَسَلُّهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ

اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجیے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ سیجر کے دن

فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا

تجاوز کرتے تھے، جب سیجر کے دن پھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب سیجر کا دن نہ

يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۴۱﴾

ہوتا تو وہ ان کے پاس (آتی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا لَّهِ مُهْلِكُهُمْ أَوْ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے نصیحت کرنے والوں سے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا أَقَالُوا مَعَذَرَةً إِلَىٰ رَبِّكُم وَلَعَلَّهُمْ

والا ہے یا عذاب شدید میں مبتلا کرنے والا ہے، انہوں نے کہا تاکہ تمہارے رب کے سامنے جنت پوری کر سکیں

يَتَّقُونَ ﴿۱۴۲﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ

اور شاید کہ یہ اللہ سے ڈریں اور جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو

عَنِ الشُّرِّ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا بَّيِّنًا بِمَا كَانُوا

نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کو بہت برے عذاب میں مبتلا کیا کیوں کہ وہ نافرمان

يَفْسُقُونَ ﴿۱۴۳﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً

کرتے تھے ○ پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا تم ذیل

خَاسِبِينَ ﴿۱۴۴﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيُبَعَثَنَّ عَلَيَّهِمُ الْيَوْمَ الْقِيَمَةِ

بندوبن جاؤ ○ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا

مَنْ يُسُوِّفُهُمْ سَوْءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ

جو ان کو بُرا عذاب پہنچائیں گے، بیشک آپ کا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت زیادہ



لَغْفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۶۶ وَقَطَّعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمَا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ

بجٹنے والا بہت مہربان مہربان ۝ اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں کٹی گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے بعض

وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ

نیک تھے، اور بعض ان سے مختلف تھے، اور ہم نے راحتموں اور مصیبتوں کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ وہ سرکش سے

يَرْجِعُونَ ۝۱۶۷ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ

پلٹ جائیں ۝ پھر ان کے بعد ایسے نااہل لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث ہو کر اس دنیا فانی

عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ

کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غنہ تیب ہماری بخشش کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اس کی طرح اور

مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۝۱۶۸ أَلَمْ يَأْخُذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا

سامان آجائے تو وہ اس کو بھی لے میں گئے، کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے شلق حق کے سوا

عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۝۱۶۹ وَالذَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ

کچھ نہیں کہیں گے، اور انہوں نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے

يَتَّقُونَ ۝۱۷۰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۱۷۱ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا

آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے، کیا تم (یہ بات) نہیں سمجھتے ۝ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں

الصَّلَاةَ إِذَا لَبِثُوا أَجْرَ الْمُسْلِمِينَ ۝۱۷۲ وَإِذْ تَقُنَّا الْجَبَلَ

(تر) ہم نیکی کرنے والوں کا اجر مسلم نہیں کرتے ۝ اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس

فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۝۱۷۳ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ

طرح) اٹھایا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سائبان ہے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر ضرور گرنے والا ہے (اس وقت ہم نے ان

بِقُوَّةٍ وَإِذْ كُنَّا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۱۷۴

سے کہا تھا) ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو، تاکہ تم متقی ہو جاؤ ۝



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجئے جو سمندر کے کنارے واقع تھی جب وہ سنچر کے دن تجلوز کرتے تھے جب سنچر کے دن مچھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب سنچر کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس (اتنی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے (الاعراف: ۱۶۳)

نافرمانی پر اصرار کرنے والے اسرائیلیوں کو بند رہنے کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں "ایلد" میں آباد تھی یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا اس جگہ سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے مچھلیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیں ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لیتا یہی ان کا حد سے تجلوز کرنا تھا۔ وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے نسل در نسل ان کی لولاد بھی اس میں ملوث رہی۔ خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے۔ اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مانعین نے کہا یہ خدا ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب فرمایا ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا بحر میں سے کوئی نہیں نکلا جب کئی دیر ہو گئی تو وہ دیوار چاند کر گئے دیکھا تو وہ تمام لوگ بند رہیں چکے تھے ایک قول یہ ہے کہ جو ان بند رہیں گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے۔ وہ تین دن تک اس حال میں روتے رہے پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی سختہ فحش تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔ (تفسیر قازان ج ۱ ص ۶۰ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیلور)

اس واقعہ کے بیان میں اہل ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے مجروح کا حکم ہے کہ آپ نے اپنی تھیں آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے اس کے بلوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا۔ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بکثرت مچھلیاں آتی تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہت دیکھ کر پھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے پر جتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُلْهَوْا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت: ۲) کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (مخلص) اس کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قربانہ داروں اور نافرمانوں کو متیز کر دیتا ہے۔

اس آیت کے دیگر مباحث کہ موجودہ بندہ 'ان ہی بندوں کی فہل سے ہیں یا نہیں اور تنازع اور تنازع میں فرق کے لیے البقرہ ۵۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ یہ قصہ یہودیوں کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوا 'یہاں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ وہ قوم ہے جس نے اتنی دیدہ دلیری سے اتنا زبردست گنہ کیا تھا اور ایسی کھلی نافرمانی کی تھی تو اگر یہ لوگ (سیدنا محمد ﷺ کے معجزات اور صاف صاف نشانیاں دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کریں اور اپنی ہمت دھری پر قائم رہیں تو ان سے کیا بعید ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نصیحت کرنے والوں سے) کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب شدید میں جکا کرنے والا ہے انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے رب کے سامنے حجت پوری کر سکیں اور شاید کہ یہ اللہ سے ڈریں۔ پس جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کو بہت بڑے عذاب میں جکڑ لیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۵-۱۶۴)

تبلیغ کا فرض کفایہ ہوتا

اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ اس شر کے رہنے والے تین گروہوں پر منقسم تھے 'ایک فریق وہ تھا جو ہفتہ کے دن ان پھیلیوں کا شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کرتا تھا 'دوسرا فریق وہ تھا جو ان کو اس نافرمانی سے منع کرتا تھا اور ڈانٹتا تھا اور تیسرا فریق وہ تھا جو خاموش رہتا تھا 'نافرمانی کرتا تھا اور نہ نافرمانی سے روکتا تھا اور اس فریق نے منع کرنے والوں سے کہا تم ان کو کیوں منع کرتے ہو جبکہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب میں جکا کرنے والا ہے 'یعنی یہ لوگ گناہوں پر اصرار کر کے اب ایسی حد پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ان کا گناہوں سے پلٹنا بہت مشکل ہے 'اس لیے اب ان پر وعظ اور نصیحت بے اثر ہے 'لہذا اب ان کو نصیحت نہیں کرنی چاہیے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر جہنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو وہ مدورہ ہے تھے اور ان کی گود میں قرآن مجید تھا 'میں نے کہا اے ابن عباس! میں آپ پر قربان ہوں 'آپ کیوں مدورہ ہے ہیں 'حضرت ابن عباس نے سورۃ الاعراف کی ان آیتوں کی تلاوت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بحرین کو سزا دی اور ان کو مسح کر کے بندر بنادیا اور جو فریق ان کو برائی سے منع کرتا تھا اس کا ذکر فرمایا کہ اس کو نجات دے دی اور تیسرا فریق جو خاموش رہا تھا اور ان کو منع نہیں کرتا تھا اس کا ذکر نہیں فرمایا 'آیا ان کی نجات ہوئی یا نہیں۔ اور ہم بھی کئی کاموں کو برا سمجھتے ہیں لیکن منع نہیں کرتے اللہ جلنے ہماری نجات ہوگی یا نہیں 'عکرمہ کہتے ہیں کہ میں آپ پر قربان ہوں 'کیا اس فریق نے ان کاموں کو برا نہیں سمجھا تھا جب کہ اس نے یہ کہا کہ تم ان کو کیونکر منع کرتے ہو جب کہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب میں جکا کرنے والا ہے 'حضرت ابن عباس میرے اس جواب سے خوش ہوئے اور مجھے دو دینار چادریں دینے کا حکم دیا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۱۲۸-۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا کہ برائی سے روکنا فرض علی الکفایہ ہے اور جب بعض لوگوں نے بنو اسرائیل کو اس برائی سے روک

کر یہ فرض ادا کر دیا تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو گیا اس لیے اس تیسرے فرق پر عذاب نازل نہیں ہوا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کیا تم ذلیل بندہ بن جاؤ۔ (الاعراف: ۱۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا صبح کو جب وہ نافرمان لوگ اٹھے تو وہ ذلیل بندہ بن چکے تھے وہ تین دن تک اسی کیفیت پر برقرار رہے لوگوں نے ان کو دیکھا پھر وہ ہلاک ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان میں سے جو ان بندہ بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے لیکن یہ قول اس آیت کے خلاف ہے اس میں بھی اختلاف ہے کہ جن لوگوں کو مسیح کر کے بندہ بنا دیا گیا تھا موجودہ بندہ ان ہی کی نسل سے ہیں یا وہ اسی وقت ہلاک ہو گئے تھے اور ان کی نسل منقطع ہو گئی تھی ان تمام امور کی تفصیل البقرہ: ۵۷ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں ان آیات سے حسب ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

### بعض احکام کا استنباط

- ۱۔ ایسے حیلے کرنا ممنوع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے احکام بھلے معطل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت کا کوئی محل باقی نہ رہے البتہ کسی آدمی کی شخصی ضرورت کے لیے کوئی ایسی خفیہ تدبیر کرنا جس سے وہ ممنوع کلام کے ارتکاب سے بچ جائے یہ انفرادی طور پر جائز ہے لیکن اس کو قاعدہ کلیہ بنالینا جائز نہیں جیسے لوگ سود کھانے کے لیے بیع مینہ کا حیلہ کریں یا دکن کی پگڑی لینے کے لیے اس دکن یا مکان میں ایک میز یا الماری رکھ کر اس کے عوض پگڑی کی رقم لے لیں۔
- ۲۔ ان آیات میں سد ذرائع کی اصل ہے یعنی جو کلام کسی حرام کا ذریعہ ہو وہ بھی ممنوع ہے ان کا سمندر سے ٹاپیاں کھود کر حوضوں کی طرف لانا پھلیوں کے شکار کا ذریعہ تھا اس لیے اس کو بھی منع کر دیا۔
- ۳۔ نیکی کا حکم بتا دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے لیکن یہ فرض کفایہ ہے۔
- ۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت کے احوال آسان کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے جیسے ان اسرائیلیوں کو آزمائش میں مبتلا کیا کہ ہفتہ کے دن پھلیاں بہت آتی تھیں۔

- ۵۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک نہیں آتا بلکہ تدریجاً آتا ہے جیسے بنو اسرائیل پر مختلف انواع کے عذاب آتے رہے پھر ان کو بندہ بتلایا گیا پھر ان سے حکومت چھینی گئی اور اصل عذاب آخرت میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بڑا عذاب پکھائیں گے بیشک آپ کا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت زیادہ بخشنے والا بہت مہربان بھی ہے اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض ان سے مختلف تھے اور ہم نے راحتوں اور مصیبتوں کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ وہ سرکشی سے پلٹ جائیں۔

(الاعراف: ۱۶۸-۱۶۷)

فلسطین میں اسرائیل کا قیام قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور معصیت پر دلیری کا ذکر فرمایا تھا اور یہ کہ اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو

مسح کر کے بندر بنادیا اور اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان کے لیے ذلت اور غلامی مقدر کر دی ہے اور یہ بھی ان کی بد اعمالیوں کی سزا ہے اور یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول مکرم! آپ کے رب نے یہود کے پہلے لوگوں کو ان کے انبیاء کی زبان سے یہ خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے یہود پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو ذلت اور غلامی کا مزہ چکھائیں گے ان پر جزیہ فرض کیا جائے گا ان کی جمعیت ٹوٹ جائے گی اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور یہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر زمین پر زندگی گزاریں گے۔ سب سے پہلے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خراج کو لازم کیا پھر ان کو یونانیوں نے غلام بنایا پھر کلدانیوں، کلدانیوں اور بابلیوں نے ان کو محکوم بنایا پھر روم کے نصاریٰ نے ان کو غلام بنایا اور ان سے جزیہ اور خراج لیا پھر مسلمانوں نے ان سے جزیہ اور خراج لیا اس کے بعد قریب کے دور میں جرمنی میں ہٹلر نے ان کو جن جن کر قتل کیا اور ملک بدر کر دیا۔

رہا یہ کہ اب انہوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا ہے اور اسرائیل کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی ہے تو وہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

صُرِّبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْسَ مَا تَصِفُوا أَلَا يَحْزَنُ يَتَىٰ اللَّهُ وَحَنُوبُ يَتَىٰ التَّائِبِينَ  
بجز اس کے (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی کے  
(آل عمران: ۸۴) ساتھ انہیں سارا فٹل جائے۔

اور اسرائیل کی حکومت کا قیام برطانیہ اور امریکہ کے سارے سے ہوا ہے اور اب بھی بظاہر وہیں یہودیوں کی حکومت ہے اور درپردہ برطانیہ اور امریکہ ہی کی حکومت ہے اگر آج جن کے سروں پر سے برطانیہ اور امریکہ کا سایہ اٹھ جائے تو وہ پھر ٹھکوری اور غلامی کی زندگی گزاریں گے۔  
یہودیوں میں نیکو کار اور بدکار

اور ان پر دو سزا عذاب یہ مسلط فرمایا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں رہتے ہیں، جن میں صالح اور نیک لوگ بھی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے اور ان میں وہ بھی تھے جو ہمارے نبی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگ تھے جو شیخ کے دن پھیلیوں کے شکار سے منع کرتے تھے اور جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور بعض وہ لوگ تھے جو نیکی اور پرہیزگاری میں ان سے کم تھے ان میں سے بعض فاسق و فاجر تھے اور بعض کافر تھے یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے یہ لوگ جھوٹ بولتے تھے اور سود کھاتے تھے اور رشوت لے کر احکام بدل دیتے تھے اور جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں فریقوں کے ساتھ اسی طرح معاملہ فرمائے گا جیسے انہوں کے ساتھ معاملہ فرماتا ہے نیک لوگوں کو جزا دے گا اور بدکاروں کو سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن کو نعمتیں اور راحتیں عطا فرماتا ہے تاکہ یہ شکر بجالائیں اور مصائب اور آلام میں مبتلا کرے تاکہ یہ صبر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ایسے مائل لوگ جن کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث ہو کر اس دنیا فانی کا سلن لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اس کی طرح اور سہانہ آجائے تو وہ اس کو بھی لے لیں گے کیا ان سے کتب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور انہوں نے وہ

سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے کیا تم یہ (بات) نہیں سمجھتے۔

(الاعراف: ۱۶۹)

### خَلْف اور خَلَف کا معنوی فرق

اس آیت میں ارشاد ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اور خَلْف کے معنی کے متعلق علامہ رائجب اصفہانی متوفی ۵۵۰ھ لکھتے ہیں:

بعد میں آنے والے ردی اور برے لوگوں کو خَلْف کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱، ص ۲۰۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصلیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ)

خلف اگر لام پر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے بعد میں آنے والے نیک لوگ اور اگر لام ساکن ہو تو اس کا معنی ہے بعد میں آنے والے برے لوگ اور خلف (لام ساکن ہو تو) کی جمع خلوف ہے اور خلف (لام پر زیر ہو تو) کی جمع اخلاف ہے۔ اسی طرح سلف کا معنی ہے گزرے ہوئے نیک لوگ اور اس کی جمع اسلاف ہے اور سلف کا معنی ہے گزرے ہوئے برے لوگ اور اس کی جمع سلوف ہے۔ (مثلاً ہمارے اعتبار سے صحابہ کرام اسلاف ہیں اور یزید اور شمر سلوف ہیں اور صحابہ کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ خلف ہیں اور یزید خلف ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۲، ص ۹، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینہ المنورہ ۱۳۵۵ھ التالیف ج ۲، ص ۳۰۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(لسان العرب ج ۹، ص ۸۵، ۸۶، مطبوعہ ایران ۱۳۰۳ھ)

### گناہوں پر اصرار کے ساتھ اجر و ثواب کی طمع کی مذمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پھر بنو اسرائیل کے نیک لوگوں کے جانشین برے لوگ ہوئے جو اپنے اسلاف سے تورات کے وارث ہوئے۔ انہوں نے تورات کا مطالعہ کیا اور اس کے احکام کو حاصل کیا۔ نئی پیچیدگی کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ بھی اسی آیت کا مصداق تھے۔ انہوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو اختیار کر لیا۔ وہ مل جمع کرنے پر حریص تھے اور اس معاملہ میں حلال اور حرام کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ وہ رشوت لے کر تورات کے احکام بدل دیتے تھے۔ اپنی ریاست چھین جانے کے خوف سے نئی پیچیدگی کی جو تورات میں صفات تھیں ان کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔ اور بعض آیات میں نفلی اور معنوی تحریف کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان کی بد اعمالیوں پر ان سے مواخذہ نہیں فرمائے گا وہ کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ہمارا سلسلہ انبیاء علیہم السلام سے منسلک ہے وہ مسلسل بافریادیاں کرتے رہتے اور گناہوں پر اصرار کرتے اور جس چیز کو وہ پہلے باطل طریقہ سے لے چکے تھے اس کو دوبارہ بھی باطل طریقہ سے لینے سے گریز نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے ”کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے“ انہوں نے تورات کو پڑھا تھا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ دوسروں کا باطل طریقہ سے لینا حرام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اس کے باوجود وہ اس عہد اور میثاق کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ کیا ان کو اتنی سی بات معلوم نہیں تھی کہ دار آخرت اور اس کی دائمی نعمتیں دنیا کی فانی لذتوں سے بہت بہتر ہیں تو پھر چاہیے تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے اور ان بد اعمالیوں اور اپنی سرکشیوں سے باز آجالتے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جس طرح ان بد اعمال یہودیوں کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی بافریادیاں کے باوجود اپنے آپ کو اخروی اجر و ثواب کا امیدوار گردانتے تھے سو آج کل کے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی اپنی بد اعمالیوں کے باوجود خود کو اجر آخرت

کا امیدوار کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غریب لوگوں کے سینوں میں قرآن اس طرح بوسیدہ ہو جائے گا جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو کر جھڑنے لگتا ہے، وہ بغیر کسی شوق اور لذت کے قرآن کریم کو پڑھیں گے، ان کے اعمال صرف طمع اور حرص ہوں گے وہ خوف خدا سے گناہوں میں کی نہیں کریں گے وہ برے کام کرنے کے بلکہ وجود تبلیغ کریں گے اور یہ کہیں گے کہ غریب ہماری بخشش کر دی جائے گی کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔

(سنن دارمی ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (تو) ہم انکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ○ (الاعراف: ۱۷۰)

اس کتاب سے مراد تورات ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو بار بار ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کی آیتوں کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہیں توڑتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ضائع نہیں فرمائے گا اور ان کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس طرح) اٹھایا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سائبان ہے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر ضرور گرنے والا ہے (اس وقت ہم نے ان سے کہا تھا) ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی ہو جاؤ ○ (الاعراف: ۱۷۱)

جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو، تو انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے، پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعے ہلاک کیے گئے، اور پھر زندہ کیے گئے۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا انہوں نے پھر انکار کیا، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں، ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آ رہی تھی، ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا، تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب گوشن سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو، یعنی اس میں تدبیر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو، کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقتضی پر عمل کیا جائے، یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے۔ امام نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا، اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ بتا دیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۷ھ)



وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَنشَدَهُمْ

اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ

عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا

کرتے ہوئے فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں: ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے کی)۔

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝۱۷۲ وَأَوْقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ

تاکہ قیامت کے دن تم یہ (منہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ۝ یا تم یہ (منہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداء

أَبَاءُكُم مِّن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا

ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہیں، کیا تو باطل پرستوں کے نسل کی وجہ سے

فَعَلَّ الْمُبْطِلُونَ ۝۱۷۳ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ

ہمیں ہلاک کرے گا ۝ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں ۝

وَأَنشَأُ عَلَيْهِمُ نَبِيًّا الَّذِي أَتَيْنَاهُ أَتَيْنَاهُ فَاسْتَلَمَهُ مِنهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ

اور (میں نے) رسول (مکرم) ان پر اس شخص کا حال بیان کیجیے میں کو ہم نے اپنی باتیں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا پس

كَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝۱۷۴ وَكَوْشَشْنَا لِرَفْعَتِهِ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ

شیطان نے اس کا پیچھا کیا، سودہ گراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بندی عطا کرتے مگر وہ پستی

إِلَى الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ

کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو

عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

تسب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو جاری آیتوں کو

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝۱۷۵ سَاءَ

جھٹلاتے ہیں، آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجیے تاکہ وہ غم و فکر کریں ۝ کیسی بُری

مَثَلًا لِّلْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا وَانْقَسَمَ كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۸۱﴾

مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے ۰

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدَىٰ وَمَنْ يُضِلِّ فَإُولَٰئِكَ هُمُ

جس کو اللہ ہدایت سے خود ہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہی پر رکھے سو وہی لوگ نقصان

الْخٰسِرُونَ ﴿۱۸۲﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

اٹھانے والے ہیں ۰ اور بیشک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے ایسے جن اور انسان پیدا کیے

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا

جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر) وہ ان سے دیکھتے نہیں،

وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

اور ان کے کان ہیں (مگر) وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿۱۸۳﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ

وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۰ اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے

بِهَا وَذُرُّوَالَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا

اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں، جو کچھ وہ کرتے ہیں قریب

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸۴﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ

ان کو اس کی سزا دی جائے گی ۰ اور میں لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسا گروہ (میں) ہے جو حق کی

وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۸۵﴾

ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرنے ہوئے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں! (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ۰ یا تم یہ (نہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداء

ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو اس کے بعد کی اولاد ہیں کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا؟ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں (الاعراف: ۱۷۳-۱۷۲) بنو آدم سے میثاق لینے کے متعلق احادیث

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا پھر اس پشت سے اولاد نکال پھر فرمایا ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ایک اور اولاد نکال اور فرمایا میں نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر عمل کس چیز میں ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص اہل جنت کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل دوزخ کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۷، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۶۶، الشریعہ لمجری رقم الحدیث: ۷۰، کتاب الاسماء والصفات للسیوطی ص ۲۲۵، المستدرک ج ۱ ص ۷۳، ج ۲ ص ۲۲۳، ج ۲ ص ۵۳۳، التعمید لابن عبد البر ج ۲ ص ۴۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام رو میں جسز گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی پھر وہ سب رو میں حضرت آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی۔ پوچھا اے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا اے میرے رب! میری عمر میں سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا۔ حضرت آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیا آپ نے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں عطا کیے تھے؟ پس حضرت آدم نے انکار کر دیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا۔ اور آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۷، جامع البیان ج ۹ ص ۱۵۵، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۳) سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے میثاق لیا ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو چونتوں کی مانند نکلا پھر ان کی مدت حیات ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیے اور ان کو ان کے نقصوں پر گواہ کیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں!

(جامع البیان ج ۹ ص ۱۵۰)

محمد بن کعب القرظی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ روحوں کو ان کے اجسام سے پہلے پیدا کیا۔  
(جامع البیان ج ۹، ص ۱۵۷، الدر المنثور ج ۳، ص ۵۹۹، بحوالہ امام ابن ابی شیبہ)

### میشاق لینے کا مقام

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرتے ہی ان کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے عہد لیا تھا۔

امام ابن ابی حاتم، امام ابن مندہ اور امام ابو الشیخ نے کتاب العظمت میں اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ہر اس روح کو نکالا جس کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ (الدر المنثور ج ۳، ص ۶۸، جامع البیان ج ۹، ص ۱۵۹)

امام احمد، امام الترمذی، امام ابن جریر، امام ابن مرددہ، امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن واوی نعمان میں آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟  
(الدر المنثور ج ۳، ص ۶۸)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۷۸ھ نے لکھا ہے کہ جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی جھین میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب واوی نعمان میں لیا گیا تھا اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ کلبی سے روایت ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا اور یہ کہ جب حضرت آدم کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا تو وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

میشاق حضرت آدم کی پشت سے ذریت نکال کر لیا گیا تھا یا بنو آدم کی پشتوں سے

قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لیا اور احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر یہ میثاق لیا۔ اور یہ ظاہر یہ تعارض ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جو بنی آدم مذکور ہے اس سے مراد حضرت آدم اور ان کی اولاد ہیں۔ اور اولاد کو ان کی پشتوں سے نکلنے کا معنی یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے اپنے اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے اور حدیث میں صرف حضرت آدم کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضرت آدم اصل ہیں اور اصل کا ذکر کرنے کے بعد فرع کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنے والا فرشتہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے اسناد کر دیا کہ وہ حکم دینے والا ہے۔ (علامہ آلوسی نے یہ جواب علامہ بیضاوی سے نقل کیا ہے)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اولاد کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بلاذات نکالا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو اولاد ان سے بلاذات اور براہ راست پیدا ہوئی اس کو نکالا اور پھر ان کے بیٹوں کی پشت سے ان کی براہ راست پیدا ہونے والی اولاد کو نکالا اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مظہر اصلی تھے اس لیے کل اولاد کا اسناد ان کی طرف کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام اولاد کو تھیلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی پشت سے نکالا گیا اور اجمالاً حضرت آدم علیہ السلام کی

پشت سے نکلا گیا۔ قرآن مجید میں قصیدہ بیٹوں کی پشت سے تمام اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو اجملاً نکالنے کا ذکر ہے۔

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ دو مرتبہ میثاق لیا گیا ہو ایک مرتبہ حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو اور دوسری بار ان کے بیٹوں کی پشت سے اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے اولاد کو نکال کر میثاق لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔

میثاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکال کا جواب

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔  
اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ اقرار اضطراری تھا بائیں طور کہ ان پر حقیقت واقعی منکشف کردی گئی تھی اور انہوں نے عین یقین سے مشاہدہ کر لیا تھا تو ان کے لیے جائز ہو گا کہ وہ قیامت کے دن یہ کہہ دیں کہ ہم نے اس وقت اقرار کیا تھا جب ہم پر یہ حقیقت منکشف کردی گئی تھی اور جب ہم نے یہ انکشاف داخل کر دیا گیا اور ہم کو ہماری آراء کے حوالے کر دیا گیا تو ہم میں سے بعض صحت اور صواب کو پہنچنے اور بعض سے خطا ہوئی مگر اگر انہوں نے اس دن نظر اور فکر سے استدلال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے صحت اور صواب کو پہنچ کر اقرار کیا تھا تو وہ قیامت کے دن یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح پہلے دن ہماری نصرت اور تائید کی گئی تھی اگر بعد میں بھی ہمیں یہ نصرت اور تائید حاصل ہوئی تو بعد میں بھی ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے اور شرک نہ کرتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تھا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی عقل اور بصیرت رکھ دی تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت کے ادراک پر قادر تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اقرار اضطراری تھا اور حقیقت واقعی ان پر منکشف کردی گئی تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا میں جسمانی تولد کے بعد ان کو ان کی آراء کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اے جمہور! تم کو تمہاری آراء کے حوالے کب کیا گیا تھا کیا ہم نے تمہارے پاس اپنے نبی اور رسول نہیں بھیجے تھے جو تم کو خواب غفلت سے جگا رہے تھے اور تم کو اس عہد اور میثاق کی یاد دلارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر اور اپنے رسولوں کے صدق پر دلائل قائم کر دیے ہیں اور جب رسولوں نے یہ بتادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ازل میں یہ میثاق لیا تھا اور ان کا صدق معجزہ سے ثابت ہو چکا ہے تو کس جو شخص اس میثاق کا انکار کرے گا وہ معاند ہو گا اور اس عہد کا توڑنے والا ہو گا اور خبر صادق کی خبر کے بعد اس کے بھول جانے اور یاد نہ رہنے کا غدر معتبر نہیں ہو گا۔

کیا یہ میثاق کسی کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ذی النون سے پوچھا گیا کیا آپ کو یہ میثاق یاد ہے؟ انہوں نے کہا گویا کہ اب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آ رہی ہے اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ لگتا ہے کہ یہ میثاق کل لیا گیا تھا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نئی چیز کا اصل کائنات ہونا

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:



بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کے ذروں کو نکلا گیا تو سب سے پہلے نبی ﷺ کے ذرہ نے جواب دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا:

لَا تُشِيبَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ  
(حکم السجدہ: ۳۱) ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔

اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی ﷺ کا ذرہ تھا۔ اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ تھا اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بتایا گیا تھا پھر اسی کو پھیلا یا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور جب آپ کی تربت (مٹی) شریفہ کعبہ کی مٹی تھی تو آپ ﷺ کا دفن بھی مکہ میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ روایت ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا دفن ہوتا ہے لیکن کہا گیا ہے کہ جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی ﷺ کا مدہ تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کا دفن اقدس ہے۔ اور اس کلام سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی ﷺ تخلیق کی اصل ہیں اور تمام کائنات آپ کی تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ کا ذرہ تمام مخلوق کی ام (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ کا لقب امی ہے۔

(روح المعانی ج ۹، ص ۱۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) ان پر اس شخص کا حل بیان کیجئے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی سو اس کی مثل اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کر دو تب بھی وہ ہاپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہاپ کر زبان نکالے یہ ان لوگوں کی مثل ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجئے تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ کیسی بری مثل ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر علم کرتے تھے ○ (الاعراف: ۷۷-۷۵)

واقئل علیہم نبال الذی کے شان نزول میں مختلف روایات

ان آیتوں میں نبی ﷺ کو جس شخص کا قصہ بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے قرآن مجید اور احادیث میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے نہ اس کی صفت اور اس کی شخصیت کا تذکرہ ہے۔ البتہ مفسرین نے اس کے متعلق مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ مسعودی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ وہ بنو اسرائیل کا ایک شخص تھا اور اس کا نام بلعم بن ابرہہ تھا۔ عمر بن حصین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام بلعم بن باعرا بلعم بن باعوراء تھا۔ بلعم بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام امیہ بن ابی الصلت تھا۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۱۶۳-۱۶۰، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

عکرمہ نے کہا بلعم نبی تھا اور اس کو کتب دی گئی تھی مجاہد نے کہا اس کو نبوت دی گئی تھی اس کی قوم نے اس کو رشوت دی کہ وہ خاموش رہے اس نے ایسا ہی کیا اور ان کو ان کے فسق و فجور پر ملامت نہیں کی۔ علامہ بخاری نے کہا یہ اقوال صحیح نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی شخص کو نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے جس کے متعلق اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت ترک نہیں کرے گا اور معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ (جامع الاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام حسین بن مسعود القراء البغوی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:



حضرت ابن عباس اور ابن اسحاق وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا قصد کیا اور کنعان سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو بلعم کی قوم بلعم کے پاس گئی۔ بلعم کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم معلوم تھا۔ ان لوگوں نے بلعم سے کہا موسیٰ بہت سخت آدمی ہے اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ اور وہ ہم کو ہمارے شہروں سے نکلنے اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے آیا ہے، وہ ہم کو قتل کر کے ہمارے شہروں میں بنو اسرائیل کو آباد کرے گا اور تم وہ شخص ہو جو مستجاب الدعوات ہے (جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ابن کو یہاں سے بھاگ دے۔ بلعم نے کہا تم پر افسوس ہے وہ اللہ کے نبی ہیں، ان کے ساتھ فرشتے نور مومنین ہیں، میں ابن کے خلاف کیسے بددعا کر سکتا ہوں، اور مجھے اللہ تعالیٰ سے جو علم ملا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میں نے ابن کے خلاف بددعا کی تو میری دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔ انہوں نے بار بار اصرار کیا تو اس نے کہا اچھا میں استخارہ کرتا ہوں اور اس کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ استخارہ کرنے کے بعد دعا کرتا تھا۔ اس کو فیند میں یہ بتایا گیا کہ ابن کے خلاف بددعا نہ کرنا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا میں نے استخارہ کیا تھا اور مجھے ان کے خلاف دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر اس کی قوم نے اس کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا، انہوں نے دوبارہ اس سے بددعا کرنے کے لیے کہا، اس نے پھر استخارہ کیا اس دفعہ اس سے کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کی قوم نے کہا اگر اللہ کو یہ بددعا کرنا پسند نہ ہو تا تو وہ تم کو پہلی بار کی طرح صراحتاً منع فرما دیتا وہ اس سے مسلسل اصرار کرتے رہے، حتیٰ کہ وہ ان کے کہنے میں آگیا وہ ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوا گدھی نے اس کو کئی بار گرایا وہ پھر سوار ہو جاتا تھا۔ بلاخر اللہ کے حکم سے گدھی نے اس سے کلام کیا اور کہا افسوس ہے بلعم تم کہاں جا رہے ہو کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ فرشتے مجھے جانے سے روک رہے ہیں۔ کیا تم اللہ کے نبی اور فرشتوں کے خلاف بددعا کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ بلعم باز نہیں آیا وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بددعا کرنے لگا۔ وہ بنو اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان پر اس کی قوم کے خلاف بددعا کے الفاظ آ جاتے تھے، اس کی قوم نے کہا اے بلعم یہ کیا کر رہے ہو؟ تم تو ہمارے خلاف بددعا کر رہے ہو اس نے کہا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، اللہ کی قدرت مجھ پر غالب آگئی، پھر اس کی زبان نکل کر اس کے سینہ کے اوپر لٹک گئی، اس نے کہا میری تو دنیا اور آخرت برباد ہو گئی۔ اب میں تمہیں ان کے خلاف ایک تدبیر بتاتا ہوں، تم حسین و جمیل عورتوں کو بنا سنوار کر ان کے لشکر میں بھیج دو، اگر ان میں سے ایک شخص نے بھی ان کے ساتھ بدکاری کر لی تو تمہارا کلام بن جائے گا کیونکہ جو قوم زنا کرے اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے اور اس کو کامیاب ہونے نہیں دیتا۔

بنو اسرائیل کے ایک شخص جس کا نام زمری بن شلوم تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود کستی نامی ایک کنعانی عورت کے ساتھ بدکاری کی جس کی پاداش میں اسی وقت بنو اسرائیل پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کا مشیر قتیص بن اعیرار بھی ایک اسرائیلی شخص تھا وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھا جب وہ آیا تو اس کو زمری بن شلوم کی سرکشی کا پتہ چلا تو اس نے خیمہ میں گھس کر زمری اور اس عورت دونوں کو قتل کر دیا۔ تب طاعون کا عذاب ان سے اٹھایا گیا لیکن اس اثناء میں ستر ہزار اسرائیلی طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو چکے تھے۔

مقاتل نے کہا کہ بلعم کے بلا شام نے بلعام سے کہا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف بددعا کرو، اس نے کہا وہ میرے ہم مذہب ہیں میں ان کے خلاف بددعا نہیں کروں گا۔ بلا شام نے ہل کو سولی دینے کے لیے صلیب تیار کی وہ ڈر گیا اور گدھی پر سوار ہو کر بددعا کرنے کے لیے گیا۔ گدھی راستہ میں رک گئی اور چلتی نہ تھی وہ گدھی کو مارنے لگا گدھی نے کہا مجھے کیوں مارتے ہو؟ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ پھر وہ لوٹ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! ہم کس وجہ سے میدان تیرے میں بھٹک

رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلعام کی دعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! جس طرح تو نے میرے خلاف اس کی دعا سن لی ہے اسی طرح اس کے خلاف میری دعا بھی قبول فرما پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اس سے اسم اعظم چھین لیا جائے اور اس سے ایمان سلب کر لیا جائے۔ سو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہا سلسبع مسہا یعنی اس سے ایمان اور اسم اعظم چھین لیا گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۵۷۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، سعید بن المسیب، زید بن اسلم اور یسٹ بن سعد نے بیان کیا کہ یہ آیت امیہ بن اہصلت ثقفی کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے کتاب (تورات) کو پڑھا تھا اور اس کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول بھیجے گا ہے اس کو امید تھی کہ وہ متوقع رسول وہ ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد ﷺ کو رسول بنا دیا تو اس نے آپ سے حسد رکھا اور آپ کا کفر کیا وہ بہت حکمت والا اور نصیحت کرنے والا تھا۔ وہ بعض ممالک کے دورہ پر گیا جب وہ واپس آیا تو مقتویں بدر کے پاس سے گزرا۔ اس نے ان کے متعلق پوچھا اس کو بتایا گیا کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ نے قتل کیا ہے تو وہ کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہوتے تو اپنے رشتے داروں کو قتل نہ کرتے آخر کار وہ کفر پر ہی مر گیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۱۶، معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۰-۱۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)  
امام غفر اللہ لہ رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ان روایات کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابو عامر راہب کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کو نبی ﷺ نے قاصق فرمایا تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں راہب تھا۔ جب اسلام آیا تو یہ شام چلا گیا اور اس نے منافقین کو مسجد خزار بنانے کا حکم دیا اور یہ قیصر کے پاس گیا اور اس کو نبی ﷺ کے خلاف لڑنے پر ابھارا اور یہ وہیں پر مر گیا۔ یہ سعید بن مسیب کا قول ہے اور حسن اور اسلم نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی ﷺ کو پہچانتے تھے اور قتل و غارتگری اور ابو مسلم کا قول یہ ہے کہ یہ ان تمام لوگوں کے متعلق عام ہے جن کو ہدایت دی گئی اور انہوں نے ہدایت سے اعراض کیا پھر ان سے ہدایت چھین لی گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)  
بد عمل اور رشوت خور عالم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا۔ اس کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو دلائل توحید کی تعلیم دی اور وہ ان کا عالم ہو گیا پھر وہ اللہ کی اطاعت سے اس کی معصیت کی طرف اور اس کی محبت سے اس کی ناراضگی کی طرف نکل گیا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس پر توحید کی ہدایت پیش کی لیکن اس نے ہدایت کو قبول نہیں کیا اور کفر پر برقرار رہا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جس شخص کو ہدایت دی گئی اور اس نے ہدایت سے اعراض کر کے خواہش نفس اور گمراہی کو اختیار کر لیا اور دنیا کی دلچسپیوں کی طرف راغب ہوا حتیٰ کہ وہ شیطان کا ہم نوا ہو گیا تو اس کا انجام آخرت کی ناکامی اور نادمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ اس کے حلال سے عبرت پکڑیں۔

پھر فرمایا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند ی مٹا کرتے مگر وہ ہستی کی طرف بھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اس کے کفر کے درمیان اپنی حفاظت کو حائل کر دیتے بایں طور کہ اس کو قہراً اور جبراً ہدایت پر قائم کر دیتے لیکن بھکا اس کو مٹھ کرنے کے معنی تھا اس لیے ہم نے اس کو اس کے اختیار پر قائم رکھا اور اس نے اپنے اختیار سے ہدایت کی پیروی کے بجائے گمراہی کی پیروی کو اختیار کر لیا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

اس کی نظیر آیتیں ہیں:

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (الانعام: ۱۴۹)  
لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا  
سو اگر اللہ چاہتا تو ضرور تم سب کو ہدایت عطا فرماتا۔  
اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔

(الرعد: ۳۱)

ان آیات میں علماء کے لیے بہت سخت حکم ہے، کیونکہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات و منات کا علم عطا فرمایا اور اس کو اپنے اسم اعظم کی تعلیم دی اور اس کو مستجاب اللہ عوات بتایا یعنی اس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ لیکن جب اس نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو وہ دین سے نکل گیا اور کتے کی مانند ہو گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی بہت زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو اس پر گرفت بھی بہت سخت ہوتی ہے سو اگر وہ شخص ہدایت سے اعراض کرے اور خواہش نفس کی پیروی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات سے بہت زیادہ دور ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔  
حضرت علی جوینہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا علم زیادہ ہو اور اس کی دنیا میں بے رغبتی زیادہ نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہی دور ہو گیا۔

(الفردوس بمأثور الخطاب ج ۳، رقم الحديث: ۵۸۸۷، الجامع الصغير ج ۲، رقم الحديث: ۸۳۹۷، کنز العمال ج ۱۰، رقم الحديث: ۴۹۰۱۶)

اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ جو علم اللہ کی اطاعت کے مساوی ہو وہ گناہوں کا مادہ ہے۔ علم کی اصل عبادت کی طرف رغبت ہے اور اس کا ثمرہ سعادت ہے۔ اور زہد کی اصل خوف خدا ہے اور اس کا ثمرہ عبادت ہے۔ پس جب زہد اور علم مل جائیں تو سعادت مکمل ہو جاتی ہے۔ محبت الاسلام نے کہا طلب علم میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے جو علم کو آخرت کے زاوراہ کے لیے طلب کرتا ہے، وہ علم سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے یہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو علم کو دنیا کے مل و متاع کے لیے طلب کرتا ہے اگر توبہ سے پہلے اس کو موت آگئی تو اس کے برے خاتمہ کا اندیشہ ہے اور اگر اس کو توبہ کی مصلحت مل گئی تو یہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس پر شیطان غالب ہوتا ہے اور وہ اپنے علم کو مل کی کثرت کا ذریعہ بناتا ہے اور اپنے پیرو کاروں کی کثرت کی بنا پر تکبر کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے کے باوجود اپنے آپ کو نیکوں میں سے شمار کرتا ہے، سو یہ شخص ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

مسند الفردوس کی یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں موسیٰ بن ابراہیم ہے۔ امام دارقطنی نے اس کو متردک قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے روضۃ العطاء میں اس کو موقوف قرار دیا ہے، یہ حضرت علی کا قول ہے۔ امام ازدی نے کتاب الضعفاء میں حضرت علی سے روایت کیا ہے جس شخص کا علم اللہ کے متعلق زیادہ ہو پھر اس کے دل میں دنیا میں محبت زیادہ ہو تو اس پر اللہ کا غضب زیادہ ہوتا ہے۔ (فیض القدر ج ۱، ص ۵۷۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، المکرر ۱۸۱۸ھ)

بد عمل اور رشوت خور عالم کی کتے کے ساتھ مماثلت کا بیان

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو اس کی مثل اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

قرآن مجید میں بلسھت کا لفظ ہے اور جب کتا شدید تھکاوٹ کی وجہ سے یا شدید گرمی اور پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالے تو اس کو عربی میں لہٹ کہتے ہیں۔

جو عالم دین دنیا کے مل و متاع کی وجہ سے دین کے احکام کو پس پشت ڈال دے اس آیت میں اس کی مثل ہانپنے والے کتے

ظیان القرآن

سے دی گئی ہے۔ کتابہ ذات خود ذلیل جانور ہے اور ذلیل تر وہ کتاب ہے جو ہر وقت ہاتھارتا ہو اور زبان باہر نکالے رہتا ہو خواہ تھکوت ہو یا نہ ہو یا شدید گرمی اور پیاس ہو یا نہ ہو گویا کہ ہاتھارتا اور زبان باہر نکالتا اس کی طبیعت ثانیہ اور علوت اعلیٰ بن گئی ہو۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دین کی عزت اور کرامت سے نوازا ہو اور اس کو لوگوں کے مال کے مال پکیل لینے سے مستغنی کر دیا ہو پھر وہ دین کے واضح احکام سے اعراض کر کے دنیا کی طرف جھکے اور اس خبیث عمل اور خبیث فعل پر برقرار رہے اور اس کو پسند کرے تو وہ اپنی طبعی دماء اور خست کی وجہ سے یہ مذموم کام کر رہا ہے اس کو اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ہر وقت اپنے والد الاکتا کسی ضرورت اور حاجت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی فطرت ثانیہ کی وجہ سے ہر وقت ہاتھارتا رہتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ کتے کے ساتھ اس لیے مثل دی گئی ہے کہ حدیث میں دنیا کو مردار اور اس کے طلب گاروں کو کتا قرار دیا گیا ہے۔

امام ابو شجاع شیریہ بن شہزاد بن شیریہ اللہ علیہ التوفیق رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ دنیا کی مثل ایسے مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو گئے ہوں اور اس کو گھسیٹ رہے ہوں تو کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم ان کی مثل کتے ہو اور ان کے ساتھ (اس مردار کو) گھسیٹو۔

(الفرردوس بماثر الطالب ج ۱ رقم الحدیث ۵۰۲ الدر المستدر رقم الحدیث ۲۳۲ ص ۱۶۹ جمع الجوامع رقم الحدیث ۸۷۱ کنز العمال رقم الحدیث ۷۱۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کتے پر حملہ کرو پھر بھی زبان نکالے گا اور اگر اس پر حملہ نہ کرو پھر بھی زبان نکالے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زبان نکال کر ہاتھارتا اس کی فطرت ثانیہ اور علوت اعلیٰ بن چکی ہے۔ اسی طرح جو شخص گمراہ ہو اور مل پر حرص ہو اس کو تم نصیحت کرو پھر بھی گمراہی پر برقرار رہے گا اور مل کی حرص کرے گا اور اگر اس کو نصیحت کرنا چھوڑ دو پھر بھی وہ گمراہی پر برقرار رہے گا اور مل کی حرص کرے گا۔

ہانپنے والے کتے کی مثال کا تمام گمراہوں اور کافروں کو شامل ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مثل ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پہلے اہل مکہ یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی ہدایت دینے والا ہادی آئے جو ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف ہدایت دے پھر جب ان کے پاس ایک ایسا شخص کریم آیا جس کی امانت اور دیانت میں ان کو کوئی شک نہیں تھا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی اور اللہ کی اطاعت نہ کی۔ سو جب انہیں اللہ کے دین اور اس کی عبادت کی دعوت نہیں دی گئی تھی جب بھی وہ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے اعراض کرتے تھے اور جب انہیں یہ دعوت دی گئی تب بھی وہ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے اعراض کرتے تھے تو ان پر یہ مثل منطبق ہو گئی کہ وہ اس ہانپنے والے کتے کی طرح ہیں کہ تم اس پر حملہ کرو تو پھر بھی وہ ہانپتا ہے اور حملہ نہ کرو تو وہ پھر بھی ہانپتا ہے۔

آیات مذکورہ سے مستنبط شدہ احکام سرعہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیسی بری مثل ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے ○

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے وہ کتے کی مثل ہے اور یہ کیسی بری مثل ہے کتے کی فطرت یہ ہے کہ وہ اجنبی شخص پر بھونکنے لگتا ہے اور اگر وہی شخص اسے کوئی روٹی کا ٹکڑا یا ڈی ڈال دے تو وہ اس کے آگے دم ہلانے لگتا

ہے اس طرح جو بے ضمیر اور رشوت خور علماء اور حکام ہیں وہ لوگوں کو سخت سزاؤں اور جہنموں سے ڈراتے ہیں اور جب ان کو رشوت کی ہڈی پیش کر دی جائے تو وہ ان کے موافق ہو جاتے ہیں۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ ایک شخص کو اللہ کی آیات کا علم دیا گیا لیکن جب اس نے رشوت لے کر غلط کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ علم چھین لیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بے قصور کو نقصان پہنچانے کے لیے یا ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا حرام ہے، پس اپنا حق لینے کے لیے یا اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لیے اگر رشوت دینا ناگزیر ہو تو رشوت دینا جائز ہے البتہ رشوت لینا ہر صورت میں ناجائز ہے۔ سورہ مائدہ میں ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی عالم کی تقلید نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دلائل کا علم دیا جو اس سے چھین لیا گیا اور خاص طور پر علماء کو اس آیت سے ڈرنا چاہیے کیونکہ ایک عالم کی غلط کاری کی وجہ سے اس کا علم چھین لیا گیا۔ اس لیے علماء کو غلط کاموں کے ارتکاب سے خصوصاً رشوت لے کر غلط کام کرنے سے بچنا چاہیے مبادا ان کا انجام بھی ملے بن باعوراء کی طرح ہو۔ حکومت بعض علماء کو مختلف مناصب، مراعات اور وظائف دے کر ان سے اپنے حق میں قوت لیتی ہے اور اپنے موافق بیان دلاتی ہے اگر یہ قوتے اور بیان قرآن اور سنت کی نصوص صریحہ کے خلاف اور ان سے متضاد ہوں تو پھر یہ لوگ اپنے دور کے ملحد بن باعوراء ہیں اور انہیں اس کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہی پر رکھے سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے ایسے انسان اور جن پیدا کیے جن کے دل ہیں مکر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مکر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مکر وہ ان سے سنتے نہیں) وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (الاعراف: ۱۷۹-۱۸۰)

ہدایت اور گمراہی کا اللہ کی جانب سے ہونے کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو بہت بڑی مثل سے واضح فرمایا ہے۔ اس لیے یہاں پر یہ فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں تو کسی شخص کا ہدایت یافتہ ہونا دنیا میں صراحہ اور آخرت میں ثواب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے اور کسی شخص کا گمراہ ہونا دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا پیدا کرنا اللہ کی جانب سے ہے اور ان کا اختیار کرنا بندہ کی طرف منوط ہے، بندہ اگر ہدایت کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ہدایت کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے۔ ہاں رہا یہ کہ اس اختیار کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ بہت غامض بحث ہے۔ اس کی تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۷۱۹-۷۲۰ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت پر اشکال کے حسب ذیل جوابات بھی دیے گئے ہیں:

۱۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت اور ثواب کی طرف ہدایت دے گا وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت سے گمراہ کر دے گا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۲۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اس نے اس ہدایت کو قبول کر لیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص نے اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۳۔ جس نے ہدایت کو اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس پر خاص لطف و کرم فرمایا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و کرم سے محروم ہو گیا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

بست سے جنات اور انسانوں کو دوزخ کے لیے پیدا کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بست سے انسان اور جن پیدا کیے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جن انسانوں اور جنات کے مطلق ازل میں یہ علم تھا کہ وہ کفر پر اصرار کریں گے اور

ان کی موت کفر ہوگی ان کو اللہ تعالیٰ نے انجام کار دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں لام تعلیل کا نہیں ہے بلکہ عاقبت کا

ہے جس کا معنی ہے انجام کار۔ اس کی مثل حسب ذیل آیات ہیں:

اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب اتو نے فرعون کو اور

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ فِرْعَوْنُ وَمَلَأَ

اس کے محال حکومت کو زینت کا سامان اور دنیا کی زندگی کے

رُبَّةً وَأَمْوَالُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رُكَّابًا يُضِلُّو

بست اموال دے رہے ہیں تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راست

عَنْ سَبِيلِكَ (یونس ۸۸)

سے گمراہ کریں۔

سو اس (موسیٰ) کو فرعون کے گمراہوں نے اٹھایا تاکہ

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا

انجام کار وہ ان کے لیے دشمن اور رنج و غم کا باعث ہو جائے۔

وَوَحَرَكُنَا (الفصص ۸۷)

علامہ محمود بن عمر مغیری رحمہ اللہ ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن کے مطلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کے توہین حق کی معرفت کو قبول نہیں کریں گے اور یہ اپنی آنکھوں

سے غلو قات میں اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیات جب تلاوت کی جائیں گی تو یہ ان کو غور و فکر سے

نہیں سنیں گے کفر پر اصرار اور ضد اور ہمت و عری کی وجہ سے ان کے قلوب پختہ ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں اور ان

کے کانوں میں ڈانٹیں ہیں۔ اس آیت سے مقصود یہود کا حل بیان کرنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں انتہا کو پہنچ چکے

ہیں مہلکہ ان کو علم یقین ہے کہ ان کی کتابوں میں جس نبی کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ یہی ہیں یعنی سیدنا محمد ﷺ اور یہ ان

بست سے لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں گویا کہ ان کو پیدا ہی دوزخ کے لیے کیا گیا ہے۔

(۱) کشاف ج ۲، ص ۱۷۸-۱۷۷، مطبوعہ قم ۱۳۱۳ھ

اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی و تسکین مقصود ہے گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اگر یہ ضدی اور معاند مشرکین ایمان نہیں

لائے اور آپ کی فصاحت کو قبول نہیں کرتے تو آپ پریشان نہ ہوں یہ ضدی مشرکین ان لوگوں میں سے ہیں جن کو انجام کار

دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے آپ طول خاطر نہ ہوں آپ اپنے دینی معاملات میں اور اپنے متبعین کے ساتھ

مشغول رہیے اور ان کی پروا نہ کیجئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جنات تو آگ سے پیدا کیے گئے ہیں ان کو آگ کے عذاب کی کیا تکلیف ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

جیسے انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر اس کو اینٹ ماری جائے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے مہلکہ اینٹ بھی مٹی سے بنی ہوئی

ہے۔ سو اسی طرح جنات کو بھی آگ سے تکلیف ہوگی خواہ وہ آگ سے بنے ہوئے ہیں۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(الذاریات: ۵۱) میری عبادت کریں۔



اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اور انس کو پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جن اور انس کو دوزخ کے لیے پیدا فرمایا ہے اور یہ واضح تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں سو جو اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا اور دوزخ میں داخل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو پیدا نہیں فرمایا لیکن جو اپنے اختیار اور ارادے سے کفر کریں گے اور اپنے مقصد تخلیق کے خلاف کام کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ انجام کار دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور دوزخ میں داخل کرنا مقصد تخلیق نہیں ہے۔ اس لیے ان آیتوں میں تعارض نہیں ہے۔ عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی وحدانیت کے دلائل پر دل سے غور و فکر نہیں کرتے اور اس کائنات میں اس کے وجود پر جو نشانیاں ہیں ان کا آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی جو علامت کی جاتی ہے اس کو کانوں سے غور سے نہیں سنتے اور نہ دماغ اور فصاحت کو سنتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ امام فخر الدین رازی شافعی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ علم کا محل قلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور مذمت فقرہ اور فہم کی ان کے دلوں سے نفی کی ہے اور یہ اسی وقت درست ہو گا جب فقرہ اور فہم کا محل قلب ہو۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا جس طرح کوئی شخص کسی چرائی کی حدود کے گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چرائی میں بھی چرائے سنو ہر بلا شلہ کی ایک خاص حد ہوتی ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں اور سنو جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱، صحیح مسلم المساکت: ۱۰۷ (۱۵۹۹)، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۳)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: سنو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عقل قلب میں ہے سر میں نہیں ہے اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعیہ) اور جمہور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ عقل قلب میں ہے اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ

عقل دماغ میں ہے۔ علامہ بازاری لکھتے ہیں عقل کے قلب میں ہونے کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں فتنکون  
لہم قلوب یعقلون بہا کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے "اور اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے ان  
فی ذلک لذرکری لمن کان لہ قلب" بے شک اس میں دل والے کے لیے نصیحت ہے۔ ان آیات کے علاوہ  
اس حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عقل دل میں ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو  
جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں  
ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ علامت جاری ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا  
ہو اور اس میں کوئی احتمال نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲، ص ۲۸، مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ  
ضائع ہونے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ علامت جاری ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو  
فاسد کر دیتا ہے اور یہ بدایت کے خلاف ہے۔

دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا  
محل اسی عضو کو بتایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی علامت جاری ہے کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے  
لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے دل کو کوئی  
تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ زیادہ پڑھنے سے سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا۔ اگر چہ پی پڑھ جانے اور مٹاپے سے  
عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح بلند  
پریش پڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس  
کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارکان، ذہنی انتشار، انجنا خوف، نسیان، مایوسیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں  
سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے۔ نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے۔ بعض  
اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی  
ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بدایت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا بدایت کا انکار کرنا ہے اور سب سے واضح دلیل  
یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے  
پوری شخصیت بدل جاتی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات، احساسات اور جذبات میں کوئی فرق  
واقع نہیں ہوا اور اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے دماغ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس کا جواب  
یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روز مرہ کی گفتگو، عرف، محاورات اور  
ادبی زبان میں علم و ادراک، سوچ و بچار، احساسات، جذبات، خیالات، بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف  
منسوب کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال

آپ میرا دل اس کو نہیں ملتا۔ مگر دل تو صرف خون پسپ کرنے کا ایک تکہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں لغت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں۔ دل غ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و انزل من السماء ماء اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (۱۸۱: ۲۷) مگر یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی، اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا۔ نیز ارشاد ہے: حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا نعر ب فبی عبس حسنة (۱۸۶: ۸۶) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اس (سورج) کو سیاہ و لعل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا۔ مگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بسکی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے اور عقائد اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکم کے بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

مذکورہ حدیث میں صراحتاً عقل اور ادراک کی دل کی طرف نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو لفظی اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہو گا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا یا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے۔ علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید دہلوی لکھتے ہیں: عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل (مغز) ہے جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔

(دائرة المعارف القرن العشرين ج ۶ ص ۵۲۲ مطبوعہ بیروت)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے ایک قول یہ ہے اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے۔ (کتب التحریکات ص ۵۵ مطبوعہ برلن)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور اوراکت کی صلاحیت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۲۹ مطبوعہ دہلی)

علامہ زبیدی نے اشیاء سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک حکم ہے جس کی وجہ سے نفس میں علوم

اور اوراکت کی صلاحیت ہے اور اگر عقل جوہر ہے تو وہ ایک جوہر لطیف ہے جس کی وجہ سے عاقبت کا واسطہ اور محسوسات کا پائیدار اور اک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔

(آج العروس ج ۸ ص ۲۶ مطبوعہ مصر)

علامہ زبیدی نے علامہ محمد الدین کی اس تعریف کو ذکر کیا ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہ اور نظریہ کا نور اک کرتا ہے۔

(آج العروس ج ۸ ص ۲۵ مطبوعہ مصر)

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہ اور نظریہ کا نور اک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم مطلب کی صلاحیت ہوتی ہے۔ (اقرب الموار ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ ایران)

عقل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے۔ شمس اللامعہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل مٹی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت لازم ہوگی اور اس میں مومنہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے) درختار کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہوگی اور حسن حبیبی کا قول ہے کہ اس میں مومنہ کی ارش داخل نہیں ہوگی کیونکہ جنابت (ضرب لگانے) کا محل مختلف ہے کیونکہ مومنہ کا محل اور ہے اور عقل کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب مومنہ بالوں کے ساتھ ہو ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جاننا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بائیم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مر جائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ بیروت)

شمس اللامعہ سرخسی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے عقل مٹ جائے تو پوری دیت لازم آئے گی ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ میں یہ دلیل ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے۔ علامہ حنون بن سعید بخاری مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمن بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عمو ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو مومنہ کا قصاص لیا جائے گا اور مومنہ (ضرب دماغ تک پہنچنے میں) اس کی عاقبت دیت لو اکریں گے اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو مومنہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہو گئی ہے اگر علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے اور اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہو تو اس کے مال سے سماعت اور عقل کی دیت وصول نہیں کی جائے گی۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۳۸۷ مطبوعہ بیروت)

اس مسئلہ سے واضح ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل و دلغ میں ہے۔ امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حنبلی علاء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن الجوزی حنبلی لکھتے ہیں:

القلب قطعة من دم حامدة سوداء وهو مستكن في العواد وهو بيت النفس و مسكن العقل۔  
قلب سیاہ جسے ہوئے خون کا ایک ٹوٹھرا ہے یہ دل کی کوٹھڑی ہے نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔  
(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ بیروت)

کفار کا جانوروں سے زیادہ گم راہ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انسان اور باقی حیوانات غذا حاصل کرنے کی قوت، نشوونما کی قوت اور تولید کی قوت میں مشترک ہیں نیز خواص ظاہرہ اور باطنہ میں بھی مشترک ہیں اور تخیل، توہم اور تذکر کے احوال میں بھی مشترک ہیں انسان اور باقی حیوانات کے درمیان صرف قوت عقیدہ اور فکریہ کی وجہ سے امتیاز ہے جو قوت حق اور خیر کی طرف ہدایت دیتی ہے تاکہ حق اور خیر کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ جب کفار نے قوت عقیدہ اور فکریہ سے کام لینے سے اعراض کیا اور اس کے توسط سے حق کی معرفت حاصل کرنے اور نیک کام کرنے سے روگردانی کی تو وہ جانوروں کی مانند ہو گئے بلکہ ان سے زیادہ گم راہ کیونکہ حیوانات کو ان فضائل کے حصول پر کوئی قدرت نہیں ہے اور انسان کو ان کے حصول کی قدرت دی گئی ہے اور جو لوگ قدرت کے بلوجود ان عظیم فضائل کے حصول سے روگردانی کریں ان کا مل ان سے زیادہ خیس ہو گا جو مجز کی وجہ سے ان فضائل کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اس لیے بھی کہ جانور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں اور کفار اپنے رب کے اطاعت گزار نہیں ہیں اور اس لیے بھی کہ جب جانوروں کو کوئی راہ دکھانے والا ہو تو وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور راستہ سے نہیں بھٹکتے اور کفار کو انبیاء عظیم السلام سید ہمارا راستہ دکھاتے تھے لیکن وہ ان کی مخالفت کر کے گمراہی کو اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو اور ان لوگوں کو چھو زود جو اس کے ناموں میں غلطی ہو اختیار کرتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں غریب ان کو اس کی سزا دی جائے گی (الاعراف: ۱۸۰) آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم سے جنت اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دو رخ کے لیے پیدا کیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور اس آیت میں فرمایا اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ اس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ غفلت اور عذاب جنم سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو اور اصحاب ذوق اور ارباب مشاہدہ کا وجد ان یہ ہے کہ دل جب اللہ کی یاد سے غافل ہو اور دنیا اور اس کی دلچسپیوں اور رنجینیوں کی طرف متوجہ اور راغب ہو تو وہ حرص کی آگ اور زہر کے بعد اور تجلب میں واقع ہو جاتا ہے اور جب دل میں اللہ کی یاد اور اس کی معرفت ہوتی ہے تو وہ آفتوں اور مصیبتوں کی آگ اور ناگہانی اور نامرادی پر حسرتوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کا معنی

اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنی ہیں۔ کیونکہ یہ اسماء احسن معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الفاظ

ہیں کیونکہ یہ الفاظ اللہ عزوجل پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ **ہو اللہ اللہ لا الہ الا هو الرحمن الرحیم الملک القدوس (الحمد) (مصحح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸)** اور ایک قول یہ ہے کہ بن اسماء سے مراد صفت ہیں۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اللہ کے اوصاف حسی ہیں۔ مثلاً اللہ علم قدیم کے ساتھ عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا خالق ہے اور جس چیز کا ارادہ کرے وہ ہو جاتی ہے وغیرہ۔ کیونکہ اسم کا اطلاق صفت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کو صرف ان ہی اسماء حسنہ کے ساتھ پکارے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توصیفیہ ہیں نہ کہ اصطلاحیہ۔ **لہذا اللہ تعالیٰ کو یا جواد کہنا جائز ہے اور یا غنی کہنا جائز نہیں ہے** اور اس کو یا عالم کہنا جائز ہے اور یا فقیہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اور یا عاقل کہنا بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے **یسعاد عون اللہ و هو خادعہم (النمل: ۱۳۲)** اور **و مسکروا و مسکر اللہ (آل عمران: ۵۴)** لیکن دعائیں یا کلوع اور یا مکار کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ افعال کے اطلاق سے مشتق کا اطلاق لازم نہیں آتا اور یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا رب ہے لیکن یہ کہنا جائز نہیں ہے یا خالق الخیر یا خالق الخیرات۔

مقاتل رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے نماز میں اللہ اور رحمن سے دعا کی تو ایک مشرک نے کہا (سیدنا) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ ہم رب واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو خداؤں کو پکارتے ہیں (یعنی اللہ اور رحمن) کو تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کو پکارو یا رحمن کو ان اسماء میں سے جس نام کے ساتھ بھی پکارو اس کے اسماء حسنہ ہیں۔

(ماشبہ محی الدین فیخ زادہ علی ایضادی ج ۲ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کی بحث میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسم مسی کا معنی ہے یا غیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اسماء کا تو تفسی ہو تب بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کا بیان کریں گے اور آخر میں اسم اعظم کے متعلق بیان کریں گے۔

فنقول وبالله التوفیق۔

اسم مسی کا معنی ہے یا غیر

علامہ دشتی ابی مائل لکھتے ہیں:

اشاعرہ کہتے ہیں کہ اسم مسی کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسی کا معنی ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ اسم کا اطلاق کبھی کلمہ پر ہوتا ہے اور کبھی اسم کا اطلاق ذات اور مسی پر ہوتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ حقیقی اطلاق کون سا ہے اشاعرہ نے کہا کہ اسم کا اطلاق کلمہ پر حقیقت ہے اور مسی پر مجاز ہے اور معتزلہ کا قول اس کے برعکس ہے اور استاذ ابو منصور نے کہا کہ اسم دونوں میں مشترک ہے۔

اشاعرہ کے دلائل میں سے یہ ہے کہ جب کسی معین شخص کا نام پوچھا جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس شخص کا اسم کیا ہے؟ پھر جواب میں وہ کلمہ ذکر کیا جاتا ہے جس سے وہ شخص دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسم کی حقیقت وہ کلمہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء میں سوا کہ اسم مسی کا معنی ہو تو متعدد خداؤں کا ہونا لازم آئے گا۔

معتزلہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **سبح اسم ربک الاعلی (الاعلیٰ: ۳)** اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کیجئے اور تسبیح اللہ کی ذات کی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسم اس کی ذات کا معنی ہے۔ بہر حال اس مسئلہ میں ہر فرقہ کے



دلائل اور ان کے جوابات موجود ہیں۔ (اکمل اکمل المعجم ج ۹، ص ۷۳-۷۴، بیروت)  
 اللہ تعالیٰ کے اسماء کے تو قیضی ہونے کی تحقیق  
 علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اطلاق کیا ہو یا اس کے رسول ﷺ نے اس اسم کا اطلاق کیا ہو یا اس اسم کے اطلاق پر اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ (مثلاً اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق کرتا) اور جس اسم کے اطلاق پر اذن شرعی ہو نہ ممانعت ہو اس میں اختلاف ہے۔ اس میں ایک قول توقف کا ہے اور ایک قول ممانعت کا ہے۔ علامہ ابن رشد نے اس قول کو امام اشعری اور امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ مقرر نے اس قول کو رد کر دیا ہے کیونکہ ممانعت حکم شرعی ہے اور بغیر دلیل سنی کے ممانعت شرعی کا حکم صحیح نہیں ہے۔ مقرر نے کہا اگر اس لفظ سے کسی محال معنی کا وہم ہو تو پھر اس اسم کا اطلاق ناجائز ہے اور اگر کسی محال معنی کا وہم نہ ہو تو پھر اس قسم کا اطلاق جائز ہے۔ علامہ باقلانی نے کہا ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے بشرطیکہ اس کی ممانعت پر اجماع نہ ہو۔ اس لیے سید اور حنن کا اطلاق جائز ہے اور عاقل اور فقیہ کا اطلاق ناجائز ہے۔ البتہ امام مالک نے سید اور حنن کے اطلاق سے منع کیا ہے۔ علامہ باقلانی نے کہا اللہ تعالیٰ نے جن افعال کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے ان کے اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور وہ قرآن میں مذکور ہیں تو ان کا اطلاق قرآن مجید میں آگیا ہے پس اتنا اطلاق جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً اللہ یسنہریٰ بہم اس کی وجہ سے مستزنی کا اور سحر اللہ مسہم اس کی وجہ سے ساخر کا اطلاق جائز نہیں ہے اور متکلمین اللہ تعالیٰ پر صانع واجب الوجود اور موثر کا اطلاق بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ (اکمل اکمل المعجم ج ۹، ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

اسماء حسی میں اختلاف ہے آیا یہ تو قیضی ہیں یا نہیں۔ تو قیضی کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اور سنت کی نص کے علاوہ کسی اسم کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہ ہو۔ امام محمد بن رازی نے یہ کہا کہ ہمارے اصحاب کا مشہور قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیضی ہیں اور معتزلہ اور کرامیہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی لفظ کی اللہ پر دلالت عقلاً صحیح ہو تو اس کا اطلاق جائز ہے۔ قاضی ابوبکر اور امام غزالی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیضی ہیں اور صفت تو قیضی نہیں ہیں۔ (اس کے برخلاف جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اسماء غیر تو قیضی ہیں اور صفت تو قیضی ہیں۔ سعیدی مغرہ) امام غزالی کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا وہ نام رکھیں جو آپ کے والد نے رکھا نہ آپ نے خود رکھا۔ اسی طرح مخلوق میں سے کسی بھی بزرگ شخص کا نام ہم از خود نہیں رکھ سکتے اور جب مخلوق کا نام از خود رکھنا ممنوع ہے تو خالق کا نام از خود رکھنا بہ طریق اولیٰ منع ہونا چاہیے۔ اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی ایسے اسم یا صفت کا اطلاق جائز نہیں ہے جس سے نقص گاہم ہو خواہ نص میں اس لفظ کا اطلاق ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کو ماہد، ذارع اور فاعل کہا جائز نہیں ہے اگرچہ نص قرآن میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ فسمع العبادون (الذاریات: ۴۸) محس الرارعون (الواقف: ۷۳) فالق الحب والسوی (الانعام: ۹۵)

امام ابوالقاسم گیری نے کہا کہ کتاب، سنت اور اجماع سے جن اسماء کا ثبوت ہو ان اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے اور جس اسم کا ان میں ثبوت نہ ہو تو اس کا اطلاق جائز نہیں ہے خواہ اس کا معنی صحیح ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس کے اطلاق کا شریعت میں ثبوت ہو عام ازیں کہ وہ مشتق ہو یا غیر مشتق ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اور ہر وہ لفظ جس کی نسبت اللہ

تعلیٰ کی طرف صحیح ہے، عام ازیں کہ اس میں توہیل ہو یا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور اس پر اسم کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔

اہم رازی نے کہا کہ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم کی تفصیل یہ ہے:

۱- جن صفات کا اللہ تعالیٰ کے لیے ثبوت قطعی ہے ان کا اطلاق مفرد اور مضغ دونوں اعتبار سے صحیح ہے جیسے قہر، قاہر یا

ظلال پر قہر ظلال پر قاہر۔

۲- جن صفات کا یہ طور مفرد اطلاق صحیح ہے اور بطور مضغ خاص شرائط کے ساتھ صحیح ہے۔ مثلاً خالق یا ہر چیز کا خالق کہنا

صحیح ہے لیکن بندہ اور خنزیر کا خالق کہنا صحیح نہیں ہے۔

۳- جن صفات کا بطور مضغ اطلاق صحیح ہے اور یہ طور مفرد صحیح نہیں ہے مثلاً منشی کہنا صحیح نہیں ہے اور منشی الخلق کہنا صحیح

ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ اگر شریعت میں اس کا سماع ثابت ہو تو اس اطلاق کیا جائے گا اور نہ نہیں اور تیسری قسم وہ ہے کہ

شریعت میں اس کا بہ حیثیت افضل سماع ہے تو انہی کا اطلاق کیا جائے گا اور ان پر قیاس کر کے ان مشقات کا اطلاق نہیں کیا جائے گا

جیسے مکر اللہ اور ہسنہریؑ بہم سوائے تعالیٰ پر ماکر اور مسترہی کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ لاہور)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ علامہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جن اسماء اور صفات کے اطلاق کا اذن شرعی ثابت ہے ان کا اللہ تعالیٰ

کی ذات پر اطلاق جائز ہے اور جن کی ممانعت ثابت ہے ان کا اطلاق منع ہے اور جن اسماء کا شریعت میں اذن ہو نہ ممانعت ہو ان

کے اطلاق میں اختلاف ہے یہ شرطیکہ وہ ان اسماء میں سے نہ ہوں جو باقی لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم (نام) ہوں، کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی ذات پر اسماء اعلام کا اطلاق کسی کے نزدیک محل نزاع نہیں ہے۔ نیز ان اسماء کا اطلاق نقص کا موہم نہ ہو بلکہ صرح کا منظر

ہو، سو ایسے اسماء کے اطلاق کو اہل حق نے منع کیا ہے اور جمہور معتزلہ نے جائز کہا ہے۔ قاضی ابو بکر کا اسی طرف میلان ہے کیونکہ

اللہ تعالیٰ پر غہ اور حکمرانی کا اطلاق جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔ لیکن یہ استدلال مردود

ہے کیونکہ اگر اجماع ثابت ہو تو وہ اذن شرعی کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور بحث ان اسماء کے اطلاق میں ہے جن کے لیے اذن

شرعی نہ ہو۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۵۴ مطبوعہ بیروت)

علامہ گفتارانی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو تو اللہ تعالیٰ پر موجود واجب اور قدیم وغیرہ کا اطلاق کیسے صحیح ہو گا کیونکہ ان کا شریعت میں ثبوت نہیں

ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اطلاق اجماع سے ثابت ہے اور اجماع بھی دلائل شرعیہ میں سے ہے۔

(شرح العقائد ص ۳۱ مطبوعہ کراچی)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء تو قیہنی ہیں یعنی ان کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق اذن شرعی پر موقوف ہے اور یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے جو

لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ طور علم (نام) وضع کیے گئے ہیں بلکہ بحث ان اسماء میں ہے جو صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں۔ سو

ان اسماء میں معتزلہ اور کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب عقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کسی صفت سے متصف ہونا صحیح ہو تو اس کا

اطلاق جائز ہے خواہ اس کا شرع میں ثبوت ہو یا نہ ہو۔ اور ہمارے اصحاب میں سے قاضی ابو بکر نے یہ کہا کہ جب کوئی لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو اور اس میں نقص کا وہم نہ ہو تو اس کا اطلاق جائز ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ پر عارف کا اطلاق جائز نہیں کیونکہ لفظ معرفت سے غفلت کے بعد علم کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے اسی طرح فقیہ کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو حکم کی غرض کو سمجھ لے۔ اسی طرح عاقل کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ عاقل اس شخص کو کہتے ہیں جو غلط کام کرنے سے رکے، مگر شیخ اور ان کے جہین نے یہ کہا ہے کہ توقیف ضروری ہے اور یہی مختار ہے۔

(شرح المواقف ص ۶۸۵ مطبوعہ ہند)

واضح رہے کہ علامہ میر سید شریف نے شیخ کے جس قول میں توقیف کو مختار کہا ہے اس کا تعلق ان اسماء سے ہے جو صفات اور افعال سے ماخوذ ہوں کیونکہ نزاع اور بحث انہی میں ہے۔ رہے وہ اسماء جو صفات میں اللہ تعالیٰ کے لیے اعلام ہیں تو ان کے متعلق علامہ میر سید شریف نے تصریح کر دی ہے کہ وہ محل نزاع سے خارج ہیں اور ان کے اطلاق کے جواز پر سب کا اتفاق ہے اس لیے اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق اجماع اور اتفاق سے ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس اسماء کی تفصیل جامع ترمذی میں ہے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو، جس نے ان کو گن لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ہواللہ الذی لا الہ الا ہوالرحمن الرحیم الملک القدوس السلام المؤمن المہیمن العزیز العبار المتکبر الخالق البارئ المصور الغفار القہار الوہاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصیر الحکم العدل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المقتد الحسب الحلیل الکریم الرفیع المجیب الواسع الحکیم الودود المعید الباعث الشہید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحیی المبدئ المعید المحی الممیت الحی القیوم الماجد الواحد الصمد القادر المقدر المقدم المؤخر الاول الآخر الظاہر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالک الحکم ذو الجلال والاکرام المقسط الحامع الغنی المغنی المانع الضار النافع السور الہادی السدیع الباقی الوارث الرشید الصبور۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

علماء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا حصر نہیں ہے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ یہ وہ ننانوے نام ہیں جس نے ان ناموں کو گن لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں یہ ہے میں تجھ سے ہر اسم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس اسم کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا جس اسم کو تو نے اپنے علم غیب میں مخصوص کر

لایا ہے، حافظ ابو بکر بن العربی مالکی نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔ ابن العربی نے کہا یہ بہت کم ہیں۔ ابن اسماء کی محسن کا ذکر جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ بعض اسماء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ابن کا نقیض اسم اعظم اور لیلۃ القدر کی طرح مخفی ہے۔ (شرح مسلم ج ۲، ص ۲۳۲، مطبوعہ کراچی)

علامہ قرطبی نے کہا کہ جس شخص نے صحت نیت کے ساتھ جس طرح بھی ابن کلمات کو گن لیا، اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (فتح الباری ج ۲، ص ۲۲۵، مطبوعہ دار)

### اسم اعظم کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابو جعفر طبری، امام ابوالحسن الاشعری، امام ابو حاتم بن حبان، قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ نے اسم اعظم کا انکار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو بعض دوسرے اسماء پر فضیلت دینا جائز نہیں ہے، اور امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کو اسم اعظم کہنا مکروہ قرار دیا ہے اور جن احادیث میں اسم اعظم کا ذکر ہے اس سے مراد عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء عظیم ہیں۔ امام ابو جعفر طبری نے کہا میرے نزدیک اس سلسلہ میں تمام اقوال صحیح ہیں۔ کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ فلاں اسم اعظم ہے اور کوئی اسم اس سے زیادہ عظیم نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے کہا کسی اسم کے اسم اعظم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس اسم کے ساتھ دعا کرنے والے کو عظیم اجر ملے گا۔ امام جعفر صادق اور جنید وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ بے اللہ تعالیٰ کے جس اسم میں ذوق کر دے وہی اسم اعظم ہے، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اسم اعظم کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی شخص کو اس پر مطلع نہیں کیا۔

بعض علماء اسم اعظم کے ثبوت کے قائل ہیں اور اس کی محسن میں ان کا اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں کل چودہ قول ہیں:

- ۱۔ امام فخر الدین رازی نے بعض اہل کشف سے نقل کیا کہ اسم اعظم ”ہو“ ہے۔
- ۲۔ اسم اعظم ”اللہ“ ہے۔ کیونکہ یہی وہ اسم ہے جس کا اللہ کے غیر اطلاق نہیں ہوتا۔
- ۳۔ اسم اعظم ”اللہ الرحمن الرحیم“ ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے ایک حدیث روایت کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔
- ۴۔ اسم اعظم ”الرحمن الرحیم الحی القيوم“ ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے والہکم الہ واحد لا الہ الا هو الرحمن الرحیم اور سورۃ آل عمران کی ابتداء اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

- ۵۔ ”الحي القيوم“ کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابوالمہاجر جہش سے روایت کیا ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ بقرہ، آل عمران اور طہ۔ حضرت ابوالمہاجر کہتے ہیں میں نے ابن سورتوں میں اسم اعظم کو تلاش کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ”الحي القيوم“ ہے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ربوبیت پر ان کی ولایت سب اسماء سے زیادہ ہے۔

- ۶۔ ”الحنان المنان بديع السموت والارض ذوالجلال والاکرام الحی القيوم“ امام احمد اور امام حاکم نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ سنن ابو داؤد اور سنن نسائی میں اس کی اصل ہے اور امام ابن حبان نے اس

کو صحیح قرار دیا ہے۔

۷۔ ”بديع السموات والارض ذوالجلال والاکرام“ اس کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

۸۔ ”ذوالجلال والاکرام“ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے یہاں ذوالجلال والاکرام کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی دعا قبول ہوگی۔

۹۔ ”الله لا اله الا هو الاحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد“ امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو حضرت بریدہ جونیفی سے روایت کیا۔ اسم اعظم کی روایت کے سلسلہ میں اس روایت کی سند سب سے زیادہ قوی ہے۔

۱۰۔ ”رَبِّ رَبِّ“ امام حاکم نے حضرت ابو درداء اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا: اللہ کا اسم اکبر رَبِّ رَبِّ ہے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب بندہ رَبِّ رَبِّ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”بیک میرے بندے! تو سوال کر تجھے دیا جائے گا۔“

۱۱۔ ”لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین“ امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت فضل بن عبید جونیفی سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو مسلمان شخص ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔

۱۲۔ ”هو الله الذي لا اله الا هو رب العرش العظيم“ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ امام زین العابدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو اسم اعظم کی تعلیم دے تو انہوں نے خواب میں یہ کلمات دیکھے۔

۱۳۔ اسم اعظم اسم حسنیٰ میں مخفی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا اسم اعظم ان اسماء میں ہے جن سے تم نے دعا کی ہے۔

۱۴۔ اسم اعظم کلمۃ التوحید ہے۔ اس کو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵، ص ۲۲۵-۲۲۴، مطبوعہ دار

الحاد کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد (غلط رویہ اختیار) کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں مغرب ان کو اس کی سزا دی جائے گی ○

علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی لکھتے ہیں:

الحاد کے معنی ہیں حق سے تہوڑ کرنا، اور الحاد کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے یہ ایمان کے منافی ہے۔ دوسری قسم ہے اسباب کو شریک بنانا یہ ایمان کو کمزور کرتا ہے اور ایمان کی گروہ کو نہیں کھولتا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کی جائے جس کے ساتھ اس کو موصوف کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی ایسی تلوٹ کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔

(الغفرات ج ۲، ص ۵۷۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی تفصیل

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد تین قسم پر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ ظاہرہ کا غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے جیسا کہ کفار نے اپنے جوں پر اللہ کے ناموں کا نام میں تصرف کر





علامہ ابو الیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۷۵۷ھ نے بھی زجاج کا ذکر اللہ رقول نقل کیا ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

• اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسا گروہ (بھی) ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے

اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہے (الاعراف: ۱۸۱)

اس امت میں بھی حق کی ہدایت دینے والے اور حق کے ساتھ عدل کرنے والے ہیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے امت سے جن لوگوں کو جہنم کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الاعراف: ۷۹) اور

اس آیت میں فرمایا اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک گروہ ایسا (بھی) ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ

عدل کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۱) اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے بھی امت مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ اس سے پہلے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عدل

کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۹) اور جب اس کلام کو دوبارہ ذکر فرمایا تو اکثر مفسرین کے مطابق اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی امت ہے

اور حسب ذیل روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا یہ میری امت ہے یہ حق کے ساتھ لیتے ہیں دیتے ہیں

اور فیصلہ کرتے ہیں۔

قدہ نے کہا ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی اللہ ﷺ جب اس آیت کی قرائت کرتے تو فرماتے یہ تمہارے لیے ہے اور تم

سے پہلے ایک قوم کو بھی اس کی مثل دی گئی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھتے ومن قوم موسیٰ امۃ یہدون بالحق وبہ

بعد لون۔ (الاعراف: ۱۵۹)

(جامع البیان ج ۷ ص ۱۸۰-۱۸۱ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۲۷۲ تفسیر لام عبد الرزاق ج ۱ رقم الحدیث ۹۷ زوائد المسیر ج ۲

ص ۲۹۳ معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۳ اللہ والشورج ج ۲ ص ۱۷۱)

اجماع کے تحت ہونے پر احادیث

اس آیت میں اس کی صریح دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ

اللہ کے امر (دین) پر قائم رہے گا جو شخص ان کو حکام کرنا چاہے یا ان کی مخالفت کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ

ان کے پاس اللہ کا امر (موت) آجائے گا اور وہ اسی (طریقہ دین) پر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۷۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۲۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶ سنن دارقطنی رقم الحدیث ۲۳۰ جامع الاصول

ج ۱ رقم الحدیث ۷۷۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب

رہے گا جو ان کو حکام کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا امر آجائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے۔

(صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۰ (۱۷۰) صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۷۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۷۵۴ سنن الترمذی رقم الحدیث

۲۲۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰ سند احمد ج ۵ ص ۲۷۸ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۷۶

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ (صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۳، (صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۳) (۳۸۷۱) امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں۔

معلویہ بن قرۃ اپنے والد جہنم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل شام فاسد ہو جائیں تو اس میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے اور میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ کامیاب رہے گا جو ان کو ناکام کرنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۸۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۶ سند احمد ج ۵ رقم الحدیث ۲۰۳۸۳ طبع جدید 'سند احمد ج ۳' ص ۲۳۶ ج ۵ ص ۲۵ طبع قدیم 'صحیح ابن حبان ج ۲' رقم الحدیث ۴۳۰۲ 'المجموع الکبیر ج ۸' ص ۵۶ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۷۶

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا جماعت پر ہاتھ ہے اور جو جماعت سے الگ ہو اور دوزخ میں الگ ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۱۷۳ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۷۶ کتاب الاسماء والصفات ص ۲۲۲ کتاب السنن ج ۱ رقم الحدیث ۸۰ المستدرک ج ۱ ص ۸۵)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو مالک اشعری جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تم کو تین چیزوں سے ہٹا دی ہے۔ تمہارے خلاف تمہارا نبی دعام ضرر نہیں کرے گا جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ اور اہل باطل اہل حق پر غالب نہیں ہوں گے اور تم بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۲۲۵۳ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث ۶۷۶۰ اس کی سند ضعیف ہے)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک جوہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی اور جب تم اختلاف دیکھو تو سوا دعا عظیم کے ساتھ رہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۵۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو بصیر غفاری جوہر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں مجھے عطا فرمادیں اور ایک دعا سے مجھے منع فرمایا میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت خط سے ہلاک نہ ہو جیسا کہ پہلی امتیں ہلاک ہو گئی تھیں تو اللہ عزوجل نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے اللہ عزوجل سے یہ سوال کیا کہ ان کو مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کرے جس کے نتیجے میں بعض بعض سے لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے منع کر دیا۔

(سند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۹۶ طبع قدیم دار الفکر بیروت 'سند احمد بن حنبل ج ۱۸' رقم الحدیث ۲۷۱۰۱ دار الحدیث قاہرہ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی المتوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمرو بن قیس انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے وقت مرحوم پر پہنچایا اور میرے لئے مختصر مدت رکھی، ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے اور میں یہ بات بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ اللہ کے برگزیدہ ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں، قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ساتھ ہوگا اور بے شک اللہ عزوجل نے میری امت کے متعلق مجھ سے وعدہ کیا ہے اور ان کو تین چیزوں سے محفوظ رکھے گا: ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو کوئی دشمن نیست و نابود کرے گا اور نہ ان کو گمراہی پر جمع کرے گا۔  
(سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابو بکر عمرو بن عاصم النخاع بن محمد الشیملی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:  
حضرت کعب بن عامر الاشعریؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہو۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(کتاب السنن ج ۱، رقم الحدیث: ۸۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ)  
حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہوں۔ (یہ حدیث حسن ہے) (کتاب السنن ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳)

حضرت ابو مسعودؓ نے فرمایا تم جماعت کے ساتھ لازم رہو کیونکہ اللہ عزوجل سیدنا محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں)  
(کتاب السنن ج ۱، رقم الحدیث: ۸۵، المعجم الکبیر للبخاری ج ۱، ص ۱۷، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۲۱۹)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا ہی نہیں چلے گا۔

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۸۳﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ

اُم میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، بیک میری خیر تدبیر بہت مضبوط ہے۔ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر

مِنْ جَنَّةٍ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۸۴﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

مطلقاً جہنم نہیں ہے، وہ تو صرف کلمہ کھلا ڈانٹنے والے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں میں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ عَسَى أَنْ

خود نہیں کیا اللہ ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے؛ اللہ اس میں کہ شاید ان کا مقررہ

يَكُونُ قَدْ أَقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۵﴾

وقت قریب آچکا ہے، پس اس قرآن کے بعد وہ اور کس پیسنہ پر ایمان لائیں گے۔

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ

جس کو اللہ گمراہی پر رکھے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا

يَعْمَهُونَ ۝ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِمُهَا قُلْ

بھٹھو رہے ہیں ۝ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہیے کہ

إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقَّتِهَا إِلَّا هُوَ تَقَلَّتْ فِي

اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے وقت پر صرف وہی اس کو بطوریں لانے والا، آسمانوں اور زمینوں پر

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَاتِبُكَ

قیامت بہت بھاری ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی، وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے

حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہیں گہرا آپ اس کی خبر دیتے ہیں، آپ کہیے اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن بہت سے لوگ

يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ

انہیں جانتے ہیں ۝ آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ

اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَكُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ وَمَا

چاہتا ہوں، اور اگر میں (ان خود) غیب کو جانتا تو میں (ان خود) خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی

مَسِيئَتِي الشُّوْعَىٰ إِنَّ آتَاكَ إِلَّا تَذِيرٌ وَيَشِيرُ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

تسلیم نہ پہنچتی، میں تو صرف ایمان والوں کو (خدا آپ الہی سے) ڈرانے والا اور (آخری ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بہ تدریج جہنم کی طرف اس طرح لے

جائیں گے کہ ان کو ہاتھی نہیں چلے گا اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ۝

(الاعراف: ۱۸۳-۱۸۴)

مشکل الفاظ کے معنی

سفسطہ رجھم: یہ لفظ استدراج سے بنا ہے اس کا لہجہ درجہ ہے۔ درجہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز

پھیٹ کر کسی جگہ رکھ دی جائے۔ اور استدراج کا معنی ہے کسی چیز کو درجہ بہ درجہ اور بڑھ چلا یا درجہ بہ درجہ اس کو نیچے اتارنا اور

جلد چہارم

طہان القرآن

وقت صحت

معاذ اللہ عنہ

اس کا معنی ہے کسی چیز کو بتدریج لپیٹنا۔ علامہ طاہر مہدی متوفی ۱۹۸۶ء نے لکھا ہے استدراج کا معنی ہے کسی شے کو تدریج سے پکڑنا۔

(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۶۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کی ہلاکت کو قریب کر دیں گے اور ان کے عذاب کو اس طرح دگنا کر دیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چل سکے گا کیونکہ یہ لوگ جب بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں یا کوئی گناہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نعمت اور خیر کے دروازے کھول دیتا ہے اس سے یہ بہت خوش ہوتے ہیں اور سرکشی اور گمراہی میں اور زیادہ منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جوں جوں ان پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں یہ توں توں زیادہ گناہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اچانک ان کو عین غفلت میں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے خزانے لائے گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں مستدرج ہوں کیونکہ تو نے فرمایا ہے ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا۔

املسی لہم: اس کا معنی ہے میں ان کو مصلحت دیتا ہوں۔ الاملاء کا معنی ہے مدت طویلہ۔ قرآن مجید میں ہے آذر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا واھجرنی ملیا (مریم ۳۶) تو ایسی مدت کے لیے مجھ سے دور ہو جا اور ملوان کے معنی ہیں دن اور رات۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۳۰ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

”اں کیدی منین“ کید کے معنی ہیں خفیہ تدبیر اور مبین کے معنی ہیں مضبوط۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں دنیا میں ان کو ان کے کٹر پراسرار کے بلوغد بقی رکھتا ہوں اور ان کو جلدی سزا نہیں دیتا اس لیے کہ یہ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے اور نہ مجھے سزا دینے سے روک سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کید یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب دے گا اور اس کو کید اس لیے فرمایا کہ کفار پر وہ عذاب اچانک آئے گا جس کا انہیں پہلے سے بالکل اندازہ نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے اور تو صرف کھلم کھلا ڈرانے والے ہیں ○ (الاعراف: ۱۸۳)

تفکر کا معنی

اولم یفکروا: فکر وہ قوت ہے جو علم کو معلوم کا راستہ دکھاتی ہے۔ بہ اعتبار فکر عقل کے اس قوت کی جو مافیٰ کو تفکر کہتے ہیں یہ قوت صرف انسان میں ہوتی ہے حیوان میں نہیں ہوتی۔ اور اسی چیز کا تفکر کرنے کے لیے کہا جاتا ہے جس کی صورت عقل میں حاصل ہو سکے اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کی صورت عقل میں حاصل ہو۔ اس لیے فرمایا:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيَّ أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ

کیا انہوں نے اپنے دلوں میں بھی اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ

تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے

(الروم: ۸) صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

اسی طرح اس آیت میں بھی فرمایا ہے کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا (الآیہ) غرض ہر جگہ حقائق کائنات میں تفکر کے لیے فرمایا کہیں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ میں تفکر نہیں کیا۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۷-۳۹۹ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں: عقل سے کسی چیز کے معنی کی تلاش اور طلب کو تفکر کہتے ہیں اور کسی شے میں غور و فکر اور تدبیر کرنے کو تفکر کہتے ہیں۔ جیسے جب ہم بصر (آنکھ) سے دیکھتے ہیں تو انکشاف اور جلاء کی حالت مخصوصہ حاصل ہوتی

ظہان القرآن

جلد چہارم



ہے اور اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم آنکھ کی پتلی کو مٹی (دکھائی دینے والی چیز) کی طرف متوجہ کریں تاکہ ہمیں آنکھ سے یہ رویت حاصل ہو۔ اسی طرح بصیرت کی رویت ہے جس کو علم اور یقین کہتے ہیں اور یہ بھی انکشاف اور جلاء کی حالت مخصوصہ ہے اور اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم انکشاف اور تجلی کو حاصل کرنے کے لیے عقل کی آنکھ کو مطلوب کی جانب متوجہ کریں اور اس فعل کو نظر عقل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انہوں نے فکر نہیں کیا۔ اس میں انہیں نامل اور تدبر کرنے اور اشیاء کی معرفت کے لیے غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اگر وہ غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ نبی ﷺ کو جنون نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۲۰-۳۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

جامل کفار نبی ﷺ کو کیوں مجنون کہتے تھے اور اس کا جواب

کہ میں بعض جمل نبی ﷺ کو دو دھوں سے جنون کی طرف منسوب کرتے تھے:

پہلی وجہ یہ تھی کہ نبی ﷺ کے افعال ان کے افعال کے مخالف تھے کیونکہ نبی ﷺ دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اللہ عزوجل کی یاد اور اس سے دعا کرنے میں مشغول رہتے تھے اس وجہ سے آپ کا فعل ان کے طریقہ کے مخالف تھا لہذا انہوں نے اعتقاد کیا کہ آپ مجنون ہیں۔ حسن بھری اور قتادہ نے بیان کیا کہ آپ رات کو صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو قبیلہ بہ قبیلہ پکارتے اور فرماتے اے بنو فلان اے بنو فلان اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو کوئی کہنے والا کہتا کہ تمہارا یہ صاحب تو مجنون ہے رات سے لے کر صبح تک چلاتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے“۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۱۸۲) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی ﷺ کے معمولات پر غور کرنے کی دعوت دی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ نبی ﷺ ان کو عذاب الہی سے ڈرانے کے لیے رات بھر پکارتے ہیں العیاذ باللہ کسی جنون کی وجہ سے نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ نزول وحی کی وقت نبی ﷺ پر عجیب و غریب حالت طاری ہوتی تھی آپ کا چہرہ خفیر ہو جاتا اور رنگ زرد پڑ جاتا اور گلتا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ پس جامل یہ کہتے کہ آپ پر جنون ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ آپ پر کسی قسم کا جنون نہیں ہے کیونکہ آپ ان کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنے فصیح الفاظ کے ساتھ قطعی دلائل اور قوی براہین پیش کرتے ہیں جس کی فصاحت کا معارضہ کرنے سے تمام دنیائے عرب عاجز تھی۔ آپ کے ہمت عمدہ اخلاق تھے اور آپ کی معاشرت نہایت پاکیزہ تھی آپ کی عادات اور خصلت انتہائی نیک تھیں آپ ہمیشہ اچھے کام کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ تمام صاحبان عقل کے مقتدا اور پیشوا تھے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جو انسان عمدہ اور پاکیزہ شخصیت کا حامل ہو اس کو مجنون قرار دینا کسی طور پر جائز اور درست نہیں ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ کافروں کو عذاب سے ڈرائیں اور مومنوں کو ثواب کی طرف راغب کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں میں غور نہیں کیا اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس میں کہ شاید ان کا مقرر وقت قریب آچکا ہے پس اس قرآن کے بعد وہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ (الاعراف ۷: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بیان فرمایا تھا اور چونکہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر موقوف ہے اس



لے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی الوہیت اور توحید کا بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کی نشانیوں سے اپنی الوہیت پر استدلال فرمایا ہے۔ آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں سے ہم صرف سورج کی شعلے کے ایک ذرہ کو لیتے ہیں، کسی کھڑکی یا روشنی دان سے جب سورج کی شعلے اندر آتی ہے تو ہم چمکیلے ذرات پر مشتمل ایک غبار کو دیکھتے ہیں، ہم ان ذرات میں سے ایک ذرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص سمت اور خاص وضع پر ہے، سوال یہ ہے کہ ہمیں اور اوضاع اور احیاء تو غیر متعلق ہیں تو اس خاص سمت، خاص چیز اور خاص وضع کے لیے اس کا مخصص کون ہے؟ اس طرح وہ ذرہ اپنے جسم، اپنی صورت و شکل، اپنے رنگ، اپنی طبیعت اور اپنے اثرات میں تمام اقسام اور تمام صور اور اشکال اور تمام رنگوں اور تمام طبائع اور اثرات میں مسلولی ہے تو اس خاص جسم، خاص شکل و صورت، خاص رنگ، خاص طبیعت اور اثرات میں ان کا مخصص کون ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مخصص کوئی جسم ہے تو وہ جسم بھی ممکن ہو گا تو پھر ہم اس میں کلام کریں گے کہ اس ممکن کو عدم سے وجود میں لانے کا منہج کون ہے اور پھر یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور قطع تسلسل کے لیے یہ بتانا پڑے گا کہ وہ مخصص اور منہج جسم ممکن اور حادث نہیں ہے بلکہ وہ جسم کا غیر ہے اور قدیم اور واجب ہے اور یہ ضروری ہے کہ وہ قدیم اور واجب واحد ہو کیونکہ ایک سے زیادہ قدیم اور واجب ہوں تو وہ قدم اور وجوب میں مشترک ہوں گے اور کسی اور چیز کی وجہ سے باہم ممتاز اور متمیز ہوں گے، سو ان میں ایک چیز مشترک ہو گا وہ قدم اور وجوب ہے اور ایک چیز متمیز ہو گا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے اور جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کی محتاج ہوگی اور ہر مرکب اور محتاج ممکن ہوتا ہے اور امکان اور احتیاج وجوب، قدم اور الوہیت کے متعلق ہے، اور ایک آسمان دلیل یہ ہے کہ یہ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب ایک نظم اور ایک طریقہ پر ہیں، اس پوری کائنات کا نظام نظم واحد پر چل رہا ہے، سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہو کر دوسری جانب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس چاند کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اور کبھی اس نظام کے خلاف نہیں ہوا، اسی طرح ہمیشہ آسمان پانی برساتا ہے اور فلفلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی اس نظام کے خلاف نہیں ہوا، سیب کے درخت سے کبھی اخروٹ پیدا نہیں ہوا، کبھی کسی حیوان سے انسان یا کسی انسان سے حیوان پیدا نہیں ہوا اور اس پوری کائنات کا نظم واحد پر جاری رہتا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا نظم بھی واحد ہے۔

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہ نے اس عالم کے سوا کوئی دوسرا عالم بنایا ہے اور ہر عالم میں اس سے عظیم عرش ہے، اور اس سے اعلیٰ کرسی ہے اور ان آسمانوں سے وسیع آسمان ہیں، لہذا انسان کی عقل اللہ کے ملک اور ملکوت کا کس طرح احاطہ کر سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المذثرہ: ۳۱)

اور آپ کے رب کے فکر کی تعداد کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

اور جب انسان اللہ کی نشانیوں میں اور کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے اسرار میں سوچ و بچار کرے گا تو اس کے لیے یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

تو پاک ہے ہمیں صرف ان ہی چیزوں کا علم ہے جن کا علم تو

(البقرہ: ۳۲) نے ہمیں دیا ہے۔



العقل ہو تو اس شلوت اور اقرار کے بعد وہ مسلمان ہو گا اور اگر وہ اس شلوت اور اقرار سے منحرف ہو گیا تو وہ مرتد ہو گا اور علامہ سمٹنی نے کہا ہے کہ سب سے پہلا واجب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ان تمام امور پر ایمان لائے جو رسول اللہ ﷺ نے کر آئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دلائل پر غور و فکر کرے بغیر حجت اور دلیل کے ایمان صحیح ہوتا ہے اس پر واضح دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چرا لیتی ہے ایک دن میں اس کے پاس گیا تو بکریوں میں سے ایک بکری کم تھی میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا اس کو بھیڑنا لے گیا تو مجھے انہوں نے ہوا اور میں بھی آخر بنو آدم میں سے ہوں میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا۔ مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا کیا میں اس باندی کو آزاد کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہیں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں؟ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کرو۔

(الوطار رقم الحديث: ۱۵۵۰ صحیح مسلم المسند ۳۲ (۵۳۷) سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۲۸۲ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۱۸ سنن کبریٰ للبخاری رقم الحديث: ۳۱۱۱ لسانہ کدرج ۲۳ رقم الحديث: ۳۸۳ ص ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کو اللہ گمراہی پر رکھے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بہکتا ہوا پھوڑتا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۶)

کافروں کو گمراہی پر پیدا کرنے کا معنی

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کافروں کو اللہ نے گمراہ کیا ہے ورنہ وہ قیامت کے دن یہ حجت پیش کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو گمراہ کر دیا تھا تو ہماری گمراہی میں کیا تصور ہے؟ اور ہمیں اس گمراہی پر سزا کا کس طرح بدلہ و انصاف پہنچتی ہو گا بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب مسلسل کفریہ عقائد پر جیسے رہنے کی وجہ سے کافروں کے دلوں میں گمراہی رائج ہو گئی اور وہ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنے اختیار سے اس چیز کو ضائع کر دیا جو انہیں ہدایت اور ایمان کی دعوت دیتی تو پھر ان کے دلوں اور دماغوں میں دعوت حق کو قبول کرنے کی استعداد لو جاتی رہی اور وہ اس طرح ہو گئے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے اس کے وقت پر صرف وہی اس کو ظہور میں لائے گا آسمانوں اور زمینوں پر قیامت بہت بھاری ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی جستجو میں ہیں آپ کہئے اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۱۸۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

قرآن مجید کے بنیادی مضمون چار ہیں توحید رسالت تقدیر اور قیامت اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید رسالت اور قضاء و قدر کے متعلق آیات نازل فرمائی تھیں تو اب قیامت کے متعلق آیت نازل فرمائی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے فرمایا تھا شاید ان کا مقررہ وقت قریب آچکا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۵) تاکہ انہیں توبہ اور اصلاح پر براہگشتہ کیا جاسکے اس کے بعد فرمایا یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں تاکہ ان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہو کہ قیامت کا وقت لوگوں سے مخفی رکھا گیا

ہے اور اس سے مسلمانوں کو توبہ اور نواہ واجبات میں ہلکی کرنے پر راغب کیا جائے۔  
مشکل الفاظ کے معانی

الساعة: ساعتہ کا معنی معنی ہے زمانہ کا قلیل جز جو غیر معین ہو اور عرفی معنی ہے دن اور رات کے جو ہیں گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ اور اس کا شرعی معنی ہے قیامت یہ وہ وقت ہے جس میں تمام جہان ختم ہو جائے گا حضرت اسرائیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے اور کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

ایمان مرساھا: ایمان کا معنی ہے کب مرسسی کا لفظ ارساء سے بنا ہے ارساء السفینہ کا معنی ہے سمندر میں لنگر ڈال کر جہاز کو ٹھہرانا اور یہاں مراد یہ ہے کہ قیامت کے وقوع اور حصول کا وقت کب ہے۔

لا یحلیہا: اس کا معنی ہے اس کو منکشف نہیں کرے گا یا ظاہر نہیں کرے گا۔

بعثۃ البغت کا معنی ہے کسی چیز کا اچانک بغیر توقع اور وہم و گمان کے واقع ہو جانا قلم بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ قیامت لوگوں پر ٹوٹ پڑے گی اور آنحضور کوئی شخص اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہو گا اور کوئی شخص اپنے مویٹیوں کو پانی چار رہا ہو گا اور کوئی شخص بازار میں سودا بیچ رہا ہو گا اور کوئی شخص اپنے تراندہ کو لوہے پر بیچے کر رہا ہو گا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۱۸۷-۱۸۶، الدر المنثور ج ۳ ص ۶۱۹)

حفی عنہا: الحفی کا معنی ہے کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی جست کو شش کرنا جو شخص کسی چیز کے متعلق سوال کرنے میں جست مبالغہ کرے اس کو حفی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: سئلوا النبی ﷺ حتی احفوه بالمسئلة۔ صحابہ نے نبی ﷺ سے سوالات کیے حتیٰ کہ سوالات میں جست مبالغہ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۰۸۹، صحیح مسلم فضائل ۱۳۷ (۲۳۵۹) ۶۰۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷، طبع قدیم)

وقت وقوع قیامت کو غفلت رکھنے کی حکمت

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی جس وقت قیامت واقع ہوگی اس وقت کو اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کی نظیر قرآن مجید کی حسب ذیل

آیات ہیں:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْقَهْمَانِ (۳۴)

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا (طہ: ۱۵)

بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو غفلت رکھنا چاہتا

ہوں۔

اور وہ کہتے ہیں کہ قیامت کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ اگر تم

سچ ہو ۵ آپ کہتے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو

صرف اللہ کے عذاب سے علی الاعلان ڈرانے والا ہوں۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ

صَادِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا أَعْلِمُهُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا

نَذِيرٌ مُبِينٌ (الملک: ۳۷-۳۵)

اور جب حضرت جبریل نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ جانتے والا نہیں ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ بندوں سے قیامت کے وقوع کے وقت

کو غفلت رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جب انہیں یہ معلوم نہیں ہو گا کہ قیامت کب آئے گی تو وہ اس سے بہت زیادہ ڈریں گے اور ہر

وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے کہ کیسے ایسا نہ ہو کہ وہ گناہوں میں مشغول ہوں اور قیامت آجائے اور اللہ تعالیٰ کی

ملاوت میں ہر وقت کوشاں رہیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)  
علم قیامت کے متعلق لوگوں کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات

امام ابن احنبلؒ امام ابن جریرؒ اور امام ابو الشیخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حمل بن ابی حمیرہ اور سمویل بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اگر آپ برحق نبی ہیں تو ہمیں بتائیے کہ قیامت کب آئے گی؟ کیونکہ ہمیں معلوم ہے وہ کیا چیز ہے تب یہ آیت نازل ہوئی یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں وہ کب آئے گی؟ آپ کہنے لگے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ اللہ۔

امام عہد بن حمید اور ابو الشیخ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی حضرت جبرئیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا السلام علیک یا روح اللہ! انہوں نے جواب دیا وعلیک یا روح اللہ! حضرت عیسیٰ نے کہا اے جبرئیل قیامت کب ہوگی؟ تو جبرئیل نے اپنے پر بٹھاڑے پھر کہا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ ساکل سے زیادہ نہیں جانتا وہ آسمانوں اور زمینوں پر بھاری ہے اور وہ اچانک ہی آئے گی۔ (الدرداء مشور ج ۳ ص ۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ساتیوں میں سے ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم پر غم نہ ہو قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے اس کے سوا اور کوئی تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ رہو گے جس سے محبت کرتے ہو ہم نے پوچھا ہم بھی اسی طرح ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو ہم اس دن بہت زیادہ خوش ہوئے۔ امام مسلم کی روایت ۶۵۸۹ میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت کرتا ہوں۔ ہر چند کہ میرے عمل ان کے عمل کی طرح نہیں ہیں امام مسلم کی روایت ۶۵۹۰ میں ہے اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! میں نے قیامت کے لیے بہت بھاری نمازوں روزوں اور صدقات کی تیاری تو نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۸، ۷۶۷، ۷۱۵۳، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۶۳۹، ۶۵۸۶، ۶۵۸۹، ۶۵۹۱)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مجلس میں مسلمانوں سے گفتگو فرما رہے تھے اسی اثناء میں ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا بعض مسلمانوں نے کہا آپ نے اس کا سوال سن لیا تھا اور اس کو پسند نہیں فرمایا اور بعض نے کہا آپ نے سنا نہیں جب آپ نے اپنی گفتگو مکمل فرمائی تو آپ نے پوچھا وہ شخص کمال ہے جس نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب منصب مائل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۱، ۵۹، ۶۵۹۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۱ جامع الاصول ج ۱۰ رقم الحدیث: ۷۹۰۳)

علامہ سید محمد آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ظاہر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کا علم نہیں تھا ہاں نبی ﷺ قرب قیامت کو اجملی طور پر جانتے تھے اور آپ نے اس کی خبر بھی دی ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں کتابوں کہ نبی ﷺ کو تفصیلی طور پر قیامت کے وقوع اور اس کے احوال کا علم تھا اور اس سلسلہ میں آپ سے بہت احادیث مروی ہیں جن کو ہم باحوالہ جات بیان کر رہے ہیں "فتول وبلند التوفیق۔"

نبی ﷺ کا علامات قیامت کی خبر دینا

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ارض حجاز سے ایسی آگ نمودار نہ ہو جس سے بھری کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۸، صحیح مسلم النسخ ۴۲ (۲۹۰۲) ۱۵۶، جامع الاصول ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۸۸۷)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کذابوں کا خروج نہ ہو جن میں سے ہر ایک یہ زعم کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(صحیح مسلم النسخ ۱۸۳ (۳۴۳) ۲۰۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵، مسند احمد ج ۲، ص ۲۵۰)

۵۷۷، جامع الاصول ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۸۹۵)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، پس جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے اور جو لوگ اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں ان کا اس دن ایمان لانا مفید نہ ہو گا یا جن لوگوں نے اس سے پہلے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۰۶، صحیح مسلم الامین ۲۳۸ (۱۵۷) ۳۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵)

۲۳۵، مسند احمد ج ۵، ص ۱۵۳، جامع الاصول ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۸۹۷)

۴۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ درختے انسانوں سے باتیں نہ کریں اور انسان سے اس کے کوڑے کا پھندا ہلت نہ کرے اور اس سے اس کی جوئی کا تسمہ ہلت نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۸، جامع الاصول ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۸۹۹)

۵۔ حضرت سلامہ بنت حر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ للی مسجد امامت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کہیں گے اور انہیں نماز پڑھنے کے لیے کوئی امام نہیں ملے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۸۷، جامع الاصول ج ۱۰، رقم الحدیث: ۷۹۰۸)

۶۔ قیس بن ابی حازم حضرت مروان السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا نیک لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے اور پچھٹ (بھوسی) باقی رہ جائیں گے جیسے جو کی بھوسی یا ردی کجوریں باقی رہ جاتی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۳، مسند احمد ج ۲، ص ۱۹۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۲، جامع الاصول ج ۱۰،

رقم الحدیث: ۷۹۰۹)

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۰۷، صحیح مسلم النسخ ۵۳ (۲۹۰۷) ۱۵۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۷، الموطا رقم الحدیث: ۲۱۵)



مسند احمد ج ۲ ص ۳۶ جامع الاصول رقم الحديث ۷۹۱۳

۸- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمانہ متقارب ہو جائے سال ایک بار کی طرح گزرے گا اور مہینہ ہفتہ کی طرح گزرے گا اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک گھنٹہ کی طرح گزرے گا اور ایک گھنٹہ آگ کی چنگاری کی طرح گزر جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث ۳۹۲۹ جامع الاصول رقم الحديث ۷۹۱۳)

۹- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت صرف اشرار (بدترین لوگوں) پر قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم المثنیٰ ۱۳۱ (۲۹۳۹) ۷۲۶۸ جامع الاصول رقم الحديث ۷۹۱۶)

۱۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو عظیم جماعتوں میں جنگ نہ ہو ان میں بہت بڑی جنگ ہوگی اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا اور حتیٰ کہ تیس دجالوں کذابوں کا ظہور ہوگا ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور حتیٰ کہ علم اٹھایا جائے گا اور زلزلے بکثرت ہوں گے اور زمانہ متقارب ہوگا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور بکثرت قتل ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث ۳۶۰۹ صحیح مسلم المثنیٰ ۱۷۱ (۲۸۸۸۰) ۷۱۲۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳ جامع الاصول ج ۱۰ رقم الحديث ۷۹۲۰)

۱۱- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت بیش اللہ کے دین کے لیے قتل کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور کسی کی مخالفت سے ان کو ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ ان پر قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال پر ہوں گے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا یا اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی اور اس کا مس ریشم کی طرح ہوگا اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو گا وہ اس کی روح قبض کر لے گی پھر اشرار (بدترین لوگ) باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الامار ۱۷۶ (۱۹۲۳) ۳۸۷۳ جامع الاصول رقم الحديث ۷۹۱۷)

۱۲- حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا تم کسی چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیوں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دعویٰ کیا کہ دجال کا دابہ الارض کا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا یا جوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا ایک مرتبہ مشرق میں ایک مرتبہ مغرب میں ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو بخشی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم المثنیٰ ۳۹ (۲۹۹۱) ۷۱۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۳۹ سنن الترمذی رقم الحديث ۳۱۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث ۳۰۳۱ جامع الاصول رقم الحديث ۷۹۱۷)

۱۳- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سنا ہو آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھایا جائے گا اور جہل کا ظہور ہوگا اور زنا عام ہوگا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی۔

حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہو گا۔

(صحیح مسلم العظم ۱۰ (۳۶۷) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۵)

مسند احمد ج ۳ ص ۳۰ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۳۲

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمانہ متعاقب ہو جائے گا اور علم کم ہو جائے گا اور قتل کا ظہور ہو گا اور قتل بہت زیادہ ہو گا۔

(صحیح مسلم العظم ۱۰ (۳۶۷) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۵)

سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۱ مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۵ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۳۲

۱۵۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت پندرہ کاموں کو کرے گی تو اس پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مل غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے گا اور امانت کو مل غنیمت بنا لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرم نہ سمجھ لیا جائے گا جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں گے اور جب دوست کے ساتھ نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنادیا جائے گا اور جب کسی شخص کے شر کے ڈر سے اس کی عزت کی جائے گی شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گلے والیاں اور ساز رکھ جائیں گے اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو برا کہیں گے اس وقت تم سرخ آنکھوں زمین کے دھنسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۷ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۴۵)

۱۶۔ حضرت ابوباک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو ریشم کو شراب کو اور گائے بجانے کے آلات کو حلال کہیں گے اور ضرور کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ کل آنا اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں کو (جو ریشم شراب اور بلیوں کو حلال کہیں گے) مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندہ اور خنزیر بنادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۳۹ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۴۳)

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عرب کا حاکم وہ شخص نہیں ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا (یعنی محمد اور دوسری روایت میں ہے اگر ایام دنیا میں سے صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اتار لیا کر دے گا حتیٰ کہ اس دن میں ایک شخص کو میرے اہل بیت سے مبعوث کرے گا جس کا نام میرے نام کے موافق ہو جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہو گا وہ زمین کو اس طرح بدلے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳)

۱۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مل بہت زیادہ نہ ہو جائے اور حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے مل کی زکوٰۃ لے کر نکلتے تو اس کو کوئی شخص نہ ملے جو اس کو قبول کرے۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ ۶۰ (۱۰۱۳) ۲۳۰۲ المسکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۴۳۰)

۱۹- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے وہ حاکم علول ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیرہ موقوف کر دیں گے اور مل کو بنائیں گے حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور دنیا سے بہتر ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۲، صحیح مسلم الامان: ۲۳۲ (۱۵۵) ۳۸۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۵)

۲۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۹، صحیح مسلم الامان: ۲۳۲ (۱۵۵) ۳۸۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۶)

۲۱- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف نازل ہوں گے وہ شادی کریں گے اور بن کی لولہ ہوگی اور وہ زمین میں سینتالیس سال رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن کیے جائیں گے میں میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر سے ابو بکر اور عمر کے درمیان سے کھڑے ہوں گے۔

(الوقایہ فی الجہزی ص ۸۱۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۸)

۲۲- حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غنیمت سے بیدار ہوئے در آنحضرت آپ کا چہرہ سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے لا الہ الا اللہ اور اس کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا آپ نے فرمایا عرب کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپ پہنچا ہے یا جوج ماجوج کی بدوش آج کے دن کھل گئی اس کی طرح پھر آپ نے دس کا عقد کیا حضرت زینب نے کہا یا رسول اللہ اکیا ہم ہلاک ہو جائیں گے مگر ہم میں نیک لوگ موجود ہیں آپ نے فرمایا ہاں جب خباثت زیادہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۳، صحیح ابن حبان ج ۲ رقم الحدیث: ۳۲۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۹۰۷، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۰۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۵۳، مسند احمد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۲۷۳۸۶)

۲۳- مجمع بن جابرہ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم دجال کو ہلب لہ پر قتل کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۸، صحیح ابن حبان ج ۱۵ رقم الحدیث: ۶۸۸، المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۱۰۷۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۰۸۳۵)

۲۴- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دابة الارض نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کا عصا ہوگا وہ مومن کے چہرے کو عصا سے روشن کرے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا حتیٰ کہ قبیلہ کے لوگ جمع ہو جائیں گے اور وہ کہے گا یا مومن یا کافر۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۷۹۴۲)

۲۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا ایک طویل اور شہرہ روایت کیا ہے جس کے آخر میں آپ نے فرمایا یوم القیامت یوم عاشوراء ہے۔ (یعنی محرم کے صید کی دس تاریخ)

(فضائل الادب رقم الحدیث: ۲۳، ص ۳۱، مکتبہ المنارۃ مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ)

۲۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الجلد ۱۸، ۸۵۳، ۱۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزی پیدا کی، پھر استواء فرمایا پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا، زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں عجلت سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی۔ (یہ حدیث حکما مرفوع ہے)

(کتاب الاہوالصفات للصحفی ص ۳۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نبی ﷺ نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیوں بیان فرمائیں اور مؤخر الذکر تین حدیثوں میں یہ بھی بتا دیا کہ عرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن، دن کی آخری ساعت میں قیامت واقع ہوگی، مہینہ، تاریخ، دن اور خاص وقت سب بتا دیا صرف سن نہیں بتایا، کیونکہ اگر سن بھی بتا دیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید کا ہو جاتا کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيَكُمُ الْآيَةُ إِلَّا أَنْتَ (الاعراف: ۱۸)

قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اور نبی ﷺ قرآن مجید کے کذب نہیں مصدق تھے اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرماتے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ اور علم روح وغیرہ دیے جانے کے متعلق علماء اسلام کے نظریات قیامت کب واقع ہوگی، بارش کب ہوگی، ماں کے بیٹ میں کیا ہے، انسان کل کیا کرے گا اور کون شخص کس جگہ مرے گا، یہ وہ امور فس ہیں جن کا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بحث اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے یا نہیں۔ بعض علماء سلف نے نیک نیتی کے ساتھ یہ کہا کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں پر مطلع نہیں فرمایا، اور اکثر اہل اسلام نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصاً ان پانچ چیزوں کے علوم میں سے بھی حظ وافر عطا فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ان تمام اجملات کے بعد ہمارے علماء میں یہ اختلاف ہوا کہ بیشتر علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے، آیات و دلائل سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا مغلطہ ہے یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت نل ظاہر جناب خصوص گئے ہیں، کسی نے کہا مقدمات کا، کسی نے نفس کا، بیشتر نے کہا ساعت کا اور عام علماء باطن اور فن کے اہل سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔

(خالص الاعتقاد ص ۲۷، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، کراچی)

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ و علم روح وغیرہ دے جانے کے متعلق  
جمہور علماء اسلام کی تصریحات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں:

فمن ادعی علم شئی منها غیر مستند الی رسول اللہ ﷺ کان کاذباً فی دعواه۔  
جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وساطت کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(المفہم ج ۱ ص ۱۵۶، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد عسقلانی، ملا علی قاری اور شیخ عثمانی نے بھی اپنی شروح میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے:

(محرمہ القاری ج ۱ ص ۲۹۰، فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۳، ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۳۸، مرقات ج ۱ ص ۶۵، فتح المصنوع ج ۱ ص ۱۷۲،  
علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

قال بعضهم ليس في الآية دليل على ان الله لم يطلع نبيه على حقيقة الروح بل يحتمل ان يكون اطلعه ولم يامر به ان يطلعهم وقد قالوا في علم الساعة نحو هذا والله اعلم

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورہ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا، بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو، قیامت کے علم کے حلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد عسقلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۰۳)  
علامہ زرقلی، الموابہب کی شرح میں لکھتے ہیں:

(وقد قالوا في علم الساعة) و باقی الخمس المذكورة في آية ان الله عنده علم الساعة (نحو هذا) یعنی انہ علمہا ہم امر بکنہا۔

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے حلق جن کا سورہ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں نقل رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(شرح الموابہب باللہ فیہ ج ۱ ص ۲۶۵)

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الى انه صلى الله عليه وسلم اوتى علم الخمس ايضا وعلم وقت الساعة والروح وانه امر بكنهم ذالك۔

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے نقل رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور ص ۳۱۹، مطبوعہ بیروت، المحاسن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵، بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ سلوی مالکی لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انه لم يخرج نبينا من علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ

الدنيا حتى اطلعه الله على تلك  
الخمسة ولكنه امره بكتبتها-

نے دنیا سے اس وقت تکدقات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ  
نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرمادیا لیکن آپ  
کو ان علوم کے قفل رکھنے کا حکم فرمایا۔

(تفسیر صادی ج ۳ ص ۲۱۵)

اور علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

لم يقبض رسول الله ﷺ حتى علم كل  
شيء يمكن العلم به-

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تکدقات نہیں پائی جب تک  
کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم دینا  
ممکن تھا۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۳)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ويحوز ان يكون الله تعالى قد اطلع  
حبيبہ عليه الصلوة والسلام على وقت  
قيامها على وجه كامل لكن لا على وجه  
يحاكي علمه تعالى به الا انه سبحانه  
اوجب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم  
كتبه لحكمة ويكون ذلك من خواصه  
عليه الصلوة والسلام وليس عندي ما  
يفيد الحزم بذلك-

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ  
والسلام کو وقوع وقت قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر  
نہیں کہ اس سے علم اشی کا شہادہ والا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت  
کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اس کا خفاء واجب کر دیا ہو اور یہ  
علم رسول اللہ ﷺ کے خواص میں ہے ہو لیکن مجھے اس پر کوئی  
قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳)

امام رازی لکھتے ہیں:

عالم الغيب فلا يظهر على غيبه  
المخصوص وهو قيام القيامة احداثم قال  
بعده لكن من ارتضى من رسول-

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت  
کا تم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا البتہ ان کو مطلع  
فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہو سکے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۳۹)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

والجواب ان العيب ههنا ليس للعموم  
بل مطلق او معين هو وقت وقوع القيامة  
بقريصة السياق ولا يبعد ان يطلع عليه  
بعض الرسل من الملائكة او البشر-

اور جواب یہ ہے کہ یہاں عیب عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ  
مطلق ہے یا اس سے عیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت  
اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات  
متبعہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت  
پر مطلع فرمائے خواہ وہ مل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

(شرح القاصد ج ۵ ص ۶ طبع ایران)



شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وحق است کہ در آیت دلیلے بیست ہر  
آئکہ حق تعالیٰ مطلع نگر دانیدہ است  
حبیب خود را صلی اللہ علیہ وسلم ہر  
ماہیت روح بلکہ احتمال دارد کہ مطلع  
گر دانیدہ باشد و امریکرد اورا کہ مطلع  
گردانید این قوم را و بعضی از علماء در علم  
ساعت ہر این معنی گفتہ اندالی ان قال  
ولے گوید بندہ مسکین حصہ اللہ بنور  
العلم والبقین وچگونہ حرات کند مومن  
عارف کہ معنی علم بہ حقیقت روح سید  
المرسلین و امام العارفین صلی اللہ علیہ  
وسلم کند و دادہ است اورا حق سبحانہ  
علم ذات و صفات خود و فتح کردہ ہر وہ  
فتح مہیں از علوم اولین و آخرین روح  
انسانی چہ باشد کہ در جنب حقیقت  
جامعہ و قطرہ ایست از دریائے ذرہ از  
بیضائے فافہم وباللہ التوفیق۔

سید عبدالعزیز دہلوی عارف کامل فرماتے ہیں:

و کیف یخفی امر الخمس علیہ صلی  
اللہ علیہ وسلم والواحد من اهل التصرف  
من امتہ الشریفۃ لا یمکنہ التصرف الا  
بمعرفة ہذہ الخمس۔

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۷۷۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

لا یعلم منی تقوم الساعة الا اللہ الامن  
ارتضیٰ من رسول فانہ یطلعه علی من یشاء  
من غیبہ والولی تابع لہ یاخذ عنہ۔

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل  
نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو روح کی حقیقت  
پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا  
حکم آپ کو نہ دیا ہو۔ اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے  
میں بھی یہی قول کیا ہے اور بدو مسکین (اللہ اس کو نور علم اور  
یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف  
حضور ﷺ سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے وہ جو سید  
مرسلین اور امام العارفین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات  
اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے  
علوم آپ کو عطا کیے ہیں ان کے سامنے روح کے علم کی کیا  
حیثیت ہے۔ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم  
کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

(مدارج النبوة ج ۲ ص ۳۰)

رسول اللہ ﷺ سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے نقل ہو گا  
حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک  
موجب تصرف نہیں ہو سکتا جب تک اس کو ان پانچ چیزوں کی  
معرفة نہ ہو۔

(الایریز ص ۳۸۳)

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سو اس کے  
پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دے  
دیتا ہے۔ (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں) ارہے اولیاء  
وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۱۷۸)

اعلیٰ حضرت احمد رضا قاضی بریلوی کے شخص اور نتیجے سے حسب ذیل حوالہ جات ہیں:  
علامہ تھوری شرح مجدد شریف میں فرماتے ہیں:

لم يخرج صلى الله عليه وسلم من الدنيا الا بعد ان اعلمه الله تعالى بهده الامور الالهيّة

نہی پیچیدہ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں فیوض کا علم دے دیا۔

علامہ شتوتانی نے جمع التلمیذ میں اسے بطور حدیث بیان کیا ہے کہ:

قد ورد ان الله تعالى لم يخرج النبي ﷺ حتى اطلعه على كل شئ

بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی فوٹ الثریا سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی بریلوی:

هو صلى الله تعالى عليه وسلم لا يخفى عليه شئ من العلم المدكورة في الآية الشريفة و كيف يخفى عليك ذلك والاقطاب السبعة من امنه الشريفة يعلمونها وهم دون العوٹ فكيف بالعوٹ فكيف بسيد الاولين والآخرين الذي هو سبب كل شئ ومنه كل شئ

یعنی قیامت کب آئے گی 'میں کب اور کہاں اور کتنا برسے گا۔ بارہ کے پینٹ میں کیا ہے کل کیا ہو گا۔ فلاں کہاں مرے گا۔ یہ پانچوں غیب جو آپ کریم میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر قحط نہیں اور کیے مگر یہ چیزیں حضور ﷺ سے پوشیدہ ہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں اقطاب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ عوٹ کے نیچے ہے۔ فوٹ کا کیا کتنا پھر ان کا کیا ہم چھتا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے۔ (پیچیدہ)

(خالص الاعتقاد ص ۳۳ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کے انحصار کی خصوصیت کا باعث

سورہ لقمان کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (القصص: ۳۴)

بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا بے شک اللہ ہی جانتے والا (نہی چاہے) خبر دینے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہر چیز کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مشرکین ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے اس لیے بتایا گیا کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کے کائناتوں اور نجومیوں کو ان کا علم ہے اس لیے بتایا گیا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

علامہ اسماعیل حق لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا شمار کیا گیا ہے 'حلاکہ تمام مغیبات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے 'روایت ہے کہ وہابیوں میں سے حادث بن عمریؒ کے پاس آئے اور آپ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا اور یہ کہ ہماری زمین خشک ہے میں نے اس میں بچ ڈالنے ہیں 'بارش کب ہوگی؟ اور میری عورت حائلہ ہے اس کے پیٹ میں مذکر ہے یا مؤنث؟ اور مجھے گزشتہ کل کا تو علم ہے لیکن آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ اور مجھے یہ علم تو ہے کہ میں کس جگہ پیدا ہوا ہوں لیکن میں کہاں مولاں گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز اہل جاہلیت نجومیوں کے پاس جا کر سوال کرتے تھے اور ان کا یہ ذمہ تھا کہ نجومیوں کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے اور اگر کاہن غیب کی کوئی خبر دے اور کوئی شخص اس کی تصدیق کرے تو یہ کفر ہے 'نیا چھوڑنے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے محمدؐ پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام غیب کی خبریں دیتے ہیں تو ان کا یہ خبرنا 'وحی' الہام اور کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے ہوتا ہے 'فلا ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان غیب پر انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کے سوال اور کوئی مطلع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا  
إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (حسن ۷۷: ۲۶-۲۷)  
(اللہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جن کو اس نے پسند فرمایا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اور بعض غیب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا جن کی اطلاع کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَعِندَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهَا شَيْءٌ  
اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا (بذات خود) انہیں کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

قیامت کا علم بھی انہی امور میں سے ہے 'اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو عقلی رکھا لیکن صاحب شرع کی زبان سے اس کی علامتوں کو ظاہر فرمادیا مثلاً خروج دجل 'نزل عیسیٰ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اسی طرح بعض اولیاء نے بھی الہام صحیح سے بارش ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ ملک کے پیٹ میں کیا ہے 'اسی طرح ابو العزم اصفہانی شیراز میں بیمار ہو گئے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے طرطوس میں موت کی دعا کی ہے اگر بالفرض شیراز میں مر گیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دے۔ (یعنی ان کو یقین تھا کہ ان کی موت طرطوس میں آئے گی) وہ تندرست ہو گئے اور بعد میں طرطوس میں ان کی وفات ہوئی اور میرے شیخ نے میں سال پہلے اپنی موت کا وقت بتا دیا تھا اور وہ اپنے بتائے ہوئے وقت پر ہی فوت ہوئے تھے۔

(روح البیان ج ۷ ص ۱۰۵-۱۰۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے علم میں فرق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

۱- بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریات دین سے اور منکر کافر۔

۲- بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا 'مسئوٰی در کنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کہ کوڑا کرڈہ سمندروں سے ایک ذرا سی پوند کے کوڑوں جیسے کوکہ وہ تمام سمندر اور یہ پوند کا کوڑا ہاں حصہ دونوں متعلق ہیں اور متعلق کو متعلق سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الہیہ کے غیر

متنی در غیر متنی در غیر متنی ہیں 'اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش' شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں آخر متنی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں 'شرق و غرب روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متنی ہے۔

بالنسل غیر متنی کا علم تفصیل مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا 'تو جملہ علوم خلق کو علم الہی سے اصلاً نسبت ہوئی ہی محل قطعی ہے نہ کہ معقولہ تو ہم مسلمات۔

۳۔ یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر وافر فیوض کا علم ہے یہ بھی ضروریات دین سے ہے 'ہو ان کا مگر وہ کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا شکر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء تمام جنات سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطائے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے فیوض کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جلتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔ (خاص لا معقولہ ص ۲۳-۲۴) 'مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی

علم کی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قاضی بریلوی لکھتے ہیں

علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یعنی 'یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدی 'ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے محل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے۔ یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی۔

تو آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم فیہ سے انکار ہے 'ان میں قطعاً یہی دو تقسیم مراد ہیں۔ فقہاء کہ حکم تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر بتائے تکفیر ہی تو ہے کہ خدا کی صفت خاصہ دوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی۔ حالانکہ علم عطائی خدا کے ساتھ خاص ہو تا درکنار خدا کے لیے محل قطعی ہے۔ کہ دوسرے کے دے سے اسے علم حاصل ہو پھر خدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط۔ حالانکہ علم غیر محیط خدا کے لیے محل قطعی ہے 'جس میں بعض معلومات مجہول رہیں تو علم عطائی غیر محیط حقیقی 'غیر خدا کے لیے ثابت کرنا خدا کی صفت خاصہ ثابت کرنا کیوں کر ہوا۔

تکفیر فقہاء اگر اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ نص میں کے کہ دیکھو تم غیر خدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو نہ خدا کی صفت نہیں ہو سکتی لہذا کافر ہو یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خدا کی صفت ہے۔ کیا کوئی احمق سا احمق ایسا خبیث جنون گوارا کر سکتا ہے۔ (خاص لا معقولہ ص ۱۸) 'مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی کراچی

علامہ ابن حجر کی متوفی ۷۳۳ھ تحریر فرماتے ہیں:

وما ذکرنا فی الایۃ صرح بہ السووی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاواہ فقال معاہدا لا یعلم بالکث استقلالا و علم احاطۃ بکل المعلومات للہ تعالیٰ۔

یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی 'امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذات خود ہو اور جمیع معلومات ایسے کو محیط ہو۔

(فتاویٰ حدیثہ ص ۲۶۸) 'مطبوعہ مطبعہ صلیبی ابابلی و اولادہ بمصر ۱۳۵۶ھ

علامہ ابن حجر کی نے علامہ نووی کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

معناه لا يعلم ذلك استقلالاً وعلم  
احاطة بكل المعلومات الا الله واما  
المعجزات والكرامات فحصلت باعلام  
الله تعالى للاسما والاولياء لا استقلالاً.  
جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی ہے اس  
سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی استقلالاً غیب کو نہیں جانتا یا اس  
سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کل معلومات کا احاطہ نہیں کر  
سکتا اور معجزات اور کرامات میں اللہ کے خبر دینے سے علم حاصل  
ہو تاکہ استقلالاً نہیں ہو تا۔

(فتاویٰ الامام النووی ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)  
امام محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ البقرہ ۳۴ کی تفسیر میں الانعام ۵۰ کے متعلق لکھتے ہیں:

بدل علی اعترافہ بانہ غیر عالم بكل  
المعلومات۔  
یہ آیت آپ کے اس اعتراف پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کل  
معلومات کو نہیں جانتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)  
نیز امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ (الانعام ۵۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد من قوله لا اقول لكم عندى خزائن  
الله انى لا ادعى كونى موصوفاً بالقدرة  
اللائقة بالاله تعالى ومن قوله ولا اعلم  
المعيب انى لا ادعى كونى موصوفاً بعلم  
الله تعالى وحصل بمجموع الكلامين  
انه لا يدعى الالهية.  
میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس  
سے مراد یہ ہے کہ میں اس قدر تکوونی نہیں کہ اللہ کی شان  
کے لائق ہے۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ میں  
اللہ کے علم سے موصوف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں  
باتوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)  
علامہ محمد بن محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ احمد شلب خٹکی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی  
۷۰۰ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے:

(حاشیہ الشیخ زارہ علی الجلالین ج ۲ ص ۱۶۷، حاشیہ القاضی ج ۳ ص ۶۵، روح المعانی ج ۷ ص ۱۵۵)  
علامہ احمد شلب خٹکی متوفی ۶۰۶ھ شفا کی عبارت کے ساتھ مزج کر کے لکھتے ہیں۔

هذه المعجزة في اطلاعه صلى الله  
تعالى عليه وسلم على الغيب (معلومة  
على القطع) بحيث لا يمكن انكارها  
او التردد فيها لاحد من العقلاء الكثرة  
رواتها واتفاق معانيها على الاطلاع على  
المعيب وهذا الايمان في الايات الدالة على انه  
لا يعلم الغيب الا الله وقوله ولو كنت اعلم  
رسول الله ﷺ کا مجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں  
کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث  
بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت  
ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ متافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے  
سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ کہ نبی ﷺ کو یہ کہنے کا  
حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کر لیتا۔ اس  
لئے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے

الغيب لا تستكثرت من الخبير فان المنفى علمه من غير واسطة واما اطلاعه صلى الله تعالى عليه وسلم عليه باعلام الله تعالى فله فامر متحقق لقوله تعالى فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارضى من رسول-

بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبی پیغمبر کو علم غیب ملتا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

(ضمیمہ الریاض ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نظام الدین حسین بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لا اعلم الغیب (الانعام: ۵۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا اعلم الغیب فیہ دلالة علی ان الغیب بالاستقلال لا بعلمه الا الله۔ آیت کے معنی ہیں کہ علم غیب جو بذات خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔

(تفسیر نیشاپوری علی حاشی جامع البیان ج ۸ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید ابن علی شامی صاحب جامع التفریقین سے نقل فرماتے ہیں:

بحساب بانه يمكن التوفيق بان المنفى هو العلم بالا استقلال لا العلم بالا اعلام او المنفى هو المعزوم به لا المظنون ويؤيده قوله تعالى اتجعل فيها من يفسد فيها الآية لانه غيب المعبر به الملائكة ظنا منهم او باعلام الحق فينبغي ان يكفر لو ادعاه مستقلا لا لو اخبر به باعلام في نومه او يقظته بنوع من الكشف اذ لا منافاة بينه وبين الآية لما مر من التوفيق-

(یعنی فقہاء نے دعویٰ علم غیب پر حکم کفر کیا اور حدیثوں اور ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں قطعی یوں ہو سکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذات خود علم غیب ملتا ہے خدا کے بتائے سے علم غیب کی نفی نہ کی یا نفی قطعی کی ہے نہ کہ نفی کی اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے فرشتوں نے عرض کی کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خون ریزی کریں گے ملائکہ غیب کی خبر نہیں پوچھ کر لائے یا خدا کے بتائے سے تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بغیر خدا کے بتائے علم غیب کا دعویٰ کرے نہ یوں کہ یہ وہ کشف جائگے یا سونے میں خدا کے بتائے سے ایسا علم غیب آیت کے کج معنی میں۔

(ارسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ متعدد کتب خفیہ میں مذکور ہے:

لو ادعی علم الغیب بفسه بکفر-

اگر بذات خود علم غیب حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر

ہے۔ (ارسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۱)

نیز علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال فی التتارخانیہ وفی المحجة دکر فی الملقنط انه لا یکفر لان الاشياء تعرض علی روح السی ۱۱ وان الرسل یعرفون

تاتارخانیہ اور فتاویٰ نجد میں ہے ملقط میں فرمایا کہ جس نے اللہ و رسول کو گواہ کر کے کلام کیا کافر نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ اشیاء نبی پیغمبر پر عرض کی جاتی ہیں۔ اور بیشک رسولوں



بعض الغیب قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب  
فلا یظهر علی غیبہ احد الا من ارتضیٰ من  
رسولہ فقلت ہل ذکر وافی کتب العقائد  
ان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی  
بعض المغیبات وردوا علی المعتزلة  
المستدلین بهذه الاية علی نفيہا۔

کو بعض علم غیب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے  
غیب پر کسی کو مسلط نہیں کر سکتا اگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ علامہ  
شامی نے فرمایا کہ بلکہ انہر اہلسنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ  
بعض غیبوں کا علم ہونا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے  
اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا۔ ہمارے  
ائمہ نے اس کا رد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ اس آیت کریمہ نے اولیاء  
سے بھی مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں فرمائی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ علی بن محمد قازن متوفی ۷۲۵ھ اور علامہ سلیمان جمل متوفی ۷۰۳ھ لایعرف الا ان یطلعنی  
والله علیہ ویقدر لی۔  
لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی  
بغیر غیب کو نہیں جانتا۔

(باب الاولیٰ الخازن ج ۲ ص ۱۶۷ مطبوعہ پشاور حاشیہ الملک علی الجلالین ج ۲ ص ۲۱۷ مطبوعہ کراچی)  
لاشی عبد اللہ بن عمر بخاری متوفی ۲۵۶ھ الانعام ۵۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا اعلم الغیب ما لم یوحی الی ولم  
ینصب علیہ دلیل۔  
آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک وحی یا کوئی دلیل قائم نہ  
ہو مجھے بذات خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(الوار التذیل علی حاشیہ القاضی ج ۳ ص ۶۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین خلکانی متوفی ۷۹۹ھ لکھتے ہیں:  
وعنده مفاتح الغیب وجہ اختصاصها  
به تعالیٰ انه لا یعلمها کما هی ابتداء الا  
هو۔  
یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اس  
کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ  
ابتداءً علمہا نے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں نکلتی۔

(حاشیہ القاضی ج ۳ ص ۷۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین خلکانی متوفی ۷۹۹ھ الحنبلہ ۲۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:  
کانه قبل ما ادري قریب ذالک الموعد و  
بعده الا ان یطلعنی اللہ علیہ لان علم  
الغیب مختص به وقد یطلع علیہ بعض  
خلقه۔  
گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ قیامت کا  
بعد قریب ہے یا بعید ہے سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اس پر مطلع  
فرمادے۔ کیونکہ علم غیب اللہ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اپنی  
بعض مخلوق کو اس پر مطلع فرماتا ہے۔

اور اس کے دو تین طریقہ لکھتے ہیں:

واختصاصہ به تعالیٰ لانه لا یعلم بالذات  
والکنہ علما حقیقیا یقینیا بغیر سبب  
کا اطلاع الغیر الا اللہ وعلیم غیرہ لبعضہ  
غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لیے خاص ہے کہ غیب کا  
بالذات حقیقی اور یقینی بلا سبب علم (مثلاً غیر کو مطلع کر دینا) اللہ  
تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ

ضیاء القرآن

ليس علما للغيب الا بحسب الظاهرو  
بالنسبة لبعض البشر (التي قوله) ولا يقدح  
في هذا الاختصاص كونه معلوما للغير  
باعلامه تعالى اذ الاختصاص اضافي  
بالنسبة الي من عدا المستثنى.

بعض مخلوق کو غیب کا علم جو عطا فرماتا ہے وہ حقیقت میں غیب نہیں  
ہے وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے غیب ہے یا جن بعض لوگوں سے  
وہ پوشیدہ ہے ان کے اعتبار سے غیب ہے۔ اور اس اختصاص کے  
یہ متانی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خیر دینے سے یہ غیب لوگوں کو  
معلوم ہے کہ نیک یہ اختصاص مستثنیٰ کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور  
اضافی ہے۔ (یعنی رسولوں کے سوا اور کسی کو یقینی علم غیب نہیں  
ہوتا) (حاشیہ کاغذی ج ۸ ص ۲۶۱ مطبع دار صادر بیروت)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ الانعام: ۵۰ میں لا اعلم الغیب کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں (یہ کتابوں کہ میں) تمام فیوض کو (جو کہ معلومات الہیہ ہیں) جانتا ہوں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام مقدمات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب  
اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضروری کر دکھائے یا تمام معلومات غیبیہ و شلوہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے  
ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے۔

نیز شیخ عثمانی "قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ" (النمل: ۱۶۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں (اللہ کا علم حصولی نہیں، حضوری ہے، سعیدی غفرلہ) نہ کسی ایک غیب کا  
علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں بلکہ بعض بندوں کو  
بعض فیوض پر اختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا یا غیب  
کی خبر دے دی۔

ان عبارات میں علماء دیوبند نے بھی علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کا اعتراف کر لیا ہے اور دیگر کثیر علماء اسلام  
کی عبارات سے بھی ہم نے اس بحث میں علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کو واضح کر دیا ہے۔

قرآن اور سنت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے عموم اور

علم ما کان وما یکون کی تصریحات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ  
عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان تمام  
جزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ کا  
آپ پر فضل عظیم ہے۔

اس آیت سے علم کلی کے استدلال پر ہم نے اپنی کتاب مقام دلالت و نبوت میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس  
استدلال کی تائید میں بکثرت حوالہ جات نقل کیے ہیں اور اس استدلال پر وارد ہونے والے اعتراضات کا مکمل ازالہ کر دیا ہے۔ جو  
لوگ اس بحث کو تفصیل اور تحقیق سے جانتا چاہتے ہوں ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ عن عمرو قال قام فيما رسول الله ﷺ مقاماً فاعبر ما عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه ونسيه من نسيه۔

حضرت عمرو بن ہشام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں "حتی کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کو اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں" جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۳ مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۲۔ عن حذیفہ قال لقد خطبنا النبي ﷺ خطبة ما نترك فيها شيئاً الى قيام الساعة الا ذكره علمه من علمه وجهله من جهله الحديث۔

حضرت حذیفہ بن یشاق بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ام میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۷ مطبوعہ کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۳۔ عن ابی رید قال صلی بنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاعبرنا بما كان وما هو كائن فاعلمنا احفظنا۔

حضرت ابو ریدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان و مایکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۴۔ عن ابی سعید الخدری قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ یوما صلوة العصر بسماء ثم قام خطيباً فلم يدع شيئاً يكون الى قيام الساعة الا اخبرنا به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه۔

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دیتے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (سنن الترمذی ص ۳۱۹ مطبوعہ کراچی)

۵۔ عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ ان الله زوى لى الارض فرايت مشارقها و معاربها۔

حضرت ثوبان چٹھو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے پیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق و معارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۳۹۰ کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز امام ابو داؤد اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(دلائل التبیۃ ج ۶ ص ۵۲ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۸ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۶۔ (عن معاذ بن جبل قال احتبس عسا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة من صلوة الصبح حتى كدنا نقرأ اى عين الشمس فخرج سرىها فتوب بالصلوة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم و تحوز فى صلوته فلما سلم دعا بصوته فقال لسا على مصافكم كما انتم ثم اسفل اليها فقال اما انى ساحد ثيكم ما حبسنى عنكم الغداة انى قمت من الليل فتوصات فصليت ما قدر لى فتمعت فى صلوتى فاستثقلت فاذا برى تبارك و تعالى فى احسن صورة فقال يا محمد قلت رب لبيك قال فيم يختصم الملاء الاعلى قلت لا ادري رب قالها ثلاثا قال فرأيت وضع كفه بين كنفى قد وجدت برد اما مله بين ثديي فتعلاني كل شئ و عرفت۔ الحديث الى ان قال قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح سالت محمد ابن اسماعيل عن هذا الحديث فقال هذا صحيح۔

حضرت معاذ بن جبل چٹھو بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں آنے کے لیے دیر کی حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے آئے اور نماز کی اگست کھینچی رسول اللہ ﷺ نے مختصر نماز پڑھائی پھر آپ نے سلام پھیر کر آواز بلند ہم سے فرمایا جس طرح اپنی منوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز میں آنے سے کیوں دیر ہو گئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعات نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدار کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آئی پھر مجھے گہری نیند آگئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں غاپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اس نے فرمایا اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ آپ نے کہا میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی صفحہ تک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ (الحديث)

(سنن الترمذی ص ۳۶۶ کراچی)

امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے امام بخاری سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

۷۔ نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں

عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاني ربي في احسن صورة فقال يا محمد فقلت لبيك ربي وسعديك قال فيم يختصم الملاء الاعلى قلت ربي لا ادري فوضع يده بين كتفي حتى وجدت بردها بين ثديي فعلمت ما بين المشرق والمغرب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا میرے رب نے کہا اے محمد میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملائکہ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی لٹٹک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الحديث سنن الترمذی ص ۳۶۶ کراچی)

۸۔ امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاني ربي عز وجل الليلة في احسن صورة احسبه يعني في النوم فقال يا محمد تدري فيم يختصم الملاء الاعلى قال قلت لا قال النبي صلى الله عليه وسلم فوضع يده بين كتفي حتى وجدت بردها بين ثديي او قال فحري فعلمت ما في السموات والارض

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا آج رات کو نیند میں میرا رب عزوجل حسین صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملائکہ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں انہی ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی لٹٹک محسوس کی اور میں نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸)

۹۔ امام احمد بن حنبل نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

فوضع كفيه بين كتفي فوجدت بردها بين ثديي حتى تجلي لي ما في السموات وما في الارض

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی لٹٹک کو اپنے سینے میں محسوس کیا حتیٰ کہ میرے لیے وہ تمام چیزیں منکشف ہو گئیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۶)

حافظ البیہقی ذکر کرتے ہیں:

عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله عز وجل قد رفع لي الدنيا فانظر اليها والي ما هو كائن فيها الي يوم القيامة كانما انظر الي كفي هذا رواه الطبراني ورجاله وثقوا علي ضعف كثير

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھا کر رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے ہرچند کہ اس حدیث کے راوی

تبيان القرآن

ضعیف ہیں لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸، ص ۷۷۷، بیروت)

نبی ﷺ کے علم کے عموم اور علم ماکان و مایکون کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات

حضرت سواد بن قارب جو بیٹو بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا پھر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فاشهد ان الله لا رب غيره

وانك مأمون على كل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

حضرت سواد بن قارب جو بیٹو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے آپ کے چہرہ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ فرمایا افسحت یا سواد اے سواد تم کامیاب ہو گئے۔ اس حدیث کو بکثرت علماء اسلام نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کے اسناد یہ ہیں امام ابو نعیم، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، علامہ ابن عبد البر، علامہ سیوطی، علامہ ابن الجوزی، حافظ ابن کثیر، علامہ بدر الدین عینی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ علی، شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی، علامہ محمد بن یوسف الصلی الشافعی۔

(دلائل النبوة، غلابی نعیم ج ۱، ص ۳۷، دلائل النبوة للصبغی ج ۲، ص ۲۵، استیعاب علی حاشی لا صلیب ج ۲، ص ۳۳، الروض الانف ج ۱، ص ۳۰، الوفا ج ۱، ص ۳۳، السيرة النبوية لابن كثير ج ۱، ص ۲۳۸، حجة القاري ج ۱، ص ۸، المحافل الكبرى ج ۱، ص ۱۷، بیروت، انسان بیروت ج ۱، ص ۳۲۳، تفسیرت الرسول ص ۶۹، بل ہندی دار الشریع ج ۲، ص ۴۰۹) علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وعلمك عالم تكن تعلم من خبر  
الاولين والآخرين وما كان وما هو كائن-

اولین اور آخرین کی خبروں اور ماکان و مایکون میں سے جو  
کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا۔  
(جامع البیان ج ۵، ص ۳۷۳، بیروت)

خاصی میاض لکھتے ہیں:

واما تعلق عقده من ملكوت السموات  
والارض وخلق الله وتعيين اسماء الحسنی  
وآياته الكبرى وامور الآخرة واشراط الساعة  
واحوال السعداء والاشقياء وعلم ما كان  
وما يكون مما لم يعلمه الا وحی-

آسمانوں اور زمینوں کی نشاں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اللہ  
تعالیٰ کے اسماء کی تعیین، آیات کبریٰ، امور آخرت، علامات  
قیامت، اچھے اور برے لوگوں کے احوال اور ماکان و مایکون کا  
علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی ﷺ نے بغیر وحی کے نہیں  
جانتا۔ (الانفاج ج ۲، ص ۱۰۰، لبنان)

ملا علی قادری لکھتے ہیں:

ان علمه (صلی اللہ علیہ وسلم) محیط  
بالکلیات والجزئیات-  
نیز ملا علی قادری فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔  
(الرفاق ج ۱۰، ص ۱۵۱)



کون علمها من علومه صلى الله عليه وسلم ان علومه تتنوع الى الکلیات والحرثیات وحقائق و دقائق و عوارف و معارف تتعلق بالذات والصفات و عملها اسمایکون سطر امس سطور علمه و بهرامن بحور علمه ثم مع هذا هو من برکة وجوده صلى الله تعالى عليه وسلم۔

روح و قلم، علوم نبی ﷺ سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں، کلیات، جزئیات، حقائق، وقائق، عوارف اور معارف کہ ذات و صفات الہی سے متعلق ہیں اور لوج و قلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک خرپے۔ پھر باری ہر وہ ضروری کی برکت سے تو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(الزبدۃ شرح قصیدہ بردہ، ص ۱۱۶ مطبوعہ بیروت کوئٹہ سندھ ۱۳۰۶ھ)

خلفہ ابن جریر مستطانی لکھتے ہیں:

الثابتة والاربعون اطلاق على ما سيكون  
الثالثة والاربعون الاطلاق على ما كان مما  
لم يقله احد قبله۔

نبوت کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ماسیکون (اسور مستقبل) کا علم ہو اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ماکان (اسور ماضی) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۱۲، ص ۳۶۷)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(ابرله بعلمه) اي متلبعا بعلمه  
المحيط الذي لا يعزب عنه مثقال ذرة في  
السموت والارض ومن هنا علم صلى الله  
عليه وسلم ما كان وما هو كائن۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل کیا جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماکان و ماکیون کو جان لیا۔ (روح المعانی ج ۶، ص ۲۲)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علم يقبض النبی صلى الله عليه وسلم  
حتى علم كل بشی يمكن العلم به۔

رسول اللہ ﷺ کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔

(روح المعانی ج ۱۵، ص ۱۵۳)

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم غیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔ (توضیح البیان فی حفظ الایمان، ص ۴۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر کو جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو صرف ایمان والوں کو (عذاب الہی سے) ڈرانے والا اور (آخری ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں۔ (الاعراف: ۱۸۸)

شیخ اسماعیل دہلوی کا رسول اللہ ﷺ کی آخرت میں نفع رسانی پر انکار

اس آیت سے بعض لوگ نبی ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپ

کو اپنے لیے نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے تو دوسروں کو نفع کب پہنچا سکتے ہیں اور اس کی تائید میں ایک حدیث سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۶۶ھ لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ کے باب الخلفاء والامارات میں لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم نے ذکر کیا کہ نقل کیا ابو ہریرہ نے کہ جب اتري یہ آیت کہ ذرا دے تو اپنی برادری کو جو تار کھتے ہیں تم سے تو پکارا پیغمبر نے اپنے ماتے والوں کو پکارا کھاکر کے پکارا اور جدا جدا بھی۔ سو فرمایا اے اولاد کعب بن لوی کی بچھاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ چنگ میں نہیں اختیار رکھتا تمہارا اللہ کے یہاں کچھ یا یوں فرمایا کہ چنگ میں نہیں کام آئے گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ اور اے اولاد مرہ بن کعب اے اولاد عبد الشمس کی بچھاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ چنگ میں نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ اور اے اولاد عبد مناف کی بچھاؤ تم اپنی جان کو آگ سے کیونکہ چنگ میں نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ اور اے فاطمہ بچھاؤ تم اپنی جان کو آگ سے مانگ لے مجھ سے جتنا چاہے میرا مل نہ کام آؤں گا میں تیرے اللہ کے یہاں کچھ نف یعنی اور جو لوگ کسی بزرگ کے قرائی ہوتے ہیں ان کو اس کی حمایت پر بھروسہ ہوتا ہے اور اس پر مضمون ہو کر اللہ کا خوف کم رکھتے ہیں۔ سو اس لیے اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ اپنے قرائیوں کو ذرا دیوے۔ سو انہوں نے سب کو اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار میں ہو سو یہ میرا مل موجود ہے اس میں مجھ کو کچھ مل نہیں اور اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا اپنا درست کر لے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط قرابت کسی بزرگ کی اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آتی جب تک کچھ معاملہ اللہ ہی سے صاف نہ کرے تو کچھ کام نہیں نکلا۔ (تقریرت الامین کلاں ص ۲۹ مطبوعہ مطبع ملکی لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی کی تقریر کا رد اور ابطال

شیخ اسماعیل دہلوی کی یہ تقریر حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ شیخ اسماعیل دہلوی نے اس حدیث کا حوالہ غلط دیا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب الخلفاء والامارات میں نہیں بلکہ ابوداؤد الترمذی کی فصل ثانی میں ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں ص ۴۶۰ پر ہے اور بیروت کی طبع شدہ مشکوٰۃ میں رقم الحدیث: ۵۳۷۳ ہے۔ صحیح البخاری میں رقم الحدیث: ۲۷۵۳ ہے اور صحیح مسلم میں الامین ۳۲۸ (۲۰۴) ۲۹۱ ہے۔ ترمذی میں رقم الحدیث: ۳۱۸۳ سنن النسائی میں رقم الحدیث: ۳۷۳۳ السنن الکبریٰ للنسائی میں رقم الحدیث: ۷۷۳ اور مسند احمد میں ج ۶ ص ۱۸ پر ہے۔

۲۔ مشکوٰۃ میں اس حدیث کو امام مسلم کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگ کے عذاب سے ڈرانے کے بعد یہ جملہ ہے البتہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے میں عنقریب صلہ رحم کروں گا۔ غیر ان لکم رحماً سابلہا بسلاً لہا شیخ اسماعیل دہلوی نے حدیث کے اس جملہ کو چھوڑ دیا ملاحظہ مشکوٰۃ میں مسلم کے حوالے سے یہ جملہ موجود ہے۔ جمل سے انہوں نے اس حدیث کو شروع کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیتا چاہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا اور یہ قرآن مجید کی اس آیت سے متنبہ ہے:

قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ تَنْصُرًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (المنع ۴)  
 آپ کہئے کہ اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی  
 نفع پہنچانا چاہے تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو کسی چیز کا اختیار  
 رکھتا ہو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِنْ أَرَادَ اللَّهُ  
 اللَّهُ (الاعراف ۸۸)  
 آپ کہئے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک  
 نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔

اور اس میں توحید کا بیان ہے اور نبی ﷺ ہر چند کہ مومنین کو اپنی شفاعت سے نفع پہنچائیں گے کیونکہ آپ شفاعت  
 کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی لیکن آپ نے یہاں مطلقاً نفع رسائی سے منع فرمایا تاکہ انہیں عذاب سے  
 ڈرائیں کہ وہ صرف شفاعت پر تکیہ نہ کر لیں اور حق کو آخرت کے لیے کوشش کی ترغیب دیں اور فرمایا میرا تمہارے ساتھ رحم کا  
 تعلق ہے۔ میں مغرب صلہ رحم کروں گا میں یعنی میں اپنے قربت داروں کے ساتھ قربت کی وجہ سے نیکی اور احسان کروں  
 گا۔ (المرقات ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لاہور ص ۲۵۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی ص ۲۵۰ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ مجھ پر تمہارے رحم اور قربت کا حق ہے میں اس کی تری سے اس کو ترکوں گا اور صلہ اور  
 احسان کا اپنی چیزوں کو گاہ اس حدیث میں بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور نبی ﷺ کی شفاعت اس امت کے گنہگاروں  
 کے لیے بھی ہوگی چہ جائیکہ اپنے اقرباء اور خویشین کے لیے اور احادیث سے حق میں شفاعت ثابت ہے اس کے باوجود  
 اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خوف ہوتا ہے۔ (الفتح المصلح ج ۲ ص ۳۷۷ مطبوعہ مطبع نج کلہ کتب)  
 اہل بیت اور اپنے دیگر قربت داروں کو رسول اللہ ﷺ کا آخرت میں نفع پہنچانا  
 امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری جو پیش بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اس منبر پر فرما رہے تھے: میں لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں  
 کہ رسول اللہ ﷺ کی قربت آپ کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی بیشک میری قربت دنیا اور آخرت میں مجھ سے ملی ہوئی ہے  
 اور اے لوگو! جب تم حوض پر آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا پیشوا ہوں گا۔ (الحديث)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸ دار الفکر طبع قدیم اس حدیث کی سند حسن ہے مسند احمد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۱۰۸۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی  
 امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر جو حق سے زیادہ قریب ہوں اور پھر جو حق سے قریب ہوں پھر انصار کی  
 شفاعت کروں گا پھر ان کی جو مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی پھر اہل یمن کی پھر بقی عرب کی پھر اہل اہم کی۔

(المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۳۵۵۰ الکمال لابن عری ج ۲ ص ۷۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۵ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۸۱)

۳۸۰ القردوس بماثر الخلاب رقم الحدیث: ۲۹ اس حدیث کی سند میں حفص بن ابی داؤد حروک ہے اور یث بن سلیم ضعیف ہے لہذا  
 المنوعہ ج ۲ ص ۷۳)

حضرت عمران بن حصین جو پیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو  
 روز قیامت میں داخل نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمایا۔ (القردوس بماثر الخلاب رقم الحدیث: ۳۳۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری لولہ کو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱، رقم الحدیث: ۸۶۸۵، حاشیہ الیشتی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے میرے اہل بیت کے متعلق یہ وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اقرار کیا۔۔۔۔۔ میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔

(المستدرک ج ۳، ص ۱۵۰، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، الکامل لابن عدی ج ۵، ص ۱۷۰۳، کنز العمال رقم

الحدیث: ۳۴۱۵۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی، پھر حضرت علی نے صف میں قتل، حضرت حسین اور حضرت عباس سے حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ پھر حضرت علی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر سبب (نکاح) اور نسب قیامت کے دن منتقل ہو جائے گا سو میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۲، ص ۳۲، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۲۳۳۲، ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۳، السنن

الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۲۵۸، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۲۷۷، ۲۷۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۳۰۹)

حضرت عبداللہ بن ابی لوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوا کیا کہ میں اپنی امت میں سے جس عورت کے ساتھ بھی نکاح کروں اور میں اپنی امت میں سے جس شخص کو بھی نکاح کا رشتہ دوں میرے ساتھ جنت میں ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۵۸، مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۷۷، المستدرک ج ۲، ص ۷۷، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۱۸، کنز

العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۷، اسی سے متعلق روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے، المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۸۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا میں جس کو بھی نکاح کا رشتہ دوں اور جس سے بھی نکاح کروں وہ اہل جنت سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۸، ۳۳۳۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی میرے اہل بیت کے ساتھ کوئی نیکی کی تو میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔ (کامل ابن عدی ج ۵، ص ۷۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۵۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عبدالطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی نیکی کی اور اس نے اس کو دنیا میں اس کا صلہ نہیں دیا تو کل جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو مجھ پر اس نیکی کا صلہ

دیا جاوے گا۔ (المعجم الاوسط ج ۲، رقم الحدیث: ۳۳۶۹، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۵۳)

حضرت عباس بن عبدالطلب رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا اور آپ کی وجہ سے غضب ناک ہو تا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں اب وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۳، ۳۰۸، ۷۵۷۲، صحیح مسلم ابیہم ۲۵۷، ۲۰۹، ۵۰۰، مستدرک ج ۵، ص ۲۰۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

جامع الاصول رقم الحديث: ۲۸۳۳

نفع رسائی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ

مؤخر الذکر پانچ حدیثوں کے علاوہ باقی مذکور الصدر تمام احادیث کو علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی نے بھی بیان کیا ہے (وسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۳۰۵) ان احادیث کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے جو یہ احادیث ذکر کی ہیں ان کے یہ بات معارض نہیں ہے کہ نئی چیز کسی ایک کو بھی اللہ سے مطلقاً نفع یا نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا مالک بنائے گا کہ آپ اپنے اقارب کو نفع پہنچائیں بلکہ آپ شفاعت علمہ اور شفاعت خاصہ کے ذریعہ تمام امت کو نفع پہنچائیں گے سو آپ صرف اسی چیز کے مالک ہوں گے جس کو آپ کا موتی عزوجل مالک کرے گا اسی طرح نئی چیزیں جو یہ فرمایا ہے میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل مستغنی نہیں کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے یہ عزت اور مقام نہیں دے گا جب تک مجھے منصب شفاعت نہیں دے یا جب تک میری وجہ سے مغفرت کرنے کا مرتبہ مجھے نہیں دے گا اس وقت تک میں تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑاؤں گا اور چونکہ یہ مقام اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا تھا اور نیک اعمال پر برکتیں کسے کا تھا اس لیے آپ نے یہ قیود ذکر نہیں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے رحم کے حق کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے اور میں فقیر اس کی تراوت تمہیں پہنچاؤں گا یعنی تم کو نفع پہنچاؤں گا اور یہ ان احادیث میں تطبیق کا بہت عمدہ طریقہ ہے نیز نئی چیزیں نے فرمایا ہے قیامت کے دن میرے اولیاء متقی ہوں گے اللہ اب المفرد اور نئی چیزیں نے فرمایا میرا ولی اللہ ہے اور صالح مومنین ہیں۔ (اصحیح مسلم الامین: ۳۶۶ (۲۱۵) ۵۵۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۳ مسند ابی یوسف ج ۱ رقم الحديث: ۹۱) سو یہ احادیث آپ کے رحم اور اقارب کو نفع پہنچانے کے خلاف نہیں ہیں اسی طرح نئی چیزیں کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنے عمل میں دیر کر دی تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کرے گا۔

(اصحیح مسلم الذکر ۳۸ (۲۶۹۹) ۶۷۲۶ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۹۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۲۵ کنز العمال رقم الحديث: ۲۸۸۴)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا اس کا نسب اس کو بلند درجات تک پہنچانے میں جلدی نہیں کرے گا اس لیے یہ حدیث نجات کے منافی نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا باب بہت وسیع ہے اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی پامالی پر بہت غیور ہے اور نئی چیزیں اللہ تعالیٰ کے عہد ہیں اور وہ صرف اسی چیز کے مالک ہیں جس کا آپ کے موتی نے آپ کو مالک بنادیا ہے اور آپ کی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ (وسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۶۰ مطبوعہ سبیل الہدٰی لاہور ۱۳۹۱ھ)

اس پر دلیل کہ رسول اللہ ﷺ کی نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے عباس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرا سود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ بیشک مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(اصحیح البخاری رقم الحديث: ۱۵۹۷ ص ۲۴۸ (۳۷۰) ۳۰۴۳ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۱۸۷۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۸۶ سنن التسلی رقم الحديث: ۲۹۳۷ الوطار رقم الحديث: ۸۳۵ مسند احمد ج ۱ ص ۱۶ مطبوعہ قدیم رقم الحديث: ۹۹ مطبوعہ جدید دار المعرفہ)

جامع لاصول ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۹

اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے حجر اسود کے نفع اور نقصان پہنچانے کی نفی کی ہے لیکن چونکہ بعض (لا کل سے حجر اسود کا نفع اور نقصان پہنچانا ثابت ہے) اس لیے جمہور علماء نے جنہوں علماء دیوبند اس حدیث میں بالذات کی قید لگائی ہے یعنی تو بالذات نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، لیکن اللہ کی عطا سے نفع بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

حجر اسود بذات نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (فتح المعلم ج ۳، ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ المجاز کراچی)

شیخ غلیل احمد سارنپوری متوفی ۱۳۳۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ حجر اسود بذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (ابن الجوزی ج ۳، ص ۴۰، طبع ملتان)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بغیر اذن الہی کے نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (امداد الفقاری ج ۹، ص ۲۴۰) علامہ باقی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (المستمر ج ۲، ص ۲۸۷) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (ارشاد الساری ج ۳، ص ۵۶) ملا علی قاری نے بھی لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (مرقات ج ۵، ص ۳۲۵) اور علماء دیوبند میں سے شیخ عثمانی نے (فتح المعلم ج ۳، ص ۳۲۲) اور شیخ غلیل احمد نے (ابن الجوزی ج ۳، ص ۴۰) میں لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا، حضرت عمرؓ نے جو حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تو ایک پتھر ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ تو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس میں حضرت عمرؓ کی مراد بیان کرتے ہوئے حقد میں علماء اسلام اور خصوصاً علماء دیوبند سب ہی نے بالذات کی قید لگائی ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو نفع رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں حج کی گواہی دے گا وہ یہ نفع ضرور پہنچائے گا۔ اسی اسلوب پر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے: قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي مَفْعًا وَلَا حَرًّا اِلَّا مَآءَاةَ اللّٰهِ (اعراف ۱۸۸) آپ کہتے ہیں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے۔ علماء اہل سنت یہاں بھی بالذات کی قید لگاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بذات نفع اور ضرر نہیں پہنچاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ میں نفع رکھا ہے وہ نفع آپ پہنچاتے ہیں کہ آپ کا کلمہ پڑھنے، آپ کی تبلیغ اور آپ کی شفاعت سے ارب ہا انسانوں کو نفع پہنچے گا اور وہ سب آپ کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ یہ کوئی کم نفع ہے؟ لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بالذات کی قید لگنا اور ذاتی اور عطائی اختیارات کی تقسیم خالص مشرکانہ عقیدہ ہے اور یہ قید خانہ زاد اور سینہ زاد ہے۔ قرآن مجید نے آپ کی ذات سے مطلقاً نفع رسائی کی نفی کر دی ہے اور ذاتی اور عطائی کی تقسیم اہل بدعت کی ایجاد اور اختراع ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ایک پتھر (حجر اسود) کی نفع رسائی ثابت کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کے قول لا نسمع میں بالذات کی قید لگالیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی نفع رسائی ثابت کرنے کے لیے قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي میں بالذات کی قید لگائیں تو مجرم قرار پائیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

رسول اللہ ﷺ کی اس نفع رسائی سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انہیں محمد رسول اللہ کے توجہ سے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت تک کوئی شخص جنت کا مستحق نہیں ہو گا جب تک وہ محمد رسول اللہ نہیں کہے گا، اللہ اکبر! جن کے نام کی نفع رسائی کا یہ عالم ہے ان کی ذات کی نفع رسائی کا کیا عالم ہو گا اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نفع رسائی کا انکار کرتا ہے وہ آپ کا نام نہ لے لے اور ہمیں جنت میں جا کر دکھلا دے!



رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں افراط، تفریط اور اعتدال پر مبنی نظریات  
رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں افراط پر مبنی یہ عقیدہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے  
مگر کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

الاعراف: ۳۳ کی تفسیر میں ہم نے اس شعر کے رد اور بطلان پر دلائل قائم کیے ہیں۔

اور نبی ﷺ کی نفع رسانی میں تفریط پر مبنی یہ عبارات ہیں:

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

وعرفت ان اقرارهم بتوحيد الربوبية ولم  
يدخلهم في الاسلام وار فصدهم  
الملائكة والانباء برمدون شفاعتهم  
والنقرب الى الله بذلك هو الذي احل  
دماءهم واموالهم۔

اور تم جان چکے ہو کہ ان لوگوں کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا  
ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا اور ان لوگوں کا انبیاء اور  
ملائکہ کی شفاعت کا قصد کرنا اور ان سے اللہ کا قرب حاصل کرنا  
یہ وہ چیز ہے جس نے ان کی جانوں اور مالوں کو مباح کر دیا ہے  
(یعنی ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا جائز ہے)

(کشف المشبات ص ۹، مطبوعہ المکتب السلفیہ، بالمدینہ المنورہ ۱۳۸۹ھ)

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۳۶ھ لکھتے ہیں:

پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے جوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان  
کو اس کے مقتل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور فتنیں مانی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی  
سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ مسئلہ کرے کہ اس کو اللہ کا مخلوق اور بندہ ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک  
میں برابر ہے۔ (تقریرات الامین کلاں ص ۶، مطبوعہ مطبعہ ملی لاہور)

مخلوق کی نذر اور منت مالی ہمارے نزدیک ناجائز اور حرام ہے اور انبیاء علیہم السلام کو جب کہ مستقل سامع اعتقاد نہ کرے  
جیسا کہ ان کو بندہ سمجھنے سے ظاہر ہوتا ہے تو ان کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا بھی جائز ہے اور عہد صلح اور تاجین میں یا محمد  
کہنے کا رواج تھا۔ (کمال ابن اثیر ج ۳، ص ۲۳۶، تہذیب ایضاً ج ۶، ص ۲۲۳، فتاویٰ رشیدیہ کلاں ص ۲۸)

یہ دونوں چیزیں غیر زامی ہیں ہمارا اعتراض اس پر ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو وکیل اور سفارشی سمجھنے پر بھی  
شرک کا فتویٰ دیا ہے اور اس کو ابو جہل کے برابر شرک قرار دیا ہے اور مسئلہ شفاعت میں اس سے بڑھ کر تفریط کیا ہوگی  
اور رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں توازن اور اعتدال پر مبنی نظریہ وہ ہے جس کو اس مقام پر اہل سنت کے مفسرین نے  
بیان فرمایا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف ابو الیمان اندلسی المتوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں ان ہی امور پر قادر ہوں جن پر اللہ عزوجل نے مجھے قدرت دی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ  
کے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہیں۔

(البحر المحیط ج ۵، ص ۲۳۱، حاشیہ القاضی ج ۵، ص ۲۳۳، زاد المسیر ج ۲، ص ۲۹۹، الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۰۱)

امام رازی کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم محیط اور قدرت کاملہ کی نفی کی گئی

ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ بیضاوی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بطور اظہار عبودیت یہ کہلویا گیا ہے۔

(انوار احزاب علی حاشیہ ص ۲۲۲، مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور مراد یہ ہے کہ میں اپنے نفس کے لیے نفع اور ضرر کا کسی وقت بھی مالک نہیں ہوں مگر جس وقت اللہ تعالیٰ بھلائے چاہتا ہے تو مجھے اس پر ظہور فرماتا ہے اور اس وقت میں اس کی مشیت سے اس کا مالک ہوتا ہوں اور یہ استثناء متصل ہے شیخ ابوالہیثم کورانی نے کہا یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ بندہ کی قدرت اللہ تعالیٰ کے لڑن اور اس کی مشیت سے موثر ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج ۹، ص ۱۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

## علم غیب کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے): اگر میں (از خدا) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر کو جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ (اعراف ۱۸۸)

اس آیت سے بظاہر رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے چونکہ غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں جیسا کہ ہم نے قیامت کی بتائی ہوئی نشانیوں کے سلسلہ میں غیب کی خبروں پر مشتمل بکثرت احادیث بیان کی ہیں اور انشاء اللہ ابھی مزید احادیث بیان کریں گے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات کا بھی ذکر کریں گے جن سے رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیا جانا واضح ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں علم غیب کی نفی از خود غیب جاننے کی نفی پر محمول ہے اور ہم اس کی تائید میں مفسرین کرام کے اقوال بھی نقل کریں گے سو پہلے ہم غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے پھر رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات کو ذکر کریں گے پھر اس سلسلہ میں احادیث کا ذکر کریں گے اور آخر میں اس آیت کی توجیہ میں مفسرین کے اقوال ذکر کریں گے فسقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

## غیب کا لغوی معنی

علامہ محمد الدین مبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں علم غیب اور ایمان بالغیب کا بکثرت ذکر ہے اور ہر وہ چیز جو آنکھوں سے عتاب ہو وہ غیب ہے عام ازیں کہ وہ دل میں حاصل ہو یا نہ ہو۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ الغیبة (وہ عورت جس کا شوہر عتاب ہو) کو صلت دو حتیٰ کہ وہ اپنے بکھرے ہوئے پر آگندہ بالوں کو سنوار لے اور موعے زہار صاف کر لے۔ (مسند احمد ج ۴، ص ۲۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک غیب عورت کسی شخص کے پاس کچھ خریدنے گئی اس نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تو اس عورت نے کہا تم پر افسوس ہے میں غیب ہوں (یعنی میرا شوہر عتاب ہے) تو اس شخص نے اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد ج ۱، ص ۱۳۹) نیز حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کے لیے ظہر غیب (اس کے غیاب) میں دعا کرتا ہے تو اس دعا کے ساتھ جو فرشتہ موکل ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ آمین!

(صحیح مسلم اندکر ۸، ۲۷۳۲، ۶۸۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب ملاقات ہو تو اس کو

سلام کرے 'جب اس کو چھینک آئے تو اس کو جواب دے (یہ محکم اللہ کے) جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرے 'جب وہ فوت ہو تو اس کو قبول کرے 'جب وہ فوت ہو تو اس کے جنازہ پر جائے 'اس کے لیے دی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور غیب میں (اس کی غیر حاضری میں) اس کی خیر خواہی کرے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۷۳۲) سنن ترمذی میں ہے جب وہ حاضر ہو یا غائب ہو تو اس کی خیر خواہی کرے۔ (رقم الحدیث: ۳۷۳۶)

(التمایہ ج ۲ ص ۳۵۸-۳۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ مع زیارات)

علامہ محمد بن مکرّم بن منکدر افریقی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

الغیب کا معنی ہے ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو 'امام ابو اعلیٰ نے ہر مضمون بالغیب کی تفسیر میں کہا وہ ہر اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان سے غائب ہے اور اس کی نیا چیز نے خبر دی ہے جیسے مرنے کے بعد جی اٹھنا 'جنت اور دوزخ' اور جو چیز ان سے غائب ہے اور اس کی نیا چیز نے خبر دی ہے وہ غیب ہے 'غیب اس کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے پوشیدہ ہو 'خواہ وہ دس میں ہو 'گنا جاتا ہے کہ میں نے وراء غیب سے آواز سنی یعنی اس جگہ سے سنی جس کو میں نہیں دیکھ رہا۔

(لسان العرب ج ۱ ص ۶۵۳ مطبوعہ ایران ۱۳۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر مثنوی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام اذیہ کہ وہ دل میں ہو یا نہ ہو۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۸۴ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان 'المدینہ المنورہ' ۱۳۱۵ھ)

### غیب کا اصطلاحی معنی

قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ عقلی امر ہے جس کا نہ تو اس (فہم) اور اک کر سکیں اور نہ ہی اس کی بہت عقل نقاشا کرے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کے علم کی کوئی دلیل (ذریعہ) نہ ہو 'اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَعِنْدَهُ مَنَاقِبُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الانعام: ۵۹) اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں 'ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ ہو (خواہ عقلی دلیل سے اس کا علم ہو خواہ خبر سے) جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور قیامت اور اس کے احوال کا علم۔

(انوار البتول مع انکار زبانی ج ۱ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ محی الدین شیخ زاہدہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کی دوسری قسم میں جو قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جس کے علم پر کوئی دلیل ہو اس سے مراد عام ہے وہ دلیل عقلی ہو یا نقلی ہو 'کیونکہ اللہ عزوجل اور اس کی صفات پر عقلی دلائل قائم ہیں (اور ان کو عقل سے جانا جاسکتا ہے) اور قیامت اور اس کے احوال پر دلائل نقلیہ قائم ہیں (اور ان کو قرآن اور احادیث سے جانا جاسکتا ہے) اور یہ دونوں قسمیں غیب میں 'اور غیب کی اس دوسری قسم کو انسان ان دلائل سے جان سکتا ہے 'اور وہ غیب جس کا علم اللہ سبحانہ کے ساتھ مختص ہے وہ غیب کی قسم اول ہے اور سورۃ الانعام کی اس آیت کریمہ میں وہی مراد ہے۔

(حاشیہ شیخ زاہدہ علی تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ حسین بن محمد راجب اصفہانی متوفی ۵۰۴ھ لکھتے ہیں:

الغیب وہ چیز ہے جو نہ حواس کے تحت واقع ہو اور نہ بدایت محض اس کا نقضاً کریں اور اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کی خبر سے ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۷۵ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ)

علامہ احمد شلب الدین خفاجی متوفی ۷۹۹ھ لکھتے ہیں:

غیب کا معنی ہے جو چیز آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسی طرح جو چیز حواس سے اور انسان سے غائب ہو اس پر بھی غیب کا اطلاق ہوتا ہے اور غیب لوگوں کے اعتبار سے ہے اللہ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب نہیں ہے کیونکہ رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے عالم الغیب والاشیاء اس کا معنی ہے جو چیز تم سے غائب ہے اور جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو اللہ ان سب کا عالم ہے اور یومنون بالعجب میں غیب کا معنی ہے جن چیزوں کا حواس سے اور اس نہ ہو سکے اور جن کا بدایت عقل نقضاً نہ کرے اور ان کا علم صرف رسل علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔

(ضمیمہ الرياض ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ  
وَلِيُكْشِرَ اللَّهُ يَحْتَسِبُ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ  
(آل عمران: ۸۷)  
اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کر دے لیکن  
(غیب پر مطلع کرنے کے لیے) اللہ جن لیتا ہے وہ چاہے اور وہ  
اللہ کے رسول ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْغَيْبُ يُوجِبُ إِلَيْكُمْ  
(آل عمران: ۴۴)  
یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف متوجہ  
کرتے ہیں۔

عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا  
إِلَّا مِمَّنْ أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُلِنَا (الحج: ۷۰-۷۱)  
(اللہ) عالم الغیب ہے اور وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا  
ماوا ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے سب  
رسول ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور فیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو وحی  
مکمل ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۸۳ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئیں ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل  
نہیں ہوا کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں خبر صادق، حواس سلیمہ اور  
عقل اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے  
صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

آل عمران: ۷۹ کی تفسیر میں شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو وحی جاتی ہے مگر جس قدر  
خدا چاہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۳۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خاص باری تعالیٰ سے ہے اس میں رسل کی شرکت ہو گئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے وہ امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا۔ یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ تاج کتب لیسٹڈ لاہور کراچی)

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے متعلق احادیث

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

نیا پیچہ کو جس قدر خوب پر مطلع فرمایا گیا تھا اس باب میں احادیث کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکا اور آپ کا یہ معجزہ ان معجزات میں سے ہے جو ہم کو یقینی طور پر معلوم ہیں کیونکہ وہ احادیث معنی متواتر ہیں اور ان کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے معانی غیب کی اطلاع پر متفق ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(الکنز ج ۱ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا اور میرے من اصحاب کو ان کا علم ہے ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۰۳ صحیح مسلم الجتہ ۲۳ (۲۸۹) ۷۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰ سند احمد ج ۵ ص ۳۸۵ جامع الاصول ج ۵ رقم الحدیث: ۸۸۸۳)

۲۔ حضرت ابوزید عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آگئی آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آگئی پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں ماسکوں و مایکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجتہ: ۲۶ (۲۸۳) ۷۳۲ سند احمد ج ۳ ص ۲۱۵ سند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۴۲۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۴۳ جامع الاصول ج ۵ رقم الحدیث: ۸۸۸۵ الامارۃ الثانی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۱۸۳ دلائل النبوة للسیوطی ج ۶ ص ۳۳)

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دیں شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۴۳ امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے سند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۸۳۰ مطبع دار الحدیث قاہرہ)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو مریم رضی اللہ عنہ حضرت زید بن الخطاب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے

احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

۴۔ حضرت ابوذر جھٹھ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔

(مسند احمد ج ۵، ص ۱۵۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۸، مطبوعہ قاہرہ، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۳، مسند ابیہار رقم

الحدیث: ۷۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۵، حاشیہ البیہقی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۶۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

انہ حدیث نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کی خبر دی اور کہ مکرمہ، بیحد المقدس، یمن، شام اور عراق کی فتوحات کی خبریں دیں اور امن کی خبر دی اور یہ کہ کل خیر حضرت علیؑ کے ہاتھوں سے فتح ہوگا اور آپ کی امت پر دنیا کی جو فتوحات کی جائیں گی اور وہ قیصر کسٹی کے خزانے تقسیم کریں گے اور ان کے درمیان جو فتنے پیدا ہوں گے اور امت میں جو اختلاف پیدا ہوگا اور وہ جھلی امتوں کے طریقے پر چلیں گے اور کسٹی اور قیصر کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور پھر ان کی حکومت قائم نہیں ہوگی اور یہ کہ روئے زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا گیا ہے اور آپ نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور آپ نے بنو امیہ اور حضرت معلویہ کی حکومت کی خبر دی اور اہل بیت کی آزمائش اور حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر دی، حضرت معلویہ اور حضرت علیؑ کی لڑائی کی خبر دی، حضرت محمدؐ کی شہادت کی خبر دی، آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے حضرت سیدنا فاطمہؑ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی، اور یہ کہ آپ کے بعد صرف تیس سال تک خلافت رہے گی، اور پھر بلا شہادت ہو جائے گی۔ تیس دہائیوں کے خروج کی خبر دی، قریش کے ہاتھوں امت کی ہلاکت کی خبر دی۔ قدر یہ اور واقعہ کے ظہور کی خبر دی، ائمہ فارس کے دین حاصل کرنے کی خبر دی، اپنی آئندہ اونٹنی کی خبر دی، جنگ بدر میں کافر کس جگہ گر کر مرے گے یہ خبر دی، حضرت حسن کے صلح کرانے کی خبر دی، حضرت سعدؓ کی حیات کے متعلق خبر دی اور یہ خبر دی کہ آپ کی ازواج میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوں گے وہ آپ سے سب سے پہلے واصل ہوگی، حضرت زید بن صوحان کے ہاتھ کے متعلق پیش گوئی کی، سراقہ کے لیے سونے کے کنگنوں کی خبر دی اور امت ہاتھوں کی خبر دی، اب ہم ان تمام امور کے متعلق تفصیلاً احادیث بیان کر رہے ہیں۔

۵۔ حضرت ثوبان جھٹھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا ہے، سو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا، اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سکیڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیے گئے ہیں۔ (الحدیث)

(دلائل النبوت لیبستی، ج ۶، ص ۲۲، صحیح مسلم النسخ ۱۹ (۲۸۸۹) ۷۲۵، ۷۲۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۱، سنن ترمذی رقم

الحدیث: ۲۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

۶۔ سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت معلویہ جھٹھ نے دولت پکڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا اے معلویہ! اگر تم کو کسی علاقہ کا والی بنادیا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا، حضرت معلویہ نے کہا مجھے اس وقت سے یہ یقین تھا کہ مجھے کسی منصب کا والی بنایا جائے گا اور اس کی وجہ رسول اللہ



صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۹ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۳۶ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۳)

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلافت مدینہ میں ہوگی اور طوکیٹ شام میں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۸۸۸ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۳۷)

۸۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے گھر آئے انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور آپ کا سر سہلایا رسول اللہ ﷺ سو گئے پھر بخت ہوئے بیدار ہوئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو سمندر کے راستے جہاد کریں گے۔ حضرت ام حرام نے کہا یا رسول اللہ ﷺ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے آپ نے ان کے لئے دعا کی پھر سو گئے۔ پھر آپ بخت ہوئے بیدار ہوئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ فرمایا مجھے میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ (بخاری کی روایت میں ہے میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر میں جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ رقم الحدیث ۲۹۲۳ میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کریں کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ حضرت ام حرام بہت سلطان حضرت معاویہ کے زمانے میں سمندر کے راستہ جہاد میں گئیں وہ اپنی سواری سے گر گئیں من کو سمندر سے نکلا گیا تو جلن بجی ہو چکی تھیں۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۸۸ صحیح مسلم الجلد ۱۶ ص ۱۶۱ (۱۶۲) سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۳۹۹ سنن اترمذی رقم الحدیث ۱۱۵۲ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۱۷۱ دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۵۲-۳۵۱)

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو میں بنو غلہ اور بنو غلہ کا نام لوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۰۵-۳۶۰۴ صحیح مسلم المثنیٰ ج ۳ ص ۱۹۲ (۱۹۱) دلائل النبوت ج ۶ ص ۳۶۵-۳۶۴)

۱۰۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا جس نے غلہ کی شکایت کی پھر وہ سراسر شخص آیا جس نے راستہ میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے الحیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا میں نے اس کو دیکھا تو نہیں لیکن مجھے اس کی خبر دی گئی ہے آپ نے فرمایا اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ایک مسافر کو دیکھو گے جو الحیرہ سے سفر کر کے کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا میں نے اپنے دل میں کہا پھر اس شہر کے ڈاکو کھل چلے جائیں گے جنہوں نے شہر میں فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکادی ہے۔ (پھر فرمایا) اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مٹی بھر سونایا چاندی لے کر نکلے گا اور اس کو لینے والے کو ڈھونڈے گا اور اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اس کو قبول کرے اور تم میں سے ضرور ایک شخص قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمہ کرے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تمہاری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تم کو تبلیغ کی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تم کو مال نہیں دیا تھا جو تم سے زائد تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو صرف جہنم نظر آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو صرف جہنم نظر آئے گا۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقہ) سے اور جس کو کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو وہ کوئی نیک بات کہہ دے حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسافر کو دیکھا جس نے الحیرہ سے سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو کھولا اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ضرور وہ نشانی دیکھ لو گے جو نبی

شیان القرآن

پیغمبر نے فرمائی تھی کہ ایک آدمی بھر (سونا یا چاندی) لے کر نکلے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۵، دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۲۳)

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسریٰ فوت ہو گیا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے اور جب قیصر ملک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(صحیح مسلم السنن ۷۵ (۲۹۸) ۷۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۲۷، صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم

الحدیث: ۶۷۸۹، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۷۲۷۲، طبع جدید، مسند الشافعی ج ۲، ص ۱۸۶، مسند المسیدی رقم الحدیث: ۱۰۹۳، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۸۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۷۷۷)

۱۲۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کی پوشین لائی گئی اور ان کے سامنے رکھ دی گئی اور قوم میں حضرت سراقہ بن مالک بن جشم بھی تھے، حضرت عمر نے کسریٰ بن ہرمز کے کنگن، حضرت سراقہ بن مالک کو دیے، انہوں نے ان کو اپنے ہاتھوں میں پس لیا جو ان کے کندھوں تک پہنچ گئے۔ جب حضرت عمر نے حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تو فرمایا الحمد للہ! امام شافعی نے کہا حضرت عمر نے حضرت سراقہ کو یہ کنگن اس لیے پہنائے تھے کہ نبی ﷺ نے حضرت سراقہ کی کلائیوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا تھا گویا کہ تمہارے ہاتھ کسریٰ کے کنگن پہنے ہوئے ہیں، امام شافعی نے کہا جب حضرت عمر نے کسریٰ کے کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے تو کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے کسریٰ بن ہرمز سے کنگن چھین کر سراقہ بن جشم کو پہنادیے جو بنو مدیج کا ایک اعرابی ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۲۷-۳۲۵)

۱۳۔ حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھالیا اور میں دنیا کی طرف اور قیامت تک دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ان ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں، جو اللہ عزوجل کے حکم سے روشن ہیں، اس نے اپنے نبی کے لیے ان کو روشن کیا، جس طرح پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا۔

(احیاء امداد بیاء ج ۶، ص ۱۰۰، الجامع الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۰، ۳۱۸۷۹، حلیۃ النبوی لے کہا اس حدیث

کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، اس میں سعید بن سنان و حوالی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۲۸)

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن حوئلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے آپ سے سلمان کی کمی، غربت اور افلاس کی شکایت کی آپ نے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کہ جو کچھ مجھے تم پر اشیاء کی قلت کی بہ نسبت اشیاء کی کثرت کا زیادہ خوف ہے، یہ خدا یہ دین تم میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سرزمین فارس، سرزمین روم اور سرزمین حمیر فتح کر دے گا۔ (الحدیث) (دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۲۷)

۱۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَأَخْرِجْنِ مِنْهُمْ لَعَنًا يَلْحَقُونَ بِهِمْ

(الجمعة: ۳) اور وہ نبی ان میں سے دوسروں کو بھی (کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں) جو ابھی ان سے

لاحق نہیں ہوئے۔

تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ لوگ کون ہیں یا نبی ﷺ نے اس کو جواب نہیں دیا، حتیٰ کہ اس نے دو یا تین مرتبہ سوال کیا اور ہم میں حضرت سلمان فارسی جو پیشہ بھی تھے تو نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اگر ایمان لے لیا (ستارے) کے پاس بھی ہو تو ان کی طرف کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۹۷، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۳۰ (۶۳۷۱۲۵۳۶) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۷) ۱۷- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل کا ملکی نظام ان کے نبی چلا تے تھے، جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے، صحابہ نے پوچھا پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا پہلے کی بیعت سے وفا کرو، پھر پہلے کی، اور ان کے حقوق ادا کرو، کیونکہ اللہ عزوجل ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے عوام کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۵، صحیح مسلم الامارہ: ۳۳ (۱۸۳۲) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱) ۱۸- حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلافت تیس سال رہے گی پھر اللہ جس کو چاہے گا ملک دے دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۶، مسند احمد ج ۵، ص ۲۴، دلائل النبوت ج ۶، ص ۳۲۱) حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال چار ماہ رہی (دس دن کم تھے) حضرت عمر کی خلافت دس سال چھ ماہ چار دن رہی، حضرت عثمان کی خلافت بارہ دن کم بارہ سال رہی اور حضرت علی کی خلافت دو یا تین ماہ کم پانچ سال رہی۔

(دلائل النبوت ج ۶، ص ۳۴۲-۳۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) ۱۸- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اپنے مرض الموت میں فرمایا میرے لیے ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی (خلافت کی) تمنا کرے و لا تمنا کرے گا اور کہے گا کہ میں (خلافت کے) زیادہ لائق ہوں اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کریں گے۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۱۱ (۲۳۸۷) ۶۰۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۶۵، مسند احمد ج ۶، ص ۲۲۸، دلائل النبوت ج ۶، ص ۳۳۳)

۱۹- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے (ایک راوی کا خیال ہے کہ حضرت انس نے حراء پہاڑ کہا تھا) اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ لرزنے لگا، نبی ﷺ نے فرمایا (اے پہاڑ!) ساکن ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۱، ۳۶۸۱، ۳۶۸۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۷، مسند احمد ج ۵، ص ۳۳۱، ۳۳۲، دلائل النبوت ج ۶، ص ۳۵۵)

۲۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: ۳) اے ایمان والو! انہی کی آواز کے اوپر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دونخ سے ہوں اور نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر نہیں ہوئے، نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کے متعلق پوچھا اور فرمایا اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرا پڑوسی ہے اور مجھے اس کی بیماری کا کوئی علم نہیں، پھر حضرت سعد نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے

دریافت کرنے کا ذکر کیا، حضرت ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہو چکی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے میری آواز سب سے اونچی ہے، میں اہل دونخ سے ہوں، حضرت سعد نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا آپ نے فرمایا بلکہ وہ اہل جنت میں سے ہے، امام مسلم کی ایک روایت میں ہے (رقم الحدیث: ۳۱۰) کہ جب حضرت ثابت ہمارے درمیان چلتے تھے تو ہم یقین کرتے تھے کہ یہ جنتی ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۶، صحیح مسلم الاصلین ۷: ۸۸ (۱۱) ۳۰۷) حضرت ثابت سیلہ کذاب کے خلاف جلو کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

(دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۵۵، المستدرک ج ۲، ص ۲۳۲، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۳۲۲)

۲۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کھن رکھے گئے ہیں، میں ان سے گھبرا گیا اور مجھ کو وہ ناگوار لگے پھر مجھے اجازت دی گئی کہ میں ان کو پھونک سے اڑا دوں، سو میں نے پھونک مار کر ان کو اڑا دیا۔ عبید اللہ نے کہا ان میں سے ایک منی تھا جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا سیلہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۳، صحیح مسلم الروایا ۲۲ (۳) ۵۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۹، صحیح ابن جبران ج ۱۵، رقم

الحدیث: ۶۶۵۳، سند احمد ج ۳، ص ۲۳، طبع قدیم، سند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۸۲۵۶، طبع جدید)

۲۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں لیکن وہ ان میں اختلاف اور نزاع پیدا کرنے کے لیے مایوس نہیں ہے۔

(صحیح مسلم النافعین ۶۵ (۲۸۱۲) ۶۹۷۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۳، سند احمد ج ۳، ص ۳۱۳)

۲۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی وہ روئے لگیں، پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ جسنے لگیں، حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے کیا سرگوشی کی تھی جس پر آپ روئیں اور پھر سرگوشی کی تو آپ ہنسیں، حضرت فاطمہ نے فرمایا آپ نے مجھ سے سرگوشی کر کے مجھے اپنی وفات کی خبر دی تو میں روئی پھر سرگوشی کر کے یہ خبر دی کی آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ لاحق ہوں گی تو پھر میں ہنسی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۵۰، صحیح مسلم فضائل صحابہ ۷۸ (۲۲۵۰) ۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۶۷، سند احمد

ج ۶، ص ۲۸۲، الطبقات الکبریٰ ج ۲، ص ۲۳۷، دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۶۵)

۲۴۔ حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ بن الحارث کی ملاقات کے لیے رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے اور آپ نے ان کا نام الشہیدۃ رکھا تھا، وہ قرآن کی حافظہ تھیں، جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا آپ مجھے اجازت دیں تو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں، لور زخمیوں کی مرہم بنی لور بیماروں کی تیمارداری کروں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو شہادت عطا فرمائے گا اور آپ ان کو الشہیدہ کہتے تھے، اور نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کی امامت کیا کریں، ان کو ملخصیت میں سے ایک باہمی لور ایک غلام ملا تھا، جن کو انہوں نے بڑے کر دیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزلو ہو) حضرت عمر کے دور خلافت میں ان دونوں نے حضرت ام ورقہ کو قتل کر دیا اور دونوں بھاگ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو پکڑ لیا گیا اور ان دونوں کو سولی پر لٹکایا، مدینہ میں ان کو سب سے پہلی سولی دی گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج فرمایا تھا، آپ فرماتے تھے چلو الشہیدہ

کی زیارت کے لیے چلیں۔

(مسند احمد ج ۶، ص ۳۰۵، طبع قدیم احمد شاکر نے اس کی ایک سند کو ضعیف اور دوسری سند کو صحیح کہا ہے۔ مسند احمد ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۵۸، ۲۷۵۹، طبع دار الحدیث قاہرہ، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ المستدرک ج ۲، ص ۱۶۸، رقم الحدیث: ۵۴، صحیح ابن خزیمہ، ج ۲، ص ۸۹، رقم الحدیث: ۶۷۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۳۰، دلائل النبوة ج ۶، ص ۳۸۱، الاصابہ رقم الحدیث: ۳۲۹۸، الاستیعاب رقم الحدیث: ۳۱۸۶، اسد الغابہ رقم الحدیث: ۷۲۶، کتاب الشہادت ج ۲، ص ۳۳)

۲۵۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا اور سوچا آج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہوں گا، آپ مسجد میں نہیں تھے، میں آپ کی تلاش میں نکلا آپ اسی گھر میں مندرجہ کنوئیں کی منڈیر پر کنوئیں میں ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، میں اس کے دروازہ پر چلا گیا اور میں نے سوچا کہ میں آج رسول اللہ ﷺ کا دربان بنوں گا، تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ آنے والے نے کہا ابوبکر! میں نے کہا ٹھہریں، پھر رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو، اور ان کو جنت کی بشارت دو، حضرت ابوبکرؓ آکر رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب منڈیر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمرؓ نے دروازے پر دستک دی، میں نے کہا ٹھہریں اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو، وہ آکر رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب منڈیر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے دروازہ پر دستک دی، میں نے کہا ٹھہریں اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے اجازت طلب کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو، اور جنت کی بشارت دو، ان مصائب اور فتنوں کے ساتھ جو ان کو لاحق ہوں گے۔ (ملخصاً)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۴۳، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۹ (۳۳۰۳) ۶۰۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۲، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۴، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۱۸۲۳)

۲۶۔ حضرت مصعب بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ عنقریب واقع ہونے والے ہیں، اس وقت ایک شخص کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپنے ہوئے گزرا، نبی ﷺ نے فرمایا یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہو گا، میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے پھر آپ کی طرف رخ کر کے پوچھا یہ؟ آپ نے فرمایا ہاں!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۳۰، المعجم الکبیر ج ۲۰، ص ۵۴، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۳۷۰۳)

۲۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا۔ پھر آپ نے حضرت عثمان بن عفان کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص فتنوں میں مظلوماً قتل کیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

۲۸۔ ابوسہلہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر صابر ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۸۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲، ص ۳۴، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۷، طبع جدید)

۲۹۔ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر کے متعلق فرمایا جس وقت وہ خندق کھود رہے تھے آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا اے ابن عبد افسوس ہے اتم کو ایک باغی گرد قتل کر دے گا۔

(صحیح مسلم النسخ ۱۷۰: ۱۱۵ (۲۹۱۵) ۷: ۱۸۷ سنن کبریٰ طنساوی رقم الحدیث ۸۰۳۸، دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۳۲۰)

۳۰۔ فضالہ بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت ابو فضالہ جریر کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گیا میرے والد نے کناکاش آپ کی جگہ مجھے اہل آجلی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا حتیٰ کہ مجھے امیر بنا دیا جائے اور میری یہ داڑھی خون سے رنگین ہو جائے یعنی میں شہید ہو جاؤں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو فضالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۲ طبع قدیم احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث ۸۰۲۰ طبع دار الحدیث قاہرہ المستدرک ج ۳ ص ۱۱۳ الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۶۰-۳۶۱ دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۳۸)

۳۱۔ حضرت ابو بکر جریر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہوتے آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ اس کے سب سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح فرمادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۰۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث ۶۱۳۳ مسند احمد ج ۵ ص ۳۹)

۳۲۔ عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں اور آپ دہر کے وقت ایک شیشی اٹھائے ہوئے ہیں جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے میں آج دن سے لے کر اب تک یہ خون جمع کرتا رہا ہوں۔ ہم نے وہ دن یاد رکھا پھر معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اسی دن شہید کیا گیا تھا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲، ۲۸۳ طبع احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث ۲۱۵۵ ج ۳ رقم الحدیث ۲۵۵۳ طبع دار الحدیث قاہرہ المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث ۲۸۳۷ ج ۲ رقم الحدیث ۲۸۳۲ حنفیہ البیہقی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹۳ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۳۹ المستدرک ج ۲ ص ۳۳۳ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابی نے ان کی موافقت کی ہے)

۳۳۔ حضرت عباس بن عبد المطلب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کو کسی کلام سے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا انہوں نے آپ کے پاس ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ لوٹ آئے حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں نے اپنے بیٹے کو آپ کے پاس کسی کلام سے بھیجا تھا وہ آپ کے پاس ایک شخص کو دیکھ کر لوٹ آئے اور بات نہ کر سکے آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ وہ شخص کون تھا وہ شخص جبریل علیہ السلام تھے اور (حضرت ابن عباس) اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک کہ تائید نہ ہو جائیں اور ان کو علم دیا جائے گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث ۲۱۵۹، ۲۸۳۸ طبع جدید المعجم الکبیر رقم الحدیث ۲۵۸۳، ۲۸۳۶ حنفیہ البیہقی نے کہا ہے کہ مسند احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۷۷)



۳۴۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غریب تم مصر کو فتح کرو گے اور یہ وہ زمین ہے جس میں قیراط کا ذکر کیا جاتا ہے تم وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا کیونکہ ان کا ذمہ اور رقم ہے۔ (ذمہ سے مراد حرمت اور حق ہے اور رقم سے مراد یہ ہے کہ حضرت ہاجر، حضرت اسماعیل کی والدہ مصری تھیں)

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۲۷، (۲۵۴۳) ۶۳۷۵، مسند احمد ج ۶، ص ۱۷۳)

۳۵۔ حضرت ابو داؤد ششی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف گئے تو مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا جس پر وہ اپنے ہتھیار ٹکاتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ذات انواط بنا دیجئے جیسا ان کے لیے ذات انواط ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا بھلا اللہ ایہ تو ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان کے خدا ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر سوار ہو گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷، صحیح ابن حبان ج ۵، رقم الحدیث: ۷۷۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۰۷۳، مصنف ابن

ابی شیبہ ج ۵، ص ۱۷۱، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۲۹، ۳۲۹۰)

۳۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سر پر (صدی کی انتہا یا ابتداء پر) اس امت کے لیے اس شخص کو مبعوث کرے گا جو ان کے لیے ان کے دین کی تجدید کرے گا۔ (یعنی بدعات کو مٹائے گا اور جن احکام پر مسلمانوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ان پر عمل کرائے گا)

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰، جامع الاصول ج ۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۱)

۳۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ لی اور جب سلام پھیر لیا تو فرمایا مجھے بتاؤ یہ کون سی رات ہے کیونکہ اس کے ایک سو سال بعد ان لوگوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا جو روئے زمین پر اب زندہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۱۷، (۲۵۳۷) ۳۷۷۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن

الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۸، سنن کبیری للشیخ رقم الحدیث: ۵۸)

۳۸۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودیہ نے ایک بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا پھر وہ نبی ﷺ کو پیش کی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کا ایک دست لیا اور اس میں سے کھلایا اور آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے بھی اس میں سے کھلایا پھر نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے کہا اپنے ہاتھ روک لو اور نبی ﷺ نے اس یہودیہ کو بلوایا اور فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ اس نے کہا ہاں آپ کو کس نے خبر دی؟ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دست کی طرف اشارہ کیا مجھے اس نے خبر دی ہے۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم نے کس لیے ایسا کیا تھا؟ اس نے کہا میں نے سوچا اگر یہ نبی ہیں تو ان کو اس زہر سے نقصان نہیں ہو گا اور اگر یہ نبی نہیں ہیں تو ہماری خلاصی ہو جائے گی۔ نبی ﷺ نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو سزا نہیں دی اور آپ کے بعض اصحاب جنہوں نے اس بکری کا گوشت کھلایا تھا وہ فوت ہو گئے اور نبی ﷺ نے اس بکری سے کھائے ہوئے گوشت کی وجہ سے پیٹھ کے اوپر گردن کے نیچے فصد لگوائی۔ بنو بیاضہ کے آزاد شدہ غلام نے یہ فصد لگائی تھی۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۵۱۰، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۳۳، جامع الاصول

ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۸۷

۳۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک بکری تختہ میں پیش کی گئی جو زہر آلود تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جتنے یہودی ہیں میں سب کو جمع کروں یہودیوں کو جمع کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں؟ کیا تم مجھ سے بیچ بولو گے؟ انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا ہمارا باپ فلاں ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ تب یہودیوں نے کہا آپ نے بیچ کہا اور نیک کام کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں کیا تم مجھے بیچ بیچتا دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم! اور اگر ہم نے جھوٹ بھی بولا تو آپ کو ہمارے جھوٹ کا علم ہو جائے گا جیسا کہ آپ کو ہمارے باپ کے متعلق علم ہو گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل دوزخ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس میں تھوڑی دیر رہیں گے پھر ہمارے بعد تم لوگ دوزخ میں جاؤ گے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دوزخ میں دفع ہو جاؤ؟ یہ خدا ہم تمہارے بعد اس میں کبھی بھی نہیں جائیں گے پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو کیا تم بیچ بیچتا دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا تم کو اس کام پر کس چیز نے برا بھلا کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ضرر نہیں دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۷، مسند احمد ج ۲، ص ۵۱، سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۹، جامع الاصول ج ۱۱، رقم

الحدیث: ۸۸۸۶)

۴۰۔ انصار کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے آپ قبر کھودنے والے کو وصیت فرما رہے تھے کہ یہودیوں کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو، اور سر کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو، جب آپ واپس ہوئے تو ایک عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آیا آپ نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے پس کھانا لایا گیا آپ نے اپنا ہاتھ رکھا پھر قوم نے اپنا ہاتھ رکھا سب نے کھایا ہم نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا آپ اپنے منہ میں ایک ٹکڑہ چبا رہے تھے آپ نے فرمایا مجھے یہ علم ہوا کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جس کو اس کے مالک کی مرضی کے بغیر لیا گیا ہے پھر اس عورت کو بلایا گیا اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے کسی کو قلعہ (بکریاں فروخت کرنے کی جگہ، سنڈی) کی طرف بھیجا تھا تاکہ میرے لیے بکری خرید لی جائے تو بکری نہیں ملی میں نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ بکری مجھے قیمت کے عوض بھیج دے تو وہ پڑوسی نہیں ملا میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے وہ بکری مجھے بھیج دی تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کھانا قیدیوں کو کھلاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۳، جامع الاصول ج ۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۹، مشکوٰۃ رقم

الحدیث: ۵۹۳۲)

۴۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ بدر کے دن) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور آپ نے زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ رکھا تھا کوئی شخص اس سے بالکل متجوز نہیں ہوا (اسی جگہ گر کر مرا) پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو

تبعیان القرآن

تھیسٹ کر بد رکے کنویں میں ڈال دیا گیا۔ مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں کفار بد رکے مرنے کی جگہیں بتا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ کل فلاں یہاں گرے گا انشاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۸، صحیح مسلم النافعین: ۵۵ (۲۸۷۲) ۷۰۸۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳، مسند احمد ج ۳: ۲۵۸-۲۵۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۳۳۸)

۳۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے اس وقت بڑے زور سے آندھی چلی لگتا تھا کہ سوار دفن ہو جائیں گے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک منافق کی موت کی وجہ سے یہ آندھی بھیجی گئی ہے جب ہم مدینہ پہنچے تو ایک بہت بڑا منافق مر چکا تھا۔

(صحیح مسلم النافعین: ۱۵ (۲۷۸۲) ۶۹۰۸، مسند احمد ج ۳: ۳۱۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹۰، جامع الاصول ج ۱۱: رقم الحدیث: ۸۸۸۵)

۳۳۔ حضرت ابو موسیٰ جریڈ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کچھ چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا جب بکثرت سوال کیے گئے تو آپ غضب ناک ہوئے پھر آپ نے لوگوں سے کہا تم جو چاہتے ہو مجھ سے سوال کرو ایک شخص نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ سالم ہے شیعہ کا آزاد کردہ غلام جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۹۰، ۷۳۹۱)

۳۴۔ حضرت سل بن سہد جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا کل میں یہ جہنم ضرور اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں وہ تمام رات مسلمانوں نے اس بے چینی میں گزاری کہ آپ کس کو جہنم عطا فرماتے ہیں صبح کو تمام مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کو اس جہنم کے عطا کیے جانے کی امید تھی آپ نے پوچھا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے پھر حضرت علیؓ کو مسلمانوں نے بلایا وہ لائے گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی وہ تندرست ہو گئے گویا کہ ان کی آنکھوں میں بھی تکلیف ہی نہ تھی آپ نے ان کو جہنم عطا فرمایا حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ میں ان سے اس وقت تک قتل کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں آپ نے فرمایا اطمینان سے جانا حتیٰ کہ تم ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو یہ بتانا کہ ان پر اللہ کا کیا حق واجب ہے اللہ کی قسم اللہ تمہارے سبب سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۹۱، ۳۷۹۲، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۳۳ (۲۳۰۶) ۷۰۶، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۰۳، جامع الاصول ج ۸: رقم الحدیث: ۷۳۹۵)

۳۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری اس بیماری میں عیادت کی جس کی وجہ سے میں موت کے کنارے پہنچ گیا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنی تکلیف ہے میں مل دار ہوں اور میری صرف ایک بیٹی ہے کیا میں اپنا دو تملیٰ مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں میں نے کہا کیا نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر آپ نے فرمایا تملیٰ مال صدقہ کرو تملیٰ مال بہت ہے اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور تم اللہ کی رضا جوئی کے

لیے جو خرچ بھی کرو گے تم کو اس میں اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے اس پر بھی اجر ملے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے احباب کے پیچھے رہ جاؤں گا۔ (یعنی حج کے بعد ان کے ساتھ مدینہ نہ جاسکوں گا؟) آپ نے فرمایا تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو بھی کرو گے تمہارے درجے اس سے زیادہ اور بلند ہوں گے اور شاید کہ تم بعد میں زندہ رہو اور تم سے ایک قوم کو فائدہ اور دوسری کو نقصان ہو اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو قائم رکھ اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹا لیکن سعد بن خولہ پر افسوس ہے حضرت سعد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ان پر اس لیے افسوس کیا کہ وہ مکہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ (حضرت سعد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تک زندہ رہے انہوں نے ایران کو فتح کیا جس سے مسلمانوں کو نفع اور مجوسیوں کو نقصان ہوا)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۰۹ صحیح مسلم الموطا: ۵ (۱۷۸) ۳۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۸ سنن القسطلی رقم الحدیث: ۳۲۲۶ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۵۳ مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۹ ج ۲ ص ۳۶۵-۳۶۲)

۳۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس قوم سے جنگ نہ کرو جو بالوں والے چمڑے کی جوتیاں پہنیں گے اور حتیٰ کہ تم ترکوں سے قتل نہ کرو جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی اور ناک چھٹی ہوگی اور ان کے چہرے ہتھوڑوں سے کوئی ہوئی ڈھالوں کی مانند ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۷ صحیح مسلم الموطا: ۳ (۲۹۳) ۷۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹ مسند عیسیٰ رقم الحدیث: ۱۰۰ جامع الاصول ج ۱۰ رقم الحدیث: ۷۸۷۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم یہود سے قتل کرو گے اور تم ان پر مسلط ہو جاؤ گے حتیٰ کہ ایک پھرے کے گاکہ اے مسلمان! میرے پیچھے ایک یہودی ہے۔ اس کو قتل کر۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۴۳ صحیح مسلم الموطا: ۷ (۲۹۳) ۷۷۷ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۷)

۳۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سے غزوہ ہند کا وعدہ کیا کہ اگر میں اس غزوہ کو پا لوں تو میں اس میں اپنی جان اور مال کو خرچ کروں اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو میں سب سے افضل شہید ہوں گا اور اگر میں لوٹ آیا تو میں جہنم سے آزاد ہوں گا۔ (سنن القسطلی رقم الحدیث: ۳۱۷۳ ۳۱۷۳ مطبوعہ دار السلفۃ بیروت)

۳۸۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور اہل احد پر نماز جنازہ پڑھی پھر آپ منبر کی طرف مڑ گئے (یعنی مسجد کی طرف تشریف لے گئے) آپ نے فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور بے شک اللہ کی قسم میں اب بھی اپنے حوض کی طرف ضرور دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے تمام روئے زمین کے عزائوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں اور بیشک اللہ کی قسم مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) مشرک ہو جاؤ گے اہتہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۳ صحیح مسلم الموطا: ۳۰ (۲۹۱) ۵۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۲ ۳۲۲۳ سنن القسطلی رقم الحدیث: ۱۹۵۳)

۳۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کا فائدہ یہ چار سو (درہم) مقرر کیا اور حضرت عباس نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے پاس بالکل مال نہیں ہے تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا تو وہ مال کہاں

ہے جو تم نے اور ام الفضل نے مل کر دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس صم میں کام آگیا تو یہ مل میرے ان بیٹوں کا ہے: الفضل، عبد اللہ اور قثم۔ حضرت عباس نے کہا اللہ کی قسم! مجھے لب یقین ہو گیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، اس بات کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۳ ص ۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۳۳ھ)

۵۰۔ امام ابن سعد، عبد اللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے دن نوفل کو قید کیا گیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اپنی جان کے فدیہ میں وہ نیزہ دو جو جدہ میں ہے، انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ کے بعد میرے علاوہ کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ میرے پاس جدہ میں نیزہ ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۳ ص ۶۹)

۵۱۔ عاصم بن زید السکونی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جندبؓ کو جب نبی ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا، ان کے ساتھ نبی ﷺ بھی باہر نکلے، آپ ان کو وصیت فرما رہے تھے، حضرت معاذ سوار تھے اور نبی ﷺ ان کے ساتھ پیڈل چل رہے تھے۔ جب آپ نصیحت سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے معاذ! امید ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے اور شاید کہ تم میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو، رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے خیال سے حضرت معاذ رونے لگے، نبی ﷺ نے فرمایا اے معاذ! مت رو، کیونکہ (آواز سے) رونا شیطان کا کام ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵، شیخ ابو شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۱۹۵۳، دلائل النبوت للسیوطی ج ۵ ص ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷)

رسول اللہ ﷺ نے بالخصوص قیامت کے احوال کی جو خبریں دی ہیں، ان کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے چکیں احادیث بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علم ماسکان وما یکون کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے دس احادیث بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے غیب کی جو خبریں دی ہیں اس کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث سے اکیاون احادیث بیان کی ہیں، سو آپ کے علم غیب کے متعلق یہ کل پچاسی احادیث ہیں اور ہر ہر حدیث متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے مزن ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے متعلق تمام احادیث کا احاطہ اور احصاء نہیں کیا اور طوالت کی وجہ سے بے شمار احادیث کو ترک کر دیا، اس سے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم غیب عطا فرمایا تھا، علم کا ایسا عظیم سمندر ہے جس کا تصور بھی ہم لوگ نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ ﷺ سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا۔ علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ احادیث مجھ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے بکثرت واقعات کی خبر دی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے عظیم معجزوں میں سے ہے تو ان احادیث اور آیت کریمہ "لو کست اعلم الغیب لاستکثرت من الحسیر" (اعراف: ۱۸۸) میں کیسے تطبیق ہوگی تو میں کہوں گا کہ ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ سے بطور تواضع اور ادب یہ کلمات کہلوائے ہوں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے مطلع اور قلندر کے بغیر میں غیب کو نہیں جانتا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو غیب پر مطلع کرنے سے پہلے یہ کلمات کہلوائے ہوں، پھر جب اللہ نے آپ کو مطلع کر دیا تو آپ نے غیب کی خبریں دیں، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے: عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداء الا من ارٹضیٰ من رسول۔ (الحج: ۲۷-۲۸)

یا اس آیت میں کفار کے سوال کا جواب ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے منیبات پر مطلع فرمایا تو آپ نے ان کی

تبیان القرآن

جلد چہارم

خبریں دی اور یہ آپ کا مجروحہ ہو گیا اور آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل۔ (الباب الاول للفاظن ج ۲ ص ۲۱ مطبوعہ پشاور)  
علامہ سلیمان جمل متوفی ۳۳۰ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۷۰۷ھ نے بھی ان جوابات کو ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان نے ان جوابات کو اختیار کیا ہے اور علامہ آلوسی نے ان جوابات میں تامل کی دعوت دی ہے۔

(حاشیہ المجل علی الجلالین ج ۲ ص ۲۱ روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۷)

علامہ آلوسی کا مختار جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم غیب کے استمرار کی نفی ہے یعنی اگر میں ہمیشہ غیب کو جانتا ہوتا تو خیر کثیر کو جمع کر لیتا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر علم کی نفی کرائی گئی ہے اور جن احوادث میں علم کا ثبوت ہے وہ اللہ کے بتانے سے ہے۔ (نہج الریاض ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہ کلام براہ ادب و تواضع ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ذات سے غیب نہیں جانتا جو جانتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی اطلاع سے (خازن) حضرت مترجم (اعلیٰ حضرت) اللہ سے سرونے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو سکتا ہے جو ذاتی قدرت رکھے اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے تو اس کے تمام صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہو تا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا بھلائی سے مراد رافضی اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے اور برائیوں سے مراد فحش اور تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو اور برائی سے بد بخت لوگوں کا بلو جو دعوت کے محروم رہ جانا تو حاصل کلام یہ ہو گا کہ اگر میں نفع اور ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اسے منافقین و کافریں جیسے سب کو مومن کر ڈالتا اور تمہاری کلری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

(خزانة العرفان علی حاشیہ کنز الایمان ص ۲۸۲ مطبوعہ تاج کینی لینڈ لاہور)

علماء دیوبند نے بھی اس سے ملتی جلتی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں علماء دیوبند کا نظریہ

منفی محمد شفیع دیوبندی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں۔ دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ذکر ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہوتا میرے لیے ضروری ہو اور اگر مجھے علم غیب ہو تا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا۔ اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور معزرتیں ایسی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ معزرت و تکلیف پہنچ گئی۔ غزوہ مدینہ کے موقع پر آپ صحابہ کرام کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کا ارادہ کر کے حدود حرم تک پہنچ گئے مگر حرم میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی اس وقت نہ ہو سکی سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔



اسی طرح غزوہ اُحد میں آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی، اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔

اور شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلایق ہیں مگر پھر بھی وہ خدا کی علم و قدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدا کی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔

اس آیت نے بھی یہ واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ طور مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دے دیا جائے۔

ہاں اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے خصوصاً ہمارے رسول کریم ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

(معارف القرآن ج ۳، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۹۳ء)

اس کی مزید وضاحت اس تفسیر سے ہوتی ہے جو شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۷۸ھ نے التلخیص میں سپرد قلم کی ہے۔

ہاں بعض بے بنیادوں کو بعض غیوب پر با اختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمایا یا غیب کی خبر دے دی، لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلان عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ ظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موعوم ہوتے ہیں، اس لیے علماء محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لغت صحیح ہوں (الی قولہ) واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض غنوں و غنیمات نہیں اور نہ وہ علم جو قرآن و دلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل و قرینہ نہ ہو وہ مراد ہے۔ اور الاعراف ۱۸۸ کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں: بہر حال اس آیت میں کھول کر بتا دیا کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں جیسا کہ بعض جملاء سمجھتے ہیں۔ ہاں شریعات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کمال ہونا چاہیے اور تنگ بینات کا علم نہ اتنا ہی جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو باوجود عالم ماکن و مایکون ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مطلقاً یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ غیب جانتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو غیب کا علم دیا گیا نبی ﷺ کو غیب پر مطلع کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں اعلیٰ حضرت کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

تبیان القرآن

علم غیب عطا ہوتا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ علم الغیب وارد ہے کمافی مرآۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للملا علی القاری بلکہ خود حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے کہ ان ینعلم علم الغیب مگر قاری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفا علم بگذات مقبور ہے۔ کشف میں ہے المراد به الخفی الذی لا ینفد فیہ ابتداء العلم اللطیف الخبیر ولہذا لا یحوران یطلق فیقال فلا ینعلم الغیب (غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے جس میں ابتدا صرف اللہ تعالیٰ کا علم بخزائنہ ہوتا ہے۔ اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب کو جانتا ہے)

اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس ﷺ قطعاً بے شمار غیوب و ماکن و مایکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا جس طرح حضور اقدس ﷺ قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کو کہا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غرض صدق و صورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی امام ابن المنیر اسکندری کتاب الاتصاف میں فرماتے ہیں کم من معتقد لا یطلق القول به خشية ابهام غیرہ مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد و الاطلاق (کتنے عقائد ایسے ہیں جن کا مطلقاً قول نہیں کیا جاتا۔ مبادا ان کے غیر کا وہم کیا جائے جن کا اعتقاد جائز نہیں ہے اس لیے کسی چیز کا اعتقاد رکھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں کوئی تلازم نہیں ہے) یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایمان زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشف میں فرماتے ہیں و اسمالم یحیر الاطلاق فی غیرہ تعالیٰ لانه یتبادر منه تعلق علم به ابتداء فیکون مناقضا و اما اذا قید و قبل اعلمہ اللہ تعالیٰ الغیب او اطلعه علیہ فلا محذور فیہ (اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے مقبور یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداء ہے تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ (نکدنی رضویہ ج ۲ ص ۸۷ مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

علم مافی اللہ (کل کا علم) کے بارہ میں ام المؤمنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم مافی اللہ تھا (کل کا علم تھا) وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جمالت ہے علم جب کہ مطلق ہو لا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔

(مخوفات ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ مدینہ بہشتک کہنی کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور شیخ شہیر احمد عثمانی دونوں نے ہی یہ تصریح کی ہے کہ علوم اولین و آخرین کے حامل ہونے اور بکثرت غیوب پر مطلع ہونے کے بلوجود نبی ﷺ کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا ہر چند کہ از روئے لغت اور معنی صحیح ہے لیکن اصطلاحاً صحیح نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

وہ (اشد ہی) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کی بیوی بنائی

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ

تاکہ وہ اس کے سکون حاصل کرے، پھر مرد نے جب اسے ڈھانپ لیا تو اسے خفیہ حامل ہو گیا وہ اس کے ساتھ چل پھری

فَلَمَّا أَتَتْكَ ذَعَاكَ اللَّهُ رَبُّهُمَا لِيُنِيبَ آتَيْنَا مَا لَكُنْ تَكُونَنَّ

تھی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اشر سے دعا کی جو ان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں صبح و شام بتا دیا تو ہم ضرور

مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۸﴾ فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلْنَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيهَا

شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ۳۸ پس جب اللہ نے انہیں صبح و شام بتا دیے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک

أَتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۹﴾ أَيْشُرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ

تھیرا لیے، سو اشر اس سے بند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں ۳۹ کیا یہ ان کو شریک قرار دیتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں

شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ﴿۴۰﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرٌ وَلَا أَنْفُسُهُمْ

کرتے اللہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ۴۰ اللہ وہ ان (شرکیں) کے لیے کس مدد کی طاقت نہیں رکھتے اللہ نہ خود اپنی مدد

يَنْصُرُونَ ﴿۴۱﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ

کرتے ہیں ۴۱ اللہ (لئے مشرک) اگر تم ان تہوں کو ہدایت کے حصول کے لیے پکارا تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں گے سواہ سے

عَلَيْكُمْ أَدْعُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ مُنْتَوُونَ ﴿۴۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ

یہے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا تم غامض رہو ۴۲ جبکہ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ

تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم ان کو پکارو اللہ پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں

إِنْ كُنْتُمْ مُدْرِكِينَ ﴿۴۳﴾ أَلَمْ أَرْجُلْ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَكُمْ أَيْدٍ

اگر تم پہنچے ہو ۴۳ کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ ہیں

يُطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ

بن سے وہ پکڑ سکیں ، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں ، یا ان کے کان ہیں

يَسْمَعُونَ بِهَا قُلْ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنْظَرُونَ ﴿۱۹۵﴾

جن سے وہ سن سکیں ، آپ کہیے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور پھر اپنی تدبیر مجھ پر آزماد اور اس کے بعد مجھے (بالکل) محبت مست دے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کی بیوی بنتی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے پھر جب مرد نے اسے ڈھپ لیا تو اسے خفیہ حاصل ہو گیا وہ اسی کے ساتھ چل پھر رہی تھی پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی جو ان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم بنادیا تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس کی عطائیں شریک ٹھہرا لیے سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں ○ (الاعراف: ۱۸۹-۱۹۵)

ان روایات کی تحقیق جن میں مذکور ہے کہ حضرت آدم اور حوا نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سرہ بن جندب جو بیڑ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب حوا حملہ ہو گئی تو ان کے پاس ابلیس گیا حوا کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا ابلیس نے ان سے کہا تم اس کا نام عبد الحارث رکھ دو انہوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا پھر وہ بچہ زندہ رہا یہ کام شیطان کے دوسرے قتلہ امام عبد الرزاق نے قتلہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نام رکھنے میں شرک کیا تھا عبادت میں شرک نہیں کیا تھا۔

(تفسیر امام عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۸، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۱۳، المستدرک ج ۲،

ص ۵۳۵، الدر المنثور ج ۳، ص ۳۳۳)

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صرف عمر بن ابراہیم از قندہ کی سند سے مودی ہے۔ اور اس کی روایت لائق احتجاج

نہیں ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا ہے اس نے قندہ سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ امام ابن عدی نے کہا اس نے قندہ سے ایسی احادیث روایت کیں ہیں جن میں اس کی کوئی موافقت نہیں کرتا امام ابن حبان نے اس کا ضعف میں شمار کیا اور کہا جب یہ قندہ سے روایت میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

(تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۵۹، رقم الحدیث: ۵۰۳۰، تہذیب الکمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰، لسان المیزان ج ۳، رقم

الحدیث: ۱۹۵۹)

حافظ علاء الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ روایت اہل کتب کے آثار سے ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث صحیح ہے کہ جب اہل کتاب تم سے حدیث

بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور اہل کتب کی روایات کی تمین تمیں ہیں، بعض وہ ہیں جن کا صحیح ہونا ہمیں کتب اور سنت سے معلوم ہے۔ بعض وہ ہیں جن کا کذب ہمیں کتب اور سنت سے معلوم ہے۔ (مثلاً حضرت عیسیٰ کو یسود کا سولی پر لٹکا کر اور بعض وہ ہیں جن کا صدق یا کذب متعین نہیں ہے۔ اور اس روایت کا کذب ہمیں معلوم ہے کیونکہ اگر دونوں میاں بیوی سے مراد حضرت آدم اور حوا ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ دونوں مشرک ہوں کیونکہ اس سے اگلی آیت میں ہے پس جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور معصوم ہیں ان کا شرک کرنا علوۃً محل ہے، اور امام عبدالرزاق کی روایت کلی سے ہے اور اس کا اصل سب کو معلوم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۵، مطبوعہ دار الاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے: سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم اور حوا کو زمین پر اتارا گیا تو حضرت آدم کی طبیعت میں شہوت ذال دی گئی اور انہوں نے حضرت حوا سے عمل زوجیت کیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے پیٹ میں بچہ حرکت کرنے لگا اور وہ سوچتی تھیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ ان کے پاس انہیں گیا اور کہنے لگا تم نے زمین پر اونٹنی گائے بکری دنبہ اور بھیڑ کو دیکھا ہے؟ ہو سکتا ہے تمہارے پیٹ سے ایسی ہی کوئی چیز نکلے، حضرت حوا یہ سن کر گھبرا گئیں، اس نے کہا میری بات مان لو، اس کا نام عبدالحارث رکھو تو پھر تمہارے مشابہ بچہ پیدا ہو گا۔ حوا نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت آدم نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس نے ہم کو جنت سے نکلوا یا تھا، وہ بچہ مر گیا، حضرت حوا دوبارہ حاملہ ہوئیں انہیں پھر ان کے پاس گیا اور کہا میری بات مان لو اس کا نام عبدالحارث رکھو، اور انہیں کا نام فرشتوں میں حادث تھا، اس نے کہا اور نہ کوئی اونٹنی یا گائے یا بکری یا بھیڑ پیدا ہو گی یا تمہارے مشابہ بچہ ہو تو میں اس کو مار دوں گا جیسے میں نے پہلے بچہ کو مار دیا تھا۔ حوا نے اس واقعہ کا حضرت آدم سے ذکر کیا انہوں نے گویا اس پر ناگواری ظاہر نہیں کی تو حوا نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ سعید بن جبیر نے ان آیات کا صدق حضرت آدم اور حوا کو قرار دیا ہے۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۱۹۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۳۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۶۲۳)

یہ روایت بھی باطل ہے۔ کیونکہ حضرت آدم نے اگر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث بہ طور علم رکھا تھا اور اس کے لفظی معنی کالیظ نہیں کیا تھا تو پھر یہ نام رکھنا شرک نہ ہوا کیونکہ اسامہ اعلام میں الفاظ کے معانی امیہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو ان آیات کا صدق قرار دینا صحیح نہ ہو اور اگر حضرت آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث بہ طور صفت رکھا تھا تو پھر یہ شرک ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نبی معصوم ہیں ان سے شرک کیسے متصور ہو سکتا ہے یہ کیوں کر متصور ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کو انہیں کا بندہ قرار دیں۔

جعل لہ شرکاء (انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے) کی توجیہات

اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے تو دونوں نے اللہ سے دعا کی نیز دوسری روایت میں ہے جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے یہ دعا کرنے والے اور شریک ٹھہرانے والے کون تھے؟ مفسرین کرام نے ان آیات کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

۱۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا جمل اور ان کا شرک بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم میں سے ہر شخص کو پیدا کیا ہے اور اسی کی بخشش سے اس کی بیوی بنتی اور جب شوہر نے اپنے بیوی سے عمل زوجیت کر لیا اور وہ حاملہ ہو گئی تو دونوں

طہیان القرآن



میاں اور بیوی نے اللہ سے دعا کی، جو ان کا رب ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم بیٹا دیا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح و سالم بیٹا دے دیا تو وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں شرک کرنے لگے۔ دہریے کہتے ہیں کہ بچہ کا اس طرح پیدا ہونا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ستارہ پرست کہتے ہیں کہ یہ ستاروں کی چال اور ان کی تاثیر سے پیدا ہوا اور بت پرست یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کے جوں اور دیوی دیوتاؤں کی دین ہے۔ اور یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ فطرت ہو یا ستارے، بت ہوں یا دیوی اور دیوتا، سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اسی نے اولاد کو بھی پیدا کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اسی نے بیٹا دیا، حضرت زکریا جب بڑھاپے میں اولاد سے ناامید ہو چکے تھے تو انہوں نے اسی کو پکارا اور اسی سے دعا کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی بوڑھی اور بانجھ بیوی کو فرزند عطا کیا۔ سو اولاد کی طلب کے لیے اسی کے آستانہ پر سر جھکنا چاہیے اور اولاد پانے کے بعد اسی کا شکر ادا کرنا چاہیے، البتہ اولاد کی طلب کے لیے نیک لوگوں اور بزرگوں سے دعا کرنا جائز ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔

طلب اولاد کے لیے اگر نذر ماننی ہو تو اللہ کی عبادت مقصودہ کی نذر ماننی جائے، نذر عبادت ہے اس لیے کسی دلی یا بزرگ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، اگر کسی بزرگ کی دعا سے اولاد ہو یا ان کے وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اولاد ہو، تب بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور یوں کہے کہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے یا ان کی دعا سے اولاد ہوئی، اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کے عطا کرنے سے اولاد ہوئی ہے اور فلاں بزرگ وسیلہ ہیں، اور یوں کہے کہ فلاں بزرگ نے اولاد عطا کی ہے تو یہ سبب کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اس مجازی نسبت کا ذکر کرنے کی بجائے حقیقی نسبت کا ذکر کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرے جس نے اس بزرگ کی دعا قبول فرمائی اور جائز حد تک اس بزرگ کی بھی تعظیم کرے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر نوا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۸۸، سنن الترمذی رقم الحديث ۲۸۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸، مشکوٰۃ رقم الحديث ۳۰۲۵، مجمع الزوائد

ج ۵ ص ۳۱۷)

۲۔ اس آیت میں ان قریش سے خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے، اور وہ قصی کی اولاد تھے، اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کی بیوی عربیہ قریشیہ بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بیٹا عطا فرما دیا تو ان دونوں میاں بیوی نے اس کی دی ہوئی نعمت میں اللہ تعالیٰ کے شریک گمزلے اور انہوں نے اپنے چار بیٹوں کے یہ نام رکھے۔ عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد قصی اور عبد المات اور اس کے بعد بن کے بنسین کے متعلق فرمایا سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں۔

۳۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آیات حضرت آدم اور حواء کے متعلق ہیں تو یہ آیتیں مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہیں اور اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں ہمزہ استغناء کا مقدر ہے یعنی جعل لہ شرکاء اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بیٹا عطا کر دیا تو کیا انہوں نے اللہ کے شریک گمزلے تھے؟ تو اے مشرکوا تم کیوں اللہ کے لیے شریک گمزلے ہو؟ اور اللہ اس چیز سے بلند ہے جس میں یہ مشرک اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں۔

۴۔ اس صورت میں دو سرا جواب یہ ہے کہ یہاں جملہ کا قائل اولاد عطا ہے اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم



مقام کر دیا جو جہاں میں ضمیر قائل ہے اور معنی اس طرح ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بنادیا تو ان کی اولاد نے اللہ کی دی ہوئی نعمت میں شریک گزریے۔

۵۔ قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ یہ آیتیں یسود اور نصاریٰ سے متعلق ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی دعا کے موافق صحیح و سالم بنادے دیا تو انہوں نے اس اولاد کو یسود و نصاریٰ بنادیا اور یوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا۔

(جامع البیان ۹۲: ص ۱۹۷، زاد المسیر ج ۳، ص ۳۰۳)

۶۔ حوا ہر مرتبہ ایک مذکر اور ایک مؤنث دو بچے جنسی نہیں اور جہاں قائل یہ دو بچے ہیں۔ یعنی جب ان کی دعا سے حضرت حوا کے دو صحیح و سالم بچے ہو گئے تو ان بچوں نے بڑے ہو کر اللہ کے شریک بنائے یا پھر ان کی اولاد اور اولاد نے۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۳۰۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

غلط طریقہ سے نام لینے اور نام بگاڑنے کی مذمت

بعض تفسیر کے مطابق ان آیتوں میں شرک فی التسمیہ (نام رکھنے میں شرک) کی مذمت فرمائی ہے۔ یعنی عبد الحارث، عبد العزیٰ، عبد اللات وغیرہ نام رکھنا شرک ہیں۔ اور عبد اللہ اور عبد الرحمن ایسے نام رکھنے چاہئیں۔ ہمارے زمانہ میں نام کے سلسلہ میں بہت فروگزاشت پائی جاتی ہے بعض لوگ اپنے بچے کا نام عبد الرحمن یا عبد الحلق رکھتے ہیں اور لوگ اس کو رخصت صاحب خالق صاحب کہتے ہیں۔ کسی کا نام عبد الغفور ہوتا ہے اس کو لوگ غفورا، غفورا کہتے ہیں۔ کسی کا نام انعام الہی ہوتا ہے اور لوگ اس کو الہی صاحب کہتے ہیں یہ پڑھے لکھے لوگوں کا حل ہے اور پنجاب میں جو ان پڑھ لوگ ہیں وہ غلام محمد کو گلا اور غلام رسول کو سولا کہتے ہیں اور جس کا نام کنیز قاطر ہو اس کو بھتہ کہتے ہیں۔ یہ نام تو صحیح اور مستحب ہیں لیکن ان ناموں کو غلط طریقہ سے پکارنے والے سخت بے ادبی اور گنہگار کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَسْمُوا بِالْأَلْفَبَا بِقَسِ الْأَسْمُ الْقُسُوفِ  
بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتَّبِعْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الظَّالِمُونَ (الحجرات ۱۱)

اور ایک دوسرے کو بے القاب سے نہ بلاؤ کیسا برا نام  
ہے ایمان کے بعد قاسم کہلاتا اور جو لوگ توبہ نہ کریں سو وہی  
لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

بچوں کا نام رکھنے کی تحقیق

دوسری بڑی خرابی نام رکھنے کے سلسلہ میں ہے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ نام رکھنے میں انفرادیت ہو اور ان کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ان کے بچے کا نام نیا اور اچھوتا ہو۔ خواہ اس کا مطلب معنی کچھ نہ ہو۔ اس کی ایک عام مثال یہ ہے کہ لوگ شریل نام رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سمل لفظ ہے اصل لفظ شریمل ہے۔ اسی طرح بی بی کا نام ثوبیہ رکھتے ہیں یہ بھی سمل لفظ ہے اصل لفظ ثوبیہ ہے۔ بہترین نام عبد اللہ اور امتہ اللہ ہیں ہم چاہتے ہیں کہ نام رکھنے کے سلسلہ میں نبی ﷺ نے جو ہدایات دیں ان پر مشتمل احادیث کو یہل بیان کر دیں۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ ناموں کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک تمہارے سب سے پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔

(صحیح مسلم الآداب ۲ (۲۱۳۲) ۵۲۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۸)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا نام میرا (نیکو کار) رکھا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم

اپنی پاکیزگی اور بڑائی مت بیان کر۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکو کار ہے۔ صحابہ نے پوچھا ہم ان کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۲، صحیح مسلم الادب: ۱۹ (۲۱۳۲) ۵۵۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۲) جن اسماء سے صاحب اسم کی پاکیزگی اور بڑائی ظاہر ہوتی ہو ایسے نام رکھنا پسندیدہ اور مکروہ ہیں جیسے آج کل لوگ نام رکھتے ہیں شمس الزمان، شمس الہدیٰ، اعظم خان، اکبر خان وغیرہ۔ علامہ شاہی نے لکھا ہے کہ شمس الدین اور محی الدین نام رکھنا ممنوع ہے اس میں خود ستائی کے علاوہ جھوٹ بھی ہے۔ علامہ قرطبی مالکی نے بھی ایسے ناموں کو ممنوع لکھا ہے اور علامہ نووی شافعی نے مکروہ لکھا ہے۔ (رد المحتار ج ۵، ص ۳۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی بیٹی کا نام عامرہ (گنہ کرنے والی) تھا۔ نبی ﷺ نے ان کا نام بدل کر جلیلہ رکھ دیا۔

(صحیح مسلم الادب: ۱۵ (۲۱۳۹) ۵۵۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ میرے ناموں کو تبدیل کر دیتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت) شریع بن علی اپنے والد جلیلہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے قوم سے سنا کہ وہ ان کی کنیت ابوالحکم کے ساتھ ان کو پکارتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا ہے شک اللہ ہی حکم ہے اور اسی کی طرف مقدمات پیش کیے جاتے ہیں تم نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے؟ انہوں نے کہا میری قوم کا جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے درمیان حکم دیتا ہوں (فیصلہ کرتا ہوں) تو میرے حکم پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں (سو اس لیے میری کنیت ابوالحکم ہے یعنی حکم دینے والا) آپ نے فرمایا یہ اچھا نہیں ہے تمہارے بیٹے ہیں؟ شریع نے کہا میرے تین بیٹے ہیں۔ شریع، مسلم اور عبد اللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریع، آپ نے فرمایا پس تم ابو شریع (شریع والا) ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۸۷) اللہ کے اسماء صفت کی طرف اب کی اخلافت کر کے کنیت رکھنا ممنوع ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ شخص اللہ کی صفت والا ہے جیسے کوئی شخص ابو الغفور، ابو الرحیم یا ابو الامنی کنیت رکھ لے۔ عبد النبی نام رکھنے کا شرعی حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے میرا عبد (بندہ) اور میری بندی، تم سب اللہ کے عید ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندی ہیں۔ لیکن تم کو کہنا چاہیے میرا غلام اور میری باندی یا میرا نوکر اور میری نوکرانی۔

(صحیح مسلم انفاذ الادب: ۱۳ (۲۲۳۹) ۲۷۶۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۷۰، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۳)

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے، حرام نہیں ہے۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا

مملوک اللہ کا عہد ہے اور اس کی عہدیت کرتا ہے اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عہد کے تو اس میں شرک کی مشابہت کا خدشہ ہے لہذا اس سے احتراز کے لیے اولیٰ ہے کہ اس کو میرا نوکر اور میرا غلام کے اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عہد کی اضافت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَمَانِيَّ بِكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ (النور: ۳۳)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عباد (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کر دو۔

اسی طرح احادیث میں بھی عہد کی اضافت مسلمان کی طرف کی گئی ہے۔  
عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لیس علی المسلم فی عہدہ ولا فی فرسہ صدقۃ  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے عہد اور اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۳، صحیح مسلم زکوٰۃ ۸۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

علامہ ابن بطل نے کہا کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عہد کرنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت تخلیق کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہر حال اللہ کا عہد ہے اب اگر وہ اسے میرا عہد کے تو اس سے اس غلام کا مشترک ہو مالا لازم آئی۔

(عمدة القاری ج ۱۳، ص ۱۱۰، مطبوعہ ادارة البیانات النیریہ ۱۳۳۸ھ)

بعض لوگوں کا نام عبد اللہ اور عبد الرسول رکھا جاتا ہے۔  
شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان اس عنوان کے تحت لکھا ہے۔ علی بخش، حسین بخش، عبد اللہ وغیرہ نام رکھنا۔ (بہشتی زیور ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ ناشرین قرآن لینڈ لاہور)

ظاہر ہے کہ یہ دین میں غلو اور زیادتی ہے۔ عبد اللہ اور عبد الرسول نام رکھنا سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے۔ اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کی وجہ سے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک عقار بھی ہے کہ عبد اللہ، عبد الرسول اور عبد المصطفیٰ نام رکھنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن چونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے اس لیے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام نبی، غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ ابن اثیر جزیری متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عہد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا غلام کہے۔ یہ ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر اور بڑائی کی نفی کی جائے اور مالک کی طرف غلام کی عیونیت کی نسبت کی نفی کی جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(التمایہ ج ۳، ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مجمع بحار الانوار ج ۳، ص ۵۱۲، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ)

(النورہ ۱۳۱۵ھ)

علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۶۱ھ لکھتے ہیں:

اجلاء الشافعیہ میں سے علامہ ازہری نے کہا تلوٹی میں مذکور ہے کہ ایک انسان کا نام عبد اللہ نبی رکھا گیا میں نے اس میں توقف

بھیان القرآن

کیا۔ پھر میرا اس طرف میلان ہوا کہ یہ نام حرام نہیں ہے، جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی نسبت سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا جائے اور لفظ عبد سے غلام کے معنی کا ارادہ کیا جائے اور اس نام کی ممانعت کی بھی گنجائش ہے جب جاہلوں کے عقیدہ شرک کا خدشہ ہو یا کوئی شخص غلط عہد سے حقیقت عبودیت کا ارادہ کرے، علامہ دمیری نے یہ کہا ہے کہ عبد الہی نام رکھنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جب اس سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے کا قصد کیا جائے تو جائز ہے اور اکثر علماء کا میلان اس نام رکھنے کی ممانعت کی طرف ہے، کیونکہ اس میں اللہ کا شریک بنانے کا خدشہ ہے اور حقیقت عبودیت کے اعتقاد کا خطرہ ہے۔ جس طرح عبد اللہ نام رکھنا منع ہے اور اسی قیاس پر عبد الکعب نام رکھنا حرام ہے۔

(لیغ القدر ج ۱ ص ۳۲۲-۳۲۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد حنفی لکھتے ہیں:

عبد الہی نام رکھنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم ہو گا کہ نبی ﷺ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اور اس دلیل کو مسترد کر دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص بھی عبد الہی کا لفظ سنتا ہے وہ اس سے غلام کا معنی سمجھتا ہے مخلوق کا معنی نہیں سمجھتا۔ ہاں اولیٰ یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھا جائے تاکہ یہ وہم نہ ہو۔

(حاشیہ فیض القدر بر علی حاشیہ المراج النبی ج ۱ ص ۵۱ المطبوعہ المطبعہ الخیریہ ۱۳۰۳ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبد الہی نام رکھنا ممنوع ہے، علامہ منادی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جبکہ اس نسبت سے مشرف ہونا مقصود ہو، اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے، جیسے عبد اللہ نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت متوفی ۳۴۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا میں آپ کا عبد اور غلام تھا۔ (الورود فیہ ص ۲۳ مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد خلاف اولیٰ نہیں ہے کیونکہ آپ نے عبد کے ساتھ غلام کے لفظ کا ذکر فرمایا ہے جس سے عبد بمعنی مخلوق کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا یا  
ماں کے نام کی طرف؟

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے لوگوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارا جائے گا اور اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے۔  
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا پھر کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۷۷، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳۵ (۱۷۳۸))

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک تم قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۷۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۵۸۱۸، سنن دارمی رقم الحديث: ۳۶۸۳، مسند احمد ج ۵، ص ۱۱۳، طبع قدیم، اس کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۶، رقم الحديث: ۲۱۸۵۹، مطبوعہ دار الحديث قاہرہ، موارد الطمان رقم الحديث: ۱۸۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۰۶، مشکوٰۃ رقم الحديث: ۳۷۷۷۷)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی مل کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

سعید بن عبد اللہ اودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوالمہدیؑ کے پاس گیا اس وقت وہ نزع کی کیفیت میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ اس طرح عمل کرنا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر کی مٹی ہموار کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو جانا پھر کہنا اے فلاں بن فلاں، کیونکہ وہ تمہاری بات سنے گا اور جواب نہیں دے سکے گا۔ پھر کہنا اے فلاں بن فلاں تو پھر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا۔ پھر کہنا اے فلاں بن فلاں تو وہ کہے گا اللہ تم پر رحم کرے ہم کو ہدایت دو، لیکن تم کو اس کے کلام کا شعور نہیں ہو گا۔ پھر اس سے یہ کہنا کہ یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبده ورسوله کی شہادت دیتے تھے اور تم اللہ کو رب مان کر، اور اسلام کو دین مان کر، اور (سیدنا) محمد ﷺ کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر راضی تھے۔ پھر منکر اور نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے گا میں سے چلو ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھے جس کو جواب تلقین کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم کو اس کی مل کا نام یاد نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا پھر پکارنے والا اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے یا فلاں بن حواء۔

(المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۷۹۷۹، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶، ص ۳۲۳، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۳، کنز العمال رقم الحديث: ۳۲۳۰۶، ۳۲۳۰۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری بحث اس میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اس شخص کو اس کی مل کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا لہذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

اس موضوع پر حسب ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے قیامت کے دن ان کو ان کے ناموں سے پکارے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱، رقم الحديث: ۳۳۲، مبدورہ المسافرہ ص ۳۳۵، الدر المنثور ج ۸، ص ۵۳) حافظ سیوطی نے المبدورہ المسافرہ میں یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے لیکن الدر المنثور میں امام طبرانی اور امام ابن مردودہ کے حوالوں سے اس طرح ذکر کی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے ان کو ان کی ملاؤں کی طرف منسوب کر کے پکارے گا۔ لیکن امام طبرانی کی روایت میں ملاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ البیہقی نے کہا ہے اس حدیث کا ایک راوی اسحاق بن بشر ابو حذیفہ متروک ہے (مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۵۹) حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں: امام ابن حبان نے کہا اس کی احادیث کو انہما تجب کے سوا لکھا جاز نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے کہا یہ کذاب حردک ہے۔ علی بن مدینی نے بھی اس کو کذاب قرار دیا، یہ شخص ۲۶۰ھ میں بخاری میں فوت ہو گیا تھا۔

(میزان الاعتدال ج ۱، ص ۳۳۵، رقم الحديث: ۷۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام ابن عدی 'اسحاق بن ابراہیم الطبری کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ عزوجل کی طرف سے لوگوں پر ستر کرتے ہوئے ان کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے۔

(المکمل فی معفاء الرجال ج ۱ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شمس الدین ذہبی اسحاق بن ابراہیم الطبری کے متعلق لکھتے ہیں امام ابن عدی اور امام دارقطنی نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا اور امام ابن حبان نے کہا یہ ثقات سے موضوعات کو روایت کرتا ہے اس کی احادیث کو اظہار قبح کے سوا روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی متعدد باطل روایتوں کی مثال ذکر کی ہے حافظ ذہبی نے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے یہ منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۲۷ رقم ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

امام بخاری کی صحیح حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے آباء پر پردہ رہے۔ نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اشیاء پر حکم ان کے ظاہر کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متونی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطلان نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے (اصل) آباء پر پردہ رہے۔ (علامہ عسقلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے اور امام ابن عدی نے اس کی مثل حضرت انس سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ علامہ ابن بطلان نے کہا کسی شخص کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرنا بہت زیادہ واضح ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چیزوں کے ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی اس کے اسی باپ کی طرف نسبت کی جائے گی جو دنیا میں اس کا باپ مشہور تھا نہ کہ اس کے حقیقی باپ کی طرف اور یہی قول معتد ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۳ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

### بچوں کا نام محمد رکھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں ہی قاسم ہوں اور تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۱۹۶ صحیح مسلم الادب ۵ (۲۱۳۱) ۵۳۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۷۲۸)

حضرت ابو وہب جسی جزیبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کے نام رکھو۔ اور تمام اسماء میں اللہ کو محبوب عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں اور حادث اور تمام تمام ناموں میں سچے ہیں اور سب سے سچ نام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوا) ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۹۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۶۸)

حادث کے صواب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حادث کا معنی ہے کسب اور کام کرنے والا اور ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے سو یہ نام اپنے معنی کے مطابق ہے اور تمام کام معنی ہے ارادہ کرنے والا اور ہر انسان کسی نہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے۔



علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ منلوی نے کہا ہے کہ عبد اللہ نام رکھنا مطلقاً افضل ہے اس کے بعد عبد الرحمن ہے اس کے بعد محمد نام رکھنا افضل ہے پھر احمد نام رکھنا پھر ابراہیم نام رکھنا ایک اور جگہ یہ ہے کہ عبد اللہ اور عبد الرحمن کے ساتھ ان کی مثل دوسرے نام لاحق ہیں مثلاً عبد الرحیم اور عبد المالک وغیرہ۔ اور یہ اس کے متعلق نہیں ہے کہ محمد اور احمد نام اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا وہی نام رکھا ہے جو اس کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد یا احمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔ اس حدیث کو امام ابن عساکر نے حضرت ابو امامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے کہا ہے اس باب میں یہ سب سے عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

”محمد“ نام رکھنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض کی اسناد ضعیف ہیں لیکن چونکہ فضائل میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے ہم وہ احادیث بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے ہاں تین بیٹے ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد رکھا اس نے جہالت کا کام کیا۔

(الکامل لابن عری ج ۶ ص ۲۳۷ المعجم الکبیر ج ۱۰ رقم الحدیث ۵۰۷۷ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۹ کنز العمال رقم الحدیث ۳۵۲۰۳ مسند الخارث ص ۱۹۹-۲۰۰)

حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ بیٹ سے منقول ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن اس کا ضعف وضع تک نہیں پہنچا۔ امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے اس سے احادیث کو روایت کیا ہے اور امام ابن عساکر نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ حدیث مسند الخارث میں بھی ہے اور یہ مقبول کی قسم میں داخل ہے۔

(الکامل المصنوع ج ۱ ص ۹۳-۹۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ کسی کا نام محمد نہ رکھے تو یہ بے وفائی کے کاموں میں سے ہے اور جب تم اس کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو برا کہو (گالی دو) اور نہ اس پر سختی کرو نہ اس پر ناک چڑھاؤ اور نہ اس کو مارو اس کی قدر منزلت اور تعظیم و تکریم کرو اور اس کی قسم پوری کرو۔

(الکامل لابن عری ج ۳ ص ۸۹۰)

امام ابن عری متوفی ۳۶۵ھ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں اس حدیث کی تقویت اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام دہلی متوفی ۵۰۹ھ نے حضرت علی بن جریج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے چار بیٹے ہوں اور وہ میرا نام کسی کا نہ رکھے اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۳ رقم الحدیث ۵۹۸۱) نیز امام بکیر نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس نام کی تعظیم کے سبب سے اس کی تعظیم اور توقیر کرو اور اس کی تکریم کرو اس کی تذلیل اور تحقیر نہ کرو اور اس پر سختی نہ کرو۔

(الجوامع رقم الحدیث ۲۰۱۰ الکامل المصنوع ج ۱ ص ۹۳ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو نہ محروم کرو۔ امام دہلی کی روایت میں یہ اضافہ ہے (نام) محمد میں برکت رکھی گئی ہے اور جس گھر میں محمد ہو اور جس مجلس میں محمد ہو۔

(مسند البرہان رقم الحدیث: ۳۵۹، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۳۸، الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۳۵۳، کنز العمال رقم الحدیث:

۳۵۹۷، ۳۵۲۲۰) (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

امام فراوی اپنی سند کے ساتھ مرفوعہ روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے مجھ اکڑے ہوں اور جنت میں بغیر حسلب کے داخل ہو جائیں تو ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہو گا وہ کھڑا ہو جائے گا اور یہ گمان کرے گا کہ یہ اس کو ندا کی گئی ہے تو نام محمد کی کرامت کی وجہ سے ان کو منع نہیں کیا جائے گا۔ (تزیہ الشریعہ مطبوعہ القاہرہ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند معطل (منقطع) ہے اور اس کی سند سے کئی راوی ساقط ہیں۔

(المآثر المصنوعہ ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو امامہ جہضمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاں بچ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کا نام محمد رکھا تو وہ شخص لو اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔

(تزیہ الشریعہ ج ۱، ص ۱۹۸، جامع الاحادیث الکبیر رقم الحدیث: ۲۳۲۵۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۲۳)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس باب میں جنتی احادیث وارد ہیں یہ ان سب میں عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن

ہے۔ (المآثر المصنوعہ ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ ان کو شریک قرار دیتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ ان (شرکین) کے لیے کسی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں اور (اے مشرک!) اگر تم ان بتوں کو ہدایت کے حصول کے لیے پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں گے سو تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔

(الاعراف: ۱۹۳-۱۹۱)

بتوں کی بے مائیگی اور بے چارگی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا یہ ان کو شریک مانتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ آیت اس مطلوب پر قوی دلیل ہے کہ ان آیات میں جن لوگوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے ان کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام سے نہیں ہے بلکہ اس سیاق اور سبق کا تعلق مشرکین سے ہے۔

اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان اپنے انفعال کا خالق نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ مخلوق کسی چیز کو خلق کرنے پر قادر نہیں ہے۔

دوسری آیت کا منشا یہ ہے کہ معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہو اور بت اپنی پرستش کرنے والوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان تو ان کی پرستش اور عبادت کرنا کیوں کر درست ہوگی۔ بلکہ بتوں کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی ان بتوں کو توڑ دے تو وہ اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں سکتے تو جو اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے پر قادر نہیں ہے تو وہ نہیں تکالیف اور مصائب سے کب بچا سکتے ہیں۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس طرح یہ بت حصول نفع اور دفع ضرر پر قادر نہیں ہیں اسی طرح ان کو کسی چیز کا علم بھی نہیں ہے اس لیے جب تم انہیں کسی نیک کام کے لیے پکارو تو یہ تمہارے پیچھے نہیں لگیں گے اور اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم ان کو کسی خیر اور اچھائی کے لیے پکارو تو یہ تمہاری پکار کا جواب نہیں دیں گے یا تم ان سے کوئی دعا کرو تو یہ تمہاری دعا کو قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو

پکارو یا خاموش رہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم ان کو پکارو اور پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچ ہو کیا ان کے پیروں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ جن سے وہ پکڑ سکیں یا ان کی آنکھیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان جن سے وہ سن سکیں آپ کہتے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور پھر اپنی تدبیر مجھ پر آزمائو اور اس کے بعد مجھے (بالکل) سلت مت دو (الاعراف: ۱۹۵-۱۹۳)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بت تو بے جان پتھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہاری طرح بندے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بر تقدیر فرض ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن جنوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ بے جان پتھر ہیں۔ جن کے حواس ہیں اور نہ وہ حرکت کر سکتے ہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ حواس اور عقل رکھتے ہیں اور حرکت بخار اوہ کر سکتے ہیں تب بھی زیادہ سے زیادہ وہ تمہاری طرح بندے ہیں اور ان کو تم پر کوئی فضیلت نہیں ہے پھر تم نے ان کو اپنا خالق اپنا رب اور اپنا معبود کیسے فرض کر لیا۔ پھر اس پر دلیل قائم فرمائی کہ ان کو تم پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور اگر تم ان کے رب اور معبود ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو ان کو پکارو تاکہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں۔

اس آیت میں جنوں کو پکارنے کا جو حکم دیا ہے وہ جنوں کے مجز کو عبادت کرنے کے لیے ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ کسی کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے تو پھر وہ خدائی کی صلاحیت کب رکھ سکتے ہیں۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اے شرکواتم اور وہ ایک جیسے ہیں بلکہ وہ تم سے بھی ارذل اور ادنیٰ ہیں کیونکہ تم تو چلنے پھرنے چیزوں کو پکڑنے اور سننے اور دیکھنے پر قادر ہو اور وہ تو اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

حسن بھری نے کہا ہے کہ مشرکین نے یہ بھیج کر اپنے جنوں سے خوف زدہ کرتے تھے اس لیے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اور تمہارے بت اگر میرا کچھ پاڑ سکتے ہیں تو باز لیں اور پھر مجھے بالکل سلت نہ دیں اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ بت کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ سو ان کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

إِنَّ وَلِيَ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۱۹۶﴾

بیشک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے ○

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَدْعَاكُمْ وَلَا

اور تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود

أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا

اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سن نہیں سکیں گے،

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾ خذِ الْعَفْوَ

اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (بظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (حقیقت میں) بالکل نہیں دیکھ رہے ○ آپ خود درگزر کا مروت

تبیان القرآن

أَمْرًا بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِنَّمَا يَنْزَعُكَ مِنَ

اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ۵ اور (اے مخاطب) اگر شیطان نہیں کوئی

الشَّيْطَانِ نَزَعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۰۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ

دوسرے ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو، بیشک وہ بہت سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ۵ بیشک جو لوگ اللہ

اتَّقُوا إِذَا امْسَهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ

سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرت سے کوئی برا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی

مُبْصِرُونَ ﴿۲۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۲۰۲﴾

آنکھیں کھل جاتی ہیں ۵ اور شیطانوں کے جانی بند ان کو گمراہی میں کیپتے ہیں پھر وہ (ان کو گمراہ کرتے ہیں) کوئی کی نہیں کرتے ۵

وَإِذَا الْمَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ

اور (اے رسولِ مسلم) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کیوں کوئی نشانی منتخب کر لی آپ کیسے کوئی مرنے

مَا يُوحَىٰ إِلَىٰ مِن رَبِّي هَذَا ابْصِرْ مِنْ رَبِّكُمْ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً

چیز کی اتباع کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بعیت اور ذرا حکام کا حکم ہے اور

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰۳﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا

ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ۵ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غصے سے سنو اور غار شنس رہو تاکہ تم پر

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۰۴﴾ وَإِذْ كُنَّا فِي الْغَيْبِ لَكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً

رحم کیا جائے ۵ اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو

وَكُذُوبًا جَهْرًا مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ

اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے

مِّنَ الْعَاقِلِينَ ﴿۲۰۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

نہ ہر جاؤ ۵ بیشک جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے

## عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿٢٣٦﴾

مکرم نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے ○ اور تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ من نہیں سمجھیں گے اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (بہ ظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (حقیقت میں) بالکل نہیں دیکھ رہے۔ (الاعراف: ۱۳۷-۱۳۸)

اللہ اور رسول کے مقرب نیک لوگ ہیں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ فرمایا تھا کہ جن کو حصول نفع اور دفع ضرر پر مطلقاً قدرت نہیں ہے اور اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ صاحب عقل کو یہ چاہیے کہ صرف اللہ کی عبادت کرے جو دین اور دنیا کے منافع پہنچانے کا دل ہے۔ دین کے منافع اس طرح پہنچائے کہ اس نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا جس میں معیشت اور آخرت کا مکمل اور جامع نظام ہے اور دنیا کے منافع اس طرح پہنچائے کہ اس نے فرمایا وہ صالحین کا دل ہے یعنی نیک لوگوں کا مددگار ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! میرے باپ کی آل میرے مددگار نہیں ہیں، میرا دل اللہ ہے اور نیک مسلمان ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۹۹۰، صحیح مسلم الامان: ۳۶۶، (۲۱۵) ۵۰۸، مسند احمد ج ۳، ص ۲۰۳)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میرے ولی (دوست یا مقرب) نیک مسلمان ہیں خواہ وہ نسبتاً مجھ سے بعید ہوں۔ اور جو نیک نہیں ہیں وہ میرے ولی (مقرب) نہیں ہیں خواہ وہ نسبتاً مجھ سے قریب ہوں۔

عمر بن عبد العزیز اپنی اولاد کے لیے کچھ مال جمع نہیں کرتے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا انہوں نے کہا اگر میری اولاد صلح اور نیک ہوئی تو اس کا دل اور مددگار اللہ ہے لہذا اس کو میرے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر میری اولاد مجرم اور گنہگار ہوئی تو میں اپنے مال سے اس کی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونُ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ○ (القصص: ۱۷)

فرمایا ہے سو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔

(تفسیر کبیر ص ۳۳۵، غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۳، ص ۳۶۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

دوسری آیت میں پھر یہ ذکر فرمایا کہ یہ بت نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی، سو یہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اور اس کے بعد والی آیت میں فرمایا اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ بظاہر آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اس سے مراد بت ہیں یا مشرکین۔ اگر اس سے مراد بت ہیں تو ان کے دیکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کے سامنے اور بالقابل ہیں اور چونکہ دیکھنے والا بالقابل ہوتا ہے اس لیے فرمایا وہ بظاہر دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بالکل نہیں دیکھ رہے، اور اگر اس سے مراد مشرکین ہیں تو پھر معنی یہ ہے کہ یہ کفار اور مشرکین ہر چند کہ یہ ظاہر آپ کو دیکھ رہے ہیں لیکن یہ چونکہ آپ کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ عدوت سے دیکھتے ہیں تو گویا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے یا چونکہ وہ حق سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نبوت کے جو دلائل اور نشانی رکھی ہیں ان کا اثر قبول نہیں کرتے اس لیے گویا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے۔



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ غفور و رحیم گزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ○

(الاعراف: ۱۹۹)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور نیک مسلمانوں کا حامی و ناصر ہے اور بت اور ان کے پیجاری کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا صحیح اور معتدل طریقہ بیان فرمایا ہے کیونکہ صلح اور نیک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کی جائے۔

معاف کرنے، نیکی کا حکم دینے اور جاہلوں سے اعراض کرنے کے الگ الگ محامل

بندوں کے حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں میں ان سے تسلل اور درگزر کرنا مستحسن ہے اور بعض چیزوں میں ان سے اغماض اور چشم پوشی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی انسان ذاتی نقصان پہنچائے تو اس کو معاف کر دینا مستحسن ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور حدود اللہ کو پامال کرے تو اس کے ساتھ مہانت کرنا جائز نہیں ہے اس لیے معاف کرنے کے حکم کا تعلق انسان کے ذاتی معاملات سے ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت اور روگردانی کا معاملہ ہو وہاں نیکی کا حکم دینا اور برائی پر ٹوکنا ضروری ہے اور اگر نیکی کا حکم دینے پر کوئی شخص بد تمیزی اور جہالت سے پیش آئے تو پھر اس سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے پوچھا اے جبریل اس کا کیا معنی ہے؟ حضرت جبریل نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر آؤں گا پھر کما اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دے گا کہ جو آپ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دیں جو آپ کو محروم کرے اس کو عطا کریں اور جو آپ سے تعلق توڑے اس سے آپ تعلق جوڑیں۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر جرحی بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا اے عقبہ بن عامر جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ میں دوبارہ ملاقات کے لیے گیا تو آپ نے فرمایا اے عقبہ بن عامر اپنی زبان پر چھو رکھو اپنے گناہوں پر روؤ اور تمہارے گھر میں گنجائش رہنی چاہیے۔

(مسند احمد ج ۶ رقم الحدیث ۱۷۳۵۸، ۱۷۳۵۷ شیخ احمد شاکر نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے مسند احمد ج ۱۳)

(رقم الحدیث: ۱۷۳۸۳)

غفور اور درگزر کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَالَّذِينَ يَحْتَسِبُونَ كِبَارَهُمُ الْإِثْمِ وَالْعَوَاكِلَ  
وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوری ۳۷)

اور جو لوگ کبر و غنا ہوں اور بے حیائی کے کاموں سے

اجتناب کرتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے

ہیں۔



وَلَمْ يَصْبِرْ وَتَعَفَّرَ لَنِّ ذَلِكُ لِيَمِّنَ عَزْمُ الْأُمُورِ  
(الشوری: ۴۳)

اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں سے ہے۔

وَحَرَّاءُ سَيِّفَةٍ مَّيِّتَةٍ يَتَّبِعُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کر دے اور سنبھل کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔

وَإِنْ تَعَفُّوا لَا تَعْفُوا تَعَفُّوا عَنْ مَا فَرَغَ اللَّهُ مِنْ عَمَلِهِمْ (التغابن: ۴۱)

اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرماتے والا ہے۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِشُّونَ أَنْ يَتَغَيَّرَ اللَّهُ لَكُمْ (السور: ۲۳)

اور انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں (اے ایمان والو!) کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (التور: ۴۳)

آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بے شک اللہ نیک کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

عفو اور درگزر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غضب کے تقاضے کو پورا کرنے پر قادر ہو اس کے بلوغت وہ اپنے غصہ کو ضبط کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے لے لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۸۶، مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۶۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم کس شخص کو پہلوان کہتے ہو؟ ہم نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑ دے۔ آپ نے فرمایا نہیں پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے دقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۹، صحیح مسلم ابوداؤد: ۱۰۶، (۲۶۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حدود پامال کی جاتیں تو آپ اللہ کی طرف سے انتقام لیتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۰، صحیح مسلم فضائل: ۷۷، (۲۳۲۷) المؤطا رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خلوام کو مارا نہ عورت کو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۶)

حضرت ابو تمہدؓ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نیک کام کو حقیر نہ جانتا اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو کشادہ جہیں اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرو اور پانی مانگنے والے کو اپنے ڈول سے پانی دینا۔ اگر کسی شخص کو تمہارے کسی عیب کا علم ہو اور وہ تمہیں اس کے ساتھ برا کہے تو تمہیں اس کے جس عیب کا علم ہو تم اس کو اس کے عیب کے ساتھ برا نہ کہنا تمہیں اس پر اجر ملے گا اور اسے اس کا گناہ ہو گا اور

تم تکبر سے تہمند نہ ٹکانا کیونکہ اللہ عزوجل تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی شخص کو گلے نہ دینا میں نے اس کے بعد کسی کو گلے نہیں دی نہ بکری کو نہ اونٹ کو۔ (مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۶۲، مطبوعہ دار الفکر طبع جدید)

حضرت ابوالمہدیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قدرت کے بلوجود کسی کو معاف کر دیا تنگی کے دن اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث: ۷۵۸۵)

رسول اللہ ﷺ کے درگزر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے ہل غنیمت تقسیم کرتے ہوئے بعض لوگوں کو ترجیح دی۔ اقرب بن حابس اور عینہ کو سو سو اونٹ دیے اور عرب کے سرداروں کو بھی عطا فرمایا اور ان کو اس دن تقسیم میں ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا اور اس میں اللہ کی رضا جوئی کا قصد نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں نے دل میں سوچا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا میں آپ کے پاس گیا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اہمیت پہنچائی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۶، صحیح مسلم زکوٰۃ: ۱۳۰، (۱۰۶۲) ۲۳۰۸، مسند احمد ج ۱، ص ۳۸۰-۳۹۶)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں مشرکہ تھی میں اس کو اسلام کی دعوت دیتا تھا ایک دن میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بہت ناگوار اور بری باتیں کہیں جن سے میں بہت رنجیدہ ہوا میں روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا اور وہ انکار کرتی تھی آج میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے مجھے ایسی باتیں سنائیں جن سے مجھے بہت رنج ہوا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، آپ نے دعا کی اے اللہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں نبی ﷺ کی دعا کی وجہ سے خوش خوش گھر لوٹا میں نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو کہا دیں فہمو اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی اس نے غسل کیا کپڑے بدلے پھر کہا اے ابو ہریرہ! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله میں خوشی سے روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دی ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا اچھا ہوا۔ (صحیح مسلم فضائل صحابہ: ۱۵۸، (۲۳۹) ۷۷۷)

انام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص نے بدر کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ کیا وہ لونٹ پر حودج میں سوار تھیں قریش مکہ کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت زینب کا ویچا کیا حتیٰ کہ مقام ذی طویٰ پر ان کو پالیا، حبار بن الاسود نے ان کو نیزہ مارا حضرت زینب گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲، ص ۲۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت جابر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ ہجرانہ سے واپسی پر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اچانک دروازہ سے حبار بن الاسود داخل ہوا مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ حبار بن الاسود ہے، آپ نے فرمایا میں نے اس کو دیکھ لیا ہے، ایک شخص اس کو مارنے کے لیے کھڑا ہوا، نبی ﷺ نے اس کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے، حبار کھڑا ہوا اور اس نے کہا السلام علیک یا نسی اللہ! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ! یا رسول اللہ! میں

آپ سے بھاگ کر کئی شہروں میں گیا اور میں نے سوچا میں مجھ کے ملکوں میں چلا جاؤں پھر مجھے آپ کی نرم دلی، صلہ رحمی اور دشمنوں سے آپ کا درگزر کرنا یاد آیا، اے اللہ کے نبی ہم مشرک تھے اللہ نے آپ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی، اور ہم کو ہلاکت سے نجات دی۔ آپ میری جہالت سے درگزر فرمائیں اور میری ان تمام باتوں سے جن کی خبر آپ تک پہنچی ہے، میں اپنے تمام برے کاموں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو اسلام کی ہدایت دے دی اور اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(الاصابہ ج ۶، ص ۳۱۳، رقم: ۸۹۵۱، اسد الغابہ رقم: ۲۷۰۹، الاستیعاب رقم: ۷۱۰۰)

ایک ہزار بنی الاسود کو معاف کر دینے کی مثل نہیں ہے، آپ نے ابو سفیان کو معاف کر دیا جس نے متعدد بار مدینہ پر حملہ کیا۔ وحشی کو معاف کر دیا جس نے آپ کے عزیز چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا۔ ہند کو معاف کر دیا جس نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکل کر دانتوں سے چبایا تھا، فتح مکہ کے بعد تمام ظالموں کو معاف کر دیا۔ عبد اللہ بن ابی جہر رئیس المنافقین تھا جو آپ کو ہمیشہ اذیتیں پہنچاتا رہا، جس نے کہا تھا آپ کی سواری سے ہدے آتی ہے، جو غزوہ احد میں عین لڑائی سے پہلے اپنے تین سوسا تمیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل گیا تھا، جس نے کہا تھا کہ عینہ پہنچ کر عزت والے، ذلت والوں کو نکل دیں گے، جس نے آپ کے حرم محترم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تصت باندھی اور آپ کو رنج پہنچایا۔ اس نے بھی جب مرتے وقت آپ کی لیس اپنے کفن کے لیے منگوائی تو آپ نے صفا کر دی، آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ صفوان بن معطل، عمیر بن وہب، اور عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دیا۔ سراقہ کو لکھ دی اور بہت سے ظالموں اور ستم شعاروں کے مظالم اور ان کی جفاوں سے اعراض کر کے انہیں معاف کر دیا۔ غرض آپ کی پوری زندگی بعد الصغیر و امر بن العرف و اعرض عن الجہلین سے عبارت تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کر دے شک وہ بہت سننے والا، سب کچھ جانتے والا ہے۔ (الاعراف: ۳۰۰)

نزع شیطان کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متونی ۳۷۷ لکھتے ہیں:

نزع کا معنی ہے کسی چیز کو فاسد اور خراب کرنے کے لیے اس میں داخل ہونا۔

(المفردات ج ۲، ص ۶۳۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر الجزیری المتونی ۶۶۷ نے لکھا ہے:

نزع کا معنی ہے کسی نوکدار چیز کو چھوٹا۔ کسی کو کسی کے خلاف بھڑکانا، فساد الذا، نزع الشیطان ببہم کا معنی ہے شیطان نے ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا اور ان کے درمیان فساد ڈال دیا۔

(الانساب ج ۵، ص ۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

و مساوس شیطان سے نجات کا طریقہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے اور جاہلوں کی جفا اور جہالت پر انسان کو طبعی طور پر غصہ آتا ہے۔ ابن زید نے کہا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب اگر مجھے ان کی باتوں پر غصہ آئے تو کیا کروں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر شیطان آپ کو غضب میں لائے تو آپ اللہ کی پناہ

طلب کریں۔ (جامع البیان ۷: ۲۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

نزع شیطان کا معنی ہے شیطان کا دوسرے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تھا ان کے درمیان شیطان نے دوسرے ڈال دیے تھے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو برا کہتا رہا پھر وہ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھے جب تک کہ ہر ایک نے دوسرے سے معافی نہیں مانگ لی۔

محققین میں سے ایک استاذ نے اپنے شاگرد سے کہا اگر شیطان تمہیں گناہوں پر اکسائے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کے خلاف کوشش کروں گا استاذ نے کہا اگر وہ پھر اکسائے؟ کہا میں پھر کوشش کروں گا استاذ نے کہا یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا استاذ نے کہا یہ بتاؤ اگر تم بکریوں کے ریوڑ کے درمیان سے گزرو اور بکریوں کا محافظ کتا تم پر بھونکنے لگے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کو دور بھگانے کی کوشش کروں گا استاذ نے کہا یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا لیکن اگر تم بکریوں کے چرواہے سے مدد طلب کرو تو وہ کہتے کہ تم سے دور کر دے گا اسی طرح جب شیطان تم کو کسی گناہ پر اکسائے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو وہ شیطان کو تم سے دور کر دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۳۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوسرے شیطان کی وجہ سے عصمت انبیاء پر اعتراض اور اس کے جوابات

عصمت انبیاء کے منکرین نے اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے کہ اگر انبیاء عظیم اسلام کا گناہ اور معصیت پر اقدام ناممکن ہو تا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اگر شیطان تم کو کوئی دوسرے ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ثانیاً جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض شیطان آپ کو کوئی دوسرے ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں اور اس سے شیطان کا آپ کو دوسرے ڈالنا لازم نہیں آتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَیْسَ أَشْرَکُکَ لِمَحْبُطِکَ عَمَلُکَ  
(الزمر: ۶۵) جائیں گے۔

اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ العیاذ باللہ شرک کریں۔

اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ لِتَرَحُّسٍ وَلَکُمْ فَاتَاؤُلُ الثَّعْدِیْنَ  
(الزخرف: ۸۱) (اس کی) سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔

ثانیاً شیطان کا صرف دوسرے ڈالنا عصمت کے منافی نہیں ہے، عصمت کے منافی یہ ہے کہ آپ شیطان کا دوسرے قبول کریں اور یہ اس آیت سے ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ عِبَادِیَ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمُ سُلْطَانٌ  
(الحجر: ۴۲) مگر اگر انہوں نے جو خیر پیروی کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کا قرن لگا دیا گیا ہے اور ایک قرن فرشتوں میں سے لگا دیا گیا ہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ

بھی۔ لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہو گیا وہ مجھے نیک باتوں کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم مناقب ۶۹ (۲۸۱۳) ۶۹۷۵ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۷۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بہت بڑا جن گزشتہ رات مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز کو خراب کرے 'اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اس کو دھکا دے کر بھاگ دیا اور میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ صبح کو تم سب اسے دیکھتے۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلمان کی یہ دعا یاد آئی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي  
لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (ص: ۳۵)

سلمان نے دعا کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ ملے۔

(صحیح مسلم الساجد ۳۹ (۵۳۹) ۱۱۸۹ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ شیطان کو نبی ﷺ پر کوئی غلبہ نہیں بلکہ نبی ﷺ ہی غالب تھے۔ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ نبی ﷺ شیطان کا دوسرے قبول کریں۔

حالاً اس آیت میں یہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے کہ جب شیطان مسلمانوں کو کسی چیز کا دوسرے ڈالے تو وہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں O (الاعراف: ۳۶)

طائف من الشيطان کا معنی

علامہ رافع الصفی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کو ورغلانے کے لیے انسان کے گرد گردش کرنے والے شیطان کو طائف کہتے ہیں کسی چیز کا خیال یا اس کی صورت جو نیند اور بیداری میں دکھائی دے اس کو طائف کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ السباز کہ مکرہ ۱۳۱۸ھ)

علامہ السباز کہ بن محمد المعروف بابن الاثیر جزری متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

طائف کا اصل معنی جنون ہے پھر اس کو غضب شیطان کے مس کرنے اور اس کے دوسرے کے معنی میں استعمال کیا گیا اور اس کو طائف بھی کہتے ہیں۔ (النسایہ ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

طائف کا معنی تخیل ہے اور طائف کا معنی شیطان ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں جب انہیں کوئی دوسرے لاحق ہو تو وہ اللہ عز و جل کی قدرت میں اور اللہ نے ان پر جو انعام کیے ہیں ان میں غور کرتے ہیں اور پھر معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انسان کس طرح غور و فکر کر کے انتقام لینے کو ترک کرے

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب انسان کسی دوسرے شخص پر غضب ناک ہو اور اس کے دل میں شیطان یہ خیال ڈالے کہ وہ اس سے انتقام لے تو پھر

- وہ انتقام نہ لینے کی وجوہات پر غور و فکر کرے اور انتقام لینے کے ارادہ کو ترک کر دے۔ وہ وجوہات حسب ذیل ہیں:
- ۱۔ انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ خود کتنے گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے پر قادر ہے، اس کے بلوجود اس سے درگزر کرتا ہے اور اس سے انتقام نہیں لیتا سو اس کو بھی چاہیے کہ وہ انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دے۔
  - ۲۔ جس طرح اس کا مجرم بے بس اور مجبور ہے اسی طرح وہ بھی اللہ کا مجرم ہے اور اس کے سامنے مجبور اور بے بس ہے۔
  - ۳۔ غضب ناک شخص کو ان احکام پر غور کرنا چاہیے جن میں اسے انتقام کو ترک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔
  - ۴۔ اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے غضب اور انتقام کے تقاضوں کو پورا کر دیا تو اس کا یہ عمل موذی درندوں کی طرح ہو گا اور اگر اس نے صبر کیا اور انتقام نہیں لیا تو اس کا یہ عمل انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی مثل ہو گا۔
  - ۵۔ اس کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جس کمزور شخص سے آج وہ انتقام لینا چاہتا ہے ہو سکتا ہے کل وہ قوی اور قادر ہو جائے اور یہ کمزور اور ناتواں ہو جائے اور اگر وہ اس کو معاف کر دے تو پھر یہ شخص اس کا احسن مندر ہے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۵ھ)

انسان کس طرح غور و فکر کر کے گناہوں کو ترک کرے

امام رازی نے ترک انتقام کی جو یہ وجوہات بیان کی ہیں ان کو معصیت کی دیگر انواع میں بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔ جب بھی شیطان انسان کو کسی معصیت اور گناہ پر اکسائے وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر غور کرے کہ اللہ اس پر اتنی مہربانی کرتا ہے تو کیا یہ انصاف ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ نیز اس پر غور کرے کہ اگر اس نے یہ گناہ کیا تو اس سے شیطان راضی ہو گا اور اللہ ناراض ہو گا تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ اللہ کو ناراض اور شیطان کو راضی کرے۔ نیز یہ سوچنا چاہیے اگر آج اس نے اللہ کے حکم کو بھلا دیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کو بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَبِّلَ الْيَوْمَ نَسُكَكُمْ كَمَا نَسُكُكُمْ لِقَاءَ  
يَوْمِكُمْ هَذَا (الحجۃ: ۲۷)

اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

اور یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ نے اس کو دنیا میں رزق دینے اور پرورش کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کر رہا ہے تو اس نے کلمہ پڑھ کر اللہ کی اطاعت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو کیوں پورا نہیں کر رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ  
(البقرہ: ۲۴۰) گا۔

تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں

اور یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ سے جو دعا کرتا ہے اللہ اسے قبول کر لیتا ہے تو پھر کیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اللہ اس سے جو کچھ کہے وہ بھی اس پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي  
(البقرہ: ۱۸۶)

جب دعا کرنے والا دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔

اور یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے وہ گناہ کر لیا تو وہ فسق و فجار کی مثل ہو گا اور اگر اس نے اس گناہ سے دامن بچا یا تو وہ انبیاء کا متبع اور لوہیاء کی مانند ہو گا۔ اور جو شخص فسق و فجار کے کام کرے گا وہ کیسے یہ توقع کر سکتا ہے کہ اس کی دنیا اور آخرت کی زندگی اللہ کے نیک بندوں کی طرح ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ حَسِبْتَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ  
جن لوگوں نے دلیری سے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان



تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَحَبَّتُهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الحجرات: ۲۱) موت برابر ہو جائے۔ وہ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں!

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں، اپنے شاگردوں، مریدوں اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور برے کام نہیں کرتا اور جب تھا ہو اور صرف اللہ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہو گا کہ اس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف بھی نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے! حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخُشُّوْا اللَّهَ (المائدہ: ۴۴) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔ اور یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے لوگوں کے ڈر سے برے کام چھوڑ دیے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے جب کہ اللہ کے ڈر سے اس نے گناہ اور برے کام چھوڑ دیے تو اللہ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْحَسَنَ وَهُوَ الْعَاقِبَةُ (النازعات: ۴۰-۴۱) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس (امارہ) کو (اس کی) خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

نیز فرمایا:

وَلَيْسَ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ (الرحمن: ۴۸) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے وہ جنتیں ہیں۔

خوف خدا سے مرنے والے نوجوان کو دو جنتیں عطا فرماتا

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر حوتی ۷۵۵ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن یویس الخرمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عہدات گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا، حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے، اس کا ایک بوڑھا باپ تھا، وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا، اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا، وہ اس پر فریفت ہو گئی تھی، وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی، ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا، جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہو گئی، اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ (البقرہ: ۱۷۰) بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں

(الاعراف: ۲۰۶) اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے، کلنی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔ اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے، باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے

پوچھا اے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو بلایا جلایا لیکن وہ مرچکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا، صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمرؓ کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے، حضرت عمرؓ نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کی سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا، اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع، رقم ۱۱۳، ج ۱۹، ص ۱۹۱-۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر لاعراف، ج ۲، ص ۳۹، طبع دار الفکر بیروت، شرح الصدور، ص ۳۳، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۳ھ، کنز العمال، ج ۵، ص ۵۱۷-۵۱۸، رقم الحدیث: ۳۳۳۴)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً اعلیٰ کیا ہے: حسن بھری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں ایک نوجوان نے مہلوت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا، ایک عورت اس پر عاشق ہو گئی، وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں، اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا، پھر اس نے ایک چچ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کا چچ آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا، جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا اے چچا! حضرت عمرؓ کے پاس جائیں ان سے میرا سلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے؟ اس کا چچا حضرت عمرؓ کے پاس گیا، اس نوجوان نے پھر چچ ماری اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمرؓ پوچھا: اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا تمہارے لیے دو جنتیں ہیں، تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان، ج ۱، ص ۳۶۸-۳۶۹، رقم الحدیث: ۳۶۷۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

امام بیہقی کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ اور علامہ آملوسی متوفی ۱۳۷۰ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور، ج ۶، ص ۳۷۷، طبع قدیم، ج ۷، ص ۷۰۸، مطبوعہ دار الفکر، کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۳۳۵، روح المعانی، ج ۲، ص ۲۶، ۲۷) حافظ ابن عساکر نے جو حدیث تفصیلاً روایت کی ہے اس پر حافظ ابن کثیر نے بھی اکتفا کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر میں درج کیا ہے اور اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

- ۱۔ گنہگار کی ترغیب کے موقع پر اللہ کو یاد کر کے اس کے خوف سے گنہگار کو ترک کرونا دو جنتوں کے حصول کا سبب ہے۔
- ۲۔ نیک مسلمان اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔
- ۳۔ نیک مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا حضرت عمرؓ کی سنت ہے۔
- ۴۔ کسی فوت شدہ مسلمان کی تعزیت کے لیے اس کے والدین اور اعزہ کے پاس جانا حضرت عمرؓ کا طریقہ ہے۔
- ۵۔ صاحب قبر سے کلام کرنا اور صاحب قبر کا جواب دینا اس حدیث سے یہ دونوں امر ثابت ہیں۔
- ۶۔ جن احادیث میں ہے کہ قبر والے ایسا جواب نہیں دیتے جن کو تم سن سکو، ان کا معنی یہ ہے کہ تم ان کا جواب عداۃً نہیں

نہ کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شیطانوں کے بھائی بندوں کو گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ (ان کو گمراہ کرنے میں) کوئی کمی نہیں کرتے ○ (الاعراف: ۲۰۲)

شیطان کے بھائی بند کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد انسانوں میں سے شیطان ہیں اور وہ لوگوں کو گمراہ کر کے شیاطین جنت کی مدد کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ شیاطین کے بھائی بند وہ کفار ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر کے شیاطین کی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول معظم!) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کیوں نہ کوئی نشانی منتب کر لی یا آپ کہتے کہ میں صرف اس چیز کی اجازت کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ (الاعراف: ۲۰۳)

کفار کے فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ شیاطین الانس اور شیاطین الجن لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ اس آیت میں ان کے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوع کو بیان فرمایا ہے کہ وہ بطور سرکشی معجزات مخصوصہ طلب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے تھے:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُتُ عَصَا ○ أَوْ تَكُونُ لَكَ حَتَّةٌ مِّمَّنْ تَجْعِلُ وَحِيبٌ فَتَنْفَجِرَ الْأَنْهَارَ عِندَهَا تَفْجُمُ ○ أَوْ تُسِفَطَ السَّمَاءُ كَمَا رَعِشَتْ عَلَىٰكَ يَسْفًا ○ أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ○ أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ رُّحْرٍ ○ أَوْ تَرْفَعِ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ بِرُفُوقِكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَطَرًا ○ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ○ (ہو اسرائیل: ۹۰-۹۳)

اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ زمین سے ہمارے لیے کوئی چشہ جاری کر دیں ○ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو جس کے درمیان آپ بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں ○ یا آپ اپنے قول کے مطابق ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ ہمارے سامنے فرشتوں کو لے آئیں ○ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گمراہ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چہرے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں آپ کہتے کہ میرا آپ پاک

رسمہ میں تو صرف بشر ہیں اور اللہ کا فرستادہ (رسول)

جب آپ نے ان کے فرمائشی معجزات پیش نہیں کیے تو وہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے آپ کو یہ معجزات نہیں دیے تو آپ اپنی طرف سے یہ معجزات کیوں نہیں پیش کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہتے کہ میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اللہ سے کوئی مطالبہ یا فرمائش کروں اللہ تعالیٰ از خود جو چاہتا ہے میرے ہاتھ سے نشانی یا معجزہ صادر فرما دیتا ہے۔ اور ان کے فرمائشی معجزات کو پیش نہ کرنا اسلام کی تبلیغ، ہدایت اور میری نبوت کے اثبات کے متعلق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے اور اس کا معجز ہونا بالکل ظاہر ہے اور جو واقعی ہدایت کا طالب ہو اس کے لیے تو یہ قرآن ہی کافی ہے اور جس نے خواہ مخواہ کی حجت بازی کرنا ہو اس کے لیے سینکڑوں دلائل بھی ماکفی ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر قرآن مجید کی دلالت تو علمی اور عقلی اعتبار سے ہے۔ نبی ﷺ نے بہ کثرت حسی دلائل بھی پیش کیے جن کو دیکھ کر بغیر غور و فکر کے ہدایت آپ کا دعویٰ نبوت میں صادق ہونا

خبریان القرآن

ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً آپ نے چاند کے وہ ٹکڑے کیے "آپ کی دعا سے ڈوبا ہوا سورج طلوع ہو گیا" پھر نے آپ کو سلام کیا "درخت اور اس کے خوشے آپ کے حکم پر چل کر آئے" مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا "مٹی بار آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا اور کتنی مرتبہ کم کھانا بہت زیادہ آدمیوں کے لیے کافی ہو گیا۔ اس طرح کے اور بہت معجزات ہیں "لکن تمام معجزات کو دیکھنے کے باوجود سرکش اور ضدی کفار ایمان نہیں لائے "چونکہ یہ لوگ طلب ہدایت کے لیے نہیں بلکہ محض حجت بازی اور ضد بحث کے طور پر معجزات کو طلب کرتے تھے اس لیے ان کے فریادیں معجزات پیش نہیں کیے گئے۔ نیز سابقہ امتوں میں کفار نے فریادیں معجزات طلب کیے اور معجزات دکھائے جانے کے باوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان پر آسمانی عذاب آیا "اب اگر ان کے فریادیں معجزات پیش کر دیے جاتے اور پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آنا چاہیے تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ  
اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ  
(الانفال: ۳۳) آپ ان میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○  
(الاعراف: ۲۰۳)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی تھی کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس کو غور سے سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔  
قرآن مجید پڑھنے کے آداب

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متنی ۵۵۳۲ء لکھتے ہیں:

تلاوت میں نہ کور ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ بہترین کپڑے پہنے "علامہ ہاندی اور قبلہ کی طرف منہ کرے" اسی طرح عالم پر علم کی تعظیم واجب ہے۔ گرمیوں میں صبح کے وقت قرآن مجید کو ختم کرے اور سردیوں میں اول شب میں۔ اگر وہ قرآن مجید پڑھنے یا نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور اس کو ریاکاری کا خدشہ ہو تو اس وجہ سے قرآن کریم پڑھنے اور نماز پڑھنے کو ترک نہ کرے "اسی طرح باقی فرائض کو بھی خوف ریا کی وجہ سے ترک نہ کرے۔ لیٹ کر قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور قرائت کے وقت اپنی انگلیں ملائے۔ کسی شخص نے قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد کیا ہو پھر اس کو باقی قرآن مجید یاد کرنے کی فرصت مل جائے تو نقلی نماز پڑھنے سے قرآن مجید کو یاد کرنا افضل ہے اور فقہ کا علم حاصل کرنا باقی قرآن مجید کے حفظ کرنے سے افضل ہے "اور بغیر علم کے زیادہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن مجید خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۲، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱، ص ۱۰۳-۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متنی ۵۵۶ء لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی جتنی مقدار سے نماز جائز ہوتی ہے قرآن مجید کی اتنی مقدار کو حفظ کرنا ہر ملک پر فرض عین ہے۔ اور سورہ فاتحہ کو اور کسی ایک سورت کو حفظ کرنا واجب ہے اور پورے قرآن کو حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور سنت عین پڑھنا نقل پڑھنے سے افضل ہے اور قرآن مجید کو مصحف سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کے مصحف کو دیکھنے اور قرآن مجید کو پڑھنے

دونوں عبادتوں کو جمع کرنا ہے اور با وضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے اچھے کپڑے پہن کر تعظیم اور اکرام کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا مستحب ہے۔ قرائت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے۔ اعوذ باللہ ایک بار پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ قرات کے دوران کوئی دنیوی کام نہ کرے حتیٰ کہ اگر اس نے سلام کا جوہ دیا یا سبحن اللہ یا لا الہ الا اللہ کہا تو اعوذ باللہ کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ فتویٰ الحجہ میں مذکور ہے اور النوازل میں مذکور ہے کہ محمد بن مقاتل سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے سورہ توبہ کو بغیر بسم اللہ پڑھے پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے کہا اس نے خطا کی۔ علامہ سمرقندی نے کہا سورہ توبہ کو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر پڑھنا شروع کرے اور یہ قول قراء کی تصریح کے مخالف ہے انہوں نے کہا سورہ توبہ سے پہلے بسم اللہ کو اس لیے نہیں لکھا کہ بسم اللہ امن ہے اور سورہ توبہ رفع امن کے لیے ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ بتا دیتے تھے کہ اس کو فلاں جگہ رکھو اور رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور آپ نے سورہ توبہ کا مقام نہیں بتایا اور میں نے دیکھا کہ اس کا قصہ الاضلال کے قصہ کے مشابہ ہے کیونکہ الاضلال میں حدود کا ذکر ہے اور اس میں رفع الحدود کا ذکر ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں صحابہ کا اختلاف تھا بعض نے کہا الاضلال اور براءۃ (توبہ) ایک سورت ہیں جو قتل کے لیے نازل ہوئیں اور بعض نے کہا یہ الگ الگ سورتیں ہیں اس لیے ان کے درمیان فاصلہ کو رکھا گیا اور بسم اللہ کو نہیں لکھا گیا۔ اولیٰ یہ ہے کہ چالیس دن میں ایک بار قرآن مجید ختم کیا جائے دوسرا قول یہ ہے کہ سال میں دو بار قرآن مجید ختم کیا جائے امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ جس نے سال میں دو بار قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار ختم کرے البتہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہ کرے۔ کیونکہ سنن ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۴۹)

بستر لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ سنن ترمذی میں شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بستر لیٹ کر قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس کی ہر موذی چیز سے حفاظت کرتا ہے البتہ لوہا ٹانگیں ملائے غسل خانہ میں اور مواضع نجاست میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدا کی اور آخری آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۳، ص ۵۷-۵۸، مطبوعہ بیروت، مکتبۃ المستملی، ص ۳۹۷-۳۹۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۱۳ھ)

قرآن مجید سننے کا حکم آیا نماز کے ساتھ مخصوص ہے یا خارج از نماز کو بھی شامل ہے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے بعض بعض کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے کہ سلام علی فلاں سلام علی فلاں۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی واذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔

بشیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے لوگوں کو امام کے ساتھ نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا ابھی تک تمہاری سمجھ داری کا وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی تک تمہیں عقل نہیں آئی؟ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو جس طرح تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔

یہ حدیث فقہاء احناف کی دلیل ہے کہ نماز میں امام کے پیچھے قرائت نہیں کرنی چاہیے۔ اس حدیث کو امام ابن جریر کے

علاوہ امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، رقم الحدیث ۸۷۳۰)  
ان کے علاوہ حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۲۷۱، الدر المنثور ج ۳، ص ۶۳۵)

طلحہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک داعی وعظ کر رہا تھا اور عبید بن جریج اور عطاء بن ابی رباح بائیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا آپ دونوں وعظ نہیں سن رہے اور وعید کے مستحق ہو رہے ہیں ان دونوں نے میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی فصاحت دہرائی انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے جب میں نے تیسری بار کہا تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا یہ حکم صرف نماز کے متعلق ہے۔

مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی روایت ہے کہ قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم اس وقت ہے جب قرآن مجید کو نماز میں پڑھا جائے۔

حضرت ابن عباس، ابراہیم نخعی، عامر قلویہ، ابن زید اور زہری سے بھی یہی مودی ہے کہ یہ حکم نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ صحابہ نے کما نماز کے علاوہ تلاوت کے دوران قرائت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا نماز کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت نفل ہے خواہ وعظ میں ہو اس تلاوت کے دوران خاموش رہنا فرض نہیں ہے۔

مجاہد اور عطاء بن ابی رباح سے یہ روایت بھی ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران سننے اور خاموش رہنے کا حکم نماز اور خطبہ میں ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ یہ حکم جمعہ کے خطبہ کے متعلق ہے۔ نیز مجاہد سے روایت ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ کے متعلق ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ دو وقتوں میں خاموش رہنا واجب ہے جب امام نماز میں قرآن پڑھ رہا ہو یا وہ خطبہ دے رہا ہو۔

حسن بصری، سعید بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح سے بھی یہ روایت ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ دونوں کے متعلق ہے۔

(جامع البیان ج ۲، ص ۲۲۰-۲۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید کی اس ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کو خواہ نماز میں پڑھا جائے یا خطبہ اور وعظ میں یا اس کی عام تلاوت کی جائے ہر صورت میں قرآن مجید جب پڑھا جائے تو اس کا سننا فرض ہے اور تلاوت اور قرائت کے وقت خاموش رہنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرائت کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا لازم ہے خواہ یہ قرات نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔

آیا قرآن مجید سننا فرض عین ہے یا فرض کفایہ

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پہلو میں دوسرا شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور فقہ میں مشغول شخص کے لیے قرآن مجید سننا ممکن نہ ہو تو نہ سننے والے کا سننا قرآن مجید پڑھنے والے کو ہو گا اسی اصل پر اگر کوئی شخص رات کو چھت پر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ شخص گنہگار ہو گا۔ (علامۃ الفتاویٰ ج ۱، ص ۱۳۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:



نماز اور خارج نماز میں قرآن مجید کو سننا مطلقاً واجب ہے کیونکہ یہ آیت ہر چند کہ نماز کے متعلق وارد ہے، لیکن اعتبار خصوصیت سبب کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے، لہذا یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو۔ تب میں مذکور ہے کہ گھر میں پڑھ کر قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام کاج میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے اس کے پڑھنے سے پہلے کام شروع کیا ہو ورنہ وہ معذور نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد علامہ شامی نے خلاصۃ التعلوٹی کی عبارت نقل کی ہے کہ اگر فقہ میں مشغول شخص کے پاس کوئی قرآن پڑھے یا رات کو چمت پر پڑھے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تو ان کے نہ سننے کا گناہ پڑھنے والے پر ہوگا کیونکہ ان کے نہ سننے کا سبب پڑھنے والا ہے۔ یادہ سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کر کے انیت پانچا رہا ہے، اس میں غور کرنا چاہیے، اور شرح النبیہ میں یہ مذکور ہے کہ اصل میں قرآن کریم کا سننا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کی تلاوت کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض کے خاموش ہو جانے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے، جیسے سلام کا جواب دینا واجب ہے تاکہ مسلمان کے حق کی رعایت ہو اور بعض کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے اور باقی مسلمانوں سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ قرآن کریم پڑھنے والے پر اس کا احترام کرنا واجب ہے ہاں طور کہ وہ بازاروں میں قرآن مجید نہ پڑھے اور نہ ان مقامات پر قرآن کریم پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور اگر اس نے وہاں پڑھا تو قرآن مجید کی حرمت کو ضائع کرنے والا وہی شخص ہوگا، سودی گنہ گار ہوگا نہ کہ مشغول لوگ، تاکہ لوگوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں حرج نہ ہو۔ (غنیۃ المستمل ص ۷۹، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۲ھ) کاظمی القضاۃ یحییٰ منقاری زاہد نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۶-۳۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید احمد لطوی حنفی متوفی ۱۳۳۱ھ نے غنیۃ المستمل کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے۔

(حاشیۃ اللطوی علی الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ دار السرف بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ایراجم حلبی صاحب غنیۃ المستمل متوفی ۱۳۵۶ھ نے قرآن مجید سننے کے حکم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور علامہ شامی اور علامہ لطوی نے ان کی اتباع کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں مسلمانوں کے لیے آسانی ہے، لیکن ان کی دلیل دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ انہوں نے قرآن مجید سننے کے حکم کو سلام کا جواب دینے کے حکم پر قیاس کیا ہے حالانکہ سلام کا جواب دینے کا حکم خبر واحد سے ثابت ہے اور اس کا جواب نفی ہے اور قرآن مجید سننے کا حکم خود قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت قطعی ہے، سو یہ اعلیٰ کو لوٹی پر قیاس کرنا ہے، اور ثانیاً اس لیے کہ سلام کا جواب دینے میں مسلمان کے حق کی رعایت ہے اور قرآن مجید سننے میں اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے میں اللہ کے کلام کے حق کی رعایت ہے اور اللہ کے کلام کے حق کی رعایت بندہ کے حق کی رعایت سے کئی درجہ افضل ہے۔ نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک محفل میں تلاوت کی جارہی ہو اور ایک آدمی خاموش ہو کر سننے اور باقی شرکاء محفل تلاوت کی طرف توجہ نہ کریں اور آپس میں باتیں کرتے رہیں تو یہ امر جائز ہو حالانکہ اس میں قرآن مجید کی صریح بے حرمتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک کاظمی منقاری زاہد کا یہ قول صحیح ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

قرآن مجید سننے کے حکم میں مذہب فقہاء

اس سلسلہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء احناف میں سے علامہ منقاری زاہد کے نزدیک قرآن مجید سننا فرض عین ہے

اور یہی صحیح ہے اور علامہ حلبی کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

تبیین القرآن

امام مالک کے نزدیک قرآن مجید نماز میں پڑھا جائے یا خارج از نماز اس کا سننا واجب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ وادافرو فانصتوا (صحیح مسلم رقم الحديث: ۴۰۳) جب امام قرائت کرے تو خاموش رہو حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۵۸۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام مالک کی اور ان فقہاء کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب امام بلند آواز سے قرائت کرے تو مقتدی قرائت نہ کرے اور امام دار قطنی کا اس حدیث پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر حفاظ کا اجماع نہیں ہے۔ کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ (المتمم ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی قرآن مجید کا سننا فرض ہے کیونکہ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۳۰ھ لکھتے ہیں:

مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واذقرو القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الاعراف: ۲۰۳) اور حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے بلند آواز سے قرائت کی تھی۔ پھر فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرائت کی تھی؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میں نے قرائت کی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب ہی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے قرآن پڑھنے میں دشواری کیوں ہو رہی ہے۔ پھر لوگ ان نمازوں میں قرائت کرنے سے رک گئے جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قرائت کرتے تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا۔

(الوطار رقم الحديث: ۶۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۵۸ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۸-۳۳۹ مسند

احمد ج ۲ ص ۳۸-۳۹ ج ۵ ص ۲۳۵ الکافی ج ۱ ص ۲۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کا سننا مستحب ہے۔ قاضی عبد اللہ بن مریم صلی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے ظاہر لفظ کا مختصا یہ ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا مطلقاً واجب ہو اور علامۃ العلماء کے نزدیک خارج از نماز قرآن مجید کا سننا مستحب ہے اور جو علماء امام کے پیچھے مقتدی کی قرائت کو واجب نہیں کہتے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور یہ استدلال ضعیف ہے۔ (الوار اثریل واسرار الملویل مع حاشیہ انکار زوی ج ۳ ص ۸۶)

ڈاکٹر وجہ زحلی مصری لکھتے ہیں:

جن محفلوں میں قرآن مجید کی قرائت کی جائے ان میں قرآن کریم سننے اور خاموش رہنے کو ترک کرنا بہت سخت مکروہ ہے۔ مومن پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اس کے سننے پر حرص ہو جیسا کہ وہ مجلس میں قرآن مجید کی تلاوت پر حرص ہوتا ہے۔ (التفسیر المنیر ج ۹ ص ۲۲۹-۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۵ھ)

صحیح یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس کا سننا اور خاموش رہنا بر محل میں اور ہر کیفیت میں واجب ہے خواہ نماز ہو یا غیر نماز ہو۔ (التفسیر المنیر ج ۹ ص ۲۳۲ مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی کتاب کی کسی ایک آیت کو بھی غور سے سنا ہے اس کے لیے دینی چوگنی نیکی لکھی جائے گی اور جس نے اس آیت کی تلاوت کی وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور

ہوگی۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۱، مسند احمد ج ۸، رقم الحديث: ۸۴۷۵، طبع کاہرہ، الجامع الصغير رقم الحديث: ۸۳۲۵)

امام کے پیچھے قرآن سننے میں مذہب اربعہ

امام ابو الخلیفہ ابراہیم بن علی الفیروز آبادی الشیرازی الشافعی المتوفی ۳۵۵ھ لکھتے ہیں:

آیا مقتدی پر بھی سورہ فاتحہ کی قرائت واجب ہے اس میں غور کیا جائے گا اگر وہ ایسی نماز ہے جس میں آہستہ قرائت کی جاتی ہے تو مقتدی پر سورہ فاتحہ کی قرائت واجب ہے اور اگر وہ ایسی نماز ہے جس میں بلند آواز سے قرائت کی جاتی ہے تو اس میں دو قول ہیں کتاب الامام نور البیہقی میں مذکور ہے کہ اس میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، کیونکہ حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی آپ پر قرائت و شوار ہو گئی، آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم اپنے امام کے پیچھے قرائت کر رہے تھے، ہم نے کہا اللہ کی قسم ہم ایسا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے سوا ایسا نہ کیا کرو، کیونکہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، اور امام شافعی کا قیام قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے بلند آواز سے قرائت کی تھی آپ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرائت کی تھی، ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا (تجھبی) میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری تلاوت میں دشواری کیوں ہو رہی ہے، جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قرائت کرتے تھے، ان نمازوں میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرائت کرنا ترک کر دیا۔ (المذہب ج ۱، ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں مختلف اور متضاد اقوال ہیں

علامہ شمس الدین محمد بن منیع المقدسی الحنبلی المتوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

اثرم نے نقل کیا ہے کہ مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، ابن الزرقانی نے شرح الخرقی میں اسی طرح ذکر کیا ہے، اور ہمارے اکثر اصحاب اس کے وجوب کو نہیں پہچانتے، اس کو نوادر میں نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس نماز میں آہستہ قرائت ہوتی ہے اس میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے۔ ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ ہر رکعت میں جب امام بلند آواز سے قرائت کرے تو مقتدی اس کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اور انہوں نے کہا کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا کفایت کرے گا اور سری نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے اور سلکت میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

(کتاب الفروع ج ۱، ص ۲۷۷، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۷۴۰ھ نے لکھا ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے  
وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (الاعراف: ۴۳)

(الکافی ج ۱، ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن علی الخرشنی المالکی المتوفی ۱۱۱۱ھ لکھتے ہیں:

فرض نماز اور نفل نماز میں امام پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے امام کی قرائت مقتدی کی قرائت ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ البتہ سری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

(حاشیہ الخرشنی علی مختصر سیدی غلیل ج ۱، ص ۲۶۹، مطبوعہ دار صادر بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک نماز سری ہو یا جہری، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا قُيِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف: ۴۳) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے اور جن نمازوں میں آہستہ قرائت کی جاتی ہے ان میں اگرچہ سنا ممکن نہیں ہے لیکن خاموش رہنا ممکن ہے۔ پس اس سے ظاہر نص کے اعتبار سے ان نمازوں میں خاموش رہنا واجب ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے امام کے پیچھے قرائت کرنے کو ترک کر دیا اور ان کے امام رسول اللہ ﷺ تھے۔ پس ظاہر ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے امر سے قرائت کو ترک کیا تھا اور حدیث مشہور میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے امام کو اس لیے امام بتایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو تم اس سے اختلاف نہ کرو جب وہ تجھ پر ہے تو تم تجھ پر ہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اس حدیث میں امام کی قرائت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۳۰۴)

ہمارے نزدیک بغیر قرات کے کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی اور مقتدی کی نماز بغیر قرات کے نہیں ہے بلکہ یہ نماز قرات کے ساتھ ہے اور وہ امام کی قرات ہے کہ تکبیر نی ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرات اس شخص کی قرات ہے۔

(ابو حدیث حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۵۰، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۸، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۵۰، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۸۹، رقم الحدیث: ۱۰۹۵، طبع جدید، زادک ابو میری ج ۲ ص ۳۳۳، رقم الحدیث: ۳۳۰، التعمیم الاوسط ج ۸، رقم الحدیث: ۵۵۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۷۹۷، سند احمد ج ۳ ص ۳۳۹، السنن الکبریٰ للشیخ ج ۲ ص ۱۱۰-۱۱۱، کمال ابن عدی ج ۱ ص ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷، کتاب الآثار امام محمد ص ۱، کتاب الآثار لابن یوسف ص ۲۳، رقم الحدیث: ۳۳، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۳۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ)

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے اس لیے تعدد اسناد کی وجہ سے یہ حدیث حسن فیہ ہے اور اسی (۸۰) کبار صحابہ سے امام کے پیچھے قرات کی ممانعت منقول ہے جن میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ہیں اور کئی صحابہ سے یہ منقول ہے کہ امام کے پیچھے قرات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرات کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

امام کے پیچھے قرات نہ کرنے کے متعلق احادیث

مبلغ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی شخص امام کے پیچھے قرات کرے تو وہ فرماتے جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کے لیے کافی ہے۔ اور جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو قرات کرے۔ مبلغ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرات نہیں کرتے تھے۔ (یہ صحیح حدیث ہے)

(الموطا رقم الحدیث: ۱۹۳، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۳۸۸، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۶۱، مواطا امام محمد ص ۹۳، شرح معانی

الآثار ص ۱۲۹)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرائت کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں صرف ایک شغل ہے اور تمہیں امام کی قرات کافی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرات کرتا ہے کاش اس کے منہ میں مٹی بھری جاتی۔ عیید اللہ بن مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قرات نہ کرو۔

ابو حمزہ نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کیا وہ امام کے پیچھے قرات کریں، حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں۔

(شرح معانی الآثار ص ۱۲۹، مطبوعہ مجبائی پاکستان لاہور)

حافظ شلب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن مسعود سے امام کے پیچھے قرات کی ممانعت ثابت ہے اور حضرت ابو سعیدؓ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے بھی روایات وارد ہیں۔

(الدرایہ مع اللہ ایچ الاولین ص ۱۲۱، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ لبنان)

جریر از سلیمان از قتادہ از حضرت عبداللہ بن مسعود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرات کرے تو خاموش رہو۔ (امام مسلم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

۱ صحیح مسلم ملا: ۶۳، (۳۰۳) ۸۸۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۷۳-۹۷۴

ان احادیث کے علاوہ ہم متعدد حوالہ جات کے ساتھ یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرات ہی اس کی قرات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۳۰۵)

ذکر خفی کی فضیلت

اس آیت میں یا تو خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ کو خطاب ہے یا اس سے ہر شخص والا خطاب مراد ہے، اس آیت میں دل سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے یا آہستہ اور پست آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ ایک جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ ایک ہاشت میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چلا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

(صحیح مسلم الذکر ۲۱، ۲۶۷، ۶۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۳، طبع قدیم، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث: ۸۶۳۵، طبع قاہرہ)

آہستہ آہستہ ذکر کرنے یا دل میں ذکر کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ذکر کرنا اخلاص کے زیادہ قریب ہے اور اس کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے۔ اور ذکر فی نفسہ سے مراد یہ ہے کہ جن اذکار کا وہ زبان سے ذکر کر رہا ہے ان کے معنی سے واقف ہو، اور اس کا دل ذکر کے معنی کی طرف متوجہ ہو اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت میں ڈوبا ہوا ہو، کیونکہ اگر وہ خلل زبان

طبقات القرون

سے ذکر کرے اور دل اس کے معنی کے تصور اس کی یاد اور خضوع اور خشوع سے غللی ہو تو وہ ذکر بے سود ہے بلکہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایسے ذکر سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ معتدل آواز کے ساتھ جہر بالذکر ممنوع نہیں ہے۔

دون الحہر من القول زبان سے آواز بلند کیے بغیر اس کا معنی ہے چلا چلا کر ذکر نہ کیا جائے یا گلا پھاڑ کر ذکر نہ کیا جائے جیسے کوئی شخص ہرے سے بت کر رہا ہو یا کسی دور کھڑے ہوئے آدمی سے چلا کر بت کر رہا ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے مسلمان بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو تم کسی ہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم سننے والے اور قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے پھر آپ نے فرمایا در آنھا یکہ میں آپ کے پیچھے تھا اور میں کہتا ہوں لا حول ولا قوۃ الا باللہ گناہوں سے بچا اور نیکی کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے پھر فرمایا اے عبد اللہ بن قیس! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی رہنمائی نہ کروں میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کو لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۹، صحیح مسلم ذکر ۴۴ (۲۷۰۳) ۶۷۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۸، ۱۵۲۷، ۱۵۲۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۳، مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۳، ۳۳۴)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ آپ نے گلا پھاڑ کر اور چلا چلا کر ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت اور یہ حدیث معتدل آواز کے ساتھ ذکر بطور کے ملتی نہیں ہے۔

ذکر کے لیے صبح اور شام کے اوقات کی تخصیص کی حکمت

صبح اور شام کے اوقات کو ذکر کے ساتھ خاص فرمایا ہے، یوں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے اور کسی وقت اس کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہیے لیکن ان اوقات کی خصوصیت یہ ہے کہ صبح کے وقت انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے اور نیند بہ منزلہ موت ہے اور بیداری بہ منزلہ حیات ہے اور اس وقت جہان بھی ظلمت سے نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اس لیے اس وقت میں اس خاص نعمت پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور شام کا وقت جو بہ منزلہ موت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کیونکہ موت کے بعد ہی انسان اخروی نعمتوں سے ہم کنار ہوتا ہے نیز ان اوقات میں انسان پر سکون ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بہت مناسب اوقات ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فجر کے وقت رات کے فرشتے جا رہے ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے آ رہے ہوتے ہیں تو دونوں فرشتے اس کے ذکر کو لکھ لیں گے اور اسی طرح شام کے وقت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں (الاعراف: ۳۰۶)

فرشتوں کی کثرت عبادت سے انسان کو عبادت پر ابھارنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی تلخیں کی تھیں اور دامن ذکر کرنے کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کے محرکات اور بواعث کو مزید تقویت دی ہے اور فرمایا جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے بہت مکرم اور مشرف ہیں وہ ظاہر اور معصوم ہیں وہ شہوت اور غضب کے محرکات سے بری ہیں اور کینہ اور حسد کے بواعث سے حذر ہیں، ان اوصاف اور کمالات کے بلوغ جب وہ دامن اللہ عزوجل



کی عبادت کرتے ہیں اور خضوع اور خشوع سے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور انسان جو کہ جسمانی عظمتوں اور بشری کثافتوں کا مرتع ہے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں کی آماجگاہ ہے تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرے۔ فرشتوں کی اطاعت اور عبادت کے متعلق قرآن مجید کی اور بھی آیات ہیں:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۱۹۶﴾  
وَمَا يَمَسُّ إِلَّا إِلَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۹۷﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿۱۹۸﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۹۹﴾  
(التحریم: ۱)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی کرتے ہیں جس کا نہیں حکم دیا جاتا ہے۔  
اور ہم (فرشتوں) میں سے ہر ایک کے لیے اس کے قیام کی جگہ مقرر ہے اور بے شک ہم ہی صف باندھنے والے ہیں اور بے شک ہم ہی تسبیح کرنے والے ہیں۔

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش الہی کے گرد طوق باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہوں گے۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ خَافِعِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (المرجہ: ۷)

فرشتوں کی کثرت عبادت ان کی انضیاء کو مستلزم نہیں

قرآن مجید کی اس آیت میں فرشتوں کی طہارت اور عصمت اور قد و منزلت کے بلوجود ان کی اطاعت اور عبادت کو بیان کر کے عام مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت اور عبادت پر راغب فرمایا ہے۔ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرشتے انبیاء عظیم السلام سے افضل ہیں کیونکہ ان آیات میں خطاب عام مسلمانوں کی طرف متوجہ ہے اور جہاں تک انضیاء کا تعلق ہے تو ہمارے متکلمین نے تصریح کی ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عبادت البشر سے افضل ہیں اور عبادت البشر (نیک مسلمان) عبادت الملائکہ سے افضل ہیں اور جہاں تک فرشتوں کی کثرت عبادت اور اطاعت کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ فرشتوں میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں رکھا گیا اور ان میں بھوک اور پیاس اور دیگر انسانی اور بشری تقاضے نہیں رکھے گئے اور ان کو اطاعت اور عبادت سے روکنے اور منع کرنے والی کوئی چیز نہیں، نہ ان پر کسی کی کفالت کی ذمہ داری ہے اور انسان کے ساتھ یہ تمام عوارض ہیں سو ان عوارض اور ان تقاضوں کے بلوجود انسان کا گناہوں سے رکنا اور اللہ کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے کہیں افضل ہے جو ان عوارض اور موانع کے بغیر عبادت کرتے ہیں۔

حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے ولہ یسجدون کا تعارض اور اس کے جوابات

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اور فرشتے اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے سوال اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے ملائکہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا امام رازی نے امام غزالی سے اس سوال کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ زمین کے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور آسمان کے عظیم فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس لیے اثبات اور نفی کے کل الگ الگ ہیں۔ پھر امام رازی نے خود اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں نفی عموم ہے اور حضرت آدم کے قصہ میں خاص فرشتوں کے سجدہ کا ذکر ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۵ھ)

امام غزالی اور امام رازی کی عظمتیں مسلم ہیں لیکن میرے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سجدہ عبودیت کی نفی ہے یعنی فرشتے اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا سجدہ نہیں کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم

سے سجدہ تعظیم کیا تھا اور اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت آدم کو صرف زمین کے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا جبکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم کو سب فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ فسجد الملائكة كلهم اجمعون الا ابليس (البقرہ: ۳۰) تو ابلیس کے سوا سب کے سب فرشتوں کے اکیٹھے ہو کر آدم کو سجدہ کیا نیز البقرہ: ۳۳ کی تفسیر میں خود امام رازی نے یہ تصریح کی ہے کہ اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ سورۃ الحجر کی آیت میں جمع کا صیغہ ہے پھر اس کو کل اور اجمعون کی تاکیدات سے موکد کیا ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں صرف ابلیس کا استثناء کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ البتہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ صرف زمین کے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور انہوں نے اس کو مستبعد جانا کہ اکثر ملائکہ کو حضرت آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس لیے محفوظ جواب یہی ہے کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ تعظیم ادا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فرشتے سجدہ عبادت نہیں کرتے اور سیاق کلام بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین کی جا رہی ہے کہ فرشتے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں اس کے غیر کو سجدہ عبادت نہیں کرتے۔

**سجدہ تلاوت کی تحقیق**

سورۃ الاعراف کی یہ آخری آیت ہے اور قرآن مجید میں یہ پہلی آیت سجدہ ہے اور آخری آیت سجدہ سورۃ العلق کی آخری آیت ہے واسجد واقرب (العلق: ۱۹) آیات سجدہ کے متعلق فقہاء کے دو قسم کے اختلاف ہیں ایک اختلاف اس میں ہے کہ آیت سجدہ کا حکم کیا ہے آیا اس آیت کو پڑھنے یا سننے کے بعد اس آیت پر سجدہ کرنا سنت ہے یا واجب؟ اور دوسرا اختلاف آیات سجدہ کی تعداد میں ہے۔ ہم پہلے آیات سجدہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف بیان کریں گے اور پھر ان کی تعداد میں فقہاء کے مذاہب بیان کریں گے۔

**سجدہ تلاوت کے حکم میں مذاہب فقہاء**

امام مالک بن انس ابوبکر متوفی ۹۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر کے اوپر سجدہ کی آیت تلاوت کی پھر منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا دوسرے جمعہ کو پھر اس آیت کو پڑھا تو مسلمان سجدہ کے لیے تیار ہوئے حضرت عمر نے کہا اپنی جگہ بیٹھے رہو بے شک اللہ نے ہم پر اس سجدہ کو فرض نہیں کیا مگر یہ کہ ہم سجدہ کرنا چاہیں پھر حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا اور لوگوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۳۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شیرازی شافعی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرنے والے اور اس کو غور سے سننے والے دونوں کے لیے سجدہ تلاوت مشروع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور جب سجدہ کی آیت سے گزرتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے اور اگر قرآن پڑھنے والا سجدہ تلاوت ارادہ کرے تو اس کو غور سے سننے والا سجدہ کرے کیونکہ سجدہ دونوں کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ایک کے سجدہ ترک کرنے کی وجہ سے دوسرا سجدہ کو ترک نہ کرے اور جس شخص نے کسی شخص سے تلاوت سنی لیکن وہ اس کو غور سے نہیں من رہا تھا (آیت سجدہ کی طرف متوجہ نہ تھا) تو اس کے متعلق امام شافعی نے کہا میں اس پر سجدہ کرنے کی ایسی تاکید نہیں کرتا جیسے میں غور سے سننے والے کو سجدہ

کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو غور سے  
سنے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو اس کے لیے بیٹھے۔ اور سجدہ تلاوت کرنا سنت ہے واجب  
نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی تو ہم میں سے  
کسی شخص نے سجدہ نہیں کیا۔ (المذہب ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی تو ہم  
میں سے کسی نے بھی سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور حضرت عمر نے کہا اے لوگو! ہم آیات سجدہ کے ساتھ گزرتے تھے  
تو جو سجدہ کر لیتا وہ درست کرتا اور جو سجدہ نہیں کرتا اس پر کوئی گناہ نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا۔

(الکافی ج ۱ ص ۲۷۲-۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ علی بن ابی بکر المرینانی الحنفی متوفی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں

تلاوت کرنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب ہے خواہ اس نے سننے کا قصد کیا ہو یا نہیں۔ کیونکہ نبی  
ﷺ کا ارشاد ہے: سجدہ اس پر ہے جو اس کو سننے اور جو اس کی تلاوت کرے "لفظ" علی وجوب کے لیے آتا ہے اور حدیث میں  
قصد کی قید نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۳۳ مطبوعہ شرکہ مطبعہ لبنان)

علامہ المرینانی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول  
ہے۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ البیہقی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:  
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سجدہ صرف اس شخص پر ہے جو آیت سجدہ کو سنتا ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

مفسر نے بیان کیا کہ ابراہیم نخعی، یحییٰ بن یزید اور سعید بن جبیر نے یہ کہا کہ جس شخص نے آیت سجدہ کو سنا اس پر سجدہ کرنا لازم  
ہے۔ (المصنف ج ۲ ص ۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

سجدہ تلاوت کے وجوب پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان آیات سے بھی استدلال کیا ہے:

وَادْأُمَّرْهُمْ عَلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَسْجُدُوا

اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

(الانشقاق: ۳۱)

اس آیت میں سجدہ نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے اور مذمت واجب کے ترک کرنے پر ہوتی ہے۔

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا (النجم: ۳۳) پس اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق) آپ سجدہ کریں اور (ہم سے) قریب ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں سجدہ کا امر کیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے سو ان آیات سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت ادا کرنا  
واجب ہے۔

سجدہ تلاوت کی تعداد میں مذہب فقہاء

امام مالک بن انس ابی متوفی ۱۷۹ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عزائم سجود القرآن گیارہ سجدے ہیں ان میں سے متصل (الحجرات سے آخر قرآن تک) میں کوئی سجدہ نہیں

ظہیر القرآن

جلد چہارم

ہے۔ (یعنی النجم، الاشفاق اور العلق کے سجرات)۔ (الموطا ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۹ھ)

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف ہاشمی مالکی متوفی ۳۳۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے جمہور اصحاب کا یہی مذہب ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اور ابن وہب نے کہا عزائم سجود القرآن چودہ سجے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور ابن حبیب نے کہا عزائم السجود پندرہ سجے ہیں انہوں نے سورہ حج کا دوسرا سجدہ بھی شامل کر لیا۔

(المطی ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی متوفی ۵۳۳ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں پندرہ سجے ہیں۔ پہلا سجدہ سورۃ الاعراف کی آخری آیت میں ہے ولہ یسجدون (الاعراف: ۲۰۶) دوسرا سجدہ وظلالہم بالعدو والاصال (الرعد: ۱۵) تیسرا سجدہ ویفعلون ما یؤمرون (التعل: ۵۰) چوتھا سجدہ ویزیدہم خشوعا (نہی اسرائیل: ۱۰۹) پانچواں سجدہ عسروا سعدا ویکبوا (مریم: ۵۸) چھٹا سجدہ یعمل ما یشاء (الحج: ۱۸) ساتواں سجدہ تفلحون (الحج: ۷۷) آٹھواں سجدہ نفورا (الفرقان: ۲۰) نویں سجدہ رب العرش العظیم (التل: ۲۶) دسواں سجدہ وہم لا یستکبرون (السجد: ۱۵) گیارہواں سجدہ عسرا کعبا واناب (ص: ۲۳) بارہواں سجدہ ان کسکم ایہا تعبدون (حم السجد: ۱۵) تیرہواں سجدہ واعبدوا (النجم: ۳۷) چودھواں سجدہ لا یسجدون (الاشقاق: ۲۱) پندرہواں سجدہ واسجدوا اقترب (العلق: ۱۸)۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۶۸-۳۶۹، دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۸ھ)

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ سجرات بحکوت چودہ سجے ہیں (علامہ ابن العربی مالکی کے حوالے سے جو ہم نے پندرہ آیات سجدہ ذکر کی ہیں ان میں سورۃ ص ۲۳ کے علاوہ باقی وی آیات سجدہ ہیں) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن مجید میں پندرہ سجوں کی تعلیم دی۔ ان میں سے تین مفصل میں ہیں دو الحج میں ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ سجود خلوات گیارہ سجے ہیں۔ اور انہوں نے مفصل کے تین سجے ساکت کر دیے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی آپ نے مفصل کی کسی آیت پر سجدہ نہیں کیا۔ (مفصل کے سجرات سے مراد النجم، الاشفاق اور العلق کے سجرات ہیں)

(المذہب ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن تدامہ مقدسی ضلی متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

سجرات القرآن چودہ سجے ہیں (سورہ ص کے سجدہ کے علاوہ باقی مذکورہ سجرات) ان میں سے دو سجے الحج میں ہیں اور تین مفصل میں ہیں۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ پندرہ سجے ہیں ان میں سے ایک ص کا سجدہ ہے کیونکہ حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پندرہ سجوں کی تعلیم دی ان میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سجدہ الحج میں ہیں۔ (سنن ابوداؤد) اور صحیح یہ ہے کہ سورہ ص کا سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ ص عزائم سجود میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

تمام آیات سجرات اجماع سے ثابت ہیں سوائے مفصل کے سجرات کے اور الحج کے دو سرے سجدہ کے اور یہ سجے حضرت عمرو بن العاص کی حدیث سے ثابت ہیں اور حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا الحج

میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہیں اور جس نے یہ دو سجدے نہیں کیے اس نے ان کو نہیں پڑھا۔ (ابوداؤد)  
(الکافی ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسنی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) الاعراف (۲) الرعد (۳) التعل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) الحج کا پہلا سجدہ (۷) الفرقان (۸) التمل (۹) الم تنزل السجدہ (۱۰) ص (۱۱) حم السجدہ (۱۲) النجم (۱۳) الاشعق (۱۴) اقرہ۔ اس کی تعداد میں دیگر فقہاء سے ہمارے تین اختلاف ہیں، پہلا اختلاف یہ ہے امام شافعی، امام احمد اور بعض فقہاء مالکیہ کے نزدیک سورہ الحج کا دوسرا سجدہ (ارکعوا واسجدوا الحج: ۷۷) بھی سجدہ تلاوت ہے اور ہمارے نزدیک وہ نماز کا سجدہ ہے۔ (جن احادیث سے ان ائمہ نے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہیں۔ فتح القدیر میں تفصیل کے ساتھ ابن کی وجہ ضعف بیان کی گئی ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان سجدات کو شمار کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے اور سورہ الحج کا ایک سجدہ شمار کیا اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ تلاوت الحج میں پہلا سجدہ ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے۔ نیز جب سجدہ کا رکوع کے ساتھ ذکر ہو تو اس سے مراد نماز کا سجدہ ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے واسجدی وارکعی۔ (آل عمران: ۴۳)

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ سورہ ص کا سجدہ ہمارے نزدیک سجدہ تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ سجدہ شکر ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورہ ص پڑھی اور سجدہ تلاوت کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ تلاوت کیا، صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ یہ سجدہ ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا، اگر یہ سجدہ واجب نہ ہوتا تو اس کو نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورہ ص پڑھ رہا ہوں جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو روات اور قلم نے سجدہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم روات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حذر ہیں پھر آپ نے اس مجلس میں سورہ ص کو پڑھنے کا حکم دیا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت پر سجدہ کیا۔ (اس حدیث کا امام ترمذی اور امام حاکم نے ذکر کیا ہے اور اس میں روات اور قلم کی جگہ درخت کا ذکر ہے اور اس میں درخت کی اس دعا کا ذکر ہے اے اللہ! مجھ سے اس سجدہ کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے اس سجدہ کو اپنے بندہ داؤد سے قبول کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۹ المستدرک ج ۱ ص ۲۲۰-۲۲۱)

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مفصل (النجم، الاشعق، التعل) میں تین سجدے ہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ ہماری دلیل حضرت عمران بن حصین کی حدیث ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مفصل میں تین سجدے ہیں۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۰۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

## حرف آخر

الحمد للہ علی احسانہ آج بہ روز منگل سورہ ۱۸ شعبان ۱۴۱۹ھ / ۸ نومبر ۱۹۹۸ء کو بعد از نماز عصر سورہ الاعراف کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الا العالمین جس طرح ان سورتوں کی تفسیر کو آپ نے مکمل کر دیا ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کر دیں، اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں، اس کو تاقیام قیامت فیض آفریں رکھیں، اس کو موافقین کے لیے باعث استقامت اور مخالفین کے لیے باعث ہدایت بنائیں اور اس کتاب کو اور میری باقی کتابوں کو مخالفین کے شر اور فساد سے محفوظ رکھیں، اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرمادیں۔ امین یا رب العالمین بحسبہ

حبيبك سيدنا محمد خاتم النبيين صلوات الله عليه وعلى آله الطاهرين واصحابه  
الكاملين وارواحهم امهات المؤمنين والعلماء الراشخين والاولياء العارفين -







# سُورَةُ الْأَنْفَالِ

(٨)



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

## سورة الانفال

انفال کا معنی

علامہ حسین بن محمد رغب اصفہانی متوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں:

انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ لیکن مختلف اعتبارات کی وجہ سے اس کے معنی مختلف ہیں۔ جہاد میں فتح اور کامیابی کے اعتبار سے اس مال کو غنیمت کہتے ہیں اور یہ لحاظ کیا جائے کہ بغیر وجوب کے ابتداً یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے اس کو نفل کہتے ہیں اور بعض علماء نے غنیمت اور نفل میں عموم اور خصوص کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔ سو جو مال مشقت یا بغیر مشقت کے استحقاق یا بغیر استحقاق کے جہاد میں کامیابی سے پہلے یا اس کے بعد حاصل ہو اس کو مال غنیمت کہتے ہیں اور مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے انسان کو جو مال حاصل ہو اس کو نفل کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دشمن سے جنگ کے بغیر مسلمانوں کو جو مال ملے حاصل ہوتا ہے اس کو نفل کہتے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد مسلمان سے جو چیزیں الگ کر لی جاتی ہیں ان کو نفل کہتے ہیں۔

يَسْتَلُوْكَ عَنِ الْاَنْفَالِ (الانفال: ۱۰) لوگ آپ سے الانفال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

اس آیت میں الانفال کا یہی آخری معنی مراد ہے۔ (مفردات ج ۲، ص ۵۵۶، مطبوعہ مکتبہ زہراء، مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابواسطوٰات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں:

نفل کا معنی ہے مال غنیمت (جب ن اور ف پر زیر ہو) اور اس کی جمع انفال ہے۔ اور جب (ف پر جزم ہو) نفل ہو تو اس کا معنی ہے زیادہ۔ امام ابوداؤد حبیب بن مسلمہ جریڈ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ کان ینفل الربیع بعد  
الخمس والثلاث بعد الخمس ادا رجع۔ رسول اللہ ﷺ فہم نکالنے کے بعد مال غنیمت کا جو تھا  
تائی حصہ تقسیم کرتے اور جہاد سے واپس کے بعد فہم منہا کر کے  
تائی حصہ تقسیم فرماتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۱، مسند احمد ج ۳، ص ۱۲۰)

نیز امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجد کی طرف ایک لشکر

کے ساتھ روانہ کیا پھر چند مسلمانوں کو بہ طور کمک روانہ کیا۔

فکان مسہمان الحبش اثنی عشر بعیرا اس فکر کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئے۔ آپ نے یہ  
اثنی عشر بعیرا و نفل اهل السریة بعیرا طور کمک آنے والے کو ایک ایک اونٹ زیادہ عطا کیا تو ان کا  
بعیرا و کانت مسہمانہم ثلثة عشر ثلثة حصہ تیرہ اونٹ ہو گئے۔  
عشر۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۷۲، الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۷، مسند احمد ج ۲، ص ۶۲)

احادیث میں نفل اور انفل کا ذکر بہت زیادہ آیا ہے اور بعض مہلکات کا نام نوافل رکھا گیا ہے کیونکہ وہ فرائض پر زائد ہوتی  
ہیں۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی روایت کی ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یرال  
العبد یتقرب الی بالنوافل بندہ نوافل کے ذریعہ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲، مسند احمد ج ۲، ص ۶۲)

### سورة الانفال کی وجہ تسمیہ

نفل کا معنی مل قیمت ہے اور کفار سے چھینے ہوئے سلعان سے جو چیزیں الگ کر لی جاتی ہیں ان کو بھی نفل کہا جاتا ہے اور  
اس سورت میں نفل کو اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہو گا۔ اس لیے اس سورت کا نام  
الانفال رکھا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں ایک کھوار لے کر آیا میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ  
تعالیٰ نے میرے سینہ کو مشرکین سے ٹھنڈا کر دیا ہے آپ یہ کھوار مجھے عطا فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ نہ میری ملکیت ہے نہ  
تمہاری۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید آپ یہ کسی ایسے شخص کو عطا فرمادیں گے جس نے میری طرح مشقت نہ اٹھائی ہوگی پھر  
تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا تم نے مجھ سے یہ کھوار مانگی تھی اس وقت یہ میری ملکیت میں نہیں تھی اور  
اب یہ میری ملکیت میں آچکی ہے سو اب یہ تمہاری ہے۔ اور تب یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال: ۱)  
یہ (مسلمان) آپ سے مل قیمت سے زائد چیزوں کے حعلق سوال کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۳۰)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میرے بھائی عمار کو قتل کر دیا گیا تھا اور میں نے سعید  
بن العاص کو قتل کیا تھا میں نے اس کی کھوار پر قبضہ کر لیا اس کھوار کا نام ذاکینہ تھا۔ میں اس کھوار کو نبی ﷺ کے پاس لے کر  
گیا آپ نے فرمایا اس کھوار کو وہیں جا کر ڈال دو جس مل قیمت کا سلعان اکٹھا کر کے رکھا گیا ہے۔ میں واپس گیا اور اپنے بھائی  
کے قتل کیے جانے اور اس کھوار کے لیے جانے سے مجھے اس قدر رنج ہوا تھا جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابھی میں تھوڑی  
دور ہی گیا تھا کہ سورة الانفال نازل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ اپنی کھوار لے لو۔

(مسند احمد ج ۱، ص ۱۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۳۷۰، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۳۷۸۹، سنن کبریٰ ج ۶، ص ۲۹)

اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۳۷۸، کدر الشوری ج ۳، ص ۳)

### سورة الانفال کا زمانہ نزول

امام نحاس، امام ابو الشیخ اور امام ابن مردودہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے

کہ سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ امام ابن مردودہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت زید بن ثابت سے بھی روایت کیا ہے کہ سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المشرع ج ۴ ص ۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورۃ الانفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ امام ابن اسحاق نے کہا کہ پوری سورۃ الانفال بدر کے معاملات میں نازل ہوئی ہے۔ غزوہ بدر ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد رمضان المبارک میں رونما ہوا اور یہ تحویل قبلہ کے دو ماہ بعد ہوا تھا اور اس کے نزول کی ابتداء بدر سے واپسی سے پہلے ہوئی کیونکہ اس کی پہلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان بدر میں تھے اور ابھی مل غنیمت کی تقسیم شروع نہیں ہوئی تھی جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورۃ الانفال کا مقام اس کی آیتوں کی تعداد اور سبب نزول

یہ سورت سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے سورۃ البقرہ نازل ہوئی پھر آل عمران اور پھر الانفال۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے جو سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ واضح رہے کہ ایک سورت کے بعد دوسری سورت نازل ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ دوسری سورت پہلی سورت کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے بلکہ کئی مرتبہ پہلی سورت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری سورت کا نزول شروع ہو جاتا تھا اور سورہ بقرہ کے نزول کی تکمیل سے پہلے سورۃ الانفال کا نزول مکمل ہو گیا تھا۔ کیونکہ سورۃ الانفال میں صرف ایک قسم کے احکام ہیں یعنی مل غنیمت اور جملہ سے متعلق احکام ہیں۔ اور سورۃ البقرہ میں عبادات اور معاشرتی اور تمدنی مسائل سے متعلق انواع و اقسام کے احکام ہیں۔

جلد بن زید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانفال کے نزول سے پہلے انھیں سورۃ تین نازل ہو چکی تھیں اور اس کا نمبر لو اسی ہے۔ اور یہ سورہ آل عمران کے بعد اور سورۃ الاحزاب سے پہلے نازل ہوئی۔ اہل مدینہ اہل مکہ اور اہل یمن کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد پچتر ہے اور اہل شام کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد ستر ہے۔ اور اہل کوفہ کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد پچتر ہے۔

اس کے نزول کا سبب جنگ بدر کے دن اہل بدر کا مل غنیمت اور انفال میں اختلاف تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بعض صحابہ نے آپ سے انفال کے حلق سوال کیا تھا جیسا کہ اس کی پہلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

غزوہ بدر کا خلاصہ

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ سورۃ الانفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ غزوہ بدر کی پوری تفصیل کتب سیرت میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں ایک کافر عمویہ بن الحضری مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور صحابہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عقیل رضی اللہ عنہ پرست برہمی کا اظہار کیا اور کہا تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضری کے قتل نے تمام کفار قریش کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا۔ اسی دوران ابو سفیان کاغلہ تجارت کے ساتھ شام گیا ہوا تھا ابو سفیان نے وہیں سے مکہ بھیج دی۔ کفار قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور مدینہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ کفار قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے دفاع کا قصد کیا اور معرکہ بدر پیش آیا۔

جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چودہ نفوس قدسیہ شہید ہوئے ہیں۔ جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور منایہ قریش میں سے جو لوگ بلوری اور مردانگی میں نام آور تھے



سب ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابو بکر، زید بن الاسود، عامر بن ہشام، امیہ بن خلف وغیرہم تھے۔ ستر کافر قتل کیے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ امیر بن جہگ کے ساتھ نبی ﷺ نے بہت کربانہ سلوک کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان تمام کافر قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر کی رائے کو پسند کیا اور ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس کی پوری بحث ان شاء اللہ متعلقہ آیات کی تفسیر میں آئے گی۔

غزوہ بدر کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو ابو سفیان کے (مظلہ کے) آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت ابو بکر نے کوئی مشورہ دیا آپ نے ان سے اعراض کیا۔ پھر حضرت عمر نے کوئی مشورہ دیا آپ نے ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے دوڑادیں گے، اگر آپ ہمیں برک الغمام تک گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم ایسا کریں گے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بلایا، لوگ آئے اور وادی بدر میں اترے۔ وہیں قریش کے پانی پلانے والے ملے۔ ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ قام غلام تھا صحابہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے کہا مجھے ابو سفیان کا کوئی پتا نہیں لیکن میں ابو جہل، عقبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ بتلایا تو صحابہ نے اس کو بیٹنا شروع کیا۔ اس نے کہا اچھا میں تمہیں ابو سفیان کے متعلق بتاتا ہوں، جب انہوں نے اس کو چھوڑ کر ابو سفیان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا مجھے ابو سفیان کا کوئی پتا نہیں لیکن میں لوگوں میں ابو جہل، عقبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو انہوں نے پھر مارنا شروع کر دیا، اس وقت نبی ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے جب یہ سچ بولتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب یہ جھوٹ بولتا ہے تو تم اس کو چھوڑ دیتے ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ غلام کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر حملوڑ نہیں ہوا۔ (یعنی جس جگہ آپ نے جس شخص کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)

(صحیح مسلم بخاری: ۸۳، ۱۷۷۹، ۲۵۳۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۱، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ خیمہ میں دعا کر رہے تھے اے اللہ! اپنے حمد اور وعدہ کو پورا فرما۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عیادت نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابو بکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا یا رسول اللہ! آپ کے لیے یہ دعا کافی ہے، آپ نے اپنے رب سے بہت گڑگڑا کر دعا کی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ مسور ہوتے ہوئے خیمہ سے نکلے در آتھائیکہ آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے (کافروں کا) یہ گروہ عنقریب شکست کھلیا ہوا ہو گا اور یہ سب پتھ پتھر بھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ ان سے (اصل) وعدہ تو قیامت کا ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت کڑی ہے۔ (التحریر: ۳۴-۳۵) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۳، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۱۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم اصحاب محمد ﷺ (یہ باتیں کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد طاہرات کے اس لشکر کے برابر تھی جس نے ان کے ساتھ دریابار کیا تھا اور صرف مومن نے ہی ان کے ساتھ دریابار کیا تھا اور ان کی تعداد تین

سودس اور کچھ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۸ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جنگ بدر کے دن کم سن قرار دیا گیا اس دن مساجدین کی تعداد ساٹھ اور کچھ تھی اور انصار کی تعداد سو چالیس اور کچھ تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۶ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن عقبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عقبہ اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور لڑاکا کہ کون ہم سے مقابلہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں انصار کے نوجوان مسلمانوں کے لشکر سے نکلے۔ عقبہ نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے اپنا حسب نسب بتایا۔ عقبہ وغیرہ نے کہا ہمیں تم سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم اپنے عم زادوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حمزہ آپ کھڑے ہوں، اے علی تم کھڑے ہو، اے عبیدہ بن حارث تم کھڑے ہو۔ پھر حضرت حمزہ عقبہ کے مقابل آئے اور شیبہ کے سامنے میں (حضرت علی) آیا حضرت عبیدہ اور ولید کھنکھاتے ہوئے اور ہر ایک نے دوسرے کو لہولہن کر دیا۔ پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے اس کو قتل کر دیا۔ اور ہم حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لشکر اسلام میں لے آئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۵، مسند احمد ج ۲، ص ۱۸۳ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۰)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امیہ بن خلف (وہ کافر جس کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے اور وہ ان پر بہت ظلم کرتا تھا) آٹکے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت مٹکے دھنوں سے ان کو امیہ سے خرید کر آزاد کر دیا) سے یہ معاملہ کیا تھا کہ وہ مکہ میں میرے مل و دولت کی حفاظت کرے، میں مدینہ میں اس کے مل و دولت کی حفاظت کروں گا۔ جب میں نے معاملہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو اس نے کہا میں "رحمن" کے نام سے واقف نہیں ہوں، تم وہی نام لکھو جو زمانہ جاہلیت میں لکھتے تھے۔ بہر حال میں نے اس سے معاملہ کر لیا۔ جنگ بدر کے دن میں پاؤں پر پہنا تاکہ اس کو قتل ہونے سے بچا سکوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا، وہ اس جگہ گئے جہاں انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا اے انصار کے جوانو! وہ امیہ بن خلف ہے، اگر آج امیہ بچ گیا تو میری نبالت نہیں ہوگی۔ پھر حضرت بلال نے انصار کی ایک جماعت کے ساتھ ہمارا پیچھا کیا۔ جب مجھے یہ خوف ہوا کہ وہ ہم تک پہنچ جائیں گے تو میں نے امیہ کا بیٹا ان کے سامنے کر دیا تاکہ وہ اس کو قتل کرنے میں مشغول ہو جائیں۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے ہمارا پیچھا کیا۔ امیہ ایک بھاری بھر کم آدمی تھا جب وہ ہم تک پہنچ گئے تو میں نے اس سے کہا تم لونٹ کی طرح بیٹھ جاؤ وہ اس طرح بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا جسم اس کے اوپر ڈال دیا تاکہ اس کی حفاظت کروں۔ وہ میرے پیچھے سے اس کو تلواریں مارنے لگے حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ایک کی تلوار میری ٹانگ پر لگی۔ حضرت عبدالرحمن ہمیں اپنے پیر کی پشت پر اس زخم کا نشان دکھایا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۱ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۵)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں صف میں کھڑا ہوا تھا میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو میرے دائیں بائیں انصار کے دو نوجوان کم سن لڑکے کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میرے ارد گرد ان سے زیادہ طاقت ور لوگ ہوتے، اچانک ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا اے چچا کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں اے بھتیجا تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت

تک الگ نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ مر جائے جس کی موت پہلے مقرر ہو چکی ہے۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا مجھے اس کی بات پر تعجب ہوا۔ پھر دوسرے نے مجھ سے اسی طرح کہا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے دیکھا ابو جہل لوگوں کے درمیان پھر رہا ہے میں نے کہا کیا تم نہیں دیکھ رہے یہ ہے وہ شخص جس کے حلق تم مجھ سے سوال کر رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا وہ دونوں نوجوان تلواریں سے اس پر حملہ کرنے کے لیے ہانک کر چلے گئے۔ اس پر حملہ کیا اور حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو اس کے قتل کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنی تلواروں سے خون صاف کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں تلواریں پر نظر ڈالی پھر آپ نے فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے جسم سے چھینا ہوا اسلحہ معاذ بن عمرو بن الجموح کو دیا جائے اور ان نوجوانوں کا نام معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفرہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱، صحیح مسلم الجہاد: ۳۲، مسند احمد ج ۱، ص ۱۷۲، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

طبع جدید، جامع الاصول، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۶

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن فرمایا کون شخص ہمیں دیکھ کر یہ بتائے گا کہ ابو جہل کا کیا ہوا؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے گئے تو دیکھا اس کو عفرہ کے دو بیٹے قتل کر چکے تھے، حتیٰ کہ وہ لٹکا ہوا چکا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور کہا ابو جہل ہے؟ (ابھی اس میں کچھ رقت حیات تھی) اس نے کہا کیا تمہاری قوم نے مجھ سے بھی بڑے کسی شخص کو قتل کیا تھا؟ صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے ابو جہل میں ابھی رقت حیات تھی، اس کی ٹانگ پر تلوار لگی تھی۔ حضرت ابن مسعود نے کہا میں نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن یا تجھے اللہ نے ذلیل کر دیا۔ اس نے کہا مجھے اس کی فکر نہیں۔ پھر اس نے کہا کیا تمہاری قوم نے مجھ سے بھی بڑے کسی آدمی کو قتل کیا تھا یا کاش مجھے کسانوں کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہو۔ پھر میں نے اس کے اوپر اپنی تلوار ماری۔ اس کی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی مگر وہ اس سے کچھ نہ کر سکا۔ اس نے میرے چہرے پر تھوک دیا۔ اس نے مجھ سے کہا تمہاری تلوار کند ہے، میری تلوار پکڑ لو اور جڑ سے میری گردن کاٹ دو۔ میں نے اس کی تلوار اس پر ماری۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی تلوار مل نصیحت کے حصہ سے زیادہ دی۔ جب نے ابو جہل سے واپسی کے لیے کہا تو ابو جہل نے کہا یہ خوف سے بزدل ہو چکا ہے۔ جب نے کہا عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا پانخانہ خطا ہوتا ہے اور ہم میں سے کون بزدل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۶۳، ۳۹۶۲، ۳۹۶۱، صحیح مسلم الجہاد: ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۰۳۲، ۶۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، ہم چاند دیکھنے لگے اور میری نگاہ تیز تھی۔ لہذا میں نے چاند دیکھ لیا اور میرے سوال اور کسی کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ میں نے حضرت عمر سے کہا کیا آپ چاند نہیں دیکھ رہے؟ وہ چاند نہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا میں عنقریب چاند دیکھ لوں گا جب میں بستر پر لیٹا ہوا ہوں گا۔ پھر وہ ہمیں اہل بدر کے حالات بتائے گئے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ ہمیں کفار کے گرنے کی جگہیں بتا رہے تھے اور فرما رہے تھے ان شاء اللہ یہ کل قلائ کے گرنے کی جگہ ہے، ان شاء اللہ یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ حضرت عمر نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نشان لگایا تھا، کوئی کافر اس جگہ سے سرمو تجاوز نہیں ہوا۔ پھر ان تمام کفار کو ایک دوسرے کے اوپر ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ رسول اللہ

ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے فلاں بن فلاں ما اے فلاں بن فلاں کیا تم نے اس کو برحق جان لیا جس کا تم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا کیونکہ میں نے اس چیز کو برحق پایا جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ بے روح اجسام سے کیسے کلام فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے کلام کو فن سے زیادہ سننے والے نہیں ہو البتہ یہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

(صحیح مسلم صفت النار: ۷۶، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۹ (۲۸۷۳)، سنن ابی حاتم رقم الحدیث: ۲۰۷۷، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو (درہم)

مقرر فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۰، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور کہا

ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں، آپ نے فرمایا اس کا ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۸، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ کی رقوم جمع کیں تو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو العاص بن الربیع کو چھڑانے کے لیے مل بھیجا اور انہوں نے وہ ہار بھی بیچ دیا جو ان

کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے ساتھ فن کی رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو

آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو رہا کرو اور اس کا وہ ہار

بھی واپس کر دو۔ مسلمانوں نے کہا بے پروا چشم۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابو العاص سے یہ عہد لیا کہ وہ زینب کو آپ کے پاس آنے

کے لیے چھوڑ دے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور انصار کے ایک شخص کو بھیجا اور فن کو حکم دیا کہ تم بطن

بائع (ایک جگہ کا نام) پر ٹھہرنا، حتیٰ کہ تمہارے پاس سے زینب گزریں، پھر تم فن کو ساتھ لے کر سب آ جاؤ۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۲، جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۶۰۳۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا غزوہ بدر کے دن رسول اللہ

ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو انیس موہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی

طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر با آواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی اے اللہ اتو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما، اے اللہ اتو

نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما، اے اللہ اہل اسلام کی یہ جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبارت

نہیں کی جائے گی۔ آپ ہاتھ پھیلا کر با آواز بلند مسلسل دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ پھر حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور چادر پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈالی اور پھر پیچھے سے آپ کے ساتھ لپٹ گئے اور کہنے لگے یا نبی اللہ!

اللہ سے آپ کی یہ دعا کافی ہے، آپ کا رب آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو عنقریب پورا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

فرمائی: (ترجمہ) جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی، میں تمہاری لگاتار ایک ہزار

فرشتوں سے مدد فرماؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی۔

ابو زبیر نے کہا حضرت ابن عباس نے یہ حدیث بیان کی اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے

آگے تھا، اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا "اے جیڑوم

آگے بڑھ" (جیڑوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چٹ کر پڑا، اس مسلمان

نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ اس دن مسلمانوں نے ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا جب مسلمانوں نے قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے فرمایا تمہارا ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا یا نبی اللہ! یہ ہمارے عم زاد اور ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے قیدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہوگی اور شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن الخطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، بخدا یا رسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے، لیکن میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کیجئے تاکہ ہم ان کی گردنیں اتار دیں۔ آپ عقیل کو حضرت علی کے حوالے کیجئے کہ وہ اس کی گردن اتار دیں اور میرا نلالا رشتہ دار میرے حوالے کریں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ یہ لوگ کافروں کے بڑے اور لن کے سردار ہیں۔ حضرت عمرؓ جرح کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکر کی رائے پسند آئی اور میری رائے پسند نہیں آئی۔ دوسرے دن جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کا صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ انہوں نے بھی رونا آیا تو میں روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے لیتا۔ صورت بتائوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس واقعہ کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں کے قیدیہ لینے کی وجہ سے مجھ پر پیش آیا ہے، بلاشبہ مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔ وہ درخت نبی ﷺ کے قریب تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ امت نازل فرمائی: (ترجمہ) کسی نبی کی شان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کفار کا زمین پر خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنالے۔ سو تم کو جو مل غنیمت حاصل ہے اس کو کھلاؤ در آنھا لیکہ یہ حلال اور طیب ہے۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مل غنیمت حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم المغازی: ۵۸، ۱۷۶۳) ۴۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۰ جامع الاصول ج ۸، رقم الحدیث: ۱۶۹۱۳۰

### سورۃ الانفال کے مضامین کا خلاصہ

انفال (مل غنیمت کے ذخیرہ کے علاوہ کوئی زائد چیز) کے متعلق ایک سوال کا جواب "خوف خدا اور اللہ پر توکل کی تلقین، نماز، صدقہ و خیرات اور جہاد کی ترغیب۔" (تساو: ۶۶)

کفار کے قافلہ تجارت پر حملہ کرنے کے بجائے لشکر کفار کے خلاف جہاد کرنے کی اہمیت، فرشتوں کی مدد اور ان کا وجہ اطمینان ہونا، مسلمانوں کی تسکین کے لیے ان پر غنیمت طاری کرنا اور بارش نازل فرمانا، جو مسلمانوں کے لیے مفید اور کفار کے لیے مضر تھی۔ کفار کی گردنیں اڑانے کا حکم دینا اور کفار کے مقابلہ سے چبہ موڑنے کی ممانعت، مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا، دراصل اللہ کا قتل کرنا تھا اور آپ کا خاک پھینکنا بھی اور حقیقت اللہ کا خاک پھینکنا تھا۔ بدر کی فتح کے بعد کفار کو متنبہ کرنا کہ اگر تم نے دوبارہ مسلمانوں کے خلاف شرارت کی تو تمہیں پھر سزا دی جائے گی اللہ مسلمانوں کا حامی ہے۔ (الانفال: ۷۹-۷۷)

مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کا حکم اور نافرمانی کرنے سے ممانعت، جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو انہیں حاضر ہونے کا حکم، کم تعداد مسلمانوں کا کثیر تعداد کفار پر غالب آنا محض اللہ کی نصرت کی وجہ سے تھا۔ امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت، مل اور اولاد کا فتنہ ہونا، خوف خدا سے گنہ ترک کرنے پر مغفرت کی نوید، ہجرت کے وقت نبی ﷺ پر



اللہ کا احسان کہ اس نے آپ کو کفار کے شر اور ان کی سازش سے مومن رکھ رکھا کفار کا یہ کہنا کہ اگر یہ قرآن برحق ہے تو اس کے انکار کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں آئے گا حالانکہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ نماز کے اوقات میں کافروں کا شور مچا کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنا اور لوگوں کو اسلام سے روکنا اور اس وجہ سے ان کا مستحق عذاب ہونا۔ (الانفال: ۷۰-۷۳)

کفار کو قبول اسلام کا حکم دینا اور نہ ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم، جس (مل غنیمت کا پانچواں حصہ) کے مصارف کا بیان کفار کے تجارتی قافلہ کے مقابلہ میں لشکر کفار کے مقابلہ کی ترجیح، فتح بدر کا اسلام کی حجت ہونا، لشکر کفار کو مسلمانوں کی نگاہوں میں کم کر کے دکھانا اور لشکر اسلام کو کفار کی آنکھوں میں زیادہ کر کے دکھانا یہ محض اللہ کی تائید اور نصرت ہے۔ کفار سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہنے کا حکم دینا اور آپس کے اختلاف اور بزدلی سے منع کرنا۔ ان کافروں کی روش سے اجتناب کا حکم جو اپنے زور اور طاقت پر اڑتے تھے اور شیطان کے بسکانے میں آگئے اور شیطان کا ان سے بری ہونا۔ (الانفال: ۳۸-۴۸)

منافقین کی مذمت، موت کے وقت کفار کی حالت کا بیان اور آل فرعون کے انجام سے ان کی مشابہت، آل فرعون پر عذاب کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ جن کافروں نے آپ سے عہد شکنی کی ان کو میدان جنگ میں سزا دینے کا حکم، جو قوم عہد شکنی کرے اس کے معاہدوں کو توڑنے کا حکم، کفار سے جنگ کے لیے آلات حرب جمع کرنے کا حکم، اگر کفار مانگیں صلح ہوں تو ان سے صلح کرنے کا حکم، اور اگر وہ دھوکا دیں تو آپ اللہ کی نصرت پر توکل کریں۔ اللہ کا مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنا اور آپ کے لیے اللہ کی نصرت اور مسلمانوں کی حمایت کا کافی ہونا۔ (الانفال: ۶۳-۶۴)

آپ کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو جہاد پر راضی کریں، پہلے میں مسلمانوں کو دوسو کافروں سے مقابلہ کا حکم دیا، پھر تخفیف کر کے سو مسلمانوں کو دوسو کافروں سے مقابلہ کا حکم دیا، کفار کا خون بہائے بغیر ان سے فدیہ لینے کا عہد جواز اور اجتہادی خطا کی وجہ سے مسلمانوں کے فدیہ لینے کو مباح کرنا۔ آپ کی وساطت سے بدر کے قیدیوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں کوئی نیکی ہے تو تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا، اور اگر انہوں نے آپ سے خیانت کا ارادہ کیا تو جس طرح اب وہ شکست اور قید و بند سے دو چار ہوئے ہیں دوبارہ پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک دوسرے کی حمایت اور ولایت کی بنیاد رکھنا اور جو لوگ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کریں وہ مسلمانوں کی ولایت اور حمایت میں داخل نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ دینی معاملات میں مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد لازم ہے۔ یہ شرطیکہ اس سے تمہارے کسی سابقہ معاہدہ پر زور نہ پڑے۔ کفار ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنا بہت بڑے فتنے اور فساد کا موجب ہے۔ مہاجرین، انصار اور مجاہدین کے لیے رزق میں وسعت اور مغفرت کی نوید، بعد میں ایمان لانے والے اور ہجرت کرنے والے بھی پہلوں کے ساتھ لاحق ہیں۔ بعض رشتہ دار دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ رائج ہیں ○

(الانفال: ۷۵-۷۶)

### سورۃ الانفال کے مقاصد

مل غنیمت کے احکام کا بیان کرنا، مسلمانوں کو چاہیے کہ باہم اتفاق سے رہیں۔ مسلمانوں کا غزوہ بدر کی طرف نکلنا اور قلت تعداد کے باوجود اللہ کی تائید اور نصرت سے کامیابی، دشمن کے خلاف جہاد کی تیاری کرنا، دین کی بنا پر ایک دوسرے کی مدد کرنا، جس جب سے مسلمان غزوہ بدر کے لیے نکلے۔ معرکہ بدر میں دونوں جماعتوں کے قتل کی کیفیت، منافقوں کے عکرو فریب سے احتراز کرنا، ان سابقہ امتوں کی مثل جنہوں نے اپنے رسولوں کی مخالفت کی اور اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ مسلمانوں اور کافروں کے



درمیان معاہدوں کے احکام، قیدیوں کے احکام، دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کے احکام، ان تمام امور کو بیان کرنا اس سورت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے سورۃ الانفال کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ اللہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم رکھنا اور خطا اور لغزشوں سے محفوظ اور مامون رکھنا۔ مجھے حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب عطا فرماتا اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرماتا اور اس کو قیامت تک مسلمانوں کے لیے اثر آفرین رکھنا۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین

فائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین وعلی ازواجه امہات المؤمنین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین و الاخیار التابعین و العلماء الراسخین من المفسرین والمحدثین والفقہاء المجتہدین وسائر المسلمین الی یوم الدین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

۲۲/ دسمبر ۱۹۹۸ء

## سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ سَبْعُونَ آيَةً وَعَشْرُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ انفال مدنی ہے اس میں پچتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرماتے والا بہت مہربان ہے

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ

(اے رسول! یہ آپ کے انفال (اموال غنیمت) کے تعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول ہیں)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا اَمْرًا بَيْنَكُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم میں (کامل) ہو تو اللہ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو ۝ وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے

وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

تو ان کے دل غورزدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٧﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا

اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ۷ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہائے دیے ہوئے رزق

رِزْقِهِمْ يُنْفِقُونَ ﴿٨﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ

میں سے خرچ کرتے ہیں ۸ یہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے لیے

دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٩﴾ كَمَا أَخْرَجَكَ

پاس ان کے لیے (بلند) درجات ہیں اور بخشش اور معزز روزی ہے ۹ (مال قیمت کی تقسیم میں ان کا اختلاف

رَبِّكَ مِنْ بَيْنِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

کنا ہی طرح ہے) جس طرح اس وقت ان کا اختلاف تھا جب آپ کے ساتھ آپ کے کچھ گھر سے باہر آیا تھا اور ایک گروہ اس کو

تَكْرَهُونَ ﴿١٠﴾ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا

نا پسند کرنے والا تھا ۱۰ وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے، گویا کہ وہ

يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١١﴾ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ

آنگھوں دیکھتے موت کی طرف دیکھے جا رہے تھے ۱۱ اور (یاد کرو) جب اللہ نے مددگاروں میں سے

إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهُمَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

ایک (گروہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (مقتل

الشُّوْكَةَ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَ

تمہارے ہاتھ لگے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور

يَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿١٢﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

کافروں کی ہڈ کاٹ دے ۱۲ تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٣﴾ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

خواہ مجرموں کو ناگوار ہو ۱۳ اور (یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دُعا

لَكُمْ آتِي مِثْلُكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ

قرآن فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں ۝ اللہ اللہ نے اس کو تمہارے

اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ

یہ صرت خوشخبری بنایا کہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

جسٹک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) یہ آپ سے افضل (اموال غنیمت) کے متعلق سوال کرتے ہیں 'آپ کہتے کہ افضل (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہے 'سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم مومن (کامل) ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ (الانفال: ۱۰)

انفال کا معنی اور اس کے مصداق میں مفسرین کے نظریات

افضل کے معنی میں صحابہ کرام اور انصار تابعین کا اختلاف ہے 'عکرمہ' مجاہد' ضحاك' قتادہ' عطاء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ افضل کا معنی ہے: اموال غنیمت۔

عطاء ابن جریج اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ انفرادی طور پر مشرکوں سے مسلمان جو چیز حاصل کر لیں مثلاً غلام یا سواری وغیرہ وہ افضل ہے 'یا مشرکین سے جو چیز چھین لیں یا اس کے لباس سے اتار لیں مثلاً گھوڑا اور لکڑی وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے جو چیزیں الگ کر لی جائیں وہ افضل ہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا افضل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا گھوڑا افضل میں سے ہے اور مشرکین سے چھینی ہوئی چیزیں افضل میں سے ہیں۔

نیز عطاء نے کہا جو چیز بغیر جنگ کے مسلمان انفرادی طور پر مشرکین سے حاصل کر لیں وہ افضل ہے۔

مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ افضل کا معنی فتن ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے فرمایا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ افضل مال غنیمت سے وہ زائد چیز ہے جس کو امیر لشکر، لشکر کے بعض یا کل افراد کو بہ طور ترفیع اور تحریص عطا کرتا ہے جس میں ان کی یا تمام مسلمانوں کی بہتری ہو 'اور وہ چیز کفار سے چھینے ہوئے مسلمان میں سے ہوتی ہے یا امیر لشکر تک وہ زائد پہنچتی ہے یا مشرکین کے اسباب میں سے ہوتی ہے 'ہم نے اس قول کو اولیٰ اس لیے کہا ہے کہ کلام عرب میں نقل اصل سے زائد چیز کو کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو لشکریوں کے حصہ مال غنیمت سے زائد ہو اور لشکری کو وہ چیز امیر لشکر نے عطا کی ہو جیسے کافر سے چھینا ہوا مال 'وہ افضل ہے۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۲۸-۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام نضر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں انفل کے ان تمام معانی کا اخلل ہے اور بعض کی بعض پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے، اگر حدیث سے کسی ایک معنی کی محکم ثابت ہو جائے تو وہی معنی متعین ہو جائے گا۔ ان معانی میں تناقض نہیں ہے اس لیے ان تمام معانی کا ارادہ کرنا جائز ہے اور اقرب یہ ہے کہ اس سے مراد فوج ہے جو نبی ﷺ کا مل ہے اور آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے یا تقسیم کے بعد اس میں سے جس کو چاہیں بطور ترغیب عطا فرمادیں اور جس جگہ کو یہ ملے گا وہ اس کے حصہ مال غنیمت سے زائد ہو گا۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۴۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ کا تفسار یہ ہے کہ انفل سے مراد مال غنیمت ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے عظیم غنیمت کو حاصل کیا، اس میں ایک تلواریں بھی تھیں، میں وہ تلواریں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس گیا، اور عرض کیا مجھے یہ تلواریں زیادہ دے دیں کیونکہ آپ کو میرا حل معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو وہیں رکھ دو، جس سے اس کو لیا ہے۔ میں اس کو وہیں رکھنے گیا، پھر میرے دس میں خیال آیا میں آپ کے پاس دوبارہ گیا اور کہا آپ مجھے یہ تلواریں دے دیں، آپ نے یہ آواز بلند فرمایا اس کو وہیں رکھ دو، جس سے اس کو لیا ہے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ**۔ (الانفال ۱۰)

(صحیح مسلم فضائل صحابہ ۴/۲۳۱ (۲۳۱۲) سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۴۰، سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۹۰)

مال غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ آپ سے انفل کے متعلق سوال کرتے ہیں، نیز فرمایا اور آپس میں صلح رکھو، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا مال غنیمت کے حکم میں اختلاف تھا، پھر انہوں نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے نبی ﷺ سے سوال کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انفل (مال غنیمت) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہیں، وہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کر دیں۔ مال غنیمت کے حکم میں مسلمانوں کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسا ایسا کام کیا اس کو فلاں فلاں چیز زائد ملے گی، پس نوجوان آگے بڑھے اور بڑے بڑھے جھنڈوں کے پاس کھڑے رہے اور ان کے ساتھ نہیں گئے، جب اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی تو بڑھوں نے کہا تم ہماری پٹہ میں تھے، اگر تم شکست کھاتے تو ہماری طرف آتے، تو تم ہمارے بغیر مال غنیمت نہ لو، جوانوں نے اس کا انکار کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے یہ مال غنیمت ہمارے لیے رکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ** (آیہ ۱۰)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۷۳۳۷، السنن الکبریٰ للبخاری ج ۶، رقم الحدیث ۷۹۷، المستدرک ج ۲، ص ۳۲۹، حاکم نے کہا یہ حدیث

صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی، جامع البیان ج ۹، ص ۲۳۸، تہذیب الثور ج ۳، ص ۶)

حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے، میں آپ کے ساتھ بدر میں حاضر تھا، مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی، مسلمانوں کی ایک جماعت ان کا پیچھا کر رہی تھی اور ان کو قتل کر رہی تھی اور مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کا مل جمع کر رہی تھی، اور تیسری جماعت رسول اللہ ﷺ کے گرد آپ کی حفاظت کر رہی تھی، مبادا آپ کو دشمن کی طرف سے کوئی ضرر پہنچے، حتیٰ کہ جب رات ہو گئی اور مسلمانوں کی آپس میں

ملاقات ہوئی تو جن مسلمانوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا انہوں نے کہا کہ اس مال میں اور کسی کا حق نہیں ہے اس مال غنیمت کو ہم نے اکٹھا کیا ہے اور جن مسلمانوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس مال غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم نے دشمن کو بھگا دیا ہے اور ہم نے اس کو شکست دی ہے اور جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس مال غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی مبادا آپ کسی کافر کے حملہ کی زد میں آجائیں اور ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آپ سے اس مال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہتے کہ افضل (کے حکم) کے لئے اور رسول اللہ ﷺ مالک ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کو ان میں بن کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۵۲۳ طبع قدیم مسند احمد ج ۸ رقم الحديث: ۲۲۸۲۶ طبع جدید دار الفکر مسند احمد ج ۱۶ رقم الحديث: ۲۲۶۶۱ طبع دار الحديث قاہرہ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ المستدرک ج ۲ ص ۳۲۶ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۹ الدر المنثور ج ۳ ص ۵)

تفیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء و مالک کا نظریہ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متونی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ فُس (مال غنیمت کے پانچویں حصہ) میں سے امام اجتہاد سے جو انعامات عطا کرے وہ افضل ہیں اور مال غنیمت کے باقی چار حصوں میں سے فضل (یہ انعام) نہیں دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اصل مال غنیمت سے فضل دینا اس لیے جائز نہیں کہ مال غنیمت کے مستحقین متعین ہیں اور وہ میدان جہاد میں گھوڑے دوڑانے والے مجاہدین ہیں اور فُس میں سے عطا کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے اور اس کے مستحقین غیر متعین ہیں امام مالک کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا ان کو مال غنیمت میں بہت زیادہ اونٹ ملے اور مال غنیمت میں سے ان کا حصہ بارہ بارہ بارہ لاونٹ تھے اور ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ الموطا رقم الحديث: ۹۸۷ اور سنن ابو داؤد میں ہے کہ ان کا حصہ بارہ بارہ لاونٹ تھے ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا تو ہر ایک کو تیرہ تیرہ لاونٹ مل گئے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۴۷۳۴)

نیز امام مالک نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے لوٹے اور حیرانہ کی طرف جانے لگے اور آپ کی چادر درخت کی شاخوں سے الجھ کر گر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری چادر اٹھا دو کیا تم کو یہ خطرہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھ کو عطا کیا ہے میں وہ تمہارے درمیان تقسیم نہیں کروں گا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر اللہ مجھے تمہارے درختوں کے برابر اونٹ بھی عطا کرے تو میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کروں گا پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ جھوٹ۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں قیام کیا تو فرمایا کسی کے پاس سوئی یا دھاگہ بھی ہے تو دے دے کیونکہ مال غنیمت عار ہے اور عار کا سبب ہے۔ اس کے بعد آپ نے زمین کو کھدایا اور اونٹ کا ایک ہل یا کوئی چیز اٹھا کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے جو مال عطا فرمایا ہے اس میں سے فُس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے اور فُس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ (محل استدلال یہ آخری جملہ ہے کہ فُس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔) (الموطا رقم الحديث: ۹۸۳ مسند احمد ج ۹ رقم الحديث: ۱۵۱۵۷)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)



تفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن علی الشیرازی الشافعی المتوفی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص ایسا کارنامہ انجام دے جس کی وجہ سے دشمن پر فتح حاصل ہو مثلاً وہ دشمن کی جاسوسی کرے اور اس کے راستوں کو یا اس کے قلعہ کا کھوج لگائے یا وہ ابتداء دار الحرب میں داخل ہو یا سب کے بعد دار الحرب سے لوٹے تو امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو نفل دے (مل غنیمت کے حصہ سے زیادہ دے) کیونکہ حضرت عمار بن العاصؓ جیچہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء میں جو تھلی حصہ زائد عطا فرماتے تھے اور لوٹنے وقت تھلی حصہ اور زائد کی مقدار لشکر کے امیر کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ وہ جنگی مصیحت کے لیے خرچ کرتا ہے اور بہ قدر عمل دیتا ہے کیونکہ جو شخص ابتداء میں دار الحرب میں داخل ہوتا ہے اس وقت دشمن اس سے غیر محتاط ہوتا ہے۔ اور جو آخر میں دار الحرب سے لوٹتا ہے اس کو دشمن کے خوف کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ان وجہ سے نبی ﷺ ابتداء دار الحرب میں داخل ہونے والوں کی نسبت آخر میں لوٹنے والوں کو زیادہ حصہ دیتے تھے۔ زائد حصہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیتا بھی جائز ہے اور اس مال سے بھی دیتا جائز ہے جو مشرکین سے لے کر جمع کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جائے تو یہ خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا۔ کیونکہ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو نفل (مل غنیمت سے زائد حصہ) خمس میں سے دیا جاتا تھا اور اس لیے بھی کہ خمس وہ مال ہے جس کو کسی مصیحت میں خرچ کیا جاتا ہے اس لیے وہ خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا اور نفل کی مقدار کا مجہول رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عقد کا عوض ہے اور اگر نفل کفار کے مال سے دیا جائے تو پھر اس کا مجہول رکھنا جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ابتداء میں جو تھلی حصہ رکھا اور لوٹنے میں تھلی رکھا اور یہ مل غنیمت کا ایک مجہول حصہ ہے۔ (کیونکہ مل غنیمت کی مقدار غیر معلوم ہے تو اس کا تھلی یا جو تھلی حصہ بھی غیر معلوم ہو گا۔) (المذنب ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں:

نفل کا معنی ہے کسی شخص کو اس کے حصہ سے زیادہ دینا اور اس کی دونوں

نوع اول وہ ہے جس میں نفل کا اشتقاق کسی شرط کی وجہ سے ہو اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں: قسم اول یہ ہے کہ امیر جب دار الحرب میں جلو کے لیے داخل ہو تو وہ اپنے سامنے ایک لشکر کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد جو تھلی حصہ دینے کا اعلان کرے اور جب وہ واپس لوٹے تو پھر ایک لشکر کو حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد تھلی حصہ دینے کا اعلان کرے اور جب مل غنیمت اکٹھا ہو تو دونوں لشکروں کو حسب اعلان دے پھر باقی مل غنیمت ان دونوں لشکروں سمیت پورے بڑے لشکر میں تقسیم کرے۔ نوع اول کی دوسری قسم یہ ہے کہ امیر اس شخص کے لیے کسی زائد حصہ کا اعلان کرے جو مسلمانوں کے لیے کوئی مفید کام انجام دے مثلاً امیر یہ کہے کہ جو شخص اس قلعہ میں داخل ہو گا اس کو یہ انعام ملے گا یا یہ کہے کہ جو شخص قلعہ میں نقب لگائے گا یا جو شخص کسی کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو یہ انعام ملے گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص کسی قاتل (کافر) کو قتل کرے گا اس کا سب سالانہ اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸)

اور یہ انعام مسلمانوں کے مال سے دینا بھی جائز ہے اور مشرکین سے لے ہوئے مال سے دینا بھی جائز ہے۔ اگر مسلمانوں کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر مشرکین کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو پھر اس کی مقدار کا مجہول رکھنا بھی جائز ہے جیسے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے کسی قاتل کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا



مسلمان اس کا ہے اور مسلمان کی مقدار معمول ہے۔

نوع ثانی یہ ہے کہ کسی مسلمان کی کسی خاص کارکردگی کی وجہ سے امام اس کو خصوصی زائد حصہ دے مثلاً اس نے جنگ میں زیادہ مشقت برداشت کی ہو یا کسی اہم معاملہ میں جاسوسی کی ہو یا وہ مقدمۃ الجیش میں ہو یا اور کوئی نمایاں کام کیا ہو تو اس میں بغیر پیشگی شرط کے بھی زائد حصہ دینا جائز ہے جیسا کہ امام ابو دؤد نے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمن بن عیینہ نے نبی ﷺ کے اونٹ لوٹ لیے حضرت سلمہ بن اکوع نے ان کا پیچھا کیا تو نبی ﷺ نے ان کو سوار کا حصہ بھی دیا اور پیادہ کا حصہ بھی دیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۸، الکافی ج ۳ ص ۱۳۹-۱۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

### تفصیل میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الرضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

اگر امام حالت جنگ میں کسی شخص کے لیے تفصیل (زائد حصہ دینے) کا اعلان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً یہ کہ جس شخص نے کسی قتل (کافر) کو قتل کیا تو اسے اس کا سلب (مسلمان) ملے گا یا لشکر سے یہ کہ جس شخص کا لے جانے کے بعد تمہیں اس کا چوتھائی حصہ ملے گا کیونکہ جنگ پر ابھارنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یا ایہا النبی حرمص الموسمین علی الفتنال" (الانفال: ۶۵) اے نبی آپ مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں۔ اور یہ اعلان بھی ایک قسم کا جنگ پر ابھارنا ہے۔ تفصیل (زائد حصہ دینے کا اعلان کرنا) اس طرح بھی ہو سکتا ہے اور کسی اور طرح بھی ہو سکتا ہے لیکن امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں سے حاصل کیے ہوئے تمام مال کا اعلان کر دے کیونکہ اس سے تمام مجاہدوں کا حق ضائع ہو گا ہاں اگر تمام لشکر کے لیے اعلان کر دے تو یہ جائز ہے اور جب مال غنیمت جمع کر کے دارالاسلام میں پہنچا دیا جائے تو پھر کسی کے لیے اعلان نہ کرے کیونکہ اب اس میں دوسروں کا حق سوکھ ہو چکا ہے البتہ فیس میں سے اب بھی اعلان کیا جاسکتا ہے کیونکہ فیس میں مال غنیمت لینے والوں کا بھی حق ہے اور جب کافر کا سلب (مسلمان) قاتل کو نہ دیا جائے تو وہ من جملہ مال غنیمت میں سے ہے اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہیں اور کافر کا سلب اس کے کپڑے اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے اور سواری پر جو زمین اور دیگر آلات ہوں وہ بھی اس میں داخل ہیں اسی طرح سواری کے لوہے جو کافر کا مسلمان ہو وہ بھی اس میں شامل ہے اور ان کے علاوہ اور کوئی چیز اس میں داخل نہیں ہے۔ پھر تفصیل (خصوصی حصہ دینے کا اعلان) کا حکم یہ ہے کہ اس سے دوسروں کا حق منقطع ہو جاتا ہے اور مجاہدین اس کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال غنیمت دارالاسلام میں پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ اگر امام نے یہ اعلان کیا کہ جس شخص کو کوئی باندی ملی وہ اس کی ہے اور کسی مجاہد کو ایک باندی مل گئی اور اس نے اس کا استبراء کر لیا (یعنی باندی کا حیض گزر گیا) تب بھی اس مجاہد کے لیے اس باندی سے مباشرت کرنا جائز ہے نہ اس کو فروخت کرے یہ امام حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے امام محمد کے نزدیک یہ دونوں امر جائز ہیں۔ (ابو یوسف مصلح ص ۵۷۸-۵۸۰، مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ لبنان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے رہیں۔

(الانفال: ۲)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کامل ایمان کامل طاعت کو مستلزم ہے اور کامل ایمان اس وقت حاصل ہو گا جب اللہ کے ذکر سے مسلمان کامل خوف زدہ ہو اور اللہ کی آیات سن کر اس کا ایمان قوی ہو اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرے نماز قائم کرے اور

صدق و خیرات ادا کرے 'سوائے لوگوں کا ہی ایمان کامل ہے اور وہ برحق مومن ہیں۔  
وجل کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: "وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ" علامہ راجب امجدی وجل کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وجل کا معنی ہے خوف محسوس کرنا قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا وَكَلْنَاهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْهِمُ الْبُرْجَ وَآلِ الْكَافِرِينَ  
(الحجر: ۵۳-۵۴) (فرشتوں نے) کہا آپ مٹا دیے۔

(المفردات، ج ۲، ص ۶۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات

قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں:

اللَّهُ تَعَالَىٰ أَكْبَرُ أَحَسَّنَ السَّخَرِ ۚ نِعَمَ أَرْسِلْنَا  
مُنَافِقِينَ قَلْبًا مِّنْهُمْ لِيُفْتِنَهُمْ ۚ قُلُوبُ الْكَافِرِينَ  
يُحْشَرُونَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلَبَّسُوا بَعْضُهُمْ  
بِبَعْضٍ ۚ قُلُوبُهُمْ ۚ (الرعد: ۳۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا 'اسی کتاب جس کی تمام باتیں ایک جہی ہیں' بار بار دہرائی ہوئی جو مسلمان اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں ' پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے 'وہ جو اپنی نماز میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔

بے شک جو لوگ اللہ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

یہ شخص شیطان ہے جو (تمہیں) اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے 'سو تم ان سے نہ ڈرو اور (صرف) مجھ سے ڈرو 'اگر تم مومن ہو۔

سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

بے شک جو لوگ بن دیگے اپنے رب سے ڈرتے ہیں 'ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

اور رباوہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر اور غصہ (مارہ) کو اس کی خواہش سے روکا تو بے شک اس کا نجات ہے۔

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا 'اس کے لیے دو جہتیں ہیں۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ (المؤمنون: ۲۲)

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ  
(المؤمنون: ۵۷)

إِنَّمَا ذَاكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ ۚ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران: ۱۷۵)

فَلَا تَخَفُوا النَّاسَ وَخَافُوا اللَّهَ ۚ (الحائدة: ۲۳)

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ بِخَشْيَةِ رَبِّهِمْ بِالْعَبَسِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۚ وَآجُرٌ كَبِيرٌ ۚ (الملک: ۴)

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ فَإِنَّ الْحَصَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ (الزمر: ۴۰-۴۱)

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۚ (الرحمن: ۳۶)

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو قسمیں ہیں ایک ہے عذاب کے خوف سے گناہوں کو ترک کرنا یہ خوف عام مسلمانوں کو ہوتا ہے بلکہ عام مسلمانوں میں سے بھی پرہیزگاروں کو ہوتا ہے اور دوسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے اور اس کی بے نیازی سے ڈرنا یہ خوف انبیاء اور مرسلین اولیاء کاملین اور ملائکہ مقربین کو ہوتا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ قرب ہوتا ہے اس کو اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی پیغمبر نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ پیغمبر نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کو جاننے والا ہوں۔

(صحیح مسلم صوم ۷۹، (۱۱۱۰) ۲۵۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۹ سنن کبریٰ للنسائی ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۲۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے (یا آپ کے بال سفید ہو گئے) آپ نے فرمایا مجھے سورہ صود سورہ الواقعة اور سورہ المرسلات نے بوڑھا کر دیا۔ (ان سورتوں میں قیامت کا ذکر ہے) یعنی قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے آپ کے بال سفید ہو گئے۔

(شاکل ترمذی رقم الحدیث: ۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۷ ملت ملا لیاؤج ۳، ص ۲۵، المستدرک ج ۲، ص ۳۳۳، المعجم الکبیر ج ۱، ص ۲۸۶، رقم الحدیث: ۷۹۰، کمال ابن عدی ج ۲، ص ۲۳۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ پیغمبر نے فرمایا بے شک میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ آوازیں سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے بے شک آسمان پر چڑھا رہا ہے (خوف خدا سے ڈری ہوئی آوازیں نکل رہا ہے) اور اس پر حق ہے کہ وہ چڑھے اور اللہ کی قسم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم فسوکم اور ردو زیادہ اور تم بستروں پر غورتوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو اور تم گھر سے باہر گھن میں نکل جاؤ اور یہ آواز بلند اللہ سے فریاد کرو۔ حضرت ابوذر نے کہا اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ پیغمبر نے فرمایا مجھے قرآن سنو تو میں نے سورہ النساء پڑھی۔ حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ إِذَا جُئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِرَسُولَيْنِ مِنْهٖ  
جُئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک کو، لائیں گے اور ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۸۳، سند احمد ج ۲، رقم الحدیث: ۲۵۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۶۵، المعجم الکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۸۳۶۰، سند ابویوسف رقم الحدیث: ۵۲۲۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۲۲۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ پیغمبر کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ ایک قبر کے

کنارے بیٹھ گئے اور آپ رونے لگے حتیٰ کہ قبر کی مٹی بھیک گئی۔ پھر آپ نے فرمایا اے میرے بھائیو! اس کی شکل کے لیے تیاری کرو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۵)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روؤ! اگر تم رونہ سکو تو رونے جیسی شکل بنا لو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندہ مومن کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلے خواہ وہ پھر کے سر جتنا ہو پھر وہ آنسو رخسار کے سامنے کے حصہ کو مس کرے اللہ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے درخت پر ایک پرندے کو بیٹھا دیکھ کر کہا تیرے لیے کتنی خیر ہے اے پرندے تو پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھا ہے کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھا لیتے!

(کتاب الترہیل لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)  
عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر بن الخطابؓ نے زمین سے ایک ٹکڑا ٹھاکر کما کاش میں ایک ٹکڑا کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا کاش میں پیدا نہ ہوتا کاش میں بھولا بھرا ہوتا۔ (کتاب الترہیل لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۱)

حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ حرم بن حیان اور عبد اللہ بن عامر اپنی سواریوں پر جا رہے تھے راستہ میں خشک گھاس ملی تو ان کی اونٹنیاں اس گھاس کی طرف دوڑیں اور ان میں سے ایک نے وہ گھاس کھالی۔ حرم نے عبد اللہ سے کہا کیا تم یہ پسند کر دے گے کہ تم یہ گھاس ہوتے اور تم کو یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی؟ عبد اللہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس کو پسند نہیں کروں گا! بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے گا! بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں! بیشک میں یہ امید رکھتا ہوں۔ حرم نے کہا اللہ کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو تاکہ میرے دل کی بات ملنی جائے گی تو میں یہ پسند کرنا کہ میں خشک گھاس ہوتا اور مجھے یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی۔ (کتاب الترہیل لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۲)

زیاد بن محراق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداءؓ نے کہا میری خواہش ہے کہ میں اپنے گھر کا ایک سینڈھا ہوتا گھر میں کوئی مہمان آتا اور مجھے ذبح کر دیا جاتا اور گھر والے مجھے کھا لیتے۔ (کتاب الترہیل لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰۸)

قلادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے کہا کاش میں ایک سینڈھا ہوتا مجھے گھر والے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھا لیتے۔ حضرت عمران بن حصینؓ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں گھاس ہوتا اور مجھے تیز ہوا کے دن آندھی اڑا کر لے جاتی۔ (کتاب الترہیل لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۱۱)

اسحاق بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کاش میں ایک درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا کاش میں پیدا نہ کی جاتی۔ (کتاب الترہیل للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۱، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۱-۲۵۲)

ضحاک بن مزاحم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے کہا کاش میں پرندہ ہوتا۔ (کتاب الترہیل للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۲)

قاسم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ کے پاس ایک شخص نے کہا کاش میں اصحاب النہمین سے ہوتا حضرت عبد اللہ نے کہا کاش مجھے مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔ (کتاب الترہیل للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۳)

یعقوب بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھ کر کہا کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔ (کتاب الترہیل للوکیہ رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت عمرو بن مہمون اللادی چوتھے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی زندگی کے آخری ایام میں ایک انصاری نوجوان ان کی خدمت میں آئے اور کہا اے امیر المومنین! آپ اللہ کی بشارتوں سے خوش ہو جائیں، آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں جس کا آپ کو علم ہے اور پھر آپ خلیفہ بنے تو آپ نے عمل کیا پھر ان تمام فضائل کے بعد آپ کو شہادت نصیب ہوئی، حضرت عمرؓ نے کہا اے میرے بھتیجے! کاش یہ سب برابر سراہے ہو جائے، مجھ کو عذاب ہو نہ ثواب ملے۔ (الحديث: صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۴۳۳)

حضرت عثمانؓ چوتھے کے آزاد کردہ غلام حاتمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ چوتھے جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں، حضرت عثمانؓ چوتھے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر انسان کو اس سے نجات مل جائے تو بعد کی منزلیں زیادہ آسان ہوتی ہیں اور اگر اس سے نجات نہ ملے تو بعد کی منزلیں اور مشکل ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جو بھی ہولناک منکر دیکھا قبر کا منکر اس سے زیادہ ہولناک تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۳۱۵، سنن ابی داؤد رقم الحديث: ۴۷۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۲۵۸، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۵۲، صحیح ابن حبان ج ۹ رقم الحديث: ۲۴۴۳، مسند احمد ج ۹ رقم الحديث: ۷۴۳۰)

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم ان صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں جنت کی بشارت دے دی تھی، اس کے باوجود یہ صحابہ اللہ کی بے نیازی اور جلال ذات سے اس قدر خوف زدہ رہتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھا لیتے یا میں ایک پرندہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ چوتھے نے کہا کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا اور حضرت عثمانؓ چوتھے قبر کو دیکھ کر بے اختیار روتے تھے اور دیگر صحابہ بھی اللہ تعالیٰ کے جلال ذات اور حسب و کتب کی شدت سے گھبرا کر نور خوف کی زیادتی سے یہ کہتے تھے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کٹ کر پھینک دیا جاتا یا میں خشک گھاس ہوتا جس کو جانور کھا لیتے یا کوئی حلال جانور ہوتا جس کو مسلمان ذبح کر کے کھا لیتے اور مجھے حسب و کتب کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ جاتا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔ اس آیت سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے۔ محققین اور امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی، اس کی تحقیق یہ ہے کہ امام اعظم اور محققین کے نزدیک نفس ایمان میں اہل داخل نہیں ہیں، اس لیے اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور نفس ایمان میں اہل کے داخل ہونے کے ائمہ ثلاثہ اور محدثین بھی قائل نہیں ہیں اور ائمہ ثلاثہ اور محدثین ایمان کامل میں اہل کے داخل ہونے کے قائل ہیں، اور ایمان کامل میں اہل کے دخول کے امام اعظم اور محققین بھی قائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایمان میں ان سب کے نزدیک اہل داخل نہیں ہیں اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور ایمان کامل میں ان سب کے نزدیک اہل داخل ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔ اس سے ایمان کامل ہی مراد ہے۔

اصل میں یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے، امام شافعی وغیرہ کے نزدیک جب ایمان کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے ایمان کامل مراد ہوتا ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اہل ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ اور امام اعظم کے

نزدیک جب ایمان کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے نفس ایمان مراد ہوتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اصل ایمان میں داخل نہیں ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور دونوں جانب دلائل ہیں۔

اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے البقرہ ۳ میں کر دی ہے اس لیے جو قارئین ایمان کے تمام مذاہب دلائل اور ان میں محاکمہ جانتا چاہیں وہ اس کا مطالعہ کر لیں۔

اس کے بعد فرمایا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں توکل کی تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۱۵۹ میں بیان کر دی ہے اس کے لیے تبیان القرآن ج ۲ ص ۳۹ کا مطالعہ فرمائیں اس آیت میں حصر فرمایا ہے یعنی یہ صرف اللہ سے ڈرنے والوں کی صفت ہے کہ وہ صرف اللہ کے فضل اور اس کی نصرت اور اعانت پر اعتکاف کرتے ہیں اور اللہ کے ماسوا سے بلائیں مستغنی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (الانفال: ۳)

مال حرام سے نجات کے طریقے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تین باطنی صفات بیان فرمائیں تھیں۔

۱۔ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔

۲۔ اللہ کی آیات سن کر ان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

اور ان کے باطن کی پاکیزگی پر ظاہری پاکیزگی حرتب ہوتی ہے اور قلب کی ہلاہل اور صفاء کا قلب پر اثر ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد ان کے ظاہر کی دو صفات بیان فرمائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں بدنی عبادات میں سب سے افضل نماز ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا اور اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرنا مالی عبادت ہے اس میں زکوٰۃ صدقات نماز اور جملہ کے لیے خرچ کرنا مساجد پر خرچ کرنا کتبوں کھدوانا لا بہرہاں قائم کرنا دینی مدارس کی امداد کرنا اور سماجی اور رفاہی امور پر خرچ کرنا داخل ہے۔ اور ان تمام نیک کاموں میں حلال مال سے خرچ کرنا چاہیے حرام مال سے نکل کرنا اور سماجی اور رفاہی امور پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس مال حرام کی حرمت قطعی ہو اس کو صدقہ کرنا کفر ہے اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اور پھر بھی وہ دینے والے کو دعا دے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ حرام مال سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال جس کا ہے اس کو واپس کر دے۔ اگر وہ شخص مرچکا ہو تو اس کے ورثاء کو واپس کر دے۔ اور اگر ان کا پتہ نہ چل سکے تو اس مال کے مالک کی طرف سے اس کو صدقہ کر کے اس کا ثواب اس کو پہنچا دے اور اگر اس نے حرام ذرائع سے روپیہ کمایا ہو تو اس مال کو اپنے پاس نہ رکھے اور اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت سے کسی فقیر یا حاجت مند کو دے دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیے (بلند) درجات ہیں اور بخشش اور

معزز روزی ہے۔ (الانفال: ۴)

میں یقیناً مومن ہوں یا میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنے میں فقہاء اور متکلمین کا اختلاف

آیات سابقہ میں تین باطنی اور دو ظاہری صفات ذکر کی گئی ہیں یعنی اللہ کا ذکر سن کر دل کا خوفزدہ ہونا آیات سن کر ایمان زیادہ ہونا اور صرف اللہ کے فضل اور اس کی نصرت پر اعتکاف اور توکل کرنا اور نماز قائم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جو مسلمان ان پانچوں صفات کے ساتھ متصف ہوں ان کے حلق فرمایا اولئک ہم المومنون حقاً۔ ”وہی برحق مومن



ہیں اور ظاہر ہے کوئی مسلمان جزم اور یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ان صفات کے ساتھ متصف ہوں اور برحق مومن ہوں۔ کیونکہ جو مسلمان ان صفات کے ساتھ متصف ہوں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ برحق مومن ہیں اور ان کے لیے ان کے رب کے پاس (جنت میں) بلند درجات ہیں اور بخشش اور عزت والی روزی ہے سو یہ کہنا کہ میں برحق مومن ہوں اس کہنے کو مستلزم ہے کہ میں جنتی ہوں اور کوئی شخص یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں جنتی ہوں تو وہ یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق مومن ہوں ورنہ اس کا اس آیت کے نصف اول پر ایمان ہو گا اور باقی نصف پر ایمان نہیں ہو گا اس بناء پر ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ ”انا مؤمن حقاً“ (میں برحق مومن ہوں) بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے ”انا مؤمن انشاء اللہ“ (انشاء اللہ میں مومن ہوں)۔

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کارسول اللہ ﷺ کے پاس گزر ہوا آپ نے ان سے پوچھا اے عمارت! تم نے کس حل میں صبح کی۔ انہوں نے کہا میں نے اس حل میں صبح کی در آنحائیکہ میں برحق مومن تھا آپ نے فرمایا غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے کہا میں دنیا سے بے رغبت ہوں میں رات بھر بیدار رہا اور دن بھر بے سار رہا (یعنی روزہ سے رہا) اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا تھا وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے تھے اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا تھا وہ بھوک سے بلہا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اے عمارت! تم نے معرفت حاصل کر لی ہے۔ تم ان (ذکورہ) تین اوصاف کو لازم رکھنا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳، المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۳۶۷، مسند البراء رقم الحدیث: ۲۲، کتاب الزہد للبیہقی رقم الحدیث: ۱۹، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۸۸، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳)

امام رازی شافعی متونی ۶۰۶ھ اور امام قرطبی مالکی متونی ۶۱۸ھ نے درج ذیل اثر سے بھی ائمہ ثلاثہ کے موقف پر استدلال کیا ہے۔

حسن بھری سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے کہا ایمان کی دو قسمیں ہیں: اگر تم مجھ سے اللہ فرشتوں کتابوں رسولوں اور یوم آخرت کے ایمان کے متعلق سوال کرتے ہو تو میں مومن ہوں اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ مومن صرف وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ (الانفال: ۲) تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں مومن ہوں یا نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳-۵۴، الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۲۹، بیروت)

بحث مذکور میں خرفیقین کے درمیان محاکمہ

اس بحث میں تحقیق یہ ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ نفس ایمان یعنی دل سے ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جس کو نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے۔

۲۔ ایمان کامل یعنی دل سے تصدیق کرنا زبان سے اقرار کرنا اور تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنا۔

نفس ایمان کے اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہے کہ میں برحق مومن ہوں اور ایمان کامل کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں اور انسان کو تصدیق بالقلب پر ہر چند کہ یقین ہوتا ہے لیکن مستقبل میں احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے متعلق وہ کچھ نہیں کہہ سکتا آیا مستقبل میں وہ نیک عمل کرے گا یا نہیں۔ اس لیے ایمان کامل کے اعتبار سے اس کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ میں برحق مومن ہوں بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ انشاء اللہ میں مومن ہوں۔ امام ابو حنیفہ جب مطلقاً ایمان بولا

جائے تو اس سے نفس ایمان مراد لیتے ہیں اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ یہ کتنا صحیح ہے کہ میں برحق مومن ہوں یا میں یقیناً مومن ہوں۔ ائمہ ثلاثہ جب لفظ ایمان مطلقاً بولا جائے تو اس سے مومن کامل مراد لیتے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میں یقیناً مومن ہوں کتنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کتنا چاہیے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔

”میں یقیناً مومن ہوں“ کہنے کے دلائل

علامہ مسعود بن عمر سعد الدین قنات زانی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ شمول امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کثیر سلف صالحین کا یہ موقف ہے کہ یہ کتنا صحیح ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں اور امام ابو حنیفہ ان کے اصحاب اور اکثرین نے اس سے منع کیا ہے، کیونکہ انسان کو یہ معلوم ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور فرشتوں کتابوں، رسولوں، تقدیر اور یوم آخرت کی تصدیق ہے اور اس تصدیق کے تحقق اور ثبوت میں کوئی شک اور تردد نہیں ہے اور جس شخص کو اس تصدیق کے تحقق میں شک اور تردد ہو گا وہ قطعی طور پر مومن نہیں ہو گا اور جب اس کو شک اور تردد نہیں ہے تو پھر انشاء اللہ میں مومن ہوں کہنے کو ترک کرنا اولیٰ ہے بلکہ یوں کتنا چاہیے کہ میں حقاً اور یقیناً مومن ہوں اور تصدیق میں شک اور تردد کے وہم کو دور کیا جائے اور جو ائمہ ”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کہنے کے قائلین ہیں ان کے دلائل اور ان دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں:

”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کہنے کے دلائل کا تجزیہ

۱۔ میں مومن ہوں کے ساتھ انشاء اللہ اللہ کے ذکر کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اور ادب کے لیے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف منوط ہیں اور اپنے نفس سے تکبر کو دور کرنے کے لیے اور تردد مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے صرف اس قول کی صحت معلوم ہوتی ہے نہ کہ ”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کی ترجیح ”میں یقیناً مومن ہوں“ کہنے پر۔ اور تردد کا وہم بہر حال باقی رہتا ہے اور تبرک اور ادب کی ایمان کے ساتھ کیا تخصیص ہے؟ یہ تو باقی نیک اعمال اور عبادات میں بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ تصدیق ایمانی جس پر نجات کی مدار ہے وہ ایک تخیلی امر قلبی ہے اور شیطان اور خواہش اس کے معارض ہوتے رہتے ہیں۔ ہر چند کہ انسان کو اس کے حصول کا یقین ہوتا ہے لیکن وہ اس فطرہ سے مومن نہیں ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز لاحق ہو جائے جو نجات کے منافی ہو خاص طور پر جب وہ احکام شرعیہ اور ممنوعات شرعیہ کی تفصیلات کو دیکھتا ہے تو اس کو بعض احکام اور ممنوعات اپنی خواہشات کے خلاف دکھائی دیتے ہیں اور بہت سی چیزیں جو اس کے نزدیک لذت اور پسندیدہ ہیں اور شرعاً ممنوع ہیں اور کئی مرتبہ وہ احکام شرعیہ کے مقابلہ میں اپنے نفس کے تقاضوں پر عمل کر لیتا ہے تو بہتر ہے کہ وہ اپنے ایمان کو اللہ کی مشیت کے سپرد کر دے اور کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقریر ایمان کامل میں جاری ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان میں۔

۳۔ امام الحرمین نے یہ کہا ہے کہ ایمان فی الحال قطعاً ثابت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن جس ایمان پر کامیابی اور نجات کا مدار ہے یہ وہ ایمان ہے جو پوری زندگی میں موت تک قائم رہے اور کوئی شخص جزم اور یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ نجات مومن رہے گا اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا اس وجہ سے سلف صالحین نے یہ کہا کہ ”میں انشاء اللہ مومن ہوں“ کتنا چاہیے اس لیے اب اشاعرہ پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ جب انسان ایمان کے ساتھ متصف ہے تو وہ یقیناً مومن ہے اور انشاء اللہ میں مومن ہوں کتنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ میں انشاء اللہ زندہ ہوں کتنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے کئی لوگ زندگی

میں نیک اور صلح ہوتے ہیں اور ان کا خاتمہ بدکاری پر ہوتا ہے اور کئی لوگ پوری زندگی مومن ہوتے ہیں اور ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور انسان کچھ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر اور وہ اللہ کے علم میں مومن ہے یا نہیں وہ ہر چند کہ اس وقت قطعاً اور یقیناً مومن ہے اور اس میں کوئی شک اور تردد نہیں لیکن وہ کفر پر خاتمہ سے ڈرتا ہے اور ایمان اور اعمال صلح پر خاتمہ کی امید رکھتا ہے۔ اس لیے انجام بخیر کی امید سے وہ کہتا ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں یعنی جس طرح اب میں قطعاً اور یقیناً مومن ہوں تو اگر اللہ نے چاہا تو میں تو مگر مومن ہی رہوں گا اور ایمان پر آئندہ بھی برقرار رہوں گا اور یہ قول برحق ہے اور اس آیت کے موافق ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ عَبْدًا ۖ إِلَّا  
أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ  
(الکہف: ۴۳-۴۴) اور آپ کسی چیز کے متعلق ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے اور جب آپ بھول جائیں تو آپ اللہ کو یاد کریں۔

یہ تقریر بالکل درست ہے لیکن اس فقرہ پر مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یقیناً مومن ہوں نہیں کہنا چاہیے بلکہ میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا چاہیے بلکہ صحیح یہ ہے کہ حال کے اعتبار سے میں یقیناً مومن ہوں کہنا چاہیے اور ملک اور خاتمہ کے اعتبار سے میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ صحت اور عافیت کے ساتھ ایمان پر ہماری زندگی برقرار رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر ہمارا خاتمہ کرے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی ہر آفت اور بلا اور ہر فکر اور پریشانی سے محفوظ رکھے اور ہمیں دارين کی فوز و فلاح عطا فرمائے اور آخرت میں سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی آل اور اصحاب کی رفعت عطا فرمائے۔ (آمین)

(شرح القاصد ج ۵، ص ۲۱۷-۲۱۵، مطبوعہ "موسمنا"، مطبوعہ منشورات الرضی ایران ۱۳۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اہل غنیمت کی تقسیم میں ان کا اختلاف کرنا اسی طرح ہے) جس طرح اس وقت ان کا اختلاف تھا جب آپ کا رب حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے باہر لایا تھا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند کرنے والا تھا وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے گویا کہ وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف دھکیلے جا رہے تھے۔ (الانفال: ۵۰-۶)

بعض صحابہ کے نزدیک لشکر کفار سے مقابلہ کا ناگوار ہونا اس کا پس منظر اور پیش منظر

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ قریش کا قافلہ شام سے مکہ آرہا تھا اور اس میں بہت زیادہ قلعہ اور ساز و سامان تھا اس قافلہ کے ساتھ چالیس سوار تھے۔ ان میں ابو سفیان، عمرو بن العاص اور دوسرے کفار قریش تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس قافلہ کی خبر دی آپ نے مسلمانوں کو بتلایا وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سوچا کہ وہ قافلہ پر حملہ کر کے اس کا مال و متاع چھین لیں گے کیونکہ اس قافلہ میں مال بہت زیادہ تھا اور اس کے محافظ کم تھے جب وہ قافلہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلے تو اہل مکہ کو اس کی خبر ہو گئی ابو جہل نے کعب کی محبت پر کھڑے ہو کر ندا کی اے اہل مکہ ہر مشکل اور رسوائی سے اپنے آپ کو بچاؤ اگر (سیدنا) محمد (ﷺ) نے قافلہ لوٹ لیا تو تم ہرگز فلاح نہ پاسکو گے ان ہی دنوں عباس بن عبد المطلب کی بہن نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی سے کہا میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا ہے کہ ایک شتر سوار آیا اور اس نے پکار کر کہا اے عبد حکم قوم تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف دوڑو اور اس نے پہاڑ سے ایک چٹان الگ کر لی اور مکہ کے ہر گھر میں اس چٹان سے ایک پتھر ٹوٹ کر پہنچ گیا عباس نے یہ خواب ابو جہل کو سنایا تو ابو جہل نے کہا کہ تر

مردوں کی نبوت پر راضی نہ ہوئے تھے کہ تمہاری عورتوں نے دعوتی نبوت کرنا شروع کر دیا، پھر ابو جہل تمام اہل مکہ کو لے کر نکلا اور یہ بہت بڑا لشکر تھا، ابو جہل کو بتایا گیا کہ ابو سفیان کے قافلہ نے ساحل کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور وہ محفوظ ہو چکا ہے، تم اب لوگوں کو واپس مکہ لے جاؤ۔ اس نے کہا میں باخدا کی قسم یہ بھی نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ ہم لوگوں کو ذبح کریں گے، شراب پیئیں گے اور ہماری ہاتھیاں آلات موسیقی کے ساتھ گانا سنائیں گی اور تمام قبائل عرب ہمارے خروج کی خبر سن لیں گے، اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چند کہ قافلہ کو نہیں لوثا لیکن وہ اپنی قوم کو لے کر میدان بدر میں آچکے ہیں، اور میدان بدر میں تمام قبائل عرب مل میں ایک بار بازار لگاتے تھے، اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا اے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے، تجارتی قافلہ یا لشکر قریش یا نبی (ﷺ) نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور فرمایا قریش مکہ، ہر مشکل اور ہر مصیبت کا چیلنج قبول کر کے مکہ سے نکل کر مدینہ آن پہنچے ہیں، تمہارے نزدیک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا پسندیدہ ہے یا لشکر کفار پر حملہ کرنا، اصحاب نے کہا بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی یہ نسبت تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ (ﷺ) کا چہرہ مبارک خنجر ہو گیا، آپ نے فرمایا تجارتی قافلہ تو ساحل سمندر کے راستے مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور اب وہ تمہاری دست برد سے محفوظ ہے، اور اور ابو جہل اپنے لشکر کے ساتھ تمہارے سر پر پہنچ چکا ہے۔ اصحاب نے پھر کہا یا رسول اللہ (ﷺ) قافلہ کا پیچھا کیجئے اور دشمن کو چھوٹے، جب نبی (ﷺ) غضب ناک ہوئے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہی باتیں کہیں، پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے، اور کہا آپ وہی کام کیجئے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور آپ جو بھی ارادہ کریں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم اگر آپ مدینہ کی طرف بھی روانہ ہوئے تو انصار میں سے کوئی شخص آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، پھر حضرت مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے، اور آپ جو بھی ارادہ کریں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں ہم بیٹھے رہیں گے، (المائدہ: ۲۴) بلکہ ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں ہم آپ کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک ہماری آنکھوں کی پلکیں جھپکتی رہیں گی، پھر رسول اللہ (ﷺ) مسکرائے اور آپ نے فرمایا اللہ کی برکت سے روانہ ہو، بے شک میں قوم کفار کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (الحجۃ)

(دلائل النبوة، ج ۳، ص ۳۴-۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ)

اس قصہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ لشکر قریش سے مقابلہ کرنا صرف بعض اصحاب کو ناگوار تھا تمام صحابہ کو ناگوار نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند کرنے والا تھا، اور یہ فرمایا ہے کہ "وہ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لشکر کفار سے مقابلہ کرنے کی بجائے قافلہ کے مال و متاع کی وجہ سے اس پر حملہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے، حالانکہ رسول اللہ (ﷺ) ان کو یہ بتا چکے تھے کہ اس مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی اور ان کی بحث یہ تھی کہ ہم تو قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت سے اپنے گھروں سے نکلے تھے، اور آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا کہ ہم اس لشکر سے مقابلہ کرنے کی اچھی طرح تیاری کر لیتے، پھر ان پر لشکر کفار کا جو رعب اور ہیبت طاری تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل سے تشبیہ دی ہے جو آنکھوں دیکھے موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہوں، ان کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ لشکر کفار کے مقابلہ میں ان کی تعداد ایک تہائی تھی، اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور باقی پیادہ تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی بہت کم تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (قافلہ تجارت) تمہارے ہاتھ لگے 'اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ۵ تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے خواہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

(الانفال: ۸: ۷۰)

ابو سفیان کے قافلہ تجارت پر حملہ کو بعض صحابہ کے ترجیح دینے کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان قریش کے چند سواروں کے ساتھ شام سے آرہا تھا وہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے جب نبی ﷺ کو اس قافلہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو بتایا کہ اس قافلہ میں بست مل اور سامان ہے اور اس کے محافظوں کی تعداد بست کم ہے تو صحابہ مدینہ سے باہر نکلے 'ان کا ارادہ صرف ابو سفیان اور اس کے سواروں پر حملہ کرنے کا تھا اور وہ صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے نکلے تھے اور ان کو یہ خیال نہیں تھا کہ کوئی بست بڑی جنگ ہوگی 'جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۰۹)

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واد بعد کم اللہ احدی الطلائعین کی تفسیر میں فرمایا ابو سفیان تجارتی قافلہ لے کر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا تھا 'اہل مدینہ کہ یہ خبر پہنچی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے 'اہل مکہ کو یہ خبر پہنچ گئی تو وہ بست ثعلت میں قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اس قافلہ پر غلبہ نہ آجائیں۔ اور عروہ قافلہ نبی ﷺ کی زد سے باہر نکل گیا 'اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا 'صحابہ کے نزدیک قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ آسان اور زیادہ پسندیدہ تھا اور اس میں مال غنیمت کے حصول کی زیادہ توقع تھی۔ جب وہ قافلہ مسلمانوں کے حملہ کی زد سے باہر نکل گیا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کفار سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا جو ابو سفیان کے قافلہ کی حفاظت کے قصد سے مدینہ کی سرحد پر پہنچ چکا تھا 'مسلمانوں کو ان کی عددی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی کی وجہ سے ان سے مقابلہ کرنا ناگوار لگا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۱۳)

اس سے پہلے ہم نے دلائل النبوة کے حوالے سے جو ذکر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے ناراض ہوئے۔ یہ بعد کی بات ہے جب واد بعد کم اللہ احدی الطلائعین نازل ہو چکی تھی اور یہاں جو ہم نے جامع البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ صحابہ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے 'یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے قصد سے بدر کی طرف روانہ ہوئے 'اور شیطان سراقہ بن جشم کی شکل میں اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے کہا (سیدنا) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور تمہاری شوکت اور قوت کے مقابلہ میں وہ لوگ ٹھہر نہیں سکتے 'پھر وہ مسلح ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نبی ﷺ نے مقام روماء پر جاسوس بھیجے ہوئے تھے انہوں نے آکر آپ کو لشکر کفار کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم سے تجارتی قافلہ یا لشکر کفار میں سے کسی ایک کا وعدہ فرمایا ہے 'مسلمانوں کے نزدیک قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ پسندیدہ تھا کیونکہ اس میں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہیں تھا 'اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۱۶)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے۔ پھر آیت ۸ میں فرمایا تاکہ حق کو ثابت کر دے اور ناحق کو باطل کر دے اور بظاہر یہ تکرار ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں حق کو ثابت کرنے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں حق کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور دوسری آیت میں حق کو ثابت کرنے سے مراد ہے دین اسلام اور قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت کرنا اور کفار کے باطل عقائد کا بطلان واضح کرنا اور معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح دین اسلام کے غلبہ اور سرفرازی کا سبب بنی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے والا ہوں O اور اللہ نے اس کو صرف تمہارے لیے خوش خبری بنایا تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O (الانفال: ۹-۱۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ حق کو ثابت کرے گا اور ناحق کو باطل فرمائے گا اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ جو لوگ دین حق پر قائم ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ سے کسی مصیبت اور امتحان کے موقع پر فریاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔

غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ کا گڑ گڑا کر دعا کرنا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ نے مشرکین کی تعداد کی طرف دیکھا اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ تین سو اور کچھ تھے پھر آپ نے قبلہ کی طرف من کر کے دعا کی اے اللہ اتو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی رسول اللہ ﷺ اسی طرح دعا فرما رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی چادر کندھے سے ڈھلک گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کے کندھے پر رکھی اور آپ سے پٹ گئے۔ اور کہا اے اللہ کے نبی یا آپ پر میرے دل اور باپ نہ ابوں آپ نے اللہ عزوجل سے بہت فریاد کر لیا ہے عنقریب آپ کا رب آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے والا ہوں۔

(صحیح مسلم الجلاء ۵۸: ۱۷۳) ۲۵۰۷ سنن الترمذی رقم الحديث ۳۰۴۳ سنن ابوداؤد رقم الحديث ۲۶۹۰ صحیح ابن حبان رقم الحديث ۲۷۴۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۸ مسند ابی یزید رقم الحديث ۱۶۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۲۱ دلائل النبوة للسیوطی ج ۳ ص ۵۲-۵۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۰ ج ۳ ص ۲۶۶-۲۶۵ جامع البیان رقم الحديث ۴۲۲۳ ج ۲ ص ۱۲۵

احادیث میں یہی مذکور ہے کہ اس وقت نبی ﷺ دعا فرما رہے تھے لیکن قرآن مجید میں جمع کا صیغہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ کرام دعا کر رہے تھے اور بظاہر یہی اقرب ہے کیونکہ صحابہ کرام کو دشمن کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی سے بہت خوف تھا۔ تاہم ان میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ دعا فرما رہے تھے اور صحابہ اس پر آمین کہہ رہے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے والا ہوں۔ اور اللہ نے اس کو صرف تمہارے لیے خوش خبری بنایا تھا تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں



اور نصرت صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا یا نہیں۔ اس میں حقد میں اور متاخرین کا اختلاف ہے، ہم اس سلسلہ میں فرشتوں کے قتال کے حلق پہلے احادیث اور آثار بیان کریں گے پھر اس مسئلہ میں علماء اسلام کے نظریات بیان کریں گے اور آخر میں اپنا موقف پیش کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

### جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ہوا تھا اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے، قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا، البتہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال بھی کیا تھا، ہم پہلے وہ احادیث پیش کریں گے، پھر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہیں جنہوں نے گھوڑے کے سر کو پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۳، ص ۵۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا، اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک گھوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہ رہا تھا، اے جیزوم آگے بڑھ، (جیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چٹ کر پڑا۔ اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ پھٹ گیا تھا، جیسے گھوڑا لگا ہو، اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۷۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

معاذ بن رافع بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا، ان کے عماموں کا رنگ سبز، زرد اور سرخ تھا، اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

ابوہریرہ غفاری اپنے ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زاد بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے تھے، جب ہم نے دیکھا کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہے اور قریش کی تعداد زیادہ ہے تو ہم نے کہا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گا تو ہم (سیدنا) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے لشکر پر حملہ کریں گے، پھر ہم (سیدنا) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کی بائیں جانب چلے گئے، اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے لشکر کا جو قتل ہے، جس وقت ہم مسلمانوں کے لشکر کی بائیں جانب جا رہے تھے تو ایک بادل نے آکر ہم کو ڈھانپ لیا، ہم نے اس بادل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہمیں مردوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنائی دیں، اور ہم نے سنا ایک شخص اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا، ”جیزوم آگے بڑھو“ اور ہم نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے

ٹھہرے پیچھے سے آؤ، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے، پھر ان کی طرح ایک اور جماعت آئی اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھی، پھر جب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ قریش سے دگنے نظر آئے، میرا عم زانو فوت ہو گیا اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سائب بن ابی حیش اسدی، حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیان کر رہے تھے کہ بہ خدا مجھے کسی انسان نے گرفتار نہیں کیا تھا، ان سے پوچھا پھر کن نے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا جب قریش نے شکست کھائی تو میں نے بھی ان کے ساتھ شکست کھائی، مجھے سفید رنگ کے ایک طویل القامت شخص نے گرفتار کیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ایک چنگبرے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا، اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف آئے تو انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا، حضرت عبدالرحمن لشکر میں اعلان کر رہے تھے کہ اس شخص کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے، حتیٰ کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابن ابی حیش! تم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بتلانا پسند کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو فرشتوں میں سے ایک کریم فرشتے نے گرفتار کیا ہے، اے ابن عوف! اپنے قیدی کو لے جاؤ تو حضرت عبدالرحمن مجھے لے گئے۔ سائب نے کہا میں نے ایک عرصہ تک اس بات کو عقلی رکھا اور اپنے اسلام قبول کرنے کو سو خر کرتا رہا بلا آخر میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں (یہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) میں نے اس دن دیکھا آسمان ایک سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آسمان سے کوئی چیز آ رہی ہے۔ جس سے (سیدنا) محمد ﷺ کی تائید کی گئی ہے، اور اسی وجہ سے شکست ہوئی اور یہ فرشتے تھے۔

امام واقفی بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعائیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔" اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! اگر آج یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو پھر شرک غالب ہو جائے گا اور تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا، اور حضرت ابو بکر آپ سے کہہ رہے تھے کہ بہ خدا! اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو سرخود کرے گا، پھر اللہ عزوجل نے دشمن کی جانب ایک ہزار لگاتار فرشتے نازل کیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! خوشخبری ہو! یہ جبرائیل ہیں جو زور عمامہ باندھے ہوئے ہیں، ان کے دانتوں پر غبار ہے وہ آسمان اور زمین کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں، جب وہ زمین پر اترے تو ایک ساعت کے لیے مجھ سے غائب ہوئے، پھر ظاہر ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ جب آپ نے مدد طلب کی تو اللہ کی مدد آ گئی۔

امام واقفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں ٹکڑیاں لیں اور یہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکیں کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں، اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب طاری کر اور ان کے قدم اکھاڑ دے، پھر اللہ کے دشمن شکست کھا گئے اور مسلمان کافروں کو قتل کر رہے تھے اور کفار کو قید کر رہے تھے۔ اور مشرکوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں خاک میں اٹی ہوئی تھیں اور ان کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ خاک کہاں سے آئی اور مومنین اور فرشتے ان کو قتل کر رہے تھے۔

(کتاب المغازی، ج ۱، ص ۸۱-۷۵، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، الطبعة ۱۳۵۱ھ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن ربیعہ رحمہ اللہ جنگ بدر کے دن حاضر تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی چلے جانے کے بعد کہا اگر میں تمہارے

ساتھ اس وقت بدر میں ہوتا اور میں جتنا بھی ہوتا تو میں تمہیں وہ گھائی دکھاتا جن سے فرشتے نکلے تھے۔

(دلائل النبوة ج ۲ ص ۸۱ جامع البیان ج ۳ ص ۵۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۳)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

حضرت ابو داؤد یزنی نے کہا میں جنگ بدر کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں اس کو قتل کروں۔ سو میرے نکو اور مارنے سے پہلے ہی اس کا سرکٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ میرے علاوہ کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔

(ازاد السیر ج ۱ ص ۴۵۳-۴۵۴ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳۳ جامع البیان ج ۳ ص ۵۰)

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

مکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے بعد ابو سفیان مکہ کے لوگوں میں جنگ کے احوال بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم نے زمین اور آسمان کے درمیان سفید رنگ کے سوار دیکھے جو ہتھیار گھوڑوں پر سوار تھے وہ ہم کو قتل کر رہے تھے اور ہم کو قید کر رہے تھے ابو رافع نے کہا وہ فرشتے تھے۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس شخص نے عباس کو گرفتار کیا وہ حضرت ابو الیسر تھے۔ حضرت ابو الیسر دبے پتلے آدمی تھے اور عباس بہت جسیم تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو الیسر سے پوچھا تم نے عباس پر کیسے قابو پایا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جہنم ایک شخص نے میری مدد کی تھی میں نے اس کو اس سے پہلے نہ دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک معزز فرشتے نے تمہاری مدد کی تھی۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یوم بدر کے سوا ملائکہ نے کسی دن بھی قتال نہیں کیا باقی ایام میں وہ عددی قوت اور مدد کے لیے آتے تھے قتل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اہلی جو جہنم بیان کرتے ہیں کہ ہم جب تک اللہ نے چاہا قربند اور نصیر کا محاصرہ کرتے رہے اور ہم کو فتح حاصل نہیں ہوئی پھر ہم واپس آگئے سو جس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں اپنا سردھو رہے تھے اچانک آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کما اے محمد ﷺ آپ نے اپنا اسلحہ اتار دیا اور فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو سر پر لپیٹا اور سر نہیں دھویا پھر آپ نے ہمیں بلایا ہم سب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم قربند اور نصیر کے پاس پہنچے اس دن اللہ تعالیٰ نے ہماری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۵۲-۵۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالی ۴۵۶ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیے اور غسل فرمایا آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیے بخدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے آپ ان کی طرف نکلے۔ آپ نے پوچھا کس طرف؟ جبرائیل نے کہا اوھر اور بنو قربند کی طرف اشارہ کیا سو نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت انس جو جہنم بیان کرتے ہیں گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جبرائیل کے چلنے سے بنو عثم کی گلیوں میں غبار بلند ہو رہا تھا جب رسول اللہ ﷺ بنو قربند کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۰-۵۹۱ مطبوعہ نور محمد المطابع کراچی)

فرشتوں کے قتل کے متعلق جس قدر اہم روایات ہم کو دستیاب ہوئیں ہم نے ان سب کو یہاں ذکر کر دیا ہے فرشتوں کی آمد کا معادہ تو کئی غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے لیکن فرشتوں کا نزول ان کے جنگ کرنے کو مستلزم

نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے 'ان کی دہبھی کے لیے' ان کو مطمئن کرنے کے لیے 'جنگ میں ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے' دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کا نزول ہوا تھا انہوں نے کفار کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ نہیں لیا کیونکہ انسانوں کا فرشتوں سے مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کے خلاف ہے 'مقابلہ ایک جنس کے افراد میں ہوا کرتا ہے' جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتل کیا تھا ان میں بعض سند اضعیف ہیں اور بعض میں توہیل اور توجیہ ہے۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء

امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

جنگ بدر میں فرشتوں کے نازل کرنے کی آیات ہیں۔ ان کی تفسیر میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے 'سو اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ فرمایا' پھر ان سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا بشرطیکہ وہ دشمن کے مقابلہ میں صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور ان آیتوں میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ ان کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی مدد نہیں کی گئی تھی 'اس لیے فرشتوں کا مدد کرنا اور نہ کرنا دونوں امر جائز ہیں' اور ہمارے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی یا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور بغیر کسی صحیح حدیث کے ان میں سے کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے 'البتہ قرآن مجید میں یہ دلیل ضرور ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور وہ یہ آیت ہے:

وَأَن تَسْتَفْهِتُوا رَتَّبْنَا لَكُمْ أَتَيْنَا  
مُعِيْنًا كُنتُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَوِّدِينَ

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگا تار آنے والے فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں۔ (الانفال: ۹)

اباح البیان ج ۳ ص ۵۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر اور اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتوں کو نازل کیا اور انہوں نے کفار سے قتل کیا 'حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن قتل نہیں کیا اور باقی غزوات میں فرشتے عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے 'لیکن انہوں نے عملی طور پر قتل میں کوئی حصہ نہیں لیا' اور یہی جمہور کا قول ہے۔ لیکن ابو بکر اصم نے اس کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے اور ان کے حسب ذیل دلائل ہیں:

۱- تمام روئے زمین کو تباہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کافی ہے 'حضرت جبرائیل نے اپنے ایک پر سے قوم لوط کے چار شہروں کی زمین کو تحت اثر لی سے لے کر آسمان تک اٹھایا پھر اس کو زمین پر پلٹ کر پھینک دیا اور قوم لوط تباہ ہو گئی تو پھر جنگ بدر کے دن ان کو کافروں سے لڑنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

۲- قتل کیے جانے والے تمام بڑے بڑے کافر مشہور تھے اور یہ معلوم تھا کہ غلاں کافر کو غلاں صحابی نے قتل کیا ہے تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

۳۔ اگر فرشتے کفار کو انسانی شکل میں نظر آرہے تھے تو پھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ سو یا تین ہزار یا اس سے زائد ہو جائے گی حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے کم تھی اور اگر وہ غیر انسانی شکل میں تھے تو کفار پر سخت رعب طاری ہونا چاہیے تھا حالانکہ یہ منقول نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے شبہات وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو قرآن مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو لیکن جو قرآن مجید اور احادیث پر ایمان رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں، سو ابو بکر اصم کے لائق نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کے قتل کا انکار کرے جب کہ قرآن مجید میں فرشتوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے قتل کرنے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ تو اتر کے قریب ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نے وہ چمکیرے گھوڑے اور سفید پوش انسان نہیں دیکھے جن کو ہم نے جنگ بدر میں دیکھا تھا، ابو بکر اصم کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کلمہ کے مقابلہ میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ زائل ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرنا ہے اور وہ اپنے کسی کام پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سل بن صلیف جہڑ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ہم کسی مشرک پر تلوار مارتے اور ہماری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر و ہڈی الگ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ يَنْزِلُوا فَتُؤَيِّدُوا الْإِيمَانُ الْيَقِينُ بِمَا يُبْعَثُونَ  
فَتُؤَيِّدُوا الْإِيمَانُ الْيَقِينُ بِمَا يُبْعَثُونَ  
كَتَبُوا الْقُرْآنَ وَحْيًا مُبِينًا  
وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال: ۳)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، عقیب میں کافروں کے دلوں پر رعب طاری کروں گا، تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑے کے اوپر ضرب لگاؤ۔

حضرت ربیع بن انس جہڑ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کے ہاتھوں قتل کیے ہوئے کافرانگ پہچانے جاتے تھے، ان کی گردنوں کے اوپر تلوار کے وار تھے اور ان کے ہر جوڑے پر ضرب تھی اور ہر ضرب ایسی تھی جیسے آگ سے جلی ہوئی ہو، امام بیہقی نے ان تمام کافروں کا ذکر کیا ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ فرشتے قتل کرتے تھے اور کافروں میں ان کی ضرب کی علامت صاف ظاہر تھی، کیونکہ جس جگہ وہ ضرب لگاتے تھے وہ جگہ آگ سے جل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود جہڑ سے پوچھا کیا تم نے مجھے قتل کیا ہے؟ مجھے اس شخص نے قتل کیا کہ بلوچ میری پوری کوشش کے میرا نیزہ اس کے گھوڑے تک نہیں پہنچ سکا، اور اس قدر زیادہ فرشتے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل پر سکون رہیں، اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان فرشتوں کو مجاہد بنادیا، سو ہر وہ لشکر جو مبروہ ضبط سے کام لے اور محض ثواب کی نیت سے لڑے فرشتے آکر اس کے ساتھ قتل کرتے ہیں، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں فرشتوں نے قتل نہیں کیا، اور باقی غزوات میں وہ صرف عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے آتے تھے، اور بعض علماء نے کہا کہ یہ کثرت فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دعا کریں، تسبیح پڑھیں اور لڑنے والوں کی عددی قوت میں اضافہ کریں، اس قول کی بناء پر فرشتوں نے جنگ بدر میں بھی قتل نہیں کیا وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے، لیکن

پہلی رائے کے قائلین زیادہ ہیں۔

قلادہ نے کہا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جنگ بدر میں مدد کی گئی تھی۔ حسن نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ شعبی نے کہا نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مغربی مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے، نبی ﷺ اور مسلمانوں پر یہ فحش غزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے۔ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (آل عمران: ۳۴-۳۵) کرز کو جب مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ ابن کی مدد کے لیے نہیں آیا اور لوٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ابن کی مدد کی گئی تھی، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے دن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور بھیجیں تو اللہ تعالیٰ ابن کی تمام جنگوں میں مدد فرمائے گا اور مسلمان جنگ خندق کے سوا اور کسی جنگ میں ثابت قدم نہیں رہے اور صرف اسی جنگ میں نافرمانی سے ڈرے تو جب انہوں نے قرینہ کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (انزال) ملائکہ سے مدد فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے متعلق ہے اگر وہ اس میں ثابت قدم رہتے اور نافرمانی نہ کرتے تو پانچ ہزار فرشتوں سے ابن کی مدد کی جاتی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جویشہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن دو سفید پوش آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں سمت شدت سے قتل کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ان آدمیوں کو نہیں دیکھا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو اور عام صحابہ کی فرشتوں کے قتل سے مدد نہ کی گئی ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۹۵-۱۹۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں:

فرشتوں کی مدد معنوی تھی جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور ابن کے ارلوے بخت ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ نے ان (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (در حقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت عجب اور بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران: ۱۳۶) یعنی تاکہ کفار کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں گھبراہٹ پیدا نہ ہو سو تمہاری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کیے، اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تم سے فرشتوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہ محض تمہیں خوشخبری دینے اور تمہاری تسکین کے لیے ہے، کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اس کو نفل فرمایا ہے اور فرشتوں کی مدد کا محمل یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں رعب واقع ہو گا اور خوف پیدا ہو گا اور مسلمان جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور فرشتے ابن کو جنگ کے متعلق عہد تدبیریں القاء کریں گے۔ چنانچہ نبی ﷺ وادی کے قریب ترین راستے میں اتر گئے تھے اور آپ نے اس راستہ کو دشمن سے غلطی رکھا اور آپ نے بہت مناسب جگہ لشکر کو ٹھہرایا اور لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف رکھی اور تیر اندازوں کو پیچھے کھڑا کیا، اگر ان تدبیروں میں سے کوئی تدبیر بھی بروئے کار نہ لائی جاتی تو مشکل پیش آتی۔

بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں لڑائی میں حصہ لیا، امام ابن حجر نے اس کی نفی کی ہے اور



حضرت ابن عباس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا ہے اور کسی جنگ میں قتل نہیں کیا۔ ابو بکر اصم نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ہی تمام روئے زمین کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ اتنے فرشتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، نیز ہر کافر کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو فلاں محلہ نے قتل کیا ہے پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا، نیز اگر فرشتے انسانی شکلوں میں دکھائی دے رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کافروں سے بہت زیادہ ہو گئی، حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

وَيَقْتُلُكُمْ مِّنْ أَغْيَابِهِمْ (الانفال: ۴۴) اور اللہ تم کو ان کی نگاہوں میں کم دکھا رہا تھا۔

اور اگر فرشتے انسانی شکلوں میں نظر آ رہے تھے تو لازم آئے گا کہ بغیر کسی فاعل کے سرکٹ کٹ کر گر رہے ہوں، پیٹ چاک ہو رہے ہوں اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے ہوں اور یہ بہت عظیم معجزہ تھا اور اس کو تو اتر سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ امام رازی نے جو ابو بکر اصم کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو بکر اصم کا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے تو قرآن مجید میں کیس یہ نص صریح نہیں ہے کہ فرشتوں نے بالفضل قتل کیا ہے، البتہ سورہ انفل میں غزوہ بدر کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کرے گا، اور اس مدد کا یہ معنی ہے کہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں گے اور ان کی نیت درست رکھیں گے کیونکہ فرشتے انسانوں میں الہام وغیرہ کے ساتھ تاثیر کرتے ہیں اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے کہ اور اللہ نے اس (نزل ملائکہ) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں۔ (آل عمران: ۶۶، الانفال: ۱۰)

باقی رہا یہ کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کی مدد آئی اور جنگ احد کے دن نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے احوال بن دنوں میں مختلف تھے، جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی اور کسی پر نظر نہیں تھی اور انہوں نے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی کھل اطاعت کی اور جنگ احد میں سب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی کھل اطاعت نہیں کی بلکہ بعض مسلمان آپ کی مقرر کی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔

(المنارج ۳، ص ۱۱۵-۱۱۴، مطبوعہ دار العرف، بیروت)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں کے قتل کرنے میں اختلاف ہے اور بعض احادیث فرشتوں کے قتل کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(الانوار التنزیل ص ۲۳۵، مطبوعہ دار قرآن للنشر والتوزیع، مصر)

علامہ احمد شہاب الدین بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کفار کے خلاف قتل کیا تھا یا قتل نہیں کیا تھا، بلکہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی تقویت کے لیے تھا اور ان کے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے تھا، اس کی تفصیل ”کشف“ میں ہے۔

(عیان القاضی، ج ۳، ص ۲۵۶، مطبوعہ دار صادر، بیروت ۱۳۸۴ھ)

علامہ جابر اللہ محمود بن عمر معشوری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا غزوہ بدر میں فرشتوں کو بھیجا صرف تمہیں مدد کی بشارت دینے کے لیے تھا، جیسے بنی اسرائیل کے لیے سیکڑے کو نازل کیا گیا تھا، یعنی تم نے اپنی قلت تعداد اور ضعف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا اور فریاد کی تو تمہیں مدد کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا تاکہ تمہیں سکون حاصل ہو اور تمہارے دل مطمئن ہوں اور (حقیقت میں) امداد صرف اللہ

کی جانب سے ہے، اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم یہ نہ گن کرو کہ فرشتوں نے مدد کی ہے، کیونکہ تمہاری اور فرشتوں کی مدد کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور فرشتوں کی مدد کرنا اللہ کی طرف سے بطور اسباب ہے اور جس کی اللہ مدد فرمائے وہی منصور ہے۔ (الکشاف ج ۲، ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حلی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس آدمی کو بعض بشارت اور مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان کے لیے نازل کیا ہے، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا اور یہ بعض علماء کا مذہب ہے، اور بعض احادیث میں اس کی دلیل ہے حضرت ابواسید نے بیان ہونے کے بعد کہا اگر میں اس وقت بدر میں ہوتا اور دیکھتا ہوتا تو تم کو وہ گھٹائی دکھاتا جس سے فرشتے نکل رہے تھے۔ (روح المعانی ج ۹، ص ۳۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں صراحت یہ مذکور نہیں ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتل کیا، البتہ سورہ انفال کی اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ يَنْزِلُوا فِيكُمْ  
فَقَبِلُوا إِلَهِكَ فَأَنزَلْنَاهُ فِي الْقُرْآنِ  
وَأَنزَلْنَا الرُّعُوبَ فَاضْرِبُوا أَقْصَابَ الْكَافِرِينَ  
وَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانقَلَبُوا  
وَمِنْهُمْ كَذَّابٌ (الانفال: ۱۳)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کروں گا، تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

علامہ پیر محمد کرم اللہ ہری لکھتے ہیں:

اس آیت سے بظاہر کی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بائبل لڑائی میں حصہ لیا، لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانتا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ (نیل القرآن ج ۲، ص ۳۳، مطبوعہ نیل القرآن علی کثیر لاہور)

علامہ ابو محمد ابن عطیہ اندلسی حلی لکھتے ہیں:

اس آیت میں یا تو فرشتوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور یا مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کو قتل کرو۔ (المحرر الوجیز ج ۸، ص ۲۷، مطبوعہ مکتبہ تجلیہ، مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی حلی لکھتے ہیں:

اس آیت میں ابن علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا، اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کے قول کی حکایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے، ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور فرشتے مومنین سے یہ کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (روح المعانی ج ۹، ص ۳۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالیمان اندلسی حلی لکھتے ہیں:

جو معنی واضح ہے وہ یہی ہے کہ اس آیت میں فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کی تفسیر ہے اور فرشتے مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (المحرر الوجیز ج ۵، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روایات میں ہے بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کیے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (تفسیر حاشیہ قرآن، مطبوعہ سعودی عرب)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

یہود اور ذمائی جو بدر میں حاضر ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک شرک کی گردن مارنے کے لیے اس کے درپے ہوں۔ اس کا سر میری تلوار کے پتختے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا۔

(تفسیر حاشیہ قرآن، مطبوعہ تاج کنبی پبلیشرز لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتل میں یہ کام نہیں لیا ہو گا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں، بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہوگی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک جیسے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر القرآن، ج ۲، ص ۳۳، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

مفتی محمد شفیع کا کلام اس مسئلہ میں واضح نہیں ہے، انہوں نے دو ٹوک طریقے سے نہ تو فرشتوں کے قتل کا قول کیا ہے اور نہ صراحت اس کی نفی کی ہے۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قتل ملائکہ کی بعض روایات نقل کر کے لکھتے ہیں:

یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکہ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لیے کچھ کچھ کام ایسے بھی کیے ہیں کہ گویا وہ بھی قتل میں شریک ہیں اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی قتل اور تقویت قلب تھا۔ فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرنا مقصود نہیں تھا، اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جدل کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کفر کا نام ہی نہ رہتا، حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی، مگر اس کا رخنہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں۔ (معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ)

اور سورہ انفال کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتل میں حصہ لیں، اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتل میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیے۔ مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بڑھائی اور قتل میں بھی حصہ لیا، اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در مشور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتل ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۹، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۳۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ کے بعض کم سوادوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کا وعدہ محض مسلمانوں کو ذرا بڑھاو دینے کے لیے تھا تاکہ وہ ہمت کر کے کفار سے بھڑ جائیں۔ ان کے خیال میں قرآن نے جنگ کے بعد خود یہ راز کھول دیا کہ

یہ بات محض تمہاری تسلی کے لیے کہہ دی گئی تھی اس کی حقیقت کچھ نہیں تھی مگر یا نعوذ باللہ پہلے تو اللہ میاں نے مسلمانوں کو چمکے دیا اور خود ہی اپنا بھائی پھوڑ دیا کہ اب کے تو میں نے تمہیں چمکے دے کر لڑا دیا آئندہ میرے بھرے میں نہ آنا فرشتوں و فرشتوں کی بات محض ایک بھڑی تھی شاید یہ حضرات اللہ میاں کو اپنے برابر بھی سمجھنے لگتے۔

(تذکرہ قرآن، ج ۲، ص ۳۲۵-۳۲۴، مطبوعہ داران فاؤنڈیشن، ۱۳۱۹ھ)

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی انہوں نے جس غیر سنجیدہ انداز سے تعبیر کی ہے وہ قابل صد افسوس اور مذمت ہے۔

شیخ مفسر شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن جبرائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے جبرائیل دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں جانب تھے انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور علامہ کاشانی کدھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا انہوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو مغلوب کیا اور بائیں اور مستقبل میں سے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن میں فرشتوں کو جملہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کو صرف جنگ بدر کے دن جملہ کا حکم دیا گیا تھا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ جنگ کرتا تو اس مشرک کے سر کے اوپر سے تازیانہ کی آواز آتی اور جب مسلمان محض نظر اوپر اٹھاتا تو وہ مشرک زمین پر پڑا ہوتا اور اس کے سر کے اوپر تازیانہ کا نشان ظاہر ہوتا اور وہ محض کسی اور کو نہ دیکھتا اور جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جن کو حق تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا اور حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے شہید اور قریش کے مقتولین میں یہ فرق تھا کہ ہمارے شہداء پر زخموں کے نشانات تھے اور قریش کے مقتولین پر زخموں کے نشانات نہیں تھے۔ (منہج الصالحین، ج ۲، ص ۲۸، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، لاہور)

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے بعض اس کے معنی ہیں کہ فرشتے اپنے مخصوص اسلحہ کے ساتھ نازل ہوئے تھے اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو خاک پر گرا دیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ روایات کو بھی نقل کیا ہے اور مفسرین کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے، ان کے دلوں کو تقویت دینے اور ان کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے نازل ہوئے تھے۔ اور یہی قول حقیقت سے قریب تر ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ آل عمران: ۵۶ اور الانفال: ۱۰ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو فتح کی بشارت دینے کے لیے ہوا تھا۔

۲۔ اگر کفار کو فرشتوں نے قتل کیا تھا تو مجاہدین بدر کی کیا فضیلت رہ جاتی ہے؟

۳۔ جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے جن میں سے کچھ کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور باقی کو دوسرے مجاہدین نے اور تاریخ میں یہ محفوظ ہے کہ کس کافر کو کس مسلمان نے قتل کیا تھا تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(تفسیر نمونہ، ج ۷، ص ۱۰۵-۱۰۴، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ، ایران، ۱۳۶۹ھ)

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کے متعلق امام رازی کا تبدیل شدہ نظریہ

آل عمران: ۵۵-۵۶ کی جو امام غزالی نے تفسیر کی ہے اس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں امام

رازی نے اس سے مختلف تقریر کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کی تقویت اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے تھا۔ چنانچہ دیکھتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قتل کیا تھا یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر اسلام کی دائیں جانب تھے۔ اور حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر اسلام کی بائیں جانب تھے اور اس لشکر میں حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی تھے۔ اور وہ فرشتے مردوں کی صورت میں سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور انہوں نے کفار سے قتل کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ ان فرشتوں نے غزوہ بدر میں قتل کیا تھا اور غزوہ احزاب اور غزوہ خنین میں قتل نہیں کیا تھا۔ اور روایت ہے کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا تھا وہ آواز کہاں سے آتی تھی جس کو ہم سنتے تھے اور بولنے والا نظر نہیں آتا تھا حضرت ابن مسعود نے کہا وہ فرشتے تھے تب ابو جہل نے کہا تو پھر انہوں نے ہم کو شکست دی ہے تم نے نہیں دی اور روایت ہے کہ ایک مسلمان ایک شرک کا پیچھا کر رہا تھا اچانک اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑا مارنے والے کی آواز سنی اس نے اس شرک کی طرف دیکھا تو وہ نیچے گر پڑا تھا اور اس کا چہرہ شق ہو گیا تھا اس انصاری نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ آسمان سے مدد آئی تھی۔ علماء کی دوسری جماعت نے یہ کہا کہ فرشتوں نے قتل بالکل نہیں کیا وہ صرف مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بڑھانے کے لیے آئے تھے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے اور نہ پوری دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ ہی کافی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے بازو کے ایک پر سے قوم لوط کے تمام شہروں کو تباہ اور برباد کر دیا تھا اور قوم ثمود کے شہروں کو اور حضرت صلح علیہ السلام کی قوم کو صرف ایک چیل سے ہلاک کر دیا تھا۔ غزوہ بدر میں فرشتوں کی امداد کی کیفیت سورہ آل عمران میں بہت تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ غزوہ بدر میں فرشتے قتل کے لیے نازل نہیں ہوئے تھے اس قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلْيَسْطَعْمَنَّ بِهِ فُلُوكُمْ ۚ (الانفال: ۱۰۸)

اور فرشتوں کو نازل فرمانا صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے تھا اور اس لیے کہ تمہارے دل مطمئن رہیں۔

فرمانے یہ کہا کہ ”وما بط“ کی ضمیر لگاتار فرشتوں کی طرف لوتی ہے یعنی لگاتار فرشتوں کو بھیجا صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے تھا اور ذہن نے بھی یہی کہا ہے کہ لگاتار فرشتوں کو بھیجا صرف بشارت دینے کے لیے تھا۔ اور یہ تفسیر اولیٰ ہے کیونکہ فرشتوں کی امداد بشارت سے حاصل ہو گئی تھی حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ پچھلے نیچے بیٹھے ہوئے دعا کر رہے تھے اور آپ کی دائیں جانب حضرت ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا پھر رسول اللہ ﷺ کو اونگھ آگئی پھر آپ نے حضرت ابو بکر کے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ کی مدد کی بشارت لو میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرائیل گھوڑے پر سوار آ رہے ہیں۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتوں کو نازل کرنے سے صرف خوشخبری دینا مقصود تھا۔ اور یہ اس بات کی نفی کرتی ہے کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ”مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔“ (الانفال: ۱۰۹) اور اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ہر چند کہ فرشتے مومنین کی موافقت میں نازل ہوئے تھے لیکن مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اس پر اعتقاد نہ کریں بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی امانت اور امداد اس کی ہدایت اور اس کے کلامی ہونے پر اعتقاد کریں۔ کیونکہ اللہ ہی عزیز اور غالب ہے جس پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا اور وہی ایسا قاہر ہے جس پر کوئی قہر نہیں کر سکتا اور وہی حکیم ہے اور وہ اپنی حکمت سے جانتا ہے کہ کس جگہ نصرت کرنی چاہیے سورہ اس جگہ نصرت فرمانا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

### غزوہ بدر میں فرشتوں کے قاتل کے متعلق مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتے صرف مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کو تقویت دینے کے لیے نازل ہوتے تھے، اور انہوں نے خود جنگ نہیں کی۔ اس کے برخلاف بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ کی تھی، لیکن یہ احادیث چونکہ قرآن مجید کی ان صریح آیات سے معارض ہیں اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے گا، نیز اگر فرشتوں نے یہ لڑائی لڑی ہوتی تو پھر کوئی صحابی بھی اس جنگ میں زخمی یا شہید نہ ہوتا، حالانکہ چودہ صحابی شہید ہوئے، اور متعدد زخمی ہوئے، نیز اگر یہ فرشتوں کا کارنامہ تھا تو اصحاب بدر کا کوئی کمال نہ ہوا اور ان کی اس قدر فضیلت نہ ہوئی۔ اور پھر ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ تمام کافروں کو قتل کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا، علاوہ ازیں یہ کہ مجاہدین صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق معلوم اور ثابت ہے کہ فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا اور فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا، پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا؟ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَلَمْ تَغْنُلُوهُمْ وَلَئِكَ الْلَّهِ قَنَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ اِذْ رَمَيْتُمْ وَلَئِكَ الْلَّهِ رَمَىٰ

(الانفال: ۱۷) آپ نے (حقیقتاً خاک) نہیں پھینکی، جس وقت (بظاہر) آپ نے

(خاک) پھینکی تھی، وہ (خاک) اللہ نے پھینکی۔

بظاہر اصحاب بدر نے کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم نے ان کو حقیقتاً قتل نہیں کیا، اللہ نے ان کو قتل کیا ہے، اگر فرشتوں نے بظاہر قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: اے مسلمانو! تم نے کافروں کو حقیقتاً قتل نہیں کیا، ان کو تو در حقیقت فرشتوں نے قتل کیا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف قتل کی نسبت ظاہر کی نہ حقیقتاً تو معلوم ہوا کہ بدر کے کافروں کو قتل کرنے میں فرشتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ ظاہراً نہ حقیقتاً، اور بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لیے تھا، جو فرشتے بدر میں اترے انہیں دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی، اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دینے کے لیے بدر میں فرشتوں کو اتارا ہوا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن رقاہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد اہل بدر میں سے تھے) کہ حضرت جبرائیل نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اہل بدر کو کون سا درجہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں یا اس طرح کوئی اور بات فرمائی۔ حضرت جبرائیل نے کہا: ہم بھی اسی طرح فرشتوں میں بدری فرشتوں کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۲۹، مطبوعہ نور محمد، ص ۱۰۰، الطبع، کراچی، ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث میں یہ معلوم ہوا کہ فرشتوں کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس جنگ میں ان کو مسلمانوں کی معیت کا شرف

اور مرتبہ دیا جائے۔

میں نے اس مسئلہ میں بہت چھان بین کی ہے اور اہمات کتب حدیث میں مجھ کو فرشتوں کے قتل کے متعلق جس قدر احادیث ملیں میں نے ان سب کا ذکر کیا، لیکن میں نے دیکھا یہ احادیث باہم متعارض اور مضطرب ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ احزاب میں بھی



قتل کیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بلکہ کافر بھی فرشتوں کو دیکھ رہے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو قتل کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا، البتہ بغیر کسی فاعل کے کافروں کے سرکٹ کٹ کر گر رہے تھے اس کے برخلاف قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا بلکہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قتل کیا تھا اور فرشتے صرف مسلمانوں کی دل جہی کے لیے نازل ہوئے تھے میرے نزدیک احادیث صحیحہ اور آثار صحیحہ حجت ہیں لیکن قرآن مجید بہ ہر نوع احادیث پر مقدم ہے۔ نیز قواعد اسلام اور اصول اور روایت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ جنگ صرف مسلمانوں نے لڑی تھی۔ میں نے اس مسئلہ میں دیگر فقہاء اسلام کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے۔ بہر حال میرے قلب و ضمیر کے مطابق حق یہی ہے اور اگر حق دوسری جانب ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے اور میں اس سے تائب ہوں۔

آل عمران: ۷۵-۷۴ کی تفسیر میں بھی میں نے یہی تقریر کی ہے لیکن اس کی اہمیت اور افادہ کے پیش نظر میں نے چند مزید حوالہ جات کا اضافہ کر کے اس تقریر کو دوبارہ ذکر کر دیا ہے۔

إِذْ يَغْشِيكُمْ السُّعَاسُ أَمْنَةً مِّنْهُ وَيُنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ

(یاد کرو) جب اشرار اپنی طرف سے تم پر غزوگی طاری کر رہا تھا تو تمہارے لیے بے غوثی کا باعث ہوئی اور تم پر آسمان سے

مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ

بارش نازل فرما رہا تھا تاکہ اس کے پانی سے تمہاری نجاست کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو

عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى

ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جما دے ۵ اور یاد کیجئے! جب آپ کے رب نے فرشتوں

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنۡتٰی مَعَكُمْ فَثَبَّثُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَالِقِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِ

کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم سوزن کو ثابت قدم رکھو، میں منتریب ان کافروں کے دلوں

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَالرُّعَبَ قَاصِرِیۡنَ اَفۡوٰقِ الْاَعۡنَاقِ وَاصۡرِبُوۡا

میں رعب ڈال دوں گا، سرحم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے سر جوڑ دوں

مِنْہُمْ کُلَّ بَنَیۡنٍ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَاقُوۡا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ۚ وَہُنَّ

مترب لگاؤ ۶ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اشرار اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو

یُشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِکَ

اشرار اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اشرار سخت عذاب دینے والا ہے ۷ یہ ہے تمہاری

فَذُو قُوَّةٍ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ يَأَيُّهَا الَّذِينَ

متر (سوائے کو چھو اور بیشک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے) ۵ اے ایمان والو!

أَمِنُوا إِذَ الْقَيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَزَحْفًا فَلَا تُولُوهُمْ الْآدْبَارَ ۝

جب جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھيرو ۶

وَمَنْ يُولُوهُمْ يَوْمَئِذٍ دِيرَةٌ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا

اور جس شخص نے جنگ کی محبت کی یا ایک جماعت کے لئے (کے قصد) کے بغیر میدان جنگ سے پیٹھ پھیرا

إِلَى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۝

تو بے شک وہ اندر کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ

بِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ

کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے ۷ مرنے والا نہ تھا تم نے ان کو قتل نہیں کیا، لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور اسے رسول معظم اپنے درندہ

إِذْ رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَفَعَهُ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلََاءٌ

نہیں پھینکی جس وقت آپ نے غاکہ پھینکی تھی، لیکن وہ غاکہ اللہ نے پھینکی تھی تاکہ وہ لوگوں کو اپنی آزمائش کے ساتھ

حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنٌ كَرِيءٌ

گڑبڑا ہے، بیشک اللہ بہت سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۸ یہ تو تمہارے ساتھ ساتھ ہے اور اللہ کفار کی چاروں طرف

الْكَافِرِينَ ۝ إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا

کمزور کرنے والا ہے ۹ آپ ان کافروں سے کہیے اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم (کفار) دشمن

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم نے پھر اپنی حرکت کی تو ہم پھر نہیں سزا دیں گے اور تمہارا گروہ خواہ کتنا زیادہ ہو

شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

وہ تمہارے کسی کام نہ آئے گا اور بے شک اللہ مومن کے ساتھ ہے ۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یاد کرو) جب اللہ اپنی طرف سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا جو تمہارے لیے بے خوفی کا باعث ہوئی اور تم پر آسمان سے بارش نازل فرما رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کرے اور تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جمادے O اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مومنوں کو طہیت قدم رکھو، میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے ہر جوڑے پر ضرب لگاتے۔  
غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی چھ انواع

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجملی طور پر فرمایا تھا کہ غزوہ بدر میں صرف اللہ کی طرف سے مدد تھی۔ اب اللہ تعالیٰ تفصیل سے اس امداد کو بیان فرما رہا ہے۔ الانفال کی آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے اس امداد کی چھ انواع بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنا۔

۲۔ آسمان سے بارش نازل فرماتا۔

۳۔ مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا اور ان کے دلوں کو مضبوط کرنا۔

۴۔ مسلمانوں کے قدم جمانا۔

۵۔ فرشتوں کی طرف سے وحی نازل فرماتا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

۶۔ کافروں کے دلوں پر رعب طاری کرنا اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت ڈالنا۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ یہ امداد کی نعمتوں کو بیان کریں گے۔ مفعول وبالله التوفیق۔

جس دن کی صبح جنگ ہوئی تھی اس رات مسلمانوں پر غیند کا طاری ہونا

نعمان غنودگی کی اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان بالکل مطمئن ہوتا ہے اور اس کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا۔ مسلمانوں پر یہ غنودگی اس رات طاری ہوئی تھی جس کی صبح کو انہوں نے کفار کے خلاف جہاد کرنا تھا اور اس رات ان کو غیند آجانا نصیحت عجیب تھاکہ ان کی تعداد کم تھی اور صحابہ ان کو اپنے سے تین گنا لشکر کا سامنا کرنا تھا۔ بظاہر اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے ان کو غیند نہیں آئی چاہیے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مطمئن اور مضبوط کر دیا۔ مسلمانوں میں سے حضرت مقداد بن اسود کے پاس ایک چنگبرے رنگ کا گھوڑا تھا جس کا نام سبوح تھا۔ ایک گھوڑا حضرت زبیر بن العوام کے پاس تھا جس کا نام یحسوب تھا اور ایک گھوڑا مرثد بن ابی مرثد کے پاس تھا جس کا نام میل تھا۔ نبی ﷺ کے پاس ایک گھوڑا اور ایک زہرہ تھی اور مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور ایک اونٹ ہادی بادی تین مسلمان سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابولہبہ اور حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں بھی ایک اونٹ تھا۔ ان صاحبوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ مستقل اونٹ پر سوار رہیں اور وہ پیدل چلتے رہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں ہو اور میں تمہاری بہ نسبت اجر سے مستثنیٰ نہیں ہوں۔ اس کے برخلاف کفار قریش کے پاس ایک سو گھوڑے تھے اور ہر گھوڑے پر ایک زہرہ پوش سوار تھا اور جو پیدل تھے ان کے پاس بھی زہرہ پوش تھے۔ وہ ہر روز نو دس اونٹ جمع کرتے تھے اور ان کے ساتھ باندیاں تھیں جو گاجا کر اور مسلمانوں کی بھوس میں اشعار پڑھ کر ان کو جوش دلاری تھیں اور ان کی آتش غضب کو اور بھڑکاری تھیں۔ اندر میں حالات مسلمانوں کو زیادہ فکر مند اور پریشان ہونا چاہیے تھا اور اگر وہ اسی طرح بے چینی سے جاگ کر رات گزارتے تو صبح کو وہ لڑنے کے لیے تازہ دم نہ ہوتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اور ان کی یہ امداد کی کہ ان پر غیند طاری کر دی اور حصہ کی صبح کو جس دن جنگ ہوئی تھی وہ بالکل تازہ دم اور

جنگ کے لیے تیار تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، دلائل النبوة، سبل محمد بنی و آلہ شلو ملتظام)

مسلمانوں پر اس رات غنودگی طاری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہر نیند اور غنودگی اللہ کی طرف سے طاری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس غنودگی کو طاری کرنے کی نسبت جو اپنی طرف کی ہے اور اس کو اہمیت سے بیان فرمایا تو ضرور اس میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ جب کوئی شخص اپنے دشمن سے خوفزدہ ہو اور اس کو اپنے اہل و عیال کی جان کا خطرہ ہو تو عادتاً اس کو نیند نہیں آتی اور جب اس کیفیت میں نیند آجائے تو یہ ضرور ایک غیر معمولی بات ہے۔

۲۔ وہ ایسی گہری نیند نہیں سوئے تھے کہ گرد و پیش بے ہنگام ہے خبر ہو جاتے ورنہ دشمن ان پر اچانک ٹوٹ پڑتا اور ان سب کو ہلاک کر دیتا۔ بلکہ ان پر صرف غنودگی طاری کی جس سے ان کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور صبح کو وہ تازہ دم انھیں اور اگر رات کو دشمن ان کی طرف آتا تو وہ فوراً بیدار ہو جاتے اور دشمن ان کو بے خبری میں ہلاک کرنے پر قادر نہ ہوتا۔

۳۔ ایک بڑی جماعت کے ہر شخص کو بیک وقت نیند کا آجائے بھی غیر معمولی بات ہے۔

۴۔ نیند بے فکری اور سکون کے وقت آتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے دل و دماغ سے دشمن کے خوف اور اس کی فکر کو دور کر دیا تھا اور تین سو تیرہ نفوس کے دل و دماغ میں بیک وقت ایک ہی قسم کی کیفیات کا طاری ہونا یہ بھی ایک غیر معمولی بات ہے۔

ان مذکورہ وجوہ سے معلوم ہوا کہ اس رات مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنے میں کئی وجوہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں کا اظہار تھا اور رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔

بدر میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ اور بارش کا نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان بدر کی طرف روانہ ہوئے، لوہر مشرکین پہلے پہنچ چکے تھے اور انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا، ان کا پڑاؤ وادی کے اوپر کی جانب تھا اور نبی ﷺ وادی کی ٹہلی جانب تھے۔ کئی مسلمان جنبی ہو چکے تھے اور ان کے غسل کے لیے پانی نہیں تھا، اور کئی پیاسے تھے اور جو مسلمان جنبی تھے وہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے جنابت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، شیطان نے ان کے دلوں میں دوسوہ ڈالا کہ تم کفار قریش پر غلبہ آنے کی کیسے توقع کر سکتے ہو حالانکہ تم میں کئی مسلمان بغیر وضو کے حالت جنابت میں نماز پڑھ رہے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش نازل کی۔ انہوں نے غسل کیا، وضو کیا اور پانی پیا۔ وہ جگہ ریتیلی تھی اور ریت کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے اب ان کے قدم ریت پر جمع گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں سے شیطان کے ڈالے ہوئے دوسوہ کو زائل کر دیا۔ (جامع البیان، ج ۹، ص ۳۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابن ہشام متوفی ۲۸۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا کہ کفار قریش نے وادی بدر کے آخری کونے پر پڑاؤ ڈالا تھا اور ان کے پیچھے ریت کا ٹیلہ تھا، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اس ٹیلے کے پیچھے تھے اور ریت کی زیادتی کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے، اور پانی پر قریش کا قبضہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس سے ریت میٹھ گئی اور جہاں قریش تھے وہیں بارش کی وجہ سے کچھ ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۲۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام بیہقی نے زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ، اور عبد اللہ بن ابی بکر وغیرہم سے غزوہ بدر کے متعلق ایک

طویل حدیث روایت کی ہے اس میں بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کے متعلق بیان کیا ہے:

قریش نے وادی بدر کے آخری کنارے میں پڑاؤ ڈالا اور بدر کے سارے کنوئیں مدینہ کی طرف سے ابتدائی کنارے کے ریتے میدان کے وسط میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس سے ریت بیٹھ گئی اور اس جگہ چلنا آسان ہو گیا اور جس جانب کفار قریش تھے وہاں سخت کچڑا ہو گئی اور وہاں چلنا دشوار ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ سرعت سے روانہ ہوئے اور کفار قریش پر سبقت کر کے نزدیک ترین پانی کے کنوئیں پر پہنچ گئے۔ حضرت حباب بن منذر نے کہا یا رسول اللہ! کیا اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس جگہ قیام کرنے کا حکم دیا ہے کہ ہم اس جگہ سے سرمو تجاوز نہ کر سکیں یا آپ نے جنگ کی حکمت عملی کی وجہ سے اس جگہ کو منتخب فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ صرف جنگ کی حکمت عملی ہے۔ حضرت حباب نے کہا یا رسول اللہ! تب یہاں سے اٹھئے اور ایسی جگہ قیام کیجئے کہ بدر کے تمام کنوئیں ہماری پشت پر ہوں پھر ایک کنوئیں کے سوا باقی تمام کنوئیں بند کر دیجئے۔ اور زمین کھود کر ایک حوض بنو دیجئے اور اس میں سارا پانی جمع کر لیں تاکہ جس حوض پر ہمارا قبضہ ہو ہم جب چاہیں وہاں سے پانی حاصل کر لیں اور قریش کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ مل سکے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کا فیصلہ فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرما لیا۔ (دلائل النبوة، ج ۳، ص ۳۱۰-۳۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۵ھ)

بدر کے دن بارش کے نزول میں اللہ کی نعمتیں

کفار قریش نے پہلے پہنچ کا پانی پر قبضہ کر لیا تھا، مسلمان خوف زدہ اور پیاسے تھے اور بعض جنبی تھے انہیں پینے کے لیے پانی میسر نہ تھا نہ غسل کے لیے علاوہ ازیں ریت میں ان کے پاؤں دھنسنے رہے تھے اور ہوا سے ریت اڑ رہی تھی اور شیطان ان کے دلوں میں دوسوے ڈال رہا تھا کہ اگر یہ دین سچا ہو تا تو تم اس معیت میں جتنا نہ ہوتے پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ان کی پیاس بجھ گئی اور انہوں نے غسل کر لیا کیونکہ روایت ہے کہ انہوں نے زمین کو کھود کر ایک حوض بنالیا تھا جس میں انہوں نے بارش کا پانی اکٹھا کر لیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ تم سے شیطان کی نجات دور کرے اس سے یہ مراد ہے کہ اس بارش کے ذریعہ انہوں نے غسل کر لیا اور ان سے نجات دور ہو گئی نیز اس سے شیطان کا ڈلا ہوا یہ دوسوہ باطل ہو گیا کہ اگر تم دین حق پر ہوتے تو اس طرح پیاسے اور جنبی نہ رہتے۔

بقیہ چار نعمتوں کی تفصیل

اس کے بعد فرمایا تاکہ تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے۔ یہ تیسری نعمت اور امداد کا بیان ہے کیونکہ بارش نازل ہونے کی وجہ سے ان کے دل مضبوط ہو گئے اور گھبراہٹ اور خوف ان سے دور ہو گیا۔ لغت میں ربط کا معنی باندھنا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں کو باندھ دیا تاکہ اس میں خوف و گھبراہٹ نہ داخل ہو سکے۔

پھر فرمایا اور تمہارے قدموں کو جمادے یہ چوتھی نعمت اور امداد کا بیان ہے کیونکہ ریت میں مسلمانوں کے پاؤں دھنسنے رہے تھے اور ان کو چلنے میں مشکل اور دشواری تھی اور بارش ہونے کے بعد ریت بیٹھ گئی اور وہ قدم جما کر چلنے لگے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیے تو وہ جنگ میں ثابت قدم ہو گئے۔ کیونکہ اگر ان کے دل کمزور ہوتے تو یہ خدشہ رہتا کہ وہ جنگ کی شدت سے گھبرا کر بھاگ جائیں گے اور اس نعمت اور امداد کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان وادی بدر کی جس جانب تھے وہاں ریتلی زمین تھی اور کفار قریش جس جانب تھے وہاں دھول اور مٹی تھی اور بارش ہونے



سے ریت بیٹھ گئی اور مسلمانوں کے لیے آسانی ہو گئی اور جہاں دھول اور مٹی تھی وہاں بارش کی وجہ سے کچھڑ ہو گئی اور ان کا چلنا دو بھر ہو گیا تو اس بارش نے جہاں مسلمانوں کے لیے آسانی کی وہاں کفار کے لیے مشکل اور دشواری کی اور دشمن کی مصیبت بھی انسان کے لیے نعمت ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی فرما رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، یہ نعمت اور امداد کی پانچویں قسم ہے۔ اس نعمت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ جب فرشتے مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ وہ ان کے یعنی فرشتوں کے ساتھ ہے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ مسلمانوں کی مدد کرو اور ان کو ثابت قدم رکھو۔ اور فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کا یہ معنی ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور یہ نعمت اور امداد کی چھٹی قسم ہے، کیونکہ انسان کے جسم کا امیر اس کا دل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو قوی کر دیا اور ان کے دلوں سے کفار کے خوف کو زائل کر دیا اور پھر کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس کے بعد فرمایا سو تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو ہے اور اس جملہ سے متصل ہے کہ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ حکم مومنوں کو ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فرشتوں کو قتل اور جہاد کے لیے نہیں نازل کیا گیا تھا۔ ان کے ہر جوڑ پر وار کرو یعنی ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ ڈالو۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ جس طرح بھی چاہو ان کو مار ڈالو، کیونکہ گردن کے اوپر سر ہے اور سر اشراف الاعضاء ہے اور جوڑا ضعف الاعضاء ہے پس یہاں اشراف اور اضعاف کا ذکر کر کے متنبہ کیا ہے کہ ان کو جس طرح چاہو قتل کر دو۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو ان کو قتل کر دو یا پھر ان کی انگلیوں اور ان کے ہاتھوں کو کاٹ ڈالو تاکہ یہ تم پر حملہ کرنے کے قائل نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ ہے (تمہاری سزا) سو اس کو چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ (الانفال: ۳۳-۳۴)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو براہ راست اور بلا واسطہ نعمتیں ہیں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کی ہوئی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو بلا واسطہ نعمتیں ہیں کیونکہ کسی جماعت کے مخالفین پر عذاب بھی اس جماعت کے حق میں نعمت ہوتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اللہ سے شقاق کیا۔ شقاق کا معنی ہے ایک شخص ایک شق (جانب) پر ہو اور دوسرا شخص دوسری شق پر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ تصور نہیں ہے کہ وہ کسی ایک شق پر ہو یا کسی ایک جانب ہو اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے شقاق کیا کہ وہ ایک جانب دین اسلام پر تھے اور وہ دوسری جانب کفر پر تھے۔

پہلی آیت میں فرمایا تھا جو اللہ اور اس کے رسول سے شقاق (تنازع) کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور اس



دوسری آیت میں اس عذاب کی صفت بیان کی ہے کہ وہ عذاب جہنم (فوری) بھی ہے اور موبل (آخری) بھی ہے۔ جہنم عذاب کو دالکھ سے بیان فرمایا یعنی: یہ ہے (تمہاری سزا) یہ اشارہ دنیاوی سزا کی طرف ہے اس میں سزا کا فرما دے گئے تھے اور سزا کافروں کو قید کر لیا گیا تھا۔

اور فرمایا ہے چکو اس میں اس عذاب کو کھانے پینے کی اشیاء سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح کھانے پینے کی چیزیں لذیذ اور نفس کو مرغوب ہوتی ہیں تو یہ عذاب بھی حکما تمہارے لیے مرغوب ہے کیونکہ تمہیں بارہا بتایا گیا کہ تم جو کفر اور شرک کر رہے ہو یہ عذاب کا باعث ہے اس کے بلوجود تم کفر اور شرک سے چنے رہے سو تمہیں کفر اور شرک مرغوب تھا اور وہ عذاب کو مستلزم ہے تو عذاب بھی تمہیں حکما مرغوب ہو گا سواب تم اپنی مرغوب چیز کو چکو۔

رسول اللہ ﷺ کا مقتولین بدر سے خطاب فرمانا اور سماع موتی کی بحث

حضرت انس بن مالک جو بیٹہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولین بدر کو تین دن تک پڑے رہنے دیا پھر آپ ان کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور ان کو پکار کر فرمایا اے ابو جہل بن شامہ اے امیہ بن خلف اے شیبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ اے تم نے اپنے رب کے لیے ہوئے وعدہ کو سچا پایا بے شک میرے رب نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچا پایا ہے حضرت عمر جو بیٹہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو سن کر عرض کیا یا رسول اللہ اے کیسے سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے حالانکہ یہ مردہ اجسام ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں پھر آپ کے حکم سے ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ (صحیح مسلم مج ۷ ص ۷۷۷ (۲۸۷۴) ۷۹۰)

علامہ ابو الجہاں احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں:

چونکہ علوتہ مردوں سے کلام نہیں کیا جاتا تھا اس لیے حضرت عمر جو بیٹہ نے مردوں سے کلام کرنے کو مستبعد جانا اور نبی ﷺ نے اس کا یہ جواب دیا کہ وہ زندوں کی طرح آپ کے کلام کو سن رہے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے سننے کی یہ صفت دائمی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی یہ صفت بعض اوقات میں ہو۔ (المضمح ۷ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۷۸ھ نے قاضی میاض مالکی سے اس حدیث کی یہ شرح نقل کی ہے:

جس طرح عذاب قبر اور قبر کے سوال و جواب کی احادیث سے مردوں کا سنا ثابت ہے اس طرح ان کا سنا بھی ثابت ہے اور یہ ان طرح ہو سکتا ہے ان کے جسم یا جسم کے کسی جز کی طرف روح کو لوٹا دیا جائے علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ بغیر روح کے لوٹے ہوئے جسم سن لیتا ہے اس کا یہ دعویٰ بدہمت کے خلاف ہے۔ اور شاید جو لوگ سماع موتی کے منکر ہیں ان کی یہی مراد ہو کہ روح کو لوٹے بغیر جسم نہیں سن سکتا اور جو اس کے قائل ہیں وہ اعلیٰ روح کے ساتھ سماع کے قائل ہیں اور اس صورت میں یہ اختلاف اٹھ جاتا ہے۔

(اکمال اکمال المسلم ج ۷ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسینی المتوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

اگر علامہ ابی کی روح سے مراد حیات ہے تو پھر تو واضح ہے کہ بغیر حیات کے جسم کے سننے کا دعویٰ کرنا بدہمت کے خلاف ہے اور اگر روح سے وہ متعارف معنی مراد ہے جس کا جسم میں حلول ہوتا ہے اور جس کے نکلنے سے جسم مردہ ہو جاتا ہے اور جسم میں اس کے حلول کی وجہ سے جسم علوتہ زندہ ہوتا ہے تو پھر یہ لازم نہیں ہے کہ اگر روح کو جسم میں نہ لوٹایا جائے تو جسم نہ سن

کے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم میں روح کو لوٹائے بغیر اس میں حیات پیدا کر دے اور سماعت کا ادراک پیدا کر دے۔

(اکمال اکمال العلوم ج ۷، ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الکتب الخطیبہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ مازری نے کہا اس حدیث سے بعض لوگوں نے سماع موتی (مردوں کے سننے) پر استدلال کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے عام حکم ثابت نہیں ہوتا یہ صرف متحولین بدر کے ساتھ خاص ہے، قاضی عیاض مالکی نے ابن کارو کرتے ہوئے لکھا جن احادیث سے عذاب قبر اور قبر میں سوالات اور جوابات ثابت ہیں اور ان سے سماع موتی ثابت ہوتا ہے اور ان کی کوئی تویل نہیں ہو سکتی، اسی طرح اس حدیث سے بھی سماع موتی ثابت ہے دونوں کا ایک محمل ہے، اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان زندہ کر دیا ہو یا ان کے جسم کے کسی ایک عضو میں حیات پیدا کر دی ہو اور جس وقت اللہ ان میں سماعت پیدا کرنا چاہے وہ سن لیتے ہوں، یہ قاضی عیاض کا کلام ہے اور یہی مختار ہے اور جن احادیث میں اصحاب قبر کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔ (معجم مسلم شرح النووی ج ۷، ص ۷۰۷، مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ موت عدم محض اور فناء صرف نہیں ہے بلکہ موت روح کے بدن سے منقطع ہونے اور اس کی بدن سے مفارقت کا نام ہے اور وہ ایک محل سے دوسرے محل میں اور ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ مردہ اپنے اصحاب کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں تو مردہ ان کی جوتیوں کے چلنے کی آواز سنتا ہے، پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کے بعد قبر میں سوال و جواب کا ذکر ہے۔

(معجم البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۷، ص ۷۳، معجم مسلم کتاب الجنۃ: ۷۱، ص ۲۸۷، سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۲۰۴۸)

سماع موتی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ

مردہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: مردہ کے گھروالوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا کہ مردہ کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور اس کے گھروالے اس پر رورہے ہیں، گویا یہ ایسا ہی ہے کہ جب جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ بدر کے کوئیں پر کھڑے ہوئے اور اس میں مشرکین میں سے متحولین بدر پڑے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا جو فرمایا تھا، حضرت عمر نے روایت کیا یہ میرا کلام سن رہے ہیں اور وہ بھول گئے۔ آپ نے فرمایا تھا ان کو علم ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ برحق ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَحْزَنُوْا ۚ سَبَّحْتَ اللّٰهَ وَتَحْمَدُوْهُ وَتُكَلِّمُوْنَ اَنۡفُسَکُمْ فَاَنْتُمْ سَمٰعٌ ۚ

اِنَّکُمْ لَا تَسْمَعُ السَّمَوٰتِی (النمل: ۸۰)

ہے شک آپ مردوں کو نہیں سنا تے۔

وَمَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ فِی السَّمٰوٰتِ (فاطر: ۳۲)

اور آپ ان کو سنائے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔

(معجم مسلم البخاری ج ۷، ص ۲۸۱، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۹، سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۲۰۴۸)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۵۸۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیتوں سے استدلال کیا ہے ان سے مراد کفار ہیں گویا کہ وہ اپنی قبروں میں مردہ ہیں اور ان آیتوں میں سننے سے مراد ان کا نبی ﷺ کے ارشاد کو سمجھنا اور آپ کے پیغام کو قبول کرنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَآتَمَّعَهُمْ وَلَوْ  
 آتَمَّعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ  
 (انفال: ۳۳) و کتاب بھی وہ اعراض کرتے ہوئے ضرور پٹہ پھرتے۔  
 (آپ کا پیغام) ضرور سار جاتا اور اگر (بالفرض) اللہ انہیں سنا بھی

اور یہ اس طرح ہے جیسے ان کے حواس خمسہ سلامت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا ہو گیا اور اندھا فرمایا۔ کیونکہ سننے بولنے اور دیکھنے کی جو غرض و غایت اور اس کے قضاے ہیں وہ ان کو پورا نہیں کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کو اپنا پیغام نہیں سناتے جو اس پیغام کو قسم و قدر سے نہیں سننے لور نہ اس پیغام کو قبول کرتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ ان آیتوں میں حقیقتاً مردے مراد ہیں تب بھی ان آیات کا ان اطلعت سے کوئی تعارض نہیں ہے جن سے مردوں کا سنا ثابت ہے کیونکہ اگر ان آیتوں سے بالعموم مردوں کے سننے کی نفی مراد ہو تب بھی عام میں تخصیص جائز ہے اور مخصص وہ اطلعت ہیں جن سے مردوں کا سنا ثابت ہے اور ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کسی وقت اور کسی حال میں مردے سن لیتے ہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں نے جو کچھ ان (مقتولین بدر) سے کہا اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵) اور اس کی مثل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷) اور آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تم میرے کلام کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں کے سننے کا انکار کرتی ہیں اور ان کے علم اور جاننے کا اعتراف اور اقرار کرتی ہیں امام بیہقی نے فرمایا علم سماعت کے متعلق نہیں ہے اور آیت کریمہ: آپ مردوں کو نہیں سناتے (اتمل ۴۰) کا جواب یہ ہے کہ آپ مردوں کو بہ حیثیت مردہ نہیں سناتے لیکن اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ سن لیتے ہیں جیسا کہ قتادہ نے بیان کیا ہے اور مقتولین بدر کے سننے کی حدیث صرف حضرت عمر نے روایت نہیں کی اور نہ اس روایت میں حضرت ابن عمر منقول ہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت ابو طلحہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵) اور اس کی مثل حدیث کو امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ سننے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سننے ہیں جس طرح تم سننے ہو لیکن وہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے کنوئیں والو! کیا تم نے اس وعدہ کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا کیونکہ میں نے اس وعدہ کو سچا پایا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ سن رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح تم سن رہے ہو لیکن یہ آج جواب نہیں دے سکتے!

(المعجم الكبير ج ۱۰) رقم الحديث: ۱۰۳۲۰ کتاب السنہ رقم الحديث: ۸۸۴ نیز امام ابن اسحاق نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ السيرة النبوية ج ۲ ص ۲۵۰

اور نصرت عجیب بات یہ ہے کہ امام ابن اسحاق نے مخازی میں یونس بن بکر کی سند جید کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حضرت ابو طلحہ کی حدیث کی مثل کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (السيرة النبوية ج ۲ ص ۲۵۰)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: امام احمد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ مقتولین بدر کو کنویں میں پھینک دیا جائے۔ امیہ بن خلف کے علاوہ سب کو پھینک دیا گیا کیونکہ وہ اپنی زرہ میں پھول چکا تھا۔ جب ان کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اے کنویں والو! کیا تم نے اپنے رب کے اس وعدہ کو سچا پایا جو اس نے تم سے کیا تھا؟ کیونکہ میں نے اس وعدہ کو سچا پایا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا؟ آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مردوں سے باتیں کر رہے ہیں؟ آپ نے ان سے فرمایا انہوں نے جان لیا ہے کہ میں نے ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق ہے اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سن لیا۔ میں نے ان سے جو کہا تھا وہ برحق تھا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا انہوں نے جان لیا۔ (مسند احمد ج ۸ رقم الحديث: ۳۳۹ طبع قاہرہ مسند احمد ج ۸ ص ۲۷۷ طبع قدیم دہلی الفکر) حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ روایت کیا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو ہم کو مسند احمد میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ البتہ امام ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، بہر حال حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اگر امام احمد کی یہ روایت (یا امام ابن اسحاق کی یہ روایت) محفوظ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے سابق انکار سے رجوع فرمایا، کیونکہ ان کے نزدیک دیگر صحابہ کی روایت سے یہ امر ثابت ہو گیا تھا جو اس موقع پر حاضر تھے اور حضرت عائشہ اس موقع پر حاضر نہیں تھیں۔ امام اسحاقی نے یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم اور ذکوات اور کثرت روایت اور بحر علم میں خواص ہونے کے لحاظ سے تمام صحابہ پر فائق ہیں لیکن ثلث اور مستند صحابہ کی روایت کو اسی وقت مسترد کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا مثل ثلث روایت میں اس کے منسوخ یا غسوس یا محمل ہونے کی تصریح ہو۔ اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جبکہ جس چیز کا حضرت عائشہ نے انکار کیا ہے اور جس چیز کو دوسرے صحابہ نے ثابت کیا ہے ان کو جمع کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: "انک لا تسمع الموتی" (النمل: ۸۰) "آپ مردوں کو نہیں سناتے" یہ اس کے متعلق نہیں ہے کہ وہ اس وقت سن رہے تھے۔ کیونکہ اسلم کا معنی ہے سننے والے کی آواز کو سامع تک پہنچانا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو سنایا تھا یا اس طور کہ اپنے نبی ﷺ کی آواز ان تک پہنچائی۔ رہا حضرت عائشہ کا یہ فرمان کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا وہ لب جان رہے ہیں یا ان کو اب علم ہو رہا ہے تو اگر حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے خود یہ الفاظ سنے تھے تو یہ دیگر صحابہ کی اس روایت کے متعلق نہیں ہے کہ وہ لب سن رہے ہیں بلکہ اس کی موید ہے علامہ سیوطی نے جو اس مقام پر بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث خرق عادت (عجزہ) پر دلالت کرتی ہے کیونکہ صحابہ نے کہا کیا آپ مردوں سے کلام کر رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا جو صحابہ کی روایت کے مطابق وہ اب سن رہے ہیں اور حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق ان کو اب علم ہو رہا ہے اور جب مردہ ہونے کی حالت میں ان کا عالم ہونا جائز ہے تو اس حال میں ان کا سامع ہونا بھی جائز ہے۔ اور یہ سماعت یا ان کے سر کے کانوں سے تھی یا ان کے دل کے کانوں سے تھی۔ اور دیگر صحابہ کی روایت کو حضرت عائشہ کی روایت پر اس لیے ترجیح ہے کہ وہ اس موقع پر حاضر تھے اور حضرت عائشہ اس موقع پر

موجود نہ تھیں، حضرت عائشہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "ما انت بسمع من فی القبور" (طہ: ۳۳) "آپ ان کو سناتے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں"۔ اور یہ آیت اس آیت کی مثل ہے افانت نسمع الصم او تہدی العمی (انفال: ۴) "تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اور اندھوں کو ہدایت دیں گے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے اور وہی توفیق دیتا ہے اور وہی دلوں کے کلاں تک فصاحت پہنچاتا ہے نہ کہ آپ، اور مردوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے کفار کو مردہ اور بہرہ فرمایا، پس حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سناتا ہے جب وہ چاہتا ہے اور حقیقت میں نہ اس کا نبی بنا سکتا ہے نہ کوئی اور، پس اس آیت سے حضرت عائشہ کے استدلال کا رد وجوہ سے کوئی قطع نہ رہا۔ اول یہ کہ یہ آیت کفار کو اہل ایمان کی دعوت دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور ثانی یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس چیز کی نفی کی ہے کہ حقیقت میں وہ سناتے والے نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سناتے والا ہے۔ اور اللہ نے صحیح فرمایا ہے وہی جب چاہتا ہے ان کو سناتا ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(الروضة الافانف، ج ۲، ص ۷۲، مطبوعہ مکتان، فتح الباری، ج ۷، ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۱ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ۸۵۵ھ اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ نے یہ آیات اپنے موقف میں تلاوت کیں، ان آیات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان آیات میں سماع کے پیدا کرنے کی نفی کی گئی اور سماع کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے رسول اللہ ﷺ پیدا نہیں کرتے، پھر کے کنوئیں میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر کے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنایا، یہ تفسیر فقہانہ نے بیان کی ہے اور علامہ سیوطی نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر حاضر نہیں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو"۔ تو اس موقع پر انہی کی روایت مستحب ہے جنہوں نے یہ الفاظ سنے تھے، اور جب اس حالت میں ان کا جتنا ممکن ہے تو ان کا سننا بھی ممکن ہے، یا تو ان کفار نے حضور ﷺ کے ارشاد کو اپنے سر کے کلاں سے سنا تھا اور یہ اس وقت ہے جب فرشتوں کے سوال کے وقت ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹ رہی تھیں جیسا کہ اکثر اہل سنت کا قول ہے۔ یا انہوں نے دل اور روح کے کلاں سے سنا جیسا کہ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ سوال صرف روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور روح کو جسم میں لوٹایا نہیں جاتا۔

(عمدة القاری ج ۷، ص ۹۳، مطبوعہ ادارة البحوث المیسریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

ملا علی سلطان بن القاری متونی ۸۳۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن حنبل نے شرح ائمہ ایہ میں یہ تصریح کی ہے کہ اکثر مشائخ حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ مردہ سننا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کتاب الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے کسی مردہ سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس کی قسم اس شخص کے متعلق تھی جو سوچ سمجھ کر اس کی بات کا جواب دے اور مردہ اس طرح نہیں ہے۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) یہ جزیہ اس قصہ پر متفرع ہے کہ قسم کی بنا عرف پر ہوتی ہے اور مردہ سے بات کرنے کو عرف میں کلام نہیں کہتے اور اس سے حقیقت میں مردہ کے سننے کی نفی نہیں ہوتی، جس طرح فقہانہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا تو پھلی کھانے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی مگر اللہ تعالیٰ نے پھلی کو گوشت فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَخْرِجُ الْبَحْرَيْنَا مُجْتَمِعَيْنِ يَكُونُ أَمْتًا لِّحَمَاهُمْ  
طَرِيقًا (النحل: ۸)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مٹا کر دیا تاکہ تم  
اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔







میں سے ثابت نہ ہو اور وہ علت یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے مخالف ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ)

علامہ شاہ کا یہ کتاب صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے مخالف ہے۔ ہم علامہ قرطبی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ سیوطی، علامہ محمود بن احمد عینی اور ملا قاری کی وہ توجیہات نقل کر چکے ہیں جن میں انہوں نے اس حدیث اور قرآن مجید کی آیات میں تطبیق دی ہے اور ہم قبر والے پر سلام پڑھنے کی حدیث بھی باحوالہ بیان کر چکے ہیں اور انشاء اللہ اس حدیث کو مزید حوالہ جلت اور دیگر احادیث کو بھی بحث کے آخر میں بیان کریں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۰۷ھ اس بحث میں فرماتے ہیں:

عرض: ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انکار سماع موتی سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

ارشاد: نہیں، وہ جو فرماری ہیں حق فرماری ہیں۔ وہ مردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہیں، مردے کون ہیں، جسم، روح مردہ نہیں، اور بے شک جسم نہیں سنا، سنتی روح ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ام المؤمنین کے حضور میں سیدنا عمر فاروقؓ کی حدیث بیان کی گئی کہ حضور اقدسؐ میں ہتھیر نے ارشاد فرمایا "ما انتم بامسمع منہم" تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ ام المؤمنین نے فرمایا اللہ رحم فرمائے امیر المؤمنین پر حضور ہتھیر نے یہ نہیں ارشاد فرمایا بلکہ فرمایا "انہم لیسلمون" بے شک وہ جانتے ہیں، امیر المؤمنین کو سمجھوا، انہوں نے فرمایا "ما انتم بامسمع منہم" تو خود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا مردوں کے علم کا اقرار فرماتی ہیں، سماع سے بے شک انکار فرماتی ہیں، اور وہ بھی اس کے ان معنوں سے جو عرف میں شائع ہیں، سماع کے معنی معنی ان آلات کے ذریعہ سے سنا، یہ یقیناً بعد مرنے کے روح کے لیے نہیں، روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے اس جسم کے کانوں سے سنتی ہے۔ پھر ام المؤمنین کا ان آیتوں سے استدلال اور بھی اس کو ظاہر کر رہا ہے۔ "انک لا تسمع الموتی" اور "وما انت بامسمع من فی القبور" موتی کون ہیں؟ اجسام، قبور میں کون ہیں؟ وہی اجسام، تو پھر اجسام ہی کے سننے سے انکار ہوا۔ اور وہ یقیناً حق ہے۔ (پھر فرمایا) خود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا طرز عمل سماع موتی کو ثابت کر رہا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدسؐ میں ہتھیر میرے چہرے میں دفن ہوئے میں بغیر چادر اوڑھے بے حجابانہ حاضر ہوئی اور کہتی "انما ہوں زوجی" میرے شوہر ہی تو ہیں، پھر میرے باپ حضرت ابو بکر صدیقؓ دفن ہوئے، جب بھی میں بغیر احتیاط کے چلی جاتی اور کہتی "انما ہوں زوجی و ابی" میرے شوہر اور میرے باپ ہی تو ہیں، پھر جب حضرت عمرؓ دفن ہوئے تو میں نہایت احتیاط کے ساتھ چادر سے لپی ہوئی حاضر ہوئی، اس طرح کہ کوئی عضو کھلا نہ رہے، "حیاء من عمر" عمرؓ کی شرم سے۔ تو اگر ارواح کا صحیح بھرنہ مانتیں تو پھر "حیاء من عمر" کے کیا معنی؟ (پھر فرمایا) تین باتوں میں ام المؤمنین کا خلاف مشہور ہے اور ان تینوں میں غلط فہمی، ایک تو یہی سماع موتی کہ وہ سماع معنی کا جسوں کے واسطے انکار فرماتی ہیں، اور اس کو غلط فہمی سے ارواح کے سماع حقیقی پر محمول کیا جاتا ہے۔ دوسرے معراج کے جسدی کے بارہ میں انکار مشہور ہے کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں: "ما فقدت جسد رسول اللہ" جسد اقدس میرے پاس سے کہیں نہ گیا۔ ملاحظہ آپ معراج منامی کے بارہ میں فرما رہی ہیں جو عینہ منورہ میں ہوئی اور وہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی۔ اس وقت ام المؤمنین خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں بلکہ نکاح سے بھی مشرف نہ ہوئی تھی اسے اس پر محمول کرنا سراسر غلطی ہے۔ تیسرے علم بانی اللہ کے بارہ میں ام المؤمنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم بانی اللہ (یعنی آنے والی کل کا علم) تھا وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے، علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ

کشف پر میرید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۲ ص ۲۸۱-۲۸۲۔ حاشیہ اینڈ کیپیٹ کاہور)  
دیوبند کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

سارے موقی کا مسئلہ گزر چکا ہے اور رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ ان کو سناتے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ قبر والوں کو ایسا پیغام نہیں سناتے جس پر ان کا قبول کرنا حرت ہو یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ان قبر والوں کو ہمارے اس جہان میں نہیں سناتے اور ان قبر والوں کا سنا عالم برزخ میں ہے۔ اور وہ ہمارے جہان کے اعتبار سے معدوم ہے اور یا یہ آیت اس طرح ہے جس طرح فرمایا ہے وہ ہرے گوئے اندھے ہیں۔ (البقرہ: ۱۷۱) یعنی ان کو سننے کے باوجود ہرے فرمایا۔ اسی طرح یہاں فرمایا کہ آپ ان ہرے کو نہیں سناتے۔ علامہ سیوطی نے کہا وہ آپ کے پیغام کو کان لگا کر نہیں سنتے اس کو قبول نہیں کرتے اور اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے اس لیے فرمایا آپ ان کو نہیں سناتے گویا اس آیت میں کفار کو قبر والوں سے تشبیہ دی ہے۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۹۰، مطبوعہ مجلس علمی ہند ۱۳۵۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

میں یہ کتابوں کہ مردوں کے سننے کے متعلق احادیث حدیث کو پہنچی ہوئی ہیں۔ امام ابو عمر ابن عبد البر نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص مردہ کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر دنیا میں اس کو پہچانتا تھا تو اس کو پہچان لیتا ہے (یہ روایت بالمعنی ہے) حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے، پس اس کے انکار کی محجبات نہیں ہے، کیونکہ ہمارے ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، البتہ علامہ ابن العمام نے یہ کہا ہے کہ سارے موقی میں اصل نفی ہے اور جن مواضع میں سارے ثابت ہے ان کا استثناء کیا جائے گا۔ میں کتابوں کہ پھر اصل میں نفی کا عنوان قائم کرنے کا کیا فائدہ اور جب فی الجملہ سارے ثابت ہے تو پھر تخصیص کے اوجا کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں قرآن مجید میں فرمایا ہے: "اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی" اور "مَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِنْ فِی الْقُبُوْر" اور ان آیتوں سے بظاہر مردوں کے مطلقاً سننے کی نفی ہوئی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے سننے کی نفی کی ہے، سننے کی نفی نہیں کی اور ہماری بحث مردوں کے سننے میں ہے، اور علامہ سیوطی نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے پیغام کو کان لگا کر نہیں سنتے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کا نفع نہیں حاصل کرتے، کیونکہ مردوں کا سارے سے فائدہ حاصل کرنا دنیاوی زندگی میں مقصور ہے اور اب اس کا وقت گزر چکا ہے، اسی طرح یہ کفار ہر چند کہ زندہ ہیں لیکن آپ کا ان کو ہدایت دینا غیر مفید ہے کیونکہ یہ نفع نہ اٹھانے میں مردوں میں مثل ہیں۔ پس ان آیتوں سے مردوں کے سننے کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ سننے سے ان کے فائدہ اٹھانے کی نفی مقصود ہے۔ میں کتابوں کہ نفی سارے سے ماننے اور عمل کرنے کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ میں نے غلاں شخص کو کتنی مرتبہ نماز پڑھنے کے لیے کہا مگر وہ سنتا ہی نہیں۔ یعنی ماننا نہیں اور عمل نہیں کرتا، سو قبر میں مردے بھی سنتے نہیں اور عمل نہیں کرتے۔ اس اعتبار سے زندہ کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ آپ کی بات مانیں گے نہیں اور اس پر عمل نہیں کریں گے، اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب مردوں کے لیے سنتا ثابت ہے تو کیا وہ نفع بھی اٹھا سکتے ہیں تو میں کہوں گا کہ جو لوگ نکل پر فوت ہوئے وہ سننے سے نفع بھی حاصل کرتے ہیں اور جو لوگ علیلاً باللہ کفر پر فوت ہوئے تو ان کے لیے نفع کمال؟ وہ لوگ صرف آواز سنتے ہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قبر میں جس سارے کے ثبوت کے درپے ہیں وہ عالم برزخ میں سارے ہے۔ اور قرآن مجید نے

مردوں کے جس سننے کی نفی کی ہے وہ ہمارے اس علم کے اعتبار سے ہے۔

(لیض الباری ج ۲ ص ۲۶۸-۲۶۷، مختصراً، مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

سماع موتی کے ثبوت میں بعض دیگر احادیث اور آثار

اس سے پہلے ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالوں سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ نے متولین پر کے متعلق صحابہ سے فرمایا (۱) تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، اور اس پر مفصل بحث و نظر کا بھی ذکر کیا اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی (۲) کہ دفن کے بعد قبر میں مردہ جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا اور اس کی تائید میں صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ کے حوالوں سے یہ حدیث بیان کی (۳) کہ نبی ﷺ قبرستان گئے اور فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین اور ظاہر ہے کہ یہ سلام کرنا اسی وجہ سے تھا کہ قبر میں مردے سنتے ہیں۔ اب اس کی تائید میں ہم مزید احادیث پیش کر رہے ہیں۔

(۳) امام ابو عمر و سف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(الاستاذ کار ج ۲ ص ۱۶۵، رقم الحدیث: ۱۸۵۸، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

علامہ قرطبی اور علامہ منطوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ امام ابن عبد البر نے اس حدیث کو التعمید میں بھی روایت کیا ہے لیکن ہم نے التعمید کے دو نسخوں اور فتح الملک میں اس حدیث کو تلاش کیا اس میں یہ حدیث نہیں ہے، امام عبد البر نے اس حدیث کو صرف الاستاذ کار میں روایت کیا ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے (احیاء العلوم ج ۶ ص ۳۷) اور اس کے حاشیہ پر حافظ عراقی نے لکھا ہے کہ عبد الحق الاشیلی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۳۰۵ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے امام ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو کتب القبور میں روایت کیا ہے، اور امام بیہقی نے شعب اللایمان میں اس کو حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (اتحاف السلاۃ المستعین ج ۱ ص ۳۶) علامہ زین الدین بن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (احوال القبور ص ۳۲، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، ۱۳۳۴ھ) محمد ناصر الجبلی نے اس کا دار البرزخ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۴۷۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن عبد البر نے اس حدیث کو الاستاذ کار اور التعمید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ابو محمد عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم جوزیہ حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابو محمد عبد الحق الاشیلی نے یہ عنوان قائم کیا کہ مردے زخموں کے متعلق سوال کرتے ہیں اور ان کے اقوال اور اعمال کو پہچانتے ہیں پھر کہا کہ امام ابن عبد البر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس کو نہ پہچانتا ہو اور سلام کرے تب بھی وہ اس کے سلام کا

جواب دیتا ہے۔ عنقریب ہم اس حدیث کو باحوالہ ذکر کریں گے۔ (الروح ص ۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۰ھ)

علامہ عبد الرؤف متلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن القیم نے کہا ہے کہ اس قسم کی احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص قبر والے کی زیارت کرتا ہے اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور اس سے باتیں ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء دونوں کے لیے عام ہے اور اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہ مشروع کیا ہے کہ وہ اہل قبور کو سلام کریں جس طرح سننے والے اور محل والے شخص کو سلام کیا جاتا ہے۔ حافظ عراقی نے کہا ہے کہ امام عبد البر نے اس حدیث کو التعمید اور الاستدکار میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حافظ عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ (لیض اللہ بر ج ۲ ص ۵۳۸ مطبوعہ مکتبہ زوار مصطفیٰ بازار مکہ مکرمہ ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابو بکر احمد بن علی الخلیب المتوفی ۴۳۳ھ نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو بیکہ بھی کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا پس اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳ مکتبہ سفیہ مدینہ منورہ الجامع الخیر ج ۲ رقم الحدیث: ۸۰۳ شرح الصدور ص ۲۰۳ دار الکتب المطبعہ بیروت ۱۳۰۳ھ کنز العمال ج ۱۵ رقم الحدیث: ۳۲۵۵۶ مطبوعہ بیروت)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

(۶) سالم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جس قبر کے پاس سے گزرتے اس کو سلام کرتے تھے۔

(المصنف ج ۳ رقم الحدیث: ۶۷۲۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا ہم قبروں پر سلام کرنے کے لیے کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کو السلام علی اہل الدہار من المؤمنین والمسلمین یرحمہم اللہ المستقدمین منا والمستأخرین انا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ (المصنف ج ۳ رقم الحدیث: ۶۷۲۲۲)

(۸) زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اور ابن کے ایک شاگرد ایک قبر کے پاس سے گزرے حضرت ابو ہریرہ نے کہا سلام کرو اس شخص نے پوچھا کیا قبر کو سلام کروں حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر اس نے کسی دن دنیا میں تمہیں دیکھ لیا تھا تو وہ اب تمہیں پہچان لے گا۔ (المصنف ج ۳ رقم الحدیث: ۶۷۲۲۳)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ روایت کرتے ہیں:

(۹) زاذان بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب قبرستان میں داخل ہوتے تو فرماتے اس دیار میں رہنے والے مومنین اور مسلمانوں پر میرا سلام ہو تم ہم پر مقدم ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم تمہارے ساتھ ضرور ملیں گے اور ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۱۰) جناب ازدی بیان کرتے ہیں کہ ہم سلمان کے ساتھ حمہ کی طرف گئے۔ حتیٰ کہ جب ہم قبروں کے پاس پہنچے تو انہوں نے دائیں طرف متوجہ ہو کر کہا السلام علیکم یا اہل الدہار من المؤمنین والمؤمنات۔ الحدیث۔

(۱۱) مجاہد سے روایت ہے کہ وہ قبروں پر سلام عرض کرتے تھے۔

(۱۲) موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا سالم بن عبد اللہ رات ہو یا دن جس وقت بھی قبر کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے السلام علیکم میں نے ابن سے اس کے حلق پوچھا تو انہوں نے کہا ابن کے والد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کہتے تھے۔

(۱۳) حضرت بریدہ جریجی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو ان میں سے کوئی شخص یہ کہے السلام علیکم یا اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین واما انشاء اللہ بکم للاحقون انتم لنا قرط ونحن لکم تبع ونسال اللہ لنا ولكم العافیۃ۔ (۱۴) عامر بن سعد اپنے والد جریجی سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی زمین سے لوٹے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو کہتے السلام علیکم وانا بکم للاحقون پھر اپنے اصحاب سے کہتے کہ تم شہداء کو سلام نہیں کرتے تاکہ وہ تمہارے سلام کا جواب دیں۔

(۱۵) عبداللہ بن سعد الجاری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو ہریرہ جریجی نے کہا جب تم ان قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم پہچانتے تھے تو کہو السلام علیکم اصحاب القبور اور جب تم ان قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم نہیں پہچانتے تھے تو کہو السلام علی المسلمین۔

(۱۶) ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ وہ البقیع کی طرف جائیں ان کے لیے دعا کریں اور ان کو سلام کریں۔ (المصنف ج ۳، ص ۳۳۹، مطبوعہ دارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوٹے ہوئے حضرت مصعب بن عمیر جریجی کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا میں کو ایسی دعا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک ذمہ ہو۔ (پھر صحابہ سے فرمایا) تم ان کی زیارت کرو اور ان کو سلام کرو۔ (المعجم للاوسط ج ۳، ص ۳۳۹، رقم الحديث: ۳۷۵، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۳۱۵ھ)

(۱۸) عبداللہ اللودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ جریجی کے پاس گیا اس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ اسی طرح کرنا جس طرح حضور ﷺ نے ہمیں مردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے، آپ نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر پر مٹی ہموار کرنا، پھر تم میں سے کوئی شخص اس کی قبر کے سر پر کھڑا ہو جائے، پھر اس کو چاہیے کہ یہ کہے یا فلان بن فلانہ، وہ اس کلام کو سننے گا اور جواب نہیں دے گا، پھر کہے کہ یا فلان بن فلانہ، تو وہ اٹھ کر سیدھا بیٹھ جائے گا پھر کہے یا فلان بن فلانہ، تب وہ مردہ کے گالہ تم پر رحم کرے ہماری رہنمائی کرے۔ لیکن تم کو (ان کے کلام کا) شعور نہیں ہوتا، پس اس شخص کو کہنا چاہیے یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو یہ شہادت دیتے تھے کہ ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبده ورسوله اور تم اللہ کو رب مان کر راضی تھے اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو نبی مان کر اور قرآن کو کلام مان کر، پھر مگر اور نکیر میں سے ایک اپنے صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہے گا اب یہاں سے چلو ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جس کو حجت کی تحقیق کر دی گئی ہے، پھر ان کے سامنے اللہ حجت کرنے والا ہو گا، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں اس کی میں کاہم معلوم نہ ہو تو آپ نے فرمایا تو پھر اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے یا فلان بن حواء۔

(المعجم الکبیر ج ۸، رقم الحديث: ۷۹۷۹، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۲۰۴، لکھنؤ، ج ۱، ص ۱۹، تنزیہ تدنی و شقی ج ۱، ص ۲۲۳، کنز العمال، رقم الحديث: ۳۲۳۰۶، ۳۲۳۰۷، ۳۲۳۰۸، ۳۲۳۰۹)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۴۷۸ھ لکھتے ہیں کہ حنفیہ ابو محمد عبدالحق اور شیعہ بن ابی شیبہ نے اس حدیث سے استدلال کیا



ہے۔ یہ حدیث احیاء العلوم میں بھی ہے اور بہت علماء نے اس سے استدلال کیا ہے اور شیخ فقیر امام مفتی الامام ابو الحسن علی بن حبتہ اللہ شافعی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ہمارے شیخ علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث پر عمل کر کے میت کو تلقین کرنی چاہیے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۳۰) مطبوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

واضح رہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے آباء کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ اور اس حدیث میں جو اہمات کی طرف نسبت کا ذکر ہے یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دفن کے بعد قبر کا واقعہ ہے۔ اس حدیث میں مردہ کے سننے کی صاف تصریح ہے۔ اور چونکہ اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے اور یہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

ملا علی قاری نے علامہ لودی سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک ضعیف حدیث اہل علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۹۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملکن ۱۳۹۰ھ)

امام ابو بکر حسین بن احمد بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

(۱۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ رقم الحدیث: ۹۲۹۶ شرح الصدور ص ۲۰۲)

(۲۰) نیشاپور کے قاضی ابو ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا قاضی کے پوچھنے پر بتایا کہ میں کفن چور تھا اور قبوں سے کفن چرانے والا تھا۔ ایک عورت فوت ہو گئی میں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تاکہ میں اس کی قبر دیکھ لوں۔ رات کو میں نے قبر کھودی اور اس کا کفن اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس عورت نے کہا سبحان اللہ ایک جنتی مرد جنتی عورت کا کفن اتار رہا ہے پھر اس عورت نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم نے میری نماز جنازہ پڑھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو بخش دیا جنہوں نے میری نماز جنازہ پڑھی تھی۔

(شعب الایمان ج ۲ رقم الحدیث: ۹۲۹۶ شرح الصدور ص ۲۰۸)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

(۲۱) یحییٰ بن ابوبکر الخزازی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی اندر آ گئی۔ اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا مِّنْهُمْ مَّكَائِدًا لِّبَنِي  
النَّاسِ لِيَكُونُوا مَعَهُمْ مَّبْصُورُونَ

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں

(الاعراف: ۳۶) اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے کئی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں



آیا اس کے باپ نے پوچھا ہے بیٹا تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے، باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا، باپ نے پوچھا اے بیٹا تم نے کوئی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ گھر والوں نے اسے بلا دیا، مگر یہ مر چکا تھا، انہوں نے اس کو غسل دیا اور اسے جاکر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی، صبح کو حضرت عمرؓ کے وفد کے پاس تعویذ کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی۔ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے جاؤ، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے، حضرت عمرؓ نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جہتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جہتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ محمد بن جامع رقم: ۱۱۳، ج ۱۹، ص ۱۹۱-۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۵ھ، حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متوفی ۷۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر المرفوع ج ۲۴، ج ۲، ص ۲۷۸، طبع دار الفکر بیروت، شرح الصدور ص ۲۳، طبع دار الکتب المطبعہ بیروت، ص ۳۰۳، کنز العمال ج ۲، ص ۵۷۵-۵۷۶، رقم الحديث: ۳۷۳۲)

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی قرطبی متوفی ۴۵۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

(۲۲) عطاء بن یسار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کو قبرستان میں جاتے اور فرماتے "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" ہمارے پاس اور تمہارے پاس وہ چیز آچکی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ! جمع الفرقہ والوں کی مغفرت فرما۔

جن علماء کا یہ مذہب ہے کہ مردوں کی روحیں قبروں کے محسوس ہوتی ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: اور بے شک نبی ﷺ نے بدر کے کھنڈوں میں پڑے ہوئے مردوں کو خطاب فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، مگر یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (ابن قولہ) ثلثہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ مردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ لوگوں کی جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے، اور ان امور کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی ان کو صرف تسلیم کیا جائے گا اور ان کی اجازت کی جائے گی۔ امام عبد البر فرماتے ہیں جو شخص قبرستان میں جائے وہ ان کو سلام کرے اور وہ الفاظ کہے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔ (التحذیر ج ۲۰، ص ۲۴۰، مطبوعہ المکتبۃ النجدیہ، مکہ المکرمہ ۱۳۳۴ھ)

(۲۳) عاصم بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن نبی ﷺ کو موجود نہ پایا میں آپ کے پیچھے گئی، آپ بقیع کے قبرستان میں گئے تو آپ نے فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین، تم ہمارے پیش رو ہو، اور شک ہم تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ! ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ہم کو ان کے بعد آزمائش میں نہ ڈال۔ (التحذیر ج ۲۰، ص ۲۳۸، مطبوعہ المکتبۃ النجدیہ، مکہ المکرمہ ۱۳۳۴ھ)

(۲۴) حضرت علی بن ابی طالبؓ قبرستان میں گئے اور قبروں کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز سے ندا کی اے اللہ! تمہارا آیا تم ہمیں اپنی خبریں دے گے یا ہم تمہیں خبریں سنائیں؟ ہمارے پاس یہ خبر ہے کہ تمہارے محل تقسیم کر دیے گئے اور عورتوں نے وہ سری شلوایاں کر لیں، اور تمہارے گھروں میں اب تمہارے سوا اور لوگ رہتے ہیں، یہ ہماری خبریں ہیں، اب تم ہمیں اپنی خبریں سنو، پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر کہا سنو اللہ کی قسم! اگر یہ جواب دینے کی طاقت رکھتے تو یہ

کہتے کہ ہم نے تقویٰ سے بہتر کوئی زورواہ نہیں پایا۔

(۲۵) ابو عثمان اندلی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سخت گرم دن میں لٹکا اور قبرستان میں گیا وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر سے ٹپک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک آواز سنی ”میرے پاس سے ہٹ جا“ اور مجھے ایذا نہ پہنچا“ تم جو کہتے ہو تمہیں اس کا علم نہیں ہے اور ہمیں علم ہے اور ہم کہتے نہیں ہیں ”تمہاری یہ دو رکعت نماز مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہے۔“

(۲۶) ثابت بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں قبرستان میں جا رہا تھا اچانک میں نے غیب سے ایک آواز سنی: اے ثابت ہماری خاموشی سے دھوکا نہ کھانا یہاں پر کتنے ہی لوگ مظلوم ہیں۔

(۲۷) امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما بقیع الفرقہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا السلام علیکم اهل القبور! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے شایاں کر لیں ”اور تمہارے گھروں میں اب اور لوگ رہتے ہیں“ اور تمہارے محل تقسیم کر دیے گئے“ تو غیب سے آواز آئی: اے عمر بن الخطاب! ہماری خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو نیک عمل بھیجے تھے وہ مل گئے“ اور ہم نے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا اس کا نفع پایا“ اور ہم نے جو اپنے پیچھے مل چھوڑا وہ کھانا تھا۔ (التحذیر ج ۲۰ ص ۲۳۲ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ مکہ المکرمہ ص ۳۳۷)

ہمارے زمانہ میں بعض لوگ سماع موتی کا شدت سے انکار کرتے ہیں ”اس لیے میں نے احادیث صحیحہ و مقبولہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کیا ہے اور مذہب اربعہ کے مستند علماء کی تصریحات بھی پیش کی ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ علامہ قرطبی مالکی، علامہ لودی شافعی، علامہ ابن قیم حنبلی اور علامہ بدر الدین عینی حنفی قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رضا بریلوی اور مکتب فکر دیوبند کے محدث شیخ انور شاہ کشمیری کی تصریحات بھی پیش کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو اثر آفریں ہمارے (آمین) انشاء اللہ العزیز ۸۰۱ اور خاطر ۲۲ میں اس پر مزید بحث کی جائے گی۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ الراشدین وعلماہ ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو جب جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو“ اور جس شخص نے جنگ کی حکمت عملی یا ایک جماعت سے لٹنے (کے قصداً) بغیر میدان جنگ سے پیٹھ پھیری تو جنگ وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (الانفال: ۱۵-۱۶)

زحف کا معنی

الانفال کی آیت ۱۵ میں ”زحاً“ کا لفظ ہے ”زحف کا لغوی معنی ہے: بچہ کا سر نہ یا گھٹنے کے بل آہستہ آہستہ گھسنا اور ”زحف العسکر الی الحد“ کا معنی ہے: لشکر کا کثرت کے جب سے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا“ زحف البعیر کا معنی ہے اونٹ کا تھک کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا“ اس آیت میں زحف سے مراد ہے دشمن کا بہت بڑا لشکر کیونکہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے لشکر کی تعداد تین گنا زیادہ تھی۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۸۰ مطبوعہ مکتبۃ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ص ۱۸۳)

میدان جنگ سے پسپائی کی دو جائز صورتیں

اس آیت کا منشا یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی فوج کی پسپائی جنگ کی کسی حکمت عملی کی بنا پر ہو ”مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ موثر ہو تو اس صورت میں مسلمان فوج کا پسپا ہونا جائز ہے۔ اور جواز کی دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان سپاہیوں کی ایک جماعت مرکزی فوج سے چھڑ گئی ہے اب وہ اپنے بچاؤ کے لیے پسپا ہو کر مرکزی فوج سے ملنا چاہتی ہے تو اس قسم کی پسپائی بھی جائز

ہے، مسلمان فوج کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا صرف اس صورت میں ناجائز اور حرام ہے جبکہ وہ بزدلی سے محض جنگ سے بچنے کی خاطر میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگے۔

میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا بہت سخت گناہ اور اکبر الکبائر میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے اجتناب کرو، پوچھا کیا یا رسول اللہ! وہ کون کون سی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا:

۱۔ اللہ کا شریک بننا۔

۲۔ جلود کرنا۔

۳۔ جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔

۴۔ حیم کا مال کھانا۔

۵۔ سود کھانا۔

۶۔ جنگ کے دن دشمن سے پیٹھ پھیرنا۔

۷۔ بھولی بھلی پاک دامن مسلمان عورتوں کو بدکاری کی تمت لگانا۔

(صحیح مسلم الامین: ۳۵ (۱۸۹) ۲۵۶، صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۷۶۱، سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۲۸۷۳، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۷۱، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحديث: ۳۷۶۱)

اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں سے دگنی یا اس سے کم ہو تو پھر مسلمانوں کا میدان ان سے بھاگنا جائز نہیں

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ میدان جنگ میں مسلمان کافروں کو پیٹھ نہ دکھائیں اور یہ حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ کفار مسلمانوں سے تعداد میں دگنے سے زیادہ نہ ہوں، اگر کفار مسلمانوں سے دگنے ہوں تو پھر مسلمانوں کا ان سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دو تین گنے زیادہ ہوں اور پھر مسلمان ان سے پیٹھ موڑ کر بھاگیں تو پھر یہ حرام اور ناجائز نہیں ہے، ابن بادشون نے یہ کہا ہے کہ فوج کے ضعف، قوت اور عدد کی رعایت کی جائے گی، اگر کافر فوج کی تعداد ایک سو ہو اور مسلمان بھی ایک سو ہوں، لیکن وہ بہت بڑے کئے اور قوی اور توانا ہوں اور مسلمان دہلے پتلے اور کمزور ہوں تو عدد میں برابر ہونے کے باوجود مسلمانوں کا ایسے کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ایک سو مسلمانوں کا دو سو کافروں سے کسی حال میں بھاگنا جائز نہیں ہے اور اگر کافر دو سو سے زیادہ ہوں تو ان سے بھاگنا اگرچہ جائز ہے لیکن صبر و استقامت سے ان کے مقابلہ پر جسے رہنا اور ڈٹے رہنا احسن اور افضل ہے، فرقہ موت میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کافروں کے مقابلہ پر تھے ان میں ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ مستغرب تھے۔

فتح اندلس کی تاریخ میں مذکور ہے کہ جب ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر کے آژو کردہ غلام طارق سترہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر اندلس پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے، ان کے مقابلہ میں عیسائی حکمران ذریق ستر ہزار سواروں کے ساتھ آیلہ طارق صبر و استقامت کے ساتھ ذریق سے جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے طارق کو فتح یاب کیا اور ذریق شکست کھا گیا۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۲۱-۳۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے مدد گئی تھو اوس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے:

فَإِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ مَسِيرَةً يُغْلِبُوا  
مِائَتَيْنِ وَإِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال: ۳۴)

پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے اور

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت قیامت تک کے لیے عام ہے یا یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ ممانعت قیامت تک کے لیے ہے۔

ابو ضرہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ ممانعت یوم بدر کے ساتھ مخصوص تھی اور مسلمانوں کے لیے اس دن بھاگنا جائز نہ تھا اور اگر وہ بھاگتے تو مشرکین ہی کی سمت بھاگتے کیونکہ روئے زمین پر اس وقت یمن کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو سعید جریجی بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت یوم بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۳۸ السنن الکبریٰ للعلی ج ۶ رقم الحدیث: ۳۰۳ المستدرک ج ۲ ص ۲۲۷ جامع البیان رقم

الحدیث: ۷۳۷۷ ج ۲ ص ۹۷۲، تفسیر المیزان ج ۴ ص ۳۶)

حضرت ابو سعید نے کہا یہ آیت خصوصیت سے اہل بدر کے متعلق ہے، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن عمر، بلع، عکرمہ، الحسن، ضحاک، قتادہ، ربیع بن انس، ابو ضرہ، یزید بن ابی حبیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہ قول ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۷۰ رقم الحدیث: ۸۸۹۲، ۸۸۹۱، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت ابو سعید خدری جریجی بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم بدر کے دن تھا اس دن رسول اللہ ﷺ کے سوا مسلمانوں کی اور کوئی جماعت نہیں تھی، لیکن اب بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کی جماعت ہیں۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ فرار صرف بدر کے دن تھا کیونکہ اس دن مسلمانوں کی کوئی جائے پناہ نہیں تھی جہاں پناہ حاصل کرتے اور آج کل فرار نہیں ہے۔

یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن بھاگنے والوں کے لیے دوزخ کو واجب کیا ہے اور احد کے دن بھاگنے والوں کے متعلق فرمایا:

إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا  
كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ

شیطان ہی نے ان کے بعض کاموں کی وجہ سے ان کے قدم پھلادے تھے اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

(آل عمران: ۱۵۵)

اور اس کے سات سال بعد جنگ حنین میں بھاگنے والوں کے متعلق فرمایا:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ  
تَغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ  
بِمَا كُنْتُمْ تَكُونُونَ (التوبة: ۲۵)

اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں گھمنڈ میں ڈال دیا تو اس (کثرت) نے کسی چیز کو تم سے دور نہ کیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پھرتے پھرتے پھیر کر لوٹے۔

لَمْ يَتُوبِ اللَّهُ مِنْ أَمْرِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ  
يَتَسَاءَلُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (التوبہ ۴)

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرماتا ہے اور  
اللہ بہت بخشنے والا ہے ہر دم فرماتے والا ہے۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۶۸-۲۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور قیامت تک  
مسلمانوں پر نہ کہ کور الصدر دو صورتوں کے سوا میدان جنگ سے اس وقت تک بھاگنا جائز نہیں ہے جب تک کہ دشمن کی  
تعداد دگنے سے متجاوز نہ ہو اور یہ آیت محکم ہے اور اس کا کوئی مانع نہیں ہے اور یہ کہا صحیح نہیں کہ مسلمان اگر  
بھاگتے تو مشرکین ہی کی طرف بھاگتے کیونکہ مدینہ میں انصار مسلمین موجود تھے اور جنگ احد اور جنگ خیبر میں بھاگنے  
والوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا اور اللہ تعالیٰ کا معافی کا اعلان کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہو  
گیا تھا لیکن انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول فرماتا ہے۔ اس آیت کے محکم ہونے اور قیامت  
تک واجب العمل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت جنگ بدر میں قتال اور جنگ ختم ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے امام  
مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔

اگر دشمن کی تعداد دگنی ہو یا دگنی سے کم ہو اور پھر کوئی مسلمان جنگ سے بچنے کی کوشش کے لیے دشمن سے پیٹھ موڑ کر  
بھاگے تو اس کا یہ فعل ناجائز اور حرام ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر  
دے گا حضرت زید بن خطاب روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا  
”استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القيوم واتوب علیہ“ تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی خواہ وہ میدان  
جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۱۸۷ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ مسلمانوں) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور اے رسول  
مظہر! آپ نے وہ خاک نہیں بھیگی جس وقت آپ نے وہ خاک بھیگی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے بھیگی تھی تاکہ وہ مومنوں کو  
اچھی آزمائش کے ساتھ گزارے بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے یہ تو تمہارے ساتھ معاملہ ہے اور  
اللہ کفار کی چالوں کو کنزور کرنے والا ہے۔ (الانفال ۸: ۱۸)

مسلمانوں سے کفار بدر کے قتل کی نفی کے محال

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ بھادر سے روایت کرتے ہیں:  
جنگ بدر کے دن صحابہ آپس میں بحث کرنے لگے ایک نے کہا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے فلاں  
کو قتل کیا ہے تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: (سورۃ مسلمانوں) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن حاتم ج ۵ ص ۱۶۷ جامع البیان ج ۹ ص ۲۷۰ اور المشور ج ۳ ص ۳۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو قتل کرنے پر فخر نہ کرو اگر اللہ تمہاری مدد نہ فرماتا اور تمہیں حوصلہ اور قوت نہ عطا  
فرماتا تو تم ان کو قتل نہیں کر سکتے تھے اس لیے بظاہر تم نے ان کو قتل کیا ہے لیکن حقیقت میں ان کو اللہ نے قتل کیا ہے یا تم نے  
ان کو کبلا قتل کیا ہے اور اللہ نے ان کو عطا قتل کیا ہے یا تم نے ان کو صورتہ قتل کیا ہے اور اللہ نے ان کو معاف قتل کیا ہے۔  
اس آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر اچھے اور نیک کام کی نسبت اللہ کی طرف کرنی چاہیے اور جب انسان اللہ کی توفیق سے  
کوئی اچھا اور نیک کام کرے تو اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

## ومارمیت اذرمیت کے شان نزول میں مختلف اقوال

اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کرتے ہیں:

ابی بن خلف نے اپنے بھائی کے پاس ایک ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ) جب یہ ہڈی بوسیدہ ہو جائے گی تو اس کو کون زندہ کرے گا؟ نبی (ﷺ) نے فرمایا اللہ اس کو زندہ کرے گا پھر تجھ پر موت واقع کرے گا پھر تجھ کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ جنگ احد کے دن ابی بن خلف نے کہا اللہ کی قسم! میں (سیدہ) محمد (ﷺ) کو دیکھتے ہی قتل کر دوں گا جب نبی (ﷺ) کو خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ انشاء اللہ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ ابن السبب سے روایت کرتے ہیں:

جنگ احد کے دن ابی بن خلف اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا حتیٰ کہ نبی (ﷺ) کے قریب پہنچ گیا مسلمان اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ نبی (ﷺ) نے ان سے فرمایا ٹھہر ٹھہر! نبی (ﷺ) نے اپنے دست مبارک میں نیزہ پکڑا اور ابی بن خلف کی طرف ٹاک کر مارا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی توڑ دی۔ ابی بن خلف زخمی ہو کر اپنے اصحاب کی طرف پلا۔ اس کے اصحاب اس کو اٹھا کر لے گئے اور کہا خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ یہ سن کر ابی بن خلف نے کہا خدا کی قسم! اگر میں لوگوں کے درمیان ہوتا تو وہ پھر بھی مجھے قتل کر دیتے۔ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ انشاء اللہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ اس کے اصحاب اس کو بے ہوشی کی کیفیت میں لے گئے وہ راستہ ہی میں مر گیا اور انہوں نے اس کو وہیں دفن کر دیا۔ ابن السبب نے کہا اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی ”ومارمیت اذرمیت“ یعنی آپ نے وہ نیزہ نہیں مارا جب آپ نے نیزہ مارا تھا لیکن اللہ نے وہ نیزہ مارا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۳۱۱ المستدرک ج ۲ ص ۲۷۲)

۳۲۷ اسباب النزول رقم الحديث: ۳۷۷

اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے:

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۴۰ھ اور امام علی بن احمد واحدی متوفی ۳۷۸ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن حیر بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن رسول اللہ (ﷺ) نے ایک کمان منگوائی تو ایک بہت لمبی کمان لائی گئی آپ نے فرمایا کوئی اور کمان لاؤ تو ایک درمیانی کمان لائی گئی رسول اللہ (ﷺ) نے اس کمان سے یہودیوں کے قلعہ کا نشانہ لگا کر تیر مارا جو کمانہ بن ابی الحنفیہ کو جا کر لگا جو اس وقت بستر لیٹا ہوا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی“ یعنی آپ نے تیر نہیں مارا جس وقت آپ نے تیر مارا تھا لیکن اللہ نے وہ تیر مارا تھا۔

(تفسیر امام ابن حاتم ج ۵ ص ۱۷۳-۱۷۴ اسباب نزول القرآن رقم الحديث: ۳۷۷ المستدرک ج ۲ ص ۳۱۱)

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے: اور یہی جہور مشرین کا عقیدہ ہے:

جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو رسول اللہ (ﷺ) نے خاک کی ایک مٹھی کافروں کے چہرے پر ماری اور فرمایا یہ لوگ دوسیلہ ہو جائیں تو وہ خاک سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور رسول اللہ (ﷺ) کے اصحاب بڑھ کر ان کو قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے اور ان کی کلبت کا اصل سبب خاک کی وہ مٹھی تھی جو رسول اللہ (ﷺ) نے پھینکی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی“ اور (اے رسول معظم!) آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی۔



(جامع البیان ۱۶: ۱ ص ۲۷۷، تفسیر امام بن ابی حاتم ج ۵ ص ۳۷۷، اسباب نزول القرآن رقم المصنف ۳۷۳، ۱۲ ص ۱۲، التفسیر الکبیر ج ۳ رقم المصنف ۳۷۳۸، حاشیہ البیہقی نے کہا اس کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۷، الدر المنثور ج ۴ ص ۴۰)

نہی چھڑ سے خاک کی مٹی پھینکنے کی نفی اور اثبات کے محال

اس آیت سے پہلے نبی ﷺ سے خاک کی مٹی پھینکنے کی نفی کی ہے اور پھر اس کو ثابت کیا ہے اور بظاہر یہ تعارض ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ نفی اور اثبات کے محل الگ الگ ہیں اور معنی اس طرح ہے: آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی بظاہر پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی صورتاً پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی صورتاً پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹی خلاف علت پھینکی تھی۔

قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے محمد! ﷺ آپ نے خاک کی مٹی اس طرح نہیں پھینکی کہ آپ تمام کافروں کی آنکھوں میں وہ خاک پھینچا دیں، جب کہ آپ نے سورۃ "خاک کی مٹی پھینکی تھی" لیکن یہ مقصود اللہ نے پورا کیا اور وہ خاک تمام کافروں کی آنکھوں میں پھینچا دی تھی کہ وہ سب شکست کھا گئے اور آپ کافروں کی جڑ کاٹنے پر قادر ہو گئے۔ اس کا دوسرا محل یہ ہے کہ آپ نے خاک کی مٹی پھینک کر لوگوں کو مرعوب نہیں کیا جب آپ نے خاک پھینکی تھی لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا۔

(انوار التزیل مع انکار دینی ج ۳ ص ۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ منصور بن الحسن القرظی المتوفی ۸۶۰ھ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

لماذا مناسب یہ معنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خاک کی مٹی حقیقتاً پھینکی تھی، لیکن اس خاک کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پھینچایا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ (حاشیہ انکار دینی ج ۳ ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ آپ نے حقیقتاً خاک کی مٹی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کبلا اور سورۃ "خاک کی مٹی پھینکی تھی" لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ تمام بعدوں کے افعال اسی طرح ہیں ظاہر اور کبلا بدیہ فعل کہتے ہیں اور حقیقتاً اور لفظ اللہ تعالیٰ فعل کرتا ہے۔ یعنی فعل کا کب بندہ کرتا ہے اور فعل کا مطلق اور اس کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر نبی ﷺ کے خاک کی مٹی پھینکنے کی کیا خصوصیت تھی جو یہ فرمایا کہ آپ نے حقیقتاً خاک نہیں پھینکی جب آپ نے بظاہر خاک پھینکی تھی، جب کہ تمام بعدوں کے افعال اسی طرح ہیں۔ اس کے جواب میں میں یہ کتابوں کہ بندہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قدرت پیدا کی ہے جو اللہ کے لڑن سے موثر ہوتی ہے پس جب اللہ سبحانہ چاہتا ہے تو وہ قدرت موثر ہوتی ہے اور جب وہ نہیں چاہتا تو وہ قدرت موثر نہیں ہوتی یہ بات نہیں ہے کہ بندہ میں بالکل قدرت نہ ہو جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ بندہ کی ایسی قدرت موثر ہے کہ اللہ جس فعل کو کرنا نہ چاہے بندہ اس فعل کو بھی کرے اور جب یہ معاملہ اس طرح ہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی ﷺ نے جو خاک پھینکی تھی یہ وہی پھینکنا ہو جس پر وہ عظیم اثر مرتب ہوا اور نبی ﷺ نے حقیقتاً یہ فعل کیا اور یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ کو عطا کی گئی تھی اور جو اللہ کے لڑن سے موثر تھی۔ لیکن چونکہ یہ فعل خلاف علت اور خلاف معمول تھا کیونکہ معروف اور معمول یہ ہے کہ بندہ کو جو قدرت دی جاتی ہے اس سے اس قسم کے عظیم آثار پیدا نہیں ہوتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نبی ﷺ سے نفی کی اور اس فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ گویا کہ یوں

کہا گیا کہ خاک کی اس مٹی کا پھینکنا ہر چند کہ حقیقتاً آپ سے صلور ہوا ہے اس قدرت کے ساتھ جو اللہ سبحانہ کے لڑن سے موثر ہوئی ہے لیکن چونکہ یہ بہت عظیم الشان کام ہے اور علامۃ افعال بشر کے خلاف ہے تو گویا کہ یہ فعل آپ سے صلور نہیں ہوا بلکہ اللہ جل شانہ سے بلا واسطہ صلور ہوا ہے اسی طرح یہ کتاب بھی صحیح ہے کہ آپ نے خاک پھینک کر ان کو مرعوب نہیں کیا جب آپ نے خاک کی مٹی پھینکی تھی لیکن اللہ نے خاک پھینک کر ان کو مرعوب کیا اور اس طرح دونوں آیتوں کا فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ نے قتل کی نفی کی اور اپنی طرف قتل کرنے کی نسبت کی اور فرمایا سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن ان کو اللہ نے قتل کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس فعل کو حجت نہیں کیا اور نبی ﷺ کے متعلق فرمایا آپ نے خاک نہیں پھینکی جب آپ نے خاک پھینکی تھی پہلے آپ سے اس فعل کی نفی کی پھر آپ کے لیے اس فعل کو ثابت کیا اور وجہ فرق یہ ہے کہ قتل کرنا دینی اس قدر مستحب اور محرم العقول کام نہیں تھا اس لیے عام اصول کے مطابق فرمایا کہ تم نے حقیقتاً ان کو قتل نہیں کیا جب تم نے ان کو ظاہراً قتل کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خاک پھینکی وہ تمام کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور وہ مرعوب ہو کر شکست کھا گئے اور چونکہ یہ فعل عام افعال بشر کے متعلق تھا اس لیے پہلے اس کی آپ سے مباحثہ نفی کی اور پھر اس کو حقیقتاً آپ کے لیے ثابت کیا اور چونکہ آپ نے حقیقتاً یہ فعل اللہ سبحانہ کی دی ہوئی قدرت سے کیا تھا اس لیے فرمایا اللہ نے یہ خاک پھینکی تھی۔ (روح المعانی ۹۲: ۱۸۶۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معجزات کا مقدور ہونا

نبی ﷺ کا خاک کی اس مٹی کو پھینکنا معجزہ تھا اور علامہ آلوسی کی تحقیق اور تقریر کے مطابق آپ نے یہ خاک اللہ سبحانہ کی دی ہوئی قدرت سے پھینکی تھی جو اس کے اذن سے موثر تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کی قدرت اور ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ البتہ یہ قدرت اللہ تعالیٰ کے لڑن کے تابع ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جزی فعل کے صدور کے وقت تادم اذن لیا جائے بلکہ اس کے لیے لڑن کلی کافی ہے۔ جیسے شفاعت بھی اللہ کے اذن کے بغیر نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے لیے بھی لڑن مطلق کافی ہے اور ہر جزی شفاعت کے لیے تادم لڑن لینا ضروری نہیں۔ چنانچہ بکثرت احادیث میں ہے کہ صحابہ آپ سے استغفار کی درخواست کرتے اور آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے اور کہیں یہ وارد نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کے لیے لڑن لیتے پھر استغفار کرتے سو یہی اصل معجزات کا ہے۔

اچھی آزمائش کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ وہ مومنوں کو اچھی آزمائش کے ساتھ گزارے مغربوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں آزمائش کا معنی انعام ہے یعنی نبی ﷺ کے اس خاک پھینکنے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عظیم نعمت عطا فرمائے گا اور وہ نعمت معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہے اور مل غنیمت اور اجر و ثواب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معرکہ بدر کی فتح کے بعد اللہ عز وجل مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالے گا کہ اس کے بعد کی جنگوں میں وہ بدر کی فتح کے گمخندہ میں چور ہو جاتے ہیں یا حسب سابق مجزو نیاز کے پیکر بنے رہتے ہیں یا آئندہ وہ اپنی قوت اور عددی برتری پر اترا تے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر ٹکرتے ہیں۔

پھر فرمایا اللہ کفار کی چالوں کو کنزور کرنے والا ہے یعنی اللہ سبحانہ کفار کے دلوں میں رعب و ڈال دے گا حتیٰ کہ وہ بکھر کر کنزور ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ ان کافروں سے کہئے کہ) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم (کفر اور شرک سے) باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم نے پھر یہی حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے

اور تمہارا گروہ خواہ کتنا زیادہ ہو وہ تمہارے کسی کام نہ آئے گا اور جنگ اللہ سونوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال: ۱۹)

اللہ نیک مسلمانوں کی نصرت اور حمایت فرماتا ہے، بدکاروں کی نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے سامنے فیصلہ آچکا ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب کفار کی طرف متوجہ ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زہری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ابو جہل بن وہب نے دعا کی ہم میں سے جو جھوٹا ہو اور رشتہ کو منقطع کرنے والا ہو اس کو آج کے دن ہلاک کر دے اس کی مراد تھی سیدنا محمد ﷺ اور اس کی اپنی ذات میں سے جو جھوٹا ہو۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکین مکہ سے نبی ﷺ کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعا کی۔ اے اللہ ان دو لشکروں میں سے جو زیادہ عزیز ہو اور ان دو جماعتوں میں سے جو زیادہ مکرم ہو اور ان دو قبیلوں میں سے جو زیادہ بہتر ہو اس کو فتح عطا فرما۔

ضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جب مشرکین روانہ ہوئے تو وہ اپنے قافلہ کو دیکھ رہے تھے اور قافلے والوں ابو سفیان اور اس کے اصحاب نے مشرکین کی طرف مدد مانگنے کا پیغام بھیجا تھا۔ تب ابو جہل نے دعا کی اے اللہ اہم دونوں میں سے جو میرے نزدیک بہتر ہو اس کی مدد فرما۔ (جامع التہذیب ج ۲ ص ۷۷) مسطورہ وار الشکر بیروت ۱۴۱۵ھ

اس کے بعد فرمایا اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے میری حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے۔ اس میں بھی کفار کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول سے مدد لوت رکھنے ان کی تکذیب کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے سے باز آ گئے تو یہ دنیا میں بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم قتل کیے جانے قیدی بنائے جانے اور بہ طور غنیمت تمہارے اموال کے لیے جانے سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں بھی تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تم دائمی عذاب سے بچ جاؤ گے اور ثواب سے محال کیے جاؤ گے اور اگر تم نے دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کی تو ہم دوبارہ مسلمانوں کو تم پر مسلط کر دیں گے اور تم غزوہ بدر میں مشاہدہ کر چکے ہو کہ اللہ کی تائید اور نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہے اور تم کتنی ہی بھاری جمیعت کو لے کر کیوں نہ آؤ تم کو شکست سے نہیں بچا سکتی۔ اور اگر ان آیات کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے تو معنی اس طرح ہو گا:

جب نبی ﷺ اور مسلمانوں نے کفار کے مت پرے لشکر کو دیکھا تو نبی ﷺ اور صحابہ نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کرنا شروع کر دی اور نصرت کی دعا کی اور کہا اے اللہ اتنے کفار کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا ہم سے وعدہ کیا ہے سو وہ ہمیں عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے ہم سے فتح طلب کی تھی سو لو اب فتح آ چکی ہے۔ اور اگر تم انفل (اموال غنیمت) میں جھگڑا کرنے سے باز آ گئے اور قیدیوں کا فدیہ لینے سے رک گئے تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم ان جھگڑوں کی طرف دوبارہ پلٹ گئے تو ہم تمہاری مدد کرنے سے رک جائیں گے کیونکہ ہم نے تم سے جو فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ تم دانا ہماری اطاعت کرو گے اور ہماری نافرمانی نہیں کرو گے اور اگر تم اسی روش پر برقرار رہے تو تمہاری تعداد کی کثرت بھی تمہیں کچھ فلاح نہیں دے سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی مسلمانوں کی نصرت اور حمایت کرتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے اعراض نہ کرو

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ

جب کہ تم سن رہے ہو ○ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے کہا ہم سنے سن کر یا حالانکہ وہ

لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ

نہیں سنتے تھے ○ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو بھرے گونگے ہیں

الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ

جو عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا

وَكُلُوا سَمْعَهُمْ لَكُمْ كَلِمَاتٌ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور اگر (بالغرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے دیکھنے پشت پھیر دیتے ○ اے ایمان والو !

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا

اللہ اور اس کے رسول کے بلاسنے پر (فدا) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائی جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو

أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَٰهٌ مُّحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اور بیشک رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ مائل ہے اور بیشک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ○

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا

اور اس مذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعِفُونَ

اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ اور یاد کرو جب تم کم تعداد میں تھے، زمین میں کمزور تھے

فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ

جاتے تھے، تم ڈرتے رہتے کہ لوگ تمہیں چھین کر دیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے

بِنَصْرِهِ وَارْتَمَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۶﴾ يَا أَيُّهَا

تمہیں قوت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو ○ اے ایمان والو !

الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَ

اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تمہیں

أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لِلَّهِ

علم ہو ۵ اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور

أَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۹﴾

بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے اعراض نہ کرو جب کہ تم

من رہے ہو ۵ (الانفال: ۲۸) رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کا واجب ہونا

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ فرمایا ہے کہ جب تم کسی چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا حکم من رہے ہو تو اس حکم کی اطاعت کرو اور اس حکم سے اعراض نہ کرو۔ اس جگہ یہ نہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ کون سا حکم من رہے تھے جس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور اس سے اعراض کرنا حرام ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حکم کا ذکر نہ کر کے اس کے عموم پر متنبہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے اور جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو کوئی حکم دیں تو ان کے لیے اس حکم پر عمل کرنے یا عمل نہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَخَّرَ بِخَلْقٍ خَلَّلًا ﴿۳۰﴾ (الاحزاب: ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں کوئی اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو ہے شک وہ کلی گراہی میں

جلا ہوا گیا۔

اس کا وہ سراجواب یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں چونکہ غزوہ بدر اور جملہ کا ذکر آیا تھا تو اس قرینہ سے یہاں بھی جملہ کا حکم دیا مراد ہے اور جملہ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے اور یہ دونوں چیزیں انسان پر بہت دشوار ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کی وجہ سے خصوصاً جملہ کے حکم میں آپ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہر چند کہ آپ کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا واحد ہونا

اس آیت میں دوسری بحث یہ ہے کہ پہلے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر فرمایا "اور اس سے اعراض نہ کرو" چونکہ پہلے دو کی اطاعت ذکر ہے اس لیے یہ ظاہر حشہ کی ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی یعنی ان سے اعراض نہ کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واحد کی ضمیر ذکر کی ہے۔ لہذا رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس سے اعراض کرتے ہوئے پیٹھ



نہ بھیجے۔ اور پتہ پھیرنا اور اعراض کرنا رسول اللہ ﷺ کے حق میں متصور ہو سکتا ہے اس لیے واحد کی ضمیر ذکر کی اور مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اعراض نہ کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)  
اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واحد ہے الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر

(النساء: ۸۰) لی۔

اس پر متنبہ کرنے کے لیے واحد کی ضمیر ذکر کی ہے کہ اس کی اطاعت سے اعراض نہ کرو۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:  
قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝  
یہ شمع تمہارے پاس آگیا اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین ۝ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہ پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں۔ (المائدہ: ۱۵۶)

اس آیت میں پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے نور اور کتاب مبین (یعنی رسول ﷺ اور قرآن مجید) اس لیے یہاں بھی یہ ظاہر شیعہ کی ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی۔ یعنی اللہ ان کے ذریعہ۔ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کی ہدایت واحد ہے اس پر متنبہ کرنے کے لیے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اس کی ایک اور نظیر یہ آیت ہے:

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرَٰضَوْا

اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے کہ اس کو راضی کیا

(التوبہ: ۳۰) جائے۔

یہاں بھی پہلے اللہ اور رسول کا ذکر ہے تو یہ ظاہر شیعہ کی ضمیر لانی تھی لیکن واحد کی ضمیر لائی گئی ہے تاکہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے 'الگ الگ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جتنا جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا مگر وہ نہیں سنتے تھے ۝

(الاحفال: ۲۱)

یہ آیت اس سے پہلی آیت کی تاکید ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کے لیے کسی حکم کو قبول کرنا اس حکم کو سننے کے بعد ہی ممکن ہے اس لیے کسی حکم کو سننا اس کو قبول کرنے سے کٹیا ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ کا معنی ہے جس نے اللہ کی حمد کی اللہ نے اس کو قبول کر لیا۔ پس اس آیت میں یہ فرمایا ہے تم ان لوگوں کی مثل نہ ہو جتنا جو زبان سے کہتے ہیں ہم نے اللہ کے احکام کو قبول کر لیا اور وہ اپنے دلوں سے قبول نہیں کرتے کیونکہ یہ منافقین کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانتا اور وہ لوگ ہیں جو ہرے گوشتے ہیں جو عقل سے کام نہیں

لیتے ۝ (الاحفال: ۲۲)

عقل میں دلبہ چھپایہ کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں کفار کو جانوروں اور چوپایوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح جانور کسی نصیحت سے نفع حاصل نہیں کرتے اسی طرح یہ کفار بھی کسی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق فرمایا یہ ہرے اور گوشتے ہیں کیونکہ یہ کسی حکم کو سن کر اس کو قبول نہیں کرتے اور کسی وعظ اور نصیحت کو سن کر اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اپنی زبان سے کبھی سچ بولتے ہیں نہ سچائی کا اعتراف کرتے ہیں سو یہ اپنے کانوں اور اپنی زبانوں سے کام نہیں لیتے



اور نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ کے علم میں من میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر لیتے ○ (الانفال: ۴۳)

اللہ تعالیٰ کی معلومات واقعیہ اور اس کی معلومات فرضیہ

اس آیت کا لفظی معنی اس طرح ہے اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہو تا تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم نہیں ہے اور اللہ کو جس چیز کے ہونے کا علم نہ ہو اس کا ہونا محال ہے یعنی اللہ کو اس چیز کے متعلق یہ علم ہو گا کہ وہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز فی نفسہ نہ ہو اور اللہ کو یہ علم ہو کہ وہ ہے تو یہ علم خلاف واقع ہو گا اور جو علم خلاف واقع ہو وہ جمل ہوتا ہے اور اللہ کا علم واقع کے مطابق ہے لہذا جو چیز ہے اس کے متعلق اللہ کو علم ہو گا کہ وہ ہے اور جو چیز نہیں ہے اس کے متعلق اللہ کو علم ہو گا کہ وہ نہیں ہے اور چونکہ ان میں کوئی خیر نہیں تھی اس لیے اللہ کو علم تھا کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہو تا یعنی اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم نہیں ہے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہو تا تو وہ ان کو دین حق کے دلائل اور آخرت کے متعلق نصیحتیں سنا دیتا اور ان کے ذہنوں اور دماغوں میں اس کی فہم پیدا کرتا اور اگر وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور وہ دلائل اور نصائح سے کوئی نفع حاصل نہیں کریں گے پھر بھی ان کو دلائل اور نصائح سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے۔

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی معلومات کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) تمام موجودات (۲) تمام معدومات (۳) اگر ہر موجود نہ ہو تا تو اس کا کیا حاصل ہوتا (۴) اگر ہر معدوم موجود ہو تا تو اس کا کیا حاصل ہوتا۔ پہلی دو قسموں کا علم واقع کا علم ہے اور بعد کی دو قسموں کا علم مفروضات کا علم ہے اور یہ واقعات کا علم نہیں ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید میں منافقین کے متعلق یہ آیت ہے:

الَّذِينَ تَرَاءَى الدُّيُنَ تَأْتِيهِمْ يَتَّقُونَ لِأَخْوَانِهِمْ  
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَيْسَ أَمْرُهُمْ  
كَتَحَرُّ حَتَّى مَعَكُمْ وَلَا نَطْمَعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا  
وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ  
لَكَاذِبُونَ ○ لَيْسَ أَمْرُهُمْ إِلَّا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ  
وَلَيْسَ قُوتِلُوا إِلَّا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَيْسَ نَصْرُهُمْ  
لِيُؤْتُوا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ○

(الحشر: ۱۷-۱۸)

کیا آپ نے ان منافقوں کو نہ دیکھا جو اپنے اہل کتاب کا فر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے حلق ہم کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ (منافق) یقیناً جھوٹے ہیں ○ اگر وہ (اہل کتاب) نکالے گئے تو منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (بالفرض) ان کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی ○

اس آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ اگر منافقوں نے اہل کتاب کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یہ مفروضات کا علم ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ منافقین کا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ وہ اہل کتاب کی مدد کریں گے تو ان کا اہل کتاب کی مدد کرنا محال ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سبیل فرض فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

اور مفروضات کے علم کی ادسری مثل یہ آیت ہے۔

وَلَوْ رَدُّوْا اَعَادُوْا لِمَا نُهَوْا عَنْهُ

اور اگر (بالفرض) یہ کافر دنیا میں دوبارہ بھیج دیے گئے تو پھر

(الانعام: ۲۸) یہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر معدوم چیز موجود ہو جائے تو اس کا کیا حال ہو گا اور یہ ایک فرضی چیز کی

مثال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں اس کی اور بھی مثالیں ہیں:

قُلْ اِنْ كُنَّا اِلٰلَٰهٌ حَمِيْنٌ وَلَدْنَا قَانًا اَوَّلُ

آپ کہئے اگر (بالفرض) رحمان کا بیٹا ہو تا تو سب سے پہلے

الغییدین O (الزخرف: ۸۷) میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔

اس آیت میں بھی معدوم چیز کا حال بیان فرمایا ہے اور یہ بھی فرضی چیز کا علم ہے۔

لَوْ كُنَّا فِيْهِمْ سَالِكِيْنَ اِلَٰهًا لَّفَسَدَتَا

اگر زمین و آسمان میں (بالفرض) اللہ کے سوا اور بھی خدا

(الانبياء: ۲۲) ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام الٹ پلٹ ہو جاتا۔

فَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ مَا اَمَرْنَا بِالْاِيْمَةِ

پس اگر (بالفرض) آپ کو اس چیز کے متعلق شک ہو جو ہم

مَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَيْتَابِ مِنْ قَبْلِكَ

نے آپ کی طرف نازل کی ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے

(ہونس: ۹۳) جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

آپ کا قرآن مجید میں شک کرنا معدوم ہے لیکن بالفرض اگر اس کا وقوع ہو تو اس کا حال بیان فرمایا ہے۔

لَوْ اَنَّ اَشْرَكَكَ لَبَحْبُطُنَّ عَمَلُكَ

اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل

(الزمر: ۲۵) ضائع ہو جائیں گے۔

آپ کا شرک کرنا محال ہے لیکن یہ فرض وقوع اس کا حال بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی

طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو اور تمہیں رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور ہے شک

تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے O (الانفال: ۲۴)

فرض نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بلائے پر حاضر ہونا واجب ہے اور نفل نماز میں

ماں کے بلائے پر

جب کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اس کی ماں اس کو نماز میں بلائے تو اس پر واجب ہے کہ نماز توڑ پر ماں کے بلائے پر

حاضر ہو جائے البتہ باپ کے بلائے پر نفل نماز نہ توڑے۔

امام بیہقی نے کھول سے روایت کیا ہے کہ جب تمہاری ماں تمہیں اس محل میں بلائے کہ تم نماز پڑھ رہے ہو تو اس کے

پاس حاضر ہو اور جب تمہیں تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث: ۷۸۸۳، الدر المنثور، ج ۳، ص ۱۷۳، مطبع قدیم، مطبعہ المسند، مصر ۱۳۱۳ھ)

امام ابن اللیثیہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کیا ہے کہ، ول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری ماں تم کو نماز میں بلائے تو

اس کی خدمت میں حاضر ہو اور جب تمہارا آپ بلائے تو حاضر نہ ہو۔

(الکلب المصنف ج ۲ ص ۱۴۳ رقم الحدیث: ۸۰۳۳ امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو کھول سے بھی روایت کیا ہے رقم الحدیث: ۸۰۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

اور فرض نماز میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کے بلائے پر جانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بلائے پر حاضر ہونے کی دلیل مذکور المصدر قرآن مجید کی آیت ہے اور درج ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید بن معلی جریجو بیان کرتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں نے حاضر نہیں ہوا۔ (جب میں نے نماز پڑھ لی) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو (الاضل: ۲۳) امام ابو داؤد اور امام نسائی نے اس طرح روایت کیا ہے میں نماز پڑھ کر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا میرے بلائے پر تم کیوں نہیں آئے تھے؟ میں نے عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۶ ص ۲۷۳ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۴۵۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۰۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۸۵۷ سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۳۷ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۶۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۰۳)

اور امام ابو یوسف یحییٰ بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ جریجو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یا ابی! حضرت ابی نے مڑ کر کہا اور حاضر نہیں ہوئے اور حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وعلیک السلام! اے ابی جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں حاضر ہونے سے روکا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی: اللہ اور رسول کے بلائے پر (فورا) حاضر ہو میں نے عرض کیا کیوں نہیں! اور میں انشاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۳ سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۱۰)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۸۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کو نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔ امام شافعی نے کہا اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہے امام رویانی نے یہ کہا ہے کہ نماز میں آپ کے بلائے پر جانا واجب نہیں ہے اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب نمازی یہ دیکھے کہ تاخیر سے کوئی حلو ہو جائے گا تو وہ نماز توڑ دے، مثلاً وہ دیکھے کہ ایک بیونا شخص کنوئیں کی سیدھ میں جا رہا ہے اور اگر اس نے اس کو متنبہ نہ کیا تو وہ کنوئیں میں گر جائے گا تو وہ نماز توڑ دے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مسلمانوں کے حق میں کیا چیز حیات آفریں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو، مفسرین کا اس میں

اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو مسلمانوں کے لیے حیات آفریں ہے۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد حق ہے۔ قلہ نے کہا اس سے مراد قرآن ہے اس میں حیات اور محنت ہے اور اس میں دنیا اور آخرت کے فتنوں سے حفاظت ہے۔ ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد جہاد ہے۔ کیونکہ جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عطا کی اور جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف جارحیت سے روکا۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں حق کو مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ دشمن کے خلاف جہاد کرنے کے حکم کو ملنا بھی حق میں داخل ہے اور قرآن کے حکم پر عمل کرنا بھی حق میں داخل ہے اور حق کو قبول کرنے میں ہی قبول کرنے والے کی حیات ہے کیونکہ دنیا میں اس کا ذکر جمیل باقی رہے گا اور اس میں بھی اس کی حیات ہے اور آخرت میں اس کو جنتوں میں دائمی حیات حاصل ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ان کے اسلام لانے کے بعد قبول حق پر قرار رہنے کی تلقین فرماتے تھے کیونکہ آپ کے تمام احکام حق تھے اور حضرت ابو سعید بن معلی اور حضرت ابی بن کعب جن کو آپ نے بلا کر یہ آیت سنائی تھی وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ کے حاکم ہونے کے محال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حاکم ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں: سعید بن جبیر نے کہا اللہ کافر اور اس کے ایمان لانے کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے اور مومن اور اس کے کفر کرنے کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کافر اور اس کے ایمان اور اللہ کی اطاعت کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا کافر اور اس کی اطاعت اور مومن اور اس کی معصیت کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا انسان اور اس کی عقل کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ لفظ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ بندوں سے زیادہ ان کے دلوں کا مالک ہے اور جب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ان کے ارادوں کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لا سکتا ہے نہ کفر کر سکتا ہے نیک کام کر سکتا ہے نہ گناہ کر سکتا ہے۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۲۸۳-۲۸۴، مطبوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

انسان اور اس کی موت کے درمیان اللہ حاکم ہو جاتا ہے اور انسان سے جو کام رہ گئے ہوں ان کی خلافی نہیں کر پاتا۔ کیا ہے کہ جنگ بدر کے دن مسلمان کفار کی کثرت سے خوف زدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے وہ ان کے دل کو خوف کے بعد بے خوفی سے بدل دے گا۔ امام ابن جریر کا یہی عقار ہے کہ انسان کے دلوں کا اللہ زیادہ مالک ہے اور وہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے ایمان نہ کفر نہ نیک نہ گناہ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ جب سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے تو نیک کاموں پر انسان مدح اور ثواب کا اور برے کاموں پر مذمت اور سزا کا کیوں مستحق ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشیت کا یہ سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اللہ کے اسی علم کا نام تقدیر ہے۔ اللہ اپنے اس علم ازل کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بنو آدم کے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کا معنی

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اکثر یوں قسم اٹھاتے تھے لا ومقلب القلوب ودلوں کو الٹنے پلٹنے والے کی قسم۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۹۰، سنن الترمذی رقم الحديث: ۱۵۳۰، سنن النسائی رقم الحديث: ۳۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۰۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵، طبع قدیم رقم الحديث: ۴۷۸۸، طبع جدید سنن دارمی رقم الحديث: ۲۳۵۵)

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

شمر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یا ام المومنین! جب رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس ہوتے ہیں تو وہ زیادہ تر کس چیز کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ زیادہ تر یہ دعا فرماتے ہیں یا مقلب القلوب! میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کس قدر زیادہ یہ دعا کرتے ہیں یا مقلب القلوب! نبی ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے وہ جس دل کو چاہتا ہے سیدھا رکھتا ہے اور جس دل کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ پھر حدیث کے راوی نے یہ آیت تلاوت کی ربنا لا تنغ قلبنا بعد ادھدیننا (آل عمران: ۸) اے ہمارے رب ہمیں ہدایت یافتہ کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۵۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۸۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۹۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲)

مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحديث: ۲۷۸۸، مطبوعہ بیروت الشریعہ لا جری ص ۳۸۶-۳۸۷، المعجم الکبیر للغبیری ج ۱ رقم الحديث: ۷۵۹،

ج ۷ رقم الحديث: ۷۲۲، ج ۲۳ رقم الحديث: ۷۷۲، ج ۱۳ رقم الحديث: ۷۷۵، ج ۲۲ رقم الحديث: ۸۶۵، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۰،

ج ۱۰ ص ۱۶، المطالب العلیہ رقم الحديث: ۳۳، کنز العمال رقم الحديث: ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱

عسقلانی نے یہ روایت الحسنی کی ہے۔ اصل حدیث اس طرح ہے: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص جو صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب و خُصن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے مصرف القلوب ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم القدر ۱: ۶۱۲۶ (۲۶۵۳) السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳ رقم الحدیث: ۷۸۶۱)  
قاضی بیخاوی نے کہا دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کی اللہ کی طرف نسبت کرنے میں یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے اور اس نے یہ تصرف اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہیں کیا اور نبی ﷺ جو یہ دعا فرماتے تھے یا مقلب القلوب میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ اس دعا میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے یہ تصرف اس کے تمام بندوں کو شامل ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے اور کسی وہم کرنے والے کے اس وہم کو دفع کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس تصرف سے مستثنیٰ ہیں اور نبی ﷺ نے خصوصاً اپنے دل کو دین پر ثابت رکھنے کی دعا فرمائی اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب نبی ﷺ کا پاکیزہ ترین دل بھی اللہ سبحانہ کی ہدایت کا محتاج ہے تو دوسرے لوگ جو آپ سے کہیں کم رتبہ کے ہیں وہ اس دعا کرنے کے کس قدر زیادہ محتاج ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ)  
رحمان کی دو انگلیوں سے کیا مراد ہے

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابی ایوب القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۱ھ لکھتے ہیں:

انگلی کے ظاہر معنی کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا مکمل ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہوں تو اس کا ہر جز دوسرے جزی طرف محتاج ہو گا اور وہ مجموعہ مستقر اور حادث ہو گا اور یہ الوہیت کے متعلق ہے اور بعض ائمہ نے اس حدیث کی تویل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مجاز بلا استعارہ ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو میری انتہی میں ہے اور فلاں شخص تو میری سطحی میں ہے اور اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص پر میں قادر ہوں اور تصرف ہوں اور میں جس طرح چاہوں اس پر تصرف کر سکتا ہوں اور جب اس سے بھی زیادہ مبہم کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو میری دو انگلیوں میں ہے یعنی میں بہت آسانی سے اس پر تصرف کر سکتا ہوں اور بعض علماء نے کہا اس انگلی سے مراد نعمت کو بھی لیا جاسکتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی میرے نزدیک اچھی انگلی ہے یعنی اس کی مجھ پر ایک نعمت ہے جیسا کہ ہاتھ سے نعمت مروا لیتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں تو یہاں صرف دو انگلیوں کا ذکر کیا ہے فرمایا ہے جس سے دو نعمتیں ظہور ہوتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن وہ سب نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک قسم ہے قطع پہنچانا اور دوسری قسم ہے ضرر دور کرنا گویا کہ یوں کہا گیا کہ تمام بنو آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے تحت تصرف ہیں وہ جس سے چاہے ضرر دور فرمائے اور جس کو چاہے نفع پہنچائے۔ میں کہتا ہوں اس طور پر یہ جواب اس وقت درست ہو گا جب بنو آدم سے مروا صالحین ہوں جن کے دلوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ مشکوک ہے۔ باقی رہے کفار اور فساق تو اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے۔ ان کے دلوں پر مرنکار رہا ہے یا رنگ لگا رہا ہے۔ اور اس صورت میں یہ حدیث مقصود سے خارج ہوگی۔ اس لیے پہلی تویل زیادہ مناسب ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کو تسلیم کرنے میں سلامتی ہے۔ (یعنی انگلی کی کوئی تویل نہ کی جائے)

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! مصرف القلوب ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اس سے پہلی تویل کی تائید ہوتی ہے یعنی تمام بنو آدم کے دلوں کا رخصن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہونا اس معنی میں



ہے کہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں پر بہت آسانی سے تصرف کرتا ہے۔

(المعجم ج ۳ ص ۶۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اکمل المکمل المصنوع ج ۳ ص ۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں ایک تو یہی جواب دیا کہ وہ انگلیوں سے مراد قدرت اور تصرف ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث پر بغیر کسی تویل اور توجیہ کے ایمان لانا چاہیے اور یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ حق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَبَسَ كُوشِيَهَ شَيْءٍ (الشوریٰ ۲۱)

اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

(معجم مسلم مع شرح لفظ نووی ج ۱۰ ص ۶۱۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

میں کہتا ہوں کہ یہی جواب صحیح ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ رحمن کی انگلیاں ہیں اور وہ انگلیاں مخلوق کی انگلیوں کی مثل نہیں ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم اس میں اپنی طرف سے کوئی تویل اور توجیہ نہیں کرتے نہ ان کا معنی بیان کرتے ہیں نہ ان کی کیفیت کو ہم جانتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ متوفی مصلحہ فرماتے ہیں:

اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ کے چہرے اس کے ہاتھ اور اس کے نفس کا جو ذکر ہے وہ اس کی بلا کیف صفت ہیں اور یہ تویل نہ کی جائے کہ ہاتھ سے اس کی قدرت ہے یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدر یہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی بلا کیف صفت ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا بھی اس کی بلا کیف صفت ہیں۔

(الفتاویٰ الکبریٰ مع شرح الفتاویٰ الکبریٰ ص ۳۶۰ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبي و اولادہ مصر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (الغافل: ۴۵) ظالموں پر عذاب کے نزول میں صالحین کا شمول

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ بنو آدم اور ان کے دلوں کے درمیان اللہ حائل ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتنوں، آزمائشوں اور عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر ظالموں پر عذاب نازل ہو تو وہ صرف ظالموں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تم سب پر نازل ہو گا اور نیک لوگوں اور بد کمروں سب پر یہ عذاب نازل ہو گا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان بد کمروں کو نہ رہنے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۲۸۸ رقم الحدیث: ۳۳۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ص ۳۵)

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھبراہٹ ہوئے باہر نکلے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ آپ فرما رہے تھے عرب والوں کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپ پہنچا ہے آج کا دن یا جوج ماجوج کے سوراخ کی وجہ سے فتح کر لیا گیا ہے پھر آپ نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنایا اور فرمایا اس کی مثل میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے حلاکت ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب بد کاری بہت زیادہ ہو جائے گی۔

(معجم ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۶ معجم مسلم القس ص ۲۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۷)

سنن الکبریٰ للشیخ رقم الحديث ۱۳۶

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترذی کی روایت میں ہے اللہ کی حدود بخند کرنے میں سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثل اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض لوگوں کے ہم اوپر کی منزل کا قرعہ لگلا اور بعض لوگوں کے ہم نیچے منزل تک پہنچی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہم کشتی کے پینڈے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہوگی۔ اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو سب لوہے کا ہوا ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک دیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور نیچے منزل والے بھی۔

صحیح البخاری رقم الحديث ۲۸۱۶، سنن الترمذی رقم الحديث ۲۸۰، صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحديث ۲۹، مسند احمد ج ۶ رقم الحديث ۸۳۸۹، طبع جدید، مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۷، ۳۷۸، طبع قدیم، سنن کبریٰ للیستی ج ۱ ص ۲۸۸ (۹)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔

صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحديث ۳۰۰، سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحديث ۴۳۲۹، سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحديث ۳۰۰۹، مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۷، ۳۷۸، طبع قدیم، المسند الکبیر للعلیرانی ج ۲ رقم الحديث ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور عذاب ہو پھر بھی روحت کرے اور غموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا، المسند الکبیر ج ۲ رقم الحديث ۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۷، ۳۷۸، طبع قدیم، سنن کبریٰ للیستی ج ۱ ص ۲۸۸ (۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا جلا یہ ہے کہ ظالم بلا شلہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی ج ۲ رقم الحديث ۲۷۸، سنن ابوداؤد ج ۳ رقم الحديث ۴۳۲۴، سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحديث ۳۰۰۹، مسند ابوداؤد ج ۴ ص ۳۷۷، ۳۷۸، صحیح ابوداؤد ج ۴ ص ۳۷۷)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا ہے شخص اللہ سے ڈرے اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، کیونکہ یہ کام تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا۔ جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان سے کہوں سے نہیں روکتے تھے جو نہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا۔ (المائدہ ۷۹، ۸۰) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اب خدا تم ضرور نکی کا حکم دیتے رہا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم

ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا، اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا، ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳، رقم الحديث ۴۲۳۷، ۴۲۳۸، ۴۲۳۹، لام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے "سنن ترمذی" ج ۵، رقم الحديث ۳۰۵۸، ۳۰۵۹، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحديث ۴۰۰۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹، طبع قدیم، لام احمد کی سند میں انتظام ہے اس لیے یہ سند ضعیف ہے، مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، ج ۴، رقم الحديث ۴۷۳۷، طبع دار الحديث قاہرہ، الحکم للادب ج ۲، رقم الحديث ۵۲۳، حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۱۳۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں عن کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح ہاتھ سے خرچ کرتا ہے۔ (الایہ) (المائدہ: ۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں، ان سب کو عذاب پہنچتا ہے پھر ان کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۷، صحیح مسلم متحدہ جلد ۸ ص ۲۸۷) (۱۷۱)

بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے نیکو کاروں کو عذاب کیوں ہوگا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

وَلَا تَبْرُوا ذُرِّيَّتَكُمْ أَتَرْتُمُ الْيَتَامَى (الانعام: ۱۵۰)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المائدہ: ۳۸)  
 لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ  
 (البقرہ: ۲۸۶)  
 ہر نفس اپنے عمل کے بدلے میں گروئی ہے۔  
 اس نے جو نیک کام کیا اس کا فائدہ صرف اسی کو ہے اور  
 اس نے جو برے کام کیا اس کا ضرر صرف اسی کو ہے۔

ان آیات کا تفسار یہ ہے کہ کسی شخص سے دوسرے کے گناہوں پر گرفت نہیں کی جائے گی اور دوسرے کے گناہوں کا کسی شخص کو عذاب نہیں ہوگا اور مذکورہ صدر احادیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب عذاب آئے گا تو وہ بدکاروں کے ساتھ نیک لوگوں کو بھی ہوگا اور زیر تفسیر آیت کا بھی یہی منشاء ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں تو ہر دیکھنے والے پر فرض ہے کہ وہ اس برائی کو مٹائے یا اس برائی پر ٹوکے اور تلاشت کرے ورنہ کم از کم اس کو دل سے برا جانے اور وہ ان لوگوں سے ناراض ہو اور ان سے محبت کا تعلق نہ رکھے اور جب نیک لوگ ایسا نہیں کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے اور عذاب الہی کے مستحق ہوں گے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک ہل بھی تیری یا فرمائی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی شخصیت کی گنجی ہے، لیکن ابن المبارک اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۷۰، المستمعات ج ۸، رقم الحديث: ۷۶۵۷، مطبوعه مکتبه المعارف ریاض ۱۳۱۵ھ)

المائدہ: ۳۳ اور المائدہ: ۸۷ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے ان آیتوں کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تم تعداؤں میں کم تھے زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو (الانفال: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور شکر گزاری کرے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ پھر ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے اجتناب کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو مزید موکد فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ لوگ تعداؤں اور قوت میں بہت کم تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بعد ان کو بہت قوت اور غلبہ حاصل ہوا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی سے گریز کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تم تعداؤں میں کم تھے اور تم کو زمین میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور تم دوسرے قوموں میں سزا کرنے سے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو لوٹ لیں گے۔ اللہ نے تمہیں پناہ دی باہر کی طرف کہ تمہیں مکہ سے مدینہ منتقل کیا اور تم کفار کے شر سے محفوظ ہو گئے اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت عطا کی یعنی جنگ بدر کے دن کفار پر تمہاری ہیبت طاری کر دی جس کے نتیجے میں وہ تم سے تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود شکست کھا گئے اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی یعنی تمہارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ جبکہ تم سے پہلی امتوں پر وہ حرام تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں سختی سے آزمائش کی طرف اور مصیبتوں سے نعمتوں کی طرف منتقل کیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تو انفل (مال غنیمت) کی تقسیم میں تمہارا بھگنا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح ہر دور میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر نعمتوں سے نوازتا ہے اور مصیبتوں سے نجات دے کر راحتوں کی طرف منتقل کرتا ہے لیکن مسلمان ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کو اپنا شعار نہیں بناتے۔ یاد خدا سے غافل رہتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ اپنے اعمال سے خود کو اللہ کی نعمتوں کا نااہل ثابت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا آصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ  
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (الشوری: ۳۰)

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی کرتوتوں کے جب پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔

اندلس میں آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد وہاں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جاتی رہی بلکہ وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور صرف عیسائی بننے والوں کو زندہ رہنے دیا گیا اور اب وہاں پر صرف برائے نام مسلمان ہیں اور سلطنت بغداد کو چنگیز اور ہلاکو نے تاراج کیا۔ برصغیر میں کئی صدیوں پر محیط مسلمانوں کی حکومت انگریزوں نے ختم کی اور ڈیڑھ سو سال تک مسلمانوں کو غلام بنائے رکھا اور پوراء التھر کی مسلم ریاستیں ایک بڑے عرصہ تک روس کی کلونی بنی رہیں اور وہاں اسلامی اقدار اور آثار کو بڑی بے دردی سے مٹایا گیا اور ماضی قریب میں پاکستان کو دو لخت کیا گیا اور بھارت نے مشرقی پاکستان کو متحدہ پاکستان سے کٹ کر رکھ دیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ اسی طرح جو لوگ انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے اور اس کی نعمتوں کی نہ صرف ناشکری

کرتے ہیں بلکہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں وہ جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اطاعت پر قائم رکھے اور گناہوں سے بچائے اور اپنا شکر گزار بندہ بنائے رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی لہجوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ تمہیں علم ہو (الانفال: ۳۷)

اللہ اور رسول سے خیانت کی ممانعت کے شانِ نزول میں متعدد روایات اس آیت کے متعدد شانِ نزول ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ ابو سفیان مکہ سے روانہ ہوا تو حضرت جبریل نبی ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ ابو سفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ ابو سفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے تم اس کی طرف روانہ ہو اور اس خبر کو چھپا کر رکھنا ایک شخص نے ابو سفیان کو یہ پیغام بھیج دیا کہ (سیدنا محمد ﷺ) تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں سو تم اپنے دفاع اور اپنی حفاظت کا بندوبست کر لو تب اللہ عزوجل نے آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۳۵۸، ج ۷، ص ۲۹۳، الدر المنثور، ج ۳، ص ۳۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالہ ۲۵۶ روایت کرتے ہیں:

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے 'ہو مرثد' کو اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے، آپ نے فرمایا میں سے روانہ ہو اور روضہِ خلف پر پہنچ جاؤ۔ وہاں مشرکین کی ایک عورت ملے گی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکین کی طرف لکھا ہوا ایک خط ہوگا۔ ہم نے اس عورت کو بھیجا کیا جس جگہ کی رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی کی تھی وہاں وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر جاری تھی۔ ہم نے اس سے کہا وہ خط لاؤ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھالیا اور اس کی تلاش کی، ہمیں اس کے پاس سے خط نہیں ملا۔ ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ نے غلط نہیں فرمایا تھا تم وہ خط لکھو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل سنجیدہ ہیں تو اس نے اپنے ہاتھوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکل کر ہمیں دیا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے، آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب سے پوچھا تم نے کس وجہ سے یہ کام کیا؟ حضرت حاطب نے کہا اللہ کی قسم! میرے دل میں یہ نہیں تھا کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والا نہ رہوں، میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ میرا ان مشرکین پر کوئی احسان ہو جائے اس احسان کی وجہ سے اللہ میرے اہل اور مال سے ان کے شر کو دور رکھے اور آپ کے اصحاب میں سے ہر شخص کا وہاں کوئی قبیلہ ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کے اہل اور ان کے مال سے کافروں کے شر کو دور رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے اور اس کے حق میں سوائے خیر کے اور کوئی کلمہ نہ کہنا۔ حضرت عمر نے کہا اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ اہل بدر سے نہیں ہے اور بے شک اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہو اور فرمایا تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے۔ یا فرمایا میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۵)

حضرت ابولبابہ انصاری کی توبہ

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۱۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

۳۔ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس ابولبابہ بن عبد المنذر کو بھیجیں، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے۔ (ان کے نام میں اختلاف ہے، 'رفدہ'، 'بشر اور بشر ثمن' قول ہیں۔ آپ حضرت علی کی خلافت تک زندہ رہے۔ الاستیعاب رقم الحدیث: ۳۱۸۰) تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا، جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے مردان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں اور بچے ان کے سامنے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے لیے حضرت ابولبابہ کا دل نرم ہو گیا۔ بنو قریظہ نے ان سے کہا اے ابولبابہ آپ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیدنا محمد ﷺ) کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں؟ انہوں نے کہا ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ تم کو ذبح کر دیں گے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ کی قسم ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے یہ جان لیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ پھر حضرت ابولبابہ سیدھے واپس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا میں اس وقت تک بندہ ہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنو قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی تھی۔

عبد اللہ بن ابی قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو (الانفال: ۱۷) امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجائے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ ان کی توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے اس دن سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابولبابہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ ﷺ ہنس رہے تھے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ آپ کو ہمیشہ ہنساتا ہوا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے تھے؟ آپ نے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی گئی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان کو یہ خوش خبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں اگر تم چاہو تو حضرت ام سلمہ حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا اے ابولبابہ تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا مسلمان انہیں کھولنے کے لیے جھپٹے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے اور جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے انہیں کھول دیا۔

امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر انہیں کھول دیتی تھیں وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:



وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (التوبہ: ۴۰)

اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے کچھ نیک کاموں کو کچھ برے کاموں کے ساتھ ملا لیا۔ مغریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے۔

(المیرۃ النبویہ للابن ہشام ج ۳ ص ۲۷۰-۲۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ جامع البیان ج ۷ ص ۲۷۱ رقم الحديث: ۵۳۵۹ اسد الغلبہ ج ۶ ص ۲۶۰ رقم الحديث: ۳۰۵ سبب النزول للواحدی رقم الحديث: ۴۷۷۷)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولہبہ کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے کہا یا نبی اللہ امیری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں میں نے گناہ کیا تھا اور میں آپ کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کر دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے صرف تملیٰ مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحديث: ۲۳۹۷ المستدرک ج ۳ ص ۳۲ کنز العمال رقم الحديث: ۷۰۳۳)

حافظ ابو عمرو سف بن محمد بن عبدالمعز القرطبی المتوفی ۴۳۱ھ نے حضرت ابولہبہ کی توبہ کا ایک اور سبب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حضرت ابولہبہ جو بیٹے نے لوہے کی دونی زنجیروں سے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ کئی راتیں باندھے رکھا۔ (علامہ ابن اثیر نے سلت سے نور اتیں لکھی ہیں) حتیٰ کہ ان کی سماعت بہت کم ہو گئی اور پھٹکی بھی بہت کم ہو گئی۔ جب نماز کا وقت آتا یا انہوں نے قضاء حاجت کے لیے جانا ہوتا تو ان کی بیٹی ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر ان کو باندھ دیتی۔

حضرت ابولہبہ نے جو اپنے آپ کو باندھا تھا حافظ ابن عبدالمعز نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں اور سب سے عمدہ وجہ وہ ہے جو زہری سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابولہبہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا اللہ کی قسم میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا اور کوئی چیز کھلوں گا اور نہ ہیوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمائے یا میں مرجلوں۔ وہ سلت دن بندھے رہے کچھ کھانا نہ پیا حتیٰ کہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ ان سے کہا گیا کہ اے ابولہبہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے انہوں نے کہا بہ خدا میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ آکر مجھے کھولیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کو کھولا۔ التوبہ ۳۱ کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولہبہ اور ان کے علاوہ سلت آٹھ یا نو افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے پھر وہ ٹام ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا ان کا نیک عمل توبہ تھا اور ان کا برا عمل غزوہ تبوک سے رہ جانا تھا۔

حافظ ابو عمر فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابولہبہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ کے جلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قطعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال: ۲۷)

(الاستیعاب ج ۳ ص ۳۰۵-۳۰۴ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے محامل

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت نہ کریں اور اس کو اس لیے خیانت فرمایا

کہ یہ اللہ کے علیہ میں خیانت کرتا ہے اور رسول کی اس لیے خیانت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں غنیمت کی تقسیم کا دہائی رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے۔ سو جس شخص نے اس میں غنیمت میں خیانت کی اس نے اللہ اور رسول کی خیانت کی۔ اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے اور بھی محال ہیں۔ اللہ کی خیانت فرائض کو ترک کرنا ہے اور رسول کی خیانت آپ کی سنت کو ترک کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی خیانت فرائض کو ترک کرنا یا ان کی لواٹنگی میں کی کرنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام احکام شرعیہ کو عمل ادا کرنا امانت ہے اور کسی بھی حکم شرعی میں کی کرنا یا اس کو ترک کرنا خیانت ہے اور میں غنیمت میں خیانت کرنا بھی اس میں داخل ہے ہر چند کہ ان آیات کا نزول میں غنیمت میں خیانت کے متعلق ہے لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد اور سبب کا نہیں ہوتا۔

ابن زید نے کہا اس قسم کی خیانت منافقین کرتے تھے ان کو معلوم تھا کہ وہ کافر ہیں اور وہ پھر بھی ایمان کو ظاہر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے:

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُتَّالًا  
يَرَاءُؤُنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ وَلَا قُلُوبًا  
(النساء: ۸۲) اور وہ (منافقین) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھا دیتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

یہ منافقین تھے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے دین کی وجہ سے امن دیا اور وہ خیانت کرتے تھے ایمان ظاہر کرتے تھے اور ان کے باطن میں کفر تھا۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کریں۔ امانت ادا کرنے کی تاکید اور خیانت کرنے پر وعید کے متعلق اس آیت کے علاوہ قرآن مجید میں اور یہ آیات ہیں:

قُلْ إِنَّمِنَ بَعْضُكُم مِّبْعُضًا فَلْيُؤَدِّ الْفَوِي  
أَوْ تُوَسَّعْ أَمَانَتُهُ وَلْيَسْتَنِي اللَّهُ رَتَهُ (البقرہ: ۲۸۳)  
میں اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى  
أَهْلِهَا (النساء: ۵۸) بے شک اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانت ادا کرو۔

لَا تَعْرِضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ  
وَالْجِبَالِ قَابِئِينَ أَنْ يَحْمِلَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا  
وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا  
(الاحزاب: ۷۲) ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو نہیں کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور ڈرے اور انسان نے اس میں خیانت کی ہے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ  
(المؤمنون: ۸) اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے والے ہیں۔

امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانی ہیں جب بات کرے تو جھوٹ

بولے 'جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی تو اس میں خیانت کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم الايمان: ۶۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸، سنن الکبریٰ للعلانی رقم الحدیث: ۵۲۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۳، المستدرک: ج ۲، ص ۳۶، مسند احمد ج ۳، ص ۳، مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۲۰، سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۲۰۰)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت مت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۳، المستدرک: ج ۲، ص ۳۶، مسند احمد ج ۳، ص ۳، مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۲۰، سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۲۰۰)

۳۔ حضرت نو اس بن سمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت بڑی خیانت یہ ہے کہ تمہارا بھائی تم سے کوئی بات کہے اور وہ اس میں سچا ہو اور تم اس کو جھوٹا کہو۔

(مسند احمد ج ۳، ص ۱۸۳، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۹۸، تحف السادة المحمدية ج ۸، ص ۲۶۳، رقم الحدیث: ۶۰۲۳۰)

۴۔ حضرت عبید بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں 'جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو تم اس کو ادا کرو 'جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو 'جب تم بات کرو تو سچ بولو 'تم اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو 'اپنی نظروں کو بچا رکھو اور اپنے ہاتھوں کو کسی کے آگے نہ پھیلاؤ۔ (شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۲۵۵، مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۵۲۵، سنن کبریٰ ج ۶، ص ۲۸۸)

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے سے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے ماسوا امانت کے۔ قیامت کے دن ایک بندہ کو لایا جائے گا خواہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکا ہو۔ اس سے کہا جائے گا کہ اپنی امانت کو ادا کر۔ وہ کہے گا اے رب میں اب کیسے امانت کو ادا کروں سب تو دنیا ختم ہو چکی ہے پھر کہا جائے گا اس کو دوزخ کی طرف لے جاؤ 'اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا پھر اس کے سامنے اس امانت کی مثل پیش کی جائے گی جس شکل و صورت میں اس کو وہ امانت دنیا میں پیش کی گئی تھی۔ وہ اس کو پہچان لے گا وہ اس امانت کے پیچھے دوزخ کے ایک کڑھے میں اترے گا حتیٰ کہ اس کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر رکھے گا اور جب وہ گمان کر لے گا کہ وہ اس کڑھے سے باہر نکل رہا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کڑھے میں بیچے گرنا چلا جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے کہا نماز امانت ہے اور وضو امانت ہے اور وزن امانت ہے اور بیعت امانت ہے اور انہوں نے کئی چیزیں گنیں اور ان سب سے بڑی امانت وہ ہے جو لوگ کسی کے پاس کوئی چیز رکھتے ہیں۔ زاذان کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت براء بن عازب کے پاس گیا انہوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت ابن مسعود نے بیان کیا تھا۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت رکھو انے والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو۔

(مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۳۵، شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۲۶۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

۶۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے لوگوں سے جو چیز اٹھالی جائے گی وہ امانت ہے اور آخر میں جو چیز ہٹائی رہ جائے گی وہ نماز ہے اور بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کی نماز میں کوئی خیر نہیں ہے۔

(شعب الایمان ج ۳، رقم الحدیث: ۵۲۷۳، السنن الکبریٰ للعلانی رقم الحدیث: ۵۲۷، مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۲۰)

۷۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کسی شخص کی نماز اور اس کے روزے سے دھوکا نہ کھانا جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نماز پڑھے لیکن جو امانت دار نہیں وہ دین دار نہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۸، رقم الحديث: ۲۰۹۳، مصنف ابن أبي شيبة ج ۶، رقم الحديث: ۲۰۳۱۷، شعب الایمان ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۷۹، کنز العمال رقم الحديث: ۸۳۳۶، مکارم الاخلاق رقم الحديث: ۱۳۶)

۸۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی شخص کی نماز کو دیکھو نہ اس کے روزے کو یہ دیکھو وہ اپنی بات میں کس قدر سچا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ کس قدر امانت دار ہے اور جب اس پر دنیا پیش کی جائے تو وہ کس قدر متقی ہے۔ (شعب الایمان ج ۳، رقم الحديث: ۵۲۷۹، کنز العمال رقم الحديث: ۸۳۳۵)

۹۔ حضرت حذیفہ بن یمان جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کی تھیں، ایک تو پوری ہو چکی ہے اور دوسری کا میں انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری، پھر قرآن نازل ہوا اور لوگوں نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے امانت اٹھ جانے کی پیش گوئی بیان کی اور فرمایا ایک شخص تھوڑی دیر سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکل جائے گی، پھر چھالے کی طرح اس کا اثر رہ جائے گا جس طرح پیر کے نیچے انگارہ آنے سے آبلہ بڑ جاتا ہے اور اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ایک نکری لے کر اس کو اپنے پیروں پر لٹکا دیا اور فرمایا پھر لوگ خرید و فروخت کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی امانت داری اور دیانت داری سے کام نہیں لے گا حتیٰ کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک دیانت دار شخص ہوا کرتا تھا اور یہ کہ فلاں شخص کس قدر بیدار مغز، خوش مزاج اور زیرک ہے، لیکن اس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ نے فرمایا ایک وہ وقت تھا جب میں ہر شخص سے بغیر کسی خدشہ اور کھٹکے کے خرید و فروخت کر لیتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ شخص اگر مسلمان ہے تو اس کا دین اس کو خیانت سے روکے گا، اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو حاکم کے خوف سے خیانت نہیں کرے گا لیکن اس زمانے میں میں فلاں فلاں شخص کے علاوہ خرید و فروخت میں اور کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۳۹۷، صحیح مسلم ایمان: ۲۳۰ (۱۳۳)، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۱۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۰۵۳، مصنف عبد الرزاق ج ۸، رقم الحديث: ۲۰۹۳)

۱۰۔ عطا خراسانی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا جو شخص اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس نے کسی شخص کی امانت ادا نہیں کی ہوگی، اللہ عزوجل اس کی نیکیوں کو لے لے گا جب کہ وہیں رہتا ہو گاتہ درہم۔ (مکارم الاخلاق للخواصطی رقم الحديث: ۱۳۸)

۱۱۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا جب کسی گھر میں خیانت ہو تو اس سے برکت چلی جاتی ہے۔

(مکارم الاخلاق للخواصطی رقم الحديث: ۱۵۱، مطبوعہ مطبعہ الدینی قاہرہ ۱۳۱۱ھ)

۱۲۔ حضرت انس بن مالک جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے دین میں سے جو چیز سب سے پہلے گم ہوگی وہ امانت ہے اور آخر میں نماز گم ہوگی۔ عیبت مٹانی نے کہا ایک شخص روزے رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے لیکن جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ امانت ادا نہیں کرتا۔

(مکارم الاخلاق للخواصطی رقم الحديث: ۱۵۵، المعجم الکبیر ج ۹، رقم الحديث: ۸۶۹۹، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مجمع الزوائد ج ۷، ص ۳۲۹)

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہ جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان اور مال میں

اثمن سمجھیں۔ (مکارم الاخلاق رقم الحديث: ۱۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۹۳۳)

۱۴۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جنت میں جبار داخل ہو گا نہ بخیل نہ خائن اور نہ بد خلق۔ (مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹)

۱۵۔ مجاہد نے کہا کفر و کفر کا اور خیانت و دوزخ میں ہیں اور کفر اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۸ السنن رکب ج ۳ ص ۶۰۷)

۱۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب لوگوں کے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں بچے کو جھوٹا کہا جائے گا اور جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور خائن کو امانت دار کہا جائے گا اور امانت دار کو خائن کہا جائے گا۔

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۹۷ سنن احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

۱۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی خطبہ دیا تو اس میں فرمایا سنو جو امانت لوگوں کے لئے وہ ایمان دار نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۳۷ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۸۸ سنن احمد ج ۲ ص ۲۵۱ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۵۵ سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۳۹۱)

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۱ اس کی سند ضعیف ہے)

۱۸۔ میمون بن مهران نے کہا تین چیزیں ہر نیک اور بد کو ادا کی جائیں گی: صلہ رحمی کو خواہ نیک ہو یا بد عہد جس سے بھی کیا

ہے پورا کرو خواہ نیک ہو یا بد ہر ایک کی امانت ادا کرو خواہ نیک ہو یا بد۔ (مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۹)

۱۹۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی

وصیت کرتا ہوں اور سچ بولنے کی اور عہد پورا کرنے کی اور امانت ادا کرنے کی اور خیانت ترک کرنے کی اور پڑوسی کی حفاظت کرنے کی اور یتیم پر رحم کرنے کی اور ملائمت سے ہٹ کر لڑنے کی اور (ہر مسلمان کو) سلام کرنے کی اور تواضع اور عاجزی کی۔

(طیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۳۱-۲۳۰)

۲۰۔ حضرت ابو حنیفہ السہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا معاملہ بتایا جب وہ

آیا تو اس نے کہا یہ چیزیں تمہارے لیے ہیں اور یہ چیزیں مجھے دینے کی گئی ہیں۔ نبی ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اللہ کی حمد کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم اپنے بعض مناسب پر عامل بناتے ہیں پھر وہ ہمارے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ یہ

چیز تمہارے لیے ہے اور یہ چیز مجھے دینے کی گئی ہے وہ اپنی ماں کے گھر میں یا اپنے باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گیا پھر یہ دیکھا جا تا کہ اس کو کوئی چیز دینے کی گئی ہے یا نہیں۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی

کوئی چیز لے گا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی۔ اگر وہ اونٹ ہے تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا اگر وہ گائے ہے تو وہ ڈکرائی ہوگی اور اگر وہ بکری ہے تو وہ میا رہی ہوگی پھر آپ نے ہاتھ بلند کر کے تین دفعہ فرمایا اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(مکرم الاخلاق رقم الحدیث: ۳۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۷ سنن مسلم الامارہ ج ۱ ص ۱۸۳۲ سنن ابی داؤد رقم

الحدیث: ۲۹۳۶ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۲۱۹ سنن احمد ج ۵ ص ۲۸۵-۲۸۷)

القصاص: ۵۸ میں بھی ہم نے امانت اور خیانت پر کئی لحاظ سے بحث کی ہے۔ میرا حاصل بحث کے لیے اس تفسیر کو بھی دیکھنا

چاہیے۔ البتہ امانت اور خیانت کے موضوع پر یہاں زیادہ احادیث بیان کی ہیں اور بعض ان احادیث کا یہاں ذکر نہیں کیا جو وہاں بیان کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے

پاس اجر عظیم ہے۔ (انفال: ۲۸)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت کی جن فتنوں سے نوازا ہے اور جو اولاد تمہیں عطا کی ہے وہ تمہارے لیے امتحان اور آزمائش ہیں تاکہ اس آزمائش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ تم مال اور اولاد میں اللہ کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور مال اور اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہے یا نہیں اور تم یہ یقین رکھو کہ اپنے مال اور اولاد میں تم اللہ کے احکام کے مطابق جو عمل کرتے ہو اس کا اجر و ثواب اللہ ہی کے پاس ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تاکہ آخرت میں تمہیں اجر جزیل مل جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا تم میں سے ہر شخص فتنہ میں مبتلا ہے پس تم گمراہ کرنے والے فتنوں سے اللہ کی بناء طلب کیا کرو۔ (جامع البیان ج ۹، رقم الحدیث: ۵۰۷۳، ص ۲۹۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اولاد رشتہ داروں اور مال و متاع کی محبت اگر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت سے مانع ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

آپ کہتے کہ اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم نافذ کر دے اور اللہ فاسق لوگوں کو حلال مقصود پر نہیں پہنچاتا۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ وَآخُوتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَتَعَسَوْنَ فِيهَا فَالْهَوَىٰ أَكْبَرُ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَوُونَ أَمْ يَتْلُو الْقَوْمُ الْقُرْآنَ فَيَسْمَعُونَ أَلَا يَهْدِي الْقَوْمُ الْغَافِلِينَ (النوبة: ۲۴)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی راہ سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی در حقیقت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المنافقون: ۹)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق احادیث  
رسول اللہ ﷺ نے مال کے فتنہ کے متعلق فرمایا:

حضرت محمود بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بحرن جزیرہ لینے کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرن سے صلح کر لی تھی اور حضرت عطاء بن حنظلہ کی قیادت میں ان کا معاملہ مقرر کر دیا تھا۔ پھر حضرت ابو عبیدہ بحرن سے مل لے کر آئے، انصار کو جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ سب فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے بعد ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گئے وہ سب آپ کے سامنے پیش ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو آپ مسکرائے، پھر آپ نے فرمایا میرا گلن یہ ہے کہ تم سب کو یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ ابو عبیدہ بحرن سے کچھ

ضمیمہ القرآن

جلد چہارم



مل لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو اور اس چیز کی امید رکھو جس سے تم خوش ہو گے۔ پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر فخر کا خوف نہیں ہے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ دنیا تم پر اس طرح وسیع کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر دنیا وسیع کر دی گئی تھی۔ پھر تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے دنیا میں رغبت کی تھی جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔ تم بھی اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۸، صحیح مسلم المرحوم: ۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۶۱، مسند احمد ج ۲، ص ۲۲۷-۲۳۷) اور اولاد کے قتل ہونے کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے۔ اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آگئے انہوں نے سرخ قمیصیں پہنی ہوئی تھیں وہ چلتے ہوئے لڑکھڑاہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ صبر سے اترے۔ ان کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا دیا اور پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حج اور شلو فرمایا ہے تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔ (النازل: ۲۸) میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے لڑکھڑاہے ہوئے دیکھا تو پھر میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنے خطبہ کو منقطع کیا اور ان بچوں کو اٹھایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۶۱۸) اولاد کی محبت میں انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جائے یا کسی عبادت کو ترک کر دے یا ان کی محبت میں کوئی ناجائز کام کرے تو یہ ممنوع ہے۔ نبی ﷺ نے رحمت اور رقت کے غلبہ سے اپنے ان نواسوں کو جو دوران خطبہ منقطع کر کے اٹھایا تو یہ کسی قسم کا ممنوع کام نہیں تھا بلکہ آپ کا ہر کام وحی الہی کی اتباع میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت حسین کریمین کا جو مرتبہ اور مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ان کا بلند درجہ ہے اس کو ظاہر کرنے کے لیے آپ نے ان کو دوران خطبہ اٹھ کر اپنے پاس بٹھایا اور اپنے اس عمل سے آپ نے یہ مسئلہ بتلایا کہ کم سن بچوں پر شفقت کرنی چاہیے اور اگر دوران وعظ کسی داعیہ اور خطیب کو ایسی صورت حال سے سہتہ پڑ جائے تو اس کا اپنے بچوں کو دوران وعظ اٹھانے سے صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ آپ کی سنت بھی ہے اور آپ کا بچوں کے اٹھانے پر یہ آیت پڑھنا کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں یہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں کفار سے الگ اور حقارت کر دے گا

وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اور تمہارے (میں سے) گناہوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ

اور یاد کیجیے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلا وطن کر دیں،

وَيَسْكُرُونَ وَيَسْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُسْكِرِينَ ۝۳۷ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے اور جب ان پر ہاری

أَيُّنَا قَالَ أَوْ أَقَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا

آیات تملکوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں (ہم نے دیکھا ہے) ہم نے سنا ہے، اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس (کلام) کی مثل بنا لیتے یہ تو صرف

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝۳۸ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَتْ هَذِهِ حَقًّا

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ○ اور (یاد کیجیے) جب انہوں نے کہا اے اللہ: اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے

مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ وَإِنَّنَا بِعَذَابٍ

حق سے ترسم پہ آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی دوسرا) دروناک عذاب

أَلِيمٌ ۝۳۹ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ

سے آ ○ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں، اور نہ اللہ اس وقت

اللَّهُ مُعَذِّبُهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝۴۰ وَمَا لَهُمْ إِلَّا يَعَذِّبَهُمُ

انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں ○ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا

اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا

حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام)

أَوْلِيَاءَ ۚ إِنْ أَوْلِيَاءُ إِلَّا الْمُنَافِقُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا

کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف منافق مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُونَ ۝۴۱ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَ

جانتے ○ اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ سیٹیاں اور تائیاں

تَصْدِيكُهُ ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝۴۲ إِنْ

تصدیق کرتے تھے، سراب عذاب کو چھو کیوں کہ تم کفر کرتے تھے ○ بے شک

الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَتَفَقَّوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں،

فَسَيَنْفَقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِينَ

وہ منتریب اور بھی خرچ کریں گے، پھر یہ ان کے لیے باعثِ پشیمانی ہوگا پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جن لوگوں نے

كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٧﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ۰ تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے،

وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضًا عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ

اور سب خبیثوں کو اوپر تلے رکھے، پھر ان سب کا ڈھیر بنا دے، پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں

فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٣٨﴾

ڈال دے، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کر دے گا اور تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۰ (الانفال: ۲۹)

کبیرہ گناہوں کے اجتناب سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

اللہ سے ڈرتے رہنے کا معنی ہے تقویٰ اختیار کیے رہنا۔ اور تقویٰ کا معنی ہے ایمان لانے کے بعد تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرنا اور تمام محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنا۔ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے کبیرہ گناہوں سے بچنا اور دوسرا مرتبہ ہے صغیرہ گناہوں سے بچنا اور تیسرا مرتبہ ہے خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچنا اور اس آیت میں پہلا مرتبہ مراد ہے یعنی کبیرہ گناہ سے بچنا۔ کیونکہ اس پر جو دوسری جزاء مرتب کی ہے وہ ہے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔ اور شرط اور جزاء میں تغایر ہوتا ہے اس لیے اس آیت کا معنی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو اللہ تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دے گا۔

مومنوں اور کافروں کا دنیا اور آخرت میں فرق

اللہ سے ڈرتے رہنے اور تقویٰ اختیار کرنے پر جو پہلی جزاء مرتب کی ہے وہ ہے تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کر دے گا۔ اس سے مراد یا دنیا میں الگ اور ممتاز کرنا ہے یا آخرت میں۔ اگر دنیا میں مسلمانوں کو کافروں سے الگ اور ممتاز کرنا مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں اپنے احوالِ باطن اور احوالِ ظاہر کے لحاظ سے کافر سے ممتاز ہوتا ہے۔ احوالِ باطن سے اس لیے کہ کافر کے دل میں اللہ کا انکار ہوتا ہے اور مسلمان کے دل میں اللہ پر ایمان ہوتا ہے اور کافر کا دل کینہ، بغض، حسد اور کمر و فریب سے پر ہوتا ہے اور مومن کا دل ان تمام اوصافِ رذیلہ سے پاک اور صاف ہوتا ہے۔ اور مسلمان جس قدر اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس کے دل میں اللہ کی معرفت کا نور بڑھتا جاتا ہے۔ اور جب اس کے دل میں یہ انوار اور تجلیات ہوں تو پھر ان اوصاف

۲۰۷

رذیلہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور احوال ظاہر میں مومن کافر سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے کہ مومن کو اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے جبکہ کافر اللہ کی تائید اور نصرت سے محروم ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مومن آخرت میں کافر سے ممتاز ہو گا تو یہ بالکل ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر آخرت میں لطف و کرم فرمائے گا ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل و رسوا کر کے دوزخ میں داخل کر دے گا۔

پھر فرمایا: اور تم کو بخش دے گا۔ اگر دوسرے جرم میں گناہوں کے مٹانے سے مراد صغیرہ گناہوں کا معاف کرنا ہو تو بخشنے کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی شفاعت سے مسلمانوں کے کبیرہ گناہ بھی بخش دے گا یا اپنے فضل محض سے کبیرہ گناہوں کو بخش دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہوں کو مٹانے سے مراد دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھنا ہو اور بخشنے سے مراد آخرت میں گناہوں کو بالکل زائل کرنا ہو۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں گنہ گاروں کے لیے شفاعت کر دی ہے تو آخرت میں شفاعت کیوں ہوگی؟

ایک دفعہ مجھ سے ایک عالم نے سوال کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر جمعرات کو مجھ پر تیسارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو نیک عمل ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو گنہ گار ہوں تو میں تیسارے گناہوں پر استغفار کرتا ہوں۔

(الوقایا حوالہ المصطفیٰ ص ۸۰۱)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے ان لوگوں کو دوزخ سے نکل لیا جائے گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو یا جن کے دل میں ایک جو کے برابر بھی نیکی ہو۔ ان کو جنت کے محن میں ڈال دیا جائے گا۔ اہل جنت ان کے اوپر پانی چھڑکیں گے۔ پھر ان سے جلن کے آثار دور ہوں گے اور زندگی اور تروتازگی کے آثار نمودار ہوں گے۔

(صحیح مسلم الامان ۳۱۶، (۱۱۱) ۳۶۱)

تو جب نبی ﷺ نے دنیا میں گنہ گاروں کے لیے استغفار کر لیا تو پھر حشر میں شفاعت کیوں ہوگی یا اور جب دنیا اور قبر میں شفاعت ہو چکی تو پھر بعض گنہ گاروں کو دوزخ میں عذاب کیوں ہو گا؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ ان ہی کے لیے شفاعت فرمائیں گے جن کی شفاعت کی اللہ آپ کو اجازت دے گا اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے بعض گنہ گاروں کی شفاعت کی اجازت آپ کو دنیا میں دے اور بعض کی شفاعت کی اجازت آپ کو حشر میں دے اور جن کو دوزخ میں ڈالا جائے گا ان کی شفاعت کی اجازت آپ کو نہ دے بلکہ محض اپنا فضل ظاہر فرمانے کے لیے کسی کی شفاعت کے بغیر اپنے مجرد کرم سے ان کو بخش دے اور دوزخ سے نکل لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی شفاعت کی وجہ سے ان کو صرف صورۃ عذاب ہو اور حقیقتاً عذاب نہ ہو کیونکہ عذاب تو درد کے ادراک اور احساس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جب ان کو دوزخ میں ڈالے تو ان کا ادراک اور احساس زائل کر دے اور اس کو عذاب کا بالکل پتہ نہ چلے جیسے بیہوش کر کے سرجری اور جراحی کا عمل کرتے ہیں تو مریض کو چیر پھاڑ کا بالکل پتہ نہیں چلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے ان کو دوزخ سے نکل لے اور ان سے جلنے اور عذاب کے آثار کو دور کر دے۔ دو سرا جواب میں نے یہ دیا کہ ہو سکتا ہے دنیا میں آپ ان کی پردہ پوشی یا تخفیف عذاب کے لیے یا قبر کے عذاب سے نجات کے لیے استغفار کریں اور حشر میں بالکل عذاب سے نجات کے لیے استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل

اس کے بعد فرمایا اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور یہ اس کا کتابی اور افضل ہے کہ نیکی کرنے کا جذبہ بھی دل میں وہ پیدا کرتا ہے

پھر اس نیک کام کو کرنے کے لیے بدن میں طاقت اور منہ میں زبان بھی وہ پیدا کرتا ہے۔ اس نیک کام کے لیے جن دیگر اسباب اور ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی وہ پیدا کرتا ہے اس نیکی کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو بھی وہ دور کرتا ہے۔ پھر ہم سے کہتا ہے کہ لو یہ تمہارے نیک کاموں کا اجر ہے بعض اوقات ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے لیکن وہ شخص اس نیکی سے استفادہ نہیں کر سکتا مثلاً وہ ایک بھوکے کو کھانا کھلانا چاہتا ہے لیکن اس کے منہ میں کینسر ہے وہ کھا نہیں سکتا۔ ایک شخص کسی مریض کو صحت یاب کرنے کے لیے بے دریغ پیسہ خرچ کرتا ہے لیکن اس کو کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا اور بعض اوقات کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہو لیکن جس کے ساتھ ہم نیکی کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری نیکی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو جس کو ہم نے کھانا کھلا دیا تو یہ بھی اس کا احسن ہے کہ اس نے کھانے والے میں کھانے کی صلاحیت پیدا کی۔ ہم نے جس کا علاج کیا تو یہ بھی اس کا کرم ہے کہ اس نے دواؤں میں شفا کی تاثیر رکھی اور ہم نے جس کے ساتھ نیکی کی تو یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے اس شخص میں ہماری نیکی قبول کرنے پر آمادگی پیدا کی سب کچھ تو اس نے کیا ہے پھر اس کا کتنا فضل ہے کہ ہم سے کہتا ہے کہ لو یہ اپنی نیکیوں کا انعام اور اجر و ثواب لے لیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب کالر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰)

### کفار قریش کا نبیؐ کو قتل کرنے کی سازش کرنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کے ہر قبیلہ کے سردار دار الندوہ میں جمع ہوئے وہاں ابلیس شیخ جلیل (یہ دسے شخص) کی صورت میں آیا قریش کے سرداروں نے اس کو دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں شیخ نجد ہوں میں نے سنا کہ تم یہاں کسی امر میں مشورہ کے لیے جمع ہو میں نے چاہا کہ میرا مشورہ بھی اس معاملہ میں شامل ہو جائے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تم بھی آ جاؤ۔ شیخ نجد نے کہا تم اس شخص کا کوئی موثر بندوبست کرو ورنہ یہ تمہارے تمام معاملات پر قابض ہو جائے گا۔ کسی نے کہا اس شخص کو زنجیروں میں جکڑ دو پھر حوادث روزگار کا انتظار کرو حتیٰ کہ یہ ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اور شعراء مثلاً زہیر اور ابیہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ شیخ نجد نے چلا کر کہا نہیں نہیں یہ رائے بالکل ناپختہ ہے اگر تم نے اس کو قید کر لیا تو اس کا رب اس کو قید سے نکال لائے گا اور اس کے اصحاب اس کو تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ پھر انہوں نے کوئی اور تجویز سوچی کسی نے کہا ان کو اس شہر سے نکال دو حتیٰ کہ تم سب کو اس سے نجات مل جائے۔ شیخ نجد نے کہا یہ رائے بھی ٹھیک نہیں ہے کیا تم کو اس کی زبان دانی طلاق لسانی اور دلوں میں اترنے والی شیریں بیانی کا علم نہیں ہے۔ یہ جمل بھی ہو گا اپنا ایک جتنا بٹالے گا پھر تم پر حملہ کر کے تم سب کو ہلاک کر دے گا۔ سو کوئی اور اسکیم بناؤ۔ تب ابو جہل نے کہا میں تمہیں ایک ایسا مشورہ دیتا ہوں کہ تم نے اس سے بہتر مشورہ پہلے نہیں سنا ہو گا۔ سب نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا ہم ہر قبیلہ سے ایک نوخیز جوان اور ایک پختہ جوان کو لے لیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک برہنہ تلوار ہو اور سب مل کر یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اور جب سب مل کر ان کو قتل کر دیں گے تو ان کا خون ہر قبیلہ کے ذمہ ہو گا اور میں نہیں گمان کرتا کہ بنو ہاشم کا قبیلہ قریش کے تمام قبائل سے جنگ کر سکے گا اور جب وہ قصاص لینے کو مشکل پائیں گے تو دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم کو ان کی ایذا رسانی سے نجات مل جائے گی۔ شیخ نجد نے بے ساختہ کہا یہ خدا کی وہ صحیح اور صائب رائے ہے جو اس شخص نے پیش کی ہے اس کے علاوہ اور کوئی راہ صحیح نہیں ہے۔



پھر وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کا عزم لے کر اٹھے اور اس مجلس سے منتشر ہو گئے اور حضرت جبریل نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ آپ آج رات اپنے بستر پر نہ گزاریں اور آپ کو عین منورہ ہجرت کی اجازت دی اور جب آپ عین منورہ پہنچ گئے تو آپ پر سورہ الانفال نازل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں آپ پر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا اور یہ آیت نازل فرمائی "اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلا وطن کر دیں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔"

(جامع البیان ج ۷ ص ۳۰۰-۳۰۱ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰۷ اور المثنوی ج ۳ ص ۵۵۲ السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۹۶-۹۷ سبل الہدی والرشاد ج ۳ ص ۲۲۱-۲۲۲ الرضی للاف ج ۱ ص ۲۹)

اللہ تعالیٰ کا کفار کی سازش کو ناکام کر کے آپ کو ان کے زرعہ سے نکال لانا علامہ محمد بن یوسف شامی صلی مثنوی ص ۳۳۲ لکھتے ہیں:

جب کفار نبی ﷺ کو قتل کرنے کا عزم کر کے مجلس سے منتشر ہو گئے تو حضرت جبریل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا آج رات آپ اپنے اس بستر پر نہ سوئیں جس پر آپ پہلے سویا کرتے تھے اور آپ کی قوم کی سازش کے متعلق خبر دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے نکلنے کی اجازت دے دی ہے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو کفار آپ کے دروازہ کے باہر گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ جب آپ سوئیں تو وہ اچانک آپ پر ٹوٹ پریں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میری یہ ہز حصری چادر لوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور ہرگز تمہیں کوئی ناگوار بات نہیں چھوئے گی۔ رسول اللہ ﷺ اسی چادر کو اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔

کفار باہر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ابو جہل بن ہشام نے کہا بے شک (حضرت سیدنا) محمد ﷺ ایسے زعم کرتے ہیں کہ اگر تم نے ان کی یہودی کرلی تو تم عرب اور عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ پھر تم جب موت کے بعد اٹھو گے تو تمہارے لیے ایسے باغات ہوں گے جیسے اردن کے باغات ہیں اور اگر تم نے ان کی یہودی نہ کی تو تم قتل ہو گے اور جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تم کو دونوں کی آگ میں جلایا جائے گا۔ پس رسول اللہ ﷺ باہر آئے اور آپ کی مٹھی میں خاک تھی آپ نے فرمایا میں یہ کہتا ہوں اور تم ان میں سے ایک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پھیر ڈال دیا اور ان کو کچھ نظر نہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ خاک ان کے سروں پر ڈال دی ان کو کچھ دکھائی نہ دیا اور آپ سورہ یسین کی ان آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل آئے:

يَسَّ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَيْنَا حُرَاطٌ مُّسْتَفِيمٌ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَلِتُوْا لِنُبَيِّنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّا جَعَلْنَا بَيْنَ عَصَائِهِمْ آخِذًا فَهُمْ إِلَى الْآخِذِ قٰتِلٌ فَهُمْ مُّقْتَحُونَ ۝ وَجَعَلْنَا مِثْلَ بَابٍ أَبْدُوْهُمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ (یس ۱۰-۱۴)

یس ۱۰ حکمت والے قرآن کی قسم ۱۱ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں ۱۲ صراط مستقیم پر (ہیں) ۱۳ یہ قرآن العزیز الرحیم کا نازل کردہ ہے ۱۴ تاکہ آپ ان کو ڈرا لیں جن کے باپ دارا نہیں ڈرائے گئے سو وہ غافل ہیں ۱۵ بے شک ان کے اکثر لوگوں پر عطار قول ثابت ہو چکا ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۶ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں سو وہ اپنے منہ اور پر اٹھائے ہوئے ہیں ۱۷ ہم نے ایک آذان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور



ایک آزلن کے پیچھے پھر ہم نے ان کو ڈھانپ دیا تو وہ کچھ نہیں دیکھتے ○

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال دی اور پھر آپ نے جہاں چاہا وہاں تشریف لے گئے۔ پھر ان کافروں کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تم یہاں پر کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) کا۔ اس نے کہا اللہ نے تمہیں نامراد کر دیا۔ اللہ کی قسم (سیدنا) محمد (ﷺ) یہاں سے چلے گئے ہیں اور وہ تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال کر گئے ہیں تم ذرا اپنا جائزہ تولو۔ پھر ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس کے سر پر مٹی تھی۔ پھر وہ آپ کے گھر گئے تو دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم یہ تو (سیدنا) محمد (ﷺ) سوئے ہوئے ہیں اور ان پر ان کی چادر ہے۔ وہ اسی طرح کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے۔ تو پھر وہ کہنے لگے خدا کی قسم اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف جا چکے تھے۔

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھ کر آپ کی جگہ سو گئے اور مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی توقع تھی۔ وہ حضرت علی کی گھات لگا کر بیٹھے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت وضو کر رہے تھے جب انہوں نے دیکھا تو کہا افسوس یہ تم ہو یہ تم ہی کو نہیں بدل رہے تھے تمہارے صاحب تو کو نہیں نہیں بدلتے تھے۔ اور حاکم نے علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اللہ کی رضا کے عوض اپنی جان کو فروخت کیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس روز کے واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے مگر آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلا وطن کریں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرماتے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام کر دیا وہ نامراد ہو گئے اور اللہ عزوجل نے سیدنا محمد (ﷺ) کو کامیاب اور سرخوشی سے نوازا۔

(اسل الہدی والرشاد ج ۳ ص ۲۳۳-۲۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں (بس رہنے دو) ہم سن چکے ہیں اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس کلام کی مثل بنا لیتے یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (الانفال: ۳۴) نعر بن الحارث کے جھوٹے دعوے

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کے شان نزول کے متعلق روایت کیا ہے کہ نعر بن الحارث ایک تاجر تھا اور وہ تجارت کے لیے فارس اور دیگر ممالک کا سفر کرتا تھا۔ اس نے وہاں دیکھا لوگ انجیل پڑھتے تھے اور رکوع اور ہجود کرتے تھے۔ جب وہ مکہ میں آیا تو اس نے دیکھا کہ سیدنا محمد (ﷺ) پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ بھی رکوع اور ہجود کرتے ہیں تو نعر نے کہا ہم اس قسم کا کلام سن چکے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں یہ آیت نعر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ تجارت کے لیے الحیرہ گیا۔ وہاں اس نے کلیہ اور دمنہ کے قصہ کہانیوں کی کتابیں خریدیں اور کسریٰ اور قیصر کی کتابیں خریدیں اور جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کی خبریں بیان فرمائیں تو نعر نے کہا اگر میں چاہوں تو میں اس طرح کی خبریں بنا سکتا ہوں۔ اور یہ شخص اس کے بلند

باتمک دعوے اور ڈیگیں تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا یہ زعم تھا کہ وہ قرآن کی مثل بنا سکتے ہیں جیسا کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے یہ زعم کیا تھا لیکن جب انہوں نے اس کی مثل بنانے کی کوشش کی تو وہ عاجز ہو گئے لیکن انہوں نے علتاً کہا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷/۲۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد رکھیے) جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر سرایا ہم پر کوئی (دوسرا) دردناک عذاب لے آ۔ (النمل: ۳۲)

اس آیت پر یہ اشکل ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کفار کا یہ کلام نقل کیا ہے: اللہم ان کان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب الیم اسی طرح سورہ اسراء میں بھی ان کا کلام نقل کیا ہے:

اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں ○ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ ان کے درمیان بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں ○ یا آپ اپنے کہنے کے مطابق ہم پر آسمان کھڑے کھڑے کر کے گرا دیں ○ یا آپ کا سونے کا گھر ہو ○ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم ہرگز آپ کے (آسمان پر) چڑھنے پر (بھی) ایمان نہیں لائیں گے

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَخْرُجَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ بِبُرُوءٍ ○ أَوْ تَكُونُ لَكَ حَاشَةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ ○ وَتَعْجَبَ فَنَفِخَ بِهَا نَفْخًا ○ أَوْ تَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ ○ أَوْ تَرْفَعِ فِي السَّمَاءِ وَلِيٌّ مُّؤْتَمِرٌ لِّرَفِيقِكَ حَتَّىٰ تُنْزِلَ عَلَيْنَا نَصْرًا ○ (الاسراء: ۹۳-۹۰)

حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔

یہ کفار کا کلام ہے اور یہ کلام نظم قرآن کی جنس سے ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کفار نے قرآن کی مثل کلام بنا لیا تھا۔ امام رازی نے اس اشکل کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ کلام مقدار میں بہت کم ہے اور اتنی کم مقدار کا کلام قرآن مجید سے معارضہ کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اتنی کم مقدار کے کلام میں فصاحت اور بلاغت کی وجوہ ظاہر نہیں ہو سکتیں اور یہ جواب اسی وقت چل سکے گا جب ہم یہ دعویٰ کریں کہ قرآن مجید نے تمام سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج نہیں کیا بلکہ سورت طویلہ کی مثل لانے کا چیلنج کیا ہے جس میں کلام کی قوت ظاہر ہو سکے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۴۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربیٰ بیروت ۱۴۱۵ھ)

لیکن میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تمام سورتیں مجزہ ہیں اور کوئی سورت بڑی ہو یا چھوٹی اس کی کوئی شخص نظیر نہیں لاسکتا۔ بلکہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت مجزہ ہے اور کوئی شخص کسی آیت کی بھی نظیر نہیں لاسکتا اور اللہ تعالیٰ ان آنجوں میں کفار کا جو کلام نقل کیا ہے یہ بعینہ ان کا کلام نہیں ہے وہ اتنا فصیح و بلیغ کلام نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فصیح و بلیغ کلام میں خصل کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ درحقیقت اللہ کا کلام ہے کفار کا کلام نہیں ہے۔ البتہ کفار کے کلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں دخل کر بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں ○ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ

لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ ضعیف جانتے ہیں (الفاظ: ۳۳-۳۴)

کسی قوم میں جب اس کا نبی موجود ہو تو اس قوم پر عذاب نہیں آتا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ اگر قرآن حق ہے اور وہ اس کے منکر ہیں تو ان پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے اور کوئی عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے کہ جب تک (سیدنا) محمد ﷺ ان کے درمیان موجود ہیں ان پر عذاب نہیں آئے گا اور یہ آپ کی تعلیم کی وجہ سے ہے اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت جاری رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی والوں پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجا جب تک کہ اپنے نبی کو وہاں سے نکل نہیں لیا۔ جیسا کہ حضرت عود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں سے باہر بھیج دیا۔ اس کے بعد ان کی بستیوں پر عذاب نازل فرمایا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب انبیاء علیہم السلام کا ان کے درمیان موجود ہونا نازل عذاب سے مانع ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے ہوتے ہوئے ان کے خلاف جہاد اور قتل کیوں شروع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلسل کفر اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی بناء پر آسمان سے عذاب کا نزول اور چیز ہے جس سے کافروں کو صلہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے اور ایمان کی دعوت کو مسترد کرنے کے نتیجہ میں ان سے قتل اور جہاد کرنا اور چیز ہے۔

کفار کے استغفار کی متعدد تفاسیر

کفار پر عذاب نازل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں ابو مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اہل مکہ میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا جب کہ ان اہل مکہ میں مسلمان بھی موجود ہیں جو استغفار کرتے ہیں۔ ابن ابی زبئی نے کہا جب تک کہ میں مسلمان ہیں جو استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا اور جب مسلمان مکہ سے چلے گئے تو فرمایا اللہ ان پر عذاب کیوں نہ نازل کرے حالانکہ یہ مشرکین مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ ابو موسیٰ نے کہا تمہارے لیے دو امانیں تھیں۔ ایک نبی ﷺ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب نازل کرے حالانکہ آپ ان میں موجود ہیں اور نبی ﷺ کے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد یہ اہل تواب نہیں رہی اور دوسری امان قیامت تک کے لیے ہے اور وہ اللہ سے استغفار کرنا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۳) اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے:

قلوہ نے بیان کیا ہے کہ اہل مکہ استغفار نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ استغفار کرتے تو ان کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ مگر وہ نے اس کی تفسیر میں کہا انہوں نے عذاب کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا اور نہ اس وقت ان پر عذاب نازل کرے گا جبکہ وہ اسلام میں داخل ہو رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت عذاب نہیں دیتا جب اس کے نبی اس قوم میں موجود ہوں وہ اپنے نبیوں کو ان کے درمیان سے نکل لاتا ہے پھر ان پر عذاب نازل فرماتا ہے اور جو ان میں سے پہلے ایمان لائے ہوں ان پر بھی عذاب نازل نہیں فرماتا اور مجاہد نے کہا جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں تو ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔

امام ابن جریر نے کہا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں حتیٰ کہ اللہ آپ کو ان کے درمیان سے باہر لے آئے کیونکہ وہ کسی بستی کو اس وقت ہلاک نہیں کرتا جب ان میں ان کا نبی موجود ہو۔ اور نہ اللہ اس وقت ان پر عذاب نازل فرماتا ہے جب وہ اپنے کفر اور گناہوں پر استغفار کر

رہے ہوں۔ لیکن وہ اپنے کفر سے توبہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں پھر فرمایا اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں اور اس کے متولی تو متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ سے نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد ان کو میدان بدر میں نکوار کے عذاب سے دو چار کیا۔ بعض علماء نے کہا یہ دوسری آیت پہلی آیت کے لیے مدح ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں خبر دی گئی ہے اور فتح خبر میں نہیں امر اور غمی میں واقع ہوتا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے مسجد حرام کے دل تو صرف متقی مسلمان ہیں یعنی جو مسلمان اللہ کے فرائض کو ادا کرتے ہیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۶۶-۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ بیٹھیں اور تالیاں بجاتے تھے سو اب عذاب کو چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے ○ (الانفال: ۳۵) مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں پرندہ جو سیٹی بجانے کی آواز لگاتا ہے اس کو مکاء کہتے ہیں۔ اس میں اس پر متنب کرنا ہے کہ ان کا سیٹی بجانا قلت خفاء میں پرندوں کی سیٹیوں کے قائم مقام ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۷۰ مطبوعہ مکہ مکرمہ) صدی کا معنی ہے گونج دار آواز جو مثلاً کسی پہاڑ یا گنبد سے ٹکرا کر آتی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۶ مطبوعہ مکہ مکرمہ) علامہ محمود بن عمر مفسر متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

المکاء ایک پرندہ ہے جو بہ کثرت بیٹھیں بجاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو مکاء کہتے ہیں اور قصہ یہ کہ معنی ہے تالی بجانا۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۱۸ مطبوعہ امیر ان)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قریش بیت اللہ میں برہنہ طواف کرتے تھے اور بیٹھیں بجاتے تھے۔ مجاہد نے کہا وہ نبی ﷺ کے طواف کرتے وقت معارضہ کرتے تھے آپ کے طواف اور آپ کی نماز میں خلل ڈالنے کے لیے بیٹھیں بجاتے تھے۔ مقاتل نے کہا جب نبی ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو وہ آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو کر بیٹھیں بجاتے تاکہ آپ کی نماز میں التباس اور اشتباہ پیدا کریں۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ابن کاسیٹھیں اور تالیاں بجانا ان کی عبادت تھی۔ اور مجاہد اور مقاتل کے قول پر وہ نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے کے لیے ایسا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس کا قول زیادہ قریب بہ صحت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان افعال کو ان کی نماز قرار دیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

جاہل صوفیاء کے رقص و سرود پر علامہ قرطبی کا تبصرہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے بیٹھیں بجانے اور تالیاں پیٹنے کی جو خدمت کی ہے اس میں ابن جاہل صوفیاء کا رد ہے جو رقص کرتے ہیں تالیاں پیٹتے ہیں اور بے ہوش ہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سواب عذاب کو چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔ اس عذاب سے مراد نکوار کا عذاب ہے جو ان کو جنگ بدر کے دن پہنچا اور

یا ان سے یہ قول آخرت میں کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، وہ عنقریب اور بھی خرچ کریں گے پھر یہ ان کے لیے باعثِ پشیمانی ہو گا پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ○ تاکہ اللہ غیث کو طیب سے الگ کر دے اور سب خبیثوں کو اوپر سے رکھے پھر ان سب کا ڈھیر بنادے پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی بدنی عبادات کا حل بیان فرمایا کہ ان کی بدنی عبادت بیشیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہے۔ اور اب ان آیتوں میں ان کی مالی عبادت کا حل بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے یہ مال خرچ کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک ان کی مالی عبادت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اپنا مال مشرکین کو دیتے ہیں تاکہ وہ اس مال کے ذریعے قوت حاصل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا یہ مال خرچ کرنا عنقریب ان کے لیے ندامت کا سبب ہو گا۔ کیونکہ ان کے اموال خرچ ہو جائیں گے اور ان کی تمنا پوری نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور کلمتہ الکفر کو کلمتہ اللہ پر غالب کر دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ کو بلند کرتا ہے اور کلمتہ الکفر کو پست کرتا ہے۔ پھر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے والوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا اور ان کو عذاب دے گا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ زندہ رہنے والوں اور مرنے والوں کے انجام پر اور اپنے انجام پر حسرت اور ندامت ہو گی۔ کیونکہ جو کافران کے ساتھ زندہ رہے ان کا مل اس جنگ میں ضائع ہو گیا اور وہ غمزدہ اور شکست خوردہ لوٹے اور جو ہلاک ہو گئے وہ قتل کیے گئے اور ان کے ہتھیار، سواری اور لباس اتار کر مجاہدین کو دے دیے گئے اور ان کو بہ عظمت دائمی عذاب اور آگ میں ڈال دیا گیا اور جس شخص نے اس قسم میں مال خرچ کرنے کا انتظام کیا تھا وہ حسبِ ذیل روایات کے مطابق ابوسفیان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الحکم بن حنیہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے جنگ احد میں مشرکین کے اوپر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا اور ایک اوقیہ اس وقت ۲۲ حنظل کا تھا۔

محمد بن یحییٰ، عاصم بن عمر اور الحسین بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے کفار پر غلبہ حاصل کر لیا اور کفار شکست خوردہ ہو کر مکہ لوٹے اور ابوسفیان بھی اپنے قافلہ کو لے کر مکہ پہنچ گیا۔ تو عبد اللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ چند قریش کے ساتھ لے کر ان لوگوں کے پاس تعزیت کے لیے گئے جن کے باپ، بھائی اور بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور قافلہ کے دیگر تاجروں سے کہا کہ (سیدنا محمد ﷺ) نے تمہیں شکست سے دو چار کیا اور تمہارے بہترین جنگ جوؤں کو قتل کر دیا اب تم ان کے خلاف جنگ میں اس مال سے ہماری مدد کرو۔ ہو سکتا ہے کہ دوسری بار جنگ میں ہم اس شکست کی عطا کریں تو تمام کفار تاجر اس تجویز پر راضی ہو گئے۔ امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ مشرکین مسلمانوں پر حملہ کرنے اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں بتایا کہ وہ ابوسفیان ہے یا کوئی اور، بلکہ بالعموم کفار کے مال خرچ کرنے کی خبر دی ہے۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کس جنگ میں مال خرچ کر رہے تھے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے معرکہ بدر میں مال خرچ کرنے والے کافر مراد

نبیان القرآن



ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد جنگ احد میں مال خرچ کرنے والے کافر مراد ہوں۔

(جامع البیان ۷: ۴۲۲-۴۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا تاکہ اللہ غیث کو طیب سے الگ کر دے اور سب غیثوں کو اوپر رکھے رکھے پھر ان سب کا ذمہ بنادے پھر اس (ذمہ) کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (الانفال: ۳۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مؤمنین کے درمیان فرق کا ذکر فرمایا ہے اور کفار کو غیث فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کو طیب فرمایا ہے۔ یہ ان کے درمیان دنیا میں فرق ہے اور آخرت میں فرق یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کفار کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

**قُلْ لِلدِّينِ كَفْرٌ وَإِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوهُمْ**

آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور

اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو اس معاملہ میں پہلوں کی سنت گزر چکی ہے ○ اور ان کے خلاف جنگ کرتے

حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ط فَإِذَا

رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (امت) کے لیے ہو جائے پس اگر وہ

انْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فاعْلَمُوا

باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے ○ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ط نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۴۰﴾

اللہ تمہارا کارساز ہے ، وہ کیا اچھا کارساز اور کیا اچھا مددگار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے

جائیں گے اور اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو اس معاملہ میں پہلوں کی سنت گزر چکی ہے ○ (الانفال: ۳۸)

سابقہ آیات سے ارتباط اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی ملامتیں اور بدنی عبادتیں بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان کو اسلام

لانے کی دعوت دی ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے نبی کریم! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے

اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا اور اگر

ان مشرکوں نے پھر آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تو اسی طرح آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی



تھی اور مشرکین کو فکست اور رسوائی سے دوچار کیا تھا وہ پھر ایسا ہی کرے گا کیونکہ اس معاملہ میں اللہ کی سنت پہلوں میں جنگ بدر میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح پچھلی امتوں کے کافروں نے جب اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان رسولوں کی نصیحت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عبرت ناک عذاب سے دوچار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَتَبَ اللَّهُ لَا غُزْبَيْنَ أَنَا وَرُسُلِي

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً ضرور یہ ضرور غلبہ مجھے ہو گا اور

(المجادلہ: ۳۱) میرے رسولوں کو ہو گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء: ۱۰۵)

اور بے شک ہم نے صحیفہ کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ

زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

ایمان لانے سے سابقہ گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر کافر کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا هُمْ يَكْفُرُونَ الْفَسَّ الْيَسَّى حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَرْتُئُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ تَضَعُفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَوَّنًا ۝ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الفرقان: ۷۸-۸۰)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش

نہیں کرتے اور اس شخص کو قتل نہیں کرتے جس کے قتل

کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو

ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ۝ قیامت کے دن اس کو دو گنا عذاب

دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ اُلٹ سے رہے گا ۝

البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کیے تو اللہ

ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے

والا ہے حد درجہ فرماتے والا ہے ۝

اور کفر کے ترک کرنے اور ایمان لانے سے گناہوں کے مٹ جانے کے متعلق امام مسلم نے ایک طویل حدیث روایت کی

ہے:

ابن شہر مہری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص کے پاس گئے وہ اس وقت قریب الرگ تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے پھر انہوں نے دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ ان کے بیٹے نے کہا اے اباجن کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی حضرت عمرو بن العاص نے ان کی طرف منہ کر کے فرمایا ہمارے نزدیک سب سے افضل عبادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے۔ اور میری زندگی میں تین دور گزرے ہیں ایک وہ دور تھا کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی مغفوض نہیں تھا اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ تھی کہ میں آپ پر قدرت پاتا اور آپ کو قتل کر دیتا۔ اگر میں اس دور میں مرجاتا تو میں بلاشبہ اہل دوزخ میں سے ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا اپنے ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں آپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ نے پوچھا اے عمرو کیا ہوا؟ میں نے کہا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے کیے

تبیان القرآن

جلد چہارم

ہوئے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ تھا۔ اور آپ کے جلال کی وجہ سے میں یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکوں اور اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرنا کہ میں آپ کا علیہ بیان کروں تو میں اس پر قادر نہ تھا کیونکہ میں نے آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ اور اگر میں اس دور میں مر جاتا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا۔ پھر ہمیں چند مناصب پر فائز کیا گیا اور میں نہیں جانتا کہ ان میں میرا کیا حال ہے۔ پس اگر میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ ہو نہ آگ ہو اور جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر مٹی چھڑک دنا اور پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم لا یمن: ۱۸۲، (۳۱) ۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۴۵۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اسلام بھرت اور حج پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ اور حدیث کے الفاظ کے عموم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان اعمال سے حقوق شرعیہ اور حقوق آدمیہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ لہذا کافر حربی جب مسلمان ہو جائے تو اس سے کسی حق کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا خواہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کا مال غصب کیا ہو۔

(المفہم ج ۱، ص ۳۲۹، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۳۱ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا زمانہ جاہلیت کے اعمال کا ہم سے مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا تم میں سے جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے برے عمل کیے اس سے جاہلیت اور اسلام کے اعمال کا مواخذہ کیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے اس سے اول اور آخر کا مواخذہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۱، صحیح مسلم لا یمن: ۱۸۹، (۱۴۰) ۳۱۱، مسند احمد ج ۱، ص ۳۶۲، ۳۷۹)

علامہ ابو العباس القرطبی المالکی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا دین اسلام میں دخول صحیح ہو۔ وہ اسلام میں اخلاص سے داخل ہو اور تاحیات اسلام پر قائم رہے۔ مرتد نہ ہو اور اس حدیث میں اسماۃ کفر اور فحشاء کے مقابلہ میں ہے۔ اور اس حدیث میں اسماۃ سے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا ارادہ کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے یہ لازم آئے گا اسلام اسی شخص کے سابقہ گناہوں کو مٹائے گا جس نے اسلام لانے کے بعد تاحیات کوئی گناہ نہ کیا ہو اور یہ قطعاً باطل ہے۔ قرآن مجید حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے۔ اور مواخذہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں جو گناہ کیے ہیں ان پر سزا ہوگی اور یہ مواخذہ اس شخص سے ہو گا جو فحشاء سے اسلام میں داخل ہوا ہو یا اسلام کے بعد مرتد ہو گیا ہو۔ (المفہم ج ۱، ص ۳۲۷، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں احسان اور نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے اسلام میں داخل ہوا ہو اور یہ کہ وہ حقیقی مسلمان ہو تو اس کے سابقہ گناہ قرآن مجید کے نصوص صریح حدیث صحیح اور اجماع سے معاف کر دیے جائیں گے اور برے عمل اور اسماۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے اسلام میں داخل نہ ہو بلکہ وہ صرف یہ ظاہر کلمہ شہادت پڑھے اور

دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ پس ایسا شخص منافق ہے اور وہ اپنے کفر پر باقی ہے۔ لہذا اس سے صورت اسلام کے اظہار سے پہلے اور اس کے بعد کے تمام گناہوں پر مواخذہ ہو گا اور اس کو سزا ملے گی کیونکہ وہ اپنے کفر پر دوام اور استمرار کے ساتھ قائم ہے۔

(شرح النوادی مع المسلم، ج ۱، ص ۸۱۰، مطبوعہ مکتبہ نزار الصطیفی مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

کافر کے سابقہ گناہوں کے بخشے میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم

اللہ تعالیٰ کافر کے جو پچھلے تمام گناہ بخش دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا لطف و کرم ہے۔ کیونکہ کفار انواع و اقسام کے کفر اور جرائم، فواحش و منکرات اور معاصی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اگر ان کے سابقہ گناہوں پر مواخذہ کیا جاتا تو وہ توبہ سے ان گناہوں کی تلافی کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مغفرت کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قبول توبہ کو آسان کر دیا اور اسلام کے بعد ان کے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا تاکہ ان کا دین اسلام میں داخل ہونا آسان ہو جائے اور اگر ان کو یہ معلوم ہو تاکہ ان کے پچھلے گناہوں پر ضرور مواخذہ ہو گا تو وہ توبہ کرتے نہ اسلام لاتے۔ کیونکہ انسان کو جب معلوم ہو کہ اس کو اس کے جرائم کی معافی نہیں مل سکتی تو پھر وہ بغاوت پر اتر آتا ہے اور کھل کر جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص نے نالوے قتل کیے۔ اس نے پوچھا روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو ایک راہب (عیسائیوں کا پیر) کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی وہ گیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے نالوے قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا اور ایک سینکڑہ پورا کر دیا۔ اس نے پھر پوچھا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو ایک عالم کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ توبہ اور اس کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ تم فلاں فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا اور اپنے علاقہ کی طرف لوٹ کر نہ جانا وہ بری جگہ ہے۔ وہ وہاں سے چل پڑا۔ ابھی آدھے راستے پر پہنچا تھا کہ اس کو موت نے آیا۔ پھر اس کے متعلق رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان مباحثہ ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی نیک عمل بالکل نہیں کیا۔ تب ان کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم (منصف) بنالیا۔ اس نے کہا ان دونوں زمینوں کے درمیان پیمائش کرو جس زمین کے وہ زیادہ قریب ہو اس کو اسی کے ساتھ لاحق کر دو۔ انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا۔ تب اس کو رحمت کے فرشتوں نے لے لیا۔

امام مسلم کی دوسری سند کے ساتھ جو روایت ہے (۶۸۷۷) اس میں ہے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو حکم دیا کہ تو دور ہو جا (یعنی اس کے علاقہ کی زمین) اور اس زمین (جہاں نیک لوگ رہتے تھے) کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۷۰، صحیح مسلم التوبہ ۶۸۷۷ (۲۷۶۶) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۶۲۲)

زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

ذیہ تفسیر آیت میں فرمایا ہے کہ اگر کافر کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور زندیق بھی کافر ہے سو اگر وہ اپنی زندگی سے باز آجائے تو اس کے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ زندیق کی توبہ مقبول ہے جیسا کہ اس ظاہر آیت کا تقاضا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی توبہ مقبول نہیں

ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کو غفلت رکھتا ہے اور اس کی توبہ پر اطمینان نہیں ہے۔ ہم اس بحث میں پہلے زندگی کا معنی بیان کریں گے پھر زندگی اور دہری وغیرہ کا فرق بیان کریں گے پھر فقہاء کا اختلاف ذکر کریں گے اور آخر میں یہ بتائیں گی کہ اس کی توبہ قبول نہ ہونے کا کیا عمل ہے۔

زندقی کا معنی اور مفہوم

علامہ محمد طاہر ہندی متوفی ۱۰۷۸ھ علامہ فیسی متوفی ۱۲۳۳ھ سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

زندقہ مجوس کی ایک قوم ہے جس کو تنوہ بھی کہتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نور مبداء خیرات ہے اور ظلمت مبداء شرور ہے۔ پھر اس لفظ کو ہر طہ فی الدین کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اور یہاں اس سے مراد وہ قوم ہے جو اسلام سے مرتد ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ زندقہ سبائیہ کو کہتے ہیں جو عبد اللہ بن سبا کے اصحاب ہیں ان لوگوں نے طلب فتنہ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام کا انکار کیا۔ پہلے انہوں نے حضرت عثمان جوہی کے خلاف فتنہ پھیلایا پھر شیعوں سے مل کر ان کی جماعتوں میں گمراہ کیا حتیٰ کہ شیعوں نے حضرت علی جوہی کے معبود ہونے کا اعتقاد کیا حضرت علی نے ان سے توبہ طلب کی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ پھر حضرت علی جوہی نے ان کو ہجرت نامک سزا دینے کے لیے ان کو جلادیا۔ اور علامہ ابن الاثیر متوفی ۷۲۰ھ نے جامع الاصول کی شرح میں لکھا ہے کہ زندگی وہ شخص ہے جو کفر کو چھپاتا ہو اور اسلام کو ظاہر کرتا ہو جس طرح منافق ہیں یا یہ تنوہ کی ایک قوم ہے۔ (مجوس کی ایک قسم) یا وہ شخص ہے جس کا کوئی دین نہ ہو یا یہ وہ لوگ ہیں جن کو حضرت علی نے جلادیا تھا جو بتوں کی پرستش کرتے تھے یا رافضی ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۴۱-۳۴۲ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۴۱۵ھ)

زندقی 'منافق' دہری اور ملحد کی تعریفوں کا باہمی فرق

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن کمال پاشا نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے عربی زبان میں زندگی کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا ہے جو باری تعالیٰ کی نفی کرتا ہو اور جو شریک کو ثابت کرتا ہو اور جو اللہ کی حکمت کا انکار کرتا ہو اور مرتد اور زندگی کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ کبھی زندگی مرتد نہیں ہوتا جیسا کہ اصلی زندگی جو دین اسلام سے منحرف نہ ہوا ہو۔ اور کبھی مرتد زندگی نہیں ہوتا جیسے کوئی مسلمان مثلاً یہودی یا عیسائی ہو جائے (العیاذ باللہ) اور کبھی زندگی مرتد بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی مسلمان زندگی ہو جائے العیاذ باللہ۔ اور اصطلاح شرع میں فرق زیادہ ظاہر ہے کیونکہ شریعت میں زندگی اس کو کہتے ہیں جو کفر کو چھپائے اور ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرے لیکن یہ دوسری قید مسلمان زندگی کے اعتبار سے ہے اور زندگی 'منافق' دہری اور ملحد میں فرق یہ ہے کہ کفر کو چھپاتا تو ان سب میں مشترک ہے لیکن منافق ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا اور دہری اس کے ساتھ ساتھ حوادث کی اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کا بھی انکار کرتا ہے۔ (یعنی خدا کو نہیں مانتا) اور ملحد وہ شخص ہے جو شریعت مستقیمہ سے انحراف کر کے جہات کفر میں سے کسی جہت کی طرف مائل ہو اور جو شخص ملحد ہو اور دین سے انحراف کرے اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرے اور نہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے فاعل بخار ہونے کا اعتراف کرے۔ اس قید کے اعتبار سے ملحد دہری سے مغایر ہو گیا اور اس میں کفر کو چھپانے کی قید بھی نہیں ہے اس اعتبار سے وہ منافق سے مغایر اور الگ ہو گیا۔ اور نہ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہو اور اس اعتبار سے وہ مرتد سے ممتاز ہو گیا لہذا ملحد کی تعریف کفر کے تمام فرقوں کو شامل ہے اور اس کا مفہوم سب سے عام اور وسیع ہے۔ یہاں تک ابن کمال پاشا کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا۔

(علامہ شاہی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں لیکن زندیق اس اعتبار سے کہ وہ کبھی کافر اصلی ہوتا ہے اور کبھی مسلمان زندیق ہو جاتا ہے۔ اس کی تعریف میں نبوت کے اعتراف کی شرط نہیں ہے اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ زندیق کسی دین کا پابند نہیں ہوتا۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

زندقہ کی توبہ اور اس کو قتل کرنے کے شرعی احکام

علامہ عبد الواحد کمال ابن ہمام متوفی ۸۷۳ھ فرماتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ظاہر مذہب کے مطابق ساحر اور زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور زندیق وہ شخص ہے جو کسی دین کا پابند نہ ہو اور یہاں شخص جس کے باطن میں کفر ہو اور وہ اسلام کو ظاہر کرتا ہو وہ منافق ہے اور توبہ قبول نہ کرنے میں اس کا حکم بھی زندیق کی طرح ہے۔ زندیق کی توبہ اس لیے قبول نہیں کی جائے گی کہ وہ کسی دین کو بھی نہیں مانتا اور اپنے اس کفر کو مخفی رکھتا ہے اور اس کی زندیق کا علم اس طرح ہو گا کہ بعض لوگ اس پر مطلع ہو جائیں یا وہ خود اپنے کسی معتد علیہ کو بتائے۔ اس لیے اس کی توبہ پر اطمینان نہیں ہے۔ اور منافق بھی اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے اس لیے اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی اور حق یہ ہے کہ جس کو قتل کیا جائے گا اور جس کی توبہ قبول نہیں ہوگی وہ منافق ہے اور زندیق اگر عہد ہو اور وہ کسی دین کے نہ ماننے کو منافق کی طرح مخفی رکھتا ہو تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر بالفرض وہ اپنی زندیق کا اعتراف کرتا ہو اور پھر تائب ہو جائے تو پھر واجب ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے جیسا کہ باقی دیگر کفار کا حکم ہے جو اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور پھر توبہ کر لیتے ہیں تو ان کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو اپنے باطن میں بعض ضروریات دین مثلاً حرمت خمر (مگوری شراب) کی حرمت کا انکار کرتا ہو اور یہ ظاہر اس کی حرمت کا اعتراف کرتا ہو۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحسینی المتوفی ۸۷۸ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں مذکور ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو ظاہر الذہب قرار دیا ہے، لیکن خانیہ کی بحث ظہر و اباحت میں مذکور ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اگر ساحر یا اس زندیق کو توبہ سے پہلے گرفتار کر لیا جائے جو مشہور ہو اور اپنے مذہب کا داعی ہو پھر گرفتاری کے بعد وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر توبہ کرنے کے بعد اس کو گرفتار کیا جائے تو پھر اس کی توبہ قبول کی جائے گی (میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ہمام نے اس زندیق کی توبہ قبول نہ کرنے کے متعلق لکھا ہے جو اپنی زندیق کو مخفی رکھے لیکن جو اپنی زندیق کا اعلان کرے اور اس کی دعوت دے اس کا انہوں نے عام کافروں کی طرح حکم بیان کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(رد مختار علی رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ بیروت)

زندقہ کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کے الگ الگ محمل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہ نے نجیس میں لکھا ہے اگر زندیق اپنی زندیق میں معصوف نہ ہو اور نہ اپنی زندیق کی دعوت دیتا ہو تو اگر وہ زندیق مشرکین عرب سے ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ نجی ہو تو اس کو اس کے شرک پر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہو اور پھر زندیق بنا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ مرتد ہے اور اگر وہ ذمی ہو اور پھر زندیق بنا ہو تو اس کو اس کے حل پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے اور اگر زندیق اپنی زندیق میں معصوف ہو اور اپنی زندیق کی دعوت دیتا ہو تو اگر

وہ گرفتار ہونے سے پہلے اپنے اختیار سے توبہ کرے اور اپنی زندگی سے رجوع کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ واضح رہے کہ فقہاء نے جو کہا ہے کہ ساحریا زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے کے معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس کا بھی یہی محمل ہے کہ سب و شتم کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ زندیق کی توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں جو اختلاف ہے وہ دنیا کے اعتبار سے ہے باقی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ بلا تعلق قبول کر لی جائے گی۔

(رد المحتار ج ۳، ص ۲۹۶، مطبوعہ بیروت)

زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر امام رازی کے دلائل اور تحقیق مقام  
امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۷۴۰ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ زندیق کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کی دو دلیلیں ہیں پہلی دلیل سورۃ الانفال کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گنہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (الانفال: ۳۸) یہ آیت کفر کی تمام انواع کو شامل ہے اور اس میں زندیق بھی داخل ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زندیق کے حال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے واقعی زندیق سے توبہ کر لی ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ظاہر پر جاتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں“ اور جب اس نے زندیق سے توبہ کر لی تو اس کی توبہ کو قبول کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زندیق زندیق سے رجوع کرنے کا مکلف ہے اور اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ توبہ کرے اور اگر اس کی توبہ قبول نہ کی جائے تو لازم آئے گا کہ اس کو ایسی چیز کا مکلف کیا جائے جو اس کی طاقت میں نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ (الشوری: ۲۵)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے زندیق کی جس توبہ کے قبول کرنے پر دلائل دیے ہیں یہ اللہ کے نزدیک توبہ ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ اور اس توبہ کے متعلق فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ توبہ قبول ہوگی۔ فقہاء کا اختلاف اس میں ہے کہ زندیق توبہ کر لے تو آیا اس کو قتل کرنے کا حکم ساقط ہو گیا نہیں اور دنیا میں اس کی یہ توبہ مفید ہوگی یا نہیں؟ اور زندیق کی توبہ کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے ان کی یہی مراد ہے اور آخرت میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم علامہ شاہی کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا کلمہ ساز ہے وہ کیسا اچھا کار ساز اور کیسا اچھا مددگار ہے۔ (الانفال: ۳۹-۴۰)



## فتنہ کا معنی

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اگر یہ کفار اپنے کفر سے باز آ گئے تو ان کی بخشش کر دی جائے گی اور اگر انہوں نے دوبارہ وہی بدش اختیار کی تو جس طرح پھیلی امتوں کو سزا دی گئی تھی ان کو بھی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کفار باز نہیں آتے تو وہ ان سے قتل کریں حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کفار سے قتل کرو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے۔ فتنہ کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن 'قلوہ اور سدی سے مروی ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ اور پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام کی وجہ سے تنگ نہ کیا جائے اور شرک اور بت پرستی کی تبلیغ نہ کر دی جائے۔

عمروہ بن زبیر نے بیان کیا ہے کہ دعوت اسلام کی ابتداء میں مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا تب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دو مراعات یہ تھیں کہ جب مکہ کی گھاٹیوں میں انصار نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کی تو قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں ایذا دینی شروع کی اور یہ دو مراعات تھیں۔ پھر ہجرت کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفار کے خلاف قتل کریں تاکہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور وہ اسلام لانے کی بناء پر مسلمانوں کو تنگ نہ کر سکیں۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۳۲۹-۳۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

صرف جزیرہ عرب سے کفر کا غلبہ ختم کرنا مقصود ہے یا پوری دنیا سے

"اور پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے" امام رازی نے لکھا ہے کہ کہہ لو اس کے گرد و نواح میں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے۔ اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کافروں سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ تمام دنیا میں شرک نہ رہے اور تمام شروں میں اسلام قائم ہو جائے۔ ہماری رائے میں اس آیت کا صحیح معنی یہ ہے کہ جب تک دنیا میں کفر کا زور اور شرک کا غلبہ ہے کافروں سے جنگ کرتے رہو۔ اور مسلمان اپنے آپ کو ہر وقت جہاد میں سمجھیں اور ایسے اسباب اور وسائل کے حصول میں کوشش رہیں جس سے وہ پوری دنیا سے شرک کا قلع قمع کر سکیں اور کافروں کے جن جن علاقوں کو فتح کریں وہیں تبلیغ کر کے کافروں کو مسلمان بنائیں تاکہ ان کی عددی قوت میں اضافہ ہو اور ہر دور میں جنگی ہتھیاروں کی جو تازہ ایجادات ہوں ان کو حاصل کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم میں ترقی کریں۔ اس دور میں مسلمانوں کی پس ماندگی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تبلیغ اسلام نہیں کی۔ مغلوں نے ہندوستان پر کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن وہ اپنی حکومت کے استحکام میں لگے رہے اور اسلام کی تبلیغ سے غافل رہے۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے لیکن مفتوحہ علاقوں میں تبلیغ اسلام کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جدید سائنسی علوم کے حصول میں کوئی قائل ذکر کوشش نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ پوری دنیا سے کفر اور شرک کا غلبہ ختم کیا جائے اور توحید اور اسلام کا پوری دنیا میں غلبہ ہو اور جب مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو وہ دنیا میں مغلوب اور محکوم ہو گئے، بعض علاقے انہوں نے جہلو کے ذریعے فتح ضرور کیے لیکن وہ بیکون الدین کسلہ لسلہ پر عمل نہیں کیا اور کافروں کو مسلمان کرنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی چنانچہ وہ علاقے بھی ان کے ہاتھ سے جاتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا پس اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا کار ساز ہے۔ یعنی اگر کفار توبہ نہ کریں اور ایمان نہ لائیں تو تم ان کی پروا نہ کرو اللہ تمہارا امولیٰ ہے وہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تم سے مصیبتوں کو دور کرے گا۔ وہ کیا اچھا کار ساز اور کیا اچھا مددگار ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ

اور (لئے سناؤ!) یاد رکھو: تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بیس اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے

لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ

اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قربت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسازروں

السَّبِيلِ ۚ إِن كُنْتُمْ أَمْنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا

کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (چیز) پر جو اللہ نے اپنے (مکرم) بندے پر

يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَعْنِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

فیصلہ کے دن تازل کی جس دن دو لشکر مقابل ہوئے اور اللہ ہر چیز پر

قَدِيرٌ ۚ إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوَّةِ الْقُصْوَىٰ

قادر ہے ۝ جب تم (وادی بدر کے) قریبی گناہے پر تھے اور وہ دور والے گناہے پر تھے

وَالرَّكْبُ اسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خُتْلَفْتُمْ فِي

اور (جھگڑائی) قافلہ تم سے چلی جانب تھا، اور اگر تم مقابلہ کا وقت مقرر کرتے تو پہنچنے کے وقت میں

الْبَيْعِ ۚ وَلَكِنْ لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّبَهْلِكِ

مزد مختلف ہر جاتے، لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا کرے جو (اللہ کے نزدیک) کیا ہوا تھا، تاکہ جو ہلاک

مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ خِيَ عَنْ بَيِّنَةٍ ۚ وَإِنْ

ہر وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے، اور بے شک

اللَّهُ لَسَبِيحٌ عَلَيْهِ ۚ إِذْ يُرِيكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَ

اللہ بہت سنے والا ہے (اور یاد دہی) جب اللہ آپ کو خواب میں کافروں کو کم تعداد میں دکھا رہا تھا اور

لَوْ أَرَاكُمْ كَثِيرًا أَفْشَلْتُمْ وَلَتَنْزَعَنَّ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ

اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (لئے سناؤ!) تم ضرور بہت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے تم کو

سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذْ

اس سے (سلاست رکھا) ہے شک نہ وہ درون سینہ امر کو بخوبی جانتے والا ہے ۝ اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تم

التَّقِيَّتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضَىٰ

کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) ان کو کم دکھائی تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے

اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

جو اس کے نزدیک کیا ہوا ہے ، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹاٹے جاتے ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مل غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مل غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (چیز) پر جو اللہ نے اپنے (حکم) بندے پر فیصلہ کے دن نازل کی جس دن دو لشکر مقابل ہوئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ (الانفال: ۳۱)

رابطہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور جہاد میں جب مسلمان فتح یاب ہو جائیں تو میدان جنگ میں کفار کا جو مل اسباب اور ہتھیار وغیرہ ہاتھ آئیں وہ مل غنیمت ہے۔ سواب جہاد کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ مل غنیمت کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ مل غنیمت کے ساتھ نفل اور فتنے کا حکم بھی متصل ہے۔ ہم مل غنیمت سے نفل اور فتنے کا حکم بیان کریں گے تاکہ شرح صبیح کے ساتھ مل غنیمت کی تعریف اور اس کے احکام اور ان میں مذہب معلوم ہو سکیں۔ نفل کی تفصیل اگرچہ پہلے گزر چکی ہے لیکن ہم رابطہ مضمون کی خاطر اس کا دوبارہ اعلاہ کر رہے ہیں۔

نفل، تفصیل اور سلب کی مختصر تشریح

نفل کا لغوی معنی ہے زیادتی اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے امام بعض مجاہدین کو جہاد پر براہِ گتہ کرنے کے لیے ان کے حصہ سے زائد کوئی چیز عطا کرے۔

تفصیل کا معنی یہ ہے کہ امام بعض مجاہدین کی کسی زائد چیز کے ساتھ تخصیص کر دے۔ مثلاً امام کے کہ جس نے فلاں چیز حاصل کر لی تو اس کا چوتھائی یا تہائی حصہ اس کو ملے گا۔ یا کہ جس نے فلاں چیز قبضہ کر لیا وہ چیز اس کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی قتل (کافر) کو قتل کیا اس کا سلب (اس کا سلبان) اسی کا ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۸۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

اور سلب میں مقتول کے کپڑے اس کے ہتھیار اس کی سواری اور سواری کے آلات داخل ہیں۔

فتنے کا معنی

فتنے کا لغوی معنی ہے لوٹنا اور اصطلاح شرع میں فتنے اس چیز کا نام ہے جس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں اور لوٹنوں کو نہ دوڑایا ہو۔ مثلاً وہ اموال جو امام المسلمین کی خدمت میں ارسال کیے جلتے ہوں یا وہ اموال جو اہل حرب سے

معاہدہ کی بناء پر لے گئے ہوں۔ اموال نے میں غنیمت نہیں ہوتا کیونکہ غنیمت غنیمت نہیں ہے۔ اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے بہ طور قہر اور غلبہ لیا جائے۔ اور مال نے بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ اس میں آپ اپنی مرضی سے تصرف فرماتے تھے خواہ اس مال کو آپ اپنے اوپر خرچ فرمائیں یا اپنے اہل و عیال پر یا جن پر آپ چاہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْحَفْتُمْ عَلَيْكُمْ حَيْلُ وَلَا يَكُ لِلَّهِ بِسُلْطَانُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ تَشَاءُ (الحشر: ۵)

اور جو مال اللہ نے ان سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹا وہ تم پر نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو از قبیل فے عطا فرمائے تھے۔ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے۔ آپ ان اموال سے اپنے اہل کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور باقی اموال کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۵۳۳ صحیح مسلم الجلد ۲۸ (۱۵۷۷) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۶۹ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۷)

رسول اللہ ﷺ اور بعد کے ائمہ مسلمین میں فرق یہ ہے کہ اہل حرب کی طرف سے جو مال ائمہ مسلمین کو بھیجا جائے گا وہ عامۃ المسلمین پر خرچ کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی کفار پر ہیبت تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا وہ مال کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے اور ائمہ کی ہیبت مسلمانوں کی وجہ سے ہے لہذا اس مال میں ائمہ کے ساتھ عام مسلمان بھی شریک ہیں۔

مال غنیمت کی تعریف

مال غنیمت اس مال کا نام ہے جو اہل حرب سے قہر اور غلبہ سے حاصل کیا جائے اور یہ قہر اور غلبہ فوج کے ذریعہ حاصل ہو گا۔ اور فوج یا حقیقتاً ہوگی یا حکماً اور حکماً فوج کا معنی ہے امام کا اذن۔ اور امام شافعی کے نزدیک اہل حرب سے غلبہ کے ساتھ جو مال جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ غنیمت ہے اور وہ فوج یا امام کے اذن کی شرط نہیں لگاتے۔ مال غنیمت کے چار حصے امیر لشکر، لشکر اسلام میں تقسیم کرے گا سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ اور پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۹ ص ۴۷۳-۴۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء شافعیہ کا موقف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اور اس خمس کی تقسیم کی کیفیت من مشہور قول یہ ہے کہ اس خمس کے پھر پانچ حصص کیے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے جو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے ہیں نہ کہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل سے۔ کیونکہ حضرت عثمان اور حضرت جیر بن مطعم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یہ آپ کے بھائی بنو ہاشم ہیں ان کی نفسیات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ ان کی نسل سے ہیں۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ نے ہمارے بھائیوں میں سے بنو عبد المطلب کو عطا فرمایا اور ہم کو محروم کر دیا حالانکہ ہم اور وہ بہ منزلہ واحد ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جاہلیت اور اسلام میں مجھ

سے بالکل الگ نہیں ہوئے اور صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔  
(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۹۸۰)

اور بقیہ تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک خمس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گا اور اس کو مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے گا جہاں اس حصہ کو رسول اللہ ﷺ خرچ کرتے تھے، مثلاً بچاؤں کے لیے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری کے لیے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر اس کی تقسیم ان میں اس طرح ہوگی کہ مردوں کو دو حصے ملیں گے اور عورتوں کو ایک حصہ ملے گا۔ اور خمس کے باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ (تفسیر کبرج ۵، ص ۲۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۵ھ)

**خمس کی تقسیم میں فقہاء حنبلیہ کا موقف**

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی حنفی ۳۳۰ھ لکھتے ہیں:

خمس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے، ایک حصہ یتیموں کا ہے، ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: تم جتنا بھی مل غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مل غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ (الانفال: ۴۱) اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بل پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو مل تم پر لوٹایا ہے اس میں سے اس بل کے برابر بھی میرے لیے جائز نہیں ہے سوا خمس کے اور وہ بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۴۳۹، ۳۴۴۰) نبی ﷺ نے خمس کو تمام مسلمانوں کے لیے قرار دیا اور تمام مسلمانوں کے لیے خمس کو صرف کرنے کا یہی معنی ہے کہ اس کو ان کے مصالح میں صرف کیا جائے، ان کی سرحدوں کی حفاظت پر اور گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری پر اس بل کو خرچ کیا جائے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ انتظامیہ کے ساتھ مختص ہے اور دوسری روایت ہے کہ گھوڑوں اور ہتھیاروں پر اس رقم کو خرچ کیا جائے۔

خمس کا دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں پر خرچ کیا جائے اور آپ کے قرابت دار بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں کیونکہ حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ نے خمس کو بنو ہاشم اور بنو المطلب میں تقسیم فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے بھائیوں میں سے بنو المطلب میں خمس کو تقسیم فرمایا اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا حالانکہ آپ سے ان کی قرابت اور طاری قرابت واحد ہے۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں، حضرت جابر نے کہا نبی ﷺ نے اس خمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو بالکل عطا نہیں فرمایا جیسا کہ آپ نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کے درمیان خمس کو تقسیم فرمایا تھا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کے مطابق خمس کو تقسیم فرماتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ اپنے قرابت داروں کو جو عطا فرماتے تھے حضرت ابو بکر ان کو وہ عطا نہیں کرتے تھے لیکن ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے قرابت داروں کو خمس میں سے عطا کرتے تھے۔ امام ابوداؤد کے علاوہ کسی نے یہ جملہ روایت نہیں کیا کہ حضرت ابو بکر حضور کے قرابت داروں کو نہیں دیتے تھے۔ الخ۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اضافہ زہری نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶)



مس ۲۳۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۷۸ اور ان کے درمیان ہر طریق عموم تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر فرمایا ہے: اور (آپ کے) قرابت داروں کے لیے (الاغلا: ۳۱) اور اس لیے کہ اس حق کا استحقاق قرابت کی وجہ سے ہے لہذا اس میں عموم ہو گا جس طرح میراث میں عموم ہوتا ہے۔ پس اس میں سے غنی اور فقیر اور مرد اور عورت سب کو دیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے فُس میں سے حضرت عباس کو عطا فرمایا تھا اور وہ غنی تھے اور آپ نے اپنی پھوپھی صفیہ کو عطا فرمایا تھا اور مردوں کو دو حصے اور عورتوں کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

جہاں تک قیہوں کے حصہ کا تعلق ہے تو یتیم اس کم سن بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا احتلام (بلوغت) کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا اور اس میں اس کے فقیر ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ غنی ہلال فنی بلباب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور مسکینوں کے حصہ میں مسکین سے وہ مراد ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسافروں کے حصہ میں بھی وہی مسافر مراد ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ (الکافی ج ۳، ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ) خمس کی تقسیم میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المالکی المعروف بابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہل غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے۔ اللہ کے حصہ کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اللہ کا حصہ اور رسول کا حصہ واحد ہے اور اللہ کے لیے ہے فرما کلام کے استخراج (تمہید) کے لیے ہے دنیا اور آخرت اور ساری مخلوق اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور دوسرا قول ابو العلیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس غنیمت کو لایا جاتا اس غنیمت کے چار حصے آپ لشکر اسلام میں تقسیم فرماتے پھر آپ بقیہ فُس میں سے ایک سطحی بھر کر اٹھا لیتے اور اس کو کعب کے لیے وقف کر دیتے پھر بقیہ فُس کو پانچ حصوں میں تقسیم فرماتے اس میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوتا ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ایک حصہ قیہوں کا ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶، ص ۵۴۳، رقم الحدیث: ۲۳۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور رسول کے حصہ کے متعلق بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ رسول کے حصہ کا ذکر استخراج کلام کے لیے ہے جس طرح اللہ کے حصہ کا ذکر ہے۔ اور فُس میں سے کوئی چیز اللہ کے لیے ہے نہ رسول کے لیے ہے اور فُس کے چار حصے کیے جائیں گے ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لیے اور ایک حصہ قیہوں کے لیے ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ فُس میں سے ایک حصہ رسول کے لیے ہے اور اس کی کیفیت میں چار قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کے قرابت داروں کو ہر طور دراثت ملے گا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کو ملے گا تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو گھوڑوں اور ہتھیاروں میں صرف کیا جائے گا چوتھا قول یہ ہے کہ اس کو عاتق المسلمین کے مصالح میں صرف کیا جائے گا۔

(احکام القرآن ج ۲، ص ۴۰۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی حیات میں فُس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے ایک حصہ نبی ﷺ کے لیے ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے ایک حصہ قیہوں کے لیے ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے



کے لیے ہے۔ جیسا کہ الانفال: ۴۱ میں تفصیل سے ہے۔ اس آیت کے شروع میں مذکور ہے: فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ۔ اس میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کی تعلیم کے لیے ہو جیسے بیت اللہ اور ماکہ اللہ میں اضافت تعلیم کے لیے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے حصہ میں اور فدی القربیٰ کے حصہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے علماء اختلاف رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ خلفاء راشدین کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ اب وہ مصالح المسلمین میں مشغول رہتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کی خصوصیت تھی جیسا کہ آپ کی زندگی میں معنی (مئل غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ جو چاہتے اپنے لیے جن لیے مٹا کر زہ یا ہڈی) اور تھے آپ کی خصوصیت تھی پھر آپ کے بعد معنی اور فدی میں کسی کی خصوصیت نہ تھی۔ اس لیے واجب ہے کہ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کی خصوصیت نہ ہو اس لیے آپ کے بعد آپ کا حصہ خلفاء راشدین کے لیے نہیں ہوگا۔

اور آپ کے قرابت داروں کے حصہ کے متعلق امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ اب بھی باقی ہے اور وہ اولاد بنو ہاشم کو ملے گا۔ اس میں فقیر اور غنی برابر ہیں اور ہمارے نزدیک بنو ہاشم کے اغنیاء کو فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ سے نہیں دیا جائے گا البتہ بنو ہاشم کے فقراء کو فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ سے دیا جائے گا اور ان کے لیے علیحدہ حصہ وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ فقراء کے حصے میں داخل ہیں بلکہ دوسرے فقراء پر مقدم ہیں۔ ہمارے نزدیک فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کے تین حصے کیے جائیں گے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ فقراء کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ (بدائع الصنائع ج ۹ ص ۵۰۰-۵۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الغنی المتوفی ۵۲۰ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء اور بعد راشدین نے فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کی اسی طرح تین حصے کیے تھے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اور ان کی اقتداء کرنا کافی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم کی جماعت اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے دھوون اور میل پکھیل کو پسند کیا ہے اور اس کے عوض میں تم کو فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کا پانچواں حصہ عطا کیا ہے اور عوض یعنی زکوٰۃ اغنیاء کے لیے جائز نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کا عوض یعنی فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ بنو ہاشم کے اغنیاء کے لیے جائز نہ ہو۔

(بدایہ الدین ص ۵۷۷-۵۷۸ مطبوعہ شرکت علیہ لبنان)

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن حام حنفی متوفی ۸۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف نے از کلبی از ابو صالح از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کے پانچ حصے کیے جاتے تھے اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ تھا اور رسول کے قرابت داروں کا ایک حصہ تھا اور یتیموں کا ایک حصہ تھا اور مسکینوں کا ایک حصہ تھا اور مسافروں کا ایک حصہ تھا۔ پھر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کے تین حصے کیے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں خلفاء راشدین کے اس فعل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اسی بناء پر امام ابو یوسف کی کلبی سے یہ روایت صحیح ہے۔ کیونکہ کلبی ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے ماسوا اس کے کہ وہ دوسرے راویوں کی موافقت کرے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو یوسف نے جو خلفاء راشدین کا فعل نقل کیا ہے کہ وہ فَمِنْهُمْ مَنْ جَاءَ بِهٖ کے تین حصے کرتے تھے اس کی تائید حسب ذیل

روایات سے ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق منہجی متوفی ۲۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بن محمد بن علی ابن النقیہ نے واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسہ (الانفال: ۴۱) کی تفسیر میں کہا اللہ کا ذکر بطور تمہید ہے دنیا اور آخرت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور خمس رسول کے لیے ہے اور ان کے قرابت داروں کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان دو حصوں میں اختلاف ہوا کسی نے کہا قرابت داروں کا حصہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ اور کسی نے کہا قرابت داروں کا حصہ خلیفہ کی قرابت کی وجہ سے ہے اور اصحاب محمد ﷺ کی رائے اس پر متفق ہو گئی کہ ان دو حصوں کو گھوڑوں میں اور فی سبیل اللہ جملہ میں خرچ کیا جائے اور یہ حضرت ابو بکر اور عمر کی خلافت میں تھا۔ (مصنف ج ۵ ص ۲۳۸ رقم الحدیث: ۴۳۸۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (المصنف ج ۶ ص ۵۸۱ رقم الحدیث: ۳۳۳۴۰ مطبوعہ بیروت) ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خمس کی تقسیم میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر عمل کیا۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۳۷ رقم الحدیث: ۴۳۷۹۹ مطبوعہ بیروت)

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حسن نے اس آیت (الانفال: ۴۱) کی تفسیر میں کہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اہل بیت کو کسی نے نہیں دیا حضرت عمر نے نہ کسی اور نے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ معاملہ امام المسلمین کی طرف منہوض ہے وہ اس کو فی سبیل اللہ اور فقراء میں جہاں اللہ کا ارادہ ہو وہاں خرچ کرے۔ (المصنف ج ۶ ص ۵۸۱ رقم الحدیث: ۳۳۳۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ) اس کے بعد فرمایا اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (کتب) پر جو اللہ نے فیصلہ کے دن نازل کی یعنی اہل غنیمت کا پانچواں حصہ اس تفصیل کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا مگر اے مسلمان اہل فکر تم اس خمس میں طمع نہ رکھو اور اہل غنیمت کے باقی جو چار حصے ہیں ان پر قناعت کرو۔

یوم الفرقان سے یوم بدر مراد ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں امتیاز کر دیا تھا اور یحییٰ بن عیسیٰ سے مراد مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کے دن اپنے معزز بندے یعنی نبی ﷺ پر جو چیز نازل کی اس سے مراد اس دن نازل ہونے والی آیات ہیں۔ اور وہ فرشتے جو مسلمانوں کے قدم جمانے کے لیے نازل ہوئے تھے اور دیگر نشانیاں مثلاً خاک کی مٹی کا ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ جاتا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کہ تم تم لو میں تھے اور تم کو بڑی تعداد والوں پر غالب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم (وادی بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور (تجارتی) قافلہ تم سے ٹکلی جانب تھا اور اگر تم مقابلہ کا وقت مقرر کرتے تو پہنچنے کے وقت میں ضرور مختلف ہو جاتے لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو (اللہ کے نزدیک) کیا ہوا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد جاننے والا ہے O (الانفال: ۴۲)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

العدوة الدنیا کا معنی ہے وادی کا ایک کنارہ جو مدینہ کے قریب تھا۔ العدوة القصویٰ کا معنی ہے وادی کی دوسری جانب جو مدینہ سے دور تھی۔ الרכب اسفل منکم کا معنی ہے تجارتی قافلہ وادی بدر کے نیچے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تھا۔ ولکس لبقضی اللہ امر اکان مفعولاً یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پہلے سے وقت مقرر کیے بغیر کفار کے

بالمقابل لاکھڑا کیا تاکہ جو کام اللہ کے علم میں ہو چکا ہے وہ واقع اور خارج میں بھی ہو جائے اور وہ کام اسلام کی سرپرستی اور کفر کی پستی ہے۔ لیہلک من ہلک عن بیۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب اور کفر کو مغلوب کر دکھایا تاکہ اب جو کفر کرے تو اللہ کی حجت پوری ہونے کے بعد کفر کرے اور روز قیامت کے لیے اس کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ کی حجت یہ تھی کہ مسلمان کم تعداد میں ہونے کے باوجود اللہ کی تائید و نصرت سے اپنے سے تین گنے زائد کافروں پر غالب آ گئے۔ و یحییٰ من حی عن بیۃ یعنی جو شخص ایمان لائے وہ شرح صدر کے ساتھ حجت ظاہرہ کو دیکھ کر ایمان لائے۔ ہلاکت اور حیات سے مراد کفر اور ایمان ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے موت اور زندگی مراد ہو یعنی مرے تو دلیل دیکھ کر مرے اور زندہ رہے تو دلیل دیکھ کر زندہ رہے۔

### فتح بدر میں سیدنا محمد ﷺ کی دلیل نبوت

مسلمانوں کا لشکر اہدہ میں کی اور تیاری نہ ہونے کی وجہ سے بہت خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا تھا جس جگہ ان کا قیام تھا وہ جگہ پانی سے دور تھی اور وہ زمین ریتیلی تھی جس میں اون کے پیرو محض جاتے تھے۔ اور کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی ان کے پاس ہتھیار بھی وافر مقدار میں تھے مسلمان خود و نوش بھی بہت تھا اور وہ پانی کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کی زمین ریتیلی نہیں تھی ان کے لیے چلنا آسان تھا اور ان کے پیچھے ان کا قافلہ تھا جس سے ضرورت کے وقت ان کو مدد حاصل ہونے کی امید تھی۔ یہ ظاہر یہ حالات کافروں کے موافق اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا اور جنگ کے وقت نقشہ بدس کیا۔ مسلمانوں کو بہت بڑی فتح حاصل ہوئی اور کفار کو بدترین شکست ہوئی۔ اور یہ سیدنا محمد ﷺ کا عظیم معجزہ تھا اور آپ ﷺ کی دعوت نبوت پر بہت قوی دلیل تھی کیونکہ آپ ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی۔ دی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اس وقت مسلمانوں کی فتح کی پیش گوئی کی تھی جب ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کی فتح کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پس بدر کی فتح سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا اور اسلام کی صداقت پر قوی دلیل قائم ہو گئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی کفر میں ہلاک ہو گا تو دلیل قائم ہونے اور حجت پوری ہونے کے بعد کفر میں ہلاک ہو گا اور جو اسلام کی حیات حاصل کرے گا وہ دلیل قائم ہونے کے بعد شرح صدر سے اسلام کو قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور یاد کیجئے) جب اللہ آپ کو خواب میں کافروں کی تعداد کم دکھا رہا تھا اور اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تم کو اس سے) سلامت رکھا ہے شک وہ درون سینہ امور کو بہ خوبی جاننے والا ہے ○ (الانفال: ۴۳)

### کفار کی تعداد کم دکھانے کی حکمت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو غید میں کفار کی تعداد کم دکھائی آپ ﷺ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ کافر تھوڑے ہیں تو ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ واقعہ میں کفار زیادہ تعداد میں تھے تو ان کو کم تعداد میں دیکھنا یا دکھانا واقع کے خلاف ہے تو اللہ سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو تمام کفار نہیں دکھائے تھے بلکہ ان کی قلیل تعداد دکھائی تھی اور آپ کو ان ہی کی خبر دی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقع میں اگرچہ زیادہ تھے لیکن انجام اور نکل کے اعتبار سے تھوڑے تھے۔ پھر فرمایا اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے لیکن اللہ نے تم کو سلامت رکھا۔ امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امر کو سلامت رکھا حتیٰ کہ

ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا۔

اس کا سنی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو ابتدا میں یہ علم ہو جانا کہ دشمن کی تعداد ان سے تین گنے سے بھی زیادہ ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ آپس میں جنگ کے حلقے مختلف کرتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس کے اختلاف سے محفوظ رکھا یا ان کو جنگ بدر میں شکست اور ہزیمت سے سلامت رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) ان کو کم دکھائی تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو اس کے نزدیک کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں (۲۸: ۲۵)۔

مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی اور مشرکوں کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ پہلی صورت میں مشرکین کی تعداد کم دکھانے کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان ان کی اصل تعداد کو دیکھ کر گھبرانہ جائیں اور دوسری صورت میں مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے میں یہ حکمت تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں زیادہ تیاری اور احتیاط نہ کریں تاکہ وہ آسانی سے شکست کھا جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ زیادہ کو کم دکھانا اللہ کی شان کے کس طرح لائق ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور کافروں میں ایک دوسرے سے اتنے فاصلہ پر ہوں کہ ہر فرقہ دوسرے کی اصل تعداد کا اندازہ نہ کر سکا ہو اور ہر فرقہ کو دوسرے کی تعداد اصل سے کم دکھائی دی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار اپنے تکبر اور بلند بانگ دعوؤں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو پہلے ہی کم تھے ان کو اور بھی کم سمجھ رہے ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا

اے ایمان والو! جب تمہارا مخالفت کرنے سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو

اللَّهُ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۵ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ

اور آپس میں مخالفت نہ کرو۔ ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکڑ جائے گی اور صبر کرو۔ سبے شک

اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۶ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے

دِيَارِهِمْ بِطَرَاوِئِ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

اور لوگوں کو (اپنا زور اور قوت) دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے

اللَّهُ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

اللہ اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ۝ اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے

أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَإِغْوَابِ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي

بے خوش نما بنادیا اللہ کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غلبہ نہیں آسکتا اور بیشک میں تمہارا

جَارٌ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتْ الْفِئَتَيْنِ نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

رفیق ہوں، اور جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایڑیوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا

إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

میں تم سے بری الذمہ ہوں بیشک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تمہارا مخالف فرج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۝ (انفال: ۳۵)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بن نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو اس نے جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو عطا فرمائی تھیں۔ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو ایک جنگ سے سابقہ پیش آچکا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ کے آداب تعلیم فرمائے۔ جس میں پہلی چیز ہے جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ نبی ﷺ نے ایک اور چیز بھی بتلائی ہے کہ ابتداءً مسلمانوں کو جنگ یا کسی بھی آزمائش اور بلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے لیکن جب بن پر جنگ مسلط کر دی جائے تو پھر ان کو اس جنگ میں ثابت قدم رہنا لازم ہے اور اس سے بیٹھ موزنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر جنگ میں ثابت قدم رہنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد دور بن جنگ ذکر کرنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث

• امام ابو بکر عبد الرزاق بن حنبل رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے کہ تم بن کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کیے جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے غیث کا سوا کو اور جب وہ اشتغال انگیز گیت گاتے ہوئے اور چلائے ہوئے آئیں تو تم زمین کو لازم پکڑ لیتا زمین پر بیٹھ جانا اور یہ دعا کرنا اے اللہ ہمارے اور ان کے رب ہماری پیشانیاں اور

ظہان القرآن

جلد چہارم



ان کی پیشیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور تو ہی ان کو قتل کرے گا۔ اور جب وہ تمہارے قریب پہنچیں تو تم ان پر حملہ کرو اور یہ یاد رکھنا کہ جنت نکواریوں کے نیچے ہے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۲۸ رقم الحدیث: ۹۵۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عنایت کا سوال کرو اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو اور اگر وہ چلائیں تو تم خاموش رہنا۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۵۰ رقم الحدیث: ۹۵۱۸ مطبوعہ بیروت تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ رقم الحدیث: ۱۷۱۱)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۹ ص ۲۷۷ رقم الحدیث: ۸۰۵۳ مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ)  
دشمن اسلام کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی فضیلت اور اجر و ثواب  
امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دشمن سے مقابلہ میں صابر رہا حتیٰ کہ وہ شہید کر دیا گیا اس نے کسی دشمن کو قتل کیا تو وہ قبر کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۵ ص ۷۳ رقم الحدیث: ۸۱۳۶ مطبوعہ ریاض)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دشمن سے مقابلہ میں صبر کیا حتیٰ کہ وہ قتل کر دیا گیا اس نے دشمنوں کو قتل کیا تو وہ قبر کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۹ ص ۱۱۶-۱۱۵ رقم الحدیث: ۸۲۳۹ مطبوعہ ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین دوست چار ہیں۔ اور چار سو پر مشتمل بہترین فوج ہے اور چار ہزار پر مشتمل بہترین لشکر ہے اور جو لشکر بارہ ہزار پر مشتمل ہو وہ تعداد میں کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائے گا بشرطیکہ وہ صحیح پولیس اور ثابت قدم رہیں۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۷ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۱ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۹۸ مجمع ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۷۷ موارد المصنف رقم الحدیث: ۱۲۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳ سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص دو آدمیوں سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے اور جو تین کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۷۶ رقم الحدیث: ۱۱۱۵۱ حنفیہ البیہقی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲۸)  
دوران قتال اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو جہلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ دشمن سے مقابلہ کرتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ تو میرا بازو ہے اور میرا مددگار ہے میں تیری مدد سے پھرتا ہوں اور تیری مدد سے حملہ کرتا ہوں اور تیری مدد سے قتل کرتا ہوں۔

(المصنف ج ۶ ص ۵۱۸ رقم الحدیث: ۳۳۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن ابی نوفیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی حملہ آور جماعتوں کے خلاف دعا ضرر کی: اے



اللہ اکابر کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے کفار کی جماعتوں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ان کے قدم ڈگادے۔ (المصنف ج ۶ ص ۵۸، رقم الحدیث: ۳۳۴۳، مطبوعہ بیروت)

قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب عین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو پسند کرتے تھے، قتل کے وقت، جنازہ کے وقت اور ذکر کے وقت۔

(المصنف ج ۶ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۳۴۰، طبع بیروت، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۶)

سعید بن جبیر قتل کے وقت آواز بلند کرنے کو پسند کرتے تھے اور قرآن پڑھتے وقت اور جنازہ کے وقت۔

(المصنف ج ۶ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۳۴۱، طبع بیروت)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن کی تلاوت کرنے اور ذکر کرنے سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے۔ اگر یہ باعث نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو نماز پڑھنے اور قتل کرنے کا حکم نہ دیتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے وقت بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے: یا ایہا اللہیں امسوا اذا لقیتم فعدۃ فانیتموا وادکروا اللہ کثیرا لعلکم تملحون (الانفال: ۵۵) (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۹۳۲)

جن آثار میں قتل کے وقت بلند آواز سے ذکر متعین کیا ہے، ان کا بقاء یہ ہے کہ بہت چلا کر ذکر نہ کیا جائے جس سے دشمن کو مسلمانوں کی پوزیشن کا پتا چل جائے اور متوسط اور معتدل ہر کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

عطاء نے کہا جنگ کے وقت غامض رہنا اور ذکر کرنا واجب ہے۔ پھر انہوں نے (انفال: ۵۵) کی تلاوت کی۔ میں نے پوچھا وہ بلند آواز سے ذکر کریں گے یا نہیں؟

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۹۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۶ ص ۵۱، رقم الحدیث: ۳۳۴۰، ۳۳۴۱)

دوران قتال ذکر کے متعلق علماء کے اقوال

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۶۶ھ نے لکھا ہے کہ دوران جنگ دل سے اللہ کو یاد کرنا چاہیے اور زبان سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو انتہائی شدید حالت میں بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں یہ حیرت ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی وقت بھی اس کا دل اور اس کی زبان اللہ کے ذکر سے غلط رہے۔ اگر ایک شخص مغرب سے مشرق تک اپنے اموال کی تلاوت کرے اور دوسرا شخص مشرق سے مغرب تک تموار سے جھاد کرتا جائے، تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اور اجر ان سے زیادہ ہوگا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۷۸ھ لکھتے ہیں اس ذکر کے حقائق علماء کے تین اقوال ہیں:

۱۔ جب مصائب اور مشکلات میں ہمیں گھبراہٹ ہو تو اللہ کا ذکر کریں، کیونکہ اللہ کے ذکر سے طمأنینہ اور تعین حاصل ہوگی۔

۲۔ اپنے دلوں کے ساتھ ثابت قدم رہو اور اپنی زبانوں سے اللہ کا ذکر کرو، کیونکہ دشمن سے مقابلہ کے وقت دل پر سکون نہیں ہوتا اور زبان مضطرب رہتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیا تاکہ دل پر سکون ہو اور زبان سے ذکر جاری رہے اور اس طرح ذکر کرے جس طرح اصحاب طاعت نے ذکر کیا تھا۔

رَبَّنَا آفِزْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ  
اٰی اللہ ایم پر صبر عظیم دے اور ہمارے قدموں کو جما  
اَصْرِتْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ (البقرہ: ۲۵۰)  
دے اور ہمیں قوم کافروں پر فتح عطا فرما۔

تبیان القرآن

اور یہ حالت اسی وقت حاصل ہوگی جب انسان کی معرفت قوی ہو اور اس کی بصیرت روشن ہو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اس وعدہ کو یاد کرو کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں اور مالوں کے بدلہ جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس میں کافی بحث کی گئی ہے کہ دورانِ قتل جس ذکر کا حکم دیا ہے اس سے مراد ذکر بالقلب ہے یا ذکر باللسان۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس — مراد زبان سے ذکر کرنا ہے اور دل اس ذکر کے موافق ہو یعنی اس کا ذہن اس ذکر کے معانی کی طرف متوجہ ہو ایسا نہ ہو کہ زبان سے اللہ کا ذکر ہو اور دل و دماغ کسی اور ہو۔ محمد بن کعب المقرئ نے کہا اگر کسی شخص کو ذکر ترک کرنے کی رخصت دی جاتی تو حضرت زکریا علیہ السلام کو رخصت دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے بن سے فرمایا:

أَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْرَمًا وَذَكَرَ رَبَّكَ كَيِّدًا (آل عمران ۴۸)

آپ تین دن لوگوں سے بغیر اشاروں کے بات نہیں کر سکیں گے اور اپنے رب کا بکثرت ذکر کریں۔

اور کسی شخص کو دورانِ قتل ترک ذکر کی رخصت دی جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذَا كُنْتُمْ فِي سَفَرٍ فَأَنْشِئُوا زَكَرَاتُكُمُ وَاللَّهُ كَيِّدًا (الانفال ۴۵)

جب تمہارا مخالف فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہنا اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنا۔

قلوہ نے کہا جس وقت بندہ تلوار سے حملہ کی شدت میں ہو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اس پر ذکر فرض کیا ہے۔ اور اس ذکر کا حکم یہ ہے کہ یہ نفی ہو کیونکہ مواضعِ قتل میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے جبکہ ذکر کرنے والا تنہا ہو لیکن مجاہدین کی جماعت کے ساتھ حملہ کرتے وقت بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحسن اور مستحب ہے تاکہ دشمن اسلام پر رعب اور ایبت طاری ہو۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مخالفت نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹری جائے گی اور میرا کوہ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (الانفال ۴۶) اختلاف رائے کی بناء پر مخالفت نہ کی جائے

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو یہ حکم دائمی ہے۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں خصوصاً حملہ کے معاملہ میں اور آپس میں مخالفت نہ کرو جیسا کہ بدر اور احد میں بعض مسلمانوں نے بعض کی مخالفت کی۔

غیر منصوص معاملات میں اختلاف رائے ممنوع نہیں ہے اور دلائل کے ساتھ اختلاف کرنا جائز ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی انسان اپنے موقف پر ڈٹا رہے اور اپنی رائے سے رجوع نہ کرے اور یہ ممنوع ہے کہ کسی غیر منصوص معاملہ میں اپنی رائے سے اختلاف کی بنا پر فریق پائی کی مخالفت شروع کر دے اس کو سب و شتم کرے اور یمن و طعن کرے اور اس کی تکفیر کرنے سے بھی گریز نہ کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض فروعی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف رہا لیکن انہوں نے اس اختلاف رائے کو ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کا رنگ نہیں دیا اور باہم احترام کو قائم رکھا۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوہ کی حالت میں جنہی کے لیے تیمم جائز نہیں قرار دیتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے۔ معراج کی شب اللہ عزوجل کا دیدار کرنے اور سنان موتی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ حج تمتع میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ جنہی کی تلاوت قرآن میں حضرت ابن عباس رضی

اللہ عتہما کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ رکوع میں تطبیق (رکوع میں دونوں ہاتھ جوڑ کر راتوں کے درمیان رکھنا) کرنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ ضرورت سے زائد مال کے صدقہ کرنے کے وجوب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ اس کے علاوہ اور کئی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں اختلاف تھا لیکن انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ ائمہ مجتہدین کا مسائل فرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف تھا لیکن وہ ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی تعلیم و حکم کرتے تھے۔

سو عصری اور اجتہادی مسائل میں اگر ایک عالم کی رائے دوسرے عالم سے مختلف ہو تو اس میں شدت نہیں کرنی چاہیے اور ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کرے اور عالم آدمی جس عالم کے دلائل سے متفق ہو اس پر عمل کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے یعنی قرآن اور سنت کے منصوص اور واضح احکام پر عمل کرو۔ اس کے بعد فرمایا ولا تنزعوا یعنی ایک دوسرے سے تاذع اور جھگڑا نہ کرو اور ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔ اس کا عمل یہ ہے کہ اجتہادی اور فرعی مسائل میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔

امام رازی نے یہ مشکل قائم کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور تاذع سے منع کیا ہے۔ اس سے لازم آیا کہ صرف قرآن اور حدیث کے احکام پر عمل کیا جائے اور قیاس کے احکام پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ قیاس تاذع کو واجب کرتا ہے پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر قیاس تاذع کو واجب نہیں کرتا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس لیے کہ امام رازی نے فرمایا ہر قیاس تاذع کو واجب نہیں کرتا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض قیاس تاذع کو واجب کرتے ہیں تو ان پر عمل کرنا جائز نہ ہو۔ ثانیاً یہ کہ تاذع سے کیا مراد ہے اختلاف یا مخالفت اور جھگڑا؟ اگر اس سے مراد اختلاف ہے تو اختلاف معیوب چیز نہیں ہے قرآن اور سنت میں اس کی بہت مثالیں ہیں روایات میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اور اگر اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالفت کرنا ہے تو وہ برحق ہے اور وہ قیاس کے منافی نہیں ہے۔ عموماً ایک مجتہد کا قیاس دوسرے مجتہد کے قیاس سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک دوسرے کی مخالفت کو واجب نہیں کرتا بلکہ ہر مجتہد اور اس کے متبعین کو چاہیے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنے قیاس پر عمل کریں اور ایک دوسرے کی مذمت نہ کریں اور نہ اس کی مخالفت کریں۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنا ہے

اس آیت کا ایک اور عمل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پیغمبر کی اطاعت کرتے ہوئے تمام مسلمان ایک نظام حکومت قائم کریں اور مسلمانوں کے تمام علاقے باہم متحد ہو کر ایک خلیفہ کے ماتحت ہوں اور ولا تنزعوا کا معنی یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی مملکتیں اور حکومتیں قائم کر کے وحدت ملی کو پارہ پارہ نہ کریں۔ کیونکہ اگر مسلمان ایک نظام خلافت کو توڑ کر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے تو ان کے رعب اور طاقت کی ہوا اکٹڑ جائے گی اور وہ کم ہمت اور کم حوصلہ ہو جائیں گے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کی ایک سلطنت تھی اور مسلم ریاستیں باہم متحد تھیں تو دشمنان اسلام کو مسلمان ملکوں پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور جب یہ اتحاد ٹوٹ گیا اور خلافت اسلامیہ چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تبدیل ہو گئی تو دشمنان اسلام نے مسلم ریاستوں کو تاراج کرنا شروع کر دیا۔ جب تک اندلس میں ایک نظام حکومت قائم رہا وہاں مسلمانوں کی حکومت رہی اور جب طوائف الملوک کا دور شروع ہوا اور آپس کی مخالفت کی وجہ سے سرزمین اندلس مختلف حکومتوں میں بٹ گئی تو عیسائی حکمرانوں نے ایک ایک کر کے

پورے اندلس پر قبضہ کر لیا اور وہیں کے مسلمانوں کو یہ سچ کرنا شروع کر دیا۔ متحدہ پاکستان بنگلہ اور غیر بنگلہ کے تعصب کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور آپس کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کی ہوا اکثر گئی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ نوے ہزار مسلم افواج نے ایک ہندو جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جولوگوں کو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنا زور اور طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ○  
(الانفال ۴۰)

### مشکل الفاظ کے معنی

البطریقہ: ذہن نے کہا نعمت میں سرکشی کو بطر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائے تو اگر وہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی رضا جوئی میں خرچ کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں تو یہ ان نعمتوں کا شکر ہے اور اگر وہ ان نعمتوں کو اپنے احباب، اقرباء اور معاصرین پر فخر کرنے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کا ذریعہ بنائے تو یہ بطر (اترا) ہے۔

رئاء الساس: کسی شخص کے باطن میں خرابی ہو اور وہ لوگوں کے سامنے اچھلی دکھانے کا قصد کرے تو یہ ریا ہے۔ ریا اور خلق میں یہ فرق ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان کا اظہار کرے اور اس کے باطن میں کفر ہو تو یہ خلق ہے اور اگر کوئی شخص مہلوت کا اظہار کرے اور اس کے باطن میں معصیت ہو تو یہ ریا ہے۔ امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قندہ سے روایت کیا ہے جن مشرکین قریش نے نبی ﷺ سے وادی بدر میں قتل کیا تھا وہ اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نکلے تھے ان سے کہا گیا کہ تمہارا قاتل پہنچ گیا ہے اور تمہارا مقصد پورا ہو گیا اب لوٹ آؤ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک عرب والے ہماری شکن و شوکت کے قہیے بہ طور مثل بیان نہیں کریں گے۔ اور روایت ہے کہ اس دن نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ آج یہ قریش اترتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے تیرے رسول سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔

(در مشورج ۳ ص ۷۷، تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۲۳)

### فخر اور ریا کی مذمت

اس آیت میں فرمایا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جولوگوں کو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد ابو جہل اور اس کے ساتھی ہیں انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے جب تک ہم وادی بدر نہ پہنچ جائیں۔ وہیں پر ہم اونٹ ذبح کریں گے اور شراب پیئیں گے اور ہماری باندیاں ہمیں جوش دلانے والے خنئے سنائیں گی اور جب بھی عرب ہمارا ذکر سنیں گے تو ہم سے خوف زدہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا احاطہ ان لوگوں کی طرح اپنا زور دکھانے اور ستانے کے لیے نہیں ہونا چاہیے اور نہ لوگوں میں اپنی شہرت کے لیے ہونا چاہیے تمہاری نیت خالص اللہ کی رضا جوئی اور اللہ کے دین کی نصرت کے لیے ہونی چاہیے۔

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ دشمن سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہیں اور دوران قتل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ اور ان کو اس بات سے منع کیا کہ دشمن سے ان کے قتل کا محرک اور باعث اپنے زور اور طاقت کو دکھانا اور ستانا ہو بلکہ ان سے قتل کا باعث صرف اللہ کے احکام پر عمل اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی ہونی چاہیے۔ اسلام

کے تمام احکام کا حاصل یہ ہے کہ انسان مخلوق میں مشغول رہ کر اللہ کے احکام پر عمل کرتا رہے اور غرور و تکبر سے بچے۔ انسان گنہ گار اور اخص اور انکار کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان عبادت کر کے اس پر غرور اور غرور کرے۔ اس کے بعد فرمایا "اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے" اس میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ بسا اوقات انسان یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کام کو محض اللہ کی رضا کے لیے اخص سے کر رہا ہے اور حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ وہ تمہارے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ اسے علم ہے کہ تم کون سا کام حقیقت میں اللہ کے لیے کرتے ہو اور کون سا کام حقیقت میں دکھلوے کے لیے کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نمایاں کیا اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمہارا رفیق ہوں اور جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایزبوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے (الانفال: ۲۸)

ابلیس کا سراپہ کی شکل میں آ کر کفار کو بہکانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن ابلیس کفار کے لشکر میں سراپہ بن مالک بن جشم کی صورت میں متسل ہو کر آیا اور کہنے لگا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خاک کی ایک مٹی اٹھا کر مشرکین کے چہرے پر ماری پس وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اور حضرت جبرئیل ابلیس کی طرف بڑھے اس وقت اس کا ایک ہاتھ مشرک کے ہاتھ میں تھا۔ ابلیس نے اس شخص سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور وہ اور اس کا ساتھی پیٹھ موڑ کر بھاگے۔ اس شخص نے کہا اے سراپہ تم تو ہمارے رفیق تھے اب کہاں جا رہے ہو؟ ابلیس نے کہا بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ اس نے اس وقت کہا تھا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تھا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طلحہ بن عبید اللہ بن کریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کو کسی دن بھی اس قدر چھوٹا اس قدر رحمت سے دور اس قدر حقیر اور اس قدر خضعت نہیں دیکھا گیا جتنا وہ عرقہ کے دن ہوتا ہے کیونکہ اس دن وہ اللہ کی رحمت نازل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کی اللہ کی طرف سے معافی دیکھتا ہے۔ اور جس قدر ذلیل وہ جنگ بدر کے دن تھا پوچھا کیا کہ اس نے جنگ بدر کے دن کیا دیکھا تھا؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس نے دیکھا کہ جبرئیل فرشتوں کی صفیں ترتیب دے رہے ہیں۔

(الموطا الج ۲ ص ۲۵ مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۸۸۲ رقم الحديث: ۸۸۳۲ للائحة کار ج ۳ رقم الحديث: ۹۸ جامع البیان ج ۲ ص ۲۷ التبیان ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبہ تجلیہ کراچی)

ابلیس کو سراپہ کی شکل میں مشکل ہونے کی قدرت دینے کی حکمت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابلیس کے سراپہ بن مالک کی شکل میں مشکل ہونے سے کیا فائدہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ جب کنار قریش مکہ واپس لوٹے تو انہوں نے کہا سراپہ نے ہم کو شکست سے دو چار کیا۔ جب سراپہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا بھلا مجھے تو تمہارے بدر جانے کی خبری نہیں ہوئی تھی کہ مجھ تک تمہاری شکست کی خبر پہنچی اس وقت کنار قریش نے جان لیا کہ وہ شخص سراپہ نہیں بلکہ شیطان تھا۔



اگر یہ کہا جائے کہ جب شیطان کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے آیا تھا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ غیر معمولی طاقت والا ہے تو اس نے مسلمانوں کے لشکر کو شکست کیوں نہیں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لشکر میں حضرت جبرئیل کو فرشتوں کے ساتھ دیکھا اس لیے وہ خوف زدہ ہو کر ہٹ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب شیطان کو یہ قدرت ہے کہ وہ بشری شکل میں مشکل ہو کر کفار کی مدد کر سکتا ہے تو پھر چاہیے تھا کہ وہ ہر جنگ میں ایسا ہی کرتا اور اس کے نتیجے میں کسی جنگ میں بھی مسلمانوں کو فتح یا ہار ہونے نہ دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف جنگ بدر میں ہی یہ قدرت دی تھی اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں فرشتے بھی نازل کیے تھے جو شیطان کا توڑ کر سکتے تھے اور باقی مہلات اور غزوات میں نہ فرشتوں کو نازل کیا اور نہ شیطان کو یہ قدرت دی اور جنگ بدر میں اس کو یہ قدرت دینے کا فائدہ رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ ظاہر کرنا تھا۔ نیز اس میں یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ ابلیس لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جب لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں تو وہ کھن سے بری اللہ ہو جاتا ہے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُتَفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ عَزَّ

اور (یاد کرو) جب منافقین اور کفر کے دلوں میں رکھڑکی بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے ان لوگوں

هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

کہ ان کے دین نے قریب میں مبتلا کر دیا ہے، اور جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو بیشک اللہ بہت غالب

حَكِيمٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَقَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةَ

بڑی حکمت والا ہے ۝ اور کاش تم وہ منظر دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں،

يَخْضِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝

ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ راب جلتے کا عذاب چکو ۝

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝

یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ۝

كَذَٰبُ الْإِلَٰهِ فِرْعَوْنُ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ

ان کی عادت فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کے

اللَّهُ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدٌ

ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا، بیشک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب



الْعَقَابُ ۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعَمَةً اَنْعَمَهَا

میں نے والا ہے ۵۲ اس لیے ہے کہ اللہ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل کرنے

عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

والا نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں اور بے شک اللہ بہت سنتے والا

عَلَيْهِمْ ۚ كَذٰبٌ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا

بے حد جاننے والا ہے ۵۳ (ان کا معاملہ) فرعون کے نبیین اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ان سے پہلے

بَاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَاَعْرَقْنٰ اِلٰ فِرْعَوْنَ

اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلک کر دیا اور ہم نے فرعون کے نبیین کو مرنے کر

وَكُلٌّ كَاٰثِرٍ ۚ وَاطْلُبِيْنَ ۚ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

دیا اور وہ سب ظالم تھے ۵۴ بیشک زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں

كَفَرُوْا وَاَقْرَبَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ

نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے ۵۵ ان میں سے بعض لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا اور وہ ہر بار

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ ۚ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۚ فَاَمَّا

اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے ۵۶ پس اگر آپ

تَتَّقَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ

ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو دستکار دیں تاکہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ

يَذْكُرُوْنَ ۚ وَاَمَّا تَخَافُ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَاَنْبِذْ

جرت حاصل کریں ۵۷ اور آپ کو جس قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان کا عہد بار بار

اِلَيْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ۚ

ان کی طرف پیچک دیں ۵۸ بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا ۵۹

بیشک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں (کفر کی) بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں جٹا کر دیا ہے اور جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (الانفال: ۳۹)

ان آیات میں غزوہ بدر پر تبصرہ اور اس کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں غزوہ بدر کے متعلق شیطان کی کارروائی بیان فرما کر اس پر تبصرہ فرمایا تھا۔ اس آیت میں غزوہ بدر کے حعلق منافقین اور دوسرے بعض کافروں کے خیالات بیان فرما کر ان پر تبصرہ فرمایا ہے۔

منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی عذر کے غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور بعض نے کہا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مکہ میں یہ ظاہر اسلام کا اقرار کیا تھا۔ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ بدر میں آئے جب انہوں نے مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو کہا ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں جٹا کر دیا ہے۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کے متعلق شکوک و شبہات میں جٹا تھے اور اسلام کے متعلق ان کو شرح صدر نہیں تھا یہ مشرکین قریش کے ساتھ تھے انہوں نے یہ ظاہر کیا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام محکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اصحاب محمد کو ان کے دین نے فریب میں جٹا کر دیا ہے جو وہ اتنی کم تعداد کے باوجود اپنے سے تین گنے زائد لشکر سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

(جامع البیان ۱۰: ۲۸-۲۹ ص ۲۸-۲۹ - مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور جس نے اللہ پر توکل کیا تو بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے اور اسی پر اعتماد کیا اور اللہ کی قضاء پر راضی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو جو شخص اس کی پناہ میں ہو وہ محفوظ رہے گا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیے اور اس کی قضاء پر راضی ہو گئے تاکہ اللہ ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کاش تم (وہ منظر) دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لو اب جلتے کا مزہ چکھو۔ یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (الانفال: ۵۵-۵۶)

مقتولین بدر کی بوقت موت کیفیت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں آنے والے کفار کی زندگی کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں ان کی موت کے وقت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں خصوصیت سے بدر میں قتل ہونے والے کفار کی موت کے احوال مراد نہ ہوں بلکہ عمومی طور پر کفار کی موت کے وقت ان کا بھی حال ہوتا ہو۔

فرشتے کہیں گے کہ لو اب حریق (جلتے) کا عذاب چکھو علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ لو اب آخرت کا عذاب چکھو ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کے ساتھ لوہے کے گرز ہوں گے اور جب وہ ان گرزوں سے کفار پر ضرب لگائیں گے تو اس سے آگ بھڑکے گی۔ شیخ زادہ نے کہا ایک قول یہ ہے کہ الحریق آگ کا اسم ہے۔ فرشتے کافروں کی روح نکالتے وقت ان کو گرز ماریں گے جس سے ان کے زخموں میں آگ بھڑکے گی اور فرشتے ان سے استہزاء کہیں گے لو اب اس آگ کا مزہ چکھو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے" یعنی تم نے کفر اور دیگر گناہ جو کیے یہ ان

کی سزا ہے۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یوں ہے ”یہ اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا“ ہاتھوں سے مراد خود ان کے نفوس ہیں اور نفوس کو ہاتھوں سے اس لیے قہر کیا ہے کہ اکثر کام انسان اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔ عذاب کے مستحق کو عذاب نہ دینا بھی جائز ہے

علامہ زمخشری نے یہ کہا ہے کہ کفار کو یہ عذاب دو سیوں سے ہو گا ایک جب ان کا کفر اور ان کے گناہ ہیں اور دوسرا جب یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ کفار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جس طرح مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۲۹ مطبوعہ ایران)

اس تفسیر کو یہ لازم ہے کہ ظلم کی نفی بھی عذاب دینے کا سبب ہے کیونکہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیتا۔ اور اس قول میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کو عذاب نہ دینا بھی ظلم ہے اور یہ پداختہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض گناہ مسلمانوں کو عذاب نہیں دے گا اور ان کو بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

ہے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشتے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور شرک سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس لیے علامہ زمخشری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کفار کے عذاب کے دو سبب ہیں ایک سبب ان کا کفر اور ان کے گناہ ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کفار کے عذاب کا صرف ایک سبب ہے اور وہ ان کا کفر اور گناہ ہیں اور بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے وہ اس سبب کی قید ہے۔ کیونکہ اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو یہ ممکن ہو گا کہ اللہ کفار کو بغیر گناہوں کے بھی عذاب دے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ قید لگا کر یوں فرمایا یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے در آنحالیکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ان کو بغیر گناہوں کے عذاب نہیں دے گا اور یہ ان کو عذاب دینے کا دوسرا سبب نہیں ہے ورنہ یہ طور مفہوم مخالف یہ معنی ہو گا کہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ بندوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیتا حالانکہ جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کو عذاب نہ دینا شرعاً ظلم ہے نہ عقلاً۔

علامہ زمخشری کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سو اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۳ صحیح مسلم مناقب: ۷۵ (۲۸۶) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۶ ۲۵۷ ج ۲ ص ۲۲۷ ۲۲۸)

اللہ کسی بندہ پر کوئی ظلم نہیں کرتا

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت زیادہ ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے

اس کا معنی ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مقید کی نفی کی جائے تو وہ نفی قید کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ بندوں پر ظلم تو کرتا ہے مگر بہت زیادہ ظلم نہیں کرتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے اور وہ کثرت ظلم پر دلالت کرتا ہے اور بندے بھی کثیر ہیں اور ظلم کی کثرت بندوں کی کثرت کے مقابلہ میں ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو اطلاق تقسیم لعل کی طرف ہوتی ہے اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی ایک بندہ پر ایک ظلم بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی عداوت فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا بے شک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس لیے ہے کہ اللہ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت جاننے والا ہے۔ (الانفال: ۵۳-۵۴)

کفار بدر کا متبعین فرعون کے مماثل ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وادی بدر پر حملہ کرنے والے کافروں کو دنیا میں شکست کی ذمت سے دو چار کیا اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ اب ان آیتوں میں یہ بتا دیا ہے کہ ان کافروں کو جو دنیا اور آخرت میں عذاب دیا ہے وہ صرف ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ تمام کافروں کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے اور سب منکروں کے ساتھ اس کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے ان لوگوں کا اپنے کفر میں وہ طریقہ ہے جو فرعون کے متبعین کا اپنے کفر میں طریقہ تھا۔ تو ان لوگوں کو قتل کر کے اور قید کر کے ایسی سزا دی گئی ہے جیسی سزا فرعون اور ان کے متبعین کو سمندر میں فرق کر کے دی گئی تھی۔ پھر فرمایا اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ کی ہے کہ اس دنیاوی عذاب کے علاوہ ان کو آخرت میں بھی عذاب دیا جائے گا جیسا کہ قوم فرعون کو بھی عذاب کرنے کے بعد آخرت میں عذاب دیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کثیر معجزات دیکھنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لائی اور اپنے کفر کو ڈٹی رہی اور حضرت موسیٰ کی مخالفت کرتی رہی تو ان کو دنیا اور آخرت کا عذاب دیا گیا اسی طرح یہ کفار بدر بھی سیدنا محمد ﷺ کے کثیر معجزات دیکھنے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائے بلکہ آپ کی مخالفت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس لیے ان کو بھی دنیا اور آخرت کا عذاب دیا گیا۔

اہل مکہ پر اللہ کی ان نعمتوں کا بیان جن کی انہوں نے ناشکری کی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدل کر اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت نہیں کرتی۔ یعنی چاہیے یہ تھا کہ وہ اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتی اور خود کو اس نعمت کا اہل قرار دیتی لیکن جب وہ شکر کرنے کے بجائے کفران نعمت کرے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اس نعمت کی اہلی نہیں ہے تو پھر اللہ اس نعمت کو عذاب سے تبدیل کر دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار مکہ کو اس عذاب سے پہلے کون سی نعمت ملی تھی؟ وہ مکہ میں عیش و عشرت اور بہت زیادہ آسودگی اور خوش حالی کی زندگی نہیں گزار رہے تھے اور وہ اس وقت کی متمدن دنیا میں رزق کی فراوانی کے ذرائع اور وسائل کے لحاظ سے اور علم و حکمت اور مال و دولت کے لحاظ سے کسی نمایاں حیثیت کے حامل نہیں تھے تو ان کو ایسی کون سی نعمت حاصل تھی جو ان کے کفر کی وجہ سے جاتی رہی؟ اس سوال کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل عطا فرمائی اور صحیح و سالم اعضاء کے ساتھ پیدا کیا اور نیک کام کرنے اور برے کاموں سے رکنے کی قدرت عطا فرمائی۔ چاہیے تھا کہ وہ خود اپنی عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور خود اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت نہ کرتے اور فسق و فجور اور قتل و غارتگری سے اجتناب کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید انعام یہ کیا کہ عقل سلیم کی رہنمائی کرنے کے لیے ان میں ایک نبی ان ہی میں سے بھیجا جس کی سابقہ زندگی آئینہ کی طرح شفاف تھی اس کی صداقت، دیانت، امانت اور محنت ان سب کے نزدیک مسلم تھی اور جب انہوں نے دعویٰ نبوت کیا اور اللہ کی توحید کا اعلان کیا تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے قریش مکہ کو چاہیے تھا کہ وہ ان کا دعویٰ مان لیتے۔ پھر تیسری نعمت ان کو یہ عطا کی کہ اس نبی کو ایسے قاطع معجزات عطا کیے کہ ان معجزات کو دیکھنے کے بعد عقل کے نزدیک ان کی نبوت کو مان لینا واجب تھا لیکن انہوں نے اس نعمت کی بھی ناشکری کی وہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں بت پرستی پر ڈٹے رہے اور ضد اور عناد سے نبی پیچھے کی مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ یہ مخالفت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ مدینہ میں نبی پیچھے اور آپ کے اصحاب پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ سو انہوں نے اللہ کی پے در پے نعمتوں کے مقابلہ میں مسلسل کفر کیا اور جب ان کے اعمال سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کی ان نعمتوں کے اہل نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو عذاب سے بدل دیا۔ دنیا میں ان کو شکست کی ذلت اور رسوائی میں مبتلا کیا اور آخرت میں ان کے لیے دائمی دردناک عذاب تیار کیا۔

اس سوال کا دوسرا جواب وہ ہے جو قاضی بیہلوی نے دیا ہے کہ مان لیا کہ قریش مکہ بہت خوش حالی، فراخی اور وسعت کی حالت میں نہ تھے لیکن وہ جس حال میں بھی تھے وہ بدر کی شکست کی ذلت، جس میں ان کے ستر افراد مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور اس ذلت کے مقابلہ میں ان کی پہلی زندگی جس پر شکست کا داغ نہ تھا سیر حال بعد کی زندگی سے بہتر تھی اور اس زندگی کے مقابلہ میں نعمت تھی لیکن جب انہوں نے اس نعمت کی بخندری کی اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو دنیا میں شکست کی ذلت کے عذاب اور آخرت میں دائمی عذاب سے بدل دیا اور ان کا اس دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا ان کے اپنے کفر اور معصیت کی وجہ سے تھا اللہ تعالیٰ کا ان پر کسی وجہ سے عظم نہیں تھا۔

جو قوم خود کو کسی نعمت کا نااہل ثابت کرتی ہے اللہ اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ کسی قوم کو نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی بد اعمالیوں سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کرتی۔ یہ قاعدہ جس طرح پچھلی امتوں میں اور کفار مکہ میں جاری ہوا اسی طرح یہ قاعدہ بعد میں اقوام مسلم میں بھی جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسیع سلطنت کی نعمت عطا کی لیکن جب انہوں نے خلافت کو ملوکیت سے تبدیل کر لیا اور اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت کیا تو وہ اسلامی سلطنت جو تین براعظموں، افریقہ، یورپ اور ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی چھوٹے چھوٹے ملکوں میں سمٹ کر رہ گئی۔ اسپین میں طوائف الملوک کے علاوہ وہاں کے حکمران شراب اور رقص و موسیقی کی رعینوں میں ڈوب گئے اور وہاں نہ صرف اسلامی مملکت کا خاتمہ ہوا بلکہ مسلمانوں کو یہ تیغ کیا گیا یا جبرا بیسائی بنایا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا۔ برصغیر میں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی لیکن وہ اپنی حکومتوں کے استحکام میں ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرتے رہے اور اسلام کی تبلیغ سے غافل رہے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہی اور وہ ڈیڑھ سو سال تک انگریز کی غلامی میں رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں آزادی کی نعمت عطا فرمائی لیکن اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک میں مسلمانوں نے جو بیس سال تک اسلامی نظام نافذ نہیں کیا علی الاعلان سودی نظام جاری کیا اور



مغربی انداز فکر 'مغربی جمہوریت اور مغربی اقتدار کو سینہ سے لگائے رکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آدمی نعمت چھین لی اور مشرقی پاکستان 'پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔ اب بھی باقی ماندہ پاکستان کے وہی طور طریقے ہیں اور ہمیں اس دن سے ڈرنا چاہیے کہ یہ باقی ماندہ نعمت بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ افراد کے انفرادی گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن کسی قوم کی اجتماعی تقصیر سے فطرت درگزر نہیں کرتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت ہے کہ جو قوم اپنے آپ کو کسی نعمت کا اہل ثابت نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کا معاملہ) فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو تکذیب کی 'تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کے متبعین کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے (الانفال: ۵۴)

اس آیت کا پہلی آیت کی تفصیل ہونا

اس آیت میں دسی مضمون بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں بیان کیا گیا تھا اور یہ آیت پہلی آیت کی تاکید ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ قوم فرعون کو عذاب دیا گیا اور اس آیت میں اس عذاب کی تفصیل ہے کہ قوم فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا اور پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا اور اس میں اس کی تفصیل فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب کی اور پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ انہوں نے خود کو نعمت کا اہل ثابت کیا اور اس آیت میں اس کی تفصیل کی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی اور دیگر گناہ کیے اور یہ بتایا کہ ان کی نعمتوں کو جو عذاب سے تبدیل کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لائے (الانفال: ۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ قریش کی ایک جماعت ہے جس کا تعلق بنو عبد الدار سے تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۹ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ آباد مکہ مکرمہ) یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی تھی اور اللہ کے علم میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں آپ ان کی خاطر اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں اور ان کے ایمان نہ لانے سے پریشان نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے بعض لوگوں نے آپ سے معاہدہ کیا اور وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے (الانفال: ۵۶)

بنو قریظہ کی عہد شکنی

اس کا ربط بھی پہلی آیت سے ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق کفار ہیں جو اسے محمد ﷺ آپ سے بار بار عہد کر کے توڑ دیتے ہیں انہوں نے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان میں سے بعض لوگوں نے اس لیے فرمایا کہ یہ معاہدہ بنو قریظہ کے ہر فرد سے نہیں ہوا تھا بلکہ بنو قریظہ کے اکثر سے ہوا تھا۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ بنو قریظہ تھے جنہوں نے جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑا مشرکین کو ہتھیار فراہم کیے۔ پھر انہوں نے کہا ہم سے غلطی ہو گئی آپ نے ان سے دوبارہ معاہدہ کیا انہوں نے اس معاہدہ کو پھر جنگ خندق میں توڑ دیا۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۳۴ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۷)

اس کے بعد فرمایا "اور وہ نہیں ڈرتے" یعنی وہ اللہ سے اس عہد شکنی میں نہیں ڈرتے یا اس سے نہیں ڈرتے کہ اس طرح لوگ ان کی مذمت کریں گے کہ ان لوگوں کے عہد کا اعتبار نہیں ہے یہ بار بار عہد کر کے اس کو توڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر آپ ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو دھتکار دیں تاکہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ ہمت حاصل کریں ○ (الانفال: ۵۷)

مشکل الفاظ کے معانی

فاما تشغفہم: جھٹ کا معنی ہے کسی چیز کے حصول میں مہارت حاصل کرنا۔ شغف کد اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی چیز کو اپنی غیر معمولی بصارت اور مہارت سے دیکھ لو۔ پھر مجازاً اس کو صرف کسی چیز کے اور اک حصوں اور پانے کے معنی میں استعمال کیا گیا یعنی جب تم ان کو میدان جنگ میں پاؤ یا پکڑ لو۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۰)

فشر دہم: تشریہ کا معنی ہے کسی چیز کو مضطرب اور متفرق کر دینا تشریہ کرنا اور کسی شخص کے ساتھ ایسا کام کیا جائے جس سے دوسروں کو ہمت حاصل ہو۔ یعنی آپ جب بنو قریظہ کو میدان جنگ میں نہ پائیں تو ان کو اس طرح تشریہ کر دیں جس سے دوسرے عہد شکنوں کو ہمت حاصل ہو اور وہ عہد شکنی سے باز رہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۰)

نہی پیچہم کو یہ حکم اس لیے دیا کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ عہد شکنی کی آپ ان کو ایسی سزا دیں کہ دوبارہ کوئی شخص آپ سے عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کو جس قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان کا عہد برابر برابر ان کی طرف پھینک دیں بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا ○ (الانفال: ۵۸)

فریق ثانی کی عہد شکنی کی وجہ سے معاہدہ ختم کرنے کی صورتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کسی قوم سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور اس کے دلائل ثابت ہوں تو پھر ان سے معاہدہ توڑ دینا واجب ہے۔ کیونکہ بنو قریظہ نے نبی ﷺ سے معاہدہ کیا پھر انہوں نے ابوسفیان اور اس کے حامی مشرکوں کی نبی ﷺ کے خلاف مدد کی تب رسول اللہ ﷺ کو یہ قوی گمان ہوا کہ یہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ساتھ بد عہدی کریں گے۔ ایسی صورت میں امام المسلمین پر واجب ہے کہ وہ ان سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دے اور ان سے اعلان جنگ کر دے۔ اور جب دوسرے فریق کی جانب سے علانیہ عہد کی خلاف ورزی ہو اور ان کی عہد شکنی پر قطعی یقین حاصل ہو جائے تو پھر عہد توڑنے کے اعلان کی بھی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے ساتھ کیا کیونکہ خزانہ نبی ﷺ کی حفاظت میں تھے اور اہل مکہ نے ان کو قتل کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ ختم کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا لشکر مراہطہ ان تک پہنچ گیا اور وہ مکہ سے چار فرسخ پر تھا۔ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان اس وقت ضروری ہے جب معاہدہ کی مدت ختم نہ ہوئی ہو یا فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور نہ ہوئی ہو یا ان کی عہد شکنی یقینی اور قطعی نہ ہو اور اگر معاہدہ کی مدت ختم ہو گئی یا فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور اور یقینی ہو تو پھر معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اہل مکہ سے کیے ہوئے معاہدہ کو ختم کرنے کے اعلان کے بغیر ان پر حملہ کیا کیونکہ انہوں نے علی الاعلان معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

تبیان القرآن

خزانہ نبی ﷺ کے حلیف تھے اور انہوں نے بنو کنانہ کی مدد کرتے ہوئے خزانہ کو قتل کیا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۳۹۸-۳۹۷، الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۳۹۰-۳۸۹، روح المعانی، ج ۱۰، ص ۲۳)

مسلمانوں کے سربراہ کی عہد شکنی زیادہ مذموم اور زیادہ بڑا گناہ ہے

اس کے بعد فرمایا ہے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس میں یہ دلیل ہے اگر فرقہ ثانی نے عہد شکنی نہ کی ہو نہ عہد شکنی کرنے کی کوئی علامت ہو تو پھر بغیر اعلان کے ان سے معاہدہ ختم کرنا یا توڑنا جائز نہیں ہے اور معاہدہ کی مدت کو پورا کرنا ضروری ہے۔

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہ ان کے شہروں کی طرف روانہ ہوئے حتیٰ کہ معاہدہ توڑ کر ان پر حملہ کیا تب ایک شخص گھوڑے یا خچر پر سوار آیا اور وہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر معاہدہ پورا کرو عہد شکنی نہ کرو۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ حضرت عتبہ بن جحش تھے۔ حضرت معاویہ جیڑے نے انہیں بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص اور کسی قوم کے درمیان کوئی عہد ہو تو نہ وہ کوئی گروہ باندھے اور نہ کوئی گروہ کھولے حتیٰ کہ معاہدہ کی آخری مدت گزر جائے یا ان کی طرف ان کا عہد برابر برابر پھینک دے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۷۵۹، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۵۸۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب اللہ اوہین اور آفرین کو جمع کرے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم، الجہاد ۱۷۳۵ (۱۷۳۵)، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۸۷۳۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن اس کی عہد شکنی کے برابر جھنڈا نصب کیا جائے گا اور سزا امیر المسلمین کی عہد شکنی سب سے بڑی ہے۔

(صحیح مسلم، الجہاد ۱۷۳۸ (۱۷۳۸)، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث میں عہد شکنی پر سخت وعید ہے خاص طور پر مسلمانوں کی حکومت کے سربراہ اور امیر المسلمین کے لیے۔ کیونکہ اس کی عہد شکنی کا ضرر بہ کثرت مخلوق کی طرف پہنچتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ سربراہ مملکت اپنے عہد کو پورا کرنے پر ہر طرح قادر ہوتا ہے اور اس کو عہد شکنی کی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امیر المسلمین کی خیانت اور عہد شکنی یہ ہے کہ وہ اپنی رعیت سے کیے ہوئے وعدوں اور کفار سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرے اور ان کی خلاف ورزی کرے یا وہ اس امانت میں خیانت کرے جو مسلمانوں نے اس کو سربراہی سونپ کر اس کے پاس رکھی ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی ادا نہ کرے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرے اور بیت المال میں خیانت کرے اور قومی خزانہ کو قومی مفاد میں خرچ کرنے کے بجائے اپنے ذاتی مفاد میں استعمال کرے۔ اسی طرح حکومت کے دیگر مسائل کو اپنے ذاتی فوائد کے لیے استعمال کرے تو وہ خائن اور عہد شکن ہے اور ان حدیثوں کی وعید کا مصداق ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مسلمانوں کو بھی اپنے امیر سے عہد شکنی نہیں کرنی چاہیے اور اس کی بیعت کرنے اور اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے خلاف فتنے پیدا نہیں کرنے چاہئیں اور اس کے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیے اور اتملالت میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہیے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ دوسروں کی عہد شکنی کی بہ نسبت سربراہ مملکت کی عہد شکنی بہت بڑا جرم اور عظیم گناہ ہے اس میں بہت خرابیاں ہیں۔ کیونکہ جب وہ معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کے بغیر دوسرے ملکوں سے معاہدہ توڑیں گے تو

دشمنان اسلام ان کے کسی وعدہ پر اعتبار کریں گے نہ ان کی صلح پر۔ اس سے دنیا میں مسلمانوں کا بھرم جاتا رہے گا اور اس کا بہت نقصان ہو گا اور اس سے غیر مسلم مسلمانوں کی دعوت اسلام پر دین اسلام میں داخل ہونے سے متفر ہوں گے اور تمام دنیا میں انہر مسلمان کی مذمت ہوگی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۹)

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يَعْجِزُونَ ﴿۵۹﴾ وَأَعِدُّوا

اور کافر اس گمنام میں نہ رہیں کہ وہ صلح کرنے، بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ○ اور (اپنے مسلمانوں)

لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِم

تم ہر قدر استطاعت، ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندے ہوئے گھوڑے اور ان سے تم

عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ

اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو اور ان کے برادر سوئے دشمنوں کو نہیں تم نہیں جانتے، اللہ

أَلَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ

انہیں جاتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کر دو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا

إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تظْلَمُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْعَلْ لَهَا

جائے گا، اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہو تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۱﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا

اللہ پر توکل کریں، بے شک وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے ○ اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا

أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ

ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے وہی ہے جس نے اپنا مدد اور مسلمانوں کی حمایت

وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ

سے آپ کی تائید فرمائی ○ اور اس نے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا کی، اگر آپ تمام دھنوں کی چیزوں کو بھی

جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ يَنْتَهُمْ

خرچ کر دیتے تو (ان خود) ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی،

إِنَّكَ عَنِ زُحُكَيْمٍ ۝ يَأْتِيهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

بے شک وہ بہت غیور الٰہی حکمت والا ہے ۝ لے ہی: آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

دلے مؤمنین ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ کل گئے بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ۝

(الانفال: ۵۹)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جو کافر مسلمان سے لڑنے کے لیے داوی بدر میں آئے ہیں ان سے کس طرح مقابلہ کیا جائے اور ان پر غلبہ ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے نیز یہ بھی بتایا تھا کہ جو کافر آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اب وہ کافر باقی رہ گئے تھے جو مکہ میں تھے اور بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے لیکن یہ وہ لوگ تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ اذیت پہنچائی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتا رہا ہے کہ یہ کافر جو بدر میں نہ آنے کی وجہ سے قتل یا گرفتار ہونے سے بچ گئے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ گئے وہ دنیا میں کسی اور موقع پر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے ورنہ آخرت میں تو سہرمل دائمی عذاب میں جلائیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے اور ان سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو جیسے تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ (الانفال: ۶۰)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے (الانفال: ۵۸) میں یہ فرمایا تھا جو کافر آپ سے عہد شکنی کریں آپ بھی ان کا عہد ان پر پھینک دیں۔ اور اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ کافروں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار مہیا کریں ایک قول یہ ہے کہ معرکہ بدر میں مسلمانوں نے پہلے سے مقابلہ کی تیاری نہیں کی تھی ہتھیار جمع کیے تھے نہ گھوڑوں اور دیگر سواروں کا بندوبست کیا تھا ہنگامی طور پر اچانک ان پر جنگ مسلہ کر دی گئی تھی اور انہوں نے بغیر کسی تیاری کے مقابلہ کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کریں اور کفار سے جنگ کرنے کے لیے جس قدر ہتھیار سواریاں اور افرادی قوت مہیا کر سکتے ہیں وہ کر لیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کسی مظلوم کو حاصل کرنے کے لیے اس کے اسباب کو جمع کرنا تو کل کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ توکل کا معنی ہی یہ ہے کہ اسباب کے حصول کے بعد نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

تیر اندازی کے فضائل

زیر تفسیر آیت کا لغتی ترجمہ اس طرح ہے: ”تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے قوت کو مہیا کرو“ اس آیت میں

قوت سے مراد اسلحہ کی تمام انواع اور اقسام ہیں اور اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ جن دشمنان اسلام سے تمہارا مقابلہ ہو ان کے خلاف جو اسلحہ سب سے زیادہ موثر ہو اس اسلحہ کو مہیا کرو۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ہتھیار سب سے زیادہ مسلک ہو اس ہتھیار کو حاصل کر لو۔ حمد و رسالت میں سب سے زیادہ مسلک ہتھیار تیر تھا اس لیے نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور تیر و کلن کے حصول کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر پر واعد والہم ما استطعتم من قوۃ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'سنو یقیناً قوت حیر اندازی ہے۔ سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے' سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے۔ (صحیح مسلم الامارہ ۱۶۷۷ (۱۹۷۷) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: غنقریب تمہارے لیے زمینیں فتح کی جائیں گی اور اللہ تمہیں کافی ہو گا۔ اور تم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے سے عاجز نہ ہو۔

(صحیح مسلم الامارہ ۱۶۸۵ (۱۹۱۸) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۳)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر پھر اس کو ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے یا فرمایا اس نے نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم الامارہ ۱۶۹۵ (۱۹۱۹) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ عزوجل ایک تیر کے سبب سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا تیر کا پٹانے والا جو تیر پٹانے میں ثواب کی نیت کرتا ہو اور تیر کو حاصل کرنے والا اور تیر اندازی کرنے والا تم تیر اندازی کرو اور شہ سواری کرو اگر تم تیر اندازی کرو تو وہ میرے نزدیک گھر سواری سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کھیل میں صرف تین چیزیں پسندیدہ ہیں کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا کسی شخص کا اپنی زوجہ سے دل لگی کرنا اور کلن سے تیر مارنا اور پکڑنا اور جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر اس کو پسند کر کے اس کو چھوڑ دیا تو یہ ایک نعمت ہے جس کو اس نے ترک کر دیا یا اس نے کفر میں نعمت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۸۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۰۵ مسند احمد ج ۶ رقم الحدیث: ۱۷۳۰۴)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک جماعت کے پاس سے گزرے وہ آپس میں تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے (کہ کس کا تیر نکلنے پر پہنچتا ہے) نبی ﷺ نے فرمایا اے بنو اسحاق! تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے باپ تیر انداز تھے۔ تم تیر مارو اور میں بنو نکلان کے ساتھ ہوں تو ان میں سے ایک فریق نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا تم کیوں نہیں حیر مارتے انہوں نے کہا ہم کیسے تیر ماریں مگر آپ ان کے ساتھ ہیں انہی ﷺ نے فرمایا تم تیر مارو میں تم سب کے ساتھ ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۵)

اسلحہ کے استعمال کی تربیت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور کبھی یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔

اس دور میں تیر اندازی کے مصداق ایٹمی میزائل ہیں

نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے کیونکہ اس زمانہ میں یہ دشمن کے خلاف بہت بڑا اور بہت موثر ہتھیار تھا۔ اس زمانہ میں تیر اندازی کی جدید شکل میزائل ہے۔ جس طرح تیر کو کلن میں رکھ کر ہدف پر مارتے ہیں اس طرح میزائل کے وارہیڈ میں ایٹم بم ہائیڈروجن بم کورنوزان بم رکھے جاتے ہیں اور لائچنگ ہیڈ سے



میزائل کو ہدف پر داتا جاتا ہے۔ سو جس طرح اس زمانہ میں تیر اندازی کا علم حاصل کرنا اور اس کی مشق کرنا ضروری تھا اسی طرح اس زمانہ میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی تیاری کا علم حاصل کرنا اور میزائل بنانے کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس دور میں ایٹمی صلاحیت کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور جب تک کسی ملک کو ایٹمی صلاحیت حاصل نہ ہو اس کی بقا کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے۔ جس سے وہ شہر تباہ ہو گئے اور جاپان وہ جنگ ہار گیا۔ اگر اس وقت جاپان کے پاس بھی ایٹم بم ہوتے تو امریکہ کبھی بھی جاپان پر ایٹم بم نہیں گرا سکتا تھا۔ امریکہ اور روس کے درمیان سرد جنگ کے زمانہ میں شدید مخالفت کے باوجود امریکہ نے روس یا چین پر ایٹمی حملہ کی جسارت نہیں کی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان ملکوں کے پاس بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں اور امریکہ ان کے دور مار براہمظمی ایٹمی میزائلوں کی زد میں ہے۔

اس لیے آج مسلمانوں کو اپنی بقا کے لیے اور دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا ضروری بلکہ سب سے اہم اور سب سے مقدم فرض ہے۔

ایٹمی ہتھیار بنانے کیلئے تفکر کرنا اور اس کیلئے سائنسی علوم حاصل کرنا افضل ترین عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے خالق کائنات میں غور و فکر کرنے اور تدبیر اور فکر کرنے کی ترغیب دی ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْخِلَافِ  
الْبَیْلِ وَ السَّھَابِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ  
یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُوسِیْہِمُ وَّ  
یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَکْعًا  
مَّا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِیْہَا عَذَابَ  
النَّارِ ۝

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں صاحبان عقل کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل لیتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ عقل بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو پاک ہے سو تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خالق کائنات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے تو وہ غور و فکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم کس چیز میں غور و فکر کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ میں آپ نے فرمایا اللہ میں تفکر نہ کرو اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو۔

(ملیۃ انار یاء ج ۶ ص ۶۸-۶۷ رقم الحدیث: ۷۸۱۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۱۳۰، اتحاف الساریۃ السقیم ج ۶ ص ۵۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں میں تفکر کرو اور اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط ج ۷ ص ۱۷۲، رقم الحدیث: ۶۳۱۵، شعب الایمان ج ۱ ص ۱۳۶، رقم الحدیث: ۱۲۰، کتاب العطیۃ ص ۱۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں غور و فکر کرنا ایک رات کے قیام سے افضل ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۹۷، رقم الحدیث: ۳۵۲۱۳، شعب الایمان ج ۱ ص ۱۳۶، رقم الحدیث: ۱۸)

علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ ان احادیث کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کے اجتماع سے اس حدیث میں قوت حاصل



ہو گئی اور ان کا معنی صحیح ہے۔ (التقاریر المختصہ ص ۳۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ساعت میں تفکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (کتب الصغیرہ ج ۱ ص ۲۳ رقم الحديث ۴۳ الجامع الصغیر ج ۲ رقم الحديث ۵۸۹۷)

حافظ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے (الموضوعات رقم الحديث ۴۳۰۲) لیکن حافظ سیوطی نے علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ علامہ عراقی نے احیاء العلوم کی تخریج میں اس حدیث کو ضعیف کہنے پر اقتصار کیا ہے اور اس کا شاہد بھی ہے۔

(فیض القدر ج ۸ ص ۳۲۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی لواحقیت میں اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں پر غور کرے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید میں تفکر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور اس کے حساب لینے کے متعلق تدبیر کرے اور اپنے اعمال کے میزان میں وزن اور کمی کے متعلق اور پل صراط کی پادری اور تیزی کے بلوجود اس پر سے گزرنے کے متعلق سوچے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور کرے جس دن بچے خوف سے بوڑھے ہو جائیں گے جس دن ہر حلالہ عورت کا حاصل سلطہ ہو جائے گا اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہوگی جس دن بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ہر شخص اپنی بیوی اور بچوں سے اور ماں اور باپ سے بھاگے گا۔ جس دن اللہ تعالیٰ نیکو کاروں اور بدکاروں کو الگ الگ صفوں میں کھڑا کر دے گا اور اللہ جانے وہ نیکوں کی صف میں ہو گا یا بدوں کی صف میں ہو گا اور جب وہ ان امور میں غور و فکر کرے گا تو اس کے دل میں خوف خدا بہت قوی ہو گا اور اس کا مصلح نظر اور نصب العین صرف آخرت ہوگی وہ دنیا کی رنگینیوں اور مرغوبات نفس سے اعراض کر کے غلوں قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے گا اور انتہائی رغبت کے ساتھ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے گا اور جس کا ان امور میں تفکر کم ہو گا وہ مرغوبات نفس کا اسیر ہو جائے گا اس کا دل سخت ہو جائے گا اس پر غفلت غالب ہوگی وہ اگر عبادت کے لیے کھڑا بھی ہو گا تب بھی اس کا دل دنیا داری میں مشغول ہو گا و عطا نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو گا اور آخرت کے بجائے دنیا اس کا مصلح نظر ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری عبادت اعضاء ظاہرہ سے ہوتی ہے اور باطنی عبادت دل سے ہوتی ہے اور باطنی عبادت ظاہری عبادت سے افضل ہے اور کامل تفکر یہ ہے کہ انسان کا دل عالم شہادت اور عالم حواس سے نکل کر عالم الغیب میں تفکر کرے اور جس چیز میں غور و فکر کرے گا وہ جس قدر عظیم ہوگی اس کا تفکر بھی اسی قدر عظیم ہو گا۔ پس بعض علماء قلوب و قلوب اور مصنوعات میں تفکر کر کے اس کے خالق اور صانع کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور بعض احوال آخرت میں تفکر کر کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور نیکیوں پر مداومت کرتے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جہوت اور اس کی دیگر صفات میں تفکر کرتے ہیں اور کائنات کے ہر مخلوق سے اس صفت کی معرفت حاصل کرتے ہیں جو اس حادثہ کی محدث ہے۔ (فیض القدر ج ۸ ص ۳۲۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ حقائق کائنات کا سراغ لگانا اور اس پر آشوب دور میں انسان کی ضرورتیں پوری کرنے کے اسباب اور علل کو جدید سائنس سے معلوم کرنا انسان کی فلاح کے لیے مسلک اور لاعلاج امراض کا جدید میڈیکل سائنس سے علاج دریافت کرنا اور ملک اور قوم کے دفاع کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق غور و فکر کر کے ایٹمی ہتھیار اور میزائل بنانا تاکہ مسلمانوں کا ملک دشمنان اسلام کے حیلوں سے محفوظ رہے اور اقوام عالم میں عزت اور آزادی کے ساتھ کھڑا رہ سکے اور ذراعت کے شعبوں میں

سائنسی تکنیک سے ایسے طریقے معلوم کرنا جن سے فصل زیادہ پیدا ہو اور قدرتی آفت سے محفوظ رہ سکے تاکہ ملک خوشحال ہو اور دوسروں کا دست نگر نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے علوم حاصل کرنا اور ایسے امور میں ایک لمحہ کا غور و فکر بھی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ اگر ملک سلامت اور آزاد ہو گا تو اس کے باشندے اللہ کی عبادت کر سکیں گے اور ملک غذا اور دوا میں خود کفیل ہو گا تو وہ دوسروں کے سارے کے بغیر خوشحال سے رہ سکیں گے۔ سو ملک کے تمام باشندوں کی عبادتوں اور ریاستوں اور نیک اعمال کا وجود ملک کی بقا اور اس کی آزادی پر موقوف ہے اور اس کی بقا اور آزادی عصری تقاضوں کے مطابق ایسی ہتھیار بنانے پر موقوف ہے۔ تو جن مسلمان سائنسی ماہرین نے یہ ہتھیار بم اور میزائل بنائے اور اس کے بنانے میں جو فکر کیا تو یہ فکر بہت عظیم عبادت ہے اور ملک کے تمام عبادت گزاروں کی عبادتوں کے اجر و ثواب سے ان کو بھی حصہ ملے گا۔ تاہم ہم ان سائنسی ایجادات کے خلاف ہیں جو عیاشی اور فحاشی کو فروغ دیتی ہیں خواہ وہ دوائیں ہوں یا آلات ہوں۔

جہاد کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی فضیلت اور اس دور میں ان کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔" جہاد کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی بہت فضیلت ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے کہ عرہ باری کے پاس ستر گھوڑے تھے جن کو انہوں نے جہاد کے لیے تیار رکھا ہوا تھا۔ گھوڑوں کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں ایک گھوڑا آدمی کے لیے اجر کا باعث ہے، ایک گھوڑا آدمی کے لیے اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے اور ایک گھوڑا آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہے۔ جو گھوڑا آدمی کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی نے اللہ کی راہ میں باندھ رکھا ہو اور چہ اگلہ یا بلغ میں اس کی رسی دراز کر دی ہو۔ وہ اس چہ اگلہ یا بلغ میں جہل تک جا کر چرے گا وہ سب اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر وہ اس کی رسی کو کٹ دے اور وہ کسی ایک یا دو جنگوں کے پکر لگائے تو جتنے قدم وہ چلے گا یا جتنی لید کرے گا وہ سب اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر وہ گھوڑا آدمی کے پاس سے گزرے اور اس کا پانی پئے خواہ اس کا مالک اس کو پانی پلانے چاہتا ہو پھر بھی وہ اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور جو شخص سوال سے بچنے کے لیے گھوڑا باندھے اور اس کی سواری میں اللہ اور بندوں کے حقوق فراموش نہ کرے وہ اس کے لیے ستر کا باعث ہے۔ اور جو گھوڑا آدمی کے لیے گناہ ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی نے غر اور دکھاوے اور مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے رکھا ہو وہ اس کے لیے باعث گناہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۰، صحیح مسلم زکوٰۃ ۲۳ (۹۸۷) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۷۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۶۷)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اکون ساعلم سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے پوچھا کون سا غلام سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس کے مالک کے نزدیک سب سے نفیس اور سب سے منگاہو۔

(صحیح مسلم الامان ۳۶ (۸۳) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۳)

اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ کی راہ میں وہ گھوڑا رکھنا چاہیے جس کی قیمت سب سے زیادہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ کسی

چیز سے محبت نہیں تھی۔ (سنن ابوالحسنی رقم الحدیث: ۳۵۷۱)

حضرت ابو وہب چہنچہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے موافق نام رکھو۔ اور اللہ عزوجل کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ اور گھوڑوں کو باندھ کر رکھو اور ان کی پیشانیوں کو اور ان کی رانوں کو ملو اور دین کی سرحدی اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ان کو رکھو نہ کہ زمانہ جاہلیت کے بدلے لینے کے لیے اور ایسے گھوڑے رکھو جن کا ماتھا اور ہاتھ سرخ اور سفید ہوں یا جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سفید ہوں یا ان کا ماتھا اور ہاتھ پیر کالے اور سیاہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۳ سنن ابوالحسنی رقم الحدیث: ۳۵۷۲)

عہد رسالت اور بعد کے ادوار میں مجاہدین گھوڑوں پر بیٹھ کر جلا کرتے تھے اور دشمن ممالک کا سفر کرتے تھے۔ اس دور میں نینک اور بکتر بند گاڑیوں کو گھوڑوں کے بدلہ میں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ دشمن ممالک پر حملہ کرنے کے لیے جنگی طیاروں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے نینک بکتر بند گاڑیاں فوجی ترک اور لڑاکا طیارے ان سب کے حصول میں وہی اجر و ثواب ہو گا جو پہلے گھوڑوں میں ہوتا تھا۔

### نامعلوم دشمنوں کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان کے سوا دوسرے دشمن جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں ان کے سوا دوسرے دشمنوں کے مصداق میں اختلاف ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ وہ بنو قریظہ ہیں۔ سدی نے کہا اس سے مراد اہل فارس ہیں۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں تم انہیں نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور تمہارے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد جنت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اللہ کے اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کے لیے ہتھیار مہیا کرنے اور باندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا اور مسلمان ان دشمنوں کو جانتے تھے کیونکہ مسلمانوں کو بنو قریظہ اور اہل فارس کی عداوت کا علم تھا کیونکہ ان کو علم تھا کہ وہ مشرک ہیں اور وہ ان کے مخالف اور جنگجو لوگ ہیں اور دشمنوں کی دوسری قسم وہ تھی جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے جو بنو آدم کے غیر ہیں۔ وہ ان کے ٹھکانوں اور ان کے احوال کو نہیں جانتے ان کو صرف اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے کیونکہ بنو آدم جنت کو دیکھ نہیں سکتے۔ ایک قول یہ ہے کہ گھوڑوں کی آواز سے جن خوف زدہ ہوتے ہیں اور جس گھر میں گھوڑا ہو جنت اس گھر کے قریب نہیں جاتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان منافقین کو بھی نہیں جانتے تھے تو اس آیت سے ان کو کیوں مراد نہیں لیا جاسکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں کے ہتھیاروں اور گھوڑوں سے نہیں ڈرتے تھے وہ صرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کا راز فاش نہ ہو جائے اور مسلمانوں کو ان کے خفیہ کا پانا نہ چل جائے۔

(جامع البیان ۱۰: ۲۲-۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مسلمانوں کے نامعلوم دشمنوں کے مصداق کا تعین کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کے سوا دوسرے دشمن جن کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے بس کوئی شخص کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کو ان دشمنوں کا علم ہے؟ لایہ کہ ان دشمنوں کی تحسین کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ہو اور آپ کا یہ ارشاد ہے کہ وہ جن ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کسی ایسے شخص کی عقل کو فاسد نہیں کرتا جس کے گھر میں گھوڑا ہو۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسلمہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور یہ بھی

روایت ہے کہ جنت اس گھر کے قریب نہیں جلتے ہیں جس میں گھوڑا ہو اور جنت گھوڑوں کی آواز سن کر ہلک جاتے ہیں۔

(المجامع الاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے یزید بن عبد اللہ بن عرب اللہکی سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جن ہیں۔ اور آپ نے فرمایا جن کسی ایسے گھر کو خراب نہیں کرتے جس میں عمدہ گھوڑا ہو۔

(المعجم الکبیر ج ۷، ص ۱۸۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۷۰۹، ۱۷۰)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۷۷)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: امام ابو الشیخ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ وہ جن ہیں اور جو شخص اپنے گھر میں گھوڑوں کو باندھے جن اس کے گھر کو خراب نہیں کرتے اور امام ابو الشیخ اور امام ابن مرددہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث روایت کی ہے یعنی شیطان کسی گھوڑے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر کی گرہ ہے لہذا شیطان کبھی اس پر قدرت نہیں پائے گا۔ (مقدمہ المشورہ ج ۳، ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ)

امام رازی نے فرمایا اس آیت کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ جب وہ مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ کریں گے تو وہ خوف زدہ ہو کر اپنے خلق کو ترک کر دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے باز آجائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہیں لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ آلات جہاد کی کثرت سے جنت کا خوف زدہ ہونا غیر معقول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دشمن ہیں جو مسلمان ہیں کیونکہ مسلمان آپس میں بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۵۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

میری رائے یہ ہے کہ جن امادیث سے اس آیت کا مصداق جنت کو بتایا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ اس لیے ہمیں خلاف عقل روایات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور جب اللہ اور اس کے رسول نے ان دشمنوں کی تحسین نہیں کی تو ہمیں اس کے ورپے نہیں ہونا چاہیے اور اس کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

دشمنان اسلام کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کی حکمت

کفار کو جب یہ علم ہو گا کہ مسلمانوں کے جہاد کی مکمل تیاری کر لی ہے اور جہاد کے تمام آلات اور اسلحہ کو حاصل کر لیا ہے تو وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے اور اس خوف کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ملکوں پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے اور اس خوف کی وجہ سے وہ جزیہ کی ادائیگی کے لیے تیار ہو جائیں گے اور بے اوقات یہ خوف ان کے ایمان لانے کا سبب بن جائے گا اور اس خوف کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کی مدد نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے اس رعب اور دہرہ کی وجہ سے اقوام عالم میں مسلمانوں کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے بالکل علم نہیں کیا جائے گا۔

یعنی اے مسلمانو! تم آلات حرب اور جنگ کے لیے سواریوں کے حصول میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں بھی اس کا اجر عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اس نے تمہارے لیے ثواب کا ذخیرہ کر لیا ہے جو تم کو قیامت کے دن پورا پورا دیا جائے گا۔

سورۃ الانفال کی ان آیات میں کفار کے خلاف جہاد کرنے اور مال غنیمت کی تقسیم کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس لیے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جہاد کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث بیان کریں اور جہاد کے فقہی احکام بیان کریں اور اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم، گرفتار شدہ قیدیوں کے احکام اور فدیہ کی تفصیل بیان کریں۔ فسقول و باللہ التوفیق۔

جہاد کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ نَجَاتٍ  
تُجِيبُكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ۚ تَوَاصَوْا بِاللَّهِ وَ  
رَسُولِهِ وَتُجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ  
وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ ۚ يَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ  
طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ ۝  
(الصف: ۱۰-۱۲)

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ  
أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
يَأْتُوا إِلَهُمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ  
الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى  
الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَ  
فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا  
عَظِيمًا ۝ دَرَجَتَيْنِ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ  
اللَّهُ عَفُورًا رَحِيمًا ۝ (النساء: ۹۵-۹۷)

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ دَرَجَةً  
عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ  
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا  
يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ  
عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (التوبة: ۴۲-۴۴)

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَ  
أَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُفَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي

ابے ایمان والوں کی ایسی تجارت کی طرف تمہاری  
راہنمائی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے ۝ تم  
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اپنے مالوں اور اپنی  
جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو ۝ تمہارے لیے بہت بہتر ہے  
اگر تم علم رکھتے ہو ۝ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں  
ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہ رہے  
ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں اور ہمیشہ کی جنتوں میں ۝ یہی بہت بڑی  
کامیابی ہے۔

بلا غدر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ  
میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں  
ہیں ۝ اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو  
بیٹھنے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے  
ایکے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے  
والوں پر بہت بڑے ثواب کی فضیلت دی ہے ۝ اللہ کی طرف  
سے درجات ہیں اور بخشش اور رحمت ہے اور اللہ بہت بخشنے  
والا ہے ۝ بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی  
راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے  
نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں ۝ اور یہی لوگ کامیاب  
ہونے والے ہیں ۝ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور رضا کی  
اور جنتوں کی خوشخبری سناتا ہے ۝ جن میں ان کے لیے دائمی  
نعمت ہے ۝ وہ اس میں ابد تک ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ ہی  
کے پاس بہت بڑا اجر ہے ۝

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو  
ان کے لیے جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے ۝ وہ اللہ کی راہ میں  
قتال (جہاد) کرتے ہیں ۝ ہمیں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے

التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ  
مِنَ التَّوْفَاقِ سُبُخُوا بِشَوْكُمْ الْذِي بَاعْتُمُ  
بِهِ وَذَلِكُمْ هُوَ الْفَوْرُ الْعَظِيمُ (التوبہ: ۳۴)

ہیں اس پر تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے اور  
اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے؟ پس تم اپنی  
اس سچ سے خوش ہو جاؤ جو تم نے سچ کی ہے اور یہی بہت بڑی  
کامیابی ہے

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا یہ  
کس کا کلام ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم یہ نفع دالی سچ ہے ہم اس سچ کو ہرگز واپس نہیں کریں  
گے نہ اس کو رد کرنے کا مطالبہ کریں گے وہ جملہ کے لیے نکال اور جاتے ہی شہید ہو گیا۔ (جامع البیان ج ۱۱ ص ۳۹)

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ  
صَفَا كَانَتْهُمْ نِيَّانَ مَرَّضُوهُمْ (الصاف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں  
اس طرح صف باندھ کر قتال (جہاد) کرتے ہیں گویا کہ وہ سیر  
پلائی ہوئی دیوار ہیں

جہاد افضل اعمال ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے اپنی حیات کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان  
کو اس کی جزا میں اس حیات سے افضل حیات عطا فرماتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَرِّقُونَ ۝ فَيَرَى  
بَيْنَا أَلَهُمُ اللَّهُ مِنْ قُضُلِهِ وَيَنْشُرُونَ  
بِالْذَوْبِ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا  
تَعْرِفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَعْرِفُونَ ۝

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ  
نہ کہہ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا  
جاتا ہے ۝ اللہ نے ان کو جو اپنے فضل سے زیادہ اس پر خوش  
ہیں فوراً بعد والے لوگوں کے متعلق جو ابھی ان سے نہیں ملے  
یہ بشارت پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف ہو گا نہ وہ  
ملکیں ہوں گے۔ (آل عمران: ۱۶۷-۱۶۸)

### جہاد کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ من کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا  
اور اللہ پر ایمان لانا افضل اعمال ہیں۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا  
جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ در آنجا ایک تم (جنگ کی  
شدت میں) صابر ہو اور ثواب کی نیت کرنے والے ہو آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہ ہو۔ پھر  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے کیا پوچھا تھا؟ اس نے کہا یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے  
گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں قرض کے ماسوا۔ بشرطیکہ تم صابر ہو ثواب کی نیت کرنے والے ہو  
آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہ ہو۔ بے شک جبرئیل نے یہ (قرض کے ماسوا کی قید) مجھے ابھی بتائی  
ہے۔ (صحیح مسلم الامارہ ۱۷۷۱ (۱۸۸۵) ۳۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۱ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا ایک شخص مل غنیمت کے  
لئے قتل کرتا ہے اور ایک شخص اس لیے قتل کرتا ہے تاکہ اس کی بملوری کا ذکر کیا جائے اور ایک شخص اپنے خاندان کی غیرت  
کی وجہ سے قتل کرتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں قتل کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اس لیے قتل کرتا ہے کہ



اللہ کا دین سرپند ہو وہ اللہ کی راہ میں قتل کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۰، صحیح مسلم الامارہ: ۱۵۱-۱۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۸، ۲۵۱۷، سنن

الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۵۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

حضرت سل بن سہد السعیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۳، صحیح مسلم الامارہ: ۱۵۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اس محل میں مرا کہ اس نے جہاد کیا نہ اس کے دل میں جہاد کی خواہش ہوئی وہ خلاق کے ایک شعبہ پر مرا۔

(صحیح مسلم الامارہ: ۱۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۰۹)

امام مالک بن انس اسکی متوفی ۹۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کروں پھر مجھے قتل کر دیا جائے پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر مجھے قتل کیا جائے پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر مجھے قتل کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اس کو قسم کھا کر بیان کیا۔

(صحیح مسلم الجامعہ: ۱۰۹، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۱، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۱، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں ذمہ ہو گا اور اللہ کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں ذمہ ہوا ہے تو وہ قیامت کے دن اس محل میں آئے گا کہ اس کے ذمہ سے خون بہہ رہا ہو گا رنگ خون کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہو گی۔

(الموطا رقم الحدیث: ۱۰۰۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۳، صحیح مسلم الجامعہ: ۱۰۵، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید کو قتل کیے جانے کا فقط اتنا درد ہوتا ہے جتنا تم میں سے کسی ایک شخص کو چوٹی کاٹنے کا درد ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۴۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی فوت ہو اور اس کے لیے اللہ کے پاس اجر ہو وہ دنیا میں واپس جانے سے خوش نہیں ہو گا خواہ اس کو دنیا اور مافیہا مل جائیں ماسوا شہید کے کیونکہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور پھر قتل کیا جائے کیونکہ وہ شہادت کی نصیبت دیکھ لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۷، صحیح مسلم الامارہ: ۱۰۸، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۸)

مسوق بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مگن مت کہو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے (آل عمران: ۱۶۹) حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تھا آپ نے فرمایا شہداء کی رو میں سبز پرندوں کے بیٹ میں ہیں ان کے لیے عرش میں قدیس لکھی ہوئی ہیں وہ جہنم چاہتی ہیں چرتی ہیں اور پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ پھر ان کا رب ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے تم کسی چیز کو چاہتے ہو؟ وہ کہتے ہیں ہم کس چیز کی خواہش کریں کہ ہم جنت میں جہنم چاہتے ہیں چرتے ہیں۔ یہ مکالمہ تین مرتبہ ہو گا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کو بغیر پوچھے نہیں چھوڑا جا رہا تو وہ کہیں گے



الْعَلَمِيبَسَ ۝ (البقرہ ۲۵۷) \*

وَلَوْ لَا دَفْعُ النَّاسِ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتِمَتْ صَوَامِعُ وَبُيُوعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيُفْسِدَنَّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ فَإِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (الحج ۴۰)

فضل فرماتے والا ہے ۝

اور اگر اللہ بعض (خالق) لوگوں کو بعض (عادل) لوگوں سے دور نہ فرماتا تو راہبوں کی عبادت گاہیں، اور گرجے اور کلیسیا اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ضرور منہدم کر دی جاتیں اور اللہ اس کی مدد فرماتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے، بے شک اللہ ضرور قوت والا

ہم غالب ہے ۝

اس حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاد کو شروع کیا اور جہاد اور قتل کی مشروعیت سے صرف یہ مقصد تھا کہ لوگوں کو زمین پر اللہ کی عبادت پر قدرت مہیا کی جائے اور شر اور فساد کا قلع قمع کیا جائے یا اس کو کم کر دیا جائے اور تمام آسمانی مذاہب اور شریعتوں کا یہی مقصد رہا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ عز و جل نے کافروں، ظالموں، باغیوں اور مجرموں سے قتل کو مشروع کیا۔ ہر چند کہ قتل اور جہاد سے انسانوں کا خون بہتا ہے، مگر تیس بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں لیکن اس سے دنیا میں توحید، عدل و انصاف اور خیر کثیر کا حصول ہوتا ہے اور خیر کثیر کے حصول کے لیے شر قلیل کو برداشت کرنا ناگزیر ہوتا ہے بلکہ اس شر قلیل کو برداشت کرنا خیر کثیر ہے اور شر قلیل کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک کرنا بھلائے خود شر کثیر ہے۔

جہاد کے فرض عین ہونے کی صورتیں

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تین حالتوں میں جہاد فرض عین ہے۔  
۱۔ امام المسلمین اور سربراہ مملکت اسلامیہ کسی شخص یا کسی جماعت کو جہاد اور قتل کے لیے طلب کرے تو ان لوگوں کے لیے جہاد کے لیے نکلنا فرض عین ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا فُتِلَ لَكُمْ أَمْرُؤُا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَأَنْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَسْوَرُوا يَعْبُدْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (التوبة ۲۴-۳۸)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف ہٹک جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے حالانکہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے ۝ اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

اور اس آیت کی دلالت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام المسلمین کے طلب کرنے کے بعد جہاد کے لیے نکلنے میں سستی کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور جہاد کے لیے نہ نکلنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

امام المسلمین کے طلب کرنے پر جہاد کے فرض عین ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب (مکہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لیے نکلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۸۴۵، ۲۰۷۷، صحیح مسلم الامارہ ۸۵، ۱۳۵۳، ۴۷۴۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۳۸۰، سنن الترمذی

رقم الحدیث: ۱۵۹۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۹۹، جامع لاصول، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۶۹۰۰

اور اس حدیث کی دلالت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے امام کے طلب کرنے کے بعد جہاد کے لیے نکلنے کا امر فرمایا ہے اور امر واجب کے لیے ہوتا ہے۔

۲- جہاد کے فرض عین ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر کے اس میں داخل ہو جائے یا ان کی مملکت کے کسی حصہ پر قبضہ کر لے تو اس وقت دشمن سے قتل کرنا فرض عین ہے اور اس کی فرضیت اجماع سے ثابت ہے۔

۳- جزا کے فرض عین ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب دشمن سے صف پہ صف مقابلہ ہو رہا ہو تو اس وقت دشمن سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا رَحْمَةً قَاتِلُوا تُلُوهُمْ أَلَذَّ بَارًا (الانفال: ۱۵)

اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو۔

اس آیت کی وجہ دلالت اور اس کی تفسیر للانفال: ۱۶ میں گزر چکی ہے۔

جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورتیں

جب دشمن مسلمانوں کے ملک پر حملہ کرے نہ اس کے کسی حصہ پر قبضہ کرے نہ امام مسلمانوں کو جہاد کے لیے طلب کرے تو تبلیغ اسلام کے لیے کفار پر حملہ کرنا فرض کفایہ ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَائِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمُهَايِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَائِدِينَ دَرَجَةً وَكَذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْخَاسِرِينَ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَائِدِينَ آخِرًا عَظِيمًا (النساء: ۹۵)

بلاغہ رجماد سے بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے والوں پر بہت بڑے ثواب کی فضیلت دی ہے۔

اس آیت کی جہاد کے فرض کفایہ ہونے پر اس طرح دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں اور بلاغہ رجماد نہ کرنے والوں دونوں سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ البتہ جہاد کرنے والوں کو زیادہ اجر و ثواب کی بشارت دی ہے اگر ہر جہاد فرض عین ہو تا تو جہاد نہ کرنے والے گناہ گار ہوتے اور ان سے اچھے اجر کا وعدہ نہ فرماتا کیونکہ مقصود تو اللہ کے دین کی سرمدی اور تبلیغ اسلام ہے سو جن مسلمانوں نے اس فریضہ کو ادا کر لیا تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو گئی جیسا کہ تمام فروض کفایہ میں ہوتا ہے۔

تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

سلمان بن بريدة اپنے والد جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے لشکر یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خاص طور پر اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے اور اس امیر کے ساتھ جو مسلمان ہوتے ان کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتے۔ پھر فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کریں ان کے

خلاف قتل کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مثلہ نہ کرو (کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو) کسی بچہ کو قتل نہ کرو اور جب تمہارا مشرکین میں سے اپنے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دو، وہ ان میں سے جس چیز کو بھی مان لیں تم اس کو ان سے قبول کر لو اور پھر ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ۔ ان کو یہ دعوت دو کہ وہ اپنے شر سے دار مہاجرین کی طرف منتقل ہو جائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کے وہ حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے حقوق ہیں اور ان پر وہ چیزیں فرض ہوں گی جو مہاجرین پر فرض ہیں۔ اور اگر وہ اپنے شر سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو وہ مسلمان اعرابیوں کی طرح ہوں گے اور ان پر اللہ کا وہ حکم جاری ہو گا جو مومنین پر جاری ہے، اور مل غنیمت اور لٹے میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو گا، البتہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ جملہ کریں تو پھر ان کا حصہ ہو گا۔ اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر ان سے جزیہ قبول کر لو اور ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ، اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو اللہ سے مدد حاصل کر کے ان سے قتل کرو، اور جب تم قلعہ میں بند لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ ارادہ کریں کہ تم ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو ضامن بناؤ تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بناؤ۔ لیکن تم اپنی اور اپنے اصحاب کی ضمانت دو، کیونکہ اگر تم نے اپنی اور اپنے اصحاب کی ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو یہ اس سے آسان ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ضمانت توڑنے کی نسبت کرو، اور جب تم قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو اللہ کے حکم سے قلعہ سے باہر لاؤ تو تم اللہ کے حکم سے ان کو باہر نہ لانا لیکن تم ان کو اپنے حکم سے قلعہ سے نکالنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔

(صحیح مسلم الجہاد ۳ (۱۷۳۱) ۴۴۴۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۲۱۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۸)

جب کافر اپنے اپنے ملکوں میں ہوں تو جو مسلمان ان سے جملہ کرنے پر قادر ہوں ان پر تبلیغ دین اور اسلام کی سرپلندی کے لیے کافروں سے جملہ کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی ملک کے مسلمان بھی کافروں سے جملہ نہ کریں تو پھر دنیا کے تمام مسلمان گنہ گار ہوں گے۔

جب تک دنیا میں مسلم اقوام تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کفر اور باطل قوتوں سے جملہ کرتی رہیں وہ دنیا میں عزت اور سرپلندی کے ساتھ زندہ رہیں۔ اور جب انہوں نے جملہ چھوڑ دیا اور بیش و طرب کی زندگی اختیار کر لی، مسلمان مشقت، جانفشانی اور سخت کوشش کی جگہ سہولت، آرام اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے لگے تو ذلت اور محکومی ان کا مقدر ہو گئی۔ اسپین میں مسلمانوں کا عروج اور زوال، ہندوستان میں مسلمان، سلاطین کی سرپلندی اور ہستی اور عربوں کی اسرائیلیوں سے فتح اور شکست کا راز اسی ایک نکتہ میں مضمر ہے۔

آج پاکستان کی قوم بھی تہذیب اور کلچر کے نام پر سینما، وی سی آر اور ڈش پر پاکستان اور ہندوستانی فلموں کے دیکھنے کے دفر شوق میں مبتلا ہے اور میوزک کے شور میں ڈوبی ہوئی ہے اور فلموں میں جو فحاشی اور نیم عریاں تہذیب دکھائی جاتی ہے اس کو علمی زندگی میں آرٹ اور فیشن کے نام پر فروغ دے رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر لوے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی عسکری تاریخ کی بدترین مثل قائم کی۔

جہاد کے مباح ہونے کی شرائط

جہاد کے مباح ہونے کی دو شرطیں ہیں:

ظہیان الفقر آن

۱۔ دشمن دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ

نہ ہو۔

۲۔ مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہو گا اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لیے کفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سلطان حرب میں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خود کشی کے مترادف ہے۔ (عائلیگیری ج ۲ ص ۱۸۸)

جہاد کے وجوب کی شرائط

جہاد کے واجب ہونے کی سات شرطیں ہیں: (۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عقل (۴) آزاد ہونا (۵) مرد ہونا (۶) معذور نہ

ہونا (۷) ضروریات کا خرچ موجود ہونا۔

اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ کافر جنگ میں احمق نہیں کیا جاسکتا۔ عقل کی شرط اس لیے ہے کہ بھٹون جہاد نہیں کر سکتا اور بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ کمزور ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میری عمر چودہ سال تھی تو میں نے اپنے آپ کو جنگ احد کے لیے پیش کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ نبی ﷺ آزاد شخص سے اسلام اور جہاد کی بیعت لیتے تھے اور غلام سے صرف اسلام کی بیعت لیتے تھے جہاد کی بیعت نہیں لیتے تھے۔ اور مرد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہے اور وہ حج اور عمو ہے۔ غیر معذور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اندھا، لنگڑا اور بیمار نہ ہو اور یہ اس لیے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَبَسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ (المائدہ: ۱۰) (جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور خرچ موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَبَسَ عَلَى الْقَسْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرَضِيِّ وَلَا عَلَى الْذَوِيِّ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبہ: ۹)

(جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) ضعیفوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو (اوراد) خرچ نہیں پاتے جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کر لی ہو۔

اگر جہاد مسافت قصر سے کم پر ہو تو مدت جہاد میں اہل و عیال کا خرچ ضروری ہے اور ہتھیاروں کا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر جہاد مسافت قصر پر ہو تو اس کے ساتھ ساتھ سواری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا عَلَى الْذَوِيِّ إِذَا مَا آتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُكُمْ تَفِيطُ مِنَ الذَّمِّ حَرْنَا لَا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ (التوبہ: ۹)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ انہیں (جہاد کے لیے) سواری دیں تو آپ نے ان سے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو وہ اس حال میں واپس چلے گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کیونکہ ان کو یہ رنج تھا کہ ان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہے۔ (المفسر ج ۱۰ ص ۱۶۳ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ)



## مال غنیمت کی تقسیم کی تفصیل اور جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق مذہب فقہاء

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جب امام کسی شہر کو صلح سے فتح کرے تو اس شہر کی زمین اپنے محل پر رہے گی (عشری ہو تو عشری اور خراجی ہو تو خراجی) اور زمین ان کی ملکیت میں باقی رہے گی اور اگر وہ کسی شہر کو جنگ سے فتح کرے تو اگر امام چاہے تو وہیں کی زمین اور اسواں سے خمس نکالنے کے بعد اس کو لشکر کے درمیان تقسیم کر دے اور وہیں کے رہنے والوں کو غلام بنالے اور اگر چاہے تو وہیں کے رہنے والوں کو اس زمین پر برقرار رکھے اور ان کے افرار پر جزیہ مقرر کرے اور ان کی زمین سے خراج وصول کرے۔ پہلی صورت اولیٰ ہے جبکہ مال غنیمت کی ضرورت ہو۔ اور اگر چاہے تو وہیں کے رہنے والوں کو وہیں سے نکل دے اور وہیں کسی اور قوم کو آباد کرے اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کرے (علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام کے اس اختیار پر یہ اعتراض ہے کہ یہ اجماع صحابہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے مضافات کی زمین لشکر میں تقسیم نہیں کی تھی اور نہ اس سے خمس نکالا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو کچھ کیا تھا اس موقع پر وہی مناسب تھا۔ اور یہ لازمی امر نہیں تھا کیونکہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین کو لشکر کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ جو طریقہ مناسب سمجھے اس پر عمل کرے) یہ حکم اس وقت ہے جب اس شہر کے رہنے والے کافر ہوں اور اگر وہ مسلمان ہوں تو وہ زمین صرف عشری ہوگی۔ اگر قیدی مسلمان نہ ہوں تو امام چاہے تو ان کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے اور اگر چاہے تو ان کو زبی بنالے اور خواہ وہ مسلمان ہو گئے ہوں ان کو بلا عوض چھوڑنا حرام ہے کیونکہ ان کے ساتھ غنائم (اہل لشکر کا حق متعلق ہے۔ امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا كَفَرْتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَتَرْجَمُوا الرِّقَابَ  
حَتَّىٰ إِذَا أَتَخَسَّنْتُمُوهُمْ فَسُدُّوا أَلْوَابَكُمْ  
فَإِذَا تَمَاتَ الْيَوْمُ فَآوَا إِلَهُكُمْ خَلْقًا جَدِيدًا  
أَوْ رَارَهَا

(محمد: ۳)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو  
یہاں تک کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو ان قیدیوں  
کو مضبوطی سے باندھ لو پھر خواہ احسان کر کے ان کو چھوڑ دیا  
ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے اختیار  
رکھ دے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم سورہ توبہ کی اس آیت سے منسوخ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْكِرِينَ كَيْفَ حَبِطَتْ أَعْيُنُهُمْ  
فَإِذَا كَفَرْتُمْ فَاسْلُكُوا السَّبِيلَ  
(التوبہ: ۵)

اور جنگ ختم ہونے کے بعد ان سے فدیہ لینا حرام ہے اور جنگ ختم ہونے سے پہلے مالی فدیہ لینا جائز ہے (یعنی مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنا اور مسلم قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے) (درر) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا یہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کی بھی زیادہ ظاہر روایت یہی ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹-۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنا جائز ہے اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو

چھوڑنا جائز نہیں ہے اسی طرح سیرکبیر میں مذکور ہے۔ امام محمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر کافر بہت بوڑھا ہو اور اس کی نسل کا بڑھنا متوقع نہ ہو اسی طرح الاختیار میں مذکور ہے۔ اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو چھوڑنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ الحیضہ میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔ السیر الکبیر میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا جائز ہونا زیادہ ظاہر روایت ہے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے بدلہ میں دو مسلمان چھڑائے جو کہ مکہ میں قید تھے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) میں کہتا ہوں کہ ہم اسی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ فقہ کے متون میں جو یہ لکھا ہے کہ مالی فدیہ کے بدلہ میں مشرکین کو چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو مال کی ضرورت نہ ہو لیکن جب ان کو مال کی ضرورت ہو تو مشرکین کو مالی فدیہ کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں مالی فدیہ کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا) اسی طرح مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی نے السیر الکبیر کا جو حوالہ دیا ہے اس کی شرح میں شمس الائمہ السرخسی الحنفی متوفی ۸۴۸ھ لکھتے ہیں امام محمد شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے فرمایا مشرکین قیدیوں کے بدلہ میں ان مسلمان قیدیوں کو چھڑانا جائز ہے جو کفار کی قید میں ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اس کی شرح میں علامہ سرخسی فرماتے ہیں۔

یہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ظاہر روایت ہے۔ اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ قیدی کے بدلہ میں قیدی کو چھڑانا جائز نہیں ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کو مشرکین کی قید سے چھڑانا واجب ہے اور یہ مطلوب صرف ان کے قیدی پھوڑنے سے حاصل ہو گا اور یہ مشرکین کے قتل کو ترک کرنے سے زیادہ برا نہیں ہے اور مسلمانوں کی منفعت کے لیے یہ جائز ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ امام کے لیے مشرک قیدیوں کو غلام بنانا جائز ہے اور مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کا نفع ان کے قیدیوں کو غلام بنانے سے زیادہ ہے اور ہمارے اس قول کی تائید حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عقیل کے ایک مشرک قیدی کے بدلہ میں دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔

(شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۱۵۸ مطبوعہ المکتب الحریک الثوریۃ امامیہ افغانستان)

جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق احادیث  
علامہ ابن حنبل اور علامہ سرخسی نے مشرک قیدی کے بدلہ میں مسلمان قیدی کے چھڑانے کی جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو حنیفہ بنو عقیل کا حلیف تھا۔ حنیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ حضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے پاس گئے اور انہیں ایک وہ شخص بندھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا اے محمد (ﷺ) آپ نے اس سے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا تاج کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ (یعنی حضباء) اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے اس کی بات کو عظیم گردانتے ہوئے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف حنیفہ

کے بدلہ میں پکڑا ہے۔ پھر آپ چلے گئے اس نے پکار کر کہا یا محمد (ﷺ) رسول اللہ ﷺ میرا اور رقی القلب تھے آپ اس کے پاس لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ اس وقت کہتا جب تجھے اپنے معاملہ کا اختیار تھا (یعنی گرفتار ہونے سے پہلے) تو تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا۔ آپ پھر چل بسے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد (ﷺ) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھلائیے اور میں پیاسا ہوں مجھے کچھ پلائیے۔ (آپ نے اس کو کوئی چیز دے کر فرمایا) یہ لو اپنی حاجت پوری کرو۔ پھر اس کو بن دو شخصوں کے عوض چھوڑ دیا گیا۔ (جن کو حقیقت نے گرفتار کیا تھا)

(صحیح مسلم اندر ۸، ۲۱۷۱ (۱۷۳۱) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۲۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۷۵، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۲۱۷، مسند حیدری رقم الحدیث: ۸۷۹، مسند احمد ج ۴، ص ۲۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۵۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۳۵۵، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۷۷، دلائل البیہقی ج ۳، ص ۱۸۸، المعجم الکبیر ج ۱۸، ص ۱۹۰، رقم الحدیث: ۲۵۳)

حضرت سلمہ بن اکوع جریڈ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے ساتھ جملہ کیا۔ اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر جریڈ کو ہمارا امیر بنایا تھا۔ جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابوبکر جریڈ نے ہمیں حکم دیا ہم رات کے آخری حصہ میں اترے۔ پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا اور (ان کے) پانی پر پہنچے اور اس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا۔ میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں۔ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے پہلے پاڑ تک نہ پہنچ جائیں۔ میں نے ان کے اور پاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے حیر کو دیکھا تو وہ سب ٹھہر گئے۔ میں ان سب کو گھیر کر لے آیا۔ ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چڑے کی کھل کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس لے آیا، حضرت ابوبکر نے وہ لڑکی مجھ کو انعام میں دے دی۔ ہم عید میں پہنچے ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے اتارے بھی نہ تھے کہ میری رسول اللہ ﷺ سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے سلمہ یہ لڑکی مجھے یہہہ کر دو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس نہیں اتارا ہے، اگلے دن پھر میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا اے سلمہ یہ لڑکی مجھے یہہہ کر دو تمہارا بپ سے اچھا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کا لباس تک نہیں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں مکہ کے کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔

(صحیح مسلم الجملہ ۳۶، ۱۷۵۵) ۲۲۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۳۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۶۰، مسند احمد ج ۴، ص ۲۳۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۷۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۱۸۹)

نبی ﷺ نے مشرک قیدی کو بلا مصلحتہ احسن بھی آڑو فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکر جریڈ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے۔ اس کا نام ثمامہ بن اٹال تھا اور وہ اہل یمامہ کا سردار تھا۔ انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے ثمامہ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا اے محمد (ﷺ) خیر ہے۔ اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان کریں

گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے فرمایا اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حتیٰ کہ اگلے روز پھر آپ نے فرمایا اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میری وہی رائے ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا اور غسل کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله۔

اے محمد (ﷺ) بخدا اپنے میرے نزدیک روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ پسندیدہ کوئی چہرہ نہیں تھا اور اب آپ کا چہرہ انور مجھے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ بخدا اپنے میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین پسندیدہ نہ تھا اور اب مجھے آپ کا دین تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ بخدا اپنے میرے نزدیک آپ کے شر سے زیادہ کوئی شر پسندیدہ نہ تھا اور اب آپ کا شر مجھے تمام شرروں سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا اور آٹھ ایک میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ کہہ پہنچے تو کسی شخص نے ان سے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، لیکن میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور میں نو خدا کی قسم اب تمہارے پاس اس وقت تک بھلا سے گندم کا کوئی دانہ نہیں پہنچے گا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دیں۔

(صحیح مسلم الجامعہ ۵: ۵۷۳) صحیح البخاری رقم الحديث ۳۷۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۷۳۷ سنن الترمذی رقم الحديث ۳۷۳۷ سنن ابوالعاص بن ابی الربیع تھے۔ چنانچہ امام ابن اسحاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا اور اس فدیہ میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جیز میں رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب نبی ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر رقت غاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو اپنے قیدی کو زینب کی خاطر چھوڑ دو اور زینب کا دیا ہوا فدیہ واپس کر دو۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیں سو انہوں نے حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث ۳۷۳۷ المستدرک ج ۲ ص ۲۳ مسند احمد ج ۷ ص ۷۷ السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۳ مطبوعہ

دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مطلب بن منطب کو بھی بلا عوض احسان کر کے چھوڑ دیا۔ مطلب بن منطب کو حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص کی کئی بیٹیاں تھیں اور

وہ محتاج تھا آپ نے اس کو بھی بلا عوض چھوڑ دیا۔ اس کا نام ابو عزنہ النخعی تھا۔ آپ نے اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اس نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کئی اشعار کہے۔ پھر وہ جنگ احد میں مشرکین کے ساتھ گرفتار ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۲ ص ۲۷۱-۲۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جیر بن مطعم بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا:

اگر مطعم بن عدی زندہ ہو تا اور مجھ سے ان بدو زندہ (بدر کے قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں ان سب کو چھوڑ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۲۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۸۹ مسند احمد ج ۳ ص ۸۰ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:

۷۴۱۶ سنن کبریٰ بیہقی ج ۹ ص ۱۷۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۵۰۸، ۱۵۰۷، ۱۵۰۶)

جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے پر صاحب ہدایہ کے اعتراض کا جواب

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں:

مصنف (صاحب ہدایہ) نے یہ کہا ہے کہ ان تمام واقعات کا حکم سورہ توبہ کی آیت اقلوا المشرکین کو قتل کرو سے منسوخ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بدر کے یہ واقعات سورہ توبہ نازل ہونے سے پہلے کے ہیں لیکن مصنف کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اقلوا المشرکین کو قتل کرو کا یہ حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا بلا جواز ہے۔ اگر ان کو قتل کرنا ضروری ہو تا تو ان کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا میں ہے اور یہ کہ جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر اور بلا معاوضہ احساناً چھوڑ دینا فدیہ لے کر چھوڑ دینا بھی غیر منسوخ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیت فاما مابعد و اما فداء جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے؟

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا لازمی اور حتمی حکم نہیں ہے۔ بلکہ یہ امیر کی رائے اور صواب دید پر موقوف ہے اور اس کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ پہلے دنیا میں عام جنگی چلن یہی تھا کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنالیتی تھی۔ اس لیے اسلام نے بھی یہ اجازت دی کہ اگر کوئی قوم مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بناتی ہے تو مسلمان بھی اس قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنالیں۔ کیونکہ:

وَجَرَآئِیَّتِیَّةٍ سَبِیَّةٍ فِیْہَا (الشوری: ۳۰) اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔

لیکن اب جبکہ دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور کوئی قوم دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام نہیں بناتی تو اب کسی مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے اب جنگی قیدیوں کو فاما مابعد و اما فداء کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ کے احساناً اور امتناناً چھوڑ دینا چاہیے اور چونکہ اسلام انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا داعی ہے اور عدل و احسان کا نقیب ہے اور حسن عمل اور کار خیر میں کافروں سے آگے ہے اس لیے یہ کہنا جید نہیں ہے کہ جب فریق مخالف جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا دیکھیں رکھتا تو مسلمانوں کے لیے بدرجہ اولیٰ ان کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلے سے بنائے لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق احکام تو

بیان کیے گئے ہیں لیکن جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کہیں ہدایت نہیں دی۔ اس کے برخلاف ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنے کی ہدایت دی ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے جنگی چلن کے مطابق جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بھی بنایا تھا لیکن آپ نے بدر کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر کے حسن عمل کی مثل قائم کی بعض کو فدیہ لے کر رہا کیا اور بعض کو بلا فدیہ رہا کیا اور ”عاما مناسعد واما فداء“ پر پورا پورا عمل کیا۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا رخصت پر عمل ہے اور ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنا عزیمت پر عمل ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَجَرَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا قَمَسَ عَفَا  
وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے، پھر جو شخص معاف کر دے اور (برائی کی) اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا کر جرأ سبب سببہ مثلہا پر عمل کیا اور آزاد کر کے قس عفا واصلح پر عمل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداً جنگی قیدیوں کو رہا کرنے سے انکار کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بلا آخر نور رسالت ان پر غالب آگیا اور سولو عراق کے جنگی قیدیوں کو انہوں نے قتل کیا نہ لونڈی اور غلام بنایا بلکہ ان سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ قرار دیا اور اس واقعہ سے فقہاء اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ بنانا جائز ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر مسلمانوں کا امیر چاہے تو جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دے اور انہیں ذی بنادے جیسا کہ حضرت عمر نے سواد عراق کے جنگی قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ (فتح القدر ج ۵، ص ۳۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں حضرت عمر کے اس فعل کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے سواد عراق والوں سے کیا تھا۔ اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ قتل کو ترک کرنے کا اختیار ثابت نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اختیار اس آیت کے خلاف ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم ”تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو“ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بعض افراد مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ مستثنیٰ اہل ذمہ اور عورتوں وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ لہذا امتنازع فیہ (یعنی جنگی قیدی) بھی حضرت عمر کے اس فعل کے سبب اس آیت کے اس عموم سے خاص کیے جائیں گے۔

(۱) لکھنا یہ مع فتح القدر ج ۵، ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ، سکھرا

ان دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا اس زمانہ کے مخصوص حالات کی بناء پر معمول تھا اور بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا طریقہ متروک ہو چکا ہے بلکہ سرے سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا اب معیوب سمجھا جاتا ہے تو اب جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے جواز کو اسلام کے ساتھ نتھی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسلام نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا کہیں حکم نہیں دیا۔ اس کے جواز کو فقہاء نے بعض جزوی واقعات سے مستنبط کیا ہے اور یہ واقعات اخبار احاد سے ثابت ہیں جو زیادہ سے زیادہ غنیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنا قرآن مجید کا حکم قطعی



ہے اور بعض جزوی اور فنی واقعات کی بناء پر قرآن مجید کی نص قطعی کو ترک کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا عقل اور اصول کے خلاف ہے۔ جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کیا ہے تو انہی احادیث پر عمل کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے صریح حکم کے مطابق ہیں اور جو احادیث اس حکم کے خلاف ہیں ان کی توجیہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اب جبکہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی وجہ باقی نہیں رہی اس لیے اب اس کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے بارے میں صرف ایک ہی حکم ہے اور وہ ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ  
حَتَّىٰ إِذَا أَنتَحَسَمْتُمُوهُمْ فَانْفِرُوا الْوَنَاقِ قِيَامًا  
مَّابَعْدُ وَلَا تَمُودْ أَهَ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا  
ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَآتَيْنَاكُمْ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ  
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيهِمْ (المحمد: ۴)

سوجب تمہارا انکار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بیا پکو تو پھر ان کو مضبوطی سے پانڈہ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دیا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے تا آنکہ جنگ اپنے اختیار ڈال دے یہی اللہ کا حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کافروں سے بدلہ لے لیتا لیکن (اس طریقہ کی وجہ یہ ہے کہ) وہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہو تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں اور اللہ پر توکل کریں، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ (الانفال: ۶۴)

اس سے پہلی آیت میں دشمن کو مرحوم کرنے کے لیے اسلحہ مہیا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو صلح قبول کرلو۔

دشمن سے صلح کرنے کا حکم آیا منسوخ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں۔ امام غزالی بن محمد بن مرر ازی شافعی متونی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فلو نے کہا یہ آیت ان آجوں سے منسوخ ہے:

أَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

تم مشرکین کو قتل کر دو انہیں جہاں بھی پاؤ۔

(التوبہ: ۵)

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ  
الْآخِرِ (التوبہ: ۲۹)

جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان سے قتال کرو۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے لیکن یہ آیت صلح کے حکم کو مستثنیٰ ہے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بہتری ہو۔ اور جب مسلمانوں کے امیر کی رائے یہ ہو کہ ان سے صلح کی جائے تو پورے ایک سال صلح نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر مشرکین کی قوت زیادہ ہو تو دس سال تک بھی ان سے صلح کرنا جائز ہے۔ اور اس مدت سے زیادہ تک صلح کرنی جائز نہیں ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے کیونکہ آپ نے ان سے دس سال کی مدت تک کے لیے صلح کی تھی پھر انہوں نے مدت پوری ہونے سے پہلے مدد فتنی کی۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

## دشمن سے صلح کرنے یا صلح نہ کرنے کے الگ الگ محمل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اصل جزیہ سے جزیہ قبول کر لیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کفار سے صلح کی اور ان کے بعد بہت سے ائمہ نے بلاد عجم کے کفار سے صلح کی۔ ان سے جزیہ قبول کیا اور ان کو ان کے محل پر چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ ان کو جزیہ سے اکھاڑنے پر تھور تھے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بہت سے کافر شہوں سے کچھ مال کی ادائیگی پر صلح کی۔ ان میں سے خیبر بھی ہے۔ آپ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد وہ زمین ان لوگوں کے حوالہ اس شرط پر کر دی کہ وہ اس زمین کی پیداوار کا نصف آپ کو لو اکریں گے۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے بنو قریظہ مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے جزیہ قبول کیا جاتا تھا اور مشرکین سے کچھ قبول نہیں کیا جاتا (جزیہ صرف اہل کتاب سے قبول کیا جاتا ہے) ابن زید نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر دشمن آپ کو صلح کی دعوت دے تو آپ اس کو قبول کر لیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اگر صلح کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہو اور منافعت ہو یا وہ صلح کے ذریعہ کسی ضرر کو دور کر سکتے ہوں یا وہ صلح کرنے کے محتاج ہوں تو اگر وہ خود ابتداء صلح کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے چند شرائط پر صلح کی اور بعد میں خود انہوں نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ نے انہیں "اکیدر" دے دیا اور اہل نجران سے صلح کی اور دس سال کی مدت کے لیے قریش سے صلح کی پھر قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ صلح کرتے رہے۔

اور اگر مسلمانوں کے پاس قوت اور بہت بڑا لشکر ہو اور وہ غالب ہوں تو پھر ان کو صلح نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَهَيَّؤُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ  
الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَفْزِكَ عَنْكُمْ أَعْمَالُكُمْ  
(محمد: ۳۵)

جنگ احزاب کے دن عینہ بن حنفلہ اور عمارت بن عوف المری آپ کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھ خلعان کو لے کر چلے جاؤ اور قریش کو ان کے منصوبہ میں رسوا کر دو ہم تم کو مدینہ کی تہائی بھجوریں دیں گے اور تم اپنی قوم کے ساتھ یمن سے چلے جاؤ۔ یہ صرف بات چیت تھی ابھی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہ اس پر راضی ہیں تو پھر آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا ان دونوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ کو یہ معاہدہ پسند ہو تو ہم اس کو قبول کر لیتے ہیں یا اگر آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں یا آپ یہ معاہدہ صرف ہماری خاطر کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ میں یہ معاہدہ تمہاری خاطر کر رہا ہوں کیونکہ تمام عرب جمع ہو کر تم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تب حضرت سعد بن معاذ نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! ہم اور یہ لوگ پہلے مشرک تھے اور بت پرستی کرتے تھے۔ ہم اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اس کو پہچانتے تھے اس وقت بھی ان لوگوں نے ہم سے یہ توقع نہیں رکھی کہ وہ ہم سے مدینہ کی کوئی بھجور حاصل کر لیں گے وہ ہم سے بھجوریں خریدتے تھے یا ہم ان کو بہ طور مصلحتی نکلا دیتے تھے اور اب جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت دی ہے اور ہم کو ہدایت دی ہے تو کیا اب ہم ان کو اپنے اموال دے دیں گے۔ خدا کی قسم! ہم ان کو تگوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے حتیٰ کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا تم نے بہت صحیح فیصلہ کیا ہے اور عینہ اور عمارت سے فرمایا تم دونوں واپس

جاؤ ہمارے پاس صرف نکوار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۹۹-۳۹۷ 'ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمان کمزور ہوں اور دشمن غالب ہو تو وہ دشمن کو مل دے کر بھی صلح کر سکتے ہیں اور اگر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو وہ مل لے کر بھی صلح کر سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال کی اس آیت کا تقاضا ہے اور اگر مسلمان طاقتور ہوں اور ان کے پاس بہت اسلحہ اور بہت زیادہ افرادی قوت ہو تو پھر دشمن سے صلح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت ۳۵ کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو بے شک آپ کو اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کی جماعت سے آپ کی تائید فرمائی (الانفال: ۷۳) دشمن کی نیت فاسد ہونے کے باوجود صلح کا جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دشمن کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے کا حکم دیا تھا۔ (الانفال: ۷۳) اور اس آیت میں صلح کے احکام میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کے لیے صلح کی پیشکش کریں تب بھی آپ بہ وقت ضرورت ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیں۔ کیونکہ احکام کا دار ظاہر ہوتا ہے اور صلح ایمان سے بڑی چیز تو نہیں ہے اور جب کوئی ایمان کا اظہار کرے خواہ دل میں کفر ہو تو اس کو قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر صلح کو بھی قبول کر لینا چاہیے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر آپ کو دشمن سے خیانت کا خطرہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آیت اس پر محمول ہے جب آپ کو قوی قرائن اور علامات سے یہ معلوم اور ظاہر ہو جائے کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو ان کا عہد ان کے منہ پر مار دیں اور یہ آیت اس پر محمول ہے کہ ان کی خیانت صرف ان کے دل میں ہے اور ان کے عمل سے کوئی خیانت کی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ شر اور نسلہ کا ارادہ رکھتے ہیں اور منہ کو بھڑکاتا چاہتے ہیں بلکہ ان کے احوال سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ وہ صلح کی درخواست پر ثابت قدم ہیں اور لڑائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ اللہ پر توکل کر کے ان سے صلح کر لیں اور اللہ کی مدد آپ کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا کی، اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزوں کو بھی خرچ کر دیتے تو (از خود) ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی، بے شک وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے (الانفال: ۶۳)

اسلام کی نعمت سے عرب کے مخالف دھڑوں کا باہم شیر و شکر ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس قوم کی طرف بھیجا جس میں تعصب، محبت اور جوش انتقام بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ اگر ایک قبیلہ کا شخص دوسرے قبیلہ کے شخص کو پھنڑ بھی مارتا تو جب تک وہ اس شخص سے بدلہ نہیں لے لیتا تھا اس کو چین نہیں آتا تھا۔ پھر اسلام لانے کے بعد ان کی کلیا اس طرح پلٹ گئی کہ اسلام کی خاطر ایک شخص اپنے باپ، بیٹے اور بھائی کو قتل کر دیتا تھا حتیٰ کہ جنگ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے جنگ کے لیے لاکھ لاکھ لوگوں کے بیٹے ابو حذیفہ بن عتبہ اپنے باپ کے خلاف نکال کر مقابلہ کے لیے بڑے لیکن نبی ﷺ نے ان کو بٹھادیا (المغازی للہاتفی ج ۱ ص ۷۰) جنگ بدر میں حضرت ابو حذیفہ کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ اور بھائی ولید بن عتبہ تینوں جنگ کے آتماز میں ہی مارے گئے لیکن حضرت ابو حذیفہ کے صبر اور استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اسی طرح جذبہ جملہ سے سرشار کفار کے خلاف لڑتے رہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکر جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے

لڑنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو مقابلہ کے لیے لٹکارا اور کہا میں عبدالرحمن بن عقیق ہوں مجھ سے کون مقابلہ کرے گا تو حضرت ابو بکر کھوار میان سے نکال کر آگے بڑھے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا اپنی ٹکوار کو میان میں رکھو اور اپنی جان سے ہمیں نفع پہنچاؤ۔ (المغازی للواقفی ج ۱ ص ۲۵۷ لا تنعیاب ج ۲ ص ۳۶۸ رقم ۱۳۰۲) اور یہ سب لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق ہو گئے اور سب آپ کے احوال اور انصار بن گئے۔ ایک قوم یہ ہے کہ اس سے مراد اوس اور خزرج ہیں ان کے درمیان شدید خصومت تھی اور ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اسلام لانے کے بعد ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض جاتا رہا اور اس کی جگہ الفت اور محبت نے لے لی۔ اور اس شدید عداوت کو قومی محبت سے بدل دیا اور پرانی دشمنیوں کو دوستیوں سے بدل دیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قدرت میں نہ تھا اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک مستحکم دلیل اور آپ کے صدق پر ایک ظاہر معجزہ تھا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل نور رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے پہلے عرب قوم میں دائمی عداوت اور جنگ تھی وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور ایک دوسرے کا مل لوٹ لیتے تھے۔ لیکن جب سے وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ان کی باہمی عداوت اور دشمنی جاتی رہی اور دلوں کی سختی اور قسوت زائل ہو گئی اور اس کی جگہ ایک دوسرے سے شدید محبت اور الفت ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے معاون اور ہمدرد بن گئے۔

عارضی اور فانی محبت اور دائمی اور باقی محبت کے مبادی اور اسباب

تحقیق یہ ہے کہ محبت خیر اور کمال سے ہوتی ہے اور نفرت شر اور نقصان سے ہوتی ہے۔ پھر خیر اور کمال مادی اور جسمانی چیزوں میں بھی ہوتا ہے اور چونکہ مادی اور جسمانی چیزیں حادث اور تغیر پذیر ہوتی ہیں اس لیے مادی اور جسمانی چیزوں کے کمال اور ان کے حسن و جمل اور ان کی منفعت اور فائدہ کی وجہ سے جو محبت ہو تو جب ان چیزوں کا حسن اور کمال جاتا رہے گا اور ان کی افادیت زائل ہو جائے گی تو ان کی محبت بھی زائل ہو جائے گی۔ جو شخص کسی شخص سے اس کے حسن و جمل یا مل و دولت کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو جب اس کا حسن و جمل زائل ہو جائے گا یا اس کا مل ختم ہو جائے گا تو اس سے محبت بھی زائل ہو جائے گی۔

اس طرح خیر اور کمال مجرد اور روحانی چیزوں میں بھی ہوتا ہے جیسے روحانیت، سعادت، علم و حکمت، عبادت و ریاضت، تقویٰ اور پرہیزگاری، رسول اللہ ﷺ کی صفات مبارکہ، اللہ عزوجل کی صفات قدسیہ، اس کا قرب اور اس کی توجہ، یہ دائمی اور سرمدی کمالات ہیں تو جو شخص ان کمالات کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو یہ کمال دائمی ہے اس لیے یہ محبت بھی دائمی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مادی کمال کی وجہ سے محبت عارضی اور فانی ہوتی ہے اور روحانی کمال کی وجہ سے محبت باقی اور دائمی ہوتی ہے۔ لوگ دنیا داروں سے جو محبت کرتے ہیں وہ ان کی دنیا زائل ہونے یا ان کے مرجانے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور جو لوگ اولیاء اللہ سے ان کے روحانی کمال کی وجہ سے محبت کرتے ہیں وہ محبت ان کے وصال کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ لاہور میں بہت وسیع اور عریض جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے اور حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کا مزار پر انوار بھی ہے۔ جہانگیر کا مقبرہ ویران پڑا رہتا ہے اور حضرت ہجویری کے مزار پر دن رات زائرین اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کا جہوم رہتا ہے۔ قرآن مجید نے اس طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

الْأَجَلَاءُ يَوْمَئِذٍ يَعْتَصِمُ بِعِصْمَةِ عَدُوِّهِمْ  
الْمُتَّقِينَ (الرحرف: ۶۷)

قیامت کے دن گمراہ دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقین کے۔

## صحابہ کرام کی باہمی محبت کا سبب

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب دنیاوی نکل اور خیر کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے سو یہ محبت جلد زائل ہو گئی اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا اور ان کو دنیا کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ کیا اور جب ان کا مطلوب اخروی سعادت ہو گئی تو ان کے دلوں کی سختی جاتی رہی اور وہ سب ایک دوسرے کے محب اور محبون ہو گئے اور یہ محبت دائمی ہے اور یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے دلوں سے ملای چیزوں کی محبت کو نکل کر اس کی جگہ اخروی سعادت کی محبت پیدا کر دی اور عارضی محبت کو دائمی محبت سے بدل دیا۔ بے شک وہ بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین (الانفال: ۲۴)  
حضرت عمر جب اسلام لائے تو مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی؟

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب کفار آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے یعنی وہ ہر حال میں آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو اللہ کافی ہے۔ آپ دین اور دنیا کی ہر ضرورت میں صرف اس پر نظر رکھیں اور آپ کے لیے وہ مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔ یہ آیت غزوہ بدر میں جنگ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور مومنین سے مراد انصار ہیں۔ لیکن درج ذیل روایت اس کے خلاف ہے تاہم یہ روایت شدید ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ انبالیس مرد اور عورتیں اسلام لائے تھے جب حضرت عمر اسلام لائے تو چالیس کا عدد پورا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے نبی یا آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین۔ (الانفال: ۲۴)

(المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۷ رقم الحدیث ۵۰۳۷۰ حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن بشر الکافلی ہے اور وہ کذاب راوی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۸)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۰۵ھ اسحاق بن بشر الکافلی کے متعلق لکھتے ہیں:  
ائمہ حدیث نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ علی بن مدینی نے لکھا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ امام ابن حبان نے کہا اظہار تعجب کے سوا اس کی احادیث کو لکھنا جائز نہیں ہے۔ امام الدار قطنی نے کہا یہ کذاب متروک ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۵ رقم ۱۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)  
اس حدیث میں دوسری علت یہ ہے کہ بعثت کے پانچویں سال میں جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اس کے بعد حضرت عمر نے اسلام قبول کیا تھا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد تراسی تھی جبکہ اس روایت میں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد انبالیس تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کیا اور وہ بہت طاقتور اور دلیر شخص تھے ان کی وجہ سے اور حضرت حمزہ جو پہلے کی وجہ سے مسلمان قریش پر غالب آ گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود جو پہلے فرماتے تھے کہ ہم کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے حتیٰ کہ عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کر لیا اور جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے قریش سے جنگ کی حتیٰ کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت عمر اس وقت اسلام لائے تھے جب رسول اللہ

پھر کے اصحاب جشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۱ ص ۳۸۰-۳۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جن مسلمانوں نے جشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے کم عمر بچوں کے سوا ان کی تعداد تراسی تھی۔ اور اس میں ان کو شک ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ان میں تھے یا نہیں۔

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۱ ص ۳۶۸-۳۶۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر بن خطابؓ بعثت کے کون سے سال میں اسلام لائے تھے اور اس وقت مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی اس میں کافی اختلاف ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی المتوفی ۲۴۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جشہ کی طرف ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے۔ امام محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بعثت نبوی کے چھٹے سال اسلام لائے تھے اور وہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال تھی۔ امام ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ وہ بعثت کے پانچویں سال اسلام لائے تھے۔ امام ابو نعیم نے کہا انہوں نے حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے تین دن بعد اسلام قبول کیا۔ امام ابن سعد نے ابن السیپ سے روایت کیا ہے کہ اس وقت چالیس مرد اور عورتیں مسلمان ہو چکے تھے۔ اسحاق بن بشر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس وقت تیراٹھ مرد اور تیس عورتیں مسلمان ہو چکے تھے پھر حضرت عمر اسلام لائے۔ (یہ نقل صحیح نہیں ہے اسحاق بن بشر نے اناطیس مردوں اور عورتوں کی روایت کی ہے سعیدی وغیرہ) شاید یہی روایت صحیح ہو کیونکہ جشہ میں تراسی مردوں اور عورتوں نے ہجرت کی تھی جیسا کہ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر دو ہجرتوں کے درمیان میں مسلمان ہوئے۔ پس حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد چالیس مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور اسحاق کذاب ہے۔ حدیث وضع کرتا ہے اور اس کی روایت ثقہ راویوں کی روایت سے حصول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

(اسل الہدی والرشاد ج ۲ ص ۳۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ شامی کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ اسحاق بن بشر کالی کذاب ہے لیکن اس کی روایت وہ نہیں ہے جو انہوں نے نقل کی ہے۔ بلکہ اناطیس مسلمانوں کی تعداد کو اسی نے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم نے التعمیم الکبیر اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۴۲۸ھ نے بھی حضرت ابن عباس سے اناطیس کی روایت ذکر کر کے اس کو رد کیا ہے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۴۰۰) امام ابوالحسن الواعظی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسحاق بن بشر سے اناطیس کی روایت ذکر کی ہے۔ (اسناب النزول ص ۲۴۱ رقم الحدیث ۱۴۸۳) خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد چالیس کا عدد پورا ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ

اے نبی! (مؤمنین) کو قتل پر راغب کر دیجئے، اگر تم میں سے ہیں مہر کرنے والے

مِّنْكُمْ عَشْرُونَ مَّابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں تو وہ دس پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو دس



مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٩﴾

کرنے والے ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۰

إِنَّ خِفَ اللَّهُ عَنكُم وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُنْ

اب اللہ نے تم سے تخف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا أَمَّا تَتِينَ ج وَإِن يَكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ

ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسرے (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صبر کرنے

يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٧٠﴾ مَا كَانَ

والے) ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۰ کسی نبی کے لیے

لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُتَخَنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ

یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں، حتیٰ کہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہا لے، تم اپنے لیے

عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ كَوَّ

دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۰ اگر

لَا يَكُتِبُ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسْكُمْ فِيمَا أَخَذْتُم عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧٢﴾ فَكُلُوا

پہلے سے (مال غنیمت کو مٹا کر نہ لے کر) حکم کیا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوگا پس تم نے

مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٣﴾

جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے کھاؤ وہ حلال اور طیب ہے، اور اللہ بخشنے والا ہے اور اللہ بہت شکستہ اور اللہ بہت بخشنے والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی (کرم)! سو منین کو قتل پر برا لگھتے کیجئے، اگر تم میں سے میں صبر کرنے

والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں

پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۰ اب اللہ نے تم سے تخف کر دی ہے، اور اسے معلوم ہے کہ

تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اگر تم

میں سے ایک ہزار (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے ۰ (الانفال: ۶۹-۷۵)

## مسلمانوں پر تخفیف کر کے مشکل حکم کو منسوخ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اگر تم میں سے ہیں (میر کرنے والے) ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے تو ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے اور میں مسلمان دو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے“ تو یہ فرض کر دیا گیا کہ سو مسلمان دو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اگر تم میں سے ہیں (میر کرنے والے) ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے تو یہ بات مسلمانوں پر شقی گزری۔ کیونکہ ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے تو پھر تخفیف کا حکم آگیا کہ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں گزرواری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو میر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آجائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خوش دلی ثابت قدمی، بہادری اور صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ حتیٰ کہ شروع میں مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ایک مسلمان دس اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ کرے۔ پھر اللہ نے اس حکم میں تخفیف فرمادی اور ایک مسلمان کو دو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ فرار نہ ہوں۔ اور جب ان کا دشمن ان سے دگنا ہو تو اس کے مقابلہ میں ان کا بھانگنا حرام ہے۔ یہ آیت اگرچہ صور و خبر ہے لیکن اس سے مراد امر ہے اور امر و جواب کا تقاضا کرتا ہے اس آیت سے امر مراد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بعد میں تخفیف فرمادی اور تخفیف اس کام میں ہوتی ہے جس کا حکم دیا گیا ہو خبر میں تخفیف نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو جس کام کا پہلے حکم دیا گیا تھا تخفیف کر کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

ابو مسلم خج کا قائل نہیں ہے اس نے اس آیت کی یہ تکریر کی ہے کہ اگر ان مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کا صبر ہو تو میں دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر اس درجہ کا صبر نہ ہو تو پھر ایک سو مسلمان دو سو پر غالب ہوں گے لیکن یہ تکریر درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر کی صورت میں ایک حکم دیا پھر بعد میں اس کے اندر تخفیف کر دی اور اگر پہلا حکم بدستور باقی رہے تو پھر تخفیف کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

## کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی وجوہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اگر تم میں سے ایک ہزار میر کرنے والے ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ غلبہ صرف اللہ کے اذن اور ارادہ سے ہوتا ہے اور اللہ کی تائید اور نصرت اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں اور مسلمانوں میں جنگ کے اعتبار سے فرق ہے۔ یہ فرق جنگ کے ہدف اور نصب العین کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور جنگ میں احمک اور بھروسے کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور جنگ کے محرک و داعی اور باعث کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔

نصب العین اور ہدف کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ کافر اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت کو اور نہ جزا اور سزا کو ان کا جنگ سے مقصود صرف اس فانی دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں سے زیادہ سے زیادہ بھروسہ مند ہونا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ حیات بعد الموت کے قائل

نہیں ہیں اس لیے وہ موت سے ڈرتے ہیں اور اس سے متنفر ہوتے ہیں اور زندگی پر زیادہ سے زیادہ حرص ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مومن اللہ کو اور روز آخرت کو مانتا ہے، حیات بعد الموت اور جزا اور سزا پر اس کا ایمان ہوتا ہے، وہ موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے اگر اس کو موت آجائے تو وہ شہید ہو گا اور اس کو پھر زندگی ملے گی اور رزق دیا جائے گا، اس کو دنیا کے ساتھ لگاو نہیں ہوتا وہ عزم راسخ، انخلاص اور محج جذبہ کے ساتھ میدان جنگ میں آتا ہے اس لیے وہ کم تعداد میں ہونے کے باوجود بڑی تعداد میں کافروں کے خلاف لڑنے سے نہیں گھبراتا۔

کافر جنگ میں افرادی قوت، اسلحہ اور مادی چیزوں پر اعتماد کرتا ہے۔ اور مومن کا اعتماد صرف اللہ عز و جل کی اعانت اور نصرت پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب کافر اور مومن میدان جنگ میں اترتے ہیں تو مومن کی فتح کامیابی اور کامرانی کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔

کافر کا دل چونکہ اللہ کے نور اس کی معرفت اور اس پر ایمان سے خالی ہوتا ہے اس لیے وہ لڑائی کے وقت کمزور اور بزدل ہوتا ہے اور مسلمان کا دل اللہ کے نور اور اس کی معرفت سے معمور ہوتا ہے اور وہ اللہ کے دین کی سر بلندی کے باعث جہاد میں شریک ہوتا ہے اس لیے وہ خوش دلی اور شرح صدر کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہا دے، تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ اگر پہلے سے (مل غنیمت کو حلال کرنے کا) حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ (الانفال: ۶۸-۶۷)

مشکل الفاظ کے معانی

اسیری: یہ اسیر کی جمع ہے جیسے قیل کی جمع قیل ہے اور جرح کی جمع جرح ہے۔ اسیر کی جمع اساری بھی آتی ہے۔ عرب قیدی کو اسار (تسم) سے بندھ دیتے تھے اس لیے قیدی کو اسیر کہتے تھے۔ بعد میں ہر گرفتار شدہ کو اسیر کہا جانے لگا خواہ اس کو باندھا گیا ہو یا نہیں۔ (التسلیہ، ج ۱، ص ۵۰)

بشخص: اشخاص کے معنی کسی چیز میں زیادتی اور مبالغہ کرنا ہے۔ حضرت زینب نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سختی اور تیز مزاجی سے کلام کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا اے انسبہا حتی انتعت علیہا پھر میں نے ان کو مصلحت نہ دی حتیٰ کہ میں نے ان کو بہت زیادہ مبالغہ سے جواب دیا۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۸۳، (۲۳۲۲) ۷۱، ۷۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۱)

اور اس آیت میں اس کا معنی ہے کفار کو قتل کرنے اور ان کا خون بہانے میں مبالغہ کرنا۔ (التسلیہ، ج ۱، ص ۲۳)

بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک طویل حدیث کے آخر میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت ابو بکر جلیل نے کہا یا رسول اللہ! آپ اپنی قوم کا خیال فرمائیں، ان سے نہ یہ لے لیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو قتل کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں متفق ہو جاتے تو میں تم سے اختلاف نہ کرتا۔ اور آپ نے حضرت ابو بکر جلیل کے قول پر عمل کیا۔ تب اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ قیدی بنائے حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہائے۔ (الانفال: ۶۷)

(المعجم الکبیر ج ۱۱، ص ۳۳۸-۳۳۷، رقم الحدیث: ۱۳۲۳۳، المستدرک ج ۲، ص ۳۲۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶، رقم

الحدیث: ۳۳۲۵۰)

امام مسلم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کافروں کو گرفتار کیا جب انہوں نے ان کو قید کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! یہ آپ کے عم زاد ہیں اور آپ کے قبیلہ کے لوگ ہیں میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہوگی، امید ہے ان کو اللہ اسلام کی ہدایت دے دے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے اے ابن الخطاب! انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم ایسا رسول اللہ امیری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم ان پر قدرت پا کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ علی، عقیل کی گردن اڑا دیں، اور میں غلاں کی گردن اڑا دوں، کیونکہ یہ کفار کے ائمہ اور منادی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف میلان فرمایا اور میری رائے کی طرف میلان نہیں فرمایا۔ دوسرے دن جب میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر بیٹھے رو رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں، اگر مجھے از خود رونا آگیا تو میں روؤں گا ورنہ میں کوشش کر کے روؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اصحاب نے فدیہ کی رائے دی تھی اس کے سبب اس درخت تک ان کا عذاب آچکا تھا اس وجہ سے رو رہا ہوں، تب یہ آیت نازل ہوئی کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ قیدی بنائے حتیٰ کہ وہ زمین میں کافروں کا بھی طرح خون بہائے۔ (الطایب: ۶۹-۷۵)

(صحیح مسلم الجاد ۵۸، ۱۷۶۳، ۳۵۰۷) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۱-۲۰۸

مال دنیا کی طمع کی وجہ سے بعض صحابہ پر عتاب نازل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر فدیہ کو ترجیح دینے کی وجہ سے

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے فدیہ لینے کی رائے کو جو ترجیح دی تھی اس پر یہ عتاب متوجہ ہوا ہے، لیکن یہ تفسیر قطعاً باطل ہے۔ یہ عتاب ان بعض صحابہ کی طرف متوجہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے جنہوں نے مال دنیاوی کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو حبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور قدیم الاسلام صحابہ اور ابوبکر نے جو فدیہ لینے کی رائے دی تھی وہ آخرت کی وجہ سے دی تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کی آخرت ستور جائے گی اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو مادی اور اخروی قوت حاصل ہوگی۔ اور حدیث میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ بھی اگر نازل ہوتا تو ان ہی پر نازل ہوتا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کا روٹنا بھی ان ہی اصحاب پر نازل عذاب کے خوف کی وجہ سے تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے فرماتا ہے: اے مومنو! تم مشرکین سے دنیا کی متاع اور اس کی لذت کی وجہ سے فدیہ لیتے ہو اور اللہ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱۰، ص ۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاص الحنفی المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ محال ہے کہ عذاب نازل ہونے کی وعید کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہو یا اس کا تعلق فدیہ کے متعلق حضرت ابوبکر کی

رائے کو پسند کرنے سے ہو کیونکہ نبی ﷺ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے، آپ کا ہر قول اور فعل اہل اہل وحی سے ہوتا ہے۔  
(احکام القرآن ج ۳، ص ۷۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۵۸۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت جنگ بدر کے دن نبی ﷺ کے اصحاب پر عتاب کے لیے نازل ہوئی کہ تمہارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم ایسا فعل کرو جس سے یہ لازم آئے کہ نبی ﷺ نے کافروں کا زیادہ خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنالیا۔ تم دنیا کے مال کا ارادہ کرتے ہو، حالانکہ نبی ﷺ نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ جنگ کے وقت کافروں کو بقی رکھا جائے اور نہ آپ نے ہرگز دنیا کا ارادہ کیا تھا۔ یہ ارادہ لڑنے والوں میں سے بعض صحابہ نے کیا تھا پس یہ علامت اور عتاب ان کی طرف متوجہ ہے جنہوں نے متاع دنیا کی وجہ سے نبی ﷺ کو فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور اس کے علاوہ دوسرے معنی کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۳۰۳، ۳۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لینے کر رہا کرنا کوئی پسندیدہ امر نہ تھا اور نہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا ماسکان لنسی ان یسکون لہ اسری حتی یسحق فی الارض کسی نبی کے شلیان شان اس وقت تک قیدی بنانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح کافروں کا خون نہ بہائے میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا جنگ بدر میں ستر کافروں کا خون بہا دیا گیا تھا اور ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو قید کر لیا گیا تھا نبی ﷺ نے ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو گرفتار کیا تھا۔ رؤسائے قریش میں سے جو پانچ سو قریش کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابو العتر، زید بن العاص، عامر بن شام، اسبہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج کفار قریش جو جنگی طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے مارے گئے ان لوگوں کے مارے جانے سے کفار قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ لہذا کفار قریش کے منادیہ سمیت ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا یہ عمل اس وقت پسندیدہ اور اس آیت کے خلاف ہو تا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور جب ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کیا گیا تو پھر آپ کا یہ عمل پسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (اے مسلمانو! تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تمہارے

(الانفال: ۸۷) - لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لینے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مل دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی۔ ورنہ حضرت ابو بکر صدیق جو پھر مل دنیا کی طمع سے بری ہیں ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو۔ سو حضرت ابو بکر نے جو فدیہ لینے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت کی بنا پر ہی تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا لہذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

عتاب کی دوسری وجہ بلا اجازت مال غنیمت لینا ہے

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:



لَوْلَا يَكْتَسِبُ مِنَ اللَّهِ سَبَقٌ لِّمَن لَّمْ يَكْفُمْ فَبِمَا  
أَخَذْتُمْ عَذَابَ عَظِيمٍ (الانفال: ۶۸)  
اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا  
تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب  
پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے  
ممانعت نہیں کی گئی تھی پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے ہو سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مال غنیمت لینا حرام  
تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت  
نازل ہوئی۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مال غنیمت  
حلال نہیں کیا گیا۔ آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور مال غنیمت کو کھا جاتی۔ سلیمان امش نے کہا اس بات کو اب ابو ہریرہ کے  
سوا کون بیان کر سکتا ہے اور جب جنگ بدر ہوئی تو مال غنیمت کی حالت کے حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا  
شروع کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا  
ہے جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ  
حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۰۹، المستدرک رقم  
الحدیث: ۲۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۰۶، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۷۳۷، التبیان لابن عبد البر ج ۶ ص ۳۵۷، السنن الکبریٰ  
للبیہقی ج ۶ ص ۲۹-۳۰)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے  
اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد دہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ  
ارشاد ہے:

فَكُلُوا مِمَّا عَرَضْتُمْ حَلَالًا حَلَالًا  
(الانفال: ۶۹) در آنجا یک دو حلال حلیب ہے۔  
سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے

اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورہ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں  
کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالفرض ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے  
ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی۔ اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے  
اور گرفتار کرنے کو پسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی  
تو پھر یہ حکم نازل ہوا کہ میدان جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو پھر ان کو گرفتار کر لو اور گرفتار کرنے کے بعد ان کو فدیہ لے کر  
چھوڑ دیا بلا فدیہ رہا کر دو۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب اسلام ایک کمزور شاخ کی مانند تھا اور دشمنان اسلام بہت قوی تھے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کا حکم دیا اور  
فدیہ لینے سے منع کیا (انی الواقع اللہ تعالیٰ نے فدیہ لینے سے منع نہیں کیا۔ سعیدی) اور جب مسلمانوں کی حالت منہل مٹی اور شجر  
اسلام اپنے تنے پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیں



اور اگر چاہیں تو بغیر فدیہ کے اتنا ۳۰ اور احساناً قیدیوں کو رہا کر دیں اور فرمایا غامما منابعد و اما فداء۔

(روح المعانی ج ۱۰ ص ۳۳ مطبوعہ بیروت)

بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کے جوابات

سورہ انفال کی ان آیات سے جو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قید کر لیا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کیا اور ان انفال پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے یہ حکم نازل فرما چکا تھا کہ:

فَصَابِرُوا فَوَقَّ الْأَعْيَاقَ وَاصْبِرُوا مِرَّيْتُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال: ۳۰)

سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑے ضرب لگاؤ۔

امام رازی نے ان نکات پر بڑی تیس بحث کی ہے، لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ماسکاں لنسی ان ہکون لہ اسری (کافروں کا اچھی طرح خون بہائے بغیر ان کو قید کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یوم بدر کو صحابہ کرام نے کافروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا تھا اور زمین میں اچھی طرح خون بہانے کی یہ شرط نہیں ہے کہ تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے اور خون بہانے کے بعد صحابہ نے کافروں کو قید کیا تھا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے اور جب صحابہ کرام نے ایک جائز کام کیا تھا تو اس آیت سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے یا معلی اللہ سرکار دو عالم ﷺ نے کوئی گنہ یا معصیت کی تھی۔ خاص طور پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں خود اس فعل کا حکم دے کر اس کے جواز کو سوکھ کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَنتَحْنَثُمُ فَلْيُقَاتُوا الْوَتَانَ فَمَا تَسْأَلُونَ وَمَا يَفْدَاكُمْ (محمد: ۴)

سوجب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا اپلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دیا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

باقی رہا یہ کہ جب یہ ایک جائز کام تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عتاب کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین پر اچھی طرح خون بہانے کی کوئی حد اور مقدار نہیں ہے اور اس کا تعین اور انضباط نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ اس قدر کثرت سے کافروں کو قتل کیا جائے کہ کفار کے دلوں پر رعب پڑے اور بیت چھا جائے تاکہ وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی جرأت نہ کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حد تک کافروں کو قتل کرنا اجتہاد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ گمان فرمایا ہو کہ جس قدر کافروں کو قتل کیا جا چکا ہے ان سے یہ مقدار حاصل ہو گئی ہے اور فی الواقع وہ مقدار حاصل نہ ہوئی ہو تو یہ آپ کی اجتہادی خطا ہے کیونکہ اس حد کے سلسلہ میں کوئی نص نازل نہیں ہوئی تھی اور ہر چند کہ اجتہادی خطا بھی موجب اجر و ثواب ہوتی ہے اور اس پر مواخذہ یا ملامت نہیں ہوتی، لیکن مقربین قرب الہی کے اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ نیکو کاروں کی نیکیاں بھی ان کے ہاں برائی کے حکم میں ہوتی ہیں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے ازراہ لطف و محبت بطور تعریف فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قیدی بنالے۔ صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ

تھیں لیکن کو قیدی بنانا نہیں چاہیے تھا یا تمہارا یہ اقدام غلط تھا بلکہ تعریض اور کنایہ سے کام لے کر نبی ﷺ کی شان کی عظمت اور مرتبہ کی رفعت کو ظاہر فرمایا کیونکہ ایسے مواقع پر صراحت کو چھوڑ کر انہیں کے لیے تعریض اور کنایہ سے کام لیا جاتا ہے جن کا مرتبہ بلند اور پایہ اونچا ہو۔

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں سرکہ بدر کے متعلق ہے فاضربوا فوق الاعناق واضربوا  
مسم کل بسان (الانفال: ۳۳) سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ اور جب نبی ﷺ نے تمام کافروں کو قتل نہیں کیا اور ستر کافروں کو قید کر لیا تو اس حکم کی مخالفت ہوئی۔ اس کا نام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو ہتھیار کفار کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا یہ مطلب صحابہ کو تھا اور جب انہوں نے سب کافروں کو قتل کرنے کی بجائے بعض کافروں کو گرفتار کر لیا تو یہ حکم عدول ان صحابہ سے ہوئی نبی ﷺ نے ان کو گرفتار کیا تھا نہ گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا نہ آپ کو شروع میں اس کا علم ہوا۔ جب صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا تب آپ کو علم ہوا اگر یہ کہا جائے کہ جب آپ کو علم ہو گیا تھا تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ آپ کافروں کے قتل کا حکم دیتے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حالت جنگ کا ہے یعنی حالت جنگ میں کفار کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا رہا کیا جائے۔ اگر حالت جنگ کے بعد بھی ان کو قتل کرنے کا حکم ہوتا تو آپ اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۵۵-۵۵۶ مطبوعہ بیروت)

اس سوال کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ستم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمام کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ لہذا جب صحابہ کرام نے ستر کافروں کو قتل کر دیا تو اس آیت کے حکم پر عمل ہو گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور گرفتار کرنے سے منع نہیں کیا تھا اس لیے اگر صحابہ نے بعض کافروں کو گرفتار کر کے قید کر لیا تو اس میں انہوں نے کوئی حکم عدول اور گناہ نہیں کیا اور جب کہ بعد میں وہ کافر اسلام لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد میں خود جنگ کے بعد کافروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ اقدام عین فناء الہی کے مطابق تھا۔ واللہ الحمد علی ذلک۔

**مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل**

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے سلسلے میں ہم نے بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کی تفصیل اور اس پر اعتراضات اور جوابات کو بیان کیا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ آزاد کر دینا ہے اور قرآن مجید کی بھی یہی ہدایت ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت فاما منابعد واما فداء سے واضح ہے اور بعض فقہاء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم (توبہ: ۵) سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو سے منسوخ ہے۔ کیونکہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم حالت جنگ پر محمول ہے یعنی حالت جنگ میں مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اگر یہ حکم عام ہوتا یعنی جنگ ہو یا امن ہر حال میں مشرکین کو قتل کر دو تو مستحسن اور اہل ذمہ کو بھی قتل کرنا واجب اور ضروری ہوتا۔ حالانکہ تمام فقہاء نے مستحسن اور ذمیوں کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ مستثنیوں کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو

ضمیمہ القرآن

جلد چہارم

فَاجْرُهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَّهُ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ثُمَّ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُوْنَ (التوبہ: ۶۱)  
اس کو پتا نہ پہنچے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام نہ سنے پھر آپ اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو پناہ اور امن حاصل کر کے دارالاسلام میں داخل ہوں۔ اور اہل ذمہ کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلَا  
يَدِيْنُوْنَ دِيْنََ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اَوْثَرُوا الْكِتَابَ  
حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبہ: ۳۹)  
اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں قرار دیتے اور دین حق کو نہیں اپناتے (ان سے اس وقت تک جنگ کرو) جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر (یعنی مسلمانوں کے تابع بن کر) رہیں۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جو جزیہ ادا کریں اور مسلمانوں کی حکومت تسلیم کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے تحت زندگی گزاریں۔

جس طرح مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے قرآن مجید نے مسلمانوں اور ذمیوں کو مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح اس حکم سے جنگی قیدیوں کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور اس استثناء پر یہ آیت دلیل ہے۔

فِیْ اِذَا الْوَقِيْعَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَصْرَبَ الرَّقَابِ  
حَتَّى يَادَا اَتَّعْنُمُوْهُمْ فَشَدُّوا الْوَتَاْقَ فَمَا  
مِّنْ اَعْدُوٍّ وَّ لَا مِّنْ اَعِيْدٍ اَتَّعْنُمُوْهُمْ فَشَدُّوا الْوَتَاْقَ  
(محمد: ۴)  
موجب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے ان کو رہا کرو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کرو یا آنگہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اور اس آیت کی رو سے جنگی قیدی مشرکین کو قتل کرنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں لہذا فاقتلوا المشرکین حیث و احد نسوھم (التوبہ: ۵) ”سو تم مشرکین کو جہاں چاہو قتل کر دو“ اور واقتلوھم حیث ثقتنموھم (النساء: ۷۹) ”تم ان کو جہاں چاہو قتل کر دو“ حرب اور جنگ کی حالت پر معمول ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن جریر نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے بدلے میں دو مسلمانوں کا فدیہ لیا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹، مطبوعہ کراچی) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی قیادت میں ایک لشکر جنگ کے لیے گیا۔ حضرت ابو بکر نے حضرت سلمہ کو ایک مشرک عورت بطور ہاندی انعام میں دی رسول اللہ ﷺ نے وہ عورت حضرت سلمہ سے واپس لے لی اور اس کو فدیہ میں دے کر ان مسلمانوں کو چھڑا لیا جو مکہ میں کفار کی قید میں تھے۔

صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹، مطبوعہ نور محمد کراچی، ان حدیثوں میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی دلیل ہے (سعیدی) علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ مشرکین کو باعہوم قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے مابین ہے، کیونکہ

ان کو غلام بنانا بھی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنگی قیدی قتل کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(روح المعانی ج ۲۶ ص ۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر پہلے سے مال غنیمت کو حلال کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا۔ پس تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے کھاتو وہ حلال اور طیب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (الانفال: ۶۹-۷۵)

بدر میں بلا اذن مال غنیمت لینے کے باوجود عذاب نہ آنے کا سبب کیا تھا؟

اس کا سبب مذکور ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابو یحییٰ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے بنو آدم میں سے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا آسمان سے ایک آگ نازل ہو کر مال غنیمت کو کھا جاتی تھی اور جب جنگ بدر کا دن تھا تو مسلمان مال غنیمت کے حلال ہونے کے حکم کے نزول سے پہلے مال غنیمت اٹھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اگر پہلے سے (یہ حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا۔ (الانفال: ۷۵)

امام ابو یحییٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۷۳۷۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۸-۳۸۷ طبع کراچی سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۰۹ المستدرک رقم الحدیث: ۱۰۷۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۸۰۶ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۹۰-۲۹۱ تصحیح ابن عبد البر ج ۶ ص ۳۵۷)

امام رازی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحابہ کو مال غنیمت لینے سے پہلے منع کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر منع نہیں کیا گیا تھا تو پھر نزول عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہے اگر ان کو اس سے پہلے مال غنیمت لینے سے منع کیا گیا تھا تو پھر ان کا مال غنیمت لینا فعل حرام قرار پایا اور اگر یہ کہیں کہ جو تکبیر مال غنیمت حلال ہونے والا تھا اس وجہ سے ان کا یہ کام تخفیف عتاب کا موجب ہے تو ہم کہیں گے پھر انہیں نزول عذاب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ان کو مال غنیمت لینے سے پہلے منع نہیں کیا گیا تھا لیکن ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کا بلا اجازت مال غنیمت لینا ان کے حق میں نزول عذاب کا باعث تھا کیونکہ جس کا مرتبہ جس قدر بلند ہو اس پر گرفت اتنی سخت ہوتی ہے اور چونکہ لوح محفوظ میں پہلے سے یہ لکھا ہوا تھا کہ اس امت پر مال غنیمت حلال ہے اس وجہ سے ان پر عذاب نازل نہیں ہوا اور ان کو صرف ملامت کرنے پر اکتفا کی گئی۔

عذاب نہ آنے کا دوسرا سبب نور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوح محفوظ میں پہلے سے الہ بدر کی معافی کا حکم لکھا ہوا ہے اگر یہ حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا۔ الہ بدر کی معافی پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر نبی ﷺ کے بعض جنگی اہل بیت کی کفار کہہ کر فریاد کیا جب نبی ﷺ نے ان کا وہ خط پکڑ لیا اور ان سے یہ خط لکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں الہ کہہ کا طیف تھا میں چاہتا تھا کہ ان پر کوئی احسان کر کے وہاں اپنے قرابت داروں کی حفاظت کروں۔ میں نے یہ کلمہ کفر اور بدو یا غفلت کی وجہ سے نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا

یہ بدر میں حاضر ہوا ہے اور تمہیں کیا پتا اللہ تعالیٰ اہل بدر پر متوجہ ہو اور قرلایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔  
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۷، صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۲۳۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۱، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۵۵۸۵)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کا قصایہ ہے کہ بدری صحابہ کو کفر کرنے، زنا کرنے اور شراب پینے سے نہیں منع کیا گیا اور ان پر بے کاموں کے ارتکاب پر ان کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا، نیز اگر اس حدیث کو مان لیا جائے کہ بدری صحابہ جو چاہیں کریں تو یہ اس کو مستلزم ہو گا کہ ان سے احکام شرعیہ کا مکلف ہو، ماسوائے ہو گیا اور اس کا کوئی عاقل قول نہیں کر سکتا، نیز اگر ان کو ہر کام کرنے کی اجازت اور رخصت ہے تو پھر بلا اذن مل غنیمت لینے کی وجہ سے ان پر عتاب کیوں آیا اور غلامت کیوں کی گئی اور ان کے لیے اس درخت تک عذاب کیوں آہنچا تھا؟

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)  
امام رازی کی بہت بڑی علمی شخصیت ہے اور میں ان کی گمراہی کے بھی برابر نہیں ہوں تاہم امام رازی کے اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بدری صحابہ کو قسلی دی گئی ہے کہ وہ اپنی مغفرت کے متعلق تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کفر صلوہ ہونے نہیں دے گا، اور گناہ کبیرہ سے بھی ان کو محفوظ رکھے گا اور اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو گیا تو مرنے سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا۔ اور ان کا بلا اجازت مل غنیمت لینا اور پھر اس کے باوجود ان پر عذاب نہ آنا تو اس حدیث کے موید اور موافق ہے کیونکہ درخت تک عذاب آنے کے باوجود ان پر اسی لیے عذاب نہیں آیا کہ وہ بدری صحابہ تھے اور لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بدری صحابہ مغفور ہیں۔ رہا یہ کہ پھر ان کو غلامت کیوں کی گئی اور عتاب کیوں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عتاب ہونا آخرت میں مغفرت کے متعلق نہیں ہے۔

امام رازی نے خود اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ حکم نہ کیا ہو تا کہ وہ اس واقعہ کو معاف کر دے گا تو ان کو بڑا عذاب پہنچتا، اور یہ حکم اگرچہ تمام مسلمانوں کے لیے ثابت ہے لیکن اہل بدر کی عیالات بہت عظیم تھیں۔ انہوں نے اسلام کو قبول کیا اور سیدنا محمد ﷺ کی اطاعت کی، بغیر ہتھیاروں اور تیاری کے کفار کے اپنے سے دشمن گناہ فکر سے مقابلہ کیا تو یہ کہنا بعید نہیں کہ وہ بلا اجازت مل غنیمت لینے کے جس گناہ کے مرتکب ہوئے اور اس گناہ کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق ہوئے وہ ان کی عیالات کے ثواب کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور ان کا ثواب اس عذاب سے بہت زیادہ ہے تو اس گناہ کے معاف ہونے کی زیادہ توقع ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ پہلے دو جواب جو اعلیٰ حضرت مجھ پر مبنی ہیں ان پر امام رازی نے اعتراضات کیے اور ان کو مسترد کر دیا اور جو جواب اور جو تفسیر ان کی رائے پر مبنی ہے اس کو انہوں نے معتمد قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ہمارے علم کی ان کے علم کے ساتھ وہی نسبت ہو سکتی ہے جو زورہ کو آفتاب کے ساتھ اور قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے، اس کے باوجود ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ہمارے نزدیک اس باب میں وہی تفسیر معتمد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ حضرت پر مبنی ہے۔

**يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ**

لئے نبی! ان قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں ہیں، اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر



اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا إِيَّاكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تم کو بخش دے گا

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا إِخْيَانَتَكَ فَقَدْ خَانَ اللَّهُ

اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور تم فریاد نہ کرنا ۝ اور اگر آپ کے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے

مِنْ قَبْلُ فَأَمَّا مَن مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ

خیانت کر چکے ہیں تو اللہ نے ان میں سے بعض لوگوں پر آپ کو فائدہ (غالب) کر دیا، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور حکمت والا ہے ۝ بیشک

أَمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِلَهُمُ أَنْفُسُهُمْ فِي سَبِيلِ

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا

اللَّهِ وَالَّذِينَ أَدَّوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۝

اور جن لوگوں نے (ہمارے) کو (جنگ فراہم کی اور ان کی نصرت کی) یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اور

الَّذِينَ أَمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا أَمْوَالُكُمْ مِّنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ فِتْنٌ شَيْءٌ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے

حَتَّى يُهَاجِرُوا ۝ وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم

التَّصَرُّفُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ مِّبَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۝ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی عہدہ ہو اور تم جو کام بھی کرتے ہو

بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أِبْعَضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ

اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان میں سے بعض، بعض کے ولی ہیں، اگر تم ان احکام پر عمل نہیں

فَتَنَّا فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَثِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ أَمَنُوا وَهَاجَرُوا

کر دے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور



جَهْدُ وَاِنِ سَبِيلَ اللَّهِ وَالَّذِينَ اَوْوَاوْا وَنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ

اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (ہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ برحق

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴۵ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا

مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے ۝ اور جو لوگ ایمان میں

مِنْۢ بَعْدُ وَاٰجَرُوْا وَجَهْدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَاُولٰٓئِكَ

ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سوائے ان سے ہیں اور اللہ کی کتاب

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ

میں قرابت دار (بطور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو

شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝۴۶

خوب جانتے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! ان قیدیوں سے کہنے جو آپ کے قبضہ میں ہیں اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور تم فرمائے والا ہے ۝ (الانفال: ۷۰)

بد ریش رسول اللہ ﷺ کے غیب کی خبر دینے سے متاثر ہو کر حضرت عباس کا مسلمان ہونا امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جس شخص نے عکرمہ سے سنا اس نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے (جنگ بدر میں) عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کیا وہ ابو الیسر کعب بن عمرو تھے۔ ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ ابو الیسرا تم نے اس کو کیسے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا اس معاملہ میں ایک ایسے شخص نے میری مدد کی تھی جس کو میں نے اس سے پہلے دیکھا تھا۔ اس کے بعد اس کی ایسی ہیئت تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد ایک کرم فرشتہ نے کی تھی۔ اور عباس سے فرمایا ہے عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث کاندیہ بھی دو اور اپنے حلیف عتبہ بن جعد کاندیہ بھی دو جن کا تعلق بنو الحارث بن فھر سے ہے۔ عباس نے ان کاندیہ دینے سے انکار کیا اور کہا میں اس فروغ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تمہارے معاملہ کو خوب جاننے والا ہے اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تم کو اس کی جزا دے گا لیکن تمہارا ظاہر مل یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو سو تم اپنا فدیہ ادا کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ اس سے میں لوقیہ سوتا (بہ طور مل غنیمت) وصول کر چکے تھے۔ عباس نے کہا یا رسول اللہ! اس میں اوقیہ سونے کو میرے

فدیہ میں کاٹ لیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ وہ مال ہے جو اللہ نے ہمیں تم سے لے کر دیا ہے۔ عباس نے کہا میرے پاس اور مال تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا۔ اور تم نے یہ کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آگیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو دیتا، اتنا قسم کو دیتا اور اتنا عبد اللہ کو دیتا۔ تب عباس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے اور ام الفضل کے سوا اس کو اور کوئی نہیں جانتا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳ طبع قدیم دار الفکر مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۲۳۱۰ طبع جدید دار الفکر شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ امام محمد بن اسحاق اور کرم کے درمیان راوی مجهول ہے، مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۲۳۱۰ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۲۱ھ حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی کا نام نہ کر رہے ہیں اور اس کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۶ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ دونوں سندیں متصل ہیں۔ طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۰۰-۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۳۲-۳۳ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۳۸ھ امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا، حافظ ذہبی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ المستدرک ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الفکر کرم امام ابو نعیم لامبلی التوفی ۴۳۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، دلائل النبوة ج ۲ ص ۲۷۶ رقم الحدیث: ۳۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، حافظ ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن العساکر التوفی ۵۵۵ھ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ تنقیح تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، تنقیح تاریخ دمشق ج ۱ ص ۲۲۹-۲۳۰ علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ السیسی التوفی ۵۵۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الروض للأنف ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ مکتبہ حسین بن احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو زہری اور ایک جماعت سے روایت کیا ہے، دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۲-۳۳ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۵ھ نے بھی اس کا ذکر محمد بن اسحاق از لیلیٰ صحیح از عطاء بن عباس ذکر کیا ہے اور یہ بھی سند متصل ہے، السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۰۶ مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۱۷ھ۔ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۹ مطبوعہ لواء القادسی بیروت ۱۴۸۵ھ علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۱۴۳۲ھ نے بھی اس کا اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے، سبل الہدی والرشاد ج ۲ ص ۶۸ مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، علامہ ابو الحسن بن محمد باوردی متوفی ۵۳۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، النکت والعیون ج ۲ ص ۲۲۳-۲۲۴ موسسہ الکتب الشافعیہ بیروت، امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۵۶ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے، اس کے آخر میں ہے میں کو ایسی دیکھا ہوں کہ آپ سچے ہیں لا الہ الا اللہ، بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس بات پر اللہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں تھا، محکم الترغیل ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ، امام حاکم اور امام بیہقی کی روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں، علامہ جلال اللہ محمود بن عمر زحری متوفی ۵۵۸ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، الکشاف ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار ابن کثیر، امام ابو الحسن علی بن احمد الواسعی التوفی ۵۶۸ھ نے کلبی کی روایت سے اس کا ذکر کیا ہے، اسباب النزول ص ۲۳۵ رقم الحدیث: ۲۸۹ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ علامہ ابو القریح محمد بن علی جوزی متوفی ۵۵۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، زوائد المسیر ج ۲ ص ۳۸۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی ۶۷۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۲۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ علامہ عبد اللہ بن عمر بخاری متوفی ۶۸۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، التوہم الترغیل مع الکافر دینی ج ۲ ص ۷۳ مطبوعہ دار الفکر

بیروت ۱۳۲۱ھ علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'علاہ النسخی' ج ۲ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار علوم بیروت ۱۳۸۳ھ علامہ  
محمد الدین مصطفیٰ قوجوی متوفی ۱۳۹۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'حاشیہ شیخ زکریا علی البیضاوی' ج ۲ ص ۳۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی  
بیروت۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کا ذکر کیا ہے 'الدر المنثور' ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت علامہ علی بن محمد خازن متوفی  
۷۲۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'باب التویل' ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ پشاور علامہ نظام الدین حسین بن محمد فی متوفی ۷۲۸ھ نے اس کا ذکر کیا  
ہے 'غرائب القرآن' ج ۲ ص ۳۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ علامہ ابوالیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ نے اس کا ذکر کیا  
ہے 'البحر المحیط' ج ۵ ص ۳۵۵ مطبوعہ ۱۳۳۳ھ شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'فتح القدر' ج ۳ ص ۳۲۱ مطبوعہ  
دار المعرفہ بیروت شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالملک متوفی ۱۳۰۴ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'الفتوحات الاالیہ' ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ قدیمی کتب  
خانہ کراچی علامہ سید محمود آلوسی نے اس کا ذکر کیا ہے 'روح المعانی' ج ۱۰ ص ۳۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت مفتی محمد  
شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'معارف القرآن' ج ۴ ص ۲۹۰ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ شیعہ مفسرین میں  
سے سید محمد حسین طباطبائی نے اس کا ذکر کیا ہے 'المیزان' ج ۹ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران شیخ فضل بن حسن طبری متوفی  
۵۵۳ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'مجمع البیان' ج ۳ ص ۸۶۰ مطبوعہ طہران شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے 'منہج  
اصولیین' ج ۲ ص ۲۱۵ مطبوعہ ایران غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے 'فتح البیان' ج ۵  
ص ۲۱۸-۲۱۷ مطبوعہ المکتبہ العصریہ بیروت ۱۳۳۳ھ

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا ثبوت ہے 'لور یہ علم غیب آپ کو اللہ عزوجل کی عطا سے حاصل ہوا  
تھا ہم نے اس کے ثبوت میں اس قدر حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہر کتب فکر کے قدیم اور جدید  
علماء اسلام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا علم غیب مسلم اور غیر زامی ہے۔  
بد ر کے قیدیوں سے جو مال غنیمت لیا گیا تھا مسلمان ہونے کے بعد ان کو اس سے زیادہ مال مل جاتا  
امام محمد بن اسحاق السطیبی متوفی ۱۸۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب کہتے تھے کہ یہ آیت مبارکہ ہا یہا النبی قل لمن فی یدکم من الاسری  
(الانفال: ۷۰) اللہ کی قسم میرے متعلق نازل ہوئی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں  
نے کہا تھا کہ میرے ہیں اوقیہ (آٹھ سو درہم) جو مجھ سے لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا  
انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں اوقیہ کے بدلہ میں میں غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا تھا۔

(سیرۃ امام ابن اسحاق مطبوعہ ۱۳۶۸ھ مطبوعہ معارف اسلامی ایران)  
امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب نے فرمایا یہ خدا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ  
ذکر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ سوال کیا کہ مجھ سے جو ہیں اوقیہ لیے گئے ہیں ان کو فدیہ کی رقم میں کٹ دیا جائے تو رسول  
اللہ ﷺ نے اس کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے مجھے ان میں اوقیہ کے بدلہ میں میں غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی  
تجارت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں میں اللہ عزوجل سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں۔

(المعجم الاوسط ج ۹ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۸۱۰۳ مطبوعہ ریاض المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۳ رقم الحدیث: ۱۱۳۹۸)  
امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس نے فرمایا مجھ سے جو ہیں اوقہ لیے گئے تھے اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے میں غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے زمزم عطا فرمایا اور اگر مجھے زمزم کے بدلہ میں تمام اہل مکہ کامل دیا جاتا تو وہ میں پسند نہ کرتا اور اس کے علاوہ میں اپنے رب سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۵ مطبوعہ دار صادر بیروت ج ۱ ص ۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ)  
ہر چند کہ اس آیت کے نزول کا سبب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو زیادہ مال مل جاتا ہے لیکن اس آیت کا حکم تمام بدر کے قیدیوں کو شامل ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ میں عموم ہے۔ مثلاً آپ ان لوگوں سے کہئے جو آپ کے قبضہ یا آپ کی قید میں ہیں اور فرمایا جو قیدی ہیں اور فرمایا تمہارے دلوں میں اور فرمایا اللہ تمہیں اس سے زیادہ دے گا اور فرمایا جو تم سے لیا گیا تھا اور فرمایا تم کو بخش دے گا یہ سب عام الفاظ ہیں۔ اور جب خصوصیت مورد اور عموم الفاظ میں تعارض ہو تو ان الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اس آیت میں فرمایا ہے جو کچھ تم سے لیا گیا ہے وہ تم کو اس سے خیر (زیادہ اچھی چیز) دے گا اس خیر سے زیادہ مال بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایمان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو مراد لیا جائے اور یہ کہ وہ کفر اور تمام بری باتوں سے توبہ کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے توبہ کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ماضی، حال اور مستقبل تمام زمانوں پر محیط ہے  
اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: اگر اللہ تمہارے دلوں میں کسی خیر کو جان لے گا تو تم کو اس سے زیادہ بہتر چیز عطا فرمائے گا جو تم سے بہ طور مال قیمت لیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا اس وقت علم ہوتا ہے جب وہ چیز حادث ہوتی ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے کہ نیکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے دلوں میں خیر کے جاننے کو شرط اور ان کو اس سے بہتر چیز عطا کرنے کو جزا بیان کیا ہے اور شرط اور جزاء کا تحقق مستقبل میں ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا جب ان کے دلوں میں خیر ہوگی تو اللہ اس کو جان لے گا۔ امام رازی متوفی ۷۴۰ھ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا ظاہر تو اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں نے تقریر کی ہے لیکن جب دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا حادث ہونا محال ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہوں تو وہ کل حوادث ہو گا اور کل حوادث حادث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تدبیر اور واجب الوجود ہے اس لیے اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے۔ یعنی جب یہ معلوم (ان کے دلوں کی خیر) حادث ہو گا تو اللہ ان کو اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا جو ان سے لی گئی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۸۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۳۰۶ھ قدس سرہ العزیز نے اس آیت میں علم کا معنی علم ظہور کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کسی بھلائی کو ظاہر کر دیا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے (لے لیا گیا ہے۔

اب ہم اس آیت کے چند مزید تراجم پیش کر رہے ہیں:

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۷۶۹ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر داند خدا اور دل ہائے شائکی بدحد شمار بہتر از آنچه گرفتہ از خدا

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۷ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر داند خدا اور دل شائستگی البتہ بدحد شمار بہتر از آنچه گرفتار شد

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۱۳۳ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر جانے گا اللہ بیچ دلوں تمہارے کے بھلائی دیوے گا تم کو بھلائی اس چیز سے کہ لیا گیا ہے تم سے۔

شاہ عبد القادر متوفی ۱۱۳۰ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر جانے اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ اس آیت کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں تو اللہ

نے ان میں سے بعض لوگوں پر آپ کو قدر (غالب) کر دیا اور اللہ بہت جاننے والا ہے حد حکمت والا ہے۔ (الانفال: ۷۱)

اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ ﷺ سے کفار کی خیانت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عباس اور ابن کے اصحاب نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ آپ جو کچھ اللہ

کے پاس سے لے کر آئے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہم آپ کے

معلق اپنی قوم کو نصیحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا، آپ سے خیانت کی اور اس

قوس کے مطابق عمل نہیں کیا تو آپ افسوس نہ کریں یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کر چکے ہیں۔ انہوں نے کفر کیا،

آپ سے قتل کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

نبی ﷺ سے خیانت کرنے کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ جس کو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا

ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا تو یہ آپ سے خیانت کی اور اس سے پہلے یہ اللہ کی وحدانیت

کا انکار کر کے اللہ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں۔ تیسری خیانت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے فدہ لے کر ان کو آزاد کیا تو ان سے یہ

عہد لیا تھا کہ دوبارہ آپ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور مشرکین سے معاملہ نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے اس عہد کی

خلاف ورزی کی اور آپ سے خیانت کی تو آپ افسوس نہ کریں یہ پہلے اللہ سے بھی عہد کر کے توڑ چکے ہیں اور اللہ سے عہد کر

کے اس کو توڑنے کی مثل ان آیتوں میں ہے:

قُلْ مَنْ يُضِلُّكُمْ فَمَا لَكُمْ لِلْمَسِيحِ السَّيِّئِ وَالْبَاطِلِ

تَذْعُوْنَهُ تَقْتَرِعُوْا وَخُفْيَةً لِّئِنْ اَنْجَاكُمْ مِنْ

لَاكُوفَنَّ مِنَ الشَّكْرِ يَسَّ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُضِلُّكُمْ

مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْهٍ نَّمُ اَنْتُمْ تُضِلُّوْنَ ۝

(الاعصاف: ۳۰-۳۳)

آپ کہنے کہ تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون

نجات دیتا ہے جس کو تم گڑبگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر

اس نے ہمیں اس (مسیت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور

شکر ادا کرنے والوں میں سے ہوں گے ۝ آپ کہنے کہ اس

(مسیت) سے اور ہر سختی سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر

بھی تم شرک کرتے ہو۔

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس (مسیبت) کو بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے شریک بتا لیتا ہے تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے بکائے آپ کہتے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھاؤ بے شک تم

دو زخموں میں سے ہو۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُبِيتًا إِلَهُه  
إِذَا أَتَتْهُ نِعْمَةٌ فَيَسَىٰ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَهُهُ  
مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّیُفِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ  
قُلْ تَسْبَحُ بِكُمْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ  
السَّارِ (الرمر: ۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دلی ہیں اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور تم جو کام بھی کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے (الانفال: ۷۲)

عہد رسالت میں مومنین کی چار قسمیں

اس آیت (الانفال: ۷۲) میں اور اس سورت کی آخری آیت (الانفال: ۷۵) میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لانے والوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) مہاجرین اولین ان کا ذکر آیت ۷۲ کے اس حصہ میں ہے ان الذہن امسوا وهاجروا وجاهدوا بائموالہم وانبفسہم فی سبیل اللہ (۲) انصار ان کا ذکر آیت ۷۴ کے اس حصہ میں ہے والذہن اووا وناصروا (۳) جن مومنین نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی ان کا ذکر الانفال: ۷۵ کے اس حصہ میں ہے والذہن امسوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معکم (۴) وہ مومنین جنہوں نے فتح مکہ تک ہجرت نہیں کی ان کا ذکر (الانفال: ۷۲) کے اس حصہ میں ہے والذہن امسوا ولم یہاجروا۔

مہاجرین اولین کی دیگر مہاجرین اور انصار پر فضیلت

مہاجرین اولین نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے جہاد کیا کیونکہ جب وہ اپنے وطن کو چھوڑ آئے تو ان کے تمام مال و دولت اور ان کے مکانوں اور تجارت پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا۔ پھر انہوں نے مکہ سے مدینہ آنے کے لیے اور غزوات میں شرکت کرنے کے لیے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ کیونکہ انہوں نے بغیر ہتھیاروں اور بغیر مدد کی قوت اور بغیر تیاری کے فرزدہ بدر میں کفار کے خلاف جہاد کیا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے مقابلہ میں ان کو اپنا مال عزیز تھا نہ جہاد اور چونکہ وہ ہجرت کرنے میں اور اللہ کی راہ میں مال اور جان خرچ کرنے میں بعد کے مسلمانوں پر سابق اور اول تھے اس لیے ہجرت اور جہاد میں وہ بعد کے مسلمانوں کے لیے امام پیشوا اور مقتدا بن گئے اس لیے ان کا مرتبہ اور اجر و ثواب بعد میں ہجرت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:



الْمُتَّبِعُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ  
الْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ  
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (التوبة: ۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے بہت کرنے والے سب  
سے پہلے ایمان لانے والے اور جن لوگوں نے نیک کاموں  
میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے  
راضی ہو گئے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ  
قَاتَلَ أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا  
مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى

جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا  
اور جہاد کیا ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے (فتح مکہ  
کے) بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کا بہت بڑا اجر ہے اور  
اللہ نے ان سب سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

(الحديد: ۱۰)

الْمُتَّبِعُونَ السَّابِقُونَ ۝ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ

بہت کرنے والے 'بہت کرنے والے' ہیں وہی (اللہ  
کے) مقرب ہیں۔

(الواقعه: ۱۰۴)

مہاجرین اولین سابقین نے سب مسلمانوں سے پہلے ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اور اس کی راہ میں جہاد کر کے  
بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے اس نیک عمل کی راہ دکھائی اس لیے قیامت تک کے مسلمانوں کی ان نیکیوں کا اجر ان کے  
نامہ اعمال کی زینت ہو گا حدیث شریف میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو  
اپنا اجر بھی ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اور بعد والوں کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور  
جس شخص نے اسلام میں کسی بڑے کام کی ابتداء کی اس کو اپنے کام کا گناہ بھی ہو گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے اعمال کا گناہ  
بھی ہو گا اور ان کے اپنے کاموں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ ۶۹ (۱۱۷) ۲۳۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۵۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۰۳ مسند احمد ج ۳  
ص ۳۵۹ ۳۵۷ ۱۰۳۵ ۱۰۳۴ ۲۳۳۵ مصنف عبد الرزاق رقم الحديث: ۲۱۲۵ سنن کبریٰ لیلیٰ ج ۳ ص ۷۵، کنز  
العمل رقم الحديث: ۴۳۰۷۸)

لوگوں کی علوت ہے کہ جب وہ اپنی نوع کے لوگوں کو کوئی نیک کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی اس نیک  
کام کرنے کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ اور لوگوں پر کوئی مشکل کام اس وقت آسان ہو جاتا  
ہے جب وہ اور لوگوں کو بھی وہ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ سو اس اعتبار سے مہاجرین اولین کو بعد کے مسلمانوں پر بہت بڑی  
فضیلت حاصل ہے۔

مومنین انصار کو بھی بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی طرف  
ہجرت کی تھی تو اگر وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں جگہ نہ دیتے اور آپ کی مدد نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی  
خدمت میں اپنی جان اور اپنے مال کے نذرانے پیش نہ کرتے اور مشکل مہمت میں اصحاب رسول کا ساتھ نہ دیتے تو ہجرت کے  
مقاصد پورے نہ ہوتے۔ اس کے باوجود مہاجرین اولین کا مرتبہ انصار مدینہ سے کئی درجہ سے افضل ہے۔

۱۔ مہاجرین سابقین اولین ایمان لانے میں انصار اور بقی سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔ اور ایمان لانے کی تمام فضیلتوں کا  
مبدء اور منشاء ہے۔

۲۔ مہاجرین اولین مسلسل تیرہ سال کفار قریش کی زیادتیوں اور ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے اور تمام سختیوں پر صبر کرتے رہے۔

۳۔ انہوں نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، گھر، تجارت اور باغات کو چھوڑا اور اسلام کی خاطر یہ تمام مصائب مہاجرین نے برداشت کیے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو قبول کرنے کا دروازہ مہاجرین اولین نے کھولا۔ انصار نے ان کی اقتداء کی اور ان کی مشابہت اختیار کی اور مقتدی مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے وراثت کا مشروع پھر منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا بھی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اس جگہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ ولایت سے مراد وراثت ہے یا ولایت سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس ولایت سے مراد وراثت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث کر دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ

نے یہ فرمایا اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں ان کو وراثت نہیں ملے گی اور جب اللہ تعالیٰ نے اس

سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں "تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ اور اب قرابت وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ مجاہد، ابن جریج، قتادہ،

عکرمہ، حسن بصری، سدی اور زہری سے بھی اسی قسم کے اقوال مروی ہیں۔  
(جامع البیان ج ۱۰ ص ۶۹-۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر فتح نہیں ہے اور ولایت کا معنی نصرت اور معاونت ہے اور یہی تفسیر رائج ہے۔  
ولایت کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ولایت کا معنی

ولاء اور نوالی کا معنی یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایسا حصول ہو جو پہلے حاصل نہ تھا۔

اور اس کا قرب کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ خواہ قرب بہ حیثیت مکان ہو یا قرب بہ حیثیت نسب ہو یا قرب بہ حیثیت دین ہو یا بہ حیثیت دوستی قرب ہو یا بہ حیثیت نصرت اور اعتقاد قرب ہو۔

اور ولایت (واو کی زیر کے ساتھ) کا معنی نصرت ہے اور ولایت (واو کی زیر کے ساتھ) کا معنی ہے کسی امر کا والی ہونا اور اس میں تصرف کرنا۔ اور ولی اور مولیٰ ان میں سے ہر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں یعنی ناصر اور کار ساز اور

اسم مفعول کے معنی میں یعنی منصور، واللہ ولی المؤمنین (آل عمران: ۷۸) اس کا معنی ہے اللہ مومنین کا ناصر اور کار ساز ہے اور مومنین اللہ کے ولی ہیں یعنی اللہ کے منصور ہیں اللہ ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین اور کافروں کے

درمیان ولایت کی نفی کر دی ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تتحدوا بالیہود والنصری اولیاء (المائدہ: ۵۱) یعنی یہود اور نصاریٰ کو اپنا ناصر اور مددگار نہ بناؤ۔ اسی طرح فرمایا مالکم من ولائہم من شیء (الانفال: ۷۲) یعنی تم ان کی مطلقاً نصرت نہ کرو۔ (المفردات، ج ۲ ص ۶۶۳-۶۶۴، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد الدین ابو الطحطاوات البیہارک بن محمد ابن الاثیر جزیری المتوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ولی ہے اس کا معنی ہے ناصر اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے تمام عالم اور مخلوقات کا مربی اور منتظم اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے والی ہے اس کا معنی ہے تمام اشیاء کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا اور ولایت کا لفظ تدبیر قدرت اور فعل کی خبر دیتا ہے اور جب تک کسی چیز میں یہ معنی جمع نہ ہوں اس پر والی کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں لفظ مولیٰ بہ کثرت استعمال ہوا ہے اور یہ ان معانی میں ہے: رب، مالک، سید، نعم، معنی (آزاد کرنے والا) ناصر، محب، تابع، پرہیزی، عم زاد، حلیف، عقید (جس سے معاہدہ کیا ہو) سرال رشتہ دار، غلام، آزاد کردہ، ان میں سے اکثر معنی میں مولیٰ کا لفظ حدیث میں وارد ہے اور حدیث کا سیاق و سباق جس معنی کا مقتضی ہو مولیٰ کا لفظ اسی معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا مالک ہو یا اس کا انتظام کرے وہ اس کا مولیٰ اور ولی ہے اور بھی ان اسماء کے مصادر مختلف المعنی ہوتے ہیں۔ پس ولایت (زیر کے ساتھ) کا معنی نسب میں قریب اور نصرت اور آزاد کرنے والا ہے اور ولایت (زیر کے ساتھ) کا معنی لمارت ہے اور ولاء کا معنی آزاد شدہ ہے۔

(التمایہ ج ۵، ص ۱۹۸-۱۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

چونکہ ولایت کا معنی نسبی قرابت بھی ہے اس لیے اس آیت میں وراثت کے معنی کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کم سے کم فتح کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو نصرت کے معنی پر محمول کیا جائے اور سیاق و سباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کفار سے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے دار الحرب کے مسلمانوں کی مدد نہ کرنا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔

یعنی جن مسلمانوں نے دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی، پھر انہوں نے دار الحرب سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں سے ان کی فوجی قوت یا مال سے مدد طلب کی تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کو تائید اور ناصرا نہ کریں۔ ہاں اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں جس قوم کے ساتھ ایک مدت معین تک کا تمہارا معاہدہ ہو تو پھر تم اس معاہدہ کو نہ توڑو جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین شرائط پر صلح کی۔ مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے گا وہ اس کو انہیں واپس کر دیں گے اور مسلمانوں کی طرف سے جو مشرکین کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور یہ کہ اگلے سال مسلمان عمرو کے لیے آئیں گے اور صرف تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہریں گے اور اپنے ہتھیاروں کو میان میں رکھ کر آئیں گے مثلاً کھوار اور تیر کمان وغیرہ۔ پھر حضرت ابو جندل بن عمروؓ میں چلتے ہوئے مسلمانوں کی طرف آئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام ابن ہشام متوفی ۲۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس وقت رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو صلح مکہ رہے تھے اس وقت سہیل کے بیٹے حضرت ابو جندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی بیویوں میں گھسٹتے ہوئے آئے اور اچانک رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو اپنی فتح کے متعلق کوئی شک نہیں تھا اور اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کا خواب تھا اور جب انہوں نے صلح اور رجوع کا معاملہ دیکھا اور یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شرائط مان لی ہیں تو ان کو اتنا زیادہ رنج اور قلق ہوا کہ لگتا تھا وہ شدت غم سے ہلاک ہو جائیں گے۔ جب سہیل نے اپنے بیٹے ابو جندل کو دیکھا تو ان کے پاس گیا اور ان کے منہ پر تھپڑ مارے اور ان کو گریبان

سے پکڑ کر اپنی طرف تھینٹے لگا اور اس نے کہا یا محمد (ﷺ) ہمارے اور آپ کے درمیان اس کے آنے سے پہلے معاہدہ مکمل ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر وہ حضرت ابو جندل کو گریبان سے پکڑ کر تھینٹے لگا تاکہ ان کو قریش کی طرف لے جائے اور حضرت ابو جندل بلند آواز سے فریاد کرنے لگے اے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا؟ یہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مسلمانوں کو ان کی فریاد کی وجہ سے اور زیادہ قلق ہوا تب رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا اے ابو جندل! صبر کرو اور اجر و ثواب کی نیت کرو، تمہیں اور دوسرے کمزور مسلمانوں کو اللہ نجات دینے والا ہے اور ان کے لیے کشادگی کرنے والا ہے، اور میں ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان سے عہد شکنی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ابو جندل دل شکستہ ہو کر اپنے باپ کے ساتھ چلے گئے اور معاہدہ پورا ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۲۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن ہشام لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ پہنچے تو آپ کے پیچھے ابو بصیر عقبہ بن اسید بھی مدینہ پہنچ گئے یہ ان مسلمانوں میں سے تھے جن کو مکہ میں قید کر کے رکھا گیا تھا۔ جب رسول اللہ (ﷺ) مدینہ پہنچے تو ان کی بازیابی کے لیے ازہر بن عبد عوف اور انیس بن شریق نے آپ کو خط لکھا اور بنو عامر بن لوی کے ایک شخص اور ان کے آژوکرہ غلام کو انہیں لینے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ دونوں ازہر اور انیس کا خط لے کر رسول اللہ (ﷺ) کے پاس آئے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا اے ابو بصیر! ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معطوم ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ تمہارے لیے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے نجات اور کشادگی کی صورت پیدا کرنے والا ہے، تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔ حضرت ابو بصیر نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کی طرف لوٹا رہے ہیں وہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیں گے! آپ نے فرمایا اے ابو بصیر! تم واپس جاؤ غریب اللہ تمہاری رہائی کی صورت پیدا کر دے گا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۲۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ لکھتے ہیں:

ابو جندل بن سہیل بن عمرو مکہ میں بہت پہلے اسلام لائے تھے ان کے باپ سہیل نے ان کو زنجیروں سے باندھ کر مکہ میں قید کیا ہوا تھا اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد یہ رہا ہو کر مقام البیض میں پہنچ گئے اور حضرت ابو بصیر سے مل گئے۔ (حضرت ابو بصیر کو جو دو آدمی لینے آئے تھے انہوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا مکہ بھاگ گیا تھا۔ وہ پھر مدینہ گئے لیکن رسول اللہ (ﷺ) نے معاہدہ کی پاس داری کی وجہ سے ان کو قبول نہیں کیا۔ پھر یہ مدینہ سے نکل کر مقام البیض پہنچ گئے حضرت ابو جندل بھی ان سے آئے۔ اس طرح وہیں تقریباً ستر مسلمان مکہ سے بھاگ کر ان کے پاس آ گئے ان کو مکہ سے آنے والا جو کافر ملتا یہ اس کو قتل کر دیتے اور کفار کے جو قافلے وہیں سے گزرتے ان کو لوٹ لیتے۔ حتیٰ کہ قریش نے رسول اللہ (ﷺ) کو خط لکھا کہ وہ مکہ سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے کی شرط سے دست بردار ہوتے ہیں تب رسول اللہ (ﷺ) نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور یہ لوگ مدینہ آ گئے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۲۵۲-۲۵۳) پھر حضرت ابو جندل، حضرت ابو بصیر کے پاس رہے حتیٰ کہ حضرت ابو بصیر وہیں وفات پا گئے اور حضرت ابو جندل دیگر مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ (ﷺ) کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ اور رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور رسول اللہ (ﷺ) کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں ۸ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷، ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، ان میں سے بعض، بعض کے ولی ہیں، اگر تم ان احکام پر عمل نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ (الانفال: ۷۳)

دو مختلف ملتوں کے ماننے والوں کے مابین دوستی اور وراثت جائز نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان ولایت (نصرت اور وراثت) کو منقطع کر دیا ہے۔ اور مومنوں کو مومنوں کا ولی بنایا اور کافروں کو کافروں کا ولی بنایا۔ کفار اپنے دین اور معتقدات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہیں اگر کسی کافر عورت کا مسلمان بھائی ہو تو وہ اس کا ولی نہیں ہے اور وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے درمیان ولایت نہیں ہے۔ اس کا نکاح اس کا ہم مذہب ولی کرے گا۔ جس طرح مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان ولی ہی کر سکتا ہے، اگر اس کا باپ یا دادا کافر ہو تو وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث ہو گا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو حاتم مزیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسے رشتہ کا پیغام آئے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت فتنہ اور فساد ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کی وہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت و ثناء روزی ہے۔ (الانفال: ۷۴)

مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں تکرار ہے کیونکہ آیت ۷۲ میں بھی یہی مضمون بیان فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ۷۲ سے مقصود یہ تھا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ولایت کو بیان کیا جائے اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف کی جائے کیونکہ ان کا ایمان کامل ہے اور یہ برحق مومن ہیں۔ مہاجرین اولین نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا، انہوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، مل و دولت اور مکانوں اور جائزات کو چھوڑا۔ اسی طرح انصار نے بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لیے اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو وہ بھی تم میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (یہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الانفال: ۷۵)

ہجرت کی تعریف اور ہجرت کے متعلق مختلف النوع احادیث

اس آیت سے وہ مسلمان مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد ہجرت کی۔ اور اس ہجرت کا مرتبہ پہلی ہجرت

سے کم ہے۔ حدیبیہ کے بعد دو سال تک صلح کا زمانہ رہا پھر مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت بھی ختم ہو گئی۔ ہجرت کی تعریف یہ ہے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف نکلنا یا دارالخوف سے دارالامن کی طرف نکلنا جیسے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ یا حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ایک قول یہ ہے کہ شہوات منکرات اخلاق ذمیر اور معاصی کو ترک کرنا ہجرت ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۴، صحیح مسلم الحج ۴۴۵ (۱۳۵۳) ۲۲۲۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۹۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۸۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۳)

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی حضرت مجاہد کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ مجاہد ہیں جو آپ سے ہجرت پر بیعت کریں گے، آپ نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اس کو اسلام پر بیعت کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۷۹، ۳۰۷۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمریشی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی۔ ہم نے آپ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب ہجرت نہیں ہے، پہلے مسلمان اپنے دین کے سبب سے اللہ اور رسول کی طرف بھاگتے تھے، کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن اب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرما چکا ہے، اب مسلمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰، مطبوعہ بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ جہاں کہیں ہوں یا کسی خاص جگہ پر؟ آیا کسی خاص قوم پر ہجرت فرض ہے؟ یا جب آپ رحلت فرما جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ ﷺ ایک ساعت خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا وہ مسائل کہاں سے؟ اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو، اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مساجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن میں بے حیائی کے کام ترک کرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو پھر تم مساجر ہو۔ (مسند البراء رقم الحدیث: ۱۷۵۰)

حضرت معلویہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو، اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۹، مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مساجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے ساتھ رہے، ان کے (چوٹھوں میں) ایک ساتھ آگ جلتی ہوئی نہ دیکھی جائے۔

(المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۲۸۳۸، حنفی المبنی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۳)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ زمین اللہ کی زمین ہے



اور یہ لوگ اللہ کے بندے ہیں جس جگہ تم کو خیر ملے وہیں رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

(المعجم الکبیر ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵۰، حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں بعض دلوپوں کو نہیں پہچانتا، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۲۵۵) **ہجرت کے مختلف معانی**

علامہ محمد الدین السبک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں

حدیث میں ہجرت کا بہت زیادہ ذکر ہے ایک حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

(مجمع البحار ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۷۹، مجمع مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۳، سند احمد ج ۱، ص ۲۲۶)

اور ایک حدیث میں ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۶، سند احمد ج ۱، ص ۱۹۲)

ہجر کالغوی معنی وصل کی ضد ہے یعنی فراق، پھر اس کا غالب اطلاق ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنے اور دوسری زمین کی خاطر پہلی زمین کو ترک کرنے پر کیا جانے لگا۔

ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآلٍ لَهُمُ الْجَنَّةِ (النسۃ: ۷۴)  
بے شک اللہ نے مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ خرید لیا۔

ایک شخص نبی ﷺ کے پاس اپنے اہل و عیال اور مال چھوڑ کر آجاتا اور ان میں سے کسی چیز کی طرف رجوع نہ کرتا اور جس جگہ ہجرت کی تمناات وہیں رہتا۔ اور نبی ﷺ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اس جگہ مرجائے جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی۔ اسی بنا پر آپ نے حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں موت پر افسوس کیا وہ حج کے لیے مدینہ سے مکہ آئے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔ (مجمع البحار ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۷۹)

اور جب آپ مکہ میں آئے تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمیں مکہ میں موت نہ دے۔ (سند احمد ج ۲، ص ۲۵) اور جب مکہ دارالاسلام بن گیا تو وہ مدینہ کی طرح ہو گیا اور ہجرت منقطع ہو گئی۔

ہجرت کی دوسری قسم وہ ہے جو ہمتیوں نے ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے لیکن انہوں نے اس طرح کے افعال نہیں کیے جس طرح پہلی ہجرت کرنے والوں نے کیے تھے، پس وہ مہاجر تو ہیں لیکن مہاجرین اولین کی فضیلت میں داخل نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اس سے یہی ہجرت مراد ہے۔

ان ہی احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے ہجرت کرو اور تکلف اور تصنع سے مہاجر نہ ہو۔ یعنی اللہ کے لیے اخلاص سے ہجرت کرو اور بغیر صحیح ہجرت کے مہاجرین کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔ ان احادیث میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ہجرت (ترک تعلق و ترک سلام و کلام) کرے۔

(مجمع مسلم البرواہل ج ۱، ص ۲۵، ۲۵۶، ۶۳۱۲، سند احمد ج ۲، ص ۲۷۸)

اس ہجرت سے وصل کی ضد مراد ہے۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے کسی مسلمان کی کسی دنیاوی کوتاہی کی بناء پر اس سے ترک تعلق نہ کرے البتہ دین میں کسی بدعتیہ کی بناء پر یا کسی غیر شرعی کام کی بناء پر ترک تعلق جائز ہے کیونکہ اہل احواء اور اہل بدعت سے دائمی ہجرت (ترک تعلق) رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص غلطانہ معصیت سے توبہ نہ کرے اس

سے ہجرت ضروری ہے، کیونکہ جب حضرت کعب بن مالک اور ان کے دیگر اصحاب نے بلاعذر غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے ہجرت کر لیں یعنی ترک تعلق کریں حتیٰ کہ ان کی ازواج کو بھی ان سے ترک تعلق کا حکم دیا، مسلمانوں نے پچاس دن تک ان سے ترک تعلق رکھا اور ان کی ازواج نے ان سے ایک ماہ تک، اور حضرت عائشہ نے ایک ماہ تک حضرت ابن الزبیر سے ترک تعلق رکھا۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے بعض لوگ اللہ کا ذکر صرف اس محل میں کرتے ہیں کہ وہ مہاجر ہوتے ہیں یعنی ان کے قلب نے زبان سے ہجرت کی ہوئی ہوتی ہے زبان ذکر کرتی ہے اور دل غافل ہوتا ہے، یعنی وہ اخلاص سے اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔

(النسائی، ج ۵، ص ۲۱۲-۲۱۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

### ہجرت کی مختلف النوع احادیث میں تطبیق

ہجرت سے متعلق جن احادیث کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ہجرت بھی منقطع نہیں ہوگی اور بعض میں یہ وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی، بعض احادیث میں ہے کہ مسلمان زمین پر کہیں بھی قیام کر سکتا ہے اور بعض میں مشرکین کے ساتھ قیام کی ممانعت ہے۔ اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ہجرت تو صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی نے ان متعارض احادیث کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

۱۔ جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی احادیث کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔

۲۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، البتہ یہ فرضیت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔

۳۔ علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن، اہل و عیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور پھر کبھی ان چیزوں کی طرف واپس نہ لوٹتا اس ہجرت پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی۔ ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آجائے اور اس میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح شدت نہیں ہے۔

۴۔ کفار کے علاقہ سے مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے۔

۵۔ جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین، جان، مال اور عزت و آمد کی بربادی کا خطرہ ہو۔ جہاں اسلامی شعار، فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے ممانعت ہو یا جہاں کی تہذیب، کچھ اور سوسائٹی کے برے اثرات سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہیں اور زمین کے جس حصہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو اور وہ آزادی کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ لدارۃ البیان، السیرہ ص ۳۸، ۳۹)

فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا کیونکہ

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انہیں جمعیت کی ضرورت تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کر دیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لیے جہاد کی فرضیت باقی رہی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کرنا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار ایذا دیتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ (العیاذ باللہ) دین اسلام کو چھوڑ نہیں دیتا اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الدِّينَ تَوْفِيقِي ۖ فَالَّذِينَ مَنَعُوا آلَ مُحَمَّدٍ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَن يَبَيِّنَ بَيْنَهُمْ وَأَن يُخَالِفُ طَائِفَةٌ مِّنْ ذَٰلِكَ ۖ إِنَّهُمْ يُخَالِفُونَ بِأَنَّهُمْ لَنَالُوا حُكْمًا مِّنْ رَبِّهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ لَئِيْزَاتٌ بِأَحْزَابِهِمْ ۚ وَلَئِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ كَلِمَةٌ مِّنْ اللَّهِ وَآيَةٌ مِّنْهُ لَتَوَسَّعْنَ فِي الْأَرْضِ فَالْوَاكِلُونَ ۚ تَكَرَّرَ فِي رِجَالِهِمْ لَوْنُ سُوْرَةٍ ۖ وَكَانَتْ تَأْتِي بَعْدَ كُلِّ حِلٍّ مِّنْ لَّدُنْهِمْ ۚ وَكَانُوا يُظَاهِرُونَ إِلَهُكُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَافِرُونَ ۚ وَلَئِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ كَلِمَةٌ مِّنْ اللَّهِ وَآيَةٌ مِّنْهُ لَتَوَسَّعْنَ فِي الْأَرْضِ فَالْوَاكِلُونَ ۚ تَكَرَّرَ فِي رِجَالِهِمْ لَوْنُ سُوْرَةٍ ۖ وَكَانَتْ تَأْتِي بَعْدَ كُلِّ حِلٍّ مِّنْ لَّدُنْهِمْ ۚ وَكَانُوا يُظَاهِرُونَ إِلَهُكُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَافِرُونَ ۚ (النساء: ۷۵-۷۷)

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے، البتہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو (واقعی) بے بس (اور مجبور) ہیں جو کسی تدبیر کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ کہیں کاراستہ جانتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں سے درگزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا اور بے حد بخشنے والا ہے۔

جو شخص دارا کفر میں اسلام لائے اور اس سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت اب بھی باقی ہے کیونکہ سنن نسائی میں حضرت معلویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شرک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ شرکین سے علیحدہ نہ ہو جائے اور سنن ابوداؤد میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو شرکین کے درمیان رہتا ہے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن کو یہ خدشہ ہو کہ اگر وہ دارا کفر میں رہے تو ان کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۰، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

### دارا کفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں لاہجرۃ بعد الفتح کے بعد ہجرت نہیں ہے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے خواہ مکہ مکرمہ فتح ہو یا کوئی اور شہر، لہذا اب اگر مسلمان کسی شرک کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کسی شرک کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہیں کے رہنے والوں کے متعلق قین قول ہیں:

۱۔ پہلا قول: جو شخص دارا کفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دارا کفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

۲۔ دوسرا قول: مسلمان دارا کفر میں فرائض اور واجبات کو آزادی سے ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دارا کفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تاکہ دارالاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ

بوقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جلا میں شامل ہو سکیں اور دارا کفر میں کفار کی بد عہدی اور فتنہ سے محفوظ رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی، بد چلتی اور فحاشی کے برے اثرات سے مومن رہیں اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۳۔ تیسرا قول: جو مسلمان قید، مرض یا کسی اور عذر کی بنا پر دارا کفر سے ہجرت نہ کر سکا ہو اس کے لیے دارا کفر میں رہنا جائز ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو باہور ہو گا۔

(فتح الباری، ج ۶، ص ۳۸، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ)

## ہجرت کی اقسام

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

- ۱۔ دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت، جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آکر انگلینڈ، امریکہ یا مغربی جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔
- ۲۔ دارا کفر سے دارا اسلام کی طرف ہجرت کرنا، جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یا اب بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا۔ اسی طرح جو شخص دارا کفر میں اطمینان دین پر قادر نہ ہو اس کا دارا اسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

- ۳۔ قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا۔ چنانچہ سنن ابو داؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی، سورہ زمر کے آیتوں کے بعد لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں چلے جائیں گے اور باقی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔

- ۴۔ برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔ (عمدة القاری ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ دارالایمان المیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)
- ایک اور قسم کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے:

- ۵۔ ماسوا اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف ہجرت کرنا (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔ بخاری)
- ہجرت الی اللہ کی توضیح

اللہ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الہی میں اس طرح داخل لے کہ اس کے دل میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو، اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتیٰ کہ وہ اس منزل پر آجائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اس نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھانا پیتا ہے ورنہ اس کو لاکھ بھوک اور پیاس لگتی، وہ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرتا۔ اس مقام کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کے ہر کام کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ چونکہ اللہ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو خولہ کچھ ہوتا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے صبیح اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی مقام کی طرف اس حدیث میں ہدایت دی ہے۔

اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ اقبل نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

ور دشت جنون من جبرئیل قیوں صیدے

یزواں بکھند آور اے بہت مردانہ

یعنی انسان کے لیے ملوٹی منلت اپنا جتنی کہ مظہر جبرئیل ہو تا بھی مکمل نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے وہ الوہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے لے اور مظہر رب جبرئیل ہو جائے۔ چنانچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے تو اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے اور انہیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب رحم کرنا چاہتا ہے اور انہیں پر غضب ناک ہو جن پر اس کا رب اس سے غضب ناک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ اپنی سیرت کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی اور حکم الگ الگ اور مغاثر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنا ہی اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

ذوالارحام کی تعریف ان کے مصادیق اور ان کی وراثت کے ثبوت میں احادیث اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (پہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

ذوالرحم کا معنی نفقہ میں مطلقاً القربیت ہے اور اصطلاح شرع میں ذوالرحم ہر وہ رشتہ دار ہے جس کا حصہ کتاب اللہ میں مقرر ہو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ وہ عصبہ ہو (یعنی میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار جیسے دادا، چچا، چچا، بیٹا، بھائی وغیرہ) اور جب صرف یہی ہو اور اس کے ساتھ ذوی القربی عصبہ نسبی اور عصبہ نسبی نہ ہو تو میت کا کل مال اس کو مل جاتا ہے۔ (شرح البراہین ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلحی الہاز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)

ذوالارحام کی مثالیں یہ ہیں: جیسے بیٹی کی اولاد (نواسے، نواسی) پوتی کی اولاد (ٹٹا، ٹٹا کی ماں، بہن کی اولاد (بھانجے، بھانجیاں) بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں) پھوپھیاں خواہ باپ کی سگی بہن ہو یا علاتی یا اخیانی، ماموں، خالہ، اخیانی چچا کی اولاد، ماموں کی اولاد، بچے چچا یا علاتی چچا کی اولاد۔

مقدمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ملل و عیال چھوڑ کر مرا اس کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جس نے مل چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں (الحق) وارث ہوں میں اس کی دیت ادا کروں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہے وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۳۸)

ابو امامہ سل بن ضیف بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو ایک تیرا کر لگا جس سے وہ چل بقی ہو گیا اور اس کے ماموں کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے اس کے متعلق حضرت عمر کو خط لکھا حضرت عمر نے ان کے جواب میں لکھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس کا کوئی مولانا نہ ہو اس کا اللہ اور اس کا رسول مولا ہے اور جس کا اور کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہے۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۰۶۸، ۳۰۶۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۳۷، سنن کبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۲۳۳ المستدرک رقم الحدیث: ۲۷۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۸)

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ / ۱۱ مارچ ۲۰۰۹ء کو بروز جمعرات بعد از نماز عشاء سورۃ الانفال کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ والحمد للہ رب العلمین۔ اللہ العالین جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے قرآن مجید کی باقی

سورتوں کی تفسیر کو بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے اس تفسیر میں خطا اور زلل سے محفوظ رکھنا۔ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرماتا اور اس کو منکرین اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھنا اور اس کو تاقیامت فیض آفریں رکھا اور اس کو عقائد اور اعمال میں موثر بنانا۔ اس تفسیر کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور تمام مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں کو اس کی طرف متوجہ اور راغب کر دینا اور محض اپنے فضل سے میرے تمام گناہوں کو معاف کر دینا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ کی شفاعت سے شلوکام کرنا مجھے میرے والدین اور میرے اساتذہ اور میرے تلامذہ اس تفسیر کے ناشر اس کے کپوزر اس کے صحیح اس کے معاونین اور اس کے قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھنا اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرماتا خصوصاً صحت اور سلامتی کے ساتھ ایمان پر قائم کرنا۔

واحد دعوا ان الحمد لله رب العلمین والعلوۃ والسلام علی سیدنا محمد  
حاتم السبیب قائد المرسلین شفیع المدیسین و علی الہ الطاہرین واصحابہ  
الکاملین و علی ارواحہ امہات المؤمنین و علی علماء ملنہ و اولیاء امنہ و سائر  
المؤمنین اجمعین۔







# ماخذ و مراجع

## کتاب الیہ

- ۱- قرآن مجید
- ۲- تورات
- ۳- انجیل

## کتاب احادیث

- ۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت حنفی ۱۵۰ھ مسند امام اعظم مطبوعہ محمد سعید اچکز کراچی
- ۵- امام مالک بن انس اشعری متوفی ۱۷۹ھ مسوط امام مالک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۶- امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۸ھ کتاب الزہد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷- امام ابو یوسف یحییٰ بن ابراہیم متوفی ۲۲۶ھ کتاب الآثار مطبوعہ مکتبۃ اثریہ ساکنہ کل
- ۸- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۲۴۰ھ مسوط امام محمد مطبوعہ نور محمد کلاخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۲۴۰ھ کتاب الآثار مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۴۰۷ھ
- ۱۰- امام کبیر بن جراح متوفی ۲۹۹ھ کتاب الزہد مکتبۃ لاد لادینہ منورہ ۱۴۰۴ھ
- ۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جبار و طرابلسی متوفی ۳۰۳ھ مسند طرابلسی مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۴۰۳ھ
- ۱۲- امام محمد بن لورس شافعی متوفی ۳۰۳ھ مسند مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۰ھ
- ۱۳- امام محمد بن عمر بن داؤد متوفی ۳۰۷ھ کتاب المحازی مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۴ھ
- ۱۴- امام عبد الرزاق بن حاتم صنعانی متوفی ۳۱۰ھ المصنف مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۴ھ
- ۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۳۱۹ھ المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۳۲۲ھ مسند سعید بن منصور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۳۳۵ھ المصنف مطبوعہ لواء القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ
- ۱۸- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۳۳۵ھ مسند ابن ابی شیبہ مطبوعہ دار الوطن بیروت ۱۴۰۸ھ
- ۱۹- امام احمد بن حنبل متوفی ۳۴۰ھ المسند مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۰۲ھ
- ۲۰- امام احمد بن حنبل متوفی ۳۴۰ھ کتاب الزہد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۲۱- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۳۵۵ھ مسند داری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ

- ۲۲- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ هـ، صحیح بخاری، مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۲۳- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ هـ، مطلق لفظ الیه مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۲۴- امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ هـ، کتاب الفرد مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۲۵- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ هـ، صحیح مسلم مطبوعه مکتبه زوار مطلق الیه که کرمه ۱۴۳۴ هـ
- ۲۶- امام ابو عبد الله محمد بن یزید ابن ماجه، متوفی ۲۶۳ هـ، مسنن ابن ماجه مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۴۳۵ هـ
- ۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، بمستطی، متوفی ۲۷۵ هـ، مسنن ابو داؤد مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، بمستطی، متوفی ۲۷۵ هـ، مسنن ابو داؤد مطبوعه نور محمد بک خانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۹- امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی، متوفی ۲۷۹ هـ، مسنن ترمذی مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۳۰- امام ابو یسعی محمد بن یسعی ترمذی، متوفی ۲۷۹ هـ، شمائل محمد مطبوعه المکتبه التجاریه که کرمه ۱۴۳۵ هـ
- ۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۲۸۵ هـ، مسنن دار قطنی مطبوعه مکتبه مکتان
- ۳۲- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۸ هـ، ملاحله الشیخ مطبوعه دار الایض ریاض ۱۴۳۵ هـ
- ۳۳- امام احمد محمد بن عبد الحاق یزید، متوفی ۲۴۳ هـ، البحر الزخار المعروف بمسند ابی احمد مطبوعه مؤسسه القرآن بیروت
- ۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ هـ، مسنن نسائی مطبوعه دار المعرفه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ هـ، عمل الیوم الیوم مطبوعه مؤسسه الکتب الثقافیه بیروت ۱۴۳۰ هـ
- ۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ هـ، مسنن کبری مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۳۷- امام ابو بکر محمد بن یارون الریدانی، متوفی ۳۰۷ هـ، مسند الصواب مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۳۸- امام احمد بن علی الشیخ الحسینی، المتوفی ۳۰۷ هـ، مسند ابو یسعی موصلی مطبوعه دار الماسون تراش بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۳۹- امام عبد الله بن علی بن جادود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ هـ، المستطی مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۴۳۴ هـ
- ۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمه، متوفی ۳۱۳ هـ، صحیح ابن خزیمه مطبوعه کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۵ هـ
- ۴۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان بالغدنی، متوفی ۳۱۴ هـ، مسند عمر بن عبد العزيز
- ۴۲- امام ابو حوانه یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۲۷ هـ، مسند ابو حوانه مطبوعه دار الباز که کرمه
- ۴۳- امام ابو عبد الله محمد بن حکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ هـ، نوادر الاصول مطبوعه دار الریان التراث القاهره ۱۴۳۰ هـ
- ۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد اللؤلؤی، متوفی ۳۲۲ هـ، شرح مشکل الآثار مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۴۳۵ هـ
- ۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد اللؤلؤی، متوفی ۳۲۲ هـ، شرح معانی الآثار مطبوعه مطبعه مجلی پاکستان لاہور ۱۴۳۰ هـ
- ۴۶- امام محمد بن جعفر بن حسین خوافی، متوفی ۳۲۷ هـ، مفارم الاخلاق مطبوعه مطبعه المدنی مصر ۱۴۳۴ هـ
- ۴۷- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۳ هـ، ملاحله بن حبان صحیح ابن حبان مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت
- ۴۸- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۴۰ هـ، الشریعہ مطبوعه مکتبه دار السلام ریاض ۱۴۳۳ هـ
- ۴۹- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ هـ، معجم صغیر مطبوعه مکتبه سلفیہ مدینه منورہ ۱۴۳۸ هـ، کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ هـ
- ۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ هـ، معجم اوسط مطبوعه مکتبه الحارثی ریاض ۱۴۳۰ هـ
- ۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ هـ، معجم کبیر مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت

- ٥٢- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ٣٢٠هـ "مسند الشافعي" مطبوع مؤسسة الرسالة بيروت ١٣٠٩هـ
- ٥٣- امام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني المتوفى ٣٢٠هـ "كتاب الدعاء" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣١٣هـ
- ٥٤- امام ابو بكر احمد بن اسحاق بن عيسى المعروف بابن النسي متوفى ٣٤٠هـ "عمل اليوم والليل" مطبوع مؤسسة الكتب الثقافية بيروت ١٣٠٨هـ
- ٥٥- امام عبد الله بن عدي الجرجاني المتوفى ٣٤٥هـ "الكامل في شفاء الرجايل" مطبوع دار الفكر بيروت
- ٥٦- امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاين المتوفى ٣٨٥هـ "الفتح والنسوخ من الحديث" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣١٣هـ
- ٥٧- امام عبد الله بن محمد بن جعفر المعروف بابن الشيخ متوفى ٣٩٦هـ "كتاب المعظم" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت
- ٥٨- امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله حاكم نيسابور متوفى ٤٠٥هـ "المستدرک" مطبوع دار الباز "مكة المكرمة
- ٥٩- امام ابو فسيم احمد بن عبد الله اصبهاني متوفى ٤٣٠هـ "طية الاولياء" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣١٨هـ
- ٦٠- امام ابو فسيم احمد بن عبد الله اصبهاني متوفى ٤٣٠هـ "ذلا كل النبوة" مطبوع دار الفخايس بيروت
- ٦١- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "مسنن كبري" مطبوع نشر لسته ملكن
- ٦٢- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "كتاب الاسماء والصفات" مطبوع دار احياء التراث العربي بيروت
- ٦٣- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "معرفه السنن والاكابر" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت
- ٦٤- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "ذلا كل النبوة" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت
- ٦٥- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "كتاب الادب" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣٠٩هـ
- ٦٦- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "كتاب فضائل الائمة" مطبوع مكتبة السارة "مكة المكرمة ١٣١٢هـ
- ٦٧- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "شعب اليمان" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣٠٩هـ
- ٦٨- امام ابو بكر احمد بن حسين بن يحيى متوفى ٤٥٨هـ "المبعث والشور" مطبوع دار الفكر بيروت ١٣١٣هـ
- ٦٩- امام ابو عمرو يوسف ابن عبد البر قرطبي متوفى ٤٥٨هـ "جامع بيان العلم وفضله" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت
- ٧٠- امام ابو شجاع شيرازي بن شيرازي بن شيرازي المتوفى ٥٠٩هـ "الردوس" المطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣٠٩هـ
- ٧١- امام حسين بن مسعود بن موسى متوفى ٥٥٦هـ "شرح السنة" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣١٣هـ
- ٧٢- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساکر متوفى ٥٥٤هـ "تخت تاريخ دمشق" مطبوع دار الفكر بيروت ١٣٠٣هـ
- ٧٣- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساکر متوفى ٥٥٤هـ "تخت تاريخ دمشق" مطبوع دار احياء التراث العربي بيروت ١٣٠٤هـ
- ٧٤- امام محمد بن عبد الله بن المبارك بن محمد الشافعي المعروف بابن الاثير الجزري المتوفى ٤٦٦هـ "جامع الاصول" مطبوع دار الكتب العلمية بيروت ١٣١٨هـ
- ٧٥- امام ضياء الدين محمد بن عبد الواحد مقدسي متوفى ٥٧٣هـ "الاطلاع على الحارة" مطبوع مكتبة النهضة الجديدة "مكة المكرمة ١٣١٠هـ
- ٧٦- امام زكي الدين عبد العظيم بن عبد القوي السدري المتوفى ٦٥٦هـ "الترغيب والترهيب" مطبوع دار الحديث قاهرة ١٣٠٤هـ "دار ابن كثير بيروت ١٣١٣هـ
- ٧٧- امام ابو عبد الله محمد بن احمد الكوفي قرطبي متوفى ٦٧٨هـ "مختصر كوفي" مطبوع دار البخاري دمشق منوره
- ٧٨- امام علي الدين ترمذي متوفى ٤٤٣هـ "مشکوة" مطبوع مجمع الطائفة دلي "دمشق بيروت
- ٧٩- حافظ جمال الدين عبد الله بن يوسف زليحي متوفى ٤٤٤هـ "نصب الرعية" مطبوع مجلس علمي سورت هند ١٣٥٤هـ

- ۸۰- امام محمد بن عبد الله زرکشی، متوفی ۷۹۳ھ، الکافی المستوری، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۶۷ھ
- ۸۱- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی، المتوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد، مطبوعه دار الکتب العربی بیروت، ۱۳۰۲ھ
- ۸۲- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی، المتوفی ۸۰۰ھ، کنف الاستار، مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت، ۱۳۰۲ھ
- ۸۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی، المتوفی ۸۰۰ھ، مورد الظہان، مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۸۴- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعه مصطفی البیالی و اولاده مصر، ۱۳۵۰ھ
- ۸۵- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر عیسیٰ شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، کذا، ابن ماجہ، مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۸۶- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی، ترکمانی، متوفی ۸۴۵ھ، الجوهرة النقی، مطبوعه نشر السنه لمان
- ۸۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعه مکتبه دار الباز مکہ مکرمہ
- ۸۸- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۴ھ، المطالب العالی، مطبوعه مکتبه دار الباز مکہ مکرمہ
- ۸۹- امام عبد الرؤف بن علی السنوی، المتوفی ۸۵۴ھ، کنوز الحقائق، مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۶۷ھ
- ۹۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الصحیفه، مطبوعه دار المعرفه بیروت، ۱۳۳۹ھ
- ۹۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمہ الزہراء
- ۹۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث، مطبوعه دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، ملبودر السافر، مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۲۲ھ، دار ابن خزم بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، المناصیر، مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، ملبودر المستدرک، مطبوعه دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۹۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۰۷ھ، کنف الفکر، مطبوعه مطبعه مامون، مکتبه مصر، ۱۳۰۲ھ
- ۹۷- علامہ علی متقی بن حاتم الدین ہندی، برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت

### کتاب تفاسیر

- ۹۸- حضرت عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما، تفسیر القرآن، مطبوعه مکتبه آیت اللہ العظمیٰ ایران
- ۹۹- امام حسن بن عبد الله البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعه مکتبه اندلسیہ مکہ مکرمہ، ۱۳۳۳ھ
- ۱۰۰- امام ابو عبد الله محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعه دار احیاء العلوم بیروت، ۱۳۱۰ھ
- ۱۰۱- امام ابو ذر کریانجی، بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعه بیروت
- ۱۰۲- امام عبد الرزاق بن حاتم صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعه دار المعرفه بیروت
- ۱۰۳- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعه دار الکتب ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، جامع البیان، مطبوعه دار المعرفه بیروت، ۱۳۰۹ھ، دار الفکر بیروت
- ۱۰۵- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۳۰ھ، معرب القرآن، مطبوعه مطبعه سلمان فارسی ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۶- امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۳۲ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعه مکتبه زار، مصطفیٰ الازہر مکہ مکرمہ، ۱۳۶۷ھ
- ۱۰۷- امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص خنی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعه سبیل الیثدی لاہور، ۱۳۰۰ھ

- ۱۰۸- علامه ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی 'متون' ۳۷۵ هـ 'تفسیر سمرقندی' مطبوعه مکتبه دار الباز که کره ۱۳۳۴ هـ
- ۱۰۹- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی 'متون' ۳۸۵ هـ 'تیسار فی تفسیر القرآن' مطبوعه عالم الکتب بیروت
- ۱۱۰- علامه کی بن ابی طالب متون ۳۳۷ هـ 'مشکل اعراب القرآن' مطبوعه انتشارات نور ایران ۱۳۳۴ هـ
- ۱۱۱- علامه ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بخاری شافعی 'متون' ۳۵۰ هـ 'الکتب العیون' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۱۱۲- علامه جلاله محمود بن عمر زعفرانی 'متون' ۳۶۷ هـ 'مکشف مطبوعه نشر البلاغ قم ایران ۱۳۳۳ هـ
- ۱۱۳- علامه ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری 'متون' ۳۶۸ هـ 'تویض مطبوعه دار الکتب العربیه بیروت ۱۳۱۵ هـ
- ۱۱۴- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی 'متون' ۳۶۸ هـ 'اسباب نزول القرآن' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی 'متون' ۳۶۸ هـ 'تویض مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۵ هـ
- ۱۱۶- امام ابو محمد الحسین بن مسعود القراء البغوی 'متون' ۳۵۹ هـ 'معالم التنزیل' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۳ هـ
- ۱۱۷- علامه ابو بکر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربی 'تاکلی' 'متون' ۳۳۳ هـ 'احکام القرآن' مطبوعه دار المعرفه بیروت
- ۱۱۸- علامه ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن علی 'متون' ۳۳۶ هـ 'الحجرات' مطبوعه مکتبه تجاریه که کره
- ۱۱۹- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی 'متون' ۳۳۸ هـ 'مجمع البیان' مطبوعه انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۶ هـ
- ۱۲۰- علامه ابو القریح عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی 'متون' ۳۵۹ هـ 'زاد السیر' مطبوعه مکتب اسلامی بیروت
- ۱۲۱- خواجه عبد الله انصاری من علماء القرن السادس 'مکشف الاسرار و معاد الاثر' مطبوعه انتشارات امیر کبیر تهران
- ۱۲۲- امام محمد بن محمد بن ضیاء الله بن محمد رازی 'متون' ۳۶۶ هـ 'تفسیر کبیر' مطبوعه دار احیاء التراث العربیه بیروت ۱۳۱۵ هـ
- ۱۲۳- علامه محی الدین ابن عربی 'متون' ۳۳۸ هـ 'تفسیر القرآن الکریم' مطبوعه انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۰۶ هـ
- ۱۲۴- علامه ابو عبد الله محمد بن احمد مالکی قرطبی 'متون' ۳۶۸ هـ 'المباح لاحکام القرآن' مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ هـ
- ۱۲۵- قاضی ابو الخیر عبد الله بن عمر بن خلوی شیرازی شافعی 'متون' ۳۶۵ هـ 'انوار التنزیل' مطبوعه دار قرآن للشرع و التوزیع مصر
- ۱۲۶- علامه ابو البرکت احمد بن محمد نسفی 'متون' ۳۷۷ هـ 'مدارک التریل' مطبوعه دار الکتب العربیه پشاور
- ۱۲۷- علامه علی بن محمد خازن شافعی 'متون' ۳۷۵ هـ 'لب لبک الکوی' مطبوعه دار الکتب العربیه پشاور
- ۱۲۸- علامه نظام الدین حسین بن محمد فی 'متون' ۳۷۸ هـ 'تفسیر نیشاپوری' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۶ هـ
- ۱۲۹- علامه تقی الدین ابن جمیع 'متون' ۳۷۸ هـ 'تفسیر الکبیر' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۰۶ هـ
- ۱۳۰- علامه شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن اقصم الجوزیه 'متون' ۳۷۷ هـ 'بدایع التفسیر' مطبوعه دار ابن الجوزیه که کره
- ۱۳۱- علامه ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی 'متون' ۳۷۳ هـ 'الحجرات' مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ هـ
- ۱۳۲- علامه ابو العباس بن یوسف السمنی شافعی 'متون' ۳۷۶ هـ 'مکدر المعنون' مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۳ هـ
- ۱۳۳- حافظ علاء الدین اسماعیل بن محمد بن کثیر شافعی 'متون' ۳۷۳ هـ 'تفسیر القرآن' مطبوعه نواره اندلس بیروت ۱۳۸۵ هـ
- ۱۳۴- علامه علاء الدین منصور بن الحسن الکازرونی شافعی 'متون' ۳۷۰ هـ 'حاشیه الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۶ هـ
- ۱۳۵- علامه عبد الرحمن بن محمد بن قلوب محاسبی 'متون' ۳۷۵ هـ 'تفسیر الشیخ' مطبوعه موسسه الاطلس للمطبوعات بیروت
- ۱۳۶- علامه ابو الحسن ابراهیم بن عمر البقاعی 'متون' ۳۸۵ هـ 'لظم الدرر' مطبوعه دار الکتب الاسلامی قاهره ۱۳۳۳ هـ
- ۱۳۷- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۳۹۰ هـ 'مکدر المشرق' مطبوعه مکتبه آیت الله العظمی ایران



- ۱۳۸- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۹۹ھ 'جلالین' مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۱۳۹- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۹۹ھ 'باب التناول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۱۴۰- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قزوینی 'متون' ۹۹۹ھ 'حاشیہ شیخ زکریا علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دہلی
- ۱۴۱- شیخ فتح اللہ کاشانی 'متون' ۹۹۹ھ 'منہج الصلوٰۃ' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۴۲- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عسکری 'متون' ۹۹۹ھ 'تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۴۳- علامہ احمد شمس الدین فحاشی مصری 'متون' ۱۰۰۶ھ 'عملیۃ القاضی' مطبوعہ دار سلو بیروت ۱۳۸۳ھ
- ۱۴۴- علامہ احمد جیون خونجوری 'متون' ۱۰۰۶ھ 'تفسیرات الاحمدیہ' مطبعہ کریمی بمبئی
- ۱۴۵- علامہ اسماعیل حقی 'متون' ۱۰۱۳ھ 'روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۴۶- شیخ سلیمان بن عمر الحروف بالجل 'متون' ۱۰۱۳ھ 'الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبعۃ البیتہ مصر ۱۳۰۴ھ
- ۱۴۷- علامہ احمد بن محمد صلوٰۃ ماکلی 'متون' ۱۰۲۳ھ 'تفسیر صلوٰۃ' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر
- ۱۴۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی 'متون' ۱۰۲۵ھ 'تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بکسٹاپ کوئٹہ
- ۱۴۹- شاہ عبد العزیز محمد شہدائی 'متون' ۱۰۳۹ھ 'تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبعہ فاروقی دہلی
- ۱۵۰- شیخ محمد بن علی شوکانی 'متون' ۱۰۵۰ھ 'فتح القدر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۵۱- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی 'متون' ۱۰۷۰ھ 'روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۱۵۲- نواب صدیق حسن خان بھڑالی 'متون' ۱۰۷۰ھ 'فتح البیان' مطبوعہ مطبعہ امیر کبریٰ بلاق مصر ۱۳۰۱ھ ۴ مکتبہ العصر بیروت ۱۳۴۴ھ
- ۱۵۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی 'متون' ۱۰۷۲ھ 'تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۵۴- علامہ محمد رشید رضا 'متون' ۱۰۷۳ھ 'تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۵۵- علامہ حکیم شیخ شعلوی جوہری مصری 'متون' ۱۰۷۵ھ 'الجواہر فی تفسیر القرآن' ۴ مکتبہ الاسلامیہ ریاض
- ۱۵۶- شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۱۰۷۵ھ 'بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
- ۱۵۷- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی 'متون' ۱۰۷۶ھ 'قرآن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لیسٹڈ لاہور
- ۱۵۸- شیخ محمود الحسن دیوبندی 'متون' ۱۰۷۶ھ 'شیخ شہیر احمد عثمانی' 'متون' ۱۰۷۶ھ 'حاشیہ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لیسٹڈ لاہور
- ۱۵۹- علامہ محمد طاہر بن عاشور 'متون' ۱۰۸۰ھ 'تحریر و اشعار' مطبوعہ تونس
- ۱۶۰- سید محمد قطب شہید 'متون' ۱۰۸۵ھ 'فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۸۲ھ
- ۱۶۱- مفتی احمد یار خان نعیمی 'متون' ۱۰۹۰ھ 'نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ کجرات
- ۱۶۲- مفتی محمد شفیع دیوبندی 'متون' ۱۰۹۶ھ 'معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۶۳- سید ابوالاعلیٰ مودودی 'متون' ۱۰۹۹ھ 'تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۶۴- علامہ سید احمد سعید کاظمی 'متون' ۱۱۰۰ھ 'اتحیاء' مطبوعہ کاظمی علی کیشٹر ملتان
- ۱۶۵- علامہ محمد امین بن محمد عطار بکنی شتیعی 'متون' ۱۱۰۰ھ 'افہام البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶۶- استاد احمد مصطفیٰ الراغبی 'تفسیر الراغبی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۱۶۷- آیت اللہ مکارم شیرازی 'تفسیر نمونه' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۷۷ھ

- ۱۶۸- جسٹس میر کرم شاہ لاہوری، ضیاء القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن علی کیشنر لاہور
- ۱۶۹- شیخ امین احسن اصلاحي، تہذیب قرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت لاہور
- ۱۷۰- علامہ محمود صلی، اعراب القرآن و صرفیہ بیانہ مطبوعہ انتشارات زوین ایران
- ۱۷۱- استاد محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیانہ مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۷۲- ڈاکٹر وجہ زحلی، تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۵ھ
- ۱۷۳- سعیدی حوی، الاساس فی التفسیر مطبوعہ دار السلام

### کتاب علوم قرآن

- ۱۷۴- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۴۳ھ، البرہان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۷۵- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاثبات فی علوم القرآن مطبوعہ سبیل الایضی لاہور
- ۱۷۶- علامہ محمد عبد العظیم زرکشی، منزل و البرہان مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

### کتاب شروح حدیث

- ۱۷۷- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۴۵ھ، کلاسیک کار مطبوعہ دار السنۃ العربیہ بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۷۸- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۴۵ھ، التہذیب مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۳۴۰ھ، مکتبہ التجاریہ مکہ مکرمہ ۱۳۸۷ھ
- ۱۷۹- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف بن مالکی، اندلسی متوفی ۳۸۴ھ، المستدرک مطبوعہ مطبع السلوۃ مصر ۱۳۳۲ھ
- ۱۸۰- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ، غارۃ الاحادیث مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۸۱- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۵۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۸۲- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابو نعیم القرطبی مالکی، متوفی ۴۵۰ھ، المعجم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۱۸۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۷ھ، شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ
- ۱۸۴- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۷۳ھ، شرح الطیبی مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۳۱۳ھ
- ۱۸۵- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن طہود شتانی ابی مالکی، متوفی ۷۷۸ھ، اکمل اکمل المطم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۸۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۵ھ، فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
- ۱۸۷- حافظ بدر الدین محمد بن احمد بن حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ
- ۱۸۸- علامہ محمد بن محمد شوشی مالکی، متوفی ۸۹۵ھ، تامل اکمل المطم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۸۹- علامہ احمد عسقلانی، متوفی ۹۰۰ھ، عمدة القاری مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
- ۱۹۰- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی، متوفی ۹۰۳ھ، تلخیص القدر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۵ھ، مکتبہ زکاء مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ
- ۱۹۱- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی، متوفی ۹۰۳ھ، شرح اشعاع مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۱۹۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۹۰۳ھ، جامع التوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۱۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۹۰۳ھ، شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ

- ۱۹۴- علامه علی بن سلطان محمد القاری 'متونی ۱۰۳۲ھ' مرآت مطبوعه کتبه آدیه لکهن ۱۳۹۰ھ
- ۱۹۵- علامه علی بن سلطان محمد القاری 'متونی ۱۰۳۳ھ' المیزان مطبوعه مطبعه امیریه مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ
- ۱۹۶- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی 'متونی ۱۲۵۰ھ' تحفہ الاذکرین مطبوعه مطبعه مصطفیٰ البیاض و اولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۱۹۷- شیخ عبدالحق محدث دہلوی 'متونی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللغات مطبوعه مطبعه تج کدار کشتو
- ۱۹۸- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری 'متونی ۱۲۲۵ھ' تحفہ الاحادیث مطبوعه نشر المکتبہ لکهن
- ۱۹۹- شیخ انور شاکر شیری 'متونی ۱۲۵۲ھ' تلخیص الہادی مطبوعه مطبعه مجازی مصر ۱۳۵۷ھ
- ۲۰۰- شیخ شبیر احمد عثمانی 'متونی ۱۳۶۹ھ' فتح الملکم مطبوعه مکتبه المجاز کراچی
- ۲۰۱- شیخ محمد ادریس کاندھلوی 'متونی ۱۳۰۵ھ' تطہیق و تصحیح مطبوعه مکتبه طبعیہ لاہور

### کتاب اسماء الرجال

- ۲۰۲- علامہ ابو القریب عبد الرحمن بن علی جوزی 'متونی ۵۹۷ھ' انساب النساب مطبوعه کتبه اثریہ لعل آباد ۱۳۰۴ھ
- ۲۰۳- حافظ جمال الدین ابو الجراح یوسف حزی ۱۳۳۵ھ 'تہذیب الکمال مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۵ھ
- ۲۰۴- علامہ شمس الدین محمد بن محمد زہبی 'متونی ۷۳۸ھ' میزان الاعتدال مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲۰۵- حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی 'متونی ۸۵۳ھ' تہذیب التہذیب مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۲۰۶- حافظ شمس الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی 'متونی ۸۵۳ھ' تقریب التہذیب مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۲۰۷- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السیوطی 'متونی ۸۵۳ھ' المقاصد اللہ مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۲۰۸- حافظ جلال الدین سیوطی 'متونی ۸۵۳ھ' الکمال المصنوعہ مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۲۰۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری 'متونی ۱۰۳۲ھ' موضوعات کبیر مطبوعه مطبعه بیتانی رملی
- ۲۱۰- علامہ اسماعیل بن محمد الجبلونی 'متونی ۱۲۳۳ھ' کشف الخفاہ منزل الایمان مطبوعه کتبه الغزالی مدینہ

### کتاب لغت

- ۲۱۱- الام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی 'متونی ۱۲۷۵ھ' کتاب الحین مطبوعه انتشارات اسد ابرار ۱۳۳۳ھ
- ۲۱۲- علامہ اسماعیل بن حماد الجوزی 'متونی ۱۰۹۸ھ' الصحاح مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۳۵ھ
- ۲۱۳- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی 'متونی ۵۵۲ھ' المفردات مطبوعه کتبه زہار مصطفیٰ البیاض مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ
- ۲۱۴- علامہ محمود بن حمزہ مخشوری 'متونی ۵۸۳ھ' المفاتیح مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۱۵- علامہ محمد بن اشیر الجزری 'متونی ۶۰۶ھ' تمایہ مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۱۶- علامہ یحییٰ بن شراب لودی 'متونی ۶۷۷ھ' تہذیب الاسماء واللغات مطبوعه دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۲۱۷- علامہ جمال الدین محمد بن محمد بن منکورد افریقی 'متونی ۱۱۷۷ھ' لسان العرب مطبوعه نشر لادب الحوزۃ قم ایران
- ۲۱۸- علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی 'متونی ۸۷۷ھ' القاموس المحیط مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۱۹- علامہ محمد طاہر ثقفی 'متونی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار مطبوعه کتبه دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۳۱۵ھ

- ۲۲۰- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
- ۲۲۱- نوکس معلوف الیسوی، المنجد، مطبوعہ المطبعہ الخاویک، بیروت، ۱۳۳۷ھ
- ۲۲۲- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۳۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ علوم اسلام لاہور
- ۲۲۳- ابو نعیم عبد الحکیم بن نضر جاندہری، قائمہ اللغات، مطبوعہ حادہ ایڈ کینیڈا لاہور

## کتاب تاریخ، سیرت و فضائل

- ۲۲۴- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر و المغازی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۲۲۵- امام عبد الملک بن اشام، متوفی ۲۳۳ھ، السیرۃ النبویہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۲۶- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۴۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۸ھ
- ۲۲۷- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الخوارزمی، المتوفی ۴۵۵ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۳۰۸ھ
- ۲۲۸- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، تاریخ الامم و الملوک، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۲۹- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۳۱- علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سیسی، متوفی ۵۵۷ھ، الروض اللائف، مکتبہ فاروقیہ ملتان
- ۲۳۲- علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی، متوفی ۵۵۹ھ، کلاۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۲۳۳- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المعروف بکین الاثیر، متوفی ۵۳۰ھ، مسد النجا، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۴- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المعروف بکین الاثیر، متوفی ۵۳۰ھ، الکامل فی التدریج، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
- ۲۳۵- علامہ حسن الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن کلان، متوفی ۵۸۶ھ، ذیات الامیین، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۲۳۶- علامہ علی بن عبد اللہ بن علی بن ابی الدین سکی، متوفی ۵۸۷ھ، الشفاء، المطبوعہ فی زیارة خیر الامم مطبوعہ کراچی
- ۲۳۷- حافظ علاء الدین اسماعیل بن عمرو کثیر شافعی، متوفی ۵۸۷ھ، کلبہ اید و التملیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
- ۲۳۸- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن جبر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الامصاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۹- علامہ نور الدین علی بن احمد صودی، متوفی ۹۰۰ھ، وقایع الوقایہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۲۴۰- علامہ احمد نسفی، متوفی ۹۰۰ھ، المصابیح، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۲۱ھ
- ۲۴۱- علامہ محمد بن یوسف اصحابی الشافعی، متوفی ۹۲۲ھ، سبل اللہ فی دار الشفاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۲۴۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۳ھ، المصابیح، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
- ۲۴۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۴۴- شیخ عبد الحق محمد شعلوی، متوفی ۱۰۵۳ھ، تدریج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۲۴۵- علامہ احمد شہاب الدین فحاحی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۴۶- علامہ محمد عبد الباقی زرقلی، متوفی ۱۰۶۹ھ، شرح المصابیح، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۲۴۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۰۷۹ھ، منظر العیوب، مطبوعہ تاج کینیڈا کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۲۴۸- علامہ حسین بن منصور لوزجندی متوفی ۹۵۵ھ قتلوی قاضی خان مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یو لاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۴۹- شمس الانامہ محمد بن احمد سرفسی متوفی ۸۳۸ھ المیسوطہ مطبوعہ دار العرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۲۵۰- شمس الانامہ محمد بن احمد سرفسی متوفی ۸۳۸ھ شرح سیر کبیر مطبوعہ المکتبۃ الشریعۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۹۵ھ
- ۲۵۱- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۳۲ھ خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امپریال انڈیانا ہاور ۱۳۹۷ھ
- ۲۵۲- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۵۸ھ بذائع الصنائع مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی ۱۳۰۰ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۵۳- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۵۳ھ بذایہ لولین و آخرین مطبوعہ شرکت ملیہ لبنان
- ۲۵۴- علامہ محمد بن محمود بایزائی متوفی ۷۸۶ھ عمایہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۵۵- علامہ عالم بن الطاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ قتلوی آثار عالیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۴ھ
- ۲۵۶- علامہ ابو بکر بن علی حدادی متوفی ۸۰۰ھ الحجۃ ہرہ المنیرہ مطبوعہ مکتبہ الحدادیہ لبنان
- ۲۵۷- علامہ محمد شلب الدین بن یزید کردی متوفی ۸۴۷ھ قتلوی یزیدیہ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یو لاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۵۸- علامہ بدر الدین محمود بن احمد یحییٰ متوفی ۸۵۵ھ بنایہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۴ھ
- ۲۵۹- علامہ کمال الدین بن عمام متوفی ۸۷۶ھ فتح القدر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۶۰- علامہ جلال الدین خواجہ زکی کفایہ مکتبہ لوریہ رضویہ سکر
- ۲۶۱- علامہ حسین الدین المردی السروہیہ عمہ ملا مسکین متوفی ۹۵۳ھ شرح الکفر مطبوعہ جمعیت المعارف العربیہ مصر
- ۲۶۲- علامہ ایرامیہ بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ فیتہ المستملی مطبوعہ سبیل انڈیانا ہاور ۱۳۳۳ھ
- ۲۶۳- علامہ محمد فراسانی متوفی ۹۶۳ھ جامع الرموز مطبوعہ مطبعہ قشقاو کاشور ۱۳۳۳ھ
- ۲۶۴- علامہ زین الدین بن نجم متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۳۳ھ
- ۲۶۵- علامہ حامد بن علی قولوی مدنی متوفی ۹۸۵ھ قتلوی حامدیہ مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۳۰ھ
- ۲۶۶- علامہ ابو السعود محمد بن محمد الدودی متوفی ۹۸۵ھ حاشیہ ابو مسعود علی ملا مسکین مطبوعہ جمعیت المعارف العربیہ مصر ۱۳۳۷ھ
- ۲۶۷- علامہ خیر الدین ربی متوفی ۹۸۷ھ قتلوی خیریہ مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۳۰ھ
- ۲۶۸- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حکنی متوفی ۱۰۸۸ھ عقد الرکار مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۲۶۹- علامہ سید احمد بن محمد حوی متوفی ۱۰۹۸ھ فزعیون بصائر مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۷۰- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۵۵ھ قتلوی عالم گیری مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یو لاق مصر ۱۳۳۰ھ
- ۲۷۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۱۵۵ھ مسند الخاق مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۳۱ھ
- ۲۷۲- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۱۵۵ھ تحقیق الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ کویت
- ۲۷۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۱۵۵ھ رسا کل ابن عابدین مطبوعہ سبیل انڈیانا ہاور ۱۳۳۹ھ
- ۲۷۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۱۵۵ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۷۵- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ جد المحتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
- ۲۷۶- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ قتلوی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

- ۲۷۷- امام احمد رضا قادری 'متونی' ۳۲۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ منورہ بیروت کتب کراچی  
 ۲۷۸- علامہ امجد علی 'متونی' ۳۷۷ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ نظام علی ایڈیٹر کراچی  
 ۲۷۹- علامہ نور اللہ نعیمی 'متونی' ۳۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کتبائیں پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

### کتب فقہ شافعی

- ۲۸۰- امام محمد بن نوریس شافعی 'متونی' ۳۰۳ھ کلام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ  
 ۲۸۱- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب قادری شافعی 'متونی' ۳۵۰ھ الفتاویٰ الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ  
 ۲۸۲- علامہ ابوالحسن شیرازی 'متونی' ۳۵۵ھ المذنب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ھ  
 ۲۸۳- امام محمد بن محمد غزالی 'متونی' ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ  
 ۲۸۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی' ۶۷۷ھ شرح المذنب مطبوعہ دار الفکر بیروت  
 ۲۸۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی 'متونی' ۶۷۷ھ رد المحتار المطالبین مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ  
 ۲۸۶- علامہ جلال الدین سیوطی 'متونی' ۸۱۳ھ الفتاویٰ للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لعل آباد  
 ۲۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربیع 'متونی' ۸۰۳ھ نہایت الخراج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ  
 ۲۸۸- علامہ ابوالفیاء علی بن علی شبراہلی 'متونی' ۸۰۸ھ حاشیہ ابوالفیاء علی نہایت الخراج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

### کتب فقہ مالکی

- ۲۸۹- امام عتوان بن سعید خوئی مالکی 'متونی' ۵۵۷ھ المدون الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت  
 ۲۹۰- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی 'متونی' ۵۹۵ھ بدایت الجہد مطبوعہ دار الفکر بیروت  
 ۲۹۱- علامہ غلیل بن اسحاق مالکی 'متونی' ۶۷۷ھ مختصر غلیل مطبوعہ دار سلور بیروت  
 ۲۹۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطالب القرطبی 'متونی' ۹۵۵ھ مواہب الجلیل مطبوعہ مکتبۃ اشہار لبیا  
 ۲۹۳- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشانی 'متونی' ۱۰۸۸ھ الخرشانی علی مختصر غلیل مطبوعہ دار سلور بیروت  
 ۲۹۴- علامہ ابوالبرکات احمد درویش مالکی 'متونی' ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت  
 ۲۹۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ رشتی 'متونی' ۱۲۱۹ھ حاشیہ لد رشتی علی الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت

### کتب فقہ حنبلی

- ۲۹۶- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متونی' ۳۳۰ھ المغنی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ  
 ۲۹۷- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ 'متونی' ۳۳۰ھ المکاشی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ  
 ۲۹۸- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ 'متونی' ۷۲۸ھ مجموعہ الفتاویٰ مطبوعہ ریاض  
 ۲۹۹- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قلاح مقدسی 'متونی' ۷۳۳ھ کتب القروع مطبوعہ عالم الکتب بیروت  
 ۳۰۰- علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروانی 'متونی' ۸۸۵ھ الاضافہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت



### کتاب شیعہ

- ۳۰۱- شیخ ابلاغہ (خطبات حضرت علیؑ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
- ۳۰۲- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۰۳- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الفروع من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۰۴- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس الاحتاج موسسہ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳۰۵- شیخ کمال الدین یثمدین علی بن یثمد البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ شرح شیخ ابلاغہ مطبوعہ موسسہ انصاریان
- ۳۰۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۸۰ھ مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۳۷ھ
- ۳۰۷- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۸۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ تہران
- ۳۰۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۸۰ھ جلاء العیون مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ تہران

### کتاب عقائد و کلام

- ۳۰۹- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المنتقد من انفسال مطبوعہ لاہور ۱۳۰۵ھ
- ۳۱۰- علامہ ابو البرکات عبد الرحمن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ کلامی الی الاسلام مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۳۱۱- شیخ احمد بن عبد الحکیم بن حمید متوفی ۷۲۸ھ العقیدۃ الواسطیہ مطبوعہ دار السلام ریاض ۱۳۳۳ھ
- ۳۱۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۷۹ھ شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۳۱۳- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۷۹ھ شرح القاصد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۱۴- علامہ میرید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ شرح الرواق مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۱۵- علامہ کمال الدین بن حمام متوفی ۸۷۶ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ الطلوع مصر
- ۳۱۶- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسامو مطبوعہ مطبعہ الطلوع مصر
- ۳۱۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع مصطفیٰ الباہلی داودا مصر ۱۳۷۵ھ
- ۳۱۸- علامہ محمد بن احمد البخاری المتوفی ۱۱۸۸ھ کواصع الانوار البیہ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۳۱۹- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۱۷ھ کتاب العقائد مطبوعہ تاجدار حرم بہشتنگ کینی کراچی

### کتاب اصول فقہ

- ۳۲۰- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ المحصول مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ
- ۳۲۱- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۳۳۵ھ
- ۳۲۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۷۹ھ توضیح و تکوین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۳۲۳- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشیراز بن حمام متوفی ۸۷۶ھ التحریر مع التیسیر مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض
- ۳۲۴- علامہ محب اللہ بھاری متوفی ۱۱۹۹ھ مسلم الثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۳۲۵- علامہ احمد جوہوری متوفی ۱۳۳۰ھ تہذیب الانوار مطبوعہ ایچ ایم سعید لیمٹد کینی کراچی

۳۲۶- علامہ عبدالحق خیر آبادی 'متون' ۱۸۳۸ھ 'شرح مسلم الشیوخ' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

### کتاب متفرقہ

- ۳۲۷- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن النکلی المتون ۸۶۷ھ 'توت القلوب' مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ
- ۳۲۸- امام محمد بن محمد غزالی 'متون' ۵۰۵ھ 'احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳۲۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی 'متون' ۲۶۸ھ 'کاتذکر' مطبوعہ دار البیروت بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۳۰- شیخ تقی الدین احمد بن حمید ضلی 'متون' ۷۷۸ھ 'کاتذکرہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ
- ۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی 'متون' ۷۷۸ھ 'کتاب مطبوعہ دار الفکر العربی قاہرہ مصر
- ۳۳۲- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی 'متون' ۷۶۸ھ 'روض الریاض' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیروت اولاد مصر ۱۳۷۳ھ
- ۳۳۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جزبانی 'متون' ۸۶۱ھ 'کتاب التعریقات' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ 'مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۳۱۸ھ
- ۳۳۴- حافظ جلال الدین سیوطی 'متون' ۹۱۱ھ 'شرح الصدور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳۳۵- علامہ ابن حجر مکی 'متون' ۹۷۳ھ 'تذکرۃ حلیہ' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیروت اولاد مصر ۱۳۵۶ھ
- ۳۳۶- علامہ احمد بن حجر قسطلانی 'متون' ۹۷۳ھ 'اصول الحق' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۳۳۷- علامہ احمد بن حجر قسطلانی 'متون' ۹۷۳ھ 'اصول الحق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳۳۸- امام احمد سرحدی محمد الفغانی 'متون' ۱۰۳۳ھ 'مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مکتبہ جیشنگ کینی کراچی ۱۳۷۰ھ
- ۳۳۹- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی 'متون' ۱۰۵۵ھ 'اتحاف سائر المستعین' مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۷۳ھ
- ۳۴۰- شیخ رشید احمد گنگوہی 'متون' ۱۲۲۳ھ 'تذکرۃ رشیدیہ کمال' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
- ۳۴۱- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ آشیر بحالی خلیفہ 'کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طبرن ۱۳۷۸ھ
- ۳۴۲- امام احمد رضا قادری 'متون' ۱۳۴۰ھ 'المقارنہ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
- ۳۴۳- شیخ وحید الزمان 'متون' ۱۳۳۸ھ 'بدیۃ الہدی' مطبوعہ میو پریس دہلی ۱۳۲۵ھ
- ۳۴۴- علامہ یوسف بن اسماعیل التہانی 'متون' ۱۳۵۰ھ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۱۷ھ
- ۳۴۵- شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۱۳۶۲ھ 'بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لیسٹڈ لاہور
- ۳۴۶- شیخ اشرف علی تھانوی 'متون' ۱۳۶۲ھ 'حفظ الامان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
- ۳۴۷- علامہ عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی 'ندایار سول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رشتہ لاہور ۱۳۰۵ھ



## سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد چہارم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک شال اردو بازار لاہور کے پروف ہو کر پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد اہم لٹری